

ڈاکٹر محمد آفتاب خان

جنس اور جنسیت

اسلامی تناظر میں

www.KitaboSunnat.com

نشریات



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

محدث لائبریری
کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

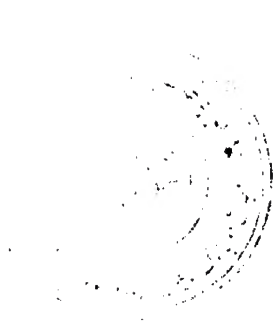


www.KitaboSunnat.com

جنس اور جنسیت اسلامی تناظر میں

جنس اور جنسیت

اسلامی تناظر میں



۱۹۸
ج

ڈاکٹر محمد آفتاب خان

نشریات

۳۰ اردو بازار، لاہور۔ فون: ۳۵۸۹۳۱۹-۳۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس کتاب کا کوئی حصہ مصنف / پبلشر کی اجازت کے بغیر چھاپنا ممنوع ہے۔

جملہ حقوق محفوظ

۲۰۱۰ء

جنس اور جنسیت	:	نام کتاب
ڈاکٹر محمد آفتاب خان	:	مصنف
میٹروپولیٹن، لاہور	:	مطبع
نشریات، لاہور	:	اہتمام

نفسی علاج
فیضی ایبک سہیل پریسنگز

اُردو بازار، نزد یو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724



کتاب سرائے

پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات



فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، مغربی سٹریٹ

اُردو بازار، لاہور فون: 37320318 فکس: 37230884

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

انتساب

ان تمام لڑکوں اور لڑکیوں (Seagulls)

کے نام

جو اپنی زندگی کے

خوشگوار ترین تجربے (شادی) کے تکمیلی مراحل میں ہیں!

ہے آں گروہ کہ از ساغر وفا مستند

سلام ماہر سانید ہر کجا ہستند!

ترتیب

دوسرا باب

اسلام میں عورت کا مقام اور خاندانی نظام

اسلام میں خاندانی نظام کے عوامل ----- ۶۴

انسانی تاریخ میں عورت کا مقام ایک جائزہ ۶۷

اسلام میں عورت کا مقام ----- ۷۱

اسلام میں شادی اور خاندانی نظام کی تشکیل ۷۳

مسلم خاندان کی ہمیت ترکیبی ----- ۷۵

اسلام میں عورتوں کے حقوق ----- ۷۶

(الف) بطور ماں ----- ۷۶

(ب) بطور ہمیشہ ----- ۷۷

(ج) بطور بیوی ----- ۷۷

(د) بطور بیٹی ----- ۷۹

اسلام میں عورت کی عزت و احترام ----- ۸۱

چند مذہبی امور میں عورت کو دی گئی رعایت ۸۲

(الف) چند مذہبی رعایتیں ----- ۸۲

(ب) دوران حمل و ولادت کے بعد رعایتیں ۸۲

(ج) چند دیگر مستثنیات ----- ۸۳

تیسرا باب: پردہ اور حجاب

حجاب / پردے کا تاریخی پس منظر ----- ۸۶

پردہ ----- ۹۰

تعارف ----- ۱۹

اظہار تشکر ----- ۳۰

حصہ اول: اسلام کا اجمالی تعارف

پہلا باب: اسلام ایک ضابطہ حیات

اسلام ایک ضابطہ حیات ----- ۳۳

اشاعت اسلام ----- ۴۲

قرآن، اللہ کا آخری کلام ----- ۴۳

سنت رسول ﷺ ----- ۴۴

ارکان اسلام ----- ۴۷

اسلام میں عبادات کا تصور ----- ۴۹

نماز ----- ۵۰

روزے ----- ۵۰

زکوٰۃ ----- ۵۰

حج ----- ۵۱

جہاد ----- ۵۱

اسلام کا نظام وراثت ----- ۵۲

(الف) ترکے میں بچوں کا حصہ ----- ۵۶

(ب) اولاد کے ترکے میں والدین کا حصہ ۵۸

(ج) میاں بیوی کا ترکے میں حصہ ----- ۵۹

وصیت ----- ۶۲

۱۳۳	(۴) یونان	۹۰	چتر کا پردہ
۱۳۳	(۵) روم	۹۳	شرم و بیاہ
۱۳۴	(۶) ہندوستان	۹۴	تخلیہ (خلوت)
۱۳۶	دنیا کے مذاہب میں جنسیت کا تصور	۱۰۱	غرض اسر
۱۳۷	(۱) یہودیت	۱۰۳	ستر
۱۳۸	(۲) عیسائیت	۱۰۵	زینت و آرائش کی نمائش
۱۴۱	راہبوں کا رویہ اور طرز عمل	۱۰۷	اشاعت و تعلیم دین کا حصول
۱۴۵	جنسی انقلاب	۱۰۹	میدین کی نمازوں میں شرکت
۱۴۷	دور جدید میں جنسیت	۱۱۰	حج کی ادائیگی
۱۴۸	(۱) سگمنڈ فرائڈ	۱۱۰	غزوات / جہاد میں شرکت
۱۵۰	(۲) ہیولاک الیس	۱۱۲	عصمت و عفت (کنوارا پن)
۱۵۴	(۳) الفریڈ کتزے	۱۱۳	عصمت و عفت تاریخی پس منظر
۱۵۶	(الف) مردوں میں مکمل جنسی رویوں کی تسکین	۱۱۵	کنوار پن کے بارے میں غلط فہمیاں
۱۵۹	(ب) عورتوں میں کل جنسی رویوں کی تسکین	عصمت و عفت کے بارے میں ویٹی کن (چرچ)	
۱۵۹	سنگل عورتوں میں مکمل جنسی رویوں کی تسکین	۱۱۹	کا موقف
۱۶۲	شادی شدہ عورتوں میں جنسی رویوں کی تسکین	۱۲۲	عصمت کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر
۱۶۶	کنزے رپورٹ کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ	۱۲۵	عورتوں کی عصمت و عفت کی حفاظت
غیر شادی شدہ عورتوں میں کل جنسی رویوں کی		حصہ دوم: جنس اور جنسی تعلیم	
تسکین کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ		پہلا باب: جنس اور جنسیت کا عمومی جائزہ	
۱۷۱	(۲) مطلقہ اور بیوہ عورتوں میں کل جنسی رویوں	۱۲۹	جنسیت کا تاریخی پس منظر
کی تسکین		۱۳۱	(۱) ازمنہ قدیم
۱۷۳	(۳) ولیم ماسٹرز اور ور جینیا جانسن	۱۳۲	(۲) ۱۲۰۰ قبل مسیح کی قدیم قوم
۱۷۷	جنسی اشتعال کے مختلف مراحل	۱۳۲	(۳) مصر

۲۳۸ ----- (۷) جرمنی	۱۷۸ ----- جنسی ہیجان کا آغاز
۲۳۹ ----- جنسی تعلیم کے مضمرات ایک اجمالی جائزہ	۱۷۹ ----- (ب) جنسی ہیجان کا دورِ عروج
۲۴۱ ----- امریکہ میں یک صنفی سکول ایجوکیشن	۱۸۰ ----- (ج) جنسی حظ کی انتہا
۲۴۸ ----- لڑکیوں کو ملنے والے فوائد	۱۸۱ ----- (د) جنسی ہیجان کا اختتام
۲۴۸ ----- لڑکوں کو ملنے والے فوائد	موجودہ دور میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی
	زندگی میں جنسیت کا کردار ----- ۱۸۲

تیسرا باب

جنسی تعلیم اسلامی تناظر میں

۲۵۲ ----- اسلام کے دورِ اول میں جنسی تعلیم	یورپ اور امریکہ میں جنسی تعلیم
۲۵۵ ----- اسلام میں جنسی تعلیم کی چند اہم خصوصیات	تعارف ----- ۱۸۷
۲۵۹ ----- قرآن وحدیث میں جنسی تعلیم	یورپ میں جنسی تعلیم کا تاریخی پس منظر ----- ۱۹۲
۲۶۱ ----- (۱) تخلیقِ آدم	(۱) جنسی تعلیم کا جامع پروگرام ----- ۱۹۴
۲۶۲ ----- (۲) خاندانی نظام	جامع جنسی تعلیم کے پروگرام کی مخالفت ----- ۱۹۵
۲۶۲ ----- (۳) شادی	نوعمر حاملہ لڑکیاں یا غیر شدہ مائیں ----- ۲۰۸
۲۶۲ ----- (۴) شادی بیاہ کے ممنوعہ رشتے	(۲) شادی سے قبل جنس سے گریز کا نظام ----- ۲۰۹
۲۶۲ ----- (۵) میاں بیوی کے درمیان جنسی تعلقات	جنس گریز تعلیمی پروگرام کی مخالفت ----- ۲۱۰
۲۶۳ ----- (۴) ماہواری	جنسی تعلیم کے بارے میں چند عمومی حقائق ----- ۲۱۷
۲۶۳ ----- (۷) حمل کا قیام	مختلف ممالک میں جنسی تعلیم کا نظام ----- ۲۲۵
(۸) عورت کے رحم میں انسان کے بچے کی	(۱) برطانیہ ----- ۲۲۶
مختلف حالتیں ----- ۲۶۴	(۲) سکاٹ لینڈ ----- ۲۲۸
(۹) بڑھاپا اور بانجھ پن ----- ۲۶۴	(۳) نیدر لینڈ ----- ۲۳۰
(۱۰) بچوں کی رضاعت و تربیت ----- ۲۶۴	(۴) نیوزی لینڈ ----- ۲۳۳
(۱۱) طلاق اور متعلقہ مسائل ----- ۲۶۵	(۵) فرانس ----- ۲۳۴
(۱۲) مختلف سماجی و جنسی معاملات ----- ۲۶۵	(۴) امریکہ ----- ۲۳۷

غیر ممالک میں مسلمان والدین کو اپنی اولاد کو	۲۶۵----- (۱۳) ضبط ولادت اور اسقاط حمل
جنسی تعلیم دینے میں درپیش مسائل ----- ۲۷۸	۲۶۶----- (۱۴) جنسی انحرافات
چوتھا باب	۲۶۶----- (۱۵) زنا کی حرمت
صحت جنسی کی تعلیم	۲۶۶----- (۱۶) وراثت
جنسی صحت کی ضرورت و اہمیت ----- ۲۹۴	۲۶۹----- بچوں کی عمر کے لحاظ سے جنسی تعلیم کا خاکہ
جنسی و تولیدی اعضاء کی تشریح و افعال -- ۲۹۷	۲۶۹----- (۱) پیدائش سے دو سال تک
(الف) عورتوں کے جنسی و تولیدی اعضاء ۲۹۷	۲۷۰----- (۲) ۳ تا ۵ سال کی عمر
(ب) مردانہ جنسی اعضاء ----- ۳۰۰	۲۷۰----- (۳) ۵ سے ۷ سال کی عمر
(ج) ہارمون / ماء الحیات ----- ۳۰۱	۲۷۱----- (۴) ۸ تا ۱۲ سال کی عمر (۲۰ سال سے قبل)
(ج) بلوغت ----- ۳۰۳	۲۷۲----- اسلامی اصولوں پر مبنی جنسی تعلیم کا خاکہ
(الف) جسمانی تبدیلیاں ----- ۳۰۵	۲۷۳----- (۱) جنسی نشوونما
(ب) جذباتی تبدیلیاں ----- ۳۰۶	۲۷۳----- (الف) لڑکیاں
(الف) لڑکوں میں بلوغت کی عمر ----- ۳۰۶	۲۷۴----- (ب) لڑکے
لڑکوں میں جسمانی و جذباتی تبدیلیاں --- ۳۰۸	۲۷۴----- (۲) قراصل
(الف) ۹ سے ۱۰ سال کی عمر ----- ۳۰۸	۲۷۴----- (۳) جنسی امراض
(ب) ۱۱ تا ۱۲ سال کی عمر ----- ۳۰۸	۲۷۴----- (۴) سوشل امور
(ج) ۱۳ تا ۱۴ سال کی عمر ----- ۳۰۹	۲۷۵----- (۵) رول ماڈل
(د) ۱۵ تا ۱۶ سال کی عمر ----- ۳۰۹	۲۷۵----- (۶) فیملی پلاننگ
(ر) ۱۷ تا ۱۹ سال کی عمر ----- ۳۰۹	۲۷۵----- (۷) صنفی مساوات
لڑکیوں میں بلوغت ----- ۳۰۹	۲۷۵----- (۸) طلاق و خلع
لڑکیوں میں بلوغت کی وجہ سے جسمانی و دیگر	۲۷۵----- (۹) وراثت
تبدیلیاں ----- ۳۱۰	۲۷۵----- (۱۰) قبل از شادی تربیت
(الف) ۹ تا ۱۰ سال کی عمر ----- ۳۱۰	۲۷۶----- (۱۱) بعد از شادی تربیت

- (ب) ۱۱ تا ۱۲ سال کی عمر ----- ۳۱۰
- (ج) ۱۳ تا ۱۴ سال کی عمر ----- ۳۱۱
- (د) ۱۵ تا ۱۶ سال کی عمر ----- ۳۱۱
- (ر) ۱۷ تا ۱۸ سال کی عمر ----- ۳۱۱
- آغاز ماہواری ----- ۳۱۱
- ماہواری کے آغاز سے پہلے کا عارضہ --- ۳۱۳
- حالت یاس ----- ۳۱۳
- پیٹرو کا معائنہ ----- ۳۱۵
- قرار حمل اور بچے کی پیدائش ----- ۳۱۵
- حمل کی علامات ----- ۳۱۶
- بچوں کی پرورش کا اسلامی طریقہ ----- ۳۱۸
- صحت و تندرستی کے لیے چند اہم عوامل --- ۳۱۹
- بچے کی پیدائش پر چند اسلامی رسوم ----- ۳۲۰
- دودھ پلانا ----- ۳۲۱
- بچوں کے لیے عملی نمونہ (رول ماڈل) -- ۳۲۳
- بچوں کے لیے جسمانی تربیت ----- ۳۲۴
- اخلاقی تعلیم و تربیت ----- ۳۲۵
- جنسی صفائی و طہارت ----- ۳۲۸
- انفرادی صفائی و طہارت ----- ۳۲۸
- حصول طہارت کے مختلف طریقے ----- ۳۲۹
- منہ اور دانتوں کی صفائی ----- ۳۳۱
- جسم کے غیر ضروری بالوں کی صفائی ----- ۳۳۲
- عورتوں کے لیے طہارت کے چند مسائل ۳۳۴
- (الف) حیض ----- ۳۳۴
- (ب) استحاضہ (بے قاعدہ حیض) ----- ۳۳۶
- (ج) نفاس یا بچے کی پیدائش کے بعد خونی رطوبتوں کا اخراج ----- ۳۳۷
- ناجائز جنسی افعال سے ہونے والے امراض ۳۳۸
- جنسی امراض کی چند علامات ----- ۳۳۹
- مختلف جنسی امراض کی اہم ترین علامات اور علاج کی تدابیر ----- ۳۴۰
- (۱) Chlamydia ----- ۳۴۰
- (۲) آتشک Gonorrhoea ----- ۳۴۱
- (۳) Herpes ----- ۳۴۲
- (۴) سوزاک (Syphilis) ----- ۳۴۳
- (۵) جنسی اعضا پر مو کے ----- ۳۴۴
- (۶) ایڈز اور HIV ----- ۳۴۴
- (۷) جوکھیں اور خارش ----- ۳۴۶
- (۸) Trichomoniasis ----- ۳۴۶
- (۹) ہیپائٹائس بی (Hepatitis B) ----- ۳۴۷
- (۱۰) Gardnerella ----- ۳۴۸
- (۱۱) پیٹرو کی سوزش ----- ۳۴۸
- شادی کے علاوہ جنسی اختلاط کے نتائج -- ۳۴۹
- (۱) بوسہ لینا/ بغل گیر ہونا ----- ۳۵۱
- (۲) تنہا مشیت زنی ----- ۳۵۲
- (۳) سہلانا Petting ----- ۳۵۲

- (۴) باہمی/مشرکہ مشیت زنی کرنا ۳۵۳
- (۵) مردوں کے جنسی اعضاء کا چوسنا ۳۵۳
- (۶) عورت کے جنسی اعضاء کا چاٹنا ۳۵۴
- (۷) مخالف صنفوں کے بیرونی اعضاء کا باہم رگڑنا (Outer course) ۳۵۴
- (۸) شادی سے باہر مباشرت کرنا ۳۵۴
- (۹) عملِ قومِ لوط ۳۵۴
- نوعر لڑکیوں میں ناجائز حمل کا قیام ۳۵۵
- (۱) صحت و تندرستی پر اثرات ۳۵۵
- تعلیم پر اثرات ۳۵۶
- (۳) حکومتی خزانے پر اضافی بوجھ ۳۵۷
- (۱) بچوں پر اثرات ۳۵۷
- (۲) غربت ۳۵۸
- (۳) بچوں کی دیکھ بھال کے اخراجات ۳۵۸
- (۴) خاندانی نظام کی تباہی ۳۵۸
- شراب نوشی اور منشیات کا استعمال ۳۵۹
- (۱) ناجائز حمل کا قیام ۳۶۴
- (۲) جنسی امراض ۳۶۴
- (۳) جان پہچان کے لوگوں سے زبردستی زنا ۳۶۵
- (۴) حد دہات کا وقوع ۳۶۵
- (۵) تشدد کے واقعات ۳۶۵
- (۶) قانونِ محسنی کے واقعات ۳۶۵
- (۷) ایک سے دوسرے نشے کی عادت پڑنا ۳۶۶
- (۸) دیگر خطرناک نقصانات ۳۶۶
- (۹) شراب نوشی اور ناجائز جنسی افعال ۳۶۶
- (۱۰) دوست/احباب سے کٹ جانا ۳۶۷
- شراب نوشی کی حرمت کے لیے اسلامی ہدایات ۳۶۷
- عربوں میں قبل اسلام شراب نوشی ۳۶۷
- پانچواں باب
- جنسیت کے بارے میں
- توہمات اور غلط فہمیاں
- دنیا میں پائی جانے والی غلط فہمیاں ۳۷۱
- (الف) جنسی اعضاء کے متعلق مغالطے ۳۷۴
- (۱) مردانہ عضو تناسل کا سائز اور جنسی اختلاط ۳۷۴
- (۲) جنسی اختلاط کا دورانیہ ۳۷۴
- (۳) جسمانی رنگت اور عضو تناسل ۳۷۴
- (۴) ہمہ وقتی جنسی خواہش ۳۷۵
- (۵) عضو تناسل کی ایستادگی اور حفظ کا حصول ۳۷۵
- (۶) عضو تناسل کا سکڑنا ۳۷۵
- (۷) دورانِ حمل جنسی اختلاط ۳۷۶
- (۸) عورتوں کی دیباہینہ میں G سپاٹ کی موجودگی ۳۷۶
- (۹) عورتوں کا لمبا قد اور پستان ۳۷۶
- (۱۰) کیا جنسی طریقے فطری ہوتے ہیں یا انھیں سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے؟ ۳۷۷
- (۱۱) ایک دفعہ انکار کا کیا مطلب ہے؟ ۳۷۷

۴۰۰	خفۃ کرانے میں خدشات و خطرات	۳۷۸	(۱۲) پستانوں کا چوسنا
۴۰۰	اموات	(۱۳) منہ سے جنسی لذت کا حصول اور جنسی	
۴۰۱	خفۃ کرانے کا اسلامی پہلو	۳۷۸	اعضاء کی بو
۴۰۲	عورتوں میں خفۃ کرانا	(ب) اسلامی نقطہ نظر سے جنسی امور کے	
	ساتواں باب: ضبط ولادت	بارے میں سوالات/جوابات	۳۷۹
۴۰۷	تعارف	(۱) زنا بالجبر	۳۷۹
۴۱۲	ضبط ولادت کی تحریک کا تاریخی پس منظر	(ب) عمل قوم لوط	۳۸۰
	امریکہ اور کینیڈا میں برتھ کنٹرول کے بارے	(ج) مباشرت/مجامعت/جنسی اختلاط	۳۸۱
۴۱۵	میں چند حقائق	(د) اسقاط حمل	۳۸۳
	تحریک ضبط ولادت کے نتائج و عواقب	(ر) مختلف امور	۳۸۴
۴۲۳	مختلف مذاہب کی نظر میں ضبط ولادت	(ز) بچوں کو بتانے والے چند حقائق	۳۸۷
۴۲۹	(۱) یہودیت	نواں باب	۳۸۷
۴۳۰	(۲) رومن کیتھولک	خفۃ (Circumscion)	۳۹۰
۴۳۰	(۳) ہندومت	تاریخی پس منظر	۳۹۰
۴۳۱	(۴) اسلام اور ضبط ولادت	خفۃ کرانے کے فوائد	۳۹۱
۴۳۱	(الف) جدید نظریات والوں کا نقطہ نظر	عضوتناسل کی صفائی	۳۹۳
۴۳۳	(ب) ضبط ولادت کے متعلق اسلامی نقطہ نظر	جسمانی عوارض اور مسائل	۳۹۴
۴۳۶	(الف) عزل	جنسی اختلاط سے پھیلنے والے امراض	۳۹۵
۴۳۹	لڑکیوں کا قتل	عضوتناسل کا کینسر	۳۹۵
۴۴۱	تجربہ کی زندگی بسر کرنا	غیر مختون مردوں سے مباشرت کرنے والی عورتوں	
۴۵۱	سماجی و معاشی عوامل	میں فیم رحم کا کینسر	۳۹۶
۴۵۲	معاشی تنگی اور خوراک کی کمی	ایڈز	۳۹۶
۴۵۴	آبادی کا دباؤ	خفۃ کے چند سماجی و جنسی پہلو	۳۹۹

- خوراک کی فراہمی ----- ۴۵۵
- حصہ سوم: شادی اور اس کے موضوعات
- پہلا باب: مغرب میں شادی بیاہ
- مختلف مذاہب میں شادی کے طریقے -- ۴۸۳
- (۱) یہودیت ----- ۴۸۳
- (۲) عبرانی قانون کے تحت شادی کا طریقہ ۴۸۳
- (۳) عیسائیت ----- ۴۸۴
- (۴) روسن قانون میں شادی ----- ۴۸۵
- قدیم عیسائی قانون میں شادی بیاہ کا طریقہ ۴۸۶
- بدھ مت ----- ۴۸۷
- ہندو مت ----- ۴۸۷
- زمانہ حال میں شادی بیاہ کے قوانین ----- ۴۸۸
- شادی کے قانونی مضمرات ----- ۴۸۸
- شادی کی اقسام ----- ۴۸۹
- (۱) یکے بعد دیگرے شادی کرنا ----- ۴۸۹
- (الف) سیریل یک زوجگی ----- ۴۹۰
- (ب) اوپن میرج ----- ۴۹۱
- (ج) تعدد ازوج اور اجتماعی شادی ----- ۴۹۲
- (د) ہم جنس پرستی ----- ۴۹۳
- شادی کے فوائد ----- ۴۹۴
- (الف) جسمانی صحت و سلامتی کے لیے شادی
- کے فوائد ----- ۴۹۴
- (ب) شادی کے ذریعے جذباتی فوائد -- ۴۹۴
- (ج) شادی کے ذریعے مالی فوائد ----- ۴۹۵
- امریکہ/یورپ میں شادی کی عملی صورت - ۴۹۵
- امریکہ میں ہم جنس پرستی میں اضافہ اور شادی کی
- شرح میں کمی ----- ۴۹۸
- مغرب میں محبت کی شادی اور ڈیٹنگ کا تصور ۴۹۹
- محبت کی شادی کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر ۵۰۲
- تجرد (Celibacy) ----- ۵۰۸
- تجرد کا تاریخی پس منظر ----- ۵۰۸
- تجرد کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر ----- ۵۱۲
- دوسرا باب: اسلام میں شادی
- اسلام میں شادی کی اہمیت ----- ۵۱۴
- زمانہ جاہلیت میں شادی کی اقسام ----- ۵۱۸
- اسلام میں شادی کے مقاصد ----- ۵۱۹
- (۱) بچوں کی پیدائش ----- ۵۱۹
- (۲) فطری اور جنسی خواہش کی تکمیل ----- ۵۲۱
- کنواری لڑکی سے شادی کرنا ----- ۵۲۳
- بیویوں کے درمیان برابری ----- ۵۲۳
- (۳) شادی بطور ایک صحت مند زندگی -- ۵۲۵
- (۴) ایک آرام دہ زندگی/گھرانہ ----- ۵۲۸
- (۵) سماجی اہمیت ----- ۵۲۹
- اسلام میں شادی کے قانونی پہلو ----- ۵۲۹
- (۱) فریقین کی باہمی رضامندی ----- ۵۳۰
- ایک حرف انتہاء ----- ۵۳۲

- (۲) مہر ----- ۵۳۳
- (۳) کسی لونڈی سے متعہ کرنا ----- ۵۵۱
- (۵) مذہبی سگائی، سگائی آقائی ----- ۵۵۱
- (۶) بچوں کی پیدائش کے لیے سگائی ----- ۵۵۱
- (۷) مالی حالت بہتر بنانے کے لیے متعہ کرنا ----- ۵۵۱
- (ب) غیر جنسی متعہ ----- ۵۵۱
- متعہ/ سگائی کی چند نئی توجیہات ----- ۵۵۲
- (۱) ٹرائل سگائی/ شادی ----- ۵۵۲
- (۲) گروپ متعہ ----- ۵۵۲
- (۳) تادیبی متعہ ----- ۵۵۲
- (۴) متعہ برائے سزا ----- ۵۵۲
- (۱) آزمائشی متعہ/ سگائی ----- ۵۵۲
- (۲) گروپ سیکس/ متعہ ----- ۵۵۳
- (۳) تادیبی سگائی/ متعہ ----- ۵۵۴
- (۴) سزا کے طور پر متعہ/ سگائی ----- ۵۵۵
- (الف) آیت اللہ شریعت مداری کا انٹرویو ----- ۵۵۷
- (ب) عورتوں کی کہانیوں کے چند اقتباسات ----- ۵۵۸
- مہوش خانم ----- ۵۵۸
- طوبی ----- ۵۵۸
- (ج) مردوں کی کہانیوں سے اقتباسات ----- ۵۵۹
- ملاہاشم ----- ۵۵۹
- حجت الاسلام بزرگی ----- ۵۵۹
- ملاں (نامعلوم) ----- ۵۵۹
- محسن ----- ۵۶۰
- (۱) ایک لڑکی سے شادی کے دو امیدوار ----- ۵۳۷
- (۲) شادی پر بے تحاشہ اخراجات ----- ۵۳۸
- (۳) شادی کے لیے ممنوعہ/ حرام رشتے ----- ۵۳۹
- (۴) یہودیت میں شادی بیاہ کے لیے رشتوں کی ممانعت ----- ۵۴۱
- (الف) Arayos ----- ۵۴۱
- مغرب میں مسلمانوں کو شادی کے ضمن میں درپیش مسائل ----- ۵۴۲
- مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان شادی ----- ۵۴۳
- (الف) عیسائی/ یہودی سے شادی ----- ۵۴۳
- بین المذاہب شادیوں میں چند سماجی مسائل ----- ۵۴۳
- غیر مسلم بیوی کے والدین کے ساتھ تعلقات ----- ۵۴۵
- (ب) اہل کتاب عورت کے علاوہ کسی مذہب کی عورت سے شادی ----- ۵۴۶
- چرچ/ مندر میں شادی ----- ۵۴۷
- متعہ یا عارضی نکاح ----- ۵۴۸
- عارضی شادی (متعہ یا سگائی کی مختلف اقسام ----- ۵۵۰
- (الف) متعہ جنسی ----- ۵۵۰
- (۱) جنسی متعہ ----- ۵۵۰
- (۲) سگائی نذری ----- ۵۵۰

[illegible]

پانچواں باب: طلاق

- (۳) ایک دوسرے کے ساتھ منہ در منہ حالت ۶۳۸
- (۴) پیچھے سے مباشرت کرنا ۶۳۸
- مباشرت کے بعد پیار محبت کرنا ۶۳۵
- بیوی سے مباشرت کتنی مرتبہ کی جائے؟ کیا مردوں میں جنسی شہوت زیادہ ہوتی ہے؟ ۶۳۸
- دورانِ حمل مباشرت کرنا ۶۵۵
- قرارِ حمل کا طریقہ ۶۵۶
- شادی کی پہلی رات کے بعد چند مزید اہم پہلو ۶۵۷
- وضو، تیمم اور غسل ۶۵۸
- جنابت کے بارے میں ہدایات ۶۶۱
- شادی کی پہلی رات کے بعد صبح کو رشتے داروں کو مبارک باد دینا ۶۶۱
- ویسے کی دعوت ۶۶۲
- جنسی زندگی کے چند دیگر پہلو ۶۶۲
- رمضان اور اعتکاف کے دوران مباشرت ۶۶۵
- بیوی کے پستانوں کا دودھ پینا ۶۶۶
- تحلیہ ۶۶۶
- یہودیت اور عیسائیت میں میاں بیوی کے تعلقات ۶۶۸
- (الف) عیسائیت کا نقطہ نظر ۶۶۸
- (ب) کٹر یہودیت کا نقطہ نظر ۶۶۹
- بانجھ پن اور سرد مہری ۶۷۲
- بانجھ پن کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر ۶۷۷
- طلاق، شادی کے لیے ایک خطرہ ۶۸۰
- طلاق، تاریخ کے آئینے میں ۶۸۱
- طلاق کے نتائج و عواقب ۶۸۳
- امریکہ میں طلاق کی شرح ۶۸۵
- طلاق کے بارے میں عیسائیت کا نقطہ نظر ۶۸۹
- طلاق کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر ۶۹۳
- طلاق دینے کے عوامل ۶۹۴
- (۱) دینی تعلیمات سے لاعلمی ۶۹۴
- (۲) جنسی تعلیمات سے آگاہ نہ ہونا ۶۹۵
- (۳) مالی مشکلات ۶۹۶
- (۴) سرال میں تعلقات ۶۹۹
- طلاق دینے کا صحیح طریقہ ۷۰۳
- (الف) خاوند کا طلاق دینا ۷۰۳
- (ب) بیوی کی جانب سے طلاق ۷۰۴
- (ج) زوجین کی باہمی رضا سے ۷۰۴
- (د) عدالت کے ذریعے ۷۰۴
- (۱) خاوند کے اصرار پر ۷۰۴
- (۲) بیوی کے اصرار پر ۷۰۴
- (الف) خاوند کا طلاق دینا ۷۰۵
- (۱) طلاق ۷۰۵
- (۲) ایلاء ۷۰۶
- (۳) ظہار ۷۰۶

- ۱۔ زہانی تنبیہ اور نصیحت کرنا ----- ۷۴۱
- ۲۔ بیوی کا بایکٹ کرنا اور علیحدگی ----- ۷۴۱
- ۳۔ بیوی کو مارنا ----- ۷۴۲
- (۲) خاوند کی جانب سے نشوز اور اُس کو روکنے کی تدابیر ----- ۷۴۳
- بیوی کو مارنا پیشنا، مسلم اہل علم کا نقطہ نظر - ۷۴۳
- مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں میں
- میاں بیوی کے درمیان نشوز ----- ۷۴۶
- لڑائی جھگڑے ----- ۷۴۶
- شادی کے لیے مشاورت اور تعلیم ----- ۷۵۰
- شادی شدہ زندگی کی راہ نمائی اور تربیت ----- ۷۵۳
- شادی سے قبل مشورہ اور راہ نمائی ----- ۷۵۵
- شادی سے قبل زیر بحث آنے والے موضوعات ----- ۷۵۷
- (ب) بعد از شادی مشاورت ----- ۷۶۰
- (ب) بیوی کی جانب سے طلاق ----- ۷۲۳
- (۱) بلوغت کی وجہ سے طلاق کا حق ----- ۷۲۳
- (۲) تفویض طلاق ----- ۷۲۳
- (ج) باہمی اتفاق رائے سے ----- ۷۲۵
- (۱) خلع ----- ۷۲۵
- (۲) مصالحت ----- ۷۲۹
- (د) عدالت کے ذریعے ----- ۷۳۰
- (الف) خاوند کے مطالبے پر ----- ۷۳۱
- (ب) بیوی کے مطالبے پر ----- ۷۳۳
- شادی بیاہ میں ناچاقی (نشوز) ----- ۷۳۵
- نشوز کے معنی اور اس کا دائرہ کار ----- ۷۳۶
- الف بیوی کی جانب سے نشوز کا ارتکاب ----- ۷۳۸
- ب خاوند کی جانب سے نشوز کا ارتکاب ----- ۷۳۸
- نشوز کے ازالے کی تدبیر ----- ۷۴۰

تعارف

زیر نظر کتاب کے لکھنے کا خیال ایک حدیث کو دیکھ کر آیا جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ شخص جو مجھے اُن دو چیزوں کی ضمانت دے جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی جنسی اعضاء) اور جو اس کے جڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔“ (ترمذی)۔ انسانی جنسی جذبے کی حفاظت کرنے پر جو خوش خبری حضور ﷺ نے دی ہے، اس سے انسانی زندگی میں جائز جنسی افعال کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ موجودہ زمانے میں انسانی زندگی میں جنسی افعال کی قہرمانیوں سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا۔ اس دور میں انسان کے جنسی جذبے کو تحریک دینے والے عوامل بے شمار ہیں جو چوپیس گھنٹے جنسی جذبات کو برائیمنتہ کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ اخبارات و رسائل، اشتہارات، ریڈیو، ٹی وی اور اطلاعات کے بے شمار دوسرے ذرائع مسلسل اسے عریاں مناظر دکھانے میں مصروف ہیں کہ کسی انسان کے لیے ان سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں۔ اگرچہ تاریخ کے مختلف ادوار میں جنسی افعال میں بری طرح سے ملوث ہونے کی وجہ سے انسانوں نے ہمیشہ ٹھوکریں کھائی ہیں لیکن موجودہ زمانے میں جنسی جذبات کو جس انداز میں مشتعل کیا جا رہا ہے اور اس کے نتیجے میں مادر پدر انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد جس طرح آزاد جنسی افعال میں سر تاپا غرق ہے، تاریخ انسانی میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ تاہم ان تمام تر آزادانہ جنسی اعمال کے باوجود، انسان کا دامن اس راحت اور سکون سے خالی ہے جو فطری طور پر جنسی عمل کو بروئے کار لانے سے انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ جنسی افعال سے لطف اندوز ہونے کے بے شمار مواقع کے باوجود انسان کی ہوس ہے کہ اس کے تقاضے بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں اور دنیا میں انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد، اپنی جنسی زندگی میں اضطراب اور پریشانی کا شکار ہے اور اس کی وجہ سے ان کی زندگی مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبتی چلی جا رہی ہے۔ یہاں ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ آخر ایسا

کیوں ہے کہ آج کا انسان جنسی عدم تسکین کا شکار ہے؟ یہ مایوسی کیوں؟ اور امن و چین، سکون و شانتی کے حاصل نہ ہونے کی وجہ کیا ہے جبکہ موجودہ انسان ایک ایسے دور میں زندگی بسر کر رہا ہے جہاں جنسی پیاس بجھانے کے ہر جانب بہت آسان مواقع موجود ہیں اور جہاں کسی قسم کی کوئی تدبیر، کوئی پابندی اور کوئی رکاوٹ نہیں جو انسان کو خوفِ خدا کے علاوہ روکنے والی ہو!

جنسی آزادی کے اس غیر فطری رویے کی بنا پر انسانیت ایک گہری دلدل کے کنارے کھڑی نظر آ رہی ہے۔ شاید یہ واضح کرنے کی ضرورت نہیں کہ موجودہ دور میں مغرب کا انسان اپنے بے بوجہ جنسی جذبے کی تسکین کے تمام غیر فطری طریقوں کی وجہ سے اپنی تمام تر خرابیوں، مصیبتوں اور مسائل کا خود ذمہ دار ہے۔ مغرب میں جنسی امراض کا بڑھتا ہوا رجحان اور ایڈز کے پھیلنے کی سب سے بڑی وجہ ان کا جنسی بے راہ روی اور جنسی آزادی (Free sex) کے ایسے طریقوں پر عمل پیرا ہونا ہے جن سے اگرچہ انسان قدیم زمانے میں بھی آگاہ تھا لیکن موجودہ زمانے میں اس کی وسعت میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے۔ فطری طور پر ذہن میں آتا ہے کہ آیا انسانیت کی یہی معراج ہے اور یہ کہ آج کے انسان کی جنسی بے راہ روی اور آزادانہ جنسی اختلاط کی یہ گاڑی آخر کسی منزل پر جا کر رکے گی یا نہیں؟ اور کیا انسانیت اس جذبے کی تسکین کے لیے تباہی و بربادی کے اس گہرے گڑھے میں گرنے کو تیار ہے؟

یہ اور اس طرح کے بہت سے دیگر سوالات ہیں جو اس کتاب کے مختلف ابواب کا موضوع ہیں۔ بہت سے مغربی دانشوروں نے، مغرب اور امریکہ میں نوجوانوں کا جنسی امور سے آگاہ نہ ہونا (Unawareness) اس بے محابا جنسی عمل میں شرکت کی وجہ قرار دیا ہے۔ نوجوان لڑکے، اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ جب احتلام اور بد خوابی کا شکار ہوتے ہیں، تو وہ اسے جنسی مرض (Venereal disease) کا شاخسانہ سمجھ لیتے ہیں۔ اس طرح نوجوان لڑکیوں میں جب ماہیاری کے دور کا آغاز ہوتا ہے تو وہ بھی اسے ایک ”خطرناک بیماری“ سمجھ لیتی ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس قسم کی سوچ رکھنے والے بے شمار نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس قسم کے توہمات اور غلط خیالات کا شکار ہو کر سکون و عافیت کی زندگی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ مغرب میں والدین اور مذہبی راہ نمائی دینے والے لوگوں کی جانب سے بلوغت کی عمر کو پہنچنے پر

نوجوانوں کی مناسب انداز میں راہ نمائی اور تربیت کا فقدان ہے۔ ایسے معاملات میں والدین اور مذہبی راہ نمائوں کی بے جا خاموشی بہت خطرناک اور گمراہ کن خیالات و اعمال پر منتج ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ مسلمان مذہبی راہ نمائے بھی اس صورت حال سے مستثنیٰ قرار نہیں دیئے جاسکتے!

جنسی داعیات اور جبلت کے بارے میں نوجوان طبقے کی لاعلمی اور ان کا جنسی افعال میں ملوث ہونا اپنی جگہ کسی حد تک صحیح ہو سکتا ہے تاہم ان کے غلط رویوں اور اعمال کے بارے میں اس سے بھی زیادہ خطرناک حقیقت یہ ہے کہ وہ جب اس قسم کی معلومات کے حصول کے لیے اپنے طور پر کوشاں ہوتے ہیں تو انہیں مختلف قسم کی غلط معلومات اپنے ہم جولیوں (Peers)، انٹرنیٹ، ویڈیوز اور فحش لٹریچر سے حاصل ہوتی ہیں۔ اگر نوجوان طبقے کو صحیح اور مستند معلومات فراہم نہ ہوں تو وہ بہر حال کسی نہ کسی ذریعے سے یہ معلومات تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن غلط ذرائع سے حاصل شدہ معلومات سے وہ مزید غلط راہوں پر گامزن ہو جاتے ہیں اور یہ غلط معلومات انہیں جنسی افعال کے مزید گہرے گڑھوں میں دھکیلنے کا سبب بنتی ہیں۔ نوجوان طبقے کو مختلف غلط اور غیر فطری جنسی افعال سے بچایا جاسکتا ہے بشرطیکہ انہیں اس فطری جذبے اور اس سے متعلق دیگر پہلوؤں کے بارے میں صحیح راہ نمائی فراہم کی جائے۔ گھریلو طور پر اس قسم کی راہ نمائی اور تربیت کا اہم ترین ذریعہ والدین ہو سکتے ہیں یا پھر کوئی ہمدرد صاحب علم یا خاندان کا کوئی بزرگ یا اس موضوع پر کوئی ایسی مستند کتاب جس میں حقائق کو سادہ انداز میں بغیر کسی قسم کے جذبات تلذذ کو انگلیخت کیے بیان کیا گیا ہو۔

مغرب میں بشمول امریکہ، نوجوانوں کی جنسی بے راہ روی کی ذمہ داری چرچ کی تعلیمات پر عائد ہوتی ہیں۔ نوجوان طبقے کو جنسی معاملات میں الہامی تعلیمات کی روشنی میں تعلیم و تربیت دینے میں ناکامی کی وجہ سے آج انسانیت کو اس لیے کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جس سے تمام دنیا کے انسان کسی نہ کسی درجے میں دوچار ہیں۔ چرچ کے اس نا عاقبت اندیشانہ اقدام پر مغرب کی بہت سے دانشوروں، اسباب علم و حکمت، اور فلاسفروں نے تنقید کی ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے اختتام پر انگلستان میں، ولیم بلیک (William Blake)، نے اجمالی طور پر اور ڈن ایچ لارنس (D.H. Lawrence) نے کھل کر چرچ اور مذہبی لیڈروں کے انسانی جنس۔

بارے میں غیر معقول رویے اور طرز فکر پر تنقید کی۔ برٹریڈ رسل (Bertrand Russel)، جارج برنارڈ شا (George Bernard Shaw)، اور جوڈ (C.E. Joad) اور متعدد دیگر اہل علم نے بھی واضح کیا ہے کہ چرچ کی غیر معقول تعلیمات کی وجہ سے مغرب میں رہنے والے عیسائیوں کی جنسی زندگی بہت بری طرح سے متاثر ہوئی۔ تاہم مسلم اہل علم کا یہ کہنا کہ مغرب میں بہت سی برائیاں پائی جاتی ہیں، کافی نہیں جب تک کہ وہ اس کے بارے میں کوئی متبادل تجاویز اور لائحہ عمل پیش نہیں کرتے!

یہاں اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ حکمت و دانائی کا تقاضا یہ ہے کہ انسانی جنسی بے راہ روی کے اس مسئلے کا علاج صحیح الہامی ہدایات، نفسیات، ایمان اور سائنسی حقائق کی روشنی میں کیا جائے تاکہ انسان میں جنسی جبلت کے اس شدید جذبے کو، جو انسانوں کو تباہی کی جانب لے جا رہا ہے اور کچھ لوگوں کے نزدیک یہ ایک ناپاک اور حرام فعل ہے، ایسی صحیح بنیادوں پر استوار کیا جائے کہ وہ مقصد جس کی خاطر خالق کائنات نے اسے انسانی سرشت میں ودیعت فرمایا ہے بہ انداز احسن پورا ہو سکے۔ درج بالا سطور میں اس امر کی نشان دہی کی گئی ہے کہ مغرب میں جنسی تعلیم کا موجودہ نظام، اس الہامی ہدایت، فلسفے، حکمت اور اخلاقی اقدار سے کلی طور پر جدا کر دیا گیا ہے جو انسان کی کامیاب زندگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مغرب میں دی جانے والی جنسی تعلیم جو صرف چند جنسی افعال سکھانے یا جنسی امراض سے محفوظ رکھنے کی تدابیر پر مشتمل ہے، اسے کسی صورت بھی جنسی تعلیم و تربیت نہیں کہا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی دنیا میں موجودہ جنسی تعلیم کے نظام نے نوجوان طبقے اور عام لوگوں کی زندگی میں کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کیا۔ لڑکیوں میں ناجائز حمل کی بڑھتی ہوئی شرح اور خاندانی نظام کی تباہی کسی سے بھی پوشیدہ نہیں۔ بنابرین انسانی جنسی جبلت کو اس کی صحیح سمت میں ڈالنے اور اس کے ذریعے نسل انسانی کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لیے نیز اس فطری عمل سے جنسی لذت کے حصول کے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ اس کا تعلق کسی نظام، عقیدے اور فلسفے کے ساتھ جوڑ دیا جائے تاکہ انسانی زندگی افراط و تفریط کے اس چنگل سے آزاد ہو جائے جس کے تحت ایک طرف تو جنسی لذت کا حصول از خود ایک مقصد زندگی بن گیا ہے اور اس کی دوسری انتہا یہ ہے کہ عیسائی تعلیمات کے تحت انسان کو

رہبانیت کی جانب دھکیل دیا گیا ہے!

یہ وہ نازک مقام ہے جہاں ایک الہامی دین ۵ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو انسانوں (عورت/مرد) کی زندگی کو ایک ضابطے کا پابند بنائے تاکہ وہ معاشرے اور انسانی تہذیب کی ترقی کا ذریعہ بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام الہامی مذاہب نے انسانی زندگی میں شادی کے ادارے کے قیام کے ذریعے عورت اور مرد کے درمیان جنسی تعلقات کو ایک قانونی شکل دی ہے تاکہ اس طرح خاندانی نظام کی بنیاد پڑے اور نسل انسانی کو فروغ اور بقا حاصل ہو اور اسی بنا پر تمام الہامی مذاہب نے شادی کے علاوہ لذت شہوانی کے حصول کے تمام غیر فطری طریقوں کو ممنوع قرار دیا ہے۔ دینی تعلیمات کے تحت شادی سے پہلے اور بعد میں ازواج کے علاوہ جنسی مباشرت کی سب سے بڑی وجہ دونوں صنفوں (عورت/مرد) کا تعلیم گاہوں، دفاتر اور دیگر سماجی دائروں میں آزادانہ میل جول ہے اور اسی لیے مرد و عورت کے باہمی آزادانہ میل جول پر پابندی لگانے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ انسانی زندگی میں جنسی بے راہ روی اور شہوت رانی کا مؤثر ترین ذریعہ ہے!

یہاں کچھ لوگ سوال کر سکتے ہیں کہ مذہب کو انسانی زندگی کے جنسی معاملات کے ساتھ نتھی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ — بہ نظر غائر و یکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ الجھانا یا نتھی کرنا نہیں کیونکہ اگر نفسیات، انسانی زندگی کے رویوں اور معاملات کی سائنس کا نام ہے تو دین (مذہب) بلاشبہ اس دنیا میں انسانی رویے اور اعمال کی تہذیب کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ انسانی جنسی زندگی کی تمام تر بے راہ روی اور غلط اعمال کو ٹھیک سمت پر ڈالنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ان جبلتی اور فطری داعیات کو الہامی تعلیمات کے تحت کر دیا جائے کیونکہ انسانیت کے تمام تر دکھوں کا مداوا اور مستقل علاج دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے ہی ممکن ہے!

انسان کی جنسی زندگی میں ایک فرد اور معاشرے کے درمیان، جنسی جبلت کے داعیات اور

۱ یاد رہے کہ ہم نے ”مذہب“ کا لفظ جان بوجھ کر استعمال نہیں کیا کیونکہ اس سے چند روایتی رسوم، عبادات اور طریقوں کا محدود مفہوم سامنے آتا ہے جبکہ دین کے معنی ایک لائحہ عمل اور طریق زندگی کے ہیں جو انسانی زندگی کے انفرادی، اجتماعی، تعلیمی، معاشی، سیاسی، سماجی اور دیگر تمام پہلوؤں اور شعبوں کا احاطہ کرتا ہے۔

تقاضاں، اخلاقیات میں باہمی تعلق کو سمجھنے اور انسانی معاشرے اور تہذیب کو مناسب انداز میں جاری و ساری رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان کے جنسی افعال و اعمال پر مناسب حد تک قدغن لگائی جائے اور ایک مہذب معاشرے کی تشکیل و نشوونما کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ معاشرے کے تمام افراد اس کی پابندی بھی کریں چاہے وہ اس کی وجہ سے کسی قسم کی بھی دقت محسوس کریں اور اس پابندی کو ختم کرنے کے لیے کوشاں بھی ہوں۔ کیونکہ یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ کچھ مور جو ایک معاشرے کے لیے مفید اور نافع ہوتے ہیں، ضروری نہیں کہ ایک انسان کی افراد زندگی میں بھی اسی طرح مفید ہوں۔ مثال کے طور پر مغرب میں شادی کو کچھ لوگ قدیم زمانے کی ایک نشانی سمجھتے ہیں۔ ان کی نظر میں اس کی حیثیت کاغذ کے ایک حقیر پرزے کی ہوتی ہے بلکہ شاید اس سے بھی کم تر۔ ان کے خیال میں جنسی افعال سے لذت کا حصول ایک مرد اور عورت کے لیے از خود ایک مقصد ہے اور زوجین/جنسی پارٹنرز کے درمیان وفاداری، محبت اور حسن سلوک اور دائمی تعلق جیسی اخلاقی اقدار نے اپنے معنی اور اہمیت کھودی ہے۔ مغرب میں پائے جانے والے ان تصورات اور غلط فہمیوں کے برعکس، اسلام میں عورت کو ایک بہت باعزت مقام دیا گیا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ عورت کو صرف جنسی ہوس کی تسکین کا ذریعہ ہی نہ سمجھا جائے اور نہ اس کے جسم کو ہی تجارتی مقاصد کے لیے اشتہارات کا ذریعہ بنالیا جائے۔ ایک عورت کی بنیاد اس کے خاوند کی امانت ہے اور اس کی خوبصورتی اور حسن کو کسی صورت بھی دوسرے مردوں کو لبھانے یا رجھانے کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ شادی سے باہر جنسی جذبات کی تسکین کا سامان کرنا دراصل انسانیت اور شرف انسانی کی تذلیل ہے، اس کی وجہ سے حیوانی جذبات بھڑکتے ہیں، شادی کا ادارہ تباہ ہو جاتا ہے، خاندانی نظام کی چولیس مل جاتی ہیں یوں ایک معاشرہ اور بالآخر وہ تہذیب تباہی سے دو چار ہو جاتی ہے۔ یونان اور روم کی مثال ہماری سامنے ہے جہاں جنسی جذبات کے بے محابا غلبے نے انھیں سفیہ ہستی سے نابود کر دیا اور آج ان کا ذکر بس تاریخ کے اوراق میں ہی باقی رہ گیا ہے!

انسانی جنس کے بارے میں، مغربی مفکرین کے اقوال یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ چرچ کا کافی رویہ اور طرز عمل، نوجوان طبقے کو مذہب (عیسائیت) سے دور کرنے کا ذمہ دار ہے۔

اگرچہ ہم مغرب میں نوجوان طبقے کی مذہب سے دوری اور بے راہ روی کا ذمہ دار عیسائیت کی غلط اور غیر الہامی تعلیمات کو گردانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہم اس امر پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ مسلم ممالک میں نوجوان طبقے کے حالات، مغربی نوجوانوں کے حالات سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ بد قسمتی سے موجودہ مسلمان مذہبی راہ نما (مولوی صاحبان/ پیر صاحبان) بھی نوجوانوں کو ان کی زندگی میں جنسی جہالت کے حوالے سے مناسب راہ نمائی دینے میں ناکام رہے ہیں اور اس دینی راہ نمائی کی عدم موجودگی میں، جنسی جہالت کے شدید تقاضوں کے تحت مسلمان نوجوان طبقہ بھی اپنے آپ کو اس امر پر مجبور پاتا ہے کہ وہ ان معاملات میں کم تر درجے کی معلومات اپنے ہم جولیوں، انٹرنیٹ یا ٹی وی سے حاصل کریں۔ اس کی ایک واضح مثال شہروں اور قصبوں میں انٹرنیٹ کیفے (Internet cafe) کا ایک بڑھتا ہوا جال ہے جہاں نوجوان لڑکے، اس قسم کی معلومات اور عریاں مناظر دیکھتے ہیں!

یہ ایک بہت حوصلہ افزا امر ہے کہ عیسائیت یا دیگر مذاہب کے برعکس، جنہوں نے انسانی جنسی جہالت اور فطرت کے ان بنیادی امور کے بارے میں مناسب راہ نمائی دینے سے انماض برتا تھا، اسلام نے اس جذبے کی تسکین کے لیے ایک مکمل ضابطہ، لائحہ عمل اور راہ نمائی دی ہے۔ اسلام، انسانی زندگی میں جنسی جذبے اور اس کے داعیات کی اہمیت و ضرورت سے بخوبی آگاہ ہے اور وہ اسے زندگی کا ایک بہت اہم حصہ قرار دیتا ہے۔ اسلام کے نزدیک اس جذبے کا مناسب انداز میں ڈھال کر کرۂ ارض پر نسل انسانی کے فروغ اور بقا کا اعلیٰ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے اور اسلام نے اس کے لیے عورت اور مرد کے درمیان جنسی تعلقات کو شادی کے دائرے میں محدود کر دیا ہے اور یوں خاندانی نظام کی بنا ڈالی ہے جو معاشرے اور تہذیب و تمدن کے قیام کی جانب پہلا قدم ہے!

اس بنیادی اصول کے ساتھ ساتھ، اسلام نے جو کہ زندگی کا ایک لائحہ عمل ہے، شادی یا کے بارے میں مفصل ہدایات دی ہیں۔ زوجین کے درمیان حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کیا ہے، بچوں کی پرورش و نگہداشت، رضاعت (بچوں کو دودھ پلانا)، ازدواجی زندگی میں اختلافات اور لڑائی جھگڑے، مصالحت، طلاق، وراثت کے قوانین کے علاوہ ایک فرد کی ذاتی اور نجی زندگی

میں پیش آنے والے مسائل مثلاً حیض و نفاس، احتلام اور مباشرت وغیرہ کی صورت میں پاکیزگی اور طہارت کا حصول تمام ایسے پہلو ہیں جن کے بارے میں ہمیں قرآن کریم اور احادیث نبویؐ سے ہدایات حاصل ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اسلام نے ہمیں، غیر مذاہب کی عورتوں کے ساتھ شادی کرنے، خاندانی زندگی کے دیگر مہمات مسائل کو حل کرنے، آزادانہ صنفی اختلاط کو روکنے اور دیگر بہت سے سماجی و جنسی پہلوؤں کے متعلق راہ نمائی بھی دی ہے۔

مزید برآں اسلام نے ایک پاکیزہ اور متوازن زندگی بسر کرنے کے لیے مشیت زنی، ہم جنس پرستی اور اس قسم کے دیگر جنسی انحرافات سے پرہیز کرنے کی بھی ہدایت کی ہے۔ اسی طرح بچوں اور عورتوں پر جنسی، جسمانی، ذہنی جذباتی اور نفسیاتی تشدد کے مختلف طریقوں کے بارے میں ہمیں قرآن و حدیث میں راہ نمائی ملتی ہے۔ ضبط ولادت اور اس کی مختلف اقسام، بچوں کا قتل (Infanticide)، اسقاط، سٹریلائزیشن، وغیرہ کے بارے میں بھی اسلامی تاریخ کے طویل دور میں مسلم فقہانے بہت پر مغز گفتگوئیں کی ہیں۔ اس سب پر مستزاد یہ حقیقت ہے کہ جنسی امور سے متعلق تمام تر راہ نمائی اس احسن طریق پر دی گئی ہے کہ اس میں کسی قسم کی شہوانیت یا لذتیت کا کوئی خفیف سا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا!

اس کتاب کے لکھنے میں ہمارے پیش نظر بنیادی طور پر پڑھے لکھے طبقے کی ضروریات رہی ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ان کا تعلق مشرق سے ہو یا مغرب سے، ہمارا مقصد نظریہ رہا ہے کہ ہر انسان یہ سمجھ لے کہ اسلام اصطلاحی معنوں میں صرف ایک مذہب نہیں ہے جس طرح عیسائیت اور یہودیت ہیں اور اس کی تعلیمات کا دائرہ صرف عبادات کی چند ظاہری رسوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ شریعت (عملی زندگی کے لیے ضابطہ) میں انسان کی جنسی زندگی کے لیے بھی واضح اور مفصل ہدایات موجود ہیں۔ پس ایک مسلمان (عورت اور مرد) کے لیے جو اسلامی تعلیمات پر اخلاص اور نیک نیتی سے عمل پیرا ہونا چاہتا ہو، اشد ضروری ہے کہ وہ ان تعلیمات اور اس راہ نمائی سے آگاہ ہو جو جنسی امور کے بارے میں اسلام نے فراہم کی ہے۔ اس کے لیے یہ ویب ہی ضروری ہے جیسا کہ روزانہ عبادات کی ادائیگی!

غیر مسلم نوجوانوں (لڑکے/لڑکیوں) کو بھی اس میں بہت سی ایسی مفید باتیں ملیں گی جو ان

کے علمی ذوق کی تسکین کا سامان کر سکیں گی۔ نوجوان طبقہ، مغربی اور دیگر ممالک میں ہر جگہ، اسلام کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار ہے اور جسے موجودہ زمانے میں میڈیا کی یلغار نے بہت گمراہ کر دیا ہے، اس کتاب کے مطالعے سے وہ دیکھیں گے اسلام نے جنسی امور کے مختلف پہلوؤں پر بصیرت افروز تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں۔ وہ اسلامی تعلیمات کے پس پردہ اس فلاسفی اور حکمت کو بھی بہتر انداز میں سمجھ سکیں گے اور یوں اس عقلی استدلال سے بھی آگاہ ہو جائیں گے جو ان تعلیمات اور تصورات میں برتا گیا ہے۔ انھیں اس امر کا بھی شعور ہو جائے گا کہ مغرب میں کئی بلین ڈالر خرچ کرنے کے باوجود، وہاں کے نوجوان (لڑکے اور لڑکیوں) کو جنسی زندگی کے بارے میں کیوں اس قدر کم معلومات حاصل ہیں؟ اور وہ کیا وجوہات ہیں جن کی وجہ سے ناجائز بچوں کی پیدائش اور جنسی امراض کی شرح میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے؟ اور وہاں جنسی تعلیم کے فروغ کے باوجود وہ مطلوبہ نتائج کیوں حاصل نہیں ہو رہے اور یہ کہ موجودہ انسان کو ”آزادانہ جنسی تعلقات“ کی وجہ سے کس قدر نقصانات اٹھانے پڑ رہے ہیں اور یہ کہ اس کی وجہ سے انسانیت کتنے مہیب اور خطرناک نتائج سے دوچار ہو رہی ہے۔ اس پس منظر میں ایک ایسی کتاب جو ان موضوعات پر سیر حاصل معلومات فراہم کرنے والی ہو، نہ صرف دلچسپ بلکہ ان کے لیے روشنی طبع کا باعث بھی ہو سکتی ہے!

یہ کتاب مسلمان والدین کے لیے بھی مفید ہو سکتی ہے۔ بالخصوص ان والدین کے لیے جو مغربی ممالک/ امریکہ یا دیگر غیر مسلم ممالک میں رہائش پذیر ہوں اور اپنے بچوں کی زندگی کے اس پہلو کی تعلیم و تربیت کے بارے میں فکر مند بھی ہوں۔ یہ ظاہر ہے کہ علم اور مناسب معلومات سے بہرہ مند والدین ہی اس چیلنج سے ذمہ دارانہ اور صحیح طریق پر عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔

یہ کتاب ان نوجوان جیون ساتھیوں (Seagulls) کے لیے بھی مفید ثابت ہو سکتی ہے جو مستقبل قریب میں شادی کے بندھن میں منسلک ہونے والے ہیں۔ انھیں ان تمام مسائل کا ادراک اور شعور بھی حاصل ہوگا جو شادی کے بعد کی زندگی کے نئے دور میں بالعموم پیش آتے ہیں اور جن کا براہ راست تعلق ان کے باہمی ازواجی تعلقات اور گھریلو زندگی میں باہمی تعاون و اشتراک، ایک دوسرے کے حقوق و فرائض اور اس قسم کے بہت سے مسائل سے ہوتا ہے۔

دنیا کی مختلف زبانوں میں، انسان کی جنسی زندگی کے کسی ایک پہلو پر اسلامی تعلیمات پر مبنی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں تاہم ایک عرصے سے کسی ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو انسان کی جنسی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اسلامی تعلیمات اور راہ نمائی کو منطقی انداز میں دلائل کے ساتھ پیش کرے۔ یہ کتاب نہ صرف ایک عام قاری کی اس ضرورت کو پورا کرے گی (ان شاء اللہ) بلکہ قانون اور میڈیکل کے شعبوں سے تعلق رکھنے والے طلباء اور ماہرین کے لیے بطور حوالہ بھی استعمال کی جاسکے گی۔

اس کتاب ❶ کی تیاری میں ہم، اپنی معلومات اور استطاعت کی حد تک ان تمام وسائل و ذرائع کو بروئے کار لائے ہیں جن تک ہماری رسائی تھی اور جس کا تعلق ایک ایسے موضوع سے ہے جو نہ صرف بہت مشکل بلکہ کسی حد تک بہت حساس بھی ہے۔ اس کوشش میں ہم نے اس موضوع کے میڈیکل پہلوؤں سے متعلق ماہرین، علمی و ادبی شخصیات اور مسلم سکالرز سے راہ نمائی حاصل کرنے میں امکانی حد تک کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اس تحقیقی کاوش میں ہم نے موجودہ اور قدیم تہذیبوں، مذاہب اور کلچر، زمانہ وسطیٰ اور حال کے مختلف معاشروں کے حالات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ جنسی امور اور رویوں کے بارے میں انسانی خیالات اور احساسات کو سمجھنے کے لیے قدیم ترین یونانی، رومن تہذیبوں کے ساتھ ساتھ ہندومت، یہودیت (عہد نامہ قدیم) عیسائیت (عہد نامہ جدید) کو سمجھنے کی امکانی کوشش کی۔ جدید زمانے میں جنسیت کے مضمون کے اولین معیاروں اور محققین از قسم ہیولاک ایلس (Havelock Ellis)، فرائیڈ (Freud)، کنرے (Kinsey) اور حالیہ دور میں اس موضوع پر مستند ترین Masters and Johnson کی تحقیقی کتاب سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

یہ کتاب ایک مقصد کے تحت لکھی گئی ہے۔ اس کا مقصد ان تمام مسائل کے بارے میں معلومات مہیا کرنا ہے جو ایک عورت اور مرد کو اپنی جنسی زندگی کے کسی دور میں بھی پیش آسکتے ہیں۔ اس کتاب کے ذریعے صحیح اور مستند ترین اسلامی معلومات جو قرآن و حدیث میں ملتی ہیں ان کو جدید مائٹنی معلومات کے ساتھ اس انداز میں مربوط کیا گیا ہے کہ ان کے ذریعے ایک

❶ اس سہ ماہی آغاز ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا جب مصنف کی اردو کتاب ”قرآن حکیم اور علم جنسین“ شائع ہوئی تھی۔

عورت یا مرد اپنے ان جنسی مسائل، تکالیف اور پریشانیوں کا ازالہ کر سکے جو ان کی زندگی کو درد و غم سے دو چار کیے ہوئے ہیں۔ اس کتاب کے مندرجات کی وسعت سے یہ توقع بھی کی جاسکتی ہے کہ یہ ان ضروری معلومات کا احاطہ بھی کر سکے گی جو موجودہ زمانے کے نوجوان طبقے کو، بلا تفریق مذہب، رنگ و نسل، صنف اور جغرافیائی تعلق کے، پیش آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے یہ بھی توقع ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے سے، وہ تمام لوگ جو اپنی انفرادی زندگیوں میں جنسی معاملات کی وجہ سے پریشانیوں میں مبتلا ہیں اور اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں، انھیں بھی صحیح سمت اور دینی راہ نمائی میں وہ صراطِ مستقیم نظر آ جائے گی جس کی وجہ سے ان کے فطری اور جبلّی جذبات و تقاضے جو غلط انداز میں باہم دست بہ گریباں ہیں اور جن کی وجہ سے وہ جذباتی اضطراب، نفسیاتی امراض اور ذہنی پریشانیوں کا شکار ہیں، ان سب کو اپنے ان مہمات مسئلہ کا حل میسر آنے کی بنا پر وہ امن و آشتی اور سکون و اطمینان کی دولت بھی میسر آ جائے گی جس کے وہ ایک عرصے سے متلاشی ہیں!

شنیدم آنچہ از پاکانِ امت
ترا بہ شوئی رندانہ گفتم! (اقبال)

(میں نے اس امت کے پاک باز لوگوں سے جو کچھ سنا، اسے شوئی رندانہ کے ساتھ پیش کر دیا ہے!)
نوٹ: — دراصل یہ کتاب انگریزی میں لکھی گئی تھی لیکن ۲۰۰۶ء میں اس کی اشاعت کے فوراً بعد اہل علم نے مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ اس کا اردو ترجمہ بھی کیا جائے۔ اللہ کریم کا شکر ہے کہ احباب کی اس فرمائش کی تعمیل دو سال بعد ہوئی۔ ترجمے کی اصلاح اور نظر ثانی کا کام مہترم محمد شبیر قمر صاحب نے نہایت تندہی اور دقت نظر سے کیا ہے، جن کے لیے میں اُن کا دل کی گہائیوں سے شکر گزار ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ کریم اسے اپنے بندوں کے لیے نافع بنائیں اور مصنف اور ان تمام لوگوں کو جزائے خیر سے نوازیں جنہوں نے اس سلسلے میں کوئی بھی خدمت سرانجام دی۔

ایں دعا از من، داز جملہ جہاں آمین باد!

ڈاکٹر محمد آفتاب خان

راولپنڈی

اظہارِ تشکر

بہت ہچکچاہٹ اور عجز و انکسار کے جذبات کے ساتھ، میں یہ کتاب اشاعت کے لیے پبلشر کے حوالے کر رہا ہوں۔ اس کتاب کا موضوع اس قدر وسیع ہے اور میں نے اس موضوع کو اس قدر کم پڑھا ہے کہ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی کے امکانات بہت ہی کم نظر آتے ہیں تاہم میں ان تمام اہل علم کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کے مختلف ابواب کو پڑھا اور مجھے اپنے تحقیقی مشوروں اور آراء سے نوازا۔ نیز میں ان اہل علم کا بھی شکر گزار ہوں گا جو اس کتاب کی اغلاط سے آگاہ فرمائیں یا اس میں کچھ مفید اضافوں کی نشان دہی کریں۔ مجھے اس موضوع پر کامل عبور حاصل ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں اور نہ ہی میں اس موضوع کا کوئی ماہر ہوں۔ تاہم ایک طالب علم کی حیثیت سے جو کچھ لکھا ہے، اس کا حوالہ درج کر دیا ہے جس سے ان معلومات کی صحت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ میں ان تمام مصنفین کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی نگارشات سے (ایک سطر ہی سہی) میں نے کوئی خوشہ چینی کی ہے!

اپنے حلقہٴ احباب میں جناب رائے خدا بخش کلیار (فیصل آباد) ڈاکٹر محمد شعیب (فیصل آباد) ڈاکٹر محمد صادق (اسلام آباد) اور ڈاکٹر جاوید اصغر (فیصل آباد) کا تہہ دل بے شکور ہوں جن کے مالی تعاون اور اخلاقی حوصلہ افزائی کی بدولت یہ کتاب ۱۶/۱۵ سال میں اشاعت کے قابل ہوئی۔ چوہدری مظفر حسین مرحوم (لاہور)، ڈاکٹر نجف علی خان، (ر) ہیڈ ڈیپارٹمنٹ آف لائبریری، زرعی یونیورسٹی فیصل آباد، پروفیسر (ر) غلام رسول تنویر (فیصل آباد)، جناب طارق عزیز (اسلام آباد)، پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی (اسلام آباد)، جناب محمد یونس (کراچی) اور راشد بخاری (اسلام آباد) کے علمی مشوروں اور مفید گفتگوؤں کے لیے بھی خصوصی طور پر شکر گزار ہوں جن کی روشنی میں اس کتاب کی تکمیل ہوئی۔ اس مرحلے پر میں اپنے ایک عزیز

شاگرد ڈاکٹر محمد احسن (انگلینڈ) کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کام کے لیے ضروری کتب / رسائل اور تحقیقی مقالہ جات کی ایک کثیر تعداد فراہم کی۔ پروفیسر عبد الجبار شاکر، ڈائریکٹر جنرل دعوہ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کی راہ نمائی اور مفید مشوروں کے لیے ان کا شکر گزار ہوں۔ اس کتاب کے انگریزی ایڈیشن کی طرح، اردو ایڈیشن بھی ان کے مسلسل اصرار اور حوصلہ افزائی کا مرہونِ منت ہے۔ میں ان تمام احباب کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور، ان کی صحت و سلامتی اور دینی و دنیوی فلاح کے لیے دعا گو ہوں۔

کتاب کے ہر حصے کے آخر میں قارئین کو ان ابواب میں درج حوالہ جات ملیں گے جہاں سے وہ معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ قرآن کریم کی آیات کی ترجمانی و تشریح کے لیے ہم نے تفہیم القرآن (چھ جلد) از سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ (ایڈیشن ۱۹۹۹ء) سے استفادہ کیا ہے جس میں قرآن کی ”عربی مبین“ کا ترجمہ ”اردو مبین“ سے کیا گیا ہے۔ چونکہ قرآنی آیات سے اس کتاب کے ہر باب میں استفادہ کیا گیا ہے اس لیے تفہیم القرآن کا حوالہ صرف ایک جگہ کتاب کے پہلے حصے میں درج کر دیا گیا ہے۔ اس طرح مجموعہ ہائے احادیث اور دیگر مسلم اہل علم اور فقہاء کی کتب کا حوالہ بھی ایک جگہ درج کر دیا گیا ہے تاکہ قارئین کو پڑھنے میں آسانی رہے۔ ہم ان تمام اہل علم اور پبلشرز کا، اس مواد کو نقل کرنے کے لیے، جو اس کتاب میں شامل ہے، دل کی گہرائیوں کے ساتھ شکریہ ادا کرتے ہیں۔

عزیزم رفیع الدین مجازی، ادارہ نشریات لاہور میرے دلی شکرے کے مستحق ہیں جن کی محنت شاقہ اور محبت و خلوص کی وجہ سے یہ کتاب اشاعت پذیر ہوئی۔ اس کتاب کا تمام تر ظاہری حسن، اُن کی جدت طبع کا نتیجہ ہے۔

آخر میں لیکن سب سے ضروری، میں اپنی اہلیہ کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا خوشگوار فریضہ سمجھتا ہوں جن کی دینی سمجھ بوجھ اور مسلسل حوصلہ افزائی کی وجہ سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ میرے بچے اور نواسے / نواسیاں / پوتے بھی میرے شکرے کے مستحق ہیں کہ میں اپنی علمی مصروفیات کی بنا پر انہیں زیادہ وقت نہ دے پایا جو ان کا حق تھا۔ تاہم اس کتاب کا انتساب میں نے نژادِ نو

(Seagulls) کے نام کیا ہے جو مستقبل میں اپنی زندگی کے پہلے آزمائشی سفر (First Flight) پر روانہ ہوں گے۔ اس لحاظ سے مجھے تسلی ہے کہ وہ جب اس کتاب کے مندرجات سے بہرہ مند ہوں گے تو میری اس نادانستہ کوتاہی کو نظر انداز کر دیں گے!

ڈاکٹر محمد آفتاب خان



حصہ اول: اسلام کا اجمالی تعارف

پہلا باب:

اسلام: ایک ضابطہ حیات

اسلام ایک ایسا دین ہے جس کے بارے میں بہت سے لوگ غلط فہمیوں کا شکار ہیں (محمد قطب ۱۹۷۳)۔ اگر ان غلط فہمیوں میں صرف غیر مسلم بتلا ہوں تو یہ ایک قابل فہم بات ہے کہ ہم نے ان تک اسلام کی صحیح تصویر پیش نہیں کی لیکن اگر مسلمان بھی کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوں بلکہ اسے نظر انداز کرنے والے ہوں تو پھر یہ ایک ناقابل فہم بات ہے۔ اس ضمن میں افسوسناک بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کا کوئی شعور نہیں کہ اسلام ایک ضابطہ حیات ہے۔ مغربی دنیا کے اسلام کے بارے میں معاندانہ اور محاصمانہ رویے کی وجہ یہ ہے کہ مسلم امہ نے دین کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ نہ تو زبانی طور پر کما حقہ ادا کیا اور نہ ہی عملی طور پر مسلم کردار کا کوئی بہتر نمونہ وہ مغرب کے سامنے پیش کر سکے، حالانکہ قرآن و سنت کی رو سے ان امور کے وہ مکلف تھے۔ اگرچہ یہ غلط فہمیاں اور غلط پروپیگنڈا جو اسلام کے خلاف ہو رہا ہے اس میں غیر مسلم اہل علم و دانش کا بھی ایک بہت اہم کردار ہے تاہم مسلم امت اس کی پابند ہے کہ وہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کی تردید کرے کیونکہ امت وسط کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے یہ فریضہ قرآن کی جانب سے ان پر عائد ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (البقرہ: ۱۴۳)

”اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک ”امت وسط“ بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر

گواہ بنو۔“

مسلمانوں میں پائی جانے والی غلط فہمیوں اور ان کے اسلام کو نظر انداز کرنے کے دو اہم مضمرات ہیں۔ پہلا یہ کہ اس کی وجہ سے وہ خود بحیثیت مسلم امہ ان تمام ہدایات و فرامین پر عمل

نہیں کرتے جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ دوسرے ان کے غلط اعمال کی وجہ سے، غیر مسلم لوگوں کو وہ صحیح پیغام نہیں مل سکا جس سے متاثر ہو کر وہ اسلام کی دعوت کو قبول کرتے جس نے ۱۴۰۰ سال قبل لاکھوں لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا۔

ذیل کی سطور میں ہم اختصار کے ساتھ اسلام کا ایک تعارف پیش کر رہے ہیں تاکہ دنیا میں پائے جانے والے مسلمان اور غیر مسلم دونوں اسلام کی صحیح تعلیمات کا ادراک کر سکیں۔ اگرچہ اس موضوع پر لوگوں کی راہ نمائی کے لیے بہت عمدہ لٹریچر موجود ہے تاہم امید ہے کہ اس مختصر سے تعارف سے اس کتاب کے زیر بحث موضوع کو ان بنیادی اسلامی تعلیمات کے پس منظر میں سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

اسلام ایک ضابطہ حیات:

اس امر کو ہمیشہ کے لیے ایک دفعہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مروجہ طرز فکر کے بالکل برعکس اسلام ایک ”مذہب“ نہیں۔ یہ اُن معنوں میں ایک ”مذہب“ نہیں کہ اس میں چند عبادات کے رسمی انداز اور طریقے سے ادا کرنے اور انسانی زندگی کو مختلف خانوں/حصوں میں تقسیم نہیں کیا گیا جس کے تحت دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی کا تصور پایا جاتا ہے۔ اسلام مذہب اور ریاست اور مذہب و سائنس کی دوئی کا قائل نہیں جیسا کہ دیگر مذاہب کا خیال ہے۔ اسلام میں ریاست اور مذہب کے ملحد ہونے کا بھی کوئی تصور نہیں اور اس طرح یہ ایک دوسرے سے برسر پیکار بھی نہیں۔ اسلام کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے تمام شعبے یعنی سیاست، معیشت، تعلیم، انصاف، اخلاق اور عبادات ایک دوسرے کے ساتھ باہم جڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اسلام، علمی ترقی اور سائنس کا بھی مخالف نہیں کہ آج تک کوئی ایک بھی سائنسی حقیقت ایسی دریافت نہیں ہوئی جو اسلام کے تصورات اور اس کے بنیادی عقیدوں سے متضاد ہو۔ اسی طرح قرآن و حدیث کی تعلیمات میں کوئی ایسا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا جو سائنسی حقائق کے خلاف ہو۔ اگرچہ اٹھارویں صدی عیسوی میں یورپ کے عمومی مذہب (عیسائیت) اور سائنسی اکتشافات کے درمیان ایک جنگ لڑی گئی کیونکہ چرچ کی تعلیمات میں بہت سارے عقائد اور خیالات کو الہامی سچائیوں کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ جب سائنس دانوں نے ان ادہامات کو تجرباتی طور پر غلط ثابت کر دیا تو عوام کے لیے کوئی چارہ کار نہ تھا

کہ وہ ان سائنسی حقائق کو تسلیم کریں اور چرچ کی تعلیمات کو نظر انداز کر دیں۔ اس کا ایک نہایت خوفناک پہلو یہ تھا کہ سائنس کو تمام الہامی مذاہب کے خلاف ایک فریق سمجھ لیا گیا اور اس طرح چرچ کا دائرہ کار ریاست سے بالکل علیحدہ ہو گیا۔ چرچ نے بطور اصول اس حیثیت کو قبول کر لیا اور اپنے آپ کو دیوٹی کن سٹی (روم) تک ہی محدود کر لیا۔

چرچ کے اس طرز عمل سے یورپ میں آہستہ آہستہ مذہبی تعلیمات کا اثر کم ہوتا چلا گیا جس سے بعد میں آنے والے انقلاب فرانس اور مارٹن لوتھر جیسے لوگوں کے ذریعے الحادی نظام کو جڑ پکڑنے کا موقع ملا۔ تاہم چونکہ اسلام جو کہ ایک سچا دین (طرز حیات) ہے وہ اس صورت حال اور اس تصور سے کسی طرح کی کوئی مصالحت نہیں کرتا۔ اسلام میں دین و دنیا کی دوئی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا اور اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں جہاں سائنس اور اسلامی تعلیمات میں کوئی بنیادی اختلاف پیدا ہوا ہو اور نہ ہی اسلام میں ریاست کی علیحدگی کا تصور پایا جاتا ہے۔ (محمد قطب ۱۹۷۷ء)

اس باب میں ہمارے پیش نظر مقصد یہ ہے کہ نوجوان نسل اور بالغ لوگ بھی جو اسلام کی حقیقت معلوم کرنے کے متلاشی ہیں، جو مغربی تعلیم و تہذیب کی وجہ سے اپنی راہ کھوٹی کر بیٹھے ہیں اور جن کے ذہنوں کو موجودہ تعلیمی نظام نے پراگندہ کر دیا ہے، وہ اسلام کے صحیح تصور سے اختصار کے ساتھ آگاہ ہو سکیں اور ان کے لیے اسلام کے وسیع تر مطالعے کی راہیں آسان ہو جائیں۔ نیز دنیا کے دیگر حق پرست لوگ بھی اسلامی تعلیمات سے براہ راست آگاہ ہو سکیں۔ اس بات کا غالب امکان ہے کہ اسلام کی صحیح تصویر دیکھنے کے بعد وہ اپنے اس دھوکے اور پروپیگنڈے کے اثرات سے نجات حاصل کر سکیں گے جس میں وہ غلط فہمی کی بنا پر مبتلا تھے۔

اسلام کے لغوی معنی ”تسلیم و رضا“ کے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں ایک مسلمان اپنی زندگی کے تمام معاملات اور رویوں میں اللہ کی تعلیمات کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ وہ ان پر عمل پیرا بھی ہوتا ہے۔ اللہ کی رضا اور خوشنودی انسانی اعمال کا ^{مط} نظر بن جاتی ہے اور ان احکامات پر چلنا انسان کے لیے آسان ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود انسان کی راہ نمائی کے لیے بذریعہ وحی نازل کیے جن میں کسی قسم کا کوئی ابہام یا شک نہیں۔

توحید کا مطلب، اللہ کی وحدانیت اور اس کی حاکمیت کے تصور پر یقین ہے۔ چونکہ اللہ اس کائنات میں پائی جانے والی ہر چیز کا خالق، مالک اور رازق ہے، اس لیے اس نے اپنے انبیائے کرام کے ذریعے وہ تعلیمات نازل فرمائیں جو اس عارضی کائنات میں بھی اور آخرت کی ابد الآباد کی زندگی میں بھی انسان کی فوز و فلاح اور نجات کی ضامن ہیں۔ توحید کا تصور اسلام کے بنیادی عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام میں اللہ کا تصور کسی ایسی دیوی/ دیوتا کا نہیں جس کے حضور انسان صرف پوجا پاٹ کے لیے حاضری دے جب انسان کو اس کی مدد اور پناہ کی ضرورت ہو بلکہ وہ اس کائنات کی واحد مالک، حکمران اور حاکمیت اعلیٰ رکھنے والی ذات ہے۔ (سید مودودی)

اللہ کی حاکمیت کا تصور عقیدہ توحید کا ایک جزو لاینفک ہے جسے کسی صورت بھی تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں کسی انسان کو کوئی اختیار حاصل نہیں اس لیے کوئی بھی انسان نہ تو انفرادی سطح پر اور نہ ہی اجتماعی سطح پر اس امر کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے لیے قانون سازی کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی سورتوں میں اس کو بڑی وضاحت کے ساتھ بار بار بیان کیا گیا ہے۔ (المائدہ ۵: ۴۴، سورہ یوسف ۱۲: ۴۰، سورہ النحل ۱۶: ۱۱۶)

یہاں اس امر کی جانب اشارہ کرنا ضروری ہے کہ مختلف زمانوں میں تمام دنیا میں لوگ سادھو، پیر اور مذہبی راہنماؤں کو ایک شارع قانون کی حیثیت سے تسلیم کرتے رہے ہیں لیکن قرآن اسے ایک سخت جرم اور شرک قرار دیتا ہے جو آج بھی مسلم سوسائٹی میں پایا جا رہا ہے۔ قرآن کریم میں ایسے تمام افراد، ادارے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے علاوہ قانون دینے کا دعویٰ کریں انھیں طاغوت کہا جاتا ہے جس کے معنی خدا سے بغاوت کے ہیں۔

کیونکہ توحید کا تصور اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے اور انسانی زندگی پر اس کے بہت مضمرات ہیں۔ ان میں سے اہم ترین یہ ہے کہ توحید کو ماننے کی وجہ سے ایک انسان نیکی اور راستی کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے۔ یہ اپنے ماننے والوں میں ہمت، حوصلہ اور صبر پیدا کرتا ہے۔ اس طرح توحید کا تصور ایک انسان میں زندگی بھر صحیح راستہ پر چلنے کا داعیہ پیدا کرتا ہے اور توحید کی وجہ سے اس کی نظر میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس عقیدے کو ماننے کے بعد وہ دنیا کی کسی چیز کو اپنے لیے اجنبی خیال نہیں کرتا۔ اس کا ذہنی افق وسیع ہو جاتا ہے اور وہ رجا نیت پسند

ہو جاتا ہے۔ (محمد ابراہیم حسین ۱۹۹۸)

شریعت کی بالادستی، اللہ تعالیٰ کے احکامات کی وجہ سے ہے، ایک انسان انفرادی طور پر اپنے دنیوی معاملات میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے اور اللہ کے احکامات کی حکم عدولی کے نتیجے میں اُسے بروز قیامت سخت باز پرس کا سامنا کرنا پڑے گا جہاں ہر فرد کو ذاتی طور پر انعام سے نوازا جائے گا یا اس کے اعمال کی جانچ پڑتال کے بعد اس کو سزا دی جائے گی تاہم قرآن یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت رحیم اور مہربان فرما نے والا ہے۔

توحید کی بنیاد پر ایک انسان کی حیثیت اس دنیا میں ایک خلیفہ یا وائسرائے کی ہے۔ خلافت کے لغوی معنی ”نیابت“ کے ہیں۔ اس دنیا میں اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان کی حقیقی پوزیشن اللہ کے ایک نائب کی ہے اور ان حقوق و اختیارات کی بنا پر جو اللہ نے اس کو تفویض کیے ہیں وہ اس بات کا مکلف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الہامی ہدایات کی روشنی میں فیصلہ کرے ان حدود کے اندر رہتے ہوئے جو اللہ نے اس کو دیئے ہیں۔ (سید مودودی)

دنیا میں وہ لوگ جو اس حیثیت اور کردار کو قبول کریں وہ ایک کمیونٹی / معاشرہ بن جاتے ہیں جس کا نام امت مسلمہ (مسلمان) ہے۔ امت کا ایک نکتہ مقصد یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں خیر اور بھلائی کو قائم کرے اور پروان چڑھائے اور برائی کا قلع قمع کرے جیسا کہ قرآن مجید کی سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران ۳: ۱۱۰)

”اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“

اس امر کے لیے کہ انسان کو ان حقائق سے روشناس کرایا جائے اور اللہ کی صفات کا تصور دلایا جائے اور اس بات کی وضاحت کی جائے کہ اللہ کو کون سی چیزیں پسند ہیں اور کون سی ناپسند، اور اللہ کے راستے کی شناخت کے لیے نیز قیامت میں انصاف کے لیے، اللہ نے انسانوں کو اس

امرت بری الذمہ قرار دے دیا کہ وہ یہ سخت تکلیف دہ کام اپنے ذمہ لیں اور ذاتی طور پر تنہا اس طرح کی معلومات حاصل کریں، اللہ نے ایسی تمام معلومات/ ہدایات اپنے پیغمبروں کے ذریعے نازل فرمادیں اور انھیں حکم دیا کہ وہ اس قانون اور صحیح زندگی کے راستے کی جانب لوگوں کی راہ نمائی کریں۔ اللہ کے یہ احکامات وحی کے ذریعے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معرفت کی جاتی تھی ان تمام انبیاء و رسل کو جو دنیا میں مختلف قوموں اور زمانوں میں آئے تھے، دیے گئے تھے۔

قرآن کی رو سے حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی تھے جو اس زمین پر بھیجے گئے اور حضور اکرم ﷺ آخری نبی ہیں۔ ان کے درمیان بہت سے انبیاء حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اسی طرح دیگر انبیاء آئے جو کہ نہایت مبارک ایک سلسلہ الذہب ہے۔ انسانیت کی راہ نمائی کے لیے جو ہدایات ان پیغمبروں کے ذریعے پہنچی گئیں وہ اسلام کہلاتی ہیں جس کا مطلب اللہ کے حضور سر جھکا دینا ہے۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ مختلف اقوام نے اپنے آپ کو یہودیت، عیسائیت کے ناموں سے موسوم کر لیا اور اس طرح وہ چند قبائل اور نسلوں تک محدود ہو کر رہ گئیں۔

اس تمام دور میں لوگوں نے امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بہت سارے انسانی خیالات اور اقوال تواریت/ زبور/ بائبل میں داخل کر دیئے (عہد نامہ قدیم، عہد نامہ جدید) اور آج کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جو کچھ بائبل میں لکھا ہے وہ من و عن اس وحی و تنزیل پر مبنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔ عصر حاضر میں بائبل کے مختلف نسخہ جات (جو تعداد میں بہت زیادہ ہیں) اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ اس میں موجود بہت ساری باتیں ایسی ہیں جو مختلف لوگوں نے ان انبیاء علیہ السلام کے بہت عرصے بعد خود داخل کر دیں۔

اسلام کے بارے میں تفصیلات میں جانے سے پہلے اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ آئذ ہی میں ایک عام عقیدے کی تردید کر دی جائے کہ ”اسلام کا آغاز ۶۲۲ء میں محمد ﷺ کے ذریعے سے عرب میں ہوا“ اور مزید یہ کہ ”پیغمبر ﷺ ۵۷۱ء سے ۶۳۲ء تک زندہ رہے اور اس مذہب کا نہ سے آغاز ہوا جہاں جبرائیل علیہ السلام فرشتے نے ان پر وحی کی تھی۔“

اس کائنات میں انسانی نسل کا آغاز ایک انسان حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا جو سب سے

پہلے پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت میں ان کی جنس میں سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کیا اور تمام انسان جو اس دنیا میں موجود ہیں وہ اس پہلے جوڑے کی اولاد ہیں۔ اللہ نے اپنا دین (اسلام) ان پر نازل کیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ اس کی تعلیمات سے اپنی نسلوں کو آگاہ کریں۔ ان میں سے کچھ نے احکامات کی تعمیل کی جبکہ دوسروں نے ان کی تعلیمات کو بھلا دیا اور وہ مختلف طریقوں سے عبادت کرنے لگے جس میں سورج، چاند، آگ، پہاڑ شامل تھے اور وہ یہ خیال کرتے تھے کہ یہ تمام اشیاء مختلف دیوی، دیوتاؤں کے زیر اثر ہیں اس لیے ان کی عبادت کرنی چاہیے۔ اس کی وجہ سے بہت سے مشرکانہ نظریات اور بت پرستی کا آغاز ہوا۔ اس دوران حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد تقریباً تمام دنیا میں پھیل گئی اور ان سے مختلف قبائل، نسلیں اور قومیں وجود میں آئیں۔ اس مرحلے پر اللہ تعالیٰ نے ان کی راہ نمائی کے لیے مختلف قبائل/اقوام میں انبیاء بھیجے شروع کیے جو دنیا کے مختلف حصوں میں بستے تھے۔ ان تمام الہامی ہدایات کی بنیاد تو حید باری تعالیٰ کے تصور پر رکھی گئی تھی اور سب کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے احکامات کی تابعداری (بطور مسلم) کریں اور اس تعلیم کو مانیں جو انبیاء کے ذریعے ان تک پہنچی تھی۔ تاہم ہر نبی کی مخصوص ہدایات کا انحصار اس قسم کے برے افعال اور اعمال کے سد باب پر ہوتا تھا جو کسی قوم یا قبیلے میں پائے جاتے تھے۔ یہ ہدایات بتدریج تبدیل ہوتی رہیں اور ان میں اضافے/اصلاحات کی جاتی رہیں، جیسے جیسے انسان نے ذہنی اور عقلی طور پر ترقی کی۔ آہستہ آہستہ انسانوں نے ایک عالمی طریق حیات کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کیا۔ اس وقت دنیا کی مختلف قوموں کے درمیان میل جول اور پیغام رسانی کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ تجارت، صنعت اور معلومات تحریری شکل میں ایک دوسرے تک پہنچنے لگیں۔ ان تمام عوامل کے نتیجے میں قومیں ایک دوسرے کے قریب آتی چلی گئیں اور ان کے درمیان پائے جانے والے ایسے اختلافات آہستہ آہستہ کم ہوتے چلے گئے جو ایک دوسرے سے علیحدہ رہنے کی صورت میں پیدا ہوئے تھے۔

① یہ ایک بہت اہم اور انقلابی تصور ہے جس کا منطقی نتیجہ انسانیت کی یکجہائی اور انسانوں کی برابری ہے۔ انسانوں کے درمیان رنگ، نسل اور جغرافیائی حدود کی بنا پر تفریق اور تمیز ایک احقانہ فعل ہے۔ ایک ایسے دور میں جبکہ نیشنلزم، قومیت پرستی، نسل پرستی نے انسان کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، انسانیت کی برابری کے اس تصور نے ایک بہت امید افزا پیغام دیا ہے۔" (بحوالہ خورشید احمد، سید مودودی کی کتاب)

ان حالات میں یہ ممکن ہو گیا کہ ایک عقیدہ جو زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہو جس میں اخلاقی و روحانی، سوشل، کلچرل، سیاسی اور معاشی دیگر تمام انسانی ضروریات کا خیال کیا گیا ہو، خدا کی طرف سے تمام انسانیت کے لیے نازل ہو۔ دو ہزار سال سے زائد مدت میں انسان نے اس حد تک ترقی کر لی تھی اور وہ ایک ایسی ذہنی سطح تک پہنچ گیا تھا کہ اب اسے کسی ایک الہامی مذہب کی تلاش تھی۔ بدھ مت جو چند اخلاقی تعلیمات تک محدود تھا، زندگی کا مکمل لائحہ عمل نہیں تھا۔ اس کا آغاز ہندوستان سے ہوا اور جلد ہی ایک جانب جاپان اور منگولیا تک پھیل گیا تو دوسری جانب افغانستان اور بخارا تک اس کے پیروکار دور دراز تک پھیل گئے۔ اس کے چند سو سال بعد عیسائیت کو فروغ حاصل ہوا۔ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اسلام کی تعلیمات (یعنی اللہ کی فرمانبرداری) پر ہی مبنی تھیں تاہم ان کے پیروکاروں نے جلد ہی اسے ایسے مذہبی ادہام کا ملغوبہ بنا دیا جس کا نام انھوں نے ”عیسائیت“ رکھ دیا اور یہ نامکمل مذہب جو اسرائیلی (یہودی) روایات سے بری طرح مسخ کر دیا گیا تھا، ایران، اور ایشیائے کوچک نیز یورپ اور افریقہ کے دور و نزدیک علاقوں تک پھیل گیا۔

ان واقعات و حالات سے بہ آسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ انسانیت، ان دنوں میں ایک ایسے الہامی دین کی متلاشی تھی جو تمام انسانوں کے لیے یکساں طور پر ہدایت کا سامان فراہم کر سکے اور انسان اس کو قبول کرنے کے لیے اس حد تک تیار تھے کہ انھوں نے ان تمام مختلف مذاہب کو جن کی تعلیمات مسخ ہو گئی تھیں، پھیلا نا شروع کر دیا۔ (سید مودودی)

سید مودودی مزید رقمطراز ہیں کہ ”انسانی تہذیب کے اس نازک مرحلے میں جب کہ انسانی ذہن کسی بین الاقوامی (الہامی) مذہب کا متلاشی تھا، عرب میں ایک پیغمبرؐ کی بعثت ہوئی جسے تمام اقوام اور تمام دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا تھا اور اس پیغمبرؐ کو جو دین اشاعت کے لیے دیا گیا تھا اس کا نام بھی اسلام تھا۔ تاہم اب وہ اس مکمل نظام حیات کی شکل میں تھا جسے قیامت تک کے لوگوں کی رہنمائی کرنا تھی اور انسان کے انفرادی اور اجتماعی مسائل کے ہر پہلو سے متعلق ہدایات و روشنی فراہم کرنا تھی اس پیغمبرؐ کو تمام انسانیت کے لیے مبعوث کیا گیا تھا۔ ان کا اسم گرامی محمد ﷺ تھا جو کہ دین اسلام کے پیغمبر تھے۔“

ان تصریحات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب نہیں جو دنیا کے دیگر مذاہب کے مقابلے میں حالیہ زمانے میں نازل ہوا ہو۔ اسلام دراصل وہ قدیم ترین دین ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا جب انھیں اس سرزمین پر خلیفہ بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اس لیے اسلام کو کوئی ایسی نئی اختراع نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ دراصل یہ ادیان سابقہ کی ان اصل تعلیمات / ہدایات پر مبنی ہے جو مختلف اقوام نے مسخ کر دی تھیں یا جنھیں وہ لوگ بھلا چکے تھے۔ اسلام ان کی یاد دہانی اور احیاء کے لیے بطور آخری دین نازل کیا گیا جس میں تمام ادیان سابقہ کی سچائیاں، بھلائیاں اور نیکیاں شامل ہیں جن کا تعلق اللہ کے وجود کے ایک ہونے (توحید) سے ہے۔

مزید یہ کہ اسلام کی سچائیوں کا اقرار ان تمام انبیائے ماسبق نے کیا تھا جو ماضی میں کائنات کے مختلف حصوں اور زمانوں میں بھیجے گئے تھے بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام جو توحید کے علمبردار تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، عربوں اور یہودیوں کے جد اعلیٰ ہیں بشمول حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے۔ حضرت محمد ﷺ، انبیاء کے اس سنہری سلسلے کی آخری کڑی ہیں اور اسلام وہ آخری الہامی دین ہے جو قیامت تک کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ سورہ آل عمران (۳۳:۳) میں قرآن کریم نے بتایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ﴾ (آل عمران ۳: ۳۳)

”اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر (اپنی رسالت کے لیے) منتخب کیا تھا۔ یہ ایک سلسلے کے لوگ تھے جو ایک دوسرے کی نسل سے پیدا ہوئے تھے۔“

دراصل اسلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام دینی و اخلاقی اقدار کا آخری مظہر ہے۔ اسلام دیگر ابراہیمی مذاہب (یہودیت، عیسائیت) کی تاریخی روایات اور ان تمام بنیادی اخلاقی تعلیمات کی تائید کرتا ہے جو کہ ان دس احکامات (Ten Commandments) میں درج تھے بلکہ اس سے زیادہ اللہ کی وحدانیت کا موید و علمبردار ہے۔ حضرت محمد ﷺ بطور ایک آخری

پیغمبر اس کے مکلف تھے کہ وہ ان تمام مذاہب سابقہ کی تعلیمات کو دامن کرے اور انھیں عقائد اور اعمال کے ان غلط تصورات و تفاسیر سے پاک کرے جو مخ شدہ ہونے کی وجہ سے اُن میں داخل ہو گئے تھے۔ نیز ان اعمال کی اصلاح بھی ان کا مشن تھا جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ان کے وقت تک انسانی تاریخ کے طویل دور میں ان مذاہب میں در آئے تھے۔ قرآن ان تمام عقائد کی اصلاح کرتا ہے اور ان تمام صحیح عقائد کو دہراتا ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی الہامی کتابوں میں شامل کر لیے تھے۔

اشاعت اسلام:

مکہ اور مدینہ کے شہروں سے اسلام، تمام دنیا میں پھیل گیا۔ حضور ﷺ کی وفات کے ۵۰ سال بعد ہی اسلام دنیا کے تین براعظموں میں پھیل گیا۔ اسلام، مغرب کے لوگوں کی رائے کے برعکس، تلوار کے زور سے نہیں پھیلا اور نہ ہی جنگوں کے ذریعے اسے کسی قوم یا ملک پر مسلط کیا گیا۔ یہ بات صرف ملک عرب تک محدود نہ تھی جہاں شرک و بت پرستی کی انتہائی حالت پائی جاتی تھی، کہ اسلام نے ان لوگوں کو دعوت دی اور ان کے انکار کرنے پر ان قبائل کو وارننگ دی جنہوں نے اسلام کی دعوت (قبولیت اسلام یا جزیہ ادا کرنا) کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا جبکہ عرب کے یہودی اور عیسائی لوگوں سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہیں کیا گیا کہ وہ ضرور اسلام قبول کریں۔ عرب سے باہر بھی بہت سے ممالک مسلمانوں نے فتح کیے اور وہ لوگ ایک بہت ہی مختصر مدت میں مسلمان ہو گئے، کسی فوجی مہم کی وجہ سے نہیں بلکہ اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر۔ اسلام لوگوں کو عقیدہ اختیار کرنے کی آزادی دیتا ہے اور زبردستی اپنی تعلیمات لوگوں پر مسلط کرنے کے خلاف ہے۔ بعد کے ادوار میں بھی ترکوں نے اپنی مرضی کے ساتھ اسلام قبول کیا اور اسی طرح برصغیر ہندوستان میں اور دیگر ملکوں میں بھی اسلام تبلیغ کی وجہ سے پھیلا۔ افریقہ کے لوگ بھی گزشتہ دو صدیوں میں مشرف بہ اسلام ہوئے جبکہ وہ برطانوی اور فرانسیسی استعمار کے تحت زندگی بسر کر رہے تھے اور آج بھی اسلام یورپ اور امریکہ میں تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے در آنحالیکہ ان ممالک میں بالجبر یا جنگ کے ذریعے اسلام قبول کرنے پر کسی ایک فرد کو بھی مجبور نہیں لیا گیا۔

اسلام کی وجہ سے عرب کے جاہل، اکھڑ اور ان پڑھ وحشی لوگوں کی زندگی میں ایک ایسا عظیم انقلاب رونما ہوا کہ وہ اس قدر عادل، رحم دل اور دنیا کی تمام اقوام سے زیادہ مہذب بن گئے کہ آج دنیا ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قرآن و سنت کی صحیح تعلیمات کے نتیجے میں بہت زیادہ ممالک میں اسلام بہت قلیل مدت میں پھیل گیا۔ اگرچہ اس کتاب کا موضوع اس امر کا متحمل نہیں کہ اسلام کی تاریخ کے اس سنہرے دور کی تفصیلات درج کی جائیں، لیکن شاید اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ قرآن و حدیث کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے آج کی امت مسلمہ اس قعرِ مذلت میں گر چکی ہے جس کا مظاہرہ ہم آج دیکھ رہے ہیں باوجود اس حقیقت کہ ان کی آبادی ۱.۲ بلین ہے اور وہ دنیا کی کل آبادی کا ۲۲ فی صد ہیں۔ مزید یہ کہ عددی کثرت کے لحاظ سے عیسائیت کے بعد اسلام دنیا میں دوسرے نمبر پر آنے والا مذہب ہے۔ اپنی عالمگیر صداقتوں کی بنا پر اسلام لوگوں کی ایک بڑی تعداد کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ (Anon, 2001)

قرآن، اللہ کا آخری کلام:

قرآن کریم، اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے حضور ﷺ پر ۲۳ برسوں میں عربی زبان میں نازل کی گئی۔ اللہ کی راہ نمائی اور حضور ﷺ کی ہدایت کے تحت مختلف سورتیں اور آیات کی ترتیب اس طرح رکھی گئی جس طرح آج مسلمان اسے پڑھتے ہیں۔ تمام دنیا میں قرآن کے نسخے ایک جیسے ہیں اور ان میں ایک نقطہ کا بھی فرق نہیں۔ قرآن، اسلام کی بنیادی مقدس کتاب ہے اور اللہ کے احکامات کا مجموعہ ہونے کی بنا پر یہ مسلمانوں کی راہ نمائی کے لیے واحد کتاب ہے۔ سید مودودی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے، کی پہلی جلد میں تعارف کے عنوان سے ایک تفصیلی مقالہ تحریر فرمایا ہے جس میں قرآن کی نوعیت، مضامین اور اس کے مرکزی مضمون، سائل اور ہر سورت کے تاریخی پس منظر کا ذکر کیا ہے۔

قرآن کی تعلیمات کا عملی حصہ شریعت کہلاتا ہے۔ شریعت دو اہم ترین حصوں پر مشتمل ہے جنہیں قرآنی تعلیمات اور حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ (سنت/ حدیث) کہتے ہیں۔ حضور ﷺ کی احادیث قرآن فہمی کے لیے مسلمانوں کے پاس ایک اہم ذریعہ ہیں جن سے وہ اپنی زندگی کے تمام امور کے بارے میں راہ نمائی پاتے ہیں۔ قرآن نے از خود یہ حکم دیا ہے کہ مسلمانوں

کے لیے حضور ﷺ کی زندگی ایک اسوہ حسنہ ہے جس پر عمل کرنا ان پر فرض ہے۔

(سورہ الاحزاب ۳۳: ۲۱)

سنتِ رسول ﷺ:

اللہ کے پیغمبر ﷺ نے تمام انسانیت کو دعوت دی ہے کہ وہ اللہ کے احکامات کے آگے سر جھکا دیں۔ ایک دفعہ دائرہ اسلام میں آنے کے بعد، کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ شریعت کے احکامات کی پیروی نہ کرے۔ پیغمبر ﷺ کے اقوال و اعمال کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد میں دیگر اہل علم نے جمع کیا اور ان پر مشتمل متعدد کتب احادیث وجود میں آئیں۔ احادیث کی بے شمار کتب کی تدوین و ترتیب مختلف زمانوں میں متعدد اہل علم نے کی تاہم ان میں درج ذیل چھ کتب مستند ترین سمجھی جاتی ہیں:

۱: صحیح بخاری جسے امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری نے ترتیب دیا۔ ۱۹۳ ہجری سے ۲۵۶ ہجری کے دوران۔

۲: صحیح مسلم جسے امام مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری نے ترتیب دیا۔ ان کا انتقال ۲۶۱ھ میں ہوا۔

۳: ترمذی جسے امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی نے ترتیب دیا جن کی وفات ۲۷۹ھ ہجری میں ہوئی۔

۴: سنن ابوداؤد: (متوفی ۲۷۵ھ)۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث نے ترتیب دیا۔

۵: سنن نسائی: (متوفی ۳۰۳ھ) جسے امام ابو عبد الرحمن احمد بن نسائی نے جمع کیا۔

۶: سنن ابن ماجہ: (متوفی ۲۷۳ھ) جس کے مرتب امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ابن ماجہ ہیں۔

چونکہ شریعت (قرآن و حدیث) انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جمیع پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے اس لیے زندگی کے مختلف پہلو جیسے انفرادی کریکٹر، اخلاق، عادات، خاندانی نظام، سوشل اور معاشرتی معاملات، شہریوں کے حقوق و فرائض، سیاست، نظام انصاف، تعلیم یا مذہبی رسوم و رواج، تمام شریعت کے دائرے میں آتے ہیں۔ یہ ایک مکمل مضابطہ حیات ہے۔

(سید مودودی)

اسی طرح، اسلام میں انسانی زندگی کے جملہ مسائل کی بنیاد ان قوانین و احکامات پر رکھی گئی ہے جو زمان و مکان کی بنیاد پر کبھی تبدیل نہیں ہوئے یعنی غیر متبدل ہیں۔ یہ حقائق مطلق ہیں اور

ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔ (محمد قطب ۱۹۷۷ء)

شریعت کا ایک اور بہت نمایاں پہلو یہ ہے کہ یہ صرف چند مذہبی رسومات کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ ایک مکمل سوشل آرڈر ہے جو نامیاتی طور پر (As an Organic whole) عبادات کے نظام سے اس طریق پر جڑا ہوا ہے کہ ایک کی نفی کرنے سے دوسرے کی تردید خود بخود لازمی ہو جاتی ہے (علامہ محمد اقبالؒ ۱۹۵۸ء)۔ شریعت کو ایک اکائی کے طور پر قبول کرنا چاہیے نہ کہ اس کے مختلف ٹکڑوں یا نظاموں کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کر کے تاکہ ان سے فائدہ حاصل کیا جاسکے اس طرح کہ جو چیز پسندیدہ ہو اسے اپنالیا جائے اور جو نا پسندیدہ ہو، اسے چھوڑ دیا جائے۔

(سید مودودی)

ایک ایسا معاشرہ جس کی بنیاد پیغمبر ﷺ کے اس اصول پر تشکیل دی گئی ہو کہ اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے بڑوں کی عزت و احترام نہیں کرتا اور جو اپنے سے چھوٹوں پر رحم و شفقت نہیں کرتا۔ ایسے معاشرے میں نوجوانوں کی جانب سے کسی قسم کی ذہنی/عقلی اور عملی بغاوت کا کوئی امکان نہیں جیسا کہ دنیا کے بیشتر ممالک میں آج کل ہو رہا ہے اور جسے جوان اور بوڑھی نسل کے درمیان فاصلہ (Generation gap) کا نام دیا گیا ہے۔

شریعت کی پابندی سے تمام اقسام کے منشیات جیسے شراب نوشی اور سود وغیرہ سے بھی نجات مل جاتی ہے جنہوں نے آج کے انسان کو اپنے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جو شریعت کی بنیاد پر منظم کیا گیا ہو، وہ بہت سے جرائم سے پاک ہوگا، وہاں پر کسی قسم کا کوئی تشدد نہیں کیا جاسکے گا، وہاں قانون شکنی نہیں ہوگی اور وہاں کسی قسم کے شہوت انگیز افعال کی کوئی گنجائش بھی نہیں ہوگی۔ اسلامی تعلیمات کے نتیجے میں ہر قسم کے جنسی امور میں عریانیت اور جنسی انحرافات کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی جو ہمیں آج اقوام مغرب میں ایک متعدی مرض کی طرح نظر آ رہے ہیں۔ اسلام میں عصمت و عفت اور شرم و حیا نیز اللہ کا ڈر اور حضور ﷺ کی سنت کا اتباع کرنے سے دنیا اس قسم کے تمام جنسی مفاسد سے پاک ہو سکتی ہے جو مغرب کی فضا میں رچ بس گئے ہیں اور بہت بڑے پیمانے پر جن کا مظاہرہ امریکہ اور یورپ کے دیگر ممالک میں مسلسل ہو رہا ہے!

یہ امر واضح ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک اسلام کی پیروی نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اللہ کی اطاعت میں اپنا سر نہیں جھکا تا۔ انسانیت کو ایک ایسے حاکم اعلیٰ کی ضرورت ہے جو اسے صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کا طریقہ سکھا سکے۔ اس کا مطلب مکمل طور پر ڈائٹرشپ کا نظام نہیں بلکہ یہ قوانین کی پابندی کی ایک اعلیٰ ترین قسم ہے اور یہ شرف صرف اسلام ہی کو حاصل ہے جو مکمل طور پر ہر قسم کے تعصب سے پاک اور مبنی بر انصاف نظام ہے۔ جہاں حکوم اور حاکم، غریب و امیر، جوان اور بوڑھے، عورت و مرد، طبقہ اشرافیہ اور عام لوگ، قانون کی نظر میں یکساں اور برابر ہیں۔ یہ صرف شریعت کا ہی قانون ہے نہ کہ حکمران طبقہ یا وہ لوگ جو کسی طور پر شریک اقتدار ہو گئے ہیں کہ وہ اپنی رائے/ فیصلے عام لوگوں پر لاگو کر سکیں۔ صرف الہامی ہدایات و تعلیمات ہی کو عزت و احترام کا درجہ حاصل ہے اور انھی پاکیزہ تعلیمات کی بنیاد پر افراد سے غیر مشروط اطاعت کا تقاضا کیا جاسکتا ہے۔ (مریم جیلہ ۱۹۸۴)

ان معروضات کو ختم کرنے سے پہلے ایک سوال کا جواب دینا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ صرف اسلام ہی کیوں اور دوسرے مذاہب کیوں نہیں، جو انسان کے جملہ معاملات و مسائل کا حل مہیا کر سکتے ہیں؟ کسی تفصیل میں جائے بغیر اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ عیسائیت نے تمام دنیاوی امور سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور ویٹی کن چرچ نے دنیا میں الحادی نظام کو سرکاری طور پر قبول کرتے ہوئے مذہب و ریاست کو الگ الگ اکائیوں کی صورت میں قبول کر لیا ہے اور اپنے آپ کو ویٹی کن شہر کی چار دیواری تک محدود کر لیا ہے۔ پس یہ انسانی زندگی کے سوشل، سیاسی اور معاشی پہلوؤں کے ضمن میں کوئی راہ نمائی دینے سے قاصر ❶ ہے۔ ہندومت کا تمام تر دار و مدار ذات پات کے نظام پر ہے جس کی اساس انسانی بھائی چارے کے تصور کی نفی پر استوار ہے۔ اسی طرح یہودی بھی نہایت سختی کے ساتھ اور مذہبی بنیادوں پر کسی غیر یہودی کو اپنے مذہب میں داخل نہیں کرتے اور انھیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ بدھ مت کے بھکشو اپنے آپ کو مذہبی عبادت گاہوں تک ہی محدود رکھتے ہیں اور وہ دیگر دنیاوی امور سے مکمل قطع تعلق رکھتے ہیں۔ (مریم جیلہ ۱۹۸۴)

❶ یاد رہے کہ یہ خیالات ایک امریکن نو مسلم خاتون مریم جیلہ کے ہیں جو خود کسی زمانے میں عیسائی تھیں۔

انہی وجوہات کی بنا پر بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ جدید انسان کے مسائل کا حل سوائے اسلام کے اور کسی کے پاس نہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ

چارہ ایں است کہ از عشق کشادے طلبیم
پیش او سجدہ گذاریم، و مرادے طلبیم

ذیل کی سطور میں ہم مختصر طور پر اسلام کے ایسے اہم ارکان کا تعارف پیش کریں گے جو قصر اسلام میں بنیادی اینٹ کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن پر اسلامی تعلیمات کی تمام تر عمارت کی تکمیل ہوئی ہے۔

ارکان اسلام:

ارکان اسلام یہ ہیں:

« توحید باری تعالیٰ کا اقرار۔

« فرشتوں پر ایمان لانا۔

« تمام کتب سماوی جو مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء و رسل پر نازل کی گئیں، کا ماننا۔

« تمام انبیاء و رسل کا اقرار جو وقتاً فوقتاً دنیا کے مختلف خطوں میں بھیجے گئے اور حضور ﷺ کا

بطور نبی آخر الزمان اقرار۔

« قیامت کو تسلیم کرنا۔

یہ ارکان اسلام، جیسا کہ بتایا گیا کہ اسلام کی عمارت کے بنیادی پتھر ہیں اور ان سب کا خلاصہ ایک مختصر سے فقرے کلمہ طیبہ میں کر دیا گیا ہے۔ لا الہ الا اللہ کوئی معبود (الہ) نہیں سوائے اللہ کے۔ اس کا اقرار گویا تمام دیوی/ دیوتاؤں کا انکار ہے اور اس امر پر ایمان کا اقرار کہ سارے انسان ایک اللہ کی مخلوق ہیں اور جب اس میں ”محمد الرسول اللہ“ کا اضافہ ہو گیا تو یہ کلمہ مکمل ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس بات کا بھی اقرار کرتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ حضور ﷺ کی نبوت کے اقرار کے بعد انسان پر لازم ہے کہ وہ آپ کے اسوۂ حسنہ کی اس طرح پیروی کرے جس طرح انھوں نے اللہ کی عبادت اور احکامات کو ماننے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اس میں انسان کی اخروی بھلائی کا راز پوشیدہ ہے۔ (سید مودودی)

اسلام کا دوسرا رکن فرشتوں پر ایمان لانا ہے۔ فرشتوں پر ایمان لانے کا منطقی نتیجہ ہر قسم کے شرک سے برأت کا اظہار ہے کیونکہ دنیا میں لوگ چاند، سورج اور دیگر نظر نہ آنے والی متعدد چیزوں (جن، فرشتے) کو پوجتے ہیں۔ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔ قرآن نے ہمیں بتایا کہ یہ فرشتے ایسی مخلوق ہیں جن کو اللہ کے اختیارات میں کسی قسم کا کوئی دخل حاصل نہیں بلکہ یہ اللہ کے احکامات کی پیروی کرنے والے ہیں جو اس کائنات کا نظام چلانے میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل میں سرگرداں رہتے ہیں۔

اسلام کا تیسرا رکن ان کتابوں پر ایمان لانا ہے جو مختلف زمانوں میں متعدد انبیاء و رسل پر نازل کی گئیں جو درج ذیل ہیں:

« صحائف ابراہیمی علیہ السلام

« تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

« زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

« انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

درج بالا کتب کے علاوہ قرآن میں کسی اور کتاب کی تصریح نہیں۔ صحائف ابراہیمی آج پوری دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ زبور اور تورات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں پائی جاتی ہیں تاہم قرآن کے مطابق (اور دیگر بہت سے حق گو اہل علم جو ان مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں، کی گواہی کے مطابق) ان میں تحریف ہو گئی ہے اور ان کے مرتب کرنے والوں کے اقوال و تعلیمات بھی ان میں شامل ہو گئی ہیں۔ درحقیقت عبرانی زبان میں ان کتب سماوی (زبور، تورات) کے یہ تراجم ہیں جن میں ان کے ترجمہ کرنے والوں کے ذاتی خیالات، اضافے، کتر بیونت بھی شامل ہے۔ امتدادِ زمانہ کے سبب اب یہ معلوم کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ ان موجودہ کتب میں کون سی تعلیمات الہامی ہیں اور کس کس جگہ تحریف کی گئی ہے۔ تاہم مسلمانوں کے لیے یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ تمام کتب سماوی پر یقین رکھیں تاہم ان کے لیے قرآن ہی وہ آخری کتاب ہے جو صحیح حالت میں اب تک موجود ہے اور جس پر انھیں عمل کرنا چاہیے اور یہ کہ قرآن میں کسی قسم کی تحریف یا تبدیلی، قیامت تک کوئی فرد بھی نہیں کر سکتا۔ اس کی حفاظت کا

ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے بارے میں یہ صراحت بہت ضروری ہے کہ وہ صرف ملک عرب کے لیے نبی بنا کر مبعوث نہیں کیے گئے تھے بلکہ انھیں آفاقی و عالم گیر تعلیمات کا حامل دین دے کر ساری کائنات کے انسانوں کے لیے نبی بنا کر مبعوث کیا گیا۔ روایات کے مطابق کل انبیاء و رسل جو دنیا بھر میں مبعوث کیے گئے تھے، ان میں سے چند کے نام قرآن میں مذکور ہیں لیکن مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ تمام انبیاء و رسل پر ایمان رکھیں جو مختلف زمانوں اور علاقوں میں بھیجے گئے چاہے ان کے نام انھیں معلوم ہیں یا نہیں۔ انبیاء و رسل کے اس سلسلے کی آخری کڑی حضور اکرم ﷺ ہیں جن کے آنے سے یہ سلسلہ اب قیامت تک کے لیے بند کر دیا گیا اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے حضور ﷺ پر ایمان لانا فرض قرار دے دیا گیا۔ اب امت مسلمہ اس امر کی مکلف ہے کہ حضور ﷺ کی تعلیمات کو قیامت تک کے آنے والے انسانوں تک اپنے قول اور عمل کے ذریعے سے پہنچائے۔

اسلام کا پانچواں اور آخری رکن قیامت پر ایمان لانا ہے اس کے متعدد پہلو ہیں جن میں اس بات پر ایمان لانا کہ

« دنیا کی یہ زندگی ایک دن ختم ہو جائے گی جس کا علم اللہ کو ہے۔

« اس دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور وہ اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔

« ہر شخص کا وہ کام جو اس نے اس دنیا میں کیا تھا (اچھا یا برا، چھوٹا یا بڑا، ظاہر یا چھپا ہوا) اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا جو اس پر آخری فیصلہ فرمائیں گے اور۔

« اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کی رو سے جنھوں نے دنیا میں اللہ اور رسول ﷺ کی پیروی کی تھی، انھیں انعام (جنت) سے نوازا جائے گا اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایت سے روگردانی کی ہوگی، انھیں سزا (دوزخ) دی جائے گی۔ جہاں وہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ آخری فیصلہ خالصتاً انصاف کی بنیاد پر مبنی ہوگا۔

اسلام میں عبادات کا تصور:

ذیل کے صفحات میں ہم، اسلام کی عبادات پر نہایت اختصار کے ساتھ گفتگو کریں گے جو

اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمارے لیے فرض کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرنے کا یہ منطقی نتیجہ ہے کہ انسان اس کے سامنے سجدہ ریز ہو اور اس سجدہ ریزی کی مختلف اشکال کو عبادات کہتے ہیں۔ عبادات کے اس نظام پر اسلام کی عمارت قائم ہے۔ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تمام عبادات کو اس طریق پر ادا کرے جس کی ہدایت اور عملی نمونہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں پیش فرمایا۔

نماز:

عبادات میں سب سے پہلے نماز ہے جو اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد ادا کرنی پڑتی ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ اللہ کے حضور کھڑے ہو کر اس امر کی یقین دہانی کرانے کا یہ طریقہ اس امر کا اعلان ہے کہ بندہ توحید و رسالت پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ پانچ مرتبہ نماز کی ادائیگی سے پیغمبر اسلام ﷺ کی وساطت سے عطا ہونے والے اس عقیدے کو تقویت ملتی ہے اور یوں نماز ایک فرد کو دنیا میں کرنے والے ہر کام میں اللہ کی ہدایات اور اسوۂ رسول ﷺ کی تابعداری و اتباع کے لیے تیار کرتی ہے۔

روزے:

مسلمانوں کے لیے سال میں ایک ماہ کے (رمضان میں) روزے بھی فرض کیے گئے ہیں۔ اس ماہ میں تمام دنیا کے ہر مسلمان کے لیے صبح سے لے کر غروب آفتاب تک کسی قسم کا کھانا پینا اور ہر ایسے کام کی ممانعت ہے جو عام حالت اس کے لیے جائز ہیں مثلاً شادی شدہ مرد و عورت کا مباشرت کرنا۔ روزے کا مقصد بھی دراصل اس عقیدے کو مضبوط کرنا ہے کہ ایک مسلمان، اللہ کو اپنا الہ اور حاکم سمجھتا ہے اور اس کے حکم کے تحت وہ ہر جائز چیز کو بھی ایک خاص عرصے کے لیے چھوڑ دینا گوارا کرتا ہے اس طریقے کے مطابق جو اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا ہے۔

زکوٰۃ:

عبادات کا تیسرا اہم رکن زکوٰۃ کی ادائیگی ہے جو کہ صاحب استطاعت مسلمانوں (امراء) پر فرض کی گئی ہے کہ وہ اپنی جمع شدہ دولت کا ایک قلیل حصہ اللہ کی راہ میں ہر سال ادا کریں اور اس طرح جمع شدہ رقم (جو کہ اربوں روپے بنتی ہے اگر کسی اسلامی حکومت کے تحت اکٹھے کیے

جائیں) کو غریبوں کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کیا جائے۔ اس سے مسلمانوں میں غریب و نادار لوگوں کی مدد کا جذبہ ابھرتا ہے۔
جج:

عبادات کا چوتھا اہم رکن حج ہے جسے صاحب استطاعت لوگوں پر زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ فرض کیا گیا ہے۔ اس میں مالی اور جسمانی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اسے عبادات میں سب سے بڑی عبادت قرار دیا گیا ہے۔ اس میں اپنے خاندان اور دیگر افراد خانہ سے دور رہنے کے علاوہ جسمانی طور پر بھی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ کسی ایسے شخص کے لیے جو اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان نہیں رکھتا، اس کی ادائیگی ممکن نہیں۔
جہاد:

اسی طرح مسلمانوں کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے جہاد کریں جب بھی موقع آئے۔ اس کا مقصد وہ انتہائی کوشش ہے جو ایک فرد نیکی کی اشاعت اور برائی کو روکنے کے لیے کرتا ہے تاہم شرعی اعتبار سے اس کا دائرہ جنگ کرنے تک پھیلا ہوا ہے ایسی جنگ جو اللہ کی رضا کے لیے دشمنانِ دین کے خلاف کی جاتی ہے۔ یہ تمام مسلمانوں پر فرض نہیں اگر امت مسلمہ کا ایک حصہ اسے ادا کرتا رہے تو دوسروں کے لیے اس پر عمل کرنا ساقط ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی اس کام کے لیے آگے نہیں بڑھتا تو سب گناہ گار ہوتے ہیں۔

درج بالا تصریحات سے یہ بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلام کی رُو سے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی کی حیثیت محض مذہبی رسوم کی ہی نہیں بلکہ ان تمام عبادات کی روح، اللہ کے حضور جذبہ اطاعت و انقیاد ہے کہ ایک مسلمان اپنی زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کے دین اور رسول ﷺ کی بتائی ہوئی ہدایات پر عمل کرے گا۔ یہ اسلام کا وہ اصل تصور اور روح ہے جس میں عقیدے، عبادات اور معاشرت میں کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں پائی جاتی جیسے کہ عیسائیت میں ہے۔ اس طرح ان عبادات کی ادائیگی کے لیے کسی مذہبی پروہت، پجاری، مہاتما، پوپ یا مذہبی شخصیت کی بھی ضرورت نہیں۔ ہر نفس، جو دنیا کے کسی بھی علاقے میں رہتا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے براہ راست اظہارِ عبودیت کر سکتا ہے کیونکہ قرآن کے مطابق، اللہ تعالیٰ ہر ایک انسان کی

شرع سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ (ق: ۵۰: ۱۶) ایک اسلامی ریاست اس امر کی مکلف ہے کہ وہ اپنے تمام کو (قطع نظر مسلم، غیر مسلم) خوراک، رہائش، صحت اور تعلیم و روزگار کے ذرائع مہیا کرے تاہم ایک مسلمان کی صورت میں اس کی جائیداد (منقولہ یا غیر منقولہ) اس کے جائز وارثوں میں تقسیم کی جانی چاہیے جیسا کہ درج ذیل صفحات سے واضح ہوگا۔

اسلام کا نظام وراثت:

انسانی زندگی میں وراثت کا موضوع اس قدر اہم ہے کہ افراد کی زندگی اور معاشرے میں امن و چین کا انحصار اس کے مناسب حل میں مضمر ہے۔ دنیا میں ہر جگہ لڑائی جھگڑے، قتل و غارت اور بدالتوں میں مقدمات وراثت کی غلط تقسیم ہونے کی وجہ سے دائر ہوتے ہیں۔ مزید برآں، اللہ کریم جو سمیع و علیم ہیں، یہ جانتے ہیں کہ انسان وراثت کی تقسیم میں کبھی بھی انصاف سے کام نہیں لے سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس معاملے کو انسان کی مرضی اور رائے پر نہیں چھوڑا بلکہ از خود اس معاملے کو حل کیا ہے اور اس کے لیے ایسی تفصیلی ہدایات دی ہیں تاکہ کسی بھی ایسے فرد کی حق تلفی نہ ہو جو وراثت کا قانونی حقدار ہو۔ اسی اہمیت کے پیش نظر یہ ایک بہت اہم علمی موضوع کی حیثیت اختیار کر گیا ہے جسے علم انفرادی کہتے ہیں اور جس کے بارے میں حضور ﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ ”اے لوگو! علم انفرادی کو نہ صرف خود حاصل کرو بلکہ اس کی تعلیم دوسروں کو بھی دو۔ کیونکہ یہ ”علم“ کا نصف حصہ ہے!“ اس جگہ یہ بتانا باعث دلچسپی ہوگا کہ دور اول کے مسلم علماء و فقہاء نے اس مضمون پر ۵۷۷ سے زائد کتب تصنیف کیں لیکن چونکہ یہ تمام کتب عربی میں ہیں۔ اس لیے ان سے صرف عربی دان حضرات ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ سید شوکت علی (۱۹۹۹) نے بھی اس موضوع پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک کتاب اردو میں لکھی ہے۔

اسلام کے ظہور سے پہلے، عرب کے وحشی قبائل میں وراثت کی تقسیم صرف خاندان کے مرد رشتہ داروں تک ہی محدود تھی (عصبہ)۔ وراثت کی تقسیم کے اس قدیم طریقے میں صرف قریب ترین مردوں کا ہی حصہ ہوتا تھا جبکہ عورتوں اور بچوں کو اس سے کچھ بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ مردوں

میں سے بھی ترجیحی بنیادوں پر اس امر کا فیصلہ کیا جاتا تھا کہ زندہ رہ جانے والے مردوں میں سے کون اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ (A.Hussain, 1999)

عربوں کے ہاں یہ طریق کار شاید یہود و نصاریٰ کی پیروی کے نتیجے میں آیا جن کے ہاں بیویوں کو اپنے شوہر کے تر کے میں سے وراثت کے طور پر کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ بائبل میں اس کی تفصیل گنتی (Numbers: ۲۷: ۱-۱۱) میں دی گئی ہے۔ اس کی رو سے ایک بیوی کو اپنے شوہر کے تر کے میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا جبکہ خاوند اپنی بیوی کے تر کے کا سب سے پہلا حقدار ہے۔ متوفیہ کے بیٹوں سے بھی پہلے ایک بیٹی کو تر کے میں سے حصہ مل سکتا ہے صرف اس حالت میں کہ کوئی مرد وارث نہ ہو۔ ایک ماں کو تر کے میں حصہ نہیں مل سکتا جبکہ باپ کو مل سکتا ہے۔ مرنے والے کی بیوہ/ لڑکیوں کو، لڑکے/ لڑکوں کی موجودگی میں کوئی حصہ نہیں ملتا اور وہ زندگی کے دن گزارنے کے لیے اپنے مرد جائنشین (بیٹے/ بھائی) کی مرہون منت ہوتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی معاشرے میں بیوہ عورتیں اور یتیم بچے بچیاں بہت ہی عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتی تھیں۔ عیسائیت میں بھی یہی رواج ایک عرصہ تک جاری رہا۔ عیسائیوں میں مذہبی اور ملکی قوانین کے تحت لڑکیوں کو باپ کی جائیداد میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا تھا بمقابلہ لڑکوں کے۔ اس کے علاوہ بیویوں کو بھی اپنے خاوندوں کے تر کے میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ بد رہے کہ یہ ظالمانہ قوانین گزشتہ صدی کے اواخر تک موجود رہے۔

جیسا کہ بتایا گیا کہ عربوں میں بھی عورتوں کو تر کے سے کسی قسم کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ تر کے صرف مردوں ہی کو ملتا تھا۔ وہ خیال کرتے تھے کہ جو فرد دشمن سے لڑنے کی طاقت اور صلاحیت نہیں رکھتا، وہ تر کے سے کسی قسم کا حصہ لینے کا حقدار نہیں! اسلام نے زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح اس ضمن میں بھی بہت انقلابی اقدامات کیے۔ اسلامی شریعت نے نہ صرف تمام متعلقہ رشتے داروں کے لیے تر کے میں سے حصہ ملنے کا حق تسلیم کیا بلکہ عورتوں کے لیے بھی تر کے میں سے حصے کی صراحت کی گئی۔ اسلام کے نظام وراثت کی رو سے، ایک عورت کو باعہود لڑکے کی نسبت نصف حصہ دیا جاتا ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ خاندان کے تمام افراد اس طریق پر ایک دوسرے کے ساتھ جڑے رہیں تاکہ کسی برے وقت میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمہ روی

اور محبت سے پیش آتے رہیں۔ چونکہ اسلام زندگی گزارنے کا ایک ضابطہ ہے اس لیے وہ اپنے احکامات کسی قسم کے مفروضے یا خیالی دنیا کے لیے نہیں دیتا بلکہ اس کے تمام احکامات اور تعلیمات کا اس کے معاشی نظام کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے جو دو اصولوں کی بنیاد پر قائم ہے۔ پہلا یہ کہ دولت کو معاشرے کے افراد کے درمیان گردش کرتے رہنا چاہیے (ارتکاز دولت کی ممانعت) اور اس وجہ سے اس نے زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم دیا کہ امر اسے دولت لے کر غریبوں (بالخصوص رشتے داروں) میں تقسیم کر دی جائے۔ دوسرے پہلو کے لحاظ سے اسلام، مسلم معاشرے کو بحیثیت مجموعی اس امر کا پابند بناتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں بالخصوص ایک خاندان کے افراد کی۔ اسلام نے ایک خاندان کے افراد کے درمیان باہمی ہمدردی اور محبت (کفالت) کا تصور دیا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خونی رشتے کی بنیاد پر یا خاندانی لحاظ سے قریبی تعلق رکھتے ہیں، وہ ایک دوسرے کے ساتھ جذباتی لگاؤ اور گہرا تعلق بھی رکھتے ہیں۔ اسی جذباتی لگاؤ کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ باہمی تعلقات پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ایک دوسرے کی مدد (کفالت) کا جذبہ، اسلام کے خاندانی نظام کا ایک بنیادی اصول ہے جس کی پابندی تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔ ذیل کے صفحات میں اسلامی نظام وراثت کی جو تفصیلات درج کی گئی ہیں ان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا نظام وراثت انصاف کے اصولوں پر مبنی ہے جو انسان کی نفسیات اور فطرت کے عین مطابق ہے اور مزید یہ کہ اس نظام میں یہ خصوصیت بھی موجود ہے کہ یہ انسانی معاشروں میں مختلف زمانوں علاقوں میں یکساں طور پر نافذ ہو سکتا ہے۔ (محمد قطب ۱۹۹۰)

اسلام کا نظام وراثت، ان معاشی فرائض اور ذمہ داریوں کا بھی تعین کرتا ہے جو ایک خاندان کے افراد پر عائد ہوتے ہیں۔ اس فرض اور ذمہ داری کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ اس میں کسی متوفی کے والدین، دادا/ دادی، نانا/ نانی بھی شامل ہیں جو اس کی وراثت سے حصہ پاتے ہیں۔ اسلام نے اول قدم پر ہی اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ متوفی کے کون سے رشتے دار وراثت کے حق دار ہیں اور دوسرے درجے میں اس حقدار کے حصے کا تعین کیا ہے جو کسی فرد کو متوفی کے ترکے سے مل سکتا ہے۔ وراثہ کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے درجے میں وہ

لوگ ہیں جن کا حصہ قرآن کی رو سے متعین کر دیا گیا ہے۔ انھیں ”ذوالفرائض“ کہا گیا ہے۔ دوسرے نمبر پر وہ لوگ ہیں جو ترکے میں سے بچنے والے حصے کے حق دار ہوتے ہیں (جنہیں عصب کہتے ہیں) اور تیسرے درجے میں وہ لوگ ہیں جو دور کے رشتے دار ہوتے ہیں اور جنہیں ذوی الارحام کہتے ہیں۔ یہ رشتے دار متوفی کی بیوی کے خاندان سے ہوتے ہیں اور درج بالا دونوں گروہوں میں سے نہیں ہوتے۔ ایسی صورت میں کہ مرنے والے نے ان تین گروہوں میں کوئی بھی لاوارث نہ چھوڑا ہو تو تمام جائیداد/ ورثے کی مالک اسلامی حکومت ہوتی ہے۔

قرآن کی وہ تین آیات جو وراثت کے مختلف حصوں کی تفصیلات بیان کرتی ہیں، سورہ النساء کی آیت نمبر ۱۱ تا ۱۲ اور آیت نمبر ۷۶ ہیں۔ ان آیات اور حضور ﷺ کی احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلم فقہانے ورثے کی تقسیم کے ضمن میں بہت تفصیل کے ساتھ احکام و قوانین وضع کیے ہیں جو کئی جلدوں کی حامل فقہی کتب میں درج ہیں۔

قرآن کریم میں اصولی طور پر سورہ النساء (۴: ۷) میں وراثت کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾

”مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو،

اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا

ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت ہو، اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔“

اس آیت سے پانچ اہم فقہی قوانین/ ضابطے اخذ ہوتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔ (سید

مودودی)

۱۱ یہ کہ نہ صرف مردوں بلکہ عورتوں کا بھی وراثت میں حصہ ہے۔ یہاں اس امر کا اظہار شاید

ضروری ہو کہ عورتوں کے حصے کا واضح الفاظ میں تعین کر کے اسلام نے نہ صرف عورت کا

درجہ بلند کیا ہے (جسے کوئی ورثہ نہیں ملتا تھا) بلکہ ۱۴۰۰ سال قبل اس نے عورتوں کے معاشی،

سماجی حقوق کا بھی تحفظ کیا۔

۱۲ وراثت کے بارے میں دوسرا اہم اصول یہ ہے کہ ترکے کی تقسیم تمام متعلقہ افراد کے

درمیان کی جائے چاہے وہ کس قدر معمولی یا تھوڑا ہی کیوں نہ ہو حتیٰ کہ اگر متوفی نے ایک میٹر کپڑا بھی تر کے میں چھوڑا ہو اور اس کے دس افراد تر کے میں حق دار ہوں تو اس کپڑے کو دس حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ تاہم یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ دوسرے حق دار باہمی رضا مندی سے کسی ایک کو اپنا حق فروخت کر دیں۔

تر کے کی تقسیم کے اصول کا اطلاق ہر قسم کی جائیداد پر ہوتا ہے یعنی منقولہ اور غیر منقولہ، زرعی، سکنی، صنعتی یا کسی بھی دوسری قسم پر۔

وراثت کا قانون صرف اس حالت میں لاگو ہوتا ہے جبکہ مرنے والے نے کوئی تر کہ پیچھے چھوڑا ہو۔ متوفی ہر چیز کا اس وقت تک مالک ہوتا ہے جب تک کہ اس کے ذمہ حقوق و فرائض ادا نہ ہوں۔ اسی لیے قرض خواہ صرف اس جائیداد تر کے سے تعرض کر سکتے ہیں جو متوفی نے چھوڑا ہو۔ یوں وہ کسی صورت میں بھی وارثان/ لواحقین سے انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی مطالبہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح متوفی کی تجہیز و تفتین، قرضہ جات اور وصیت کو تر کے میں سے پہلے مکمل طور پر ادا کرنا ہوتا ہے اس سے پہلے کہ تر کے کو کسی وارث یا وارثان میں تقسیم کیا جائے۔ (M.Hashim Kamal, 1986)

ترہی رشتے داروں کی موجودگی میں دُور پار کے رشتے دار تر کے میں حصہ دار نہیں بن سکتے۔ درج بالا احکام کے علاوہ، چند دیگر احکامات جو وراثت کے بارے میں قرآن میں آئے ہیں، وہ ذیل کی سطور میں درج کیے جا رہے ہیں۔ مزید تفصیلات کے لیے کسی اہل علم سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ان احکامات کو بہ آسانی سمجھنے کے لیے ہم نے انھیں تقسیم کر دیا ہے اور ہر قسم کے تفسیلی احکامات بھی دے دیے ہیں جو فقہانے ان سے اخذ کیے ہیں، نیز ان کے مضمرات کے بارے میں بھی کچھ معلومات ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں۔

(الف) والدین کے تر کے میں بچوں کا حصہ:

سورہ النساء (۱۱:۴) میں اللہ کریم نے فرمایا:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِهِ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ﴿

”تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو

عورتوں کے برابر ہے۔“

درج بالا آیت کی رو سے لڑکے کا دو گنا حصہ، لڑکی کی نسبت اس لیے رکھا گیا ہے کہ مردوں پر زیادہ ذمہ داریوں کا بوجھ ہوتا ہے جبکہ لڑکی/عورت پر اس قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔

اسی سورت کی اسی آیت میں مزید فرمایا:

﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾

”اگر (میت کی وارث) دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انھیں تر کے کا دو تہائی دیا جائے

اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو آدھا تر کہ اس کا ہے۔“

سید مودودی مزید رقمطراز ہیں کہ: ”یہی حکم دو لڑکیوں کا بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی

شخص نے کوئی لڑکا نہ چھوڑا ہو اور اس کی اولاد میں صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں تو خواہ دو دو

لڑکیاں ہوں یا دو سے زائد، بہر حال اس کے کل تر کے کا ۲/۳ حصہ ان لڑکیوں میں تقسیم ہوگا اور

باقی ۱/۳ دوسرے وارثوں میں۔ لیکن اگر میت کا صرف ایک لڑکا ہو تو اس پر اجماع ہے کہ

دوسرے وارثوں کی غیر موجودگی میں وہ کل مال کا وارث ہوگا اور اگر دوسرے وارث موجود ہوں تو

ان کا حصہ دینے کے بعد باقی سب مال اسے ملے گا۔“

اس ضمن میں عورت سے مقصود لڑکی/لڑکیاں ہیں۔ قرآن کریم لڑکیوں کو تر کے میں سے

ایک متعین حصہ دیتا ہے۔ فقہی زبان میں لڑکی کو ایک ایسے وارث/حصہ دار کا درجہ حاصل ہے جسے

”صاحب الفرائض“ کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم اس قسم کے ۹ رشتے داروں کو شمار کرتا ہے جن کا

حصہ فرائض کے ضمن میں آتا ہے جس میں ماں، باپ، خاوند، بیوہ، لڑکی، رحم کے بھائی، سگی بہن،

رحم کی بہن اور رشتے کی بہن شامل ہیں۔ مسلمان فقہانے قیاس کے طریقے سے اس میں مزید

تین رشتوں کا اضافہ کیا ہے جن میں دادا، نانی اور کوئی فرد عورت جس کا رشتہ دادا کی جانب سے

ہو (Agnate) پس اسلامی شریعت کی رو سے بارہ ایسے رشتے ہیں جن کے حصے تر کے میں بنتے

ہیں۔ (A.Hussain, 1999)

(ب) اولاد کے ترکے میں سے والدین کا حصہ:

سورہ النساء (۱۱:۴) میں مزید فرمایا کہ:

﴿وَلَا يَوْنِيهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبُوهُ فَلِلَّامَةِ الثَّلَاثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِلْإِخْوَةِ الشُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ ذَيْنَ﴾

”اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے اور اگر وہ صاحب اولاد نہ ہوں اور والدین میں اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصے کی حق دار ہوگی (یہ سب حصے اس وقت نکالے جائیں گے) جبکہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو اس پر ہو ادا کر دیا جائے۔“

ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے سید مودودی رقمطراز ہیں کہ ”میت کے صاحب اولاد ہونے کی صورت میں بہر حال میت کے والدین میں سے ہر ایک ۱/۴ کا حق دار ہوگا خواہ میت کی وارث صرف بیٹیاں ہوں، یا صرف بیٹے ہوں، یا بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہوں، یا ایک بیٹا ہو یا ایک بیٹی۔ رہے باقی ۲/۳ تو ان میں دوسرے وارث شریک ہوں گے۔“

وہ مزید رقمطراز ہیں کہ ”ماں باپ کے سوا کوئی وارث نہ ہو تو باقی ۲/۳ باپ کو ملے گا ورنہ ۲/۳ میں باپ اور دوسرے وارث شریک ہوں گے۔“ مزید ”متوفی کے بھائی بہن ہونے کی صورت میں ماں کا حصہ ۱/۳ کی بجائے ۱/۶ کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ماں کے حصہ میں سے جو ۱/۶ الیا گیا ہے وہ باپ کے حصے میں ڈالا جائے گا کیونکہ اس صورت میں باپ کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ یہ واضح رہے کہ میت کے والدین اگر زندہ ہوں تو اس کے بہن بھائیوں کو حصہ نہیں پہنچتا۔“

ان آیات میں دیکھا جاسکتا ہے کہ ان میں بار بار وصیت کے پورا کرنے اور قرض کی ادائیگی کا ذکر ہے اگر کسی پر قرض ہو۔ اس ضمن میں سید مودودی رقمطراز ہیں کہ ”وصیت کا ذکر

قرض پر مقدم اس لیے کیا گیا ہے کہ قرض کا ہونا ہر مرنے والے کے حق میں ضروری نہیں ہے اور وصیت کرنا اس کے لیے ضروری ہے لیکن قانون کے اعتبار سے امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے یعنی اگر میت کے ذمہ قرض ہو تو سب سے پہلے میت کے ترکہ میں سے وہ ادا کیا جائے گا، پھر وصیت پوری کی جائے گی اور اس کے بعد وراثت تقسیم ہوگی۔“ وصیت کے مطابق آدمی کو اپنے کل مال کے $\frac{1}{3}$ حصہ کی حد تک وصیت کرنے کا اختیار ہے جیسا کہ سورہ البقرہ (۱۷۹:۲) میں واضح کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں سید مودودی رقمطراز ہیں کہ ”وصیت کا یہ قاعدہ اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ قانون وراثت کی رو سے جن عزیزوں کو میراث میں حصہ نہیں پہنچتا ان میں سے جس کو یا جس جس کو آدمی مدد کا مستحق پاتا ہو اس کے لیے اپنے اختیار تمیزی سے حصہ مقرر کر دے مثلاً کوئی یتیم پوتا یا پوتی موجود ہے، یا کسی بیٹے کی بیوہ مصیبت کے دن کاٹ رہی ہے، یا کوئی بھائی یا بہن یا بھادج یا بھتیجا، یا بھانجا اور کوئی عزیز ایسا ہے جو سہارے کا محتاج نظر آتا ہے، تو اس کے حق میں وصیت کے ذریعے سے حصہ مقرر کیا جاسکتا ہے اور اگر رشتہ داروں میں کوئی ایسا نہیں تو دوسرے مستحقین کے لیے یا رفاہ عامہ کے کام میں صرف کرنے کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص اپنی وصیت میں ظلم کرے یا اپنے اختیار تمیزی کو غلط طور پر استعمال کرے جس سے کسی کے جائز حقوق متاثر ہوتے ہوں تو اس کے لیے چارہ کار رکھ دیا گیا ہے کہ خاندان کے لوگ باہمی رضا مندی سے اس کی اصلاح کر لیں یا قاضی سے شرعی مداخلت کی درخواست کی جائے اور وہ وصیت کو درست کر دے۔“

(ج) میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ترکے میں حصہ:

سورہ النساء کی آیت ۱۲ میں فرمایا:

﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يَوْصِيْنَ بِهِآ أَوْ دَيْنٍ وَ لَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمْنُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ تَوْصُونَ بِهِآ أَوْ دَيْنٍ﴾

”اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ

بے اولاد ہوں، ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ کا ایک چوتھائی حصہ تمہارا ہے جبکہ وصیت جو انھوں نے کی ہو، پوری کردی جائے اور قرض جو انھوں نے چھوڑا ہو ۱۰۱ کر دیا جائے اور وہ تمہارے ترکے میں سے چوتھائی کی حق دار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں اس کا آٹھواں حصہ ہوگا، بعد اس کے کہ وصیت جو تم نے کی ہو وہ پوری کردی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ہو وہ ادا کر دیا جائے۔“

(۱) اس سورت کی آیت ۲ کو جاری رکھتے ہوئے قرآن مزید ہدایت کرتا ہے کہ:

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَلَةً أَوْ امْرَأَةً وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتُ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثَّلَاثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَلِيمٌ ﴿۲﴾

”اور اگر وہ مرد یا عورت (جس کی میراث تقسیم طلب ہے) بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں، مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے جبکہ وصیت جو کی گئی ہو پوری کردی جائے اور قرض جو میت نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے بشرطیکہ وہ ضرر رساں نہ ہو۔ یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ دانا و بینا اور ترم خواہ ہے۔“

ان قرآنی احکامات کی تشریح کرتے ہوئے سید مودودی رقمطراز ہیں کہ ”باقی ۶/۱ یا ۵/۳ جو بچتے ہیں ان میں اگر کوئی وارث موجود ہو تو اس کو حصہ ملے گا ورنہ باقی ماندہ ملکیت کے متعلق اس شخص کو وصیت کرنے کا حق ہوگا۔“ ”اس آیت کے متعلق مفسرین کا اجماع ہے کہ اس میں بھائی اور بہنوں سے مراد/ اخینی بھائی اور بہن ہیں یعنی جو میت کے ساتھ صرف ماں کی طرف سے رشتہ رکھتے ہوں اور باپ ان کا دوسرا ہو (سو تیلے بھائی بہن)، رہے سگے بھائی بہن اور وہ سو تیلے بھائی بہن جو باپ کی طرف سے میت کے ساتھ رشتہ رکھتے ہوں تو ان کا حکم اسی سورہ کے

آخر میں ارشاد ہوا ہے۔ ”وہ مزید رقمطراز ہیں کہ ”وصیت میں ضرر رسانی یہ ہے کہ ایسے طور پر وصیت کی جائے جس سے مستحق رشتے داروں کے حقوق تلف ہوتے ہوں اور قرض میں ضرر رسانی یہ ہے کہ محض حقداروں کو محروم کرنے کے لیے آدمی خواہ مخواہ اپنے اوپر ایسے قرض کا اقرار کر لے جو اس نے فی الواقع نہ لیا ہو یا اور کوئی ایسی چال چلے جس سے مقصود یہ ہو کہ حقدار اپنی میراث سے محروم ہو جائیں۔ احادیث کی رو سے اس قسم کے ضرر کو گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے۔“

ان آیات کے علاوہ سورہ النساء (۱۷۶:۴) میں بھی قرآن ہدایت دیتا ہے:

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنَّ امْرُؤًا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِيْهَا إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُسُ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾

”لوگ تم سے کلامہ کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ کہو اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص بے اولاد مر جائے اور اس کی بہن ہو تو وہ اس کے ترکے میں سے نصف پائے گی اور اگر بہن بے اولاد مرے تو بھائی اس کا وارث ہوگا۔ اگر میت کی دو بہنیں ہوں تو وہ ترکے میں سے دو تہائی کی حقدار ہوں گی اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں تو عورتوں کا اکبر اور مردوں کا دہرا حصہ ہوگا۔“

ان آیات کی تشریح میں سید مودودی رقمطراز ہیں کہ ”کلامہ کے معنی میں اختلاف ہے۔ اکثر فقہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو تسلیم کیا ہے کہ اس کا اطلاق اس شخص پر ہے جو لاولد بھی ہو اور جس کے باپ اور دادا بھی زندہ نہ ہوں۔“

اس آیت کے نکلنے کے ”اگر کوئی شخص بے اولاد مر جائے اور اس کی ایک بہن ہو“ کے بارے میں سید مودودی لکھتے ہیں کہ ”یہاں ان بھائی بہنوں کا ذکر ہو رہا ہے جو میت کے ساتھ ماں اور باپ دونوں میں، یا صرف باپ میں مشترک ہوں“ اس طرح اس آیت کے اس حصے کہ ”اگر بہن بے اولاد مرے تو بھائی اس کا وارث ہوگا“ کے بارے میں وہ یوں رقمطراز ہیں کہ ”بھائی اس کے پورے مال کا وارث ہوگا اگر کوئی اور صاحب فریضہ نہ ہو مثلاً شوہر، تو اس کا حصہ

ادا کرنے کے بعد باقی تمام ترکہ بھائی کو ملے گا۔“

سورہ النساء کی درج بالا آیات کے علاوہ جو وراثت کی تقسیم اور ان کے مختلف حصوں کے بارے میں ہیں، سورہ الانفال کی آیت نمبر ۷۵ کے ذریعے مزید ایک غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے جو مواخاۃ کے تحت حضور ﷺ نے مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا بھائی بنا کر کیا تھا جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے۔ مواخاۃ کے اس اصول سے یہ غلط فہمی ہو رہی تھی کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے جبکہ قرآن کریم نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ وراثت کا اطلاق صرف خونی رشتوں پر ہی ہوگا اور مواخاۃ کی وجہ سے جو تعلق اہل ایمان میں قائم ہوا ہے اس پر اس آیت کا اطلاق نہیں ہوگا۔

یہاں مزید یہ اضافہ کرنا بھی ضروری ہے کہ بعض ورثا کو ترکے سے محروم کیا جاسکتا ہے اگر وہ چند صفات سے بہرہ مند نہ ہوں۔ ان میں دو عملی صورتیں جن کی وجہ سے کسی وارث کو ترکے سے محروم کیا جاسکتا ہے، مذہب کی تبدیلی (اسلام سے کفر کرنا) اور قتل کرنا ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے“ (بخاری)۔ اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”ایسا شخص جو کسی کو قتل کر دیتا ہے، اسے بھی ترکے میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔“ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

اس امر پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ قتل ارادی اور ظلم کی بنا پر قتل کی وجہ سے ہی شریعت نے کسی وارث کو محروم کیا ہے کیونکہ اس کو اس قسم کی صورت میں بھی کسی وارث کو ترکے میں سے حصہ لینے دیا جاتا تو اس وجہ سے قتل عمد کی شرح میں بہت زیادہ اضافہ ہو سکتا تھا۔

مزید برآں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اسلامی شریعت کی رو سے صرف وہی رشتے دار جن کا جائز رشتہ، متوفی کے ساتھ ہو، اس کے ترکے سے حصہ لینے کے حقدار ہیں۔ پس غیر قانونی بچے (حرامی/ ولد الزنا) اور متبنی بچوں کو ترکے میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جاسکتا۔ مغرب میں پایا جانے والا متبنی یا گود میں لینے کا طریقہ اسلام میں حرام ہے۔

وصیت :

تمام فقہاء اس امر پر بھی متفق ہیں کہ ایک بالغ اور ہوش مند شخص اپنے ترکے میں سے

وصیت کر سکتا ہے جبکہ کوئی بچہ یا ذہنی طور پر غیر متوازن شخص کوئی وصیت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کوئی شخص جسے جبر کے ذریعے وصیت کرنے پر مجبور کیا گیا ہو یا ایسا شخص جو نشے کی حالت میں کوئی وصیت کرے تو وہ بھی قابل قبول نہ ہوگی۔ وصیت زبانی بھی کی جاسکتی ہے اور تحریری بھی۔ تاہم کوئی لفظ یا اشارہ کنایہ بھی وصیت کرنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس سے وصیت کرنے والے کی مرضی اور ارادے کا علم ہو رہا ہو۔ ایسی وصیت غیر قانونی ہے جو کسی غیر اسلامی/ غیر اخلاقی مقصد کے لیے کی گئی ہو (جیسے طوائفوں کا اڈا بنانا)۔ مزید برآں کوئی مسلمان قرضہ جات کی ادائیگی کے بعد، اپنے کل ترکے کی ایک تہائی سے زائد وصیت کرنے کا مجاز نہیں۔

(M. Hashim Kamali, 1986)



اسلام میں عورت کا مقام اور خاندانی نظام

اسلام میں سوشل سسٹم کی بنیاد اس عقیدے پر رکھی گئی ہے کہ تمام انسان برابر ہیں اور ایک برادری (بھائی چارے) کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں جبکہ دوسرے ادیان اور تہذیبوں میں معاشرے کی بنیاد رنگ، نسل، خون اور جغرافیائی علاقوں پر رکھی گئی ہے۔ گویا کہ اسلامی کی بنیاد عقیدے اور نظریے پر رکھی گئی ہے۔ ہر وہ شخص جو اسلامی نظریے اور تعلیمات پر یقین رکھتا ہے وہ اسلامی برادری/معاشرے/امت مسلمہ کا ایک جزو لاینفک بن جاتا ہے۔ اسلام کے بھائی چارے کے نظام میں بلال رضی اللہ عنہ (جو ایک حبشی آزاد کردہ غلام تھے) کو ”سیدنا بلال رضی اللہ عنہ“ کے لقب سے پکارا جاتا ہے اور یہ کہنے والا شخص کوئی عام آدمی نہیں تھا بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے، جو خلیفہ دوم تھے، وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس نام سے یاد کرتے تھے۔ اس کے برعکس پیغمبر ﷺ کے چچا ابولہب اور ابو جہل کی مذمت کی جاتی ہے کیونکہ وہ مشرک اور کافر تھے۔ تاریخ میں اسی امر کی کوئی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی جس کے تحت نسل انسانی کو ایک امت کی شکل میں پروان چڑھایا جاتا ہے جس کی بنیاد صرف اور صرف نظریے پر ہو۔ اسلام کا یہ بھائی چارے کا نظام تصور تو حید یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی حاکمیت اعلیٰ کے تصور پر استوار ہے۔ قبل ازیں کہ ہم اسلام کے خاندانی نظام کا تفصیل سے مطالعہ کریں، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چند بنیادی حقائق کا مطالعہ کریں جن کی وجہ سے ہمیں اسلام کے خاندانی نظام اور اس میں عورت کے مقام کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

اسلام میں خاندانی نظام کے عوامل:

۴۴ اللہ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو پیدا کیا جنہیں دنیا میں خلافت دے کر بھیجنا مقصود تھا۔ اس لحاظ سے مرد اور عورت کی حیثیت اس کائنات میں ایک خلیفہ کی

ہے جس کے معنی نائب کے ہیں۔ اس لحاظ سے ایک انسان اس امر کا مکلف ہے کہ وہ الہامی ہدایات اور اللہ کی حاکمیت کے تصور کے مطابق اس دنیا میں عمل کرے۔

اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے آدم و حواء علیہ السلام کو جنت میں رکھ کر ایک درخت کے قریب جانے سے روک کر ان کی آزمائش کی گئی۔ اسلام، عیسائیت کے برعکس یہ سمجھتا ہے کہ حواء علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کو گناہ اور نافرمانی پر مجبور نہیں کیا۔ قرآن کے مطابق ”شیطان نے دونوں کو بہکا یا (سورہ البقرہ ۲: ۲۰۶) ﴿فَآزَلَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ﴾۔“ آخر کار شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کی ترغیب دے کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا اور اپنی اس حالت سے نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ تھے۔“

قرآن کے مطابق دونوں (آدم و حواء علیہ السلام) نے حکم خداوندی کے خلاف کیا تاہم اپنی غلطی سے آگاہ ہونے کے بعد دونوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو معاف کر دیا اور انھیں اس زمین پر اس حالت میں بھیجا کہ ان کے دامن پر کسی گناہ کا کوئی شائبہ یا داغ نہیں تھا۔ آدم و حواء علیہ السلام کی آزمائش سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان میں بھلائی اور خیر کا مادہ فطری طور پر موجود ہے وہاں ساتھ ہی ساتھ اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس سے غلطی کا صدور بھی ممکن ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنی زندگی میں الہامی ہدایت کا طالب اور ضرورت مند ہے (سید مودودی)۔ مزید برآں اسلام حضرت آدم علیہ السلام کے تنزل یا زمین پر بطور سزا بھیجے جانے کے تصور کا بھی حامی نہیں ہے کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے ان کو بطور سزا زمین پر نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ انسان کی تخلیق ہی اس مقصد سے کی گئی تھی کہ وہ زمین میں اللہ کی نیابت کا فریضہ سرانجام دے گا اور اسی مقصد کے لیے اسے دنیا میں بھیجا بھی گیا تھا۔

آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان تھے جنہیں اللہ کی راہ نمائی حاصل ہوئی اور انھیں بطور پیغمبر اس ہدایت کو اپنی اولاد تک پہنچانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ قرآنی نقطہ نظر سے آدم و حواء علیہ السلام کے واقعے میں بہت سے مضمرات پوشیدہ ہیں جن کا تعلق خاندانی نظام اور اسلام میں عورت کے مقام سے ہے۔ (سید مودودی؛ خورشید احمد)

دنیا میں خلافت اور نیابت کا کردار تمام انسانوں کو یکساں طور پر سونپا گیا ہے اور اس میں

عورت اور مرد دونوں برابر کے شریک ہیں۔ اسی بنیاد کے بطون میں کسی بھی مرد و عورت کی اس دنیا میں بطور خلیفہ برابری کا تصور پوشیدہ ہے قطع نظر اس کے کہ صنفی اختلاف کے پیش نظر معاشرے میں ان کے کردار کی نوعیت مختلف ہو۔

« انسان کو اس دنیا میں ارادہ و عمل کا اختیار دیا گیا ہے۔ وہ سچائی اور حقیقت کا اقرار یا انکار کرنے پر قادر ہے تاہم انسان کی عظمت اس میں مضمر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر بلا کسی جبر و اکراہ اپنی مرضی سے عمل پیرا ہو۔

« انسان کو اس دنیا میں مکمل طور پر غلطی کے صدور سے مبرا کر کے پیدا نہیں کیا گیا۔ اس سے غلطیوں کا امکان ممکن ہے تاہم اس کی نجات کا تعلق اس امر سے ہے کہ وہ کس قدر جلد غلطی کا احساس کرتا ہے اور صحیح راستے پر پہنچنے کے لیے توبہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ قرآن کریم نے یہ بات بہت وضاحت سے بیان کر دی ہے کہ عورت اور مرد کو وہ کچھ ہی ملے گا جس کے لیے وہ کوشاں رہے تھے اور دونوں کی کامیابی کا معیار یکساں ہے۔ اس کائنات میں انسان کو زندگی ایک آزمائش کی شکل میں دی گئی ہے اور اس کی زندگی کا یہ عرصہ بہت محدود ہے۔ اس کے بعد ہمیشہ رہنے والی اخروی زندگی (بعد از قیامت) ہوگی جہاں مرد اور عورت دنیا میں اپنے کیے گئے اعمال اور افعال کے مطابق سزا یا جزا پائیں گے۔

« روز قیامت کوئی خاوند یا بیوی ایک دوسرے کے اعمال کے ذمہ دار نہ ہوں گے نہ ہی ایک دوسرے کا بار گناہ اٹھا سکیں گے اور نہ ہی کسی مسلمان کو اس کی جنس/صنف (Gender) کی بنیاد پر نا انصافی کا خطرہ ہوگا، اللہ کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں۔ سورہ عہس کی آیت نمبر ۳۴ میں قرآن واضح کرتا ہے:

﴿يَوْمَ يَفْعَلُ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۖ وَأُخُوهُ وَأَبِيهِ ۖ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۖ﴾

”اس روز آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔“

شریعت کی نظر میں کسی انسان کی جنس/صنف (عورت یا مرد ہونا) کی کوئی حیثیت نہیں الا یہ کہ قرآنی آیت سے کسی جگہ اس امر کی صراحت کی گئی ہو یا کسی قرآنی حکم سے اسے اخذ کیا جاسکتا

ہو۔ پس ایک فرد کی حیثیت سے مذہبی عبادات کی، بجا آوری میں ایک مرد یا عورت پر ایک ہی قسم کا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ عورت پر بھی نماز، روزہ، حج اسی طرح فرض ہیں جس طرح مرد پر اور عورتوں کے لیے نیکیوں میں سبقت لے جانے کے مساوی مواقع موجود ہیں۔

اسلام میں عورت کے مقام اور اسلام کے خاندانی نظام کا تفصیلی جائزہ لینے سے پہلے مناسب محسوس ہوتا ہے کہ ہم تاریخ کے اوراق میں جھانک کر دیکھیں کہ مختلف ادوار اور مختلف تہذیبوں میں عورت کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا گیا۔

انسانی تاریخ میں عورت کا مقام — ایک مختصر تاریخی جائزہ:

تمام دنیا میں عورت کی حیثیت کا کوئی وجود یا تصور نہیں پایا جاتا تھا۔ اکثر یہ سوال کیا جاتا تھا کہ آیا عورت ذی روح بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ ذی روح ہے تو کیا وہ ایک انسان ہے یا حیوان؟ اور اگر وہ ایک انسان ہے تو ایک مرد کے مقابلے میں اس کی حیثیت کیا ہے؟ مزید برآں اس شبہ کا اظہار بھی کیا جاتا تھا کہ کیا عورت کو مرد کی غلام کی حیثیت سے پیدا کیا گیا ہے؟ اسی طرح کے بے شمار سوالات اور خیالات تھے جو صدیوں اہل علم اور فلاسفوں کے غور و فکر کا مرکز رہے اور ان کے جو جوابات دیئے گئے ان سے عورت کے بارے میں ایسی مضحکہ خیز صورت حال کا پتہ چلتا ہے کہ آج کا انسان اس پر ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ آج کا انسان اس بارے میں بہت دکھ اور درد محسوس کرتا ہے جب وہ عورت کے بارے میں اس سلوک اور المناک حادثات کو دیکھتا ہے جو عورت کو ایک انسان نہ سمجھتے ہوئے اس پر روا رکھے گئے!

یونانی اور رومن بادشاہت کے دوران اگرچہ ایک عورت کو معاشرے میں مرکزی حیثیت حاصل تھی لیکن اس حیثیت سے بہت کم عورتیں استفادہ کرتی تھیں اور یہ وہ عورتیں تھیں جنہوں نے اپنے آپ کو مردوں کی آزاد شہوت رانی اور جنسی ہوس کی تسکین کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ عورتوں کی ایک عظیم اکثریت بطور انسان کسی نوع کی عزت اور احترام سے محروم تھی سوائے اس لذت کے جو مردوں کو عورتوں سے حاصل ہوتی تھی۔ چین میں عورت کو مرد کے مقابلے میں ہمیشہ کم تر سمجھا گیا۔ ایک مرد جب چاہتا تھا اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا تھا اور اسے بطور لونڈی فروخت کر سکتا تھا۔ ۱۹۳۷ء تک چین میں ۲۰ لاکھ لونڈیاں پائی جاتی تھیں۔

ہندومت میں ایک باپ اپنی بیٹی کو بیچ سکتا تھا اور نو جوان، خوبصورت لڑکیوں کو مندروں میں خدا کی عبادت کے لیے مخصوص کرنے کا رواج ہندو راجاؤں اور بڑے بڑے سرداروں میں رائج تھا۔ جس کی وجہ سے مندروں کے برہمنوں کو ان کے ساتھ جنسی طور پر ملوث ہونے کے مواقع ملتے تھے۔ خاوند کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کو سستی کی رسم کے ذریعے خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا تھا اور یہ رسم قریباً آج سے ایک سو سال قبل تک رائج تھی۔

(Rahhan, O.P 1997)

یہودی عورت کو ایک (Chattel) سمجھتے تھے۔ عبرانی قانون کے تحت جو لفظ بیوی کے لیے استعمال ہوتا تھا وہ Beululo ہے جس کے معنی ”مملوکہ“ ”ایک زر خرید“ کے ہیں اور ان کی مقدس کتاب بیویوں کو یہ حکم دیتی تھی کہ ”وہ اپنے خاوند کے نعم کی تعمیل کرے گی اور خاوند اس پر حکمران ہوگا!“ اس نقطہ نظر سے ایک خاوند اپنی بیوی پر مالکانہ حقوق رکھتا تھا اور اس کی آمدنی اور جائیداد خاوند کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ عورتیں، مردوں کے رحم و کرم پر ہوتی تھیں جنہیں وہ اپنی خوشی اور خواہش نفس سے کسی وقت بھی طلاق دے سکتا تھا اور اس کے لیے اس کو صرف طلاق نامے کی ایک تحریر لکھنی ہوتی تھی جس کے بعد اسے گھر سے باہر نکال دیا جاتا تھا۔

عیسائیت میں عورتوں پر ”ازلی گناہ“ کا الزام تھا کہ عورت نے خود گناہ میں ملوث ہونے کے بعد آدم علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مجبور کیا اور یوں انسان کے لیے اس دنیا میں آنے کی سزا کی ذمہ دار بنی۔ اسی اصول کے تحت عیسائیت میں عورت کے مقام کا تعین کیا گیا اور بہت سے پادریوں / راہبوں نے عورتوں کو ”گمراہ“ ”شیطان کی آماجگاہ“، ”خدائی احکامات کو سب سے پہلے توڑنے والی“ ”ناپاک“ ”ایک ناگزیر برائی“، ”شیطان کی آلہ کار“ اور ”جہنم کی کھائی“ کے مختلف ناموں سے یاد کیا ہے۔ اس امر کا انکار کیا گیا کہ عورت ایک ذی روح مخلوق ہے۔ درحقیقت عیسائیت میں عورت کے ساتھ اس بری حد تک سلوک کیا گیا تھا کہ اس کو روح اور جسم دونوں سے عاری قرار دیا گیا۔ اس کی کوئی آزادانہ حیثیت اور وجود نہ تھا۔ عورت کی ذاتی حیثیت خاوند کی ذات کے ساتھ ضم تھی، وہ جائیداد نہیں رکھ سکتی تھی اور نہ ہی اسے جائیداد کی خرید و فروخت کا حق حاصل تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے نامساعد حالات میں کسی رد عمل کا ابھرنا ایک

فطری عمل تھا۔

یورپ میں صنعتی انقلاب کی وجہ سے عورت کو بے شمار مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا جو انسانیت کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ صنعتی انقلاب کی وجہ سے یورپ میں عورت کی زندگی مکمل طور پر تبدیل ہو کر رہ گئی۔ خاندانی نظام تباہ و برباد ہو گیا جب عورت کو گھر سے نکل کر باہر فیکٹریوں میں کام کرنے پر مجبور کیا گیا۔ کیونکہ بڑی بڑی صنعتیں شہری علاقوں میں لگائی گئی تھیں، اس وجہ سے دیہاتوں سے شہروں کی طرف ہجرت (Migration) کا رجحان پیدا ہوا جہاں کی زندگی دیہی زندگی کے بالکل برعکس تھی۔ شہروں میں ہر شخص اپنی ذات کے گنبد میں محصور تھا جہاں ہمسائے تک ایک دوسرے کو نہ جانتے تھے اور نہ ہی وہ دوسرے کی مدد کرنے اور نگہداشت کرنے میں کوئی دلچسپی رکھتے تھے بلکہ وہ لوگ تو بس اپنی ذات میں ہی گمن رہتے تھے۔ دیہی زندگی کے اخلاقی تصورات مکمل طور پر شہروں میں آ کر تبدیل ہو گئے اور عورتوں اور مردوں و ایک دفعہ آزادی مل گئی کہ وہ اپنی جنسی تسکین کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ بغیر کسی اخلاقی بندش کے آزادانہ اختلاط کر سکیں جس پر عمل کرنا دیہی زندگی میں ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ اس کی وجہ سے شادی کا ادارہ بری طرح سے متاثر ہوا کیونکہ کوئی شخص بھی ایک خاندان کے معاشی بوجھ و برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا جبکہ ان کی جنسی جبلت کی بہ آسانی تسکین ہو رہی تھی۔ عورتوں و بحیثیت مجموعی بہت زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ انھیں پہلے کی نسبت بہت زیادہ محنت کرنی پڑتی تھی اس طرح ان کی عزت و احترام بطور ماں، بیٹی، بہن اور ان کی عصمت بطور بیوی کے کم ہو کر رہ گئی۔

دو عظیم جنگوں کے نتیجے میں یورپ اور امریکہ کے لاکھوں نوجوان مارے گئے جنھوں نے اپنے پیچھے بیوہ عورتوں کا ایک بہت بڑا گروہ چھوڑا۔ ان عورتوں کی خبر گیری کرنے اور ان کو کھلانے پلانے والا کوئی شخص نہ رہا کیونکہ اکثر تو موت کا شکار ہو گئے تھے جب کہ زندہ بچنے والوں کی ایک کثیر تعداد ذہنی اختلال کا شکار ہو کر رہ گئی اور اس قسم کے تمام لوگ اپنے خاندانوں کے لیے کوئی ذریعہ آمدنی نہ رکھتے تھے۔ ان تمام حالات کی بنا پر انسانی آبادی میں مردوں کی شدید قلت واقع ہو گئی جس کی وجہ سے عورتیں مجبور ہو گئیں کہ وہ خود معاشی بن گئیں۔

بِسُورَتِ دیگران کی ذات اور دیگر افرادِ خانہ (ماں/ باپ، بچے) کے زندہ رہنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اس موقع پر صنعت کار/ سرمایہ دار نے سخت استحصالی رویہ اختیار کیا اور عورتوں سے کم اجرت پر زیادہ کام لینا شروع کیا مزید یہ کہ اپنی جنسی خواہش اور لذت کے لیے عورتوں کی عصمت دری کرنے میں بھی کسی قسم کی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔ اس طرح طبقہ نسواں کی مجبوریوں سے صنعت کاروں نے بہت وسیع پیمانے پر فائدہ اٹھایا۔

اپنے خاوندوں کی اسوات اور مردوں کی تعداد میں کمی کی وجہ سے بھی ان عورتوں کے لیے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کا کوئی دوسرا بندوبست نہ تھا۔ عیسائیت میں ایک سے زائد شادی (Polygamy) کی اجازت نہ تھی۔ ان حالات میں یورپی خواتین اپنی جبلی جنسی تسکین کے لیے مختلف مردوں کی ہوس کی بھیٹ چڑھ گئیں جس کی وجہ سے یورپ میں جنسی انارکی اور آزاد شہوت رانی کے اس دور کا آغاز ہوا جو ہر قسم کی اخلاقی بندش، انسانی اقدار اور نیکی کی حس کو خس و فاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔

صنعتی انقلاب کے تلخ پھل جو کام کی زیادتی، عزت نفس کے مجروح ہونے اور عصمت و مفت کے لٹ جانے کی شکل میں ظاہر ہوئے، ان کی وجہ سے عورت اس امر پر مجبور ہو گئی کہ وہ شادی کے بندھنوں سے چھٹکارہ حاصل کرے کیونکہ وہ خاوند/ بچوں اور خاندانی نظام کو چلانے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔ ان حالات میں ان کے اندر ایک ردِ عمل پیدا ہوا جو بتدریج بڑھتا ہوا احتجاجی نظام بن گیا، جلسے، جلوسوں اور تشہیری مہم کی وجہ سے اس قدر طاقت ور ہو گیا کہ اس کے نتیجے میں انھیں مرد کے برابر معاشی معاوضے کا حق حاصل ہو گیا۔

موجودہ دور میں عورتوں کی عزت و احترام کے کھوجانے کی وجہ سے عورتیں، مردوں کے ہاتھوں میں جنسی شہوت اور لذت کے حصول کا ایک آسان ذریعہ بن گئی ہیں۔ ان کی حیثیت ایک Show piece کی سی بن کر رہ گئی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں اکثر لوگ تعدادِ زواج پر بے شمار غتر اخراجات اور شکوک و شبہات کا اظہار کرتے ہیں لیکن کیا ان میں سے کوئی ایک شخص بھی دیانت داری کے ساتھ اس امر کا انکار کر سکتا ہے کہ اس معاشرے میں ”کال گرل“ ”مسٹرس“ اور طوائفوں کے طبقے کا کیا کردار ہے؟ عورتوں کو معاشی آزادی کا شرم دے کر انھیں مجبور کر دیا گیا ہے کہ وہ گھر

سے باہر جا کر محنت مزدوری کریں اور اپنے معاش کا بندوبست خود کریں۔ جنسی مساوات کے نام پر عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط ہوا جس کے نتیجے میں زنا کی وجہ سے ناجائز بچوں کی پیدائش، نو عمر لڑکیوں میں حمل کا قیام اور غیر شادی شدہ ماؤں کا ایک بڑا طبقہ وجود میں آ گیا۔ کنزے (Kinsey et.al 1953 a) نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ ۵۰ فی صد امریکن عورتیں اپنی شادی سے پہلے ہی اپنی عصمت داغدار کر چکی ہوتی ہیں اور کالج میں زیر تعلیم لڑکیوں اور تعلیم یافتہ عورتوں کا جنسی افعال میں ملوث ہونا ایک عام بات ہے۔

ان تمام حالات کی موجودگی میں ایک ایسا چھتا ہوا سوال ہر عورت سے پوچھنے کو جی چاہتا ہے کہ کیا ان کی زندگی کا آئیڈیل ایک ”پلے گرل“ (Play girl) بنا ہی رہ گیا ہے کسی ”پلے بوائے“ (Play boy) کے ہاتھوں؟

اسلام میں عورت کا مقام:

اسلام نے انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ اور سب سے پہلے عورت کو ایک زندہ وجود ملی حیثیت سے تسلیم کیا اور انھیں مردوں کے برابر حقوق دیئے۔ سورہ النساء (۴:۱) میں قرآن نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیے۔“

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عورت اور مرد برابر ہیں اس لحاظ سے کہ دونوں کے جدِ اعلیٰ ایک ہیں اور ان سب نے ایک ہی جگہ روز قیامت اکٹھا ہونا ہے۔ اس لیے ان سب کے حقوق برابر ہیں۔ اسلام نے عورت کو زندہ رہنے کا حق دیا، اسے عزت و احترام سے نوازا اور جائیداد کی مالکہ ہونے کا اختیار دیا (مزید تفصیلات، اگلے صفحات میں آرہی ہیں)۔

گفتگو کے آغاز ہی میں اس امر کا ادراک کر لیا جائے کہ اسلام کی نظر میں عورت بذاتِ خود ایک زندہ حقیقت ہونے کی وجہ سے ایک ذمہ دارِ ہستی ہے۔ اسلام، عورتوں سے براہِ راست خطاب

رتا ہے اور انھیں کسی مرد (والد، بھائی، شوہر، بیٹے) کے حوالے سے مخاطب نہیں کرتا۔ عورت، بلوغت کے بعد اگر اسلام قبول کرتی ہے تو پھر اس پر ہر قسم کی ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں۔ مزید برآں، ایک عورت کا اسلام قبول کرنا اس کی آزادانہ مرضی پر منحصر ہے اس لیے کہ اسلام کا قبول کرنا ایک عورت کا ذاتی معاملہ ہے کیونکہ درحقیقت کوئی عقیدہ، کسی دوسرے شخص کی معرفت اختیار نہیں کیا جاسکتا (محمد قطب ۱۹۷۲) اسلام نے سب سے پہلے عورت کے انفرادی اور علیحدہ تشخص کو تسلیم کیا اور اس پر زور دیا کہ کاملیت کا درجہ حاصل کرنے کے لیے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرے کیونکہ دین کا علم حاصل کرنا ایک مسلمان مرد اور ایک مسلمان عورت دونوں کے لیے ضروری ہے (حسن ترابی ۲۰۰۰)۔ ان تمام تصریحات سے اس امر کی تردید ہوتی ہے کہ اسلام میں عورت و ایک ثانوی حیثیت حاصل ہے یا اسے مرد کے برابر درجہ حاصل نہیں یا زندگی کے معاملات میں اس کا کردار کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

گرچہ اسلام نے بطور انسان عورت اور مرد کو برابر حقوق دیئے ہیں اور زندگی کے دیگر امور میں بھی انھیں برابر سمجھا گیا ہے تاہم اسلام نے زندگی کے عملی دائرے میں ان پر عائد ذمہ داریوں کا تعین علیحدہ علیحدہ کیا ہے۔ چونکہ اسلام ایک عملی دین ہے جو زندگی کے تمام امور کا احاطہ کرتا ہے اور انسانی فطرت کی کمزوریوں کا لحاظ کرتا ہے اور اس امر کو ملحوظ رکھتا ہے کہ وہ اپنے فطری تقاضوں سے کسی صورت بھی انحراف نہ کرے۔ پس اسلام، عورت اور مرد کی مساوات کا قائل ہے اس جگہ یہاں اس قسم کی مساوات کی گنجائش ہے اور عورت و مرد کے دائرہ کار میں فرق و امتیاز بھی کرتا ہے جس جگہ اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک عورت اپنی گھریلو زندگی میں ایک قائدانہ کردار ادا کرتی ہے جب تک کہ اس کے بچے نہیں ہوتے اور اس پر بچوں کی تعلیم و تربیت کا کوئی بوجھ/ ذمہ داری نہیں ہوتی لیکن بچوں کی پیدائش کے بعد وہ کسی قسم کا مزید زائد بوجھ برداشت کرنے کے قابل نہیں رہتی کیونکہ بطور ماں نراٹھس اور ذمہ داریوں کا ایک بارگراں اس کے کاندھوں پر آن پڑتا ہے۔ تاہم اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس طرح ایک خاوند کو اپنے گھر میں ایک ذکیئر کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ خاندانی معاملات دونوں کے باہمی مشورے اور اشتراک سے ہی چلنے چاہئیں۔ قرآن کریم کی

متعدد آیات کے علاوہ، جو آئندہ صفحات میں درج کی گئی ہیں، ایک حدیث ہمیں یہ ہدایت دیتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ بہترین حسن سلوک کرتا ہے۔“ (ترمذی) اس معیار کو سامنے رکھتے ہوئے جو حضور ﷺ نے ہمارے لیے وضع فرمایا کہ ایک انسان کو اس کی اپنی بیوی/بچوں کے ساتھ حسن سلوک کی بنا پر ہی جانچنا چاہیے۔ یہ ہدایت اس امر کی بھی نشان دہی کرتی ہے کہ حضور ﷺ کی نظر میں عورت کی عزت و احترام کا کتنا خیال ہے۔

اسلام میں شادی/بیاہ اور خاندانی نظام کی تشکیل:

ایک مسلم معاشرے کی بنیادی اکائی ایک خاندان ہے جو ایک مرد اور ایک عورت کی شادی کے نتیجے میں معرض وجود میں آتا ہے۔ اس کے پیچھے کارفرما حیاتیاتی زندگی کے وہ تقاضے ہیں جن کا تعلق اس کی جنسی زندگی کی تسکین سے ہے اور یہ انسانی معاشرے کی ایک ناگزیر ضرورت اور حقیقت ہے جس سے کسی صورت بھی مفر نہیں اور جسے صرف ایک انفرادی رائے/فیصلے تک ہی محدود سمجھنا مناسب نہیں (Hammudah Abd-al-Ati, 1997) خاندان، الہامی ہدایت پر مبنی ایک ادارہ ہے۔ تاہم یہ ایک سماجی معاہدے کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس کتاب کے بارہویں باب (اسلام میں شادی بیاہ کا نظام) میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ شادی بیاہ کے لیے قرآن و حدیث میں ”نکاح“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ”عقد“ یعنی معاہدے کے ہیں۔ اسلام میں ایک شادی کے جائز ہونے کی بنیادی شرط مرد و عورت کا باہمی انفرادی اور آزادانہ اتفاق رائے ہے۔ اس عقد/معاہدے کی رو سے ایک مرد ایک عورت کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے کی اجازت/حق حاصل کرتا ہے تاہم جنسی تعلقات کے قیام کے لیے صرف اجازت تک ہی محدود سمجھنے کے لیے اس کی ایک کاغذی معاہدے کی حیثیت ہی نہیں رہنی چاہیے، جیسا کہ مغرب میں سمجھا جاتا ہے بلکہ شادی دراصل ایک شریفانہ معاہدہ ہے۔ اسے کسی صورت بھی ”صرف ایک معاہدہ“ سمجھنا مناسب نہیں بلکہ اس کی وجہ سے فریقین کے درمیان بہت سے ایسے تعلقات کا آغاز ہوتا ہے جن سے فریقین پر حقوق اور ذمہ داریوں کا ایک بار آور پڑتا ہے۔ تاہم چونکہ کوئی بھی معاہدہ اس حد تک مقدس نہیں ہوتا جسے توڑا نہ جاسکے، اس لیے نکاح بھی

ایک ایسا معاہدہ ہے جو قابل تنسیخ ہے۔ اس لیے اسلام میں طلاق کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر فریقین میں نباہ ممکن نہ ہو تو طلاق کے ذریعے میاں بیوی میں علیحدگی ہو سکتی ہے۔ اس طرح نکاح ثانی کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی ہے۔ اسلام میں کسی عورت کے نکاح ثانی کرنے یا کسی مطلقہ/بیوہ کے دوبارہ شادی کرنے پر کسی قسم کی کوئی قدغن یا قید نہیں۔

میاں بیوی کے درمیان حقوق و فرائض کا سلسلہ گویا ایک خاندانی نظام کی بنیاد ہے، جس کا مقصد ان اقدار و روایات کا احیاء اور فروغ ہے جو اسلام ایک فرد اور معاشرے میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ ایک مسلم خاندان، دراصل ایک ایسا وسیع گھرانہ (Extended family) ہے جس میں مختلف رشتے ناطے اور تعلق بہت سی جہتیں رکھتے ہیں۔ یہ ایک علیحدہ یا الگ تھلگ رہنے والا خاندان (Nuclear family) نہیں بلکہ اس کے ذریعے دو یا تین نسلوں کے افراد کے مابین تعلقات استوار ہوتے ہیں (خورشید احمد ۱۹۹۹)۔ قرآن نے شادی کو ”حصن“ یعنی قلعہ قرار دیا ہے جس کی وجہ سے ایک انسان اخلاقی برائیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ سورہ النساء (۴: ۲۵) میں اس اخلاقی مقصد کے حصول کے لیے اسلام نے شادی سے باہر ہر قسم کے جنسی اعمال و افعال کو حرام قرار دیا ہے اور اس قسم کے مختلف افعال پر سزائیں تجویز کی ہیں۔

جیسا کہ بتایا گیا کہ اسلام کی نظر میں عورت اور مرد ایک انسان کی حیثیت سے برابر ہیں۔ تاہم اسلام ہر دو اصناف کے لیے علیحدہ علیحدہ دائرہ کار اس طریق پر تجویز کرتا ہے کہ ہر ایک اپنی حیاتیاتی صلاحیتوں اور جسمانی اوصاف کی حدود میں رہتے ہوئے کام کرے۔ مرد کو جسمانی قوت و طاقت میں زیادتی کی وجہ سے اس قسم کے فرائض تفویض کیے گئے ہیں جن میں روزگار اور معاشی امور، حفاظت خاندان اور خاندان کی سربراہی/راہ نمائی شامل ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی ادارہ/تنظیم اس وقت تک مناسب انداز میں کوئی خدمت سرانجام نہیں دے سکتا جب تک اس کا کوئی سربراہ نہ ہو۔ اسلام نے یہ حیثیت مرد کو دی ہے اور اس طریق پر خاندانی نظام کو معاشرے کا ایک مفید ادارہ بنا دیا ہے تاہم خاوند پر کچھ حقوق اور ذمہ داریوں کا بوجھ بھی ڈالا گیا ہے۔ اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اور خاندان کے لیے تمام ضروری اقدامات کرے جن کا تعلق گھر سے باہر سے

ہے۔ عورت کو گھر اور بچوں کی پرورش و نگہداشت اور گھر کے اندر ایک خوشگوار ماحول فراہم کرنے کا فریضہ سونپا گیا ہے۔ اس نے عورت کو ان تمام بندھنوں اور ذمہ داریوں سے سبک دوش کر دیا ہے جو گھر سے باہر سرانجام دینے ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں اور قوتیں گھر، بچوں کی پرورش، اور تعلیم و تربیت میں صرف کر سکے۔ دراصل، اسلام عورت کو اس دہرے بوجھ سے نجات دلانا چاہتا ہے تاکہ وہ بہ آسانی اپنے گھریلو امور سرانجام دینے کے علاوہ، کسی قسم کی نوکری کے جھنجھٹ میں نہ پڑے کیونکہ اسلام کی نظر میں یہ ایک نا انصافی ہے جو مغرب میں عورتوں سے روا رکھی گئی ہے۔ اس لیے اسلام نے دونوں اصناف کے لیے عمل کا دائرہ علیحدہ متعین کر دیا ہے (سید مودودی) تاہم عورتوں کے لیے روزی کمانا کوئی حرام یا ممنوع فعل نہیں لیکن عورتوں کے لیے یہ بھی مناسب نہیں کہ وہ گھر سے باہر اس قسم کا کام سرانجام دیں (بشرطیکہ اس کی ضرورت نہ ہو) کہ اس سے خاوند کے حقوق کی تلفی ہو۔ (حسن ترابی)

مسلم خاندان کی ہیئتِ ترکیبی:

ایک مسلم خاندان میاں، بیوی، اور بچوں کے علاوہ دیگر مختلف رشتے داروں پر مشتمل ہوتا ہے (Maryam Jameelah, ۱۹۸۴; Khurshid Ahmad, 1999)۔ ان کے علاوہ میاں بیوی کے دیگر رشتے دار بھی ہوتے ہیں جو ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ دوسرے درجے میں وہ قریبی رشتے دار ہیں، چاہے وہ ایک ساتھ رہتے ہوں یا نہیں، جن کے ایک دوسرے پر خاص حقوق ہیں، جو اس خاندان میں بلا تکلف آتے جاتے ہیں، جن کے ساتھ شادی ممنوع ہے۔ اور جن کے آنے سے گھر میں کوئی عورت پردہ نہیں کرتی۔ ان رشتے داروں کو محرم کہتے ہیں۔ یہ رشتے خونی تعلق کی بنا پر ہوتے ہیں یا دودھ پلانے کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ خونی تعلق کی بنا پر جو رشتے دار ہوتے ہیں، ان میں والد، والدہ، دادا/ دادی اور دیگر براہ راست خونی تعلق رکھنے والے لوگ مثلاً بیٹے، بیٹیاں، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے درجے میں بھائی، بہن اور ان کی اولاد شامل ہیں۔ اسی طرح ماں باپ کی بہنیں اور بھائی اس میں شامل ہیں۔

وہ رشتے دار جو قریبی تعلق کی بنا پر خاندان میں شامل ہوتے ہیں، ان میں ساس، سسر اور

ان کے والدین، بیٹے کی بیوی، خاوند کی بہنیں اور سوتیلی ماں باپ اور رضاعی ماں باپ اور ان کے بچے شامل ہیں۔ ان رشتے داروں کے علاوہ جو بھی رشتے دار ہیں، وہ خاندان سے تعلق ضرور رکھتے ہیں لیکن یہ رشتے داری دُور پار کی ہوتی ہے۔ ان کے بھی کچھ حقوق اور ذمہ داریاں ہیں۔

ذیل کے صفحات میں ہم ان حقوق کا ذکر کریں گے جو اسلام نے عورت کو دیئے ہیں۔ ان گزارشات کا مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہوگا کہ جہاں اسلام نے مرد پر بیوی اور بچوں کی خوراک، تعلیم، صحت اور دیگر ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالا ہے، وہاں وہ بیوی/بچوں سے یہ بھی توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنے شوہر (اور بچے اپنے باپ) کے تابع فرمان ہوں گے۔ مزید گھریلو امور کی تمام تر ذمہ داری عورت کو سونپ کر یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ گھریلو ماحول کو نہایت خوش گوار بنائے گی۔ اسلام نے ایک عام مرد اور عورت کے درمیان آزادانہ/بے حجابانہ اختلاط کو سختی سے منع کیا ہے، اور زنا کو ایک قابل سزا جرم بنا دیا ہے۔

اسلام میں عورتوں کے حقوق:

اسلام نے عورتوں کو جو حقوق عطا کیے ہیں وہ عورت کی چار مختلف حیثیتوں سے متعلق ہیں۔ یہ حقوق عورت کو بطور ماں، بہن، بیوی اور بیٹی حاصل ہیں۔ ذیل میں ان چار حیثیتوں میں دیئے گئے عورت کے حقوق کے بارے میں مختصر معلومات پیش کریں گے۔

(Muhammad Sharif, 1991)

(الف) بطور ماں:

وراثت میں حقوق، مرنے والے شوہر یا اولاد کے تر کے میں حصہ دیا ہے۔ (سورہ النساء ۱۱:۴)

جائیت کے زمانے میں عربوں میں رواج تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد وہ ماں سے شادی کر لیتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک ماں بھی ایک تر کے کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس قبیح رسم کو اسلام نے ختم کر دیا۔ (سورہ النساء ۲۲:۴)

اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے بعد ماں باپ کے ساتھ محبت و احترام کا سلوک اور خدمت و تائیداری کا رویہ اولاد کے لیے ایک فریضہ قرار دیا۔ اسلام نے ماں کے حقوق کی اہمیت کو

بھر پور انداز میں واضح کیا بالخصوص ان تکالیف کی وجہ سے جو اسے بچوں کی پیدائش، ان کو دودھ پلانے اور پالنے پوسنے کی وجہ سے برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ قرآن کریم نے متعدد سورتوں/ آیات میں اس امر کی وضاحت کی (سورہ لقمان ۱۴:۳۱، سورہ الاحقاف ۱۵:۴۶)۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کے حسن سلوک کی اولین مستحق اس کی ماں ہے۔ حضور ﷺ نے اس کو تین مرتبہ تاکید فرمایا۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ ماں کے پاؤں تلے جنت ہے۔ اس کے علاوہ یہ حکم بھی دیا گیا کہ ماں کی وفات کی صورت میں ماں کی بہن (خالہ) کے ساتھ بھی اسی محبت اور تابعداری کا سلوک کیا جائے جو ایک اولاد، اپنی ماں کے ساتھ روا رکھتی تھی۔ اسی طرح دودھ پلانے والی ماں کے ساتھ بھی محبت و احترام کا سلوک روا رکھنے کی تاکید کی گئی۔

والدین کی خوراک، لباس، کپڑے، علاج معالجے کے تمام اخراجات پورا کرنا بھی اولاد کی ذمہ داری ہے چاہے والدین از خود اس قدر متمول ہوں کہ وہ اپنے اخراجات خود برداشت کر سکیں۔

(ب) بطور ہمیشہ:

ہمیشہ کے لیے بھی متوفی کے ترکے میں وراثت کا حق تسلیم کیا گیا۔ (سورہ النساء ۱۲:۴)۔ اسی طرح رشتے کی بہن (Consanguine sister) کا بھی ترکے میں حصہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اس صورت میں کہ متوفی کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین بھی حیات نہ ہوں (النساء ۱۷:۴)۔

حضور ﷺ نے اس شخص کو جنت کی خوشخبری دی ہے جو دو یا تین بیٹیوں، بہنوں کو دین کی تعلیم دیتا ہے اور ان کی تربیت کرتا ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے حتیٰ کہ ان کی شادی ہو جائے۔

(ج) بطور بیوی:

دیگر مذاہب کے برعکس، جن کا ہم نے عورت کے مقام کے بارے میں نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسلام نے عورت کو بطور بیوی بہت سے حقوق عطا کیے ہیں۔ اس ضمن میں

قرآنی احکامات و ہدایات بہت واضح ہیں۔ مرد و عورت کے درمیان مکمل مساوات کی بنیاد پر، ایک مسلمان عورت کو وہ تمام حقوق اور اختیارات حاصل ہیں جو ایک مرد کو حاصل ہیں۔ وہ کسی مرد کے ساتھ شادی کرنے میں آزاد ہے، زبانی طور پر یا تحریری طور پر اس کا اظہار کرنے میں۔ وہ کسی بھی رشتے کو قبول کرنے سے انکار کر سکتی ہے اگر وہ رشتہ اسے پسند نہ ہو۔ سورہ البقرہ (۲: ۲۲۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾

”عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے“

”فوق ان پر ہیں۔“

اس ضمن میں قرآنی احکامات اس قدر واضح اور زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ اس مختصر سے منعمون میں نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم سطور ذیل میں چند اہم ترین امور کا ذکر کیا جاتا ہے:

﴿قرآن کریم نے شادی بیاہ اور خاندانی زندگی کے مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے سورہ النساء (۴: ۱) میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔“

سورہ البقرہ (۲: ۲۲۳) میں اللہ تعالیٰ نے، بیویوں کو ایک ”بھتی“ سے تشبیہ دی اور ایک دوسری آیت میں دونوں میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لیے ”لباس“ قرار دیا (البقرہ ۲: ۱۸)۔ سورہ الروم میں قرآن کریم نے صراحت کی کہ میاں بیوی کے درمیان محبت و مودت اور رحمت کے جذبات، شادی شدہ زندگی کے وہ بنیادی ستون ہیں جن پر خاندان

کی نشوونما اور کامیابی کا دار و مدار ہے۔ سورہ النحل (۱۶: ۷۶) میں قرآن نے ایک لڑکے کی پیدائش کو خاندان کی بنیاد قرار دیا اور بیٹے کی شادی کے نتیجے میں اس کی اولاد ہونے سے خاندانی نظام کو وسعت ملنے کی نشاندہی کی۔

۴۴ اس کتاب کے بارہویں باب میں (اسلام میں شادی کا نظام) ہم نے تفصیلاً ان حقوق کا ذکر کیا ہے جو شادی کے نتیجے میں ایک عورت کو بطور بیوی حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح پندرہویں باب میں اس امر کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ مردوں کو طلاق دینے کا حق حاصل ہے۔ سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۳۷ میں قرآن کریم نے اس طریقے کی وضاحت کی ہے کہ کس طرح شرعی طور پر طلاق دینی چاہیے۔ مزید سورہ النساء کی آیات ۱۱ اور ۱۷ میں وراثت اور بے اولاد عورت و مرد (کلالہ) کے احکامات دیئے گئے ہیں۔

یہاں اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ عورت کی درخواست پر عدالت کے ذریعے طلاق (خلع) لینے کا حق بھی عورت کو حاصل ہے۔ ایک عورت جو اپنے مسلمان خاوند کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتی، وہ اس حق کو بلا کسی مجبوری یا پابندی کے استعمال کرنے میں بالکل آزاد اور مختار ہے۔ (د) بطور بیٹی:

زمانہ جاہلیت میں، عرب لڑکیوں کی پیدائش کو خاندان کے لیے باعث عار سمجھتے تھے۔ بیوی کو ایک لڑکی کی پیدائش پر مورد الزام ٹھہرایا جاتا تھا۔ (یہ غلط سوچ، بہت سے مسلمان ممالک بالخصوص پاکستان میں اب بھی پائی جاتی ہے جہاں بہت سے جھگڑے اور مفاسد، لڑکی کی پیدائش کی بنا پر جنم لیتے ہیں اور یہ جھگڑے بیوی کو طلاق دینے پر منتج ہوتے ہیں)۔ قرآن کریم نے انسان کی اس بنیادی کمزوری پر سب سے پہلے ضرب لگائی اور اس ضمن میں ہر قسم کی خیالات یا شرمساری کی مذمت کی جو لڑکی کی پیدائش کی وجہ سے ذہنوں میں پائی جاتی ہے۔ سورہ النحل (۱۲: ۵۸-۵۹) میں قرآن کریم نے فرمایا:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُنْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۝﴾

”جب انھیں ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی جاتی ہے تو

اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا منی میں دبا دے؟“

لوگوں کی اس ذہنیت اور کمزوری کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ وہ لڑکیوں کو درگور کرتے تھے تاکہ وہ ان کے لیے معاشی طور پر بوجھ نہ بنیں، قرآن نے انھیں متنبہ کیا کہ وہ اس بنا پر انھیں قتل نہ کریں۔ (بنی اسرائیل ۳۱:۱۷)۔ اس معاملے کو صرف اس حد تک ہی نہیں چھوڑا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے لڑکیوں کو عرب اور دیگر دنیا میں زندہ درگور کرنے والی اس قبیح رسم کی مذمت نہایت سخت الفاظ میں یوں کی (سورہ النکیر ۸۱:۸)۔

وَإِذَا الْمَوْءَدَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿۵﴾

”اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی۔“

لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے مذمتی حکم کے بعد قرآن کریم مثبت انداز میں یہ واضح کرتا ہے کہ لڑکے، لڑکیوں یا دونوں قسم کے بچوں یا کسی اولاد کے نہ ہونے کا کوئی شخص (عورت یا مرد) ذمہ دار نہیں بلکہ یہ امر اللہ تعالیٰ کے دست قدرت ہی کا مرہون منت ہے جو کسی بھی جنس (صنف) کے بچے اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے (سورہ الشوریٰ ۴۲:۴۹)۔

○ ان آیات کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لڑکی کی پیدائش کو کسی صورت بھی حقیر نہ کروانا جائے۔ حضور ﷺ نے جس محبت و شفقت کے ساتھ اپنی بیٹیوں کو پالا، اس کی وضاحت متعدد احادیث سے ہوتی ہے۔ ایک حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ”میں نے عادات و خصائل اور اعمال (ایک اور حدیث میں ہے کہ بولنے چالنے) میں کسی کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ حضور ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا۔ وہ جب تشریف لاتی تھیں تو حضور ﷺ فرط محبت کے جذبات کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے، ان کا ہاتھ تھامتے، ان کا بوسہ لیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔“ (ابوداؤد)۔ برصغیر ہندو پاکستان کے مسلمانوں میں، ہندو مذہب کے زیر اثر، لڑکیوں کو وراثت میں حصہ دینے سے محروم رکھا جاتا ہے، اس کے برعکس، اسلام نے بہت واضح انداز

میں لڑکیوں کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرنے اور وراثت میں حصہ دینے کا حکم دیا ہے۔
اسلام میں عورت کی عزت و احترام:

جیسا کہ بتایا گیا کہ اسلام نے دیگر مذاہب اور انسانی تہذیبوں کے مقابلے میں عورت کو ایک بہت ہی با عزت مقام عطا فرمایا۔ اسلام نے عورتوں کی عزت و احترام کے لیے متعدد احکامات اور ہدایات دیں جو قرآن و حدیث میں درج ہیں۔ قرآن و سنت کی ان تعلیمات کی روشنی میں فقہائے کرام نے بہت سے تفصیلی فقہی احکامات و قوانین وضع کیے جن کی روح میں یہ اصول کا فرما ہے کہ عورت کی عزت و احترام کا خیال کیا جائے جو اکثر ظلم و ستم کا نشانہ بنتی ہے اور اس کے خاوند اور دیگر سرسالی رشتے داروں کی جانب سے اس کے ساتھ بہت ظالمانہ سلوک اور رکھا جاتا ہے۔ اگرچہ ان صفحات میں ان تمام امور کا احاطہ کرنا تو شاید ممکن نہ ہوتا، ہم چیدہ چیدہ امور کی وضاحت ذیل میں کی جا رہی ہے:

« عورت کی عصمت و عزت کی حفاظت کے لیے زنا کو ایک بہت بڑا جرم قرار دیا گیا جس کی سخت ترین سزا رکھی گئی (سورہ النور ۲۴: ۲، ۷)

« ایسے لوگ جو عورتوں پر زنا کا کوئی اتہام لگائیں، وہ اگر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انھیں ۸۰ کوڑے مارنے کی سزا دی جائے۔ اسی طرح کسی دوسرے طریقے سے مسلمان عورتوں کو بدنام کرنے/الزام دینے (Slander) کی نہ صرف اس دنیا میں مذمت کی گئی بلکہ آخرت میں بھی اس عمل کے لیے سخت عذاب کی وعید سنائی گئی۔

« مرد اور عورت دونوں کو اس حکم کا پابند کیا گیا کہ وہ اپنی نظریں نیچے رکھا کریں (غض بصر) اور شرم و حیا کا خیال رکھیں اور عورتیں اپنے چہرے کو ڈھانک کر رکھیں۔

« گھروں میں عورتوں کو مکمل تنہائی (Privacy) فراہم کرنے کے نقطہ نظر سے لوگوں کو ختم دیا گیا کہ وہ کسی گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہوں۔

« چونکہ طبائفوں کا پیشہ، عورت کے عزت و وقار کے منافی ہے (متعدد دیگر وجوہات کے علاوہ) اس کی ممانعت کردی گئی اور اعلان کر دیا گیا کہ کوئی شخص اپنی لونڈیوں سے بھی یہ پیشہ کرانے کا اختیار نہیں رکھتا کہ اس سے اپنی آمدنی میں اضافہ کرے۔

« عورتوں کی عزت و احترام اور ان کی عصمت و عفت کی حفاظت کے پہلو سے ایک بہت اہم بات کی جانب یہاں اشارہ کرنا ضروری ہے کہ قرآن کریم نے دو معجزات کا بھی خاص طور پر بیان کیا جن کا تعلق عورت کے مرتبہ و مقام سے ہے۔ قرآن کریم نے سورہ النور (۲۴: ۱۱ تا ۲۰) میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان جھوٹے اور لغو الزامات کی خود تردید فرمائی جو منافقین اور مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائے تھے۔ اسی طرح سورہ مریم (۱۹: ۱۶ تا ۳۵) میں حضرت مریم علیہا السلام پر یہودیوں کے لگائے گئے الزامات کی تردید کی گئی جو انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں لگائے تھے۔

چند مذہبی امور میں عورت کو دی گئی رعایت:

ذیل کی سطور میں ہم ان چند احکامات کا ذکر کریں گے جو اسلام نے عورتوں کے لیے خاص طور پر دیئے ہیں جن کے ذریعے انھیں مختلف اقسام کی استثنائی رعایت دی گئی ہے۔

(الف) چند مذہبی رعایتیں:

« ماہواری کے ایام میں ہر ماہ ایک عورت کو پانچ وقت نماز کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

« اسی طرح رمضان میں ماہواری والے دنوں میں روزے کی چھوٹ دی گئی ہے تاہم وہ اس کمی کو بعد میں اپنی سہولت کے مطابق پورا کر سکتی ہے۔

« ماہواری کے دنوں میں ایک عورت پر حج میں چند مناسک (مثلاً طواف) ادا کرنے کی بھی پابندی نہیں۔

« ماہواری کے دوران ایک شوہر اپنی بیوی سے مجامعت نہ کرنے کا پابند ہے (مبادا عورت کو تکلیف ہو، علاوہ دیگر عوارض کے جو مرد کو بھی ہو سکتے ہیں)۔

(ب) دوران حمل اور ولادت کے بعد دی گئی رعایتیں:

« ایک عورت کو نفاس کے خاتمے تک نماز پڑھنے اور روزے رکھنے کی ممانعت ہے۔ اس طرح اس کا خاوند بھی اس دوران اس کے ساتھ مباشرت نہیں کر سکتا۔

« دوران رضاعت، بچے کو دودھ پلانے کی وجہ سے اگر اس کی صحت کی خرابی کا امکان ہو تو اسے روزے رکھنے سے بھی مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔

(ج) چند دیگر مستثنیات:

اگرچہ عورتیں مسجد میں جا کر پانچ وقت نمازیں ادا کر سکتی ہیں تاہم ان کے لیے زیادہ آسانی اور بہتری اسی میں ہے کہ وہ گھر پر نمازیں پڑھیں اور اس سے بھی زیادہ بہتر یہ ہے کہ گھر کے کسی علیحدہ کونے/کمرے میں پڑھیں (اس حکم کی حکمت اس امر سے واضح ہے کہ عورتوں کو ہر ماہ چند ایام کے لیے نمازیں نہ پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ گھر میں کسی تنہا جگہ پر نماز پڑھنے سے کسی شخص کو بھی اس بات کا علم نہیں ہو پاتا کہ کوئی عورت ماہواری کے دور سے گزر رہی ہے۔ اس بات سے دین کے مزاج اور حس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو وہ انفرادی طور پر ایک انسان یا ایک عورت کی جنسی زندگی کے بارے میں رکھتا ہے، اس امر کے علی الرغم کہ جنسی افعال کی بجائے آوری کو میاں بیوی کے درمیان ایک قابل ثواب (حسنہ) فعل قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح عورتوں پر جمعہ کی نماز کی ادائیگی بھی لازم نہیں بلکہ یہ اختیاری ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں عورتوں کو اس امر کی ترغیب دی جاتی تھی کہ وہ عیدین کی نمازیں عید گاہ میں جا کر ادا کریں حتیٰ کہ ایسی عورتیں جو ایام ماہواری سے گزر رہی ہوتی تھیں، انھیں بھی کہا جاتا تھا کہ وہ حضور ﷺ کا عید کا خطبہ سنیں اور حضور ﷺ کے ساتھ دعا میں شریک ہوں۔

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس کا اختتام حجتہ الوداع کے اس مشہور خطاب سے کیا جائے جو حضور ﷺ نے مکہ میں اپنے آخری حج کی ادائیگی کے موقع پر میدانِ عرفات میں سن دس ہجری میں دیا تھا۔ یاد رہے کہ حضور ﷺ کا خطبہ انسانیت کی تاریخ میں من جملہ بہت سے دیگر امور کے، عورتوں کے حقوق کا بھی ایک عظیم چارٹر ہے۔ حضور ﷺ نے اس موقع پر فرمایا ”لوگو! آگاہ رہو کہ تمہارے اوپر عورتوں کے بہت سے حقوق واجب ہیں اور اسی طرح تمہارے بھی کچھ حقوق ہیں جو عورتوں پر واجب ہیں۔ تمہارے وہ حقوق جو عورتوں پر واجب ہیں یہ ہیں کہ وہ تمہاری غیر حاضری میں تمہارے بستر کسی دوسرے مرد کے ساتھ خراب نہ کریں (اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کریں)، تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں کو داخل نہ ہونے دیں جنہیں تم پسند نہیں کرتے بغیر تمہاری اجازت اور منشا کے، اور تمہارے ساتھ

بِ دُفائی نہ کریں۔ اگر وہ ان باتوں کی مرتکب ہوں تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ انہیں سزا دو مگر بہت سخت نہیں۔ اگر وہ (برے کام سے باز آ جائیں) یا تمہارے تابع رہیں تو پھر تمہارا یہ فرض ہے کہ انہیں کھانا کھلاؤ، ان کے لیے لباس مہیا کرو جو تمہارے حالات اور زمانہ کے مطابق ہو اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک روا رکھو۔ کیونکہ وہ تمہارے گھروں میں (حالت قید) میں رہتی ہیں اور جہاں ان کا کچھ بھی نہیں ہوتا (وہ اس قدر ایمن دار ہوتی ہیں کہ کسی قسم کی خیانت نہیں کرتیں) اور تم نے انہیں اللہ سے ایک امانت کے طور پر حاصل کیا اور اللہ کی اجازت سے تم ان سے لطف اندوز ہوتے ہو۔ پس عورتوں کے بارے میں اللہ کا خوف ہر دم پیش نظر رکھو اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں (تاکید مزید) کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ لوگو آگاہ رہو! کیا میں نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے؟ اے اللہ آپ گواہ رہنا!“

جیسا کہ درج بالا صفحات میں اشارہ کیا گیا کہ برصغیر ہندوستان میں رہنے والے مسلمان نو مسلم ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد نے کئی ہزار سال پہلے اسلام قبول کیا تھا تاہم ہندوؤں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے بہت سے رسم و رواج، عادات و روایات اور مذہبی عبادات کی شکلیں، ہندو مذہب اور تہذیب کے اثرات سے مکمل طور پر آزاد نہ ہو سکیں۔ اس ضمن میں عورتوں کے مقام و مرتبہ، شادی بیاہ کی رسومات (مہندی، سہرا بندی اور فضول خرچی)، طلاق اور بیوہ/مطلقہ کے نکاح ثانی، جہیز اور عورتوں کو وراثت سے محروم کرنا، کار و کاری اور ذات برادری کی تمیز جیسی بری اور فبیج رسمیں، تمام تر ہندو مذہب اور تہذیب کا ہی شاخسانہ ہیں جن کی قرآن و حدیث سے تائید تو کجا، ان کا شائبہ تک بھی نہیں ملتا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ تمام اوہام و خرافات اور بری رسمیں، جن کو ختم کرنے کے لیے اسلام آیا تھا اور بہت حد تک اسلام نے اپنے دور اول میں عربوں کے جاہلانہ رسم و رواج کو بیک قلم مسترد کر دیا تھا، برصغیر کے مسلمانوں نے ان سب بری رسموں کا طوق اپنے گتے میں ڈال لیا۔ مثال کے طور پر جہیز کی رسم، جس کا لڑکے والے مطالبہ کرتے ہیں اور جس کی وجہ سے غریب والدین اپنی بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کرنے کے لیے قرض لینے کی لعنت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح لڑکے والے بھی بہت سی ناجائز رسوم کی بنا پر زیر بار ہوتے ہیں۔ لڑکے اور لڑکیوں کی اس بنا پر تاخیر سے شادی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ بے شمار جسمانی اور نفسیاتی

عوارض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یوں ان کی زندگی بری طرح سے متاثر ہوتی ہے بلکہ اکثر و بیشتر وہ دین سے بھی بے گانہ ہو جاتے ہیں۔ یہ تمام امور جن میں شادی کے بعد ناچاقی کی بڑھتی ہوئی شرح، طلاق اور تشدد کے بڑھتے ہوئے واقعات جیسے لڑکیوں کو تیل کے چولہے میں جلا دینا اور قتل کرنا شامل ہیں، انھی قبیح رسم و رواج کا نتیجہ ہیں جس میں مسلم معاشرہ آج سختی سے جکڑا ہوا ہے۔ زیادہ جہیز نہ ہونے کی وجہ سے لڑکی کو اپنے سسرال میں ایک بہت ہی کڑے وقت اور آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے۔ سسرال والے اکثر و بیشتر لڑکی کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں جس کی وجہ سے لڑائی اور دیگر مفاہد پیدا ہوتے ہیں۔ ان تمام عائلی اور خاندانی مسائل کا واحد حل اس امر میں پوشیدہ ہے کہ ہم صدق دل کے ساتھ اسلام کی راہ نمائی اور تعلیمات کو نہ صرف قبول کریں بلکہ ان پر عمل پیرا بھی ہوں۔ انسانیت بالخصوص امت مسلمہ کی اصلاح کا راز صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی میں ہی پوشیدہ ہے۔



پردہ اور حجاب

پردہ اور حجاب، مسلم اور غیر مسلم دنیا میں ایک بہت اہم بحث کا موضوع بن گیا ہے۔ مغرب میں اسے عورتوں پر ظلم و ستم کی ایک نشانی کے طور پر لیا جاتا ہے تاہم یہ ایک یقینی امر ہے کہ مغرب میں بھی زمانہ قدیم سے ہی طبقہ اشرافیہ کی عورتوں کو دیگر عورتوں سے ممتاز و ممیز کرنے کی نشانی کے طور پر پردے کا استعمال کیا جاتا تھا تاکہ بدقماش لوگ ایسی عورتوں سے نہ صرف غلط توقعات نہ باندھیں بلکہ انھیں لونڈی/باندی سمجھتے ہوئے ان پر کسی قسم کی دست درازی کرنے سے بھی باز رہیں۔ عربی زبان میں اس کے معنی ایک ایسے پردے کے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان تفریق اور جدائی کا موجب بنتا ہے یا ایک چیز کو دوسری سے ممتاز کرتا ہے۔

حجاب/پردے کا تاریخی پس منظر:

کسی زمانے میں پردہ بڑائی یا امارت کی ایک نشانی سمجھا جاتا تھا بہ نسبت شرم و حیا کی علامت کے۔ پردے کو شرفاء کی عورتوں کی نشانی سمجھا جاتا تھا اور اس کا مطلب یہ لیا جاتا تھا کہ پردہ کرنے والی خاتون کسی مرد کی بیوی ہے جسے کوئی دوسرا شخص بری نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ یہ ایک عورت کی عزت نفس اور اس کے سوشل مقام و مرتبہ کا بھی مظہر تھا۔ معاشرے کی کم تر درجے کی عورتیں، بعض اوقات طبقہ اشرافیہ سے اپنا تعلق ظاہر کرنے کی خاطر بھی پردہ کیا کرتی تھیں۔ چونکہ پردہ/حجاب شرافت و احترام کی علامت سمجھا جاتا تھا تو بعض حالات میں طوائفیں بھی اپنے سر کو کسی رومال سے ڈھانپ کر رکھتی تھیں تاکہ لوگ انھیں برا نہ سمجھیں۔ یہودی عورتیں اس امر کو آسان سمجھتی تھیں کہ وہ اپنے روایتی پردے کی بجائے سر پر ایک وگ استعمال کریں جو سر کے بالوں کو ڈھانپ لیتا تھا۔

یہ چند وجوہات ہیں جن کی بنا پر مختلف زمانوں میں مختلف اقوام کی عورتوں میں پردے کا

رواج پایا جاتا تھا۔ مغرب میں پایا جانے والا یہ خیال کہ اسلام نے عورت پر پابندیاں عائد کرنے کی خاطر پردہ رائج کیا، تاریخی حقائق کی بنا پر غلط ہے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ یہودی عورتیں گھر سے باہر نکلنے پر اپنے سر کے بالوں کو اس طرح ڈھانپا کرتی تھیں کہ نہ صرف سر کے بال بلکہ چہرہ بھی نظر نہیں آتا تھا سوائے ایک آنکھ کے کھلا رہنے کے۔ (Manachem, M. Brayer, 1997)

یہودی مذہب کے قوانین کی رو سے ننگے سر کی عورت کی موجودگی میں عبادت یا دعا نہیں کی جاسکتی تھی۔ کیونکہ ننگے سر بالوں کا نظر آنا ایک عریانی سمجھا جاتا تھا۔ عہد نامہ قدیم (Old Testament) میں کسی عورت کے سر کا ننگا ہونا ایک عیب اور شرم کی بات سمجھی جاتی تھی۔ (گنتی Numbers ۵-۱۶:۱۸)

یہ واضح رہے کہ کیتھولک چرچ کی راہبات ہمیشہ اپنے سر کو ڈھانپ کر رکھتی ہیں۔ یہ امر اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ مغرب میں پہنا جانے والا حالیہ لباس ایک جدید اختراع ہے۔ آج سے ۸۰/۷۰ سال قبل اگر یورپ میں عورتوں کے لباس کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ حجاب/پردے سے ملتی جلتی کسی چیز کا استعمال کرتی تھیں۔ یورپ کی یہ چست و چالاک عورتیں، کسی قسم کا کوئی کام کرنے میں اپنے لباس کی وجہ سے کوئی دقت محسوس نہ کرتی تھیں جو ایک عورت کو ایک لمبے فراق کے کپڑے اور سر ڈھانپنے کی مختلف صورتوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ سینٹ ٹرولین (St. Tertulian) اپنے مشہور خطبے (Veiling and Virgins) میں رقمطراز ہے کہ ”اے نوجوان لڑکیو! تمہیں پروے/حجاب کی پابندی کرنی چاہیے جب تم گھر سے باہر نکلو۔ اسی طرح چرچ جانے پر بھی پردے کا استعمال کرو۔ تمہیں پردے کی پابندی کرنی چاہیے جبکہ تم اجنبی مردوں کے درمیان ہوا کرو حتیٰ کہ تمہیں پردے کی پابندی کرنی چاہیے جبکہ تم اپنے بھائیوں کے درمیان بھی ہوا کرو“ (بحوالہ Muhammad Sharif, 1995)

سید مودودی نے ان تمام تاریخی حقائق کا تفصیلی جائزہ لیا ہے جن کی وجہ سے یورپ اور دیگر جگہوں پر عورت نے پردے سے اجتناب شروع کیا۔ جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے نویر باب میں واضح کیا ہے کہ عیسائیت کے علمبردار اپنے ان مذہبی اوہام و خرافات کے تحت عورت کے مقام اور مرتبہ کے بارے میں نفرت کے جذبات رکھتے تھے، چنانچہ انھوں نے انسانی عزت

کو ایک دوسری انتہا کی جانب دھکیل دیا یعنی شادی نہ کرنا، تجرد کی زندگی بسر کرنا۔ اس تصور کے تحت شادی بیاہ کرنے کی ممانعت کی گئی اور یوں میاں بیوی کے درمیان جنسی تعلقات قائم کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ لوگ ازدواج سے پرہیز کرنے کو تقدس اور تقویٰ اور بلندی اخلاق کی ملامت سمجھنے لگے۔

سید مودودی مزید رقمطراز ہیں کہ ”ان وجوہات کی بنا پر یورپ کے اہل علم حضرات نے پرچے اس غیر فطری طریق کار کے خلاف آواز بلند کرنی شروع کی۔“ اٹھارویں صدی عیسوی میں انہوں نے جب سوسائٹی کے خلاف فرد کے حقوق کی حمایت میں آواز اٹھائی اور شخصی آزادی کا تصور پھونکا تو ان کے سامنے وہی نظام تمدن تھا جو مسیحی نظام اخلاق اور فلسفہ زندگی اور نظام باگیہ داری کے منحوس اتحاد سے پیدا ہوا تھا اور جس نے انسانی روح کو غیر فطری زنجیروں میں جکڑ کر ترقی کے سارے دروازے بند کر رکھے تھے۔ اس نظام کو توڑنے کے لیے انقلاب فرانس رونما ہوا اور اس کے بعد مغربی تہذیب و تمدن نہایت تیز رفتاری سے ن راستوں پر گامزن ہو گئے، یہیں تہذیب جدید کی گاڑی بڑھتے بڑھتے آج کی منزل تک پہنچی ہے۔ تاہم جن نظریات سے یہ نئی تحریک اٹھی تھی، ان میں ابتدائی سے افراط کا میلان موجود تھا۔ انیسویں صدی میں اس میلان نے بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کی اور بیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے مغربی معاشرت بے اعتدالی کی دوسری انتہا پر پہنچ گئی۔ جس کے تحت عورتوں اور مردوں کی مساوات، عورتوں کا معاشی استقلال اور آزادی اور دونوں صنفوں کا آزادانہ اختلاط ضروری قرار پایا۔ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط نے عورتوں میں حسن کی نمائش، عریانی اور فواحش کے مظاہر کو غیر معمولی ترقی دی۔ پھر اس قسم کی مخلوط سوسائٹی میں قدرتی طور پر دونوں صنفوں کے اندر یہ جذبہ ابھر آتا ہے کہ صنف مقابل کے لیے زیادہ سے زیادہ جاذب نظر بنیں۔ مغربی عورت اس امر کی ایک مسلسل دوڑ میں مبتلا ہوئی ہے کہ وہ مردوں کے لیے زیادہ دلکش اور حسین بنے۔“

ان تمام حالات کی وجہ سے جدید زمانے کا انسان ایسے مسائل کے نہ ختم ہونے والے چکر میں پھنس کر رہ گیا ہے جن کی وجہ سے خاندانی نظام تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا انسانیت کو اس انجام سے دو چار ہونا ہے اور اس گہری کھائی میں غرق ہونے کے انجام سے

دو چار ہونا ہے جس میں دنیا کی قدیم اقوام اور تہذیبیں گر کر دنیا سے معدوم ہو چکی ہیں کہ آج سوائے تاریخ کے اوراق کے ان کا کہیں ذکر تک نہیں ملتا؟ یا انسانیت کے لیے کوئی راستہ اس انجام بد سے بچنے کا بھی ہے؟ — ہم اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ انسانیت کا مستقبل اس قدر تاریک اور مایوس کن نہیں جس قدر بظاہر نظر آتا ہے۔ مغرب جن مسائل سے آج دوچار ہے اور مسلم ممالک بھی آہستہ آہستہ انہی مسائل سے دوچار ہو رہے ہیں، ان کا حل موجود ہے۔ مغربی عورت جس قسم کے جنسی مسائل میں پھنس کر رہ گئی ہے، اس سے باہر نکلنے کا راستہ موجود ہے۔ قرآن/ اسلام ایک ایسے سوشل نظام کا داعی ہے، جو:

۴۴ مرد و عورت کے دائرہ کار کو علیحدہ کرتا ہے۔

۴۵ دونوں اصناف کے آزادانہ میل جول کی حوصلہ شکنی بلکہ مخالفت کرتا ہے اور

۴۶ ان تمام عوامل کو ختم کرتا ہے جن کی وجہ سے ایک مسلم معاشرے میں کسی قسم کی کوئی نرابی

پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔

اس کتاب کے باب (اسلام: ایک نظام حیات) میں ہم نے اسلام کے خاندانی نظام کی تشریح کی ہے۔ خاندانی نظام کی بحالی اور اسے مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے اسلام نے مفصل ہدایات دی ہیں جن میں زنا کو حرام قرار دیا گیا ہے، ان تمام رشتے داروں کے درمیان شادی بیاہ کا رشتہ حرام قرار دیا گیا ہے جو فطری طور پر ایک دوسرے کے قریب رہنے پر مجبور ہیں، مردوں اور عورتوں کو غرض بصر کا علم دیا گیا ہے۔ عورتوں کو اپنے جسم کے پوشیدہ حصے چھپانے، زیب و آرائش، آواز حتیٰ کہ زیادہ خوشبو کے استعمال اور کسی مرد کے ساتھ حالت تنہائی میں ملاقات سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ مزید عورتوں اور مردوں کو عفت اور پاکیزگی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تاکید کی ہے۔ عریانیت سے بچنے کے لیے لباس کی پابندی اور مرد و عورت کے لیے -ترکی حدود کا تعین، کسی کے گھر یا کمرے میں بالغ مرد/عورت کا بغیر اجازت لیے داخل ہونے حتیٰ کہ بچوں کے لیے بھی دن کے خاص حصوں میں بلا اجازت داخل ہونے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اسلام نے محرم (خونی رشتے) اور غیر محرم مردوں کے درمیان تخصیص کی ہے۔ قرآن و حدیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس آزادی کی حدود کو واضح کیا گیا ہے جو کہ صرف محرم مردوں کے

ساتھ روا رکھے جاسکتے ہیں لیکن کسی حالت میں بھی کسی غیر محرم کے ساتھ جائز نہیں۔ ان موضوعات کے بارے میں ذیل کے صفحات میں گفتگو کی جائے گی۔

پردہ:

سید مودودی اپنی کتاب پردہ (حجاب) میں رقمطراز ہیں ”جو شخص آیت قرآنی کے الفاظ اور ان کی مقبول عام اور متفق علیہ نظیر اور عہد نبوی کے حالات کو دیکھے گا اس کے لیے اس حقیقت سے انکارِ محال باقی نہ رہے گی کہ شریعت اسلامیہ میں عورت کے لیے چہرے کو حجاب سے مستور رکھنے کا حکم ہے اور اس پر خود نبی اکرم ﷺ کے زمانہ سے عمل کیا جا رہا ہے۔ نقاب اگر لفظ نہیں تو معناً حقیقتاً خود قرآن عظیم کی تجویز کردہ چیز ہے۔ جس ذات مقدس پر قرآن نازل ہوا تھا، اس کی آنکھوں کے سامنے خواتین اسلام نے اس چیز کو گھر سے باہر جاتے ہوئے پہنے جانے والے لباس کا جزو بنالیا تھا اور اس زمانہ میں بھی اس چیز کا نام ”نقاب“ ہی تھا!

حجاب صرف ایک کپڑے کو بطور لباس استعمال کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا اہم ترین پہلو انسانی رویے، طرز عمل، گفتگو اور عام معاشرے میں چلنے پھرنے سے ہے جبکہ انسان کا لباس اس کی تل شخصیت کا ایک پہلو ہے!

چہرے کا پردہ:

سورہ الاحزاب (۵۹:۳۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۖ

اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پٹو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔“

اس آیت سے بالخصوص چہرے کے پردے کے حکم کا پتہ چلتا ہے۔ یہ پردہ، اپنے جسم پر بڑی چادر کو چہرے کے سامنے (گھونگھٹ کی شکل میں) ڈال لینے سے یا چہرے پر نقاب کی صورت میں یا کسی اور دوسری مناسب صورت کے اختیار کرنے سے پورا ہو جاتا ہے۔ اس قرآنی

آیت کا منشاء یہ ہے کہ مسلمان خواتین اس طرح باپردہ ہو کر باہر نکلیں کہ انھیں ایک باعزت اور شریف عورت سمجھا جائے اور اسے کسی صورت اس عورت کی طرح نہیں ہونا چاہیے جو عریاں لباس میں باہر نکلے اور یوں کوئی بھی شخص ایک باپردہ مسلمان خاتون کی عصمت و عفت و دانداری کے لئے کا خیال بھی دل میں نہ لاسکے۔

قرآن کے تمام مفسرین نے اس آیت کے یہی معنی اور تشریح بیان کی ہیں۔ سید دودوی اس کی تشریح میں یوں رقمطراز ہیں کہ ”ابن سیرین“ نے ابو عبیدۃ السعمانی سے اس آیت کا مطلب پوچھا۔ انھوں نے جواب میں کچھ کہنے کی بجائے اپنی چادر اٹھائی اور اسے اس طرح اڑھا کہ پورا سر اور پیشانی اور پورا منہ ڈھانک کر صرف ایک آنکھ کھلی رکھی۔“

ان اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک دور سے لے کر آٹھویں صدی تک ہر زمانے میں اس آیت کا ایک ہی مفہوم سمجھا گیا ہے اور وہ مفہوم وہی ہے جو اس کے الفاظ سے ہم نے سمجھا ہے۔ اس کے بعد احادیث کی طرف رجوع کیجیے تو وہاں بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد عہد نبوی میں عام طور پر مسلمان عورتیں اپنے چہروں پر نقاب ڈالنے لگی تھیں اور کھلے چہروں کے ساتھ پھرنے کا رواج بند ہو گیا تھا۔ ابوداؤد، ترمذی، موطا اور دوسری کتب احادیث میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو حالت احرام میں چہروں پر نقاب ڈالنے اور دستاں پہننے سے منع فرمایا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد مبارک میں چہروں کو چھپانے کے لیے نقاب اور ہاتھوں کو چھپانے کے لیے دستانوں کا رواج عام ہو چکا تھا۔ صرف احرام کی حالت میں اس سے منع کیا گیا تھا مگر اس سے یہ مقصد نہیں تھا کہ حج میں چہرے منظر عام پر پیش کیے جائیں بلکہ دراصل مقصد یہ تھا کہ احرام کی فقیرانہ وضع میں نقاب عورت کے لباس کا جزو نہ ہو جس طرح عام طور پر ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسری احادیث میں تصریح کی گئی ہے کہ حالت احرام میں بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور عام خواتین اسلام نقاب کے بغیر اپنے چہروں کو اجانب سے چھپاتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”سوار ہمارے قریب سے زرت تھے اور ہم عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حالت احرام میں ہوتی تھیں۔ پس جب وہ لوگ ہمارے سامنے آ جاتے تو ہم اپنی چادریں اپنے سروں کی طرف سے اپنے چہروں پر لے لیتیں

اور جب گزر جاتے تو منہ کھول لیتی تھیں۔“

سید مودودی مزید رقمطراز ہیں کہ ”یہ کہنا صحیح نہیں کہ پردے کی موجودہ شکل، ظہور اسلام سے پہلے کے معاشرے کی ایک رسم تھی جسے حضور ﷺ کے بعد، مسلمانوں نے اختیار کر لیا۔ تاریخ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ چونکہ ایک انسان کو دوسرے انسان کی جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ اس کا چہرہ ہی تو ہے۔ صنفی تحریک (Sex appeal) میں جسم کی ساری زینتوں سے زیادہ اس فطری زینت کا حصہ ہے جو اللہ نے چہرے کی ساخت میں رکھی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے چھپانے کا حکم دیا ہے۔ تاہم اسلام کوئی غیر معتدل اور یکطرفہ قانون نہیں ہے۔ وہ ایب طرف اخلاقی مصالح کا لحاظ کرتا ہے تو دوسری طرف انسان کی حقیقی ضرورتوں کا بھی لحاظ کرتا ہے اور دونوں کے درمیان اس نے غایت درجہ کا تناسب اور توازن قائم کیا ہے۔ وہ اخلاقی فتنوں کا سد باب بھی کرنا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ کسی انسان پر ایسی پابندیاں بھی عاید کرنا نہیں چاہتا جن کے باعث وہ اپنی حقیقی ضروریات کو پورا نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے عورت کے لیے چہرے اور نقاب کے بارے میں ویسے قطعی احکامات نہیں دیئے جیسے ستر پوشی اور اخفائے زینت کے باب میں دیئے ہیں۔ کیونکہ ستر پوشی اور اخفائے زینت سے ضروریات زندگی کو پورا کرنے میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا مگر چہرے اور ہاتھوں کو دائماً چھپائے رکھنے سے عورتوں کو اپنے روزمرہ کے امور میں سخت مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔ پس عورتوں کے لیے عام قاعدہ یہ متاثر کیا گیا کہ چہرے پر نقاب یا گھونگھٹ ڈالے رہیں اور اس قاعدہ میں ”الا ما ظہر منها“ کے استثناء سے یہ بہ آسانی پیدا کر دی کہ اگر حقیقت میں چہرہ کھولنے کی ضرورت پیش آ جائے تو وہ اس کو تسلیم کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ نمائش حسن مقصود نہ ہو بلکہ رفع ضرورت مد نظر ہو۔ پھر دوسری جانب مردوں کو غضبصر کا حکم دیا گیا تاکہ اگر کوئی عفت مآب عورت اپنی حاجات کے لیے چہرہ کھوے تو وہ اپنی نظریں نیچی کر لیں اور بے ہودگی کے ساتھ اس کو گھورنے سے باز رہیں۔“ (سید مودودی)

پس یہ اخذ کیا جاسکتا کہ اسلامی پردہ (نقاب) کوئی جاہلیت کی رسم یا پسماندگی کی علامت نہیں ہے بلکہ یہ ایک عقلی اور منطقی تقاضا ہے۔ ایک مسلمان عورت جو اپنے سر کو ڈھانپتی ہے وہ

زبان حال سے اپنے تشخص کا اظہار کرتی ہے۔ کوئی شخص اسے دیکھ کر بہ آسانی جان سکتا ہے کہ وہ ایک مسلمان عورت ہے اور ایک مضبوط کردار کی مالک، بیشتر مسلمان خواتین جو پردہ کرتی ہیں، وہ عزت نفس اور اپنی عظمت کے جذبات سے سرشار ہوتی ہیں اور وہ ایک مسلم خاتون کی حیثیت سے پہچانے جانے پر خوش اور مطمئن ہوتی ہیں۔ ایک باعزت، سادہ اور پاکباز عورت کی حیثیت سے وہ اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ اس کی جنسیت میں کوئی دوسرا شخص مداخلت کرنے کی جرأت کرے چاہے اس کا عمل کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ ایک ایسی عورت جو اپنے آپ کو پردے میں رکھتی ہے اپنی جنسیت کو چھپا کر رکھتی ہے تاہم بیک وقت اپنے صنف نازک ہونے کے فخر کا اظہار بھی کرتی ہے۔

مسلمان مرد اور عورت کے حجاب کے ضمن میں اس عزم صمیم کی بنا پر کہ وہ دنیا کے تمام خطوں میں اسلامی تہذیب اور نظام کے احیا کے لیے کوشاں ہیں، پڑھی لکھی مسلمان خواتین (حتیٰ غیر مسلم بھی) اسلام کے اس سائر لباس اور پردہ کو پسند کرتی ہیں۔ کچھ ایسی خواتین جو پہلے ”عورتوں کی آزادی“ کی علمبردار تھیں اور حجاب و شرم و حیا کی مخالفت میں سرگرم عمل تھیں انھوں نے بھی اپنی سابقہ رائے اور موقف سے رجوع کر لیا ہے اور وہ عورتوں کی جسمانی آرائش و زیبائش کے اظہار اور مردوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط کی مخالفت کرنے لگی ہیں۔ اسی قسم کی ایک خاتون، اکثر نو وال السداوی (Dr. Nowell Alsadawi) جو ایک طویل عرصے تک پردے کی مخالفت میں سرگرم عمل رہیں اور عورتوں کے پردہ کی مخالفت کرتے ہوئے انھیں پردہ ترک کرنے کا شورہ دیا کرتی تھیں، اب اس بے حیائی اور عریانی کی مذمت کرتی ہیں جو مغرب کی عورت میں پائی جاتی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں کہ ”لندن کے بازاروں اور گلیوں میں جب میں عورتوں کو نیم ساریاں لباس میں (جس کے ذریعے وہ اپنے جسم کی نمائش ایک قابل فروخت شے کی طرح کرتی ہیں) دیکھتی ہوں تو مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔ انسانی زندگی میں لباس کا ایک اہم مقصد جسم کو ندرتی ماحول کی سختیوں سے بچانا ہے نہ کہ لوگوں کو دعوتِ نظارہ دینا۔ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو ایک انسان سمجھتی ہے اور وہ اپنے جسم اور ذات کو ایک قابل فروخت شے نہیں سمجھتی تو اسے اپنے جسم کی عریاں حالت میں نمائش نہیں کرنی چاہیے۔“

اس مرکو آغاز ہی میں سمجھ لینا چاہیے کہ جب اسلام کسی چیز کی ممانعت کرتا ہے تو وہ ساتھ ہی ساتھ اس تک پہنچنے والے تمام راستوں اور دروازوں کو بھی بند کرتا ہے۔ یہ مقصد ہر اس چیز سے اجتناب برتنے سے حاصل ہوتا ہے جو حرام یا ممنوع چیزوں کی طرف لے جاتی ہیں۔ پس ہر وہ چیز جو انسانی جذبات کو بھڑکانے والی ہو یا مرد اور عورت کے درمیان ناجائز جنسی تعلقات کا دروازہ کھولنے والی ہو اور جس کی وجہ سے عریانیت اور بے حیائی کو فروغ حاصل ہوتا ہو، وہ سب حرام قرار دی گئی ہیں۔ ذیل کے صفحات میں ہم ان اسلامی احکامات کا مطالعہ کریں گے جو ان موضوعات سے متعلق ہیں۔

◀ شرم و حیا:

انگریزی کا لفظ Shyness، اسلامی اصطلاح حیا کے صحیح مفہوم کو واضح نہیں کرتا۔ اسلامی نقطہ نظر سے حیا ایک ایسا روحانی، حفاظتی عمل ہے جو ایک فرد کو گناہ اور اس پر اکسانے والے عمل سے روکتا ہے۔ حیا کا مطلب صرف ”شرمانا“ ہی نہیں یا Introvert ہونا نہیں جیسا کہ کچھ لوگ خیال کرتے ہیں۔ (Omar Hassan Kasule, 1999)

حیا، ایمان کا جزو ہے۔ یہ ایک اسلامی قدر ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کا وصف۔ قرآن کریم نے بالتفصیل حضرت شعیب کی بیٹیوں کا ذکر کیا ہے جب ان کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی (سورہ القصص ۲۸: ۲۵) اور یہ امر ایک مسلمان عورت کے لیے بطور مثال ہونا چاہیے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ ایک کنواری لڑکی کی طرح باحیا تھے۔

◀ تخلیہ (خلوت):

تخلیہ یا خلوت کا مطلب کسی مرد یا عورت کا کسی تنہا جگہ میں اکٹھے ہونا ہے جہاں کسی دوسرے شخص کی مداخلت کا کوئی ڈر یا خدشہ نہ ہو۔ ایسی حالت میں اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ کوئی جنسی فعل جیسے لمس، بوسہ بازی یا ان دونوں میں مباشرت کا عمل واقع ہو جائے۔ جب کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو شیطان ان کے درمیان آجاتا ہے۔ اسلام نے ایسے مرد اور عورت کے درمیان تخلیہ کو منع کیا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ محرم کا تعلق نہیں رکھتے

(مسلم، بخاری)

ایک عورت کے لیے اس کا خاوند یا دیگر مرد رشتے دار جن سے اس کی شادی مستقلاً حرام ہے (باپ، بھائی، بیٹا) محرم کے رشتے میں آتے ہیں۔ سورہ الاحزاب میں (۵۳:۳۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ﴾

”نبی ﷺ کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔“

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے سید مودودی لکھتے ہیں ”یہی آیت ہے جس کو آیت حجاب کہا جاتا ہے۔ اس کی رو سے یہ حکم دیا گیا کہ محرم مردوں کے سوا (جیسا کہ اگلی آیت ۵۵ میں ذکر ہوا) کوئی مرد حضور ﷺ کے گھر میں نہ آئے اور جس کو بھی خواتین سے کوئی کام ہو وہ پردے کے پیچھے سے بات کرے۔

ایک مسلمان کو کسی ایسی جگہ رہنے سے گریز کرنا چاہیے جہاں صنف مخالف موجود ہو۔ ایسی تنہائی کی جگہ پر ان کے ساتھ تیسرا فریق شیطان ہوتا ہے جو دونوں کو برائی پر اکساتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَخْلُوا بِأَمْرَةِ لَا تَخْلُ لَهُ ، فَإِنْ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانُ إِلَّا مُحَرَّم))

”کسی آدمی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہے جو کہ اس کے لیے شرماً جائز نہیں، وہاں شیطان ایک تیسری پارٹی کی حیثیت سے موجود ہوتا ہے۔“

حضور ﷺ نے بالخصوص عورتوں کو اپنے سرالی رشتے داروں مثلاً دیور، جیٹھ وغیرہ کے ساتھ تنہائی میں رہنے سے منع فرمایا۔ کیونکہ بالعموم لوگ ان کے بارے میں زیادہ متفکر و حس نہیں ہوتے جس کے بعض اوقات بہت خطرناک نتائج نکل سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((إِيَّاكُمْ وَالذَّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ))

”اس جگہ داخل ہونے سے پرہیز کرو جہاں عورتیں ہوں۔“

کسی انصاری نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ، سسرالی رشتے داروں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا:

((أَفْرَأَيْتَ الْحَمُو - حَمُو الْمَوْتِ))

”دیور/ جیٹھ تو موت ہیں۔“

(سورۃ الاحزاب ۳۳: ۳۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لَسْتَ مِنْ الْبَنَاتِ فَكَلِمَتُ الْمَرْءِ لَكَ وَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ۚ وَمَنْ يَدْعُ إِلَى الْفِتْنِ فَإِنَّهُ لَا يَأْتِ الْبِرَّ وَلَا يَقْبَلُ اللَّهُ شَيْئًا مِنْهُ ۚ ذَٰلِكُمْ جَزَاءُ الْفَٰسِقِیْنَ ۚ﴾
 ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لَسْتَ مِنْ الْبَنَاتِ فَكَلِمَتُ الْمَرْءِ لَكَ وَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ۚ وَمَنْ يَدْعُ إِلَى الْفِتْنِ فَإِنَّهُ لَا يَأْتِ الْبِرَّ وَلَا يَقْبَلُ اللَّهُ شَيْئًا مِنْهُ ۚ ذَٰلِكُمْ جَزَاءُ الْفَٰسِقِیْنَ ۚ﴾

”نبی ﷺ کی بیویو، تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے، بلکہ صاف سیدھی بات کیا کرو۔ اپنے گھروں میں تک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی جج دھج نہ دکھاتی پھرو۔“

شریعت کا قانون، عورت اور مرد کے بلا ضرورت اختلاط کو منع کرتا ہے کیونکہ عورتوں اور مردوں کے ایک جگہ پر اکٹھے ہونے کی صورت میں دونوں صنفوں کے درمیان فطری کشش کی وجہ سے وہ غلط روی کا شکار ہو سکتے ہیں تاہم اگر کسی معاشرتی ضرورت کے تحت مردوں اور عورتوں کا اختلاط ناگزیر ہو یا اگر کسی نے کوئی بات عورت سے معلوم کرنی ہو تو اس کے لیے شریعت نے چند ہدایات دی ہیں جن پر عمل کر کے عورت اور مرد باہمی بات چیت کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں اہم ترین ہدایت یہ ہے کہ عورت اور مرد سنجیدگی سے بات کریں نہ کہ گپ بازی میں مشغول ہوں کیونکہ اس طرح وہ کسی فتنے میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ جس جگہ عورت اور مرد باہم گفتگو کر رہے ہوں، وہاں ماحول کا سنجیدہ اور باوقار ہونا ضروری ہے۔ اس ضمن میں ہم پہلے ہی اس باوقار رویے کی جانب اشارہ کر چکے ہیں جس کے ساتھ شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں نے اپنے والد کے کہنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات کی تھی تاکہ ان کے والد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے جانوروں کو پانی پلانے

کا معاوضہ دے گئیں۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَجَاءَ تَهُ إِحْدِيهُمَا تَسْئِلُ عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا﴾ (سورہ القصص ۲۸: ۲۵)

”ان دونوں عورتوں میں سے ایک شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس (حضرت موسیٰ) کے پاس آئی اور کہنے لگی: ”میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے لیے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کا اجر آپ کو دیں۔“

درج بالا امور کے علاوہ، چند دیگر احکامات بھی ہیں جن کا جاننا بہت ضروری ہے، عورتوں اور مردوں کے تنہائی میں بات چیت کرنے کے بارے میں احکام دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۝﴾ (النور: ۲۴: ۲۷ تا ۲۹)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں سے اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو، یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے، توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ، یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اسے خوب جانتا ہے، البتہ تمہارے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جو کسی کے رہنے کی جگہ نہ ہوں اور

جن میں تمھارے فائدے (یا کام) کی کوئی چیز ہو، تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو، سب کی اللہ کو خبر ہے۔“

ان آیات کی تشریح میں سید مودودی رقمطراز ہیں کہ ”جاہلیت میں اہل عرب کا طریقہ یہ تھا کہ ۱۰ حیتیم صباحاً، حیتیم مساءً (صبح بخیر، شام بخیر) کہتے ہوئے بلا تکلف ایک دوسرے کے گھر میں گھس جاتے تھے اور بسا اوقات گھر والوں پر اور ان کی عورتوں پر نادیدنی حالت میں نگاہیں پڑ جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح کے لیے یہ اصول مقرر کیا کہ ہر شخص کو اپنے رہنے کی جگہ پر تخلیے (Privacy) کا حق حاصل ہے اور کسی دوسرے شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے تخلیے میں اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر خلل انداز ہو۔ اس حکم کے نازل ہونے پر حضور ﷺ نے جو آداب اور قواعد جاری فرمائے انھیں ہم ذیل میں نمبر وار بیان کرتے ہیں۔“

۱۱ حضور ﷺ نے تخلیے کے اس حق کو صرف گھروں میں داخل ہونے تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ایک عام حق قرار دیا جس کی رو سے دوسرے کے گھر میں جھانکنا، باہر سے نگاہ ڈالنا، حتیٰ کہ دوسرے کا خط اس کی اجازت کے بغیر پڑھنا بھی ممنوع ہے۔ حضور ﷺ کا اپنا قاعدہ یہ تھا کہ جب کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو دروازے کے عین سامنے کھڑے نہ ہوتے کیونکہ اس زمانے میں گھروں کے دروازوں پر پردے نہیں لٹکائے جاتے تھے۔ آپ ﷺ دروازے کے دائیں یا بائیں کھڑے ہو کر اجازت طلب فرمایا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

۱۲ اجازت لینے کا حکم صرف دوسروں کے گھر جانے کی صورت میں ہی نہیں بلکہ خود اپنی ماں بہنوں کے پاس جانے کی صورت میں بھی ہے۔ ایک شخص نے حضور ﷺ نے پوچھا کیا میں اپنی ماں کے پاس جاتے وقت بھی اجازت طلب کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا میرے سوا ان کی خدمت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے، کیا ہر بار جب ان کے پاس جاؤں تو اجازت مانگوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، کیا تو پسند کرتا ہے کہ اپنی ماں کو برہنہ دیکھے؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اپنے گھر میں اپنی بیوی کے پاس جاتے

ہوئے بھی آدمی کو کم از کم کھگارنا چاہیے۔ (ابن جریر)

« اجازت طلب کرنے کے حکم سے استثناء صرف اس صورت میں ہے کہ کسی کے گھر پر اچانک کوئی مصیبت آ جائے مثلاً آگ لگ جائے، کوئی چور گھس آئے، ایسے موقع پر مدد کے لیے بلا اجازت جاسکتے ہیں۔

« اول اول جب استیذان کا قاعدہ مقرر کیا گیا تو لوگ اس کے آداب سے واقف نہ تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازے پر سے پکارنے لگا کہ کیا میں گھس آؤں؟ حضور ﷺ نے اپنی لونڈی روضہ سے فرمایا یہ شخص اجازت مانگتا کا طریقہ نہیں جانتا۔ ذرا اٹھ کر اسے بتاؤ کہ یوں کہنا چاہیے، السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ (ابن جریر، ابوداؤد)۔ اجازت لینے کے لیے حضور ﷺ نے زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ پکارنے کی حد مقرر کر دی اور فرمایا اگر تیسری مرتبہ پکارنے پر بھی جواب نہ آئے تو واپس چلے جاؤ۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

« اسی طرح، اللہ کریم نے تخلیے کے لیے دن رات میں تین اوقات مقرر کر دیئے جن میں گھر کے افراد (بچے یا غلام/نوکر چاکر) کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ ان اوقات میں اجازت لے کر کسی (ماں/باپ) کے کمرے میں داخل ہوں۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَھُنَّ طَوَافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَإِذَا بَلَغَ الْإِنْفُاقُ مِنْكُمْ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ ط كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝﴾

(سورہ النور: ۲۴، ۵۸، ۵۹)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، لازم ہے کہ تمہارے مملوک اور تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں، تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں صبح کی نماز سے پہلے، اور دوپہر کو جب کہ تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو، اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے لیے پردے کے وقت ہیں۔ ان کے بعد وہ بلا اجازت آئیں تو نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر، تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنے ارشادات کی توضیح کرتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے اور جب تمہارے بچے عقل کی حد کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ وہ اس طرح اجازت لے کر آیا کریں جس طرح ان کے بڑے اجازت لیتے رہے ہیں۔ اس طرح اللہ اپنی آیات تمہارے لیے سامنے کھولتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔“

ان آیات میں ایک لفظ عورات/عورة کا استعمال ہوا ہے۔ جس کے لغوی معنی ”خطرے اور تکلیف کی جگہ“ کے ہیں۔ اس کے دوسرے معنی جسم کے کسی پوشیدہ حصے/عضو کے بھی ہیں جسے کوئی شخص کسی کے سامنے کھولنے سے احتراز کرتا ہے کہ وہ ایسی چیز ہوتی ہے جو بہت زیادہ محفوظ نہیں ہوتی۔ اُس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ عریاں جسم اور ننگے پن کا اطلاق بچوں کی عمر کے ساتویں سال سے شروع ہوتا ہے۔ اس لیے لڑکے اور لڑکیوں (بھائی/بہن) کو اس عمر کے بعد ایک بستر پر نہیں سونا چاہیے۔ مزید برآں اس کا اطلاق ”حمام“ پر بھی ہوتا ہے جہاں لوگ کسی ایک جگہ پر نہایا کرتے ہیں کیونکہ وہاں کسی شخص کے لیے اپنے ”عورة“ کو چھپانے کا بندوبست نہیں ہوتا (جیسا کہ امریکہ اور یورپ کے بہت سے ممالک کی یونیورسٹیوں میں ہوتا ہے جہاں لڑکے/لڑکیاں کھلے غسل خانوں میں اس طرح نہاتے ہیں کہ ایک دوسرے کا ننگا جسم بہ آسانی دیکھا جاسکتا ہے)۔ اسی طرح اس قسم کے کپڑے یا ملبوسات جن کے پہننے کے بعد جلد کی رنگت نمایاں ہو جاتی ہو، وہ بھی منع ہیں۔ تاہم پردے کے احکامات کا اطلاق بوڑھی اور عمر رسیدہ عورتوں پر نہیں ہوتا۔

صنف مخالف کے کسی فرد کو دیکھنے کی بھی ممانعت ہے کیونکہ آنکھ جسی ظلم سہل رکھتا ہے اور دیکھنے کے نتیجے میں انسان میں جنسی خواہش پیدا ہوتی ہے جو بلا اخلاق منہج ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مومن مرد اور عورتوں کو یکساں طور پر حکم دیا کہ دوسری نظریں نیچی رکھیں بشمول اپنے جنسی اعضاء کی حفاظت کے۔ سورہ النور (۲۴: ۳۰-۳۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوْ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولَى الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنَ زِينَتِهِنَّ ۝﴾

”اے نبی ﷺ، مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اُس سے باخبر رہتا ہے اور اے نبی ﷺ مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آئچل ڈالے رہیں۔ وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے (یعنی) شوہر، باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنے میل جول کی عورتیں، اپنے مملوک، وہ زیر دست مرد جو

کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے بھی واقف نہ ہوئے ہوں، وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔“

ان آیات میں متعدد احکامات دیے گئے ہیں جن میں سے دو کا تعلق عورت اور مرد دونوں اصناف سے ہے یعنی اپنی نظروں کو نیچا رکھنا (غض بصر) اور جنسی اعضاء کی حفاظت جبکہ دیگر تمام احکامات کا تعلق صرف عورتوں سے ہے۔

سید مودودی ”غض بصر“ کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں کہ:

”غض کے معنی ہیں کسی چیز کو کم کرنے، گھٹانے اور پست کرنے کے۔ غض بصر کا ترجمہ عام طور پر نگاہ نیچی کرنا یا رکھنا کیا جاتا ہے۔ جس سیاق و سباق میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اس سے معلوم ہوتا کہ یہ مردوں کا عورتوں کو دیکھنا، یا دوسرے لوگوں کے ستر پر نظر ڈالنا یا فحش مناظر پر نگاہ ڈالنا ہے۔“ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”اے علی! ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا۔ پہلی نظر تو معاف ہے مگر دوسری معاف نہیں۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

سید مودودی مزید رقمطراز ہیں کہ ”یہ حکم جس طرح مردوں کے لیے ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہے۔ چنانچہ حدیث میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا (دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) حضور ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں۔ اتنے میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے جو نابینا تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان سے پردہ کرو۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، کیا یہ نابینا نہیں؟ نہ وہ ہم کو دیکھیں گے“ نہ ہمیں پہچانیں گے۔ حضور ﷺ نے جواب دیا، کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم انھیں نہیں دیکھتی ہو؟ (ترمذی)

مگر عورت کے مردوں کو دیکھنے اور مرد کے عورتوں کو دیکھنے میں نفسیاتی اعتبار سے ایک نازک فرق ہے۔ مرد کی فطرت میں اقدام ہے، کسی چیز کو پسند کرنے کے بعد وہ اس کے حصول کی کئی میں پیش قدمی کرتا ہے مگر عورت کی فطرت میں شرم و حیا (قناعت/ صبر) اور فرار ہے جب

تک کہ اس کی فطرت بالکل ہی مسخ نہ ہو جائے وہ کبھی اس قدر دراز دست اور جری اور بے باک نہیں ہو سکتی کہ کسی کو پسند کرنے کے بعد اس کی طرف پیش قدمی کرے۔ شارع نے اس فرق و ملحوظ رکھ کر عورتوں کے لیے غیر مردوں کو دیکھنے کے معاملے میں وہ سختی نہیں کی ہے جو مردوں کے لیے غیر عورتوں کو دیکھنے کے معاملے میں کی ہے۔ چنانچہ احادیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت مشہور ہے کہ حضور ﷺ نے عید کے موقع پر ان کو جھٹیوں کا تماشا دکھایا تھا۔

(بخاری، مسلم، نسائی، مسند احمد)

اگرچہ شادی سے قبل کسی عورت کو دیکھنا (اس عودت کے ساتھ شادی کرنے کی نیت سے) نہ صرف جائز ہے بلکہ شریعت میں اس کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا اور کہا کہ وہ انصار کی کسی عورت سے شادی کا خواہش مند ہے۔ حضور ﷺ نے استفسار فرمایا ”کہ کیا تم نے اس عورت کو دیکھ لیا ہے؟“ اس شخص نے نفی میں جواب دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسے ایک نظر دیکھو کیونکہ انصار (کی عورتوں) میں بالعموم آنکھوں میں کوئی نقص (بھیگا پن) پایا جاتا ہے۔“ (مسلم)

۴۴ ستر:

درج بالا آیات (سورہ النور ۲۴: ۳۰-۳۱) میں مومن مردوں اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے جنسی اعضاء کی حفاظت کریں۔ اس آیت میں ایک اہم اصطلاح ”عریانیت یا ننگے پن“ کی استعمال ہوئی ہے جس کے معنی جنسی اعضاء کے ہیں۔ اس لفظ کی اصل ”عار“ ہے جس کے معنی ”شرم“ کے ہیں کیونکہ کسی شخص کے سامنے اپنے جنسی اعضاء کو کھولنا/دیکھنا ایک شرمناک فعل ہے۔ ایک حدیث کے مطابق ”ایک عورت کو کسی دوسری عورت کے جنسی اعضاء پر نظر نہیں ڈالنی چاہیے، اسی طرح ایک مرد کو کسی دوسرے مرد کے جنسی اعضاء کو نہیں دیکھنا چاہیے“ اہل علم نے مرد و عورت کے ننگے پن/عریانیت کو درج ذیل چار اقسام میں تقسیم کیا ہے:

۴۴ ایک مرد کا دوسرے مرد کے سامنے عریاں ہونا۔

۴۴ ایک عورت کا دوسری عورت کے سامنے عریاں ہونا۔

۴۴ ایک مرد کا کسی عورت کے سامنے عریاں ہونا۔

۴۵ ایک عورت کا کسی مرد کے سامنے عریاں ہونا۔

ایک مرد کے لیے ”ستر“ کی حدود ناف سے لے کر گھٹنے تک کا جسم کا حصہ ہے اور اس امر کی ممانعت ہے کہ ان حصوں کو کسی دوسرے (مرد/عورت) کے سامنے بلاوجہ کھولا جائے ماسوا اپنی بیوی کے۔ ایک حدیث کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا ”اپنے ہر شخص سے ستر کی حفاظت کرو سوائے اپنی بیوی اور لونڈی کے۔“ سوال کرنے والے نے پوچھا ”کیا حالت تنہائی میں بھی؟“ حضور ﷺ نے فرمایا ”ہاں، جب تم بالکل بھی اکیلے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ حق ہے کہ تم اللہ سے شرم و حیا کا مظاہرہ کرو۔“ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

کسی مرد کے لیے ایک عورت کا ستر اس کا تمام جسم ہے سوائے ہاتھ یا چہرے کے۔ ستر کا کسی شخص کے سامنے کھولنا منع ہے چاہے وہ باپ، یا بھائی ہی کیوں نہ ہو سوائے خاوند کے۔ عورتوں کو اس قسم کا باریک اور تنگ و چست لباس بھی نہیں پہننا چاہیے جس سے بدن کے دیگر اعضا کی جھلک دکھائی دے یا جلد کی رنگت نظر آئے۔ ایک حدیث کے مطابق جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ان کی ہمشیرہ (حضرت اسماء رضی اللہ عنہا) حضور ﷺ کے سامنے آئیں جبکہ انھوں نے ایک باریک لباس پہنا ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے فوراً اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اور فرمایا ”اے اسماء جب ایک عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لیے یہ امر منع ہے کہ اس نے جسم کا کوئی حصہ کسی دوسرے شخص کو نظر آئے سوائے ہاتھ اور چہرے کے۔“

اس ضمن میں صرف ایک اجازت یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے جسم کا کوئی حصہ صرف اس حد تک کھلتے دار (باپ/بھائی) کے سامنے کھول سکتی ہے جس کا کھولنا اس کے گھریلو کام کاج کے سلسلے میں ضروری ہو۔

درج بالا آیات میں مزید ایک استثناء جو زینت اور آرائش کے اظہار سے متعلق ہے جو ایک بہت مختلف محرم رشتے داروں کے سامنے کر سکتی ہے بشمول ان غلاموں اور ماتحت زیر دست نوکروں کے جن کے اندر کسی قسم کے جنسی جذبات کے بھڑکنے کا امکان نہ ہو اور جنہیں عورت کے جنسی امور کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہوں۔ اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ ایک عورت

صرف دو صورتوں میں اپنی زینت کا اظہار کسی مرد کے سامنے کر سکتی ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ وہ مرد ان کا زیر دست ہو اور دوسری صورت یہ کہ وہ ہر قسم کے جنسی خیالات و جذبات سے عاری ہو یعنی بڑھاپے کی وجہ سے، بانجھ پن، غربت، ذہنی اختلال یا کمزوری یا معاشی معاشرتی طور پر بہت معمولی حیثیت کا حامل ہوتا کہ اس میں کسی قسم کے جنسی جذبات بیدار نہ ہو سکتے ہوں یعنی وہ اپنے مالک یا بیوی/بہن/بٹی کے بارے میں کسی قسم کے غلط خیالات کو رو بہ عمل لانے کی جرأت نہ کر سکے۔

◀ زینت و آرائش کی نمائش:

غض بصر کے حکم کا اطلاق عورت اور مرد دونوں پر یکساں ہوتا ہے۔ تاہم عورتوں کے لیے چند مزید ہدایات بھی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی ہدایت یہ ہے کہ وہ اپنی زینت و آرائش کا ایک حد سے زیادہ کسی کے سامنے مظاہرہ نہ کریں۔ (مودودی)

ایک عورت کو جسے اپنے مخصوص حالات کے تحت باہر نکلنا پڑتا ہے (کسی معاشی ضرورت کے لیے) مختلف حالات میں اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کھولنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اس قسم کی عورتوں کو اس امر کی اجازت ہے کہ جب کوئی ایسی ضرورت درپیش ہو تو وہ ایسا کر سکتی ہیں۔ اس کے برعکس، جن عورتوں کے حالات ایسے نہیں، انھیں اس امر کی اجازت نہیں کہ وہ جان بوجھ کر، بلا ضرورت اپنی زینت کا اظہار کریں۔ پس شارع کا حکم یہ ہے کہ کسی عورت کے لیے کسی دوسرے کے سامنے اپنے حسن و زیبائش کا مظاہرہ کرنا منع ہے۔ تاہم کسی ایسی چیز کا اظہار جو انسانی استطاعت سے باہر ہو، گناہ نہیں۔

سورہ نور کی مذکورہ بالا آیات مبارکہ سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں ”اپنے چہرہ کو پردے سے ڈھانپ لو“ اس کی تشریح میں سید مودودی یوں رقمطراز ہیں: ”زمانہ جاہلیت میں عورتیں سروں پر ایک طرح کے کساوے سے باندھے رکھتی تھیں جن کی گرہ جوڑے کی طرح پیچھے چوٹی پر لگائی جاتی تھی۔ سامنے گریبان کا ایک حصہ کھلا رہتا تھا جس سے گلا اور سینے کا بالائی حصہ صاف نمایاں ہوتا تھا۔ چھاتیوں پر قمیص کے سوا اور کوئی چیز نہ ہوتی تھی اور پیچھے دو دو تین تین چوٹیاں لہراتی رہتی تھیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد مسلمان عورتوں میں دوپٹے کو رواج دیا گیا جس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ آج کل کی صاحبزادیوں کی طرح بس اسے بل دے کر گلے کا بار بنالیا

بائے بلکہ یہ تھا کہ اسے اوڑھ کر سر، کمر، سینہ سب اچھی طرح ڈھانک لیے جائیں۔ اہل ایمان خواتین نے قرآن کا یہ حکم سنتے ہی فوراً جس طرح اس کی تعمیل کی، اس کی تعریف کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورہ نور نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے اس کو سن کر لوگ اپنے گھروں کی طرف پلٹے اور جا کر انھوں نے اپنی بیویوں، بیٹیوں اور بہنوں کو اس کی آیات سنائیں۔ انصار کی عورتوں میں سے کوئی عورت ایسی نہ تھی جو آیت کے یہ الفاظ سن کر اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی ہو۔ ہر ایک انھی اور کسی نے اپنا کمر پٹہ کھول کر اور کسی نے چادر اٹھا کر فوراً اس کا دھوپہ بنایا اور اوڑھ لیا۔ دوسرے روز صبح کی نماز کے وقت جتنی عورتیں مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوئیں۔ سب دوپٹے اوڑھے ہوئے تھیں۔ اس سلسلے کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید تفصیل بیان کرتی ہیں کہ عورتوں نے باریک کپڑے چھوڑ کر اپنے جھوٹے مونے کپڑے چھاننے اور ان کے دوپٹے بنائے۔“

تاہم زینت و آرائش کے اظہار کے ضمن میں شارع نے عورتوں کو نہ صرف اجازت دی ہے کہ وہ مناسب انداز میں میک اپ کر سکیں بلکہ انھیں اس امر کی ہدایت بھی کی ہے کہ ایسا کریں (اپنے خاوند کی تسکین نظر کے لیے) لیکن اس میں ہر قسم کی تصنع اور بناوٹ سے گریز کریں۔ زیبائش، آرائش کی ان مختلف اقسام میں جو عرب عورتوں میں اس زمانے میں رائج تھیں، شارع نے درج ذیل طریقے اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے اور انھیں معاشرے کے لیے نقصان دہ بتایا ہے۔

«اپنے سر کے بالوں میں کسی دوسری عورت/ جانور کے بالوں کا اضافہ کرنا تاکہ وہ لمبے اور گنے محسوس ہوں۔»

«جسم کے مختلف حصوں کو گودنا اور مصنوعی تل بنانا۔»

«بھنڈوں کے بالوں کو نوچنا تاکہ انھیں کوئی مخصوص شکل دی جاسکے یا چہرے کے بالوں کو نوچنا تاکہ چہرہ تروتازہ نظر آئے۔»

«دانتوں کو گرگڑا تاکہ وہ تیز اور چمکدار دکھائی دیں یا ان کے درمیان خلا پیدا کرنا۔»

«چہرے پر ایسی ادویات یا اشیاء کا استعمال جس سے مصنوعی تروتازگی کا اثر ہو۔»

عام طور پر پردے کے ضمن میں ایک سوال پوچھا جاتا ہے کہ جب کوئی عورت تعلیم کے حصول کے لیے گھر سے باہر جاتی ہے یا اشاعت دین اور دیگر سماجی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لیے گھر سے باہر نکلتی ہے تو اسلام، عورت کو ان جائز مقاصد کے بارے میں کیا ہدایات دیتا ہے؟ ذیل کے صفحات میں ہم ان موضوعات پر اسلامی نقطہ نظر سے گفتگو کریں گے۔

« اشاعت و تعلیم دین کا حصول:

اگرچہ شرعاً، عورتوں کو باجماعت نماز جمعہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، تاہم انھیں جمعہ کی نماز میں شرکت کی اجازت ہے تاکہ دین کے احکامات سیکھ سکیں، اس حالت میں ہدایت دی گئی ہے کہ وہ سادہ لباس میں اس طرح ملبوس ہوں کہ انھیں دیکھ کر لوگوں کے جذبات براہینت نہ ہوں۔ حضور ﷺ کے زمانے میں عورتیں فجر اور عشاء کی نمازیں باجماعت حضور ﷺ کی اقتدا میں ادا کرتی تھیں۔ نماز کی ادائیگی کے فوراً بعد وہ گھروں کو لوٹ جاتی تھیں۔ اسی طرح وئی شخص بھی اندھیرے کی بنا پر پہچان نہ سکتا تھا۔ تاہم عورتوں پر گھریلو ذمہ داریوں (بالخصوص چھوٹے بچوں کی نگہداشت) کا بوجھ، اس امر میں مانع تھا کہ وہ پانچ وقت مسجد میں جا کر نماز ادا کریں۔ اس لیے انھیں باجماعت نماز کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ عورتوں کی گھر میں کی ادائیگی، مسجد میں ادائیگی سے بہتر ہے تاہم اگر وہ اپنے شوہر سے نماز باجماعت کی اجازت طلب کریں تو شوہر اسے منع نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے متعدد احادیث میں فرمایا کہ اپنی عورتوں کو نماز باجماعت کی ادائیگی سے منع نہ کرو اگرچہ ان کے گھر ان کے لیے زیادہ بہتر ہیں۔“ حضور ﷺ کے ارشادات کی بنا پر جن کے تحت عورتوں کو مساجد میں جانے کی اجازت تھی، مساجد میں عورتوں کا ایک ہجوم رہتا تھا، حضور ﷺ کی حیات میں اور وفات کے بعد بھی، عورتیں نماز ادا کرنے آتی تھیں، دینی لیکچر سنتی تھیں اور دیگر سماجی/تعلیمی/دینی نوعیت کے امور سرانجام دیتی تھیں۔

چونکہ عورتوں کو ہر ماہ چند یوم کے لیے نمازیں چھوڑنی پڑتی ہیں اور یہ بھی مناسب نہیں کہ کسی کو ان کے ایام کے بارے میں معلومات حاصل ہوں اس لیے شارع نے انھیں حکم دیا کہ وہ تنہائی میں نماز ادا کریں تاکہ کسی کو اس کا علم نہ ہو سکے کہ انھوں نے کب نماز ترک کی اور اب جاری کی؟ تاہم یہ ایک ہدایت ہے، حکم نہیں۔ عورتیں کسی ایک عورت کی امامت میں اپنی

باجاماعت نماز کا اہتمام کر سکتی ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں عورتوں کو اجازت تھی کہ وہ دیگر عورتوں کی نماز میں امامت کر سکیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نمازوں میں عورتوں کی امامت کرتی تھیں تاہم وہ عورتوں کی صف کے درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں بجائے سب سے آگے علیحدہ کھڑا ہونے سے جس طرح مرد امام سب سے آگے کھڑا ہوتا ہے۔

عورتوں کو نماز کی ادائیگی اور دین سیکھنے کے لیے باہر جانے کی اجازت سے یہ لازم آتا تھا کہ اس قسم کے دینی اجتماعات میں ان کی شرکت کو منظم کیا جائے۔ حضور ﷺ نے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا اور آپ ﷺ نے یوں ترتیب قائم فرمائی کہ ”مردوں کی بہترین صف ان کی پہلی صف ہے اور سب سے کم تر ان کی آخری صف جب کہ عورتوں کی بہترین صف ان کی سب سے آخری صف ہے اور کم تر وہ صف جو سب سے آگے (یعنی مردوں کی صف سے قریب ہو۔“

مرد جب عورتوں کو نماز پڑھنے کے لیے چند شرائط کا لحاظ ضروری ہے جن میں سے اہم ترین یہ ہے کہ وہ زینت و آرائش نہ کریں اور نہ ہی ایسی خوشبو لگائیں جس کی مہک دوسرے لوگوں تک پہنچے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ”اگر تم میں سے کوئی (عورت) عشاء کی نماز باجماعت ادا کرنا چاہتی ہے تو اسے اس رات عطر/خوشبو کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔“ اس کا اطلاق بازار میں جاتے وقت تیز قسم کی خوشبو کے استعمال پر بھی ہوتا ہے یعنی عطر یا خوشبو کا استعمال صرف گھر کی چار دیواری تک ہی محدود رہنا چاہیے۔ اس کی وجہ کسی قسم کے فتنہ کا مدعا کرنا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو اسلام کی روح سے آشنا تھے، وہ شارع کے اس حکم کی حکمت اور باریکیوں کو خوب سمجھتے تھے۔ موطا امام مالک میں لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ اس بارے میں اپنی بیوی (عائشہ رضی اللہ عنہا) سے اختلاف کرتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھیں لیکن ان کی بیوی ہمیشہ اس پر اصرار کرتی تھیں کہ وہ مسجد میں جا کر نماز ادا کریں گی۔ وہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کرتی تھیں تو وہ خاموش ہو جاتے تھے، حضور ﷺ کے حکم کے پیش نظر عورتوں کو مسجد میں جانے سے مت روکا اگر وہ اجازت طلب کریں۔ پس وہ اپنی بیوی کو نہ روکتے تھے اور نہ ہی کھلے الفاظ میں اجازت دیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اپنی بہن کی

پکی تھیں اور ساتھ ہی دین کے مزاج اور تعلیمات نبویؐ کی روح سے آشنا تھیں چنانچہ آپؐ یہ کہہ کرتی تھیں کہ ”اللہ میں مسجد میں جا کر نماز ادا کروں گی الایہ کہ مجھے واضح الفاظ میں منع کر دیا جائے۔“

ایک دوسری اہم ہدایت یہ ہے کہ اس طرح دینی اجتماعات میں عورتیں، مردوں کے ساتھ مل جل کر نہ رہیں اور نہ ہی نمازوں میں پہلی صفوں میں کھڑی ہوں۔ انھیں چاہیے کہ وہ مردوں کے پیچھے صف میں علیحدہ کھڑی ہوں۔ عورتوں اور مردوں کی نماز میں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کھڑا نہ ہونے کی وجہ یہی ہے چاہے ان کے ساتھ کھڑا ہونے والا مرد ان کا شوہر یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو!

بخاری اور مسلم میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے کہ امام کے کسی قسم کی غلطی کرنے پر، عورتیں اسے صرف اپنے ہاتھوں پر ہاتھ مار کر (آواز پیدا کر کے) متنبہ کریں۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”کہ میں نمازوں میں تمھیں کیوں اس قدر زیادہ ہاتھوں پر ہاتھ مارتے سنتا ہوں۔ تم میں سے کوئی اگر یہ محسوس کرے کہ کوئی بھول لائق ہو گئی ہے تو وہ ”سبحان اللہ“ کہے (اس طرح آگاہ ہو جاؤں گا) ہاتھوں پر ہاتھ مارنا صرف عورتوں کے لیے ہے۔“

عیدین کی نمازوں میں شرکت:

عورتوں کو عیدین کے موقع پر نمازیں پڑھنے کی اجازت ہے تاکہ وہ ان تہواروں کو خوشی کے ساتھ مناسکیں۔ حضور ﷺ نے بالغ عورتوں کو نہ صرف ہدایت فرمائی تھی کہ وہ ان نمازوں میں شریک ہوں بلکہ آپؐ نو عمر بچیوں اور بلوغت کو پہنچنے والے لڑکے/ لڑکیوں کو بھی ان تہواروں کو خوشگوار انداز میں منانے کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ ایسی عورتوں کو بھی عید گاہ آنے کی اجازت تھی جو ایام ماہواری سے گزر رہی ہوتی تھیں اگرچہ وہ نماز میں شرکت نہیں کرتی تھیں تاہم انھیں نماز کے بعد دعا میں شرکت اور خطبہ سننے کی اجازت تھی۔ حضور ﷺ عورتوں کی تعلیم و تربیت کے بارے میں اس حد تک کوشاں رہتے تھے کہ آپؐ نے عورتوں کو تلقین کر رکھی تھی کہ وہ اپنی دوسری بہن کو پردہ کرنے کی چادر عاریتاً دے دیا کریں جن کے پاس کوئی چادر نہیں ہوتی تھی۔

حج کی ادائیگی:

حج، مسلمان مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے تاہم عورتوں کو حکم ہے کہ وہ مردوں کے ساتھ منے جمنے سے بہت حد تک اجتناب کریں جب وہ کعبہ کا طواف کر رہی ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مردوں اور عورتوں کو طواف کے دوران ملنے سے سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے۔

درج بالا گفتگو سے اس تشویش اور فکر مندی کے بارے میں روشنی پڑتی ہے جو حضور ﷺ کو عورتوں کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں تھی اور جس کے لیے آپ ہمیشہ کوشاں رہتے تھے کہ ان کی دینی تربیت میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ آپ ﷺ نہ صرف عورتوں کو دینی اجتماعات میں شرکت کرنے اور نمازوں کی ادائیگی کی تاکید فرماتے تھے بلکہ امت کی بھلائی کے کاموں میں عورتوں کی شرکت کو یقینی بنانا بھی آپ کے پیش نظر تھا۔ اسی قسم کے مواقع پر آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تھے اور مردوں کو خطاب کرنے کے بعد خصوصی طور پر عورتوں کی طرف جا کر بھی انہیں اپنے ارشادات سے آگاہ فرماتے تھے۔ بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ ابن عبد اللہ کو کہتے سنا کہ حضور ﷺ عید الفطر کے موقع پر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ نے خطبے سے پہلے نماز ادا کی۔ تب لوگوں سے خطاب کیا۔ خطبہ ختم کرنے کے بعد آپ ﷺ عورتوں کی طرف تشریف لے گئے اور عورتوں سے خطاب فرمایا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کا سہارا لے رکھا تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دامن پھیلا دیا ہوا تھا کہ عورتیں اس میں صدقات ڈال سکیں۔“

غزوات / جہاد میں شرکت:

امت مسلمہ کو درپیش کسی خطرے کی حالت (جنگ / جہاد) میں اسلام، عورتوں پر بھی یہ ذمہ داری ڈالتا ہے کہ وہ اپنے طور پر جو خدمت بھی ممکن ہو، بجالائیں۔ اسلام عورتوں کو صرف اپنی حفاظت کے لیے ہتھیار اٹھانے کی اجازت دیتا ہے لیکن وہ انہیں میدان جنگ میں لے جانے اور اس مقصد کے لیے فوج میں بھرتی کرنے کی ممانعت کرتا ہے تاہم بطور فرسٹ ایڈ طبی امداد کی فراہمی کے لیے وہ عورتوں سے میدان جنگ کے پیچھے خدمات لینے کے حق میں ہے۔

حسن ہفوات (۲۰۰۰) نے حضور ﷺ کے زمانے میں عورتوں کے ذریعے زخمی، بیمار فوجیوں

کے علاج معالجے، دیکھ بھال اور نگہداشت وغیرہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ رقطراز ہیں کہ ”حضور ﷺ کے لشکر میں میڈیکل کا شعبہ کلی طور پر عورتوں کے سپرد تھا۔ اس میں ایسی عورتیں شامل ہوتی تھیں جنہیں طب و جراحت کی رائج الوقت مناسب تعلیم و تربیت حاصل تھی۔ انہیں ”آسیات“ کہا جاتا تھا۔ یہ مسلم لشکر کے ساتھ ان کے عقب میں خیمے گاڑتی تھیں جس طرح کہ حالیہ دور میں فوجوں کے عقب میں فیلڈ ہسپتال قائم کیے جاتے ہیں۔ ان کے فرائض میں شامل تھا کہ زخمی سپاہیوں کو میدان جنگ سے اپنے خیموں میں لائیں اور ان کا علاج معالجہ کریں۔“

روایات میں آتا ہے کہ ازواجِ مطہرات اور دیگر صحابیات میدان جنگ میں جا کر زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں اور پیا سے سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ یہ عمل پردے کے احکامات آ جانے کے بعد بھی جاری رہا (بخاری)۔ ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور چند دوسری انصاری صحابیات، حضور ﷺ کے ساتھ مختلف غزوات میں لشکر کے ساتھ جاتی تھیں۔ بخاری کی روایت کے مطابق ایک صحابیہ نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ اس کے لیے اس لشکر میں شمولیت کی دعا فرمائیں جو سب سے پہلے کسی سمندری مہم پر جائے۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ اے ان لوگوں میں شامل فرما۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے ایک اور صحابیہ (ام سلیط رضی اللہ عنہا) کے بارے میں یہ دعا ارشاد فرمائی چنانچہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ احد کی جنگ میں جدھر بھی نظر دوڑاتا تھا دائیں، بائیں میں ام سلیط رضی اللہ عنہا کو اپنی حفاظت کی خاطر بے جگری کے ساتھ لڑتے دیکھتا تھا۔“

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے سات غزوات میں حصہ لیا اور وہ مسلمان فوج کے کیمپ میں ان کے کھانے پکانے اور بیمار و زخمی سپاہیوں کے علاج معالجہ پر مامور تھیں۔ (ابن ماجہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول جہاد میں شریک ہونے والی عورتوں کو بھی مال غنیمت سے حصہ اور انعامات ملتے تھے۔ (مسلم)

حالت جنگ میں، اپنے فرائض کی تکمیل کے دوران ان پر پردے کے احکامات بہت حد تک نرم کر دیئے جاتے تھے۔ درحقیقت انہیں بھی اپنے لیے ایک خاص قسم کا لباس پہننے کی اجازت تھی۔ مہولی تہذیبوں کے ساتھ وہ لباس آج بھی عیسائی راہبات کے زیر استعمال ہے۔ (سید مودودی)

عصمت و عفت (کنوار اپن)

”تم کسی لڑکی سے محبت کرتے ہو یا کسی لڑکے سے محبت کرتی ہو، یہ ایک دل خوش کن بات ہے لیکن اس محبت کو داغدار نہ کرنا، اسے کسی صورت بھی ضائع نہ کرنا، اس جذبے کو پاکیزہ رکھنا، اپنے دل کو باعفت رکھنا، اپنی محبت کی عصمت کو برقرار رکھنا تاکہ شادی کے دن جب تم دونوں ایک دوسرے سے ملو تو ایک دوسرے کو ایک خوبصورت تحفہ دینے کے قابل ہو سکو، ایک پاکباز محبت کا تحفہ۔“ (مدرثریسا)

اگرچہ مغربی فلاسفر اور مفکرین اس امر کے لیے سرتوڑ کوشش کرتے رہے ہیں کہ لوگوں کے اذہان سے عصمت و عفت کا تصور نکال سکیں اور انھیں یہ باور کرا سکیں کہ کسی لڑکی کا باعصمت اور باعزت ہونا، اس کے اخلاق اور کردار کے لیے چنداں ضروری نہیں۔ تاہم وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ امریکہ اور مغربی ممالک کی لڑکیاں، عصمت و عفت کے بارے میں ایک مخمضے کا شکار ہیں۔ ایک بہت مشہور ”سکارلین نامی ویب سائٹ پر پوچھے گئے تمام سوالات کا ۲۵ فی صد سے کسی قدر زائد تعلق عصمت و عفت کے تصور کے بارے میں ہوتا ہے۔“ اس کی ایک تازہ ترین مثال اخبارات میں آئی ہے کہ نیشنل آنر سوسائٹی (امریکہ) نے بہت سی ایسی لڑکیوں کو اعزاز حاصل کرنے کے مقابلے کے لیے نااہل قرار دے دیا ہے جو شادی سے قبل جنسی مباشرت میں ملوث ہونے کی بنا پر حاملہ تھیں اور یوں انھیں یہ اعزاز حاصل کرنے سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا گیا ہے کیونکہ ”ان کا کریکٹر اور لیڈر شپ کی صلاحیت“ اس بنا پر مشکوک قرار پاتی تھی۔ ایسی لڑکیاں جنھوں نے شادی سے قبل جنسی تعلقات استوار کر لیے تھے، اس کی وجہ سے ان کا چال چلن مشکوک تھا اور ان کا کریکٹر بھی برا تھا۔“

اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ جیسے ملک میں بھی جہاں بے شمار کوششیں آزادانہ جنسی اختلاط کے حصول کے لیے ہو رہی ہیں اور جہاں عصمت و عفت کے تصور کو جز سے اکھاڑ پھیننے کی سرگرم کوششیں ہو رہی ہیں، اس ملک کی ایک سوسائٹی چند طالبات کو اس بنا پر ایوارڈ کا

حق دار نہیں سمجھتی کہ وہ شادی سے قبل جنسی اختلاط میں ملوث رہ چکی تھیں اور سوسائٹی کے ممبران کی رائے میں عورتوں کو مستقبل میں لیڈر بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مضبوط کیریئر کی (با عصمت/ با عفت) حامل ہوں۔

عصمت و عفت: تاریخی پس منظر:

عصمت و عفت کا تصور بہت قدیم ہے۔ ہیزسٹنگز (James Hastings, 1958) کے بقول قبائل کے درمیان یہ بات ایک اعلیٰ قدر سمجھی جاتی تھی کہ شادی شدہ عورت اور مرد دو تین راتوں تک اکٹھے نہ سوئیں تاہم ۳/۴ روز بعد دونوں میاں بیوی ایک ہی کمر کے تلے سو سکتے تھے۔ چند دوسرے قبائل میں یہ رواج تھا کہ میاں بیوی شادی کے پانچویں دن جنسی اختلاط کرتے تھے۔ پہلی رات میں میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کی جانب پشت کر کے لیٹتے تھے اور پانچ راتوں تک مسلسل یہ عمل دہرایا جاتا تھا۔ ہر صبح جب خاوند اپنی بیوی سے جدا ہوتا تھا تو ان دونوں کے لیے یہ ممنوع ہوتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو نظر بھر کر دیکھیں! اور یہ سب کچھ وہ شرم و حیا کے جذبات کے تحت کرتے تھے۔ قدیم مصر میں یہ رواج تھا کہ خاوند اپنی کنواری بیوی سے ایک ہفتے تک جنسی اختلاط سے پرہیز کیا کرتے تھے۔

ہم پہلے مطالعہ کر آئے ہیں کہ قدیم یونانی، جب وہ اپنی شان و شوکت کے عروج پر تھے تو ان کے ہاں عصمت و عفت کو ایک قابل قدر وصف سمجھا جاتا تھا۔ تاہم آہستہ آہستہ وہ جنسی شہوت رانی اور ہوس کا شکار ہو گئے اور اس کی انتہا یہ تھی کہ انھوں نے شہوت کی دیوی (Goddess of Aphrodite) کی پوجا کرنی شروع کر دی جس کے از خود تین مختلف دیوتاؤں کے ساتھ ناجائز جنسی تعلقات تھے اور ایک اور فانی انسان (Mortal) کے ساتھ بھی ناجائز تعلقات تھے جس کے نتیجے میں ایک اور دیوتا (Cupid) نے جنم لیا جسے محبت کا دیوتا کہا جاتا ہے۔

اسی طرح کے واقعات رومن قوم میں بھی تھے جو عورتوں کی عصمت و عفت کو بہت قیمتی سمجھتے تھے اور کسی شخص کے لیے اسے شرافت کی دلیل سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب انھوں نے ترقی کی، تو ان کے خیالات و اعمال میں بہت بڑی تبدیلیاں آئی شروع ہو گئیں۔ شوہروں سے بے وفائی ایک عام فیشن بن گیا اور عورتیں یکے بعد دیگرے مختلف شوہروں/ مردوں سے تعلقات قائم کرنے لگیں۔

گئیں۔ گھروں میں عریاں تصاویر لگائی جانے لگیں اور عورتوں نے عریاں ہو کر دوڑوں میں حصہ لینا شروع کر دیا اور عورت اور مرد ایک ہی حمام میں نہانے لگ گئے۔ (سید مودودی)

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم یونانی اور رومن لوگ ”کنوارہ پن“ کی اصطلاح ایک ایسی عورت یا دیوی کے لیے استعمال کرتے تھے جو اپنی مرضی کی خود مالک و خود مختار ہوتی تھی اور اس کا کوئی مالک/شوہر نہیں ہوتا تھا۔ بعد ازاں اس کے معنی اور مضمرات میں تبدیلی واقع ہوئی اور تیرہویں صدی کے لگ بھگ اس اصطلاح کے ساتھ جنسی اخلاق کے معنی بھی شامل ہوئے۔ اس تبدیلی کے ساتھ اب اس اصطلاح کا یہ مطلب لیا جانے لگا کہ کوئی عورت اگر شادی تک کنواری رہتی ہے تو وہ اپنے خاندان کی عزت و احترام کی پاسدار ہوتی ہے اور یہ عزت و احترام، والد سے خاوند کو ایک قیمتی ورثے کے طور پر منتقل ہوتا تھا۔ اس کا کنوارہ پن، پہلے اس کے باپ کے لیے ایک قیمتی متاع ہوتا تھا پھر اس کی یہ جنس گراں مایہ/قیمتی متاع اس کے خاوند کی طرف منتقل ہو جاتی تھی۔ مزید یہ امر بھی تھا کہ کنواری لڑکی کی شادی پر ماں باپ کو معاوضے کے طور پر زیادہ دولت، زمین حاصل ہوتی تھی۔ ایک کنواری لڑکی زیادہ قیمت پر خریدی جاتی تھی۔

(Kin Rutherford, 2001)

چونکہ عورت کا کنوارہ پن ایک قابل فروخت یا منتقل ہونے والی شے سمجھی جاتی تھی اس لیے اس کا تعلق اخلاق یا مذہب سے نہیں سمجھا جاتا تھا اور اس حیثیت سے اس کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا تھا کہ یہ کوئی ایسی قیمتی متاع ہے جسے کوئی عورت اپنے ہونے والے شوہر کے لیے محفوظ رکھے۔ اس نظریے کے تحت یہ دلیل دی گئی کہ ”لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنے جنسی رویوں اور اعمال میں یکساں طور پر شریک ہونے کی اجازت ہونی چاہیے۔“ مزید یہ بھی کہا جانے لگا کہ ”ہمیں ان قدیم خیالات سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہیے کہ شادی سے پہلے جنسی اختلاط لڑکیوں کے لیے کوئی اخلاقی کمزوری کی علامت ہے۔“ (Kin Rutherford, 2001)

جنسی رویوں کے بارے میں عیسائیت کی غیر فطری گرفت کے نتیجے میں جب یورپ میں اس کے خلاف بغاوت کا آغاز ہوا تو اس کے نتیجے میں ایک مکمل انقلاب رونما ہوا جو بتدریج اس فتنہ مورت حال تک پہنچا جو آج یورپ اور امریکہ میں پائی جاتی ہے۔ اب مغرب میں عصمت و

عفت کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ اخلاقی اقدار اور کنوار پن کا کسی کو کوئی خیال نہیں ہوتا۔ ”درحقیقت اشتہارات، کیلنڈر، جنسی معلومات کی سستی کتابیں، لباس کی دکانوں اور امریکی معاشرے میں کسی جگہ بھی دیکھیں، وہاں آپ کو یہ واضح پیغام ملے گا کہ عورت کا جسم ایک ایسی جنس عام ہے جسے لوگوں کے بہلانے، اشیاء کی نمائش کرنے اور مردوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے۔

(Christina Pierree 1999 ; Oriyia Maqbool, Jan 2005)

کرٹینا مزید رقمطراز ہیں کہ ”دراصل لباس اور جنسیت ایک دوسرے کے ساتھ بہت مضبوطی سے پیوست ہیں اور اس کا احساس تمام دنیا میں پایا جاتا ہے۔ بالخصوص فیشن انڈسٹری جو نت نئے ڈیزائن کے کپڑوں کے فیشن متعارف کرانے اور زیادہ سے زیادہ دلکش اور دل لہانے والے کپڑوں کے چلن کو عام کرتی ہے جس سے امریکی قوم کے جنسی/سفل جذبات (Vanity and Egoism) بھرکتے ہیں۔ بد قسمتی سے فیشن کے اس تمام ہنگامے کے دوران سادگی اور شرافت ایک جانب ہو کر بیٹھ گئی ہے جسے جانتے بوجھتے بد چلنی اور بد معاشی کی گود میں دھبایا جا رہا ہے۔“

لڑکے اور لڑکیاں بغیر شادی کے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے رہتے ہیں کہ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اس تعلق کو کسی وقت ختم کرنے کا اختیار ہے اور جب کوئی لڑکا یا لڑکی شادی کر رہا ہوتا ہے تو اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فریق ثانی کے کسی وقت دوسرے دوستوں/فرینڈز کے ساتھ جنسی تعلقات تھے اور بعض اوقات لڑکی حاملہ بھی ہوتی ہے۔

کنوار پن کے بارے میں غلط فہمیاں/توہمات:

گذشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ عصمت و عفت دراصل ایک ایسی ہمہ جہتی صفت کا نام ہے جس کا اظہار ایک انسان کے ذہنی احساسات اور اس کے بیرونی اعمال (رویوں) سے ہوتا ہے۔ جبکہ کنوار پن ایک جسمانی وصف ہے جس کا تعلق عورت کے پردہ بکارت کے قائم رہنے سے ہے۔ چونکہ یہ پردہ عام طور پر اس وقت پھٹ جاتا ہے جب شوہر کا عضو مخصوص، بیوی کے ویجاٹینہ میں پہلی مرتبہ مباشرت کے وقت داخل ہوتا ہے۔ اسے پردہ بکارت کا پھٹنا یا

(Defloration) کہتے ہیں اور کسی کنواری عورت میں پردہ بکارت کی موجودگی اس امر کی غماز ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ کسی نے پہلے مباشرت نہیں کی الا یہ کہ کسی حادثے/ اچھلنے کودنے کی وجہ سے وہ عفتوانِ اشباب ہی میں پھٹ گیا ہو۔

موجودہ زمانے میں بالعموم لوگ کنوار پن (Virginity) کے بارے میں یہ تصور رکھتے ہیں کہ اس لفظ کا اطلاق ایسے مرد/ عورت پر ہوتا ہے جو مردانہ عضو تناسل اور ویجاہینہ کے باہمی اختلاط سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر مغرب میں لوگ اس بارے میں شبہ میں مبتلا ہوتے ہیں کہ دو ہم جنس پرست عورتیں (Lesbians) جنہوں نے ۱۰۰ مختلف عورتوں کے ساتھ جنسی اعضاء کے رگڑنے یا ہاتھ سے جنسی حظ اٹھایا ہو لیکن اگر ان کا کوئی تعلق (جنسی) کسی مرد سے نہ ہوا ہو تو ایسی عورتوں کو بھی وہ لوگ کنواری عورت سمجھتے ہیں۔ اسی طرح کی صورت حال دو ہم جنس پرست مردوں کی ہے جنہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ مقعد میں جنسی اختلاط کیا ہو لیکن چونکہ ایسے لوگوں نے بھی عورتوں کے ساتھ مباشرت نہیں کی ہوتی تو اس قسم کے مرد بھی اپنے آپ کو کنوارا سمجھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام جنسی افعال میں ملوث افراد جن میں دو مخالف جنسوں کے افراد (عورت/ مرد) ایک دوسرے کے ساتھ مباشرت نہیں کرتے، وہ کنوارے کہلاتے ہیں۔ اگرچہ بائبل کے مطابق ایسے تمام مرد اور عورتیں با عصمت نہیں ہوتیں لیکن موجودہ زمانے کی تعریف کے لحاظ سے وہ کنوارے سمجھے جاتے ہیں۔ (انسان کی اخلاقی اقدار کے درمیان یہ عظیم تفاوت نتیجہ ہے مذہب کو دنیاوی زندگی کے امور سے بے دخل کرنے کا جیسا کہ عیسائی دنیا میں ہوا)۔

اگرچہ عام طور پر دنیا بھر میں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ لڑکیوں کا پردہ بکارت گھڑ سواری کرنے، سائیکل چلانے، یا دیگر اقسام کی ورزش/ جمناٹک کرنے سے پھٹ جاتا ہے، تاہم حسن ہنرات (۲۰۰۰) کی رائے کے مطابق یہ ایک غلط خیال ہے۔ چونکہ یہ بات بہت زیادہ لوگوں تک پھیل چکی تھی اس لیے یہ جھوٹی حقیقت (False truth) بن گئی۔ اسی خیال کا یہ نتیجہ ہے جو ہم نے درج بالا سطور میں پیش کیا ہے کہ کسی عورت کا کنوار پن صرف اسی صورت میں مجروح ہوتا ہے جب وہ کسی مرد کے ساتھ جنسی مباشرت کرے۔ مغرب میں یہ خیال اس حد تک رائج ہو گیا ہے

کہ وہ لوگ کسی کنواری لڑکی کے پردہ بکارت کی موجودگی (جی ہاں موجودگی) کے تصور پر بہت زیادہ پریشانی کا اظہار کرتے ہیں اور اس امر پر بہت زیادہ حیران ہوتے ہیں کہ کسی مسلمان یا عیسائی لڑکی نے شادی سے پہلے کسی لڑکے سے جنسی مباشرت نہیں کی درآںحالیکہ مسلم اور عیسائی معاشروں میں دینی اور مذہبی تصورات و اعمال کے نتیجے میں ۱۰۰ فی صد لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جو باعصمت و باعفت ہوں یعنی کنواری ہوں اور ان کا پردہ بکارت شادی کے وقت تک قائم ہو۔

ایک اور بہت بڑی غلط فہمی کا تعلق ان مختلف اقسام کے ٹیسٹوں سے ہے جو پردہ بکارت کی موجودگی کا پتہ چلانے کے لیے کرائے جاتے ہیں۔ لڑکیوں کے پیشاب کا معائنہ اس مفروضے کے تحت کیا جاتا ہے کہ ایک کنواری لڑکی کا پیشاب ہمیشہ صاف و شفاف ہوتا ہے اس میں کسی قسم کا کوئی میلا پن (Cloudy) نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ اس بات سے بھی لڑکیوں کے کنوارے پن کا اندازہ کرتے تھے کہ کسی لڑکی کے پستانوں کا رخ کس جانب ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں کنواری لڑکیوں میں پستانوں کا رخ اوپر کی جانب ہوتا ہے۔ اس قسم کے تمام خیالات / توہمات صحت پر مبنی نہیں بلکہ یہ غلط تصورات ہیں جن کا کوئی تعلق لڑکیوں کے کنوارے پن سے نہیں۔

لڑکیوں کے کنوارے پن کے بارے میں ایک بہت بڑی غلط فہمی جواب بھی بہت سے لوگوں میں پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ شادی کے بعد پہلی رات کو، مباشرت کے نتیجے میں نئی نوپا دہن کو اس کے پردہ بکارت کے پھٹنے کی وجہ سے بہت زیادہ تکلیف / درد کا احساس ہونا چاہیے اور اس نے جنسی اعضاء سے خون جاری ہونا چاہیے۔ ہم نے اس کتاب میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ پردہ بکارت ایک بہت نازک اور باریک جھلی پر مشتمل ہوتا ہے جو لڑکیوں کی پیدائش کے وقت ان کے ویجاٹینہ کے سوراخ کے اوپر ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ لڑکیوں میں پیدائش کے وقت پردہ بکارت موجود نہیں ہوتا اور یہ ویجاٹینہ کے سوراخ کو مکمل طور پر بند نہیں کرتا۔ اس میں چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوتے ہیں جن سے عورتوں کا ماہواری کا خون اور دیگر رطوبتوں کا اخراج ہوتا رہتا ہے۔ تاہم بعض عورتوں میں یہ کسی حد تک مضبوط اور مونا ہو جاتا ہے یا اس کا سوراخ اس حد تک تنگ ہوتا ہے کہ مباشرت کے وقت شوہر کو دقت محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے بعض حالات میں لیڈی ڈاکٹر کی ضرورت پیش آ سکتی ہے جو اسے

کار دیتی ہے۔

جہاں تک پہلی مرتبہ مباشرت کے بعد خون آنے کا تعلق ہے تو یہ ایک حقیقت ہے کہ کچھ عورتوں میں ایسا ہوتا ہے جبکہ کچھ دوسری عورتوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ کولمبیا یونیورسٹی کی ایک ماہر خاتون (Alicia) کے بقول ”کسی کنواری عورت کے لیے یہ ممکن ہے کہ پہلی مباشرت کے وقت اسے کوئی تکلیف محسوس نہ ہو اور خون بھی نہ نکلے۔“

پہلی مرتبہ مباشرت کے نتیجے میں جو تکلیف یا خون نکلتا ہے اس کی وجہ پردہ بکارت کا پھटना ہے جو ایک نارمل/قدرتی امر ہے تاہم اس درد کے احساس اور خون کے اخراج کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ پہلی مرتبہ مباشرت کے وقت عورت جذباتی طور پر اس قدر تیار نہیں ہوتی جس کے نتیجے میں اس کے جنسی اعضاء کی رطوبتیں مکمل طور پر پیدا نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرہنگین چونکہ اس فعل کے آداب سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتے اس لیے اس مرحلے کو لاشعوری طور پر جلد از جلد عبور کرنے کے لیے زیادہ وقت پیار و محبت کی باتوں، بغل گیر ہونے اور بازی میں صرف نہیں کرتے جس وجہ سے عورت میں اچھی طرح سے جنسی اشتعال پیدا نہیں ہوتا اور ڈر/خوف کی کیفیت کے برقرار رہنے کی وجہ سے اسے زیادہ تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔

ماہرین اس موقع پر کسی قسم کی چکنائی (جیلی) استعمال کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

یہ امر دلچسپی کا باعث ہے کہ کچھ ملکوں میں شادی کی پہلی رات کے بعد عورتوں کے خون آنے کا باقاعدہ مظاہرہ/نمائش کی جاتی ہے۔ اس موقع پر دلہا دلہن کے بستر کی خون آلود چادر تمام ہونے والوں کو دکھائی جاتی ہے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ دلہن کنواری تھی۔ اس بارے میں لوگوں کے جذبات اس قدر حساس اور شدید ہیں کہ ایسی لڑکیاں جو حقیقتاً کنواری تھیں اور جنہوں نے شادی سے پہلے کسی قسم کا کوئی جنسی فعل بھی سرانجام نہیں دیا تھا لیکن شادی کی پہلی رات ان کو درد کا احساس نہ ہوا اور نہ ہی مباشرت کے دوران خون کا اخراج ہوا اور اس بنا پر سسرال والوں اور خاوند کے ذہن میں بھی بہت سے شکوک و شبہات جنم لیتے تھے۔ ایسے موقعوں پر لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے کسی جانور کے خون سے آلودہ بستر کی چادر وغیرہ لوگوں کو دکھائی جاتی تھی یا بس اوقات اپنے جسم کو زخمی کر کے کپڑوں کو خون لگا دیا جاتا تھا۔ اکثر مائیں (جنہیں اس امر کا

تجربہ ہو چکا ہوتا تھا) وہ اپنی لڑکی/نئی نویلی لہن (کو نصیحت کرتی تھیں کہ لوگوں کو خون آلود چادر دکھانے کے لیے اس ترکیب پر عمل کریں۔

جب ہم عصمت و عفت کے موضوع پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا راست تعلق عریانیت کے ساتھ ہے۔ اگرچہ عصمت و عفت کو ہر جگہ عورتوں کی ایک خوبی اور وصف کے طور پر لیا جاتا ہے تاہم کسی جگہ بھی اس کے بارے میں ایک متوازن اور معتدل رویہ اختیار نہیں کیا گیا اور کسی جگہ بھی عریانیت کو محدود کرنے کے لیے کوئی لائحہ عمل بروئے کار نہیں لایا گیا۔ انسانی جسم کو ایک دوسرے سے چھپانے کا کوئی طریقہ نہیں وضع کیا گیا کہ مرد اور عورت نے درمیان کن جسمانی حصوں کا کھولنا جائز ہے اور کن حصوں کو چھپانا مقصود ہے۔ اگرچہ انسانی اخلاق اور کیریئر کے نقطہ نظر سے اس کی بہت اہمیت ہے تاہم اسے ہمیشہ نظر انداز کیا گیا۔

عصمت و عفت کے بارے میں ویٹی کن (چرچ) کا موقف:

یہ امر دلچسپی کا باعث ہے کہ پوپ جان دوم نے بھی عورتوں اور مردوں کے آزادانہ جنسی افعال کے ذریعے لذت کے حصول کی مذمت کی ہے۔ ویٹی کن سے جاری ہونے والے بیان میں ۱۸۳۱ء سے مختلف جنسی افعال کا حوالہ دیا گیا ہے جنہیں ”مکمل طور پر گناہ“ قرار دیا گیا ہے۔ جنسی افعال میں شادی سے باہر یا کبھی کبھار مشیت زنی کے ذریعے جنسی حظ اٹھانا، مباشرت لی ایسی مختلف حالتوں (Sexual positions) کا اختیار کرنا جن سے جنسی حظ کی انتہا کو پہنچا جاسکے اور مباشرت کے بعد گرم جوشی سے لپٹنا (Cuddling) اور کسی قسم کی بیجان انگیز گفتگو کرنا شامل ہیں۔ اس بیان میں ۱۲۴۴ء سے فقرات کی بھی نشان دہی کی گئی ہے جنہیں مذہب کی توہین (کفر کی حد تک) قرار دیا گیا ہے اور یہ جملے غیر شادی شدہ جوڑے، صرف جنسی حظ کے حصول کے لیے بولتے ہیں۔ ایسے فقرات میں ”با خدا تمہارے پستان اس قدر بہت خوبصورت ہیں یا“ ”میں اپنے آپ کو کس قدر مکمل سمجھتی ہوں جب تم دوران مباشرت میرے اندر ہوتے ہو یا“ ”دوران مباشرت تمہارے جسم کے اوپر اٹھنے اور پھر نیچے ہونے سے مجھے بہت محبت ہے۔“

عصمت و عفت کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر معلوم کرنے سے پہلے یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ہم اس موضوع پر عیسائیت کی صحیح تعلیمات (True Teachings of Christianity)

کا بھی مطالعہ کریں۔ اس موضوع پر ایک کیتھولک خاتون نے اپنے مقالے میں بہت سیر حاصل بحث کی ہے (William A. Marra 1975) جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس خاتون کے مقالے کے چند اقتباسات ہم یہاں اپنے قارئین کی دلچسپی اور اس امر پر غور کرنے کے لیے دے رہے ہیں کہ عیسائیت کی صحیح الہامی ہدایات کا انسان کی زندگی پر (چاہے اس کا تعلق مشرق سے ہو یا مغرب سے) کس قدر گہرا اثر ہوتا ہے اور ایسی تعلیمات کے نتیجے میں کس قدر خدا خونی کا جذبہ انسان میں پیدا ہوتا ہے۔ ولیم مارا قطر از ہیں ”کہ عفت کا تصور ایک ایسی نیکی کو ظاہر کرتا ہے جو انسانی جنسیت کے جذبے کو منظم کرتا ہے تاکہ یہ اخلاقی طور پر زندگی کے اس اہم شعبے کے بارے میں ان اچھائیوں کا مظہر بن جائے جو کہ خدا کی مرضی ہے۔ اس لحاظ سے اس لفظ کے معنی اور دائرہ کار تقاضہ کرتا ہے کہ زندگی کے تمام معاملات کو اس کے حدود میں ہی چلایا جائے۔ دنیا میں خدا کی مرضی، محبت، جنسی افعال اور شادی بیاہ میں ایک الہامی تعلق پایا جاتا ہے۔ ایک آئیڈیل شکل میں شادی دو افراد کے درمیان ایک گہرے تعلق کو ظاہر کرتی ہے جو الہانہ پن اور ایک دوسرے کے لیے ہمدردی کے جذبات سے معمور ہوتی ہے۔ ایسے افراد اس امر کا عہدہ کرتے ہیں کہ وہ مشترکہ طور پر زندگی بسر کریں گے کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ شادی شدہ افراد کو اس امر کی اجازت ہے اور یہ نیکی اور اچھائی کا ایک مثبت پہلو ہے کہ ان کے درمیان محبت سے بھرپور بوس و کنار ہو، گہرے جذبات محبت کے ساتھ وہ ایک دوسرے سے بغل گیر ہوں اور شرم و حیا کے ساتھ جنسی تعلق (مباشرت) کے عمل کو بھی جاری رکھیں۔

”دو محبت کرنے والے شادی شدہ افراد کے درمیان پایا جانے والا عصمت و عفت کا تصور ان محبت بھرے جذبات اور لطف و لذت کے حصول سے کسی طرح بھی مجروح نہیں ہوتا جب کہ پاکیزگی اور عفت کے تصور سے یہ امور لازماً خارج ہیں جو انسان کی ذات اور اس کی محبت کے خلاف ہوں۔ اس میں وہ تمام شہوانی جذبات اور رویے، تمام اقسام کے جنسی انحرافات (ہم جنس پرستی وغیرہ) اور وہ تمام طریقے شامل ہیں جو ازدواجی زندگی میں بچوں کی پیدائش کو روکنے کے لیے کیے جاتے ہیں اور ایسے تمام افعال بھی جو ایک دوسرے کو اذیت پہنچا کر لذت کے حصول پر

اکساتے ہیں یعنی (Sadism)۔ وغیرہ۔“

وہ مزید قہر از ہیں کہ ”ایک غیر شادی شدہ آدمی کے لیے عصمت و عفت کا تصور مختصر ا یہ ہے کہ وہ ایسے جذباتی افعال میں مبتلا نہ ہو جو کہ صرف شادی کی حالت میں اپنی بیوی کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔ پس شادی شدہ لوگوں کو جس چیز کی اجازت ہے یعنی ایسے تمام لازمی امور جن کا تعلق شادی شدہ حالت سے ہے وہ لازماً ایک غیر شادی شدہ آدمی کے لیے ممنوع ہیں۔“

عصمت و عفت کے تصور کو بچوں کے ذہنوں میں کیسے راسخ کر سکتے ہیں اس کی اہمیت واضح کرنے کے بارے میں وہ اپنے مقالے میں لکھتی ہیں ”چھوٹے بچوں کو سب سے پہلے بہت ہی محبت اور شفقت کے ساتھ بتایا جائے کہ اللہ نے انسان کی جنسی زندگی کے بارے میں کون سے احکامات مقدس کتاب (بائبل) میں دیئے ہیں۔ معلم کو چاہیے کہ وہ ان کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کرے۔ ان کے ذہنوں میں اس بات کو واضح کرنے اور ان کو نشوونما دینے کی کوشش کرے تاکہ بچوں میں نیکی کے اوصاف پروان چڑھیں۔ بچوں کو اس امر کی تعلیم بھی دی جانی چاہیے کہ وہ عبادت کریں۔ انھیں یہ بھی باور آرایا جائے کہ اس دنیا میں خیر و شر کی جنگ میں صرف مافوق الفطرت طاقت (ذات خداوندی) ہی ان کا سہارا ہے اور صرف وہی ان کی مدد کر سکتی ہے۔“

”عصمت و عفت کے تصور کو تعلیم کے ذریعے اجاگر کرنے کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ ہم سب کو ”گناہ کے قرب“ سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ انسانی فطرت کی بنیادی کمزوری کی سادہ حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ اصول ہمیں اس بات کی سختی سے تلقین کرتا ہے کہ ہم اس بارے میں اپنی ذات پر بہت زیادہ اعتماد اور بھروسہ نہ کریں کیونکہ انسانی زندگی خواہشات نفس اور لذائذ دنیا کے حصول کی آرزوؤں سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے برعکس ہمیں اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ ہم گناہوں کی دعوت اور خواہشات نفس کا آسانی سے شکار ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ہمیں یہ مستقل اصول بنالینا چاہیے کہ ہم اپنے آپ کو ممکن حد تک ”گناہوں کے قرب“ سے دور رکھیں گے بلکہ ایسے تمام افراد، جگہوں، اعمال اور خیالات سے بھی اجتناب کرنا چاہیے جن کے بارے میں ہمیں یہ گمان ہو کہ وہ ہمیں اپنی طاقتور سفلی خواہشات نفس کا شکار کر لیں گے اور ہم ان کے

تلافی مزاحمت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔“

ہم نے یہ طویل اقتباسات اس بات کے پیش نظر دیے ہیں کہ ہم واضح کر سکیں کہ الہامی اور کجی ہدایات کے نتیجے میں کس قسم کا ذہنی عقیدہ اور رویہ جنم لیتا ہے۔ یہاں یہ امر باعث دلچسپی ہوگا کہ آج سے ۱۴۰۰ سال قبل قرآن کی سورہ بنی اسرائیل (۳۲:۱۷) میں اللہ تعالیٰ نے برائیوں کے قریب پھٹکنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

”زنا کے قریب نہ پھٹکو، یہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ۔“

ذیل کے صفحات میں ہم اس اسلامی نقطہ نظر کا مطالعہ کریں گے جو عصمت و عفت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اس کے رسول ﷺ نے اپنی سنت/ احادیث میں ہمیں دیا ہے۔ ان تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ امر بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات جو ہم نے اوپر دی ہیں، کس قدر ان سے مشابہت اور مطابقت رکھتی ہیں تاہم اسلام نے ان غلط خیالات کی تردید بھی کی ہے جو عیسائیوں کی مختلف کتابوں میں امتدادِ زمانہ کے عیش شامل کر دی گئی تھیں۔

عصمت و عفت کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر:

جیسا کہ درج بالا صفحات میں بتایا گیا کہ عصمت و پاکیزگی ایک رویے اور طرز زندگی کا نام ہے۔ اسلام میں یہ ایک انفرادی نیکی ہی نہیں بلکہ اسے ایک اجتماعی نیکی کا درجہ بھی حاصل ہے۔ راصل یہ انسان کی اندرونی/ روحانی کیفیات کا خارجی مظہر ہے جو ایک انسان (مرد/ عورت) کو ایسے واقعات پر سہارا دیتا ہے جب اس کے گرنے (Fall) یعنی برائی میں ملوث ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ عصمت و پاکیزگی کے اس رویے کو تقویت دینے کے لیے اسلام نے متعدد ایسی تعلیمات اور ہدایات دی ہیں جن پر عمل پیرا ہونا ایک مسلمان کے لیے اشد ضروری ہے ورنہ صورت دیگر اس کی ذرہ بھر کوتاہی یا سستی اسے پاکیزگی و عفت کے تصورات سے کوسوں دور لے سکتی ہے۔ انسان کی جنسی خواہش جو ایک فطری جبلت کی وجہ سے بہت شدید اور طاقتور ہوتی ہے، انسان کو راہِ راست سے دور کر سکتی ہے جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت میں تباہی کی شکل میں نکل سکتا ہے۔

اسلام میں پاکیزگی/عصمت وعفت ایک لازمی امر ہے۔ ایک مسلمان مرد اور عورت کا چہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ ناجائز جنسی افعال میں ملوث ہونا حرام ہے۔ عصمت وعفت کے بارے میں سب سے بہترین مثال حضرت مریم علیہا السلام کی دی گئی ہے۔ (سورہ مریم ۲۰:۱۹)

﴿قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا﴾

”مریم نے کہا ”میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔“

مزید سورہ الانبیاء (۹۱:۹۰:۲۱) میں قرآن کریم حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں بتاتا ہے

﴿وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ﴾

”اور وہ خاتون جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی، ہم نے اس کے اندر اپنی روح سے پھونکا اور اسے اور اس کے بیٹے کو دنیا بھر کے لیے ایک نشانی بنا دیا۔“

سورہ الاحزاب (۳۵:۳۳) میں عصمت وعفت کے رویے کو اپنانے کی ان الفاظ میں ہدایت فرمائی:

﴿وَالْحَفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَفِظَاتِ﴾

”اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

اس آیت کی تشریح میں سید مودودی یوں رقمطراز ہیں ”کہ اس میں دو مفہوم شامل ہیں۔ ایک یہ کہ وہ زنا سے پرہیز کرتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ برہنگی سے اجتناب برتتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ برہنگی و عریانی صرف اس چیز کا نام نہیں کہ آدمی لباس کے بغیر نکلا ہو جائے بلکہ ایسا لباس پہننا بھی برہنگی ہی ہے جو اتنا رقیق ہو کہ جسم اس میں سے جھک ہو اتنا چست ہو کہ جسم کی ساخت اور اس کے نشیب و فراز سب اس میں سے نمایاں نظر آتے ہوں۔“

اسلام میں عورت اور مرد دونوں کے لیے عصمت وعفت (کنوارا پن) کو بہترین ہمینہ حاصل ہے۔ اس لیے شادی کا مقصد میاں بیوی کو ان اخلاقی و جنسی برائیوں سے بچانا ہے۔

شہوت رانی کی وجہ سے معاشرے میں پالی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان لوگوں پر زور دیا جو شادی کرنے کے وسائل رکھتے ہوں، کہ وہ شادی کرنے میں تاخیر نہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يا معشر الشباب من استطاع منكم البائة فليتزوج فإنه اغض

للنصر واحسن للفرج لم يستيع فعليه بالصوم فإنه له وجاء))

”اے جوان لوگو، تم میں سے جو شادی کرنے کے وسائل رکھتا ہے، اسے شادی

کر لینی چاہیے، یہ عمل غض بصر کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوگا اور ان کی عصمت و

مفت کی حفاظت بھی کرے گا۔ تاہم جو اس کی استطاعت نہیں رکھتے، انھیں چاہیے

کہ وہ روزے رکھیں کیونکہ روزہ شہوت سے بچنے کے لیے ایک ذہال ہے۔“

(بخاری، مسلم)

اسلام میں عفت و پاکیزگی کا تصور صرف غیر شادی شدہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں تک ہی

محدود نہیں بلکہ اس کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ شادی شدہ مرد اور عورت بھی باعفت و پاکیزہ زندگی بسر

کریں اور اپنی بیوی کے ساتھ مخلص رہیں۔ ایک شادی شدہ مرد کو عفت و پاکیزگی کی زندگی بسر

کرنے اور اپنی بیوی کے ساتھ وفادار رہنے کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں

سے کسی شخص کی نظر کسی نامحرم عورت پر پڑے (اور اس میں جنسی اشتعال پیدا ہو) تو اسے چاہیے کہ

فوراً جائے۔ اپنی بیوی سے مباشرت کے ذریعے اپنے جذبات کی تسکین کرے“ (مسلم) اس حدیث

سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر کسی شادی شدہ مرد کو کسی خوبصورت عورت کے دیکھنے پر جنسی خواہش پیدا

ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی خواہش کی تکمیل اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کے ذریعے کرے۔ اس

ضمن میں قرآن اور حدیث کے تاکید و احکامات کی حکمت بھی معلوم ہوتی ہے جن میں بیویوں کو

ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنے خاندانوں کی جنسی تسکین کے لیے ہر وقت تیار اور آمادہ رہیں۔ بیویوں

سے کہا گیا ہے کہ وہ نفلی روزے بغیر شوہر کی اجازت کے نہ رکھیں۔ مبادا ان کا خاندان کسی وقت جنسی

خواہش کے شدید جذبے میں مغلوب ہو اور وہ اس کی تسکین اپنی بیوی سے نہ کر سکے۔ اسلام نے

بیویوں کو یہ ہدایت اس لیے بھی دی ہے کہ درج بالا صورت میں خاندان کسی حرام کام میں ملوث نہ

ہو سکے۔ نوجوان لوگوں کے والدین کو یہ ہدایت بھی کی گئی ہے کہ وہ اپنے لڑکوں/ لڑکیوں کے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہو جائیں۔ بصورت دیگر اگر کوئی بچہ کسی غلط اور حرام کام میں ملوث ہوتا ہے تو اس کا بارگناہ والدین کی گردن پر ہوگا۔“ (مشکوٰۃ)

جنسی انارکی اور شہوت رانی سے بچنے کے لیے اسلام، مسلم سوسائٹی پر بھی یہ ذمہ داری: اتنا ہے کہ وہ مسلمان مرد، عورتوں بلکہ غلاموں اور لونڈیوں کی بھی شادی کرانے میں مدد دے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ النور (۲۴:۳۲) میں فرمایا:

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمُ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾

”تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں، ان کے نکاح کر دو۔ اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا۔“

ہم نے اس کتاب میں کسی جگہ یہ لکھا ہے کہ جب ایک آدمی مشیت زنی کرتے ہوئے پکڑا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے سزا دینے کے بعد اس کی شادی بیت المال کے خرچ پر کر دی۔ عورتوں کی عصمت و عفت کی حفاظت:

اسلام میں عورتوں کی عصمت و عفت کی اس حد تک تاکید ہے کہ بعض باعصمت خواتین پر الزامات/ اتہامات کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں آیات نازل فرمائیں۔ مشرکین و منافقین مدینہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اوپر ناجائز الزام لگائے جن کی تردید سورہ النور (۲۴:۲۳) میں بایں الفاظ کی گئی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ۝ لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ فَلَوْلِئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكََاذِبُونَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

سَسْكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ۝ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَنَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ۝

”جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں۔ اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو بلکہ یہ بھی تمہارے، لیے خیر ہی ہے۔ جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا اس وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ مرتح بہتان ہے۔ (ذرا غور تو کرو اس وقت تم کیسی بڑی غلطی کر رہے تھے) جبکہ تمہاری ایک زبان سے دوسری زبان اس جھوٹ کو لیے چلی جا رہی تھی جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بات تھی۔ کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ”ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا، سبحان اللہ یہ تو ایک بہتان عظیم ہے۔“

اس سے پہلے ہم سورہ مریم (۱۹: ۱۶ تا ۳۵) کی آیات درج کر چکے ہیں جن کے ذریعے یہود کے ان بے ہودہ الزامات کی تردید کی گئی تھی جو انھوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر لگائے تھے۔ اس جگہ اس امر کی جانب اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ شادی کے حصار میں ایک شخص جو اپنی بیوی کی حد تک اپنے آپ کو محدود رکھتا ہے، وہ مختلف جنسی امراض مثلاً ایڈز وغیرہ سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ جنسی امراض سے بچنے کے لیے عسمت و عفت کا خیال کر کے ان تمام امراض سے بچنے کا یہ ایک حقیقی اور موثر ترین طریقہ ہے!



References

- » A. Hussain, 1999 (Harun Yahya, pen name). The Islamic laws of inheritance. On line:
- » Christina Pierce, 1999. The Islamic Herald Modesty. Online: The Islamic Herald / herald@asi.org
- » Hasan Turabi, 2000. Emancipation of Women: An Islamic Perspective. Muslim Information Centre 233 Seven Sisters Road, London N4 2DA.
- » Hassan Hathout, 2000. Obstetrics and Gynecology. Chapter-V: Sex: Chastity. Islamic Organization for Medical Sciences (IOMS) State of Kuwait.
- » James Hastings, 1958. The New Encyclopedia Britannica Vol-8:823.
- » Khurshid Ahmad, 1999. Family life in Islam. The Islamic Foundation, Leicester, UK.
- » Kin Rutherford 2001. Virginity, a very personal decision online: http://www.kidshealth.org/teen/sexual_health/girls/virginity_p3.htm
- » M. Hashim Kamali, 1986. Marriage in Islamic Law: Shariah. The Encyclopedia of the Religion (Editor-in-Chief Mircea Eliade) Vol 7: 446-453.
- » Maryam Jameelah, 1984. Islam and Western Society. A Refutation to the Modern Way of Life. 3rd ed. Publisher: Khan Muhammad Yousaf Khan, Sant Nagar, Lahore.
- » Maududi S.A.A, 1967. Islamic Way of Life. Islamic Publications (Pvt) Ltd, Lahore Pakistan.
- » Maududi S.A.A, 1985. Let Us Be Muslims (English version of Khutbat in Urdu). Translated by Khuram Jah Murad. The Islamic Foundation UK.
- » Maududi S.A.A, 1998. Al-Hijab. Purdah and the Status of Women in Islam. 16th edition. Islamic Publications (Pvt) Ltd Lahore, Pakistan.
- » Maududi S.A.A, 2003. Towards Understanding Islam. Idara Tarjuman-ul-Quran (Pvt) Ltd, Lahore.
- » Menachem M. Brayer 1997. The Jewish Women in Rabbanic Literature. Professor of Biblical Literature at Yeshiva University.
- » Muhammad Ibrahim Hussain, 1998. Tawhid and Shirk DA'WAH. Academy, International Islamic University Islamabad, Pakistan.
- » Muhammad Iqbal, 1958. Reconstruction of Religious Thoughts in Islam. Compiled by Nazir Niazi. Bazm-i-Iqbal Lahore.
- » Muhammad Qutb, 1972. Islam The Misunderstood Religion. 2nd Ed. Islamic Publications (Pvt) Ltd, Lahore - Pakistan.
- » Muhammad Qutb, 1977. Islam mein Adil-i-Ijtamaiee (Urdu translation

- by Dr. Nijat Ullah Siddiqui). Islamic Publications (Pvt) Ltd, Lahore - Pakistan.
- » Muhammad Qutb, 1980. Jadeed Jahliat (Urdu Translation). Al-Badar Publications Lahore, Pakistan.
 - » Muhammad Qutb, 1990. Urdu Translation of Tafseer "Fi-Zilal-ul-Quran" Volume-III Translated by Syed Hamid Ali. Al-Badar Publications Lahore Pakistan.
 - » Muhammad Sharif, 1991. Women's Rights in Islam. Shiekh Muhammad Ashraf Publisher and Booksellers. Lahore Pakistan.
 - » Muhammad Sherif, 1995. The Veil. Friday Khutbah, February 10, 1995. Kingston, University of Essex Islamic Society.
 - » Oryia Maqbool Jan, 2005. An article entitled "Tamshbin", (Urdu), daily the Jang, Rawalpindi dated May 2005.
 - » Ralhan O.P. 1997. Social and Cultural Life in Punjab. Encyclopedia of Sikhism Vol-II. Anmol Publications (Pvt) Ltd, New Delhi (India).
 - » Shaukat Ali Syed, 1999. Taqseem-i-Warasat (Urdu). Islamic Publication (Pvt.) Ltd. Lahore (Pakistan).
 - » Walliam A. Marra, 1975. The Two Directions of Sex Education. Faith Newsletters Catholic Unit



پہلا باب:

جنس اور جنسیت کا عمومی جائزہ

جنسیت کا تاریخی پس منظر:

انسان کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی (حوا) سے ہوئی۔ جنت میں رہتے ہوئے جب شیطان نے انھیں بہکایا اور وہ اللہ کے حکم سے سرتابی کے مرتکب ہوئے تو ان کے جسم سے وہ لباس دور کر دیا گیا جس سے ان کے پوشیدہ جسمانی اعضا چھپے ہوئے تھے۔ اس پر انھوں نے درخت کے پتوں سے اپنے ستر کو چھپانے کی کوشش کی۔ آدم علیہ السلام و حوا کے علیحدہ جسمانی وجود سے مرد و عورت کی دو مختلف اصناف/جنسوں کا آغاز ہوا اور یوں ان کے باہمی ملاپ کے نتیجے میں انسان، دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلنے چلے گئے۔

جنسیت (Sexuality) کے بطور ایک جداگانہ سائنس ہونے کا تصور پہلی مرتبہ ایک جرمن ماہر امراض جلد (Dermatologist) آئیون بلاخ (Ivon Bloch ۱۸۷۲-۱۹۲۳ء) نے دیا جس نے اسے جرمن زبان کے لفظ (Sexualwissenschaft) کا نام دیا جسے ہم جنسی سائنس کا نام دے سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ اصطلاح کی حد تک غلط العام کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ اس کے لیے مناسب اصطلاح جنسیت (Sexology) ہے۔ اس اصطلاح میں لاطینی لفظ (Logos) کا ترجمہ علم ہے جبکہ Sex کا مطلب جنس ہے۔ اس طرح یہ وہ سائنس ہے جو انسان کی جنسی زندگی کا مطالعہ کرتی ہے۔ اس لحاظ سے آئون بلاخ کو ہم اس سائنس کا جدا علی بھی قرار دے سکتے ہیں۔ (Haeberle, J.E ۱۹۸۳ء)

اس سے پہلے کہ ہم اس موضوع کا تفصیلی مطالعہ کریں، یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ہم جنس (Sex) اور جنسیت (Sexuality) کے ان معنوں کو سمجھنے کی کوشش کریں جو ماہرین نے ان ہر دو اصطلاحوں کے لیے متعین کیے ہیں۔ ماہرین کے نزدیک جنس (Sex) سے مراد انسانی زندگی

کی حیاتیاتی صفات (Biological characteristics) کا وہ مجموعی تصور ہے جو مرد اور عورت کی دو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اگرچہ مروجہ معنوں میں اس سے مراد وظیفہ ازدواجیت یا مہرث کرنا (Having sex) لیا جاتا ہے جو صحیح نہیں۔ اس لیے ماہرین نے اس امر سے اتفاق کیا ہے کہ بطور فنی اصطلاح اس لفظ کا ان معنوں میں استعمال صحیح نہیں اور اسے انسانوں میں عورت اور مرد کی حیاتیاتی صفات/اختلافات کے طور پر ہی استعمال کرنا چاہیے۔

(Anon 2001/a)

اس کے برعکس جنسیت (Sexuality) کا لفظ ایک ایسی جامع اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جس میں انسانی زندگی کے مختلف پہلو از قسم جنس (Sex)، مؤنث مذکر/صنف (Gender) کے ہیں۔ نیز اس اصطلاح میں جنسی پہچان (Sexual orientation)، لذتیت (Eroticism)، جذباتی لگاؤ یا محبت (Emotional love) اور تولید و تناسل (Reproduction) کے تصورات بھی شامل ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جنسیت کی اصطلاح ان تمام تصورات کا ایک ایسا امتزاج ہے، جو انسانی زندگی کے حیاتیاتی، سماجی، معاشی، ثقافتی، اخلاقی و روحانی پہلوؤں سے متعلق ہیں اور انسانی زندگی میں ان کا اظہار تصورات، خواہشات، عقیدہ و خیال، طرز سلوک، اقدار، عملی اشکال اور ان کی ہیئت اور اجمالی و دیگر تعلقات کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اس اصطلاح کو درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

اولاً: جنسی پہچان (Sexual orientation) جو انسان کے بنیادی لگاؤ (Sexual attraction) کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے قطع نظر اس کے کہ وہ ترجیح یا لگاؤ صنف مخالف (Heterosexual) کے ساتھ ہو یا ہم جنس پرستی (Homosexual) پر مبنی ہو یا دونوں اصناف (Bisexual) کے افراد کے ساتھ ہو۔

ثانیاً: جنسی برتاؤ/ رویہ (Sexual behavior) جو ایک انسان جنسی لذت کے حصول کے لیے کرتا ہے:

ثالثاً: جنسی پہچان (Sexual Identity) جس سے انسان ایک دوسرے کو اپنی پہچان کراتے ہیں یا کسی دوسرے کی پہچان کرتے ہیں۔

جنسیت کا موضوع، انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے دونوں پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے۔ ازمنہ قدیم میں محبت اور جنسیت کے بارے میں پائے جانے والے خیالات، توہمات ہر قوم کے لٹریچر میں پائے جاتے ہیں جس میں ہندوؤں کی مشہور کتاب ”کاماسترا“ (Kama Sutra)، عربی میں شیخ نفوازی کی کتاب Perfumed gardens اور ابن حزم کی کتاب Dove's Neck Rings نہ صرف اپنے زمانے کے اخلاقی، مذہبی اور جنسی اعمال و معیار کے بارے میں معلومات بہم پہنچاتی تھیں بلکہ اُن میں اس زمانے میں پائے جانے والے تصورات و خیالات جو حیاتِ انسانی اور جنسی نفسیات سے تعلق رکھتے تھے، ان کے بارے میں بھی معلومات پائی جاتی تھیں۔ اس طرح تولید و تناسل سے متعلق اعضاء/ افعال کے نقائص و امراض اور ان سے متعلقہ علاج و تندرستی اور صفائی کے بارے میں بھی ہدایات قدیم زمانے کے لٹریچر میں پائی جاتی ہیں جس میں افلاطون، سقراط کے نظریات و خیالات شامل ہیں۔

(Anon, 1979; Zia-ud-Din Sardar, 2000)

اگرچہ جنسیت سے متعلقہ تاریخی پس منظر، اس کتاب کے موضوع کے ذیل میں نہیں آتا تاہم یورپ اور امریکہ میں موجودہ زمانے میں پائے جانے والے خیالات و اعمال کا جائزہ لینے کے لیے ان کا مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے کہ دراصل گمراہی کے یہ تمام افعال ازمنہ قدیم کا ہی تسلسل ہیں۔ ذیل کے صفحات میں ہم نہایت اختصار کے ساتھ جنسیت کے موضوع پر تاریخ کے صفحات کا مطالعہ کریں گے۔

(۱) ازمنہ قدیم:

نووکی (Dolors Ashcraft Nowicki, 1999) نامی محقق نے ازمنہ قدیم سے لے کر زمانہ جدید تک کی جنسیت پر مبنی معلومات بہت اختصار کے ساتھ اپنی کتاب میں درج کی ہیں اس نے بتایا ہے کہ زمانہ قدیم میں زندگی کے ہر شعبے کو جنسیت نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا اور اسے انسانی زندگی کی بقا اور دوام کے لیے نہایت ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ انسانی جنسی اعضاء، نہ تو پوشیدہ رکھا جاتا تھا اور نہ ہی برہنگی کو برا خیال کیا جاتا تھا۔ اس زمانے کے مٹی کے برتنوں پر کندہ تصاویر میں ایک فلم کی طرح ایسی معلومات ملتی ہیں جو یونان کے لوگوں کی زندگی میں مروج تھیں اور

جن کا بیشتر حصہ جنسی افعال و اعمال کے بارے میں ہوتا تھا۔ یونانی جنگوں میں بالکل ننگے ہو کر یا معمولی کپڑے پہن کر حصہ لیتے تھے اور اس میں کسی قسم کا کوئی عیب محسوس نہیں کرتے تھے۔ اگرچہ رومن عریانیت کی جانب بہت زیادہ التفات نہیں رکھتے تھے تاہم اپنے تہواروں کے موقع پر ہر قسم کی عریانیت کو رد رکھتے تھے اور اس ضمن میں کسی قسم کی شرم و حیا یا حجاب کو مناسب نہیں خیال کرتے تھے۔ ان کے تہواروں میں عریانیت کو اس حد تک دخل حاصل تھا کہ اس کی وجہ سے ان کے ہاں جنسی تشدد و رواج مل گیا اور اس بنا پر انھوں نے عریانیت کے تمام مظاہر کو خیر باد کہہ دیا۔

اسی دور میں مصر میں، شدید گرمی کی وجہ سے عورتیں ایک بہت مختصر لیکن مہین / باریک کپڑا پہنا کرتی تھیں اور لونڈیاں کسی قسم کا کوئی کپڑا استعمال نہیں کرتی تھیں بلکہ کوڑیوں / پتھروں کے بنائے ہوئے ایسے ہار استعمال کرتی تھیں اور غلام بھی اسی قسم کا بنایا ہوا جال استعمال کرتے تھے تاہم سردیوں کی راتوں میں ایک اونی غلاف اوڑھ لیا کرتے تھے۔

(۲) ۱۲۰۰ قبل مسیح کی قدیم قوم (Phonicia):

ان لوگوں کے ”بڑے خدا“ کا نام آشرتھا جس کے معنی مرد کے عضو تناسل (Penis) کے ہیں جسے وہ بہت متبرک اور خوشی کا باعث سمجھتے تھے۔ ان کا ایک اور ”خدا“ نیم مچھلی اور آدمی کی شکل کا ہوتا تھا جسے وہ تولیدی صلاحیت کا حامل سمجھتے تھے۔ ایک نوجوان لڑکی شادی سے قبل آشرت کے پتھر کے عضو تناسل کو اپنے جنسی اعضاء کے ساتھ رگڑنے کو ضروری سمجھتی تھی اور ان کے نزدیک یہ کوئی عیب کی بات نہ تھی۔

(۳) مصر:

مصر میں بت پرستی بہت قدیم لیکن بہت بڑے پیمانے پر کی جاتی تھی، جہاں بے شمار بت (”پہوٹے خدا“) پائے جاتے تھے۔ آسیرس (Osiris) اور ان لوگوں کے مطابق اس کی بہن / بیوی نے انسانی شکل میں مصر کے قدیم نام کھیم (Khem) کے بادشاہ اور ملکہ کا روپ اختیار کر لیا تھا۔ آسیرس، تخلیقی قوت کی ایک علامت تھی جو بنیادی طور پر مکئی کے خدا کی حیثیت رکھتا تھا۔ قدیم مصری تہذیب میں بتوں کو ایسے جنسی عضو کی شکل میں دکھایا گیا ہے جو انسان کے عضو مخصوص سے مشابہت رکھتا تھا اور جس پر پجاری اور دیگر لوگ تیل اور خوشبودار اشیاء کا چھڑکاؤ کرتے تھے۔

(۴) یونان:

یونانیوں کے بادشاہ کا نام زلیس (Zeus) تھا جس کا سراغ ویدوں میں بھی ملتا ہے۔ اُسے آسمانی خدا سمجھا جاتا تھا تاہم بہت سی زمینی عورتوں کے ساتھ اس کے جنسی تعلقات قائم تھے۔ ہرمس (Hermes) اس کے باپ کی مانند تھا، ہنس کے عضو مخصوص کی شکل ڈنڈے کے ارد گرد لپٹے ہوئے مادہ اور زسانپ کی طرح ہوتی تھی اور اس قسم کی اشکال تمام یونان میں سڑکوں، گناہوں اور شہروں میں پائی جاتی تھیں۔ یہ شکلیں ایک تنے ہوئے جسم (Erect phallus) اور عضو مخصوص کے سر (Head of penis) کی مانند ہوتی تھیں جن پر عوام الناس خوشبو اور تیل نکال کر کرتے تھے۔ اکثر اوقات نوخیز اور کسن لڑکیاں اپنی عصمت و عفت (Virginity) ان پر قربان کیا کرتی تھیں۔ ان کے ایک ”بھوٹے خدا“ (Hades) نے جسے ”تاریکی کا خدا“ سمجھا جاتا تھا، اپنی بھتیجی کو اغوا کر کے اسے اپنی ملکہ بنالیا تھا۔

یونان کے تمام دیوتاؤں میں سب سے زیادہ شہوت کا حامل دیوتا (Dionysius) تھے جو شراب اور شہوانی/جنسی لذت کا دیوتا کہلاتا تھا اور جس کی یاد میں شراب اور جنسی لذت کے بھرپور مظاہرے کیے جاتے تھے۔ روم میں اس کا ہم نام (Bacchus) تھا جو اس زمانے کی عورتوں میں وحشیانہ اور بھرپور شہوت رانی کے لیے بہت پسند کیا جاتا تھا۔

(۵) روم:

زمانہ قدیم سے ہی روم کی شہرت ایک ایسے شہر کی ہے جو طوائفوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ وہاں ان طوائفوں کے مختلف گروہ/طبقات پائے جاتے تھے جن میں صرف غریب اور پس منہ گھرانوں کی لڑکیاں/عورتیں ہی نہ ہوتی تھیں بلکہ ان کا تعلق شہر کے متمول اور اعلیٰ خاندانوں سے بھی ہوتا تھا۔ عریانیٹ اور شہوت رانی کے سیلاب نے بتدریج روم کو اپنی پلیٹ میں لے لیا اور مرد و زن نیگے ہو کر برسر عام اکٹھے نہایا کرتے تھے حتیٰ کہ رومن لٹریچر میں عریانیٹ، اس قدر عروج اور فروغ ملا کہ کوئی ایسی کتاب رومن لوگوں کی نظر میں قابلِ اعتنا نہ سمجھی جانی تھی جس میں عریانیٹ اور فحاشی اپنے عروج پر نہ ہو (سید مودودیؒ)۔ روم کے بادشاہوں کی نیاشی اور جنسی لذت نے اس قدر زور پکڑا کہ بالآخر وہ رومی قوم کی عظمت کو لے ڈوبی اور رومی

تہذیب جو اس زمانے میں تہذیب و تمدن کا گہوارہ سمجھی جاتی تھی، ایک تاریک دور میں ڈوب گئی!

(۶) ہندوستان:

ہندوؤں کے تین مشہور دیوتا براہما، وشنو اور شیوا ہیں جن میں سے ہر ایک کی ایک بیوی (Consort) تھی۔ اس طرح یہ کل چھ دیوی/ دیوتا بنتے ہیں۔ ہندوؤں میں جنسیت، مذہبی رسومات اور عبادت کی ایک اہم ترین شکل سمجھی جاتی ہے جس کے ذریعے ان کے دیوتا اس دنیا میں آہٹ توازن برقرار رکھتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ جنسیت کے علم کا باقاعدہ مطالعہ، یونانی دور سے شروع ہوتا ہے۔ بقراط (Hippocrate) جو ایک طبیب تھا اور افلاطون و ارسطو جو فلاسفر تھے، کو جنسی سائنس کے اولین استادوں میں شمار کیا جاسکتا ہے کیونکہ انھوں نے اپنے مشاہدے اور ریسرچ سے بہت سی ایسی معلومات اور تھیوریز پیش کیں جو جنسی رویوں، جنسی اعضا کی بیماریوں، تولید و تناسل، اسقاط حمل اور مانع حمل ذرائع جیسے اہم موضوعات سے متعلق تھیں۔ یونانی طبیب جالینوس نے رومی سلطنت کے دور میں اس سائنس کے قدیم خیالات و معلومات کو مزید بڑھایا۔ ان حکماء اور علماء کے کام نے مسلمان حکماء کے لیے اس موضوع پر تجربے کرنے کے جذبے کو بھارا۔ اس طرح یونانی کتب کے تراجم عربی میں ہوئے جن کے ذریعے یورپ کے سائنس دان ورائس علم متعارف ہوئے۔ جب مسلمانوں نے یورپ میں فتوحات حاصل کیں تو یہ معلوماتی کتب یورپ میں میڈیکل تعلیم کے اہم ذریعے کے طور پر عرصہ راز تک پڑھائی جاتی رہیں اور ان کتب کے اثرات دو صدیوں (سولہویں صدی عیسوی سے لے کر اٹھارویں صدی عیسوی) پر محیط تھیں اور اس دوران میں جس قدر تحقیقات علم تشریح الاعضاء (Anatomy) اور علم افعال الاعضاء (Physiology) میں ہوئیں، ان کا تمام تر سہرا ان مسلمان حکماء اور سائنس دانوں کے سر ہے جن کی کتب سے یورپ کے محققین نے آگاہ ہو کر اپنے تحقیقی کام کو مزید آگے بڑھایا۔^①

① اس پہلو پر مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے مصنف کی کتاب ”قرآن حکیم اور علم الجینین“ مطبوعہ ادارہ مطبوعات ملیہانی، اردو بازار لاہور

ان ہر دو علوم (جو طب کے بنیادی مضامین کہلاتے ہیں) کی بہت سی اصطلاحات از قسم (Fallopian tubes)، (Graffian follicle)، (Cowper's gland) وغیرہ ان سائنس دانوں کے نام پر ہیں جو بالترتیب Fallopio، de Graaf اور Cowper کے نام سے جانے جاتے ہیں (Asdell, A.S ۱۹۴۹) مسلمانوں کی ان علمی خدمات کی وجہ سے یورپ میں ایک مہذب اور روشن دور کا ایسا سیلاب اٹھا کہ نتیجتاً جنسی اخلاقیات اور اس موضوع پر بحث و مباحثہ کا بھرپور آغاز ہوا لیکن (چند وجوہات کی بنا پر) اس کا رخ الحاد کی جانب مڑ گیا (Eitel, ۱۹۸۳)۔ اس دور میں جنسی سائنس کی متعدد شاخوں کی دریافت ہوئی اور اس پر کتب و رسائل لکھے گئے۔ انیسویں صدی میں کثرت آبادی، جنسی انحرافات، اور نفسیاتی امراض بے بارے میں انکشافات ہوئے جس کی وجہ سے اسے ایک باقاعدہ سائنس کا درجہ حاصل ہو گیا۔ حتیٰ کہ بالآخر بیسویں صدی کے آغاز میں ہیولاک ایلس (Havelock Ellis)، سگمنڈ فرائیڈ (Sigmund Freud)، آئیون بلوخ (Ivon Bloch) اور دیگر بے شمار سائنس دانوں کے تحقیقی کاموں کی وجہ سے جنسی سائنس (Sexology) کی بنیاد رکھی گئی۔

۱۹۰۸ء میں میکلس ہرش فیلڈ نے اس سائنس کا پہلا تحقیقی جرنل شائع کیا۔ ۱۹۱۳ء میں آئیون بلوخ نے اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر (Medical Society for Sexology and Eugenics) کی بنیاد رکھی اور اس دوران مختلف محققین نے متعدد کتب و رسائل بھی شائع کیے۔

اس موضوع پر معلومات تشہر رہیں گی اگر ہم ان اداروں کا جائزہ نہ لیں جو اس سائنس کی ترویج و اشاعت میں پیش پیش رہے۔ ۱۹۱۹ء میں ہرش فیلڈ نے برلن (جرمنی) میں دنیا کا سب سے پہلا ادارہ Institute of Sexology کے نام سے قائم کیا۔ اس ادارے نے تحقیقی اور جنسی امراض کی تشخیص و علاج کے ادارے کی حیثیت سے دنیا میں ایک اہم مقام حاصل کیا۔ اس کی لائبریری میں بیس ہزار سے زائد کتب، ۳۵۰۰۰ تصاویر اور آرٹ کے نمونوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ اس کے علاوہ عیسائی عقیدے کے مطابق چالیس ہزار لوگوں کے گناہوں کے اعترافات (Confessions) اور ذاتی حالات پر مشتمل خطوط و مضامین بھی

نانکوں میں موجود تھے۔ اس ادارے کی سرگرمیوں میں حسب ذیل تین امور بہت اہمیت رکھتے تھے:
 اولاً: شادی سے قبل مشورہ (Pre-marital counselling) جو جرمنی کی حد تک اپنی نوعیت کا واحد ادارہ تھا جہاں نوجوان طبقے کو شادی بیاہ کے بارے میں آگاہ کیا جاتا تھا۔

ثانیاً: جنسی موضوعات پر باقاعدگی سے لیکچرز اور بحث مباحثہ کا اہتمام اور
 ثالثاً: میڈیکو لیگل سروس کا قیام جو اکثر جرائم کے معاملات میں بطور شہادت پیش کی جاسکتی تھیں۔

ان اہم کاموں کے بارے میں یہ ایک ایسا ادارہ تھا جس سے نہ صرف جرمنی کو بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کو فائدہ ہو سکتا تھا لیکن بد قسمتی سے ۱۹۳۳ء میں ہٹلر کے برسر اقتدار آنے کے قریباً ۳ ماہ بعد اسے برسر عام جلا کر رکھ دیا گیا۔ اس کی یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ اس ادارے میں بہت سے نازی افسران کے جنسی معاملات اور نازی پارٹی کی ٹاپ لیڈر شپ کے بارے میں ایسی معلومات تھیں جن کا افشا انھیں منظور نہیں تھا۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد امریکہ میں جنسیات کی سائنس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی جس میں الفریڈ نزی (Alfred Kinsey) کا نام سرفہرست ہے۔ بیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں میں تحقیقی کاموں کا رخ میڈیکل اور تولید و تناسل کے علم افعال الاعضاء کے امور کی جانب ہو گیا جس میں ولیم ماسٹرز اور جانسن (William Masters and Virginia Johnson) کی ۱۹۴۲ء اور ۱۹۵۰ء میں شائع ہونے والی دو کتابوں کو ایک نمایاں مقام حاصل ہوا (ان کتابوں کے بارے میں مزید معلومات آئندہ صفحات میں درج ہیں)۔

دنیا کے مذاہب میں جنسیت کا تصور:

عیسائیت میں جنسیت کے تصور کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کلاسز (Klausner, S.Z ۱۹۷۲ء) نامی ایک محقق کا یہ قول ہے کہ عیسائی مذہب میں قدیم زمانے سے ہی جنسیت کا تصور بہت گہری جڑیں رکھتا ہے۔ اسی طرح مشرق و مغرب میں پائی جانے والی مذہبی روایات میں مختلف جنسی رویے بالخصوص لذتیت یا جنسی اشتعال انگیز (Eroticism) عناصر شامل ہیں۔ اس کے برعکس راہبانیت کا تصور ہے جو انسان کے فطری و جبلی داعیات کی یکسر نفی

کردیتا ہے اگرچہ وہ بھی اپنے استدلال کے لیے مذہبی تعلیمات سے ہی استشہاد کرتے ہیں۔
ہندومت کی روایات میں جنسیت کو بہت اہمیت حاصل ہے ہندوستان میں جنسیت نے
ہندوؤں کے فکر و عمل میں ایک ایسا اہم کردار ادا کیا ہے جس کے ڈاٹھے وید کی تعلیمات سے
ملے ہوئے ہیں۔ (Mircea Eliade، ۱۹۸۶)

مذہب (عیسائیت اور یہودیت) میں جنسی معاملات، طرزِ عمل اور رویوں کے بارے میں
کنزے اور اس کے ساتھیوں (Kinsey et. al ۱۹۵۳: ۱۹۵۳ a) کی دو رپورٹیں خصوصی
اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کے بقول امریکہ میں مذہبی دلچسپی رکھنے اور اس پر عمل کرنے والے تمام
لوگ جنسیت کے بارے میں منفی خیالات رکھتے ہیں کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ مذہبی تعلیمات
کے تحت (شادی شدہ زندگی میں) جنسی مباشرت سے لذت کا حصول ممنوع ہے۔ ان کی رائے
میں ”تمام جنسی اعمال“ (Sexual outlets) میں جنسی تعلقات کی شرح ان لوگوں میں کم
ہوتی ہے جو مذہب (عیسائیت/یہودیت) کے ساتھ گہرا شغف رکھتے ہیں۔“ (اس بارے
میں تنقیدی گفتگو آئندہ صفحات میں کی جا رہی ہے)۔ مختلف مذاہب میں جنسیت کے
بارے میں جو خیالات پائے جاتے ہیں، ان کا مختصر جائزہ درج ذیل صفحات میں پیش کیا
جا رہا ہے۔

(۱) یہودیت:

یہودیت کی نظر میں جنسیت قابلِ نفیس نہیں بلکہ اس کے برعکس یہ الہامی تعلیمات کا تقاضا
اور ان پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے جو انسانیت کو یہودی مذہب (تورات کی تعلیمات) سے ملا
ہے۔ اس ضمن میں ایک ربی (یہودی مذہبی عالم) کا یہ قول بہت اہم ہے کہ ”آگاہ رہو کہ نیاں
بیوی کے درمیان جنسی ملاپ جو صحیح طریق پر، صحیح وقت پر اور صحیح نیت کے ساتھ کیا جائے، ایک

① ”تمام جنسی اعمال“ (Sexual outlets) ایک مخصوص اصطلاح ہے جس میں مغربی سائنس دانوں نے بعض
کنزے کے مطابق شادی سے باہر مباشرت، مشت زنی، ہم جنس پرستی، اور دیگر اقسام کے جنسی انحرافات پر عمل کر کے
لذت یا جنسی حظ (Orgasm) کا حصول ایک فطری طریق کار سمجھا جاتا ہے!

نیکلی، "مقدس عمل ہے۔ کسی بھی شخص کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ یہ ایک گناہ اور امر ممنوع ہے۔"

"زوجهین کا جنسی وظیفے کی ادائیگی میں مصروف ہونا اور کسی کنواری عورت (بیوی) سے مباشرت کرنا ایک مقدس عمل ہے جس پر انسان کو نفلی عبادت (شکرانہ) ادا کرنا چاہیے۔"

(Goldberg, B.Z 1930) اس نقطہ نظر سے یہودیت کی نظر میں کسی شخص کو جنسی عمل سے پرہیز نہیں کرنا چاہیے۔ "ایک ایسا یہودی جس کی بیوی نہیں وہ مرد کہلانے کے قابل نہیں۔ اس طرح جس آدمی کی بیوی نہیں وہ مذہبی بزرگی/عظمت (Blessings) اور روحانی سکون کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔" وہی مصنف مزید لکھتا ہے کہ "جس طرح مجرد رہنا ایک گناہ ہے، اس طرح شادی شدہ حالت میں کسی کا بغیر اولاد کے رہنا بھی ایک گناہ ہے۔ اسی لیے ایک بوڑھی عورت سے نکاح مناسب نہیں یا کسی ایسی لڑکی سے نکاح، جو بہت نوعمر ہو اور بچہ دینے کی پوزیشن میں نہ ہو، بھی جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ دس سال گزارے اور ان کے ہاں اولاد نہ ہو تو ایسی عورت کو طلاق دے دینی چاہیے اور کسی اور عورت سے شادی کر لینی چاہیے جس سے اس کو اولاد ہو۔"

یہودی جنسی اخلاقیات میں مشت زنی (Masturbation) ایک ناقابل معافی اور سخت گناہ ہے کہ اس کے ذریعے ایک انسان، مادہ منویہ (Semen) کو ارادی طور پر ضائع کرنے کا مرتکب ہوتا ہے اور ایسے شخص کو قاتل کہا جاتا ہے۔ یہود (Judah) کا بیٹا (Onan) اللہ کی نظر میں مبغوض قرار پایا تھا کہ اس نے اپنا مادہ منویہ زمین پر ضائع کر دیا تھا۔ یاد رہے کہ اس سے یہ فعل اس لیے سرانجام دیا تھا کہ وہ بچے کی پیدائش کو روکنا چاہتا تھا۔ اس لیے مشت زنی کی عادت بد کو (Onanism) بھی کہتے ہیں۔

(۲) عیسائیت:

کالینیو (1986 loan Petru Cullianu) کے بقول "پہلی صدی عیسوی میں جنسیت سے پرہیز ایک عام عمل تھا۔ مجرد رہنے کا معیار بہت سخت تھا حتیٰ کہ کسی عورت بلکہ مرثی پر نظر پڑنا بھی آپ بڑا روحانی خطرہ سمجھا جاتا تھا۔ جب بوڑھا پادری سبا (Saba) اپنے ایک مرید کے ساتھ سفر کے دوران ایک خوبصورت لڑکی کے پاس سے گزرا تو اس نے کہا کہ "اس لڑکی کی ایک

آنکھ تھی، لیکن اس کے شاگرد نے اس سے اتفاق نہ کرتے ہوئے کہا کہ ”نہیں، اس کی تو دونوں آنکھیں سلامت تھیں“ اس پر بوڑھے پادری نے اس کو اپنے سے جدا کر دیا کیونکہ بوڑھے پادری نے ”ایک آنکھ کی لڑکی“ کا ذکر شاگرد کو آزمانے کے لیے کیا تھا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آیا اس کا شاگرد اس خوبصورت لڑکی کو نظر بھر کر دیکھتا ہے یا نہیں؟ عیسائیت میں تہجد پسندی کی اس قدر انتہا تھی کہ جنسی خیالات اور اعمال کو بہت سختی کے ساتھ پکڑ دیا جاتا تھا۔ متعدد راہب مثلاً سائیل (Cybele) جسے Galli بھی کہتے ہیں، نے اپنے آپ کو خنثی (Castrate) کر دیا تھا۔

اس امر کو جاننے کے لیے کہ عیسائیت میں جائز جنسی اعمال سے اجتناب اور تجرد کے خیالات کیسے در آئے، ہمیں یہودیت کی تاریخ میں عورت اور جنسی اعمال کے بارے میں، ان خیالات اور تصورات کا مطالعہ کرنا پڑے گا جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے درمیان زندہ تھے۔

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ یہودیوں کے ہاں عورت کے بارے میں بہت گھٹیا خیالات پائے جاتے تھے۔ ایک یہودی کسی عورت کو صبح بخیر (سلام) نہیں کہتا، وہ کسی عورت سے سر راہ بات نہیں کرتا خواہ وہ اس کی بیوی، بہن یا بیٹی ہی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ ہر یہودی اس امر پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اسے غلام یا عورت پیدا نہیں کیا گیا۔ یہودیوں کا ایک فرقہ اس بارے میں اس قدر متشدد تھا (جس کا نام تاریخ میں فریسیسمز یا خون آلود فریسیسمز (Bleeding Phrasises) ہے کیونکہ وہ آنکھیں بند کر کے بازار یا راستے میں چلتے تھے مبادا کسی عورت کا سامنا ہو جائے۔ اس طرح وہ دیواروں سے ٹکرا جاتے تھے جس سے ان کی پیشانی یا منہ کے زخمی ہونے کی وجہ سے خون بہنے لگتا تھا!

عورتوں کے بارے میں یہودیوں کی ان مسخ شدہ تعلیمات کے برعکس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عورتوں کے بارے میں رویہ بتول سمپسن مار (Simpson G. Marr ۱۹۳۶) نے ہمہ روانہ، مثبت اور عقل و انصاف پر مبنی تھا۔ انھوں نے کبھی عورت کی تحقیر نہیں کی اور اسے ہمیشہ مرد کے برابر خیال کیا۔ اس ضمن میں ایک عورت کا مقدمہ آپ کے سامنے پیش ہوا جس پر یہودیوں نے زنا کا الزام لگایا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ”اس عورت کو پہلا پتھر وہ شخص مارے جس کا

دامن اس جرم سے پاک ہو۔“^۱ یہ سنتے ہی مجمع آہستہ آہستہ چھٹنے لگ گیا۔ اس تمام عرصے کے دوران آنجناب ﷺ اپنی انگلی سے زمین پر لکھتے رہے (تاکہ لوگوں کو وہاں سے جانے میں آسانی ہو)۔ تمام لوگوں کے چلے جانے پر جب وہ عورت اکیلی رہ گئی تو آپ ﷺ نے ازراہ شفقت اسے نصیحت کی کہ ”میں تمہیں ملامت نہیں کرتا۔ جاؤ اور کسی گناہ میں ملوث نہ ہونا“ یہی وجہ تھی کہ یہودی علما، حضرت عیسیٰ ﷺ کے دشمن ہو گئے کہ وہ صحیح الہامی ہدایات (تورات کے مطابق) کی تلقین فرماتے تھے اور لوگوں کو خواہ مخواہ کی الزام تراشی پر سزا دینا مناسب خیال نہیں کرتے تھے۔

ایسے حالات میں عیسوی تعلیمات کے خلاف، یہودیوں کا صنفِ نازک کے بارے میں خیال اور عمل میں تشدد پیدا ہوتا گیا اور عورتوں کے بارے میں منفی خیالات برگ و بار پائے گئے۔

عیسائیت میں رہبانیت اور مجرد رہنے کے خیالات کی ترویج و اشاعت میں سینٹ پال (Saint Paul) کی تعلیمات اور ذاتی خیالات کو بہت بڑا دخل حاصل ہے۔ سینٹ پال میں عورت کے خلاف اس قدر منفی جذبات اور تشدد خیالات کے پرورش پانے کی ایک بڑی وجہ ”ڈیوڈ سمٹھ (ایک معروف لیکن بہت محتاط محقق) کے بقول اس کی گھریلو زندگی میں ناکامی ہے۔ سمٹھ کے بقول پال کا تعلق یہودیوں کے ایک فرقے Sanhedrin سے تھا۔ جس میں شادی کے ذریعے ایک لڑکے کی پیدائش کو ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ عیسائیت قبول کرنے سے پہلے، اس کی ازدواجی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات میسر ہیں اور بعض لوگ تو اس کی شادی کے بارے میں بھی متضاد خیالات رکھتے ہیں۔ تاہم عورت کے بارے میں پال کے یہودی مذہب کے خیالات میں کوئی تبدیلی واقعی نہیں ہوئی بلکہ وہ اپنے یہودی خیالات پر ہی عمل پیرا رہا، اس طرح اس نے عورتوں سے شادی نہ کی اور یوں اس کے انفرادی خیالات عیسائیت میں داخل ہو گئے۔

(GoldBerg, B.Z 1930)

سینٹ پال نے اپنے مقلدین کو شادی کے ذریعے عورتوں کے ساتھ تعلق رکھنے کی سختی سے مخالفت کی۔ اس کے بقول ”یہ بہتر ہے کہ مرد کسی عورت کو ہاتھ نہ لگائے“ اس کے نزدیک

۱۔ یہ ہے کہ وہ تمام لوگ بشمول یہودی علماء خود زنا کے واقعات میں ملوث رہے تھے کیونکہ بنی اسرائیل میں زنا عام ہو گیا تھا۔

کسی عورت (بیوی) سے جنسی تعلقات استوار کرنے سے عبادت میں خلل پڑتا ہے کیونکہ شادی اور بچوں کی وجہ سے اس کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ تاہم لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے اس نے عامۃ الناس کو شادی کرنے کی اجازت دی تاکہ وہ شیطان کے دوسوں سے محفوظ رہیں۔ تاہم اس کے ساتھ اس نے متنبہ کیا کہ ”انھیں یہ اجازت میں بطور رعایت کے دے رہا ہوں جب کہ اس کا الہامی ہدایت سے کوئی تعلق نہیں۔“

جنسی اعمال کے بارے میں راہبوں کا رویہ اور طرز عمل:

جنسی اعمال کے بارے میں سینٹ پال کے درج بالا خیالات کا تعلق صرف اس کی ذاتی اور انفرادی زندگی تک ہی محدود نہ تھا بلکہ عیسائیت کے دورِ اولین میں متعدد ایسے راہب بھی پائے جاتے تھے جو اس قسم کے خیالات کے نہ صرف حامل تھے بلکہ ان پر سختی سے عمل پیرا بھی تھے۔ ذیل میں عیسائیت کے دورِ اول کے چند ایسے راہبوں کے بارے میں کچھ معلومات پیش کی جا رہی ہیں:

◀ جیروم: (۳۱۳-۴۱۹) نے نو جوان لڑکیوں کو ایک خط کے ذریعے ہدایت کی کہ وہ شادی نہ کریں۔ اسی طرح بیوہ عورتیں بھی نکاح ثانی نہ کریں بلکہ اپنی باقی ماندہ زندگی بیوگی کی حالت ہی میں گزار دیں۔

◀ ایک اور اچھوتا عمل جو دورِ اول میں رائج ہوا اور جس کے بارے میں تاریخ دانوں کا یہ خیال ہے کہ اس کا بانی سینٹ پال تھا، وہ ایک راہب اور نن (مرد و عورت) کا ایک روحانی شادی (Spiritual marriage) کے طور پر اکٹھا رہنا تھا۔ بعض اوقات روحانی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ رکھنے والے ایسے جوڑے جنگل/صحرا میں اکٹھے رہنے کے لیے چلے جاتے تھے۔ جیروم نے اس صورت حال پر کیا تبصرہ کیا، وہ اس کے اپنے الفاظ میں یوں ہے ”ہمارے ہاں ایک اور سکیئنڈل بھی پایا جاتا ہے جس کے بارے میں بات کرتے ہوئے بھی مجھے حیا آتی ہے، اگرچہ وہ بہت افسوس ناک حالت ہے تاہم درست ہے۔ عیسائیت میں ”محبوبہ بہنوں“ (Beloved sisters) کا تصور کس جگہ سے در آیا ہے؟ کس طرح یہ غیر شادی شدہ بیویاں (Unwedded wives) جو دراصل

لوٹڈیاں (Concubines) ہوتی ہیں بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ یہ کسی ایک شخص کے حرم (Harlots) کی شکل ہے، وہ کس طرح ایک کمرے بلکہ اکثر ایک بستر پر اکٹھے لیتے ہیں؟ اور جب ہم اس طرز عمل کے غلط ہونے پر توجہ دلاتے ہیں تو ہمیں غلط فہمی یا شک و شبہ میں مبتلا ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔“

۴۱ اسی طرح کے نامناسب جنسی طرز عمل کے بارے میں ٹرٹولین (Tertulian) نامی سینٹ نے بھی اعتراضات کیے۔ لیکن ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ درج بالا تحریر کے خالق سینٹ جیروم بھی انہی گھرانوں کی خواتین کے ساتھ اس طرح کے ”روحانی تعلق“ کی حالت میں رہتے تھے!

۴۲ مجرد رہنے سے ”روحانی بلوغت، روحانیت کے اعلیٰ مدارج“ حاصل کرنے کے اس اصول پر غلو کی حد تک عمل کرنے کی یہ انتہا تھی کہ دوسری/ تیسری صدی عیسوی تک عیسائیوں میں یہ عقیدہ پختہ بنیادوں پر استوار ہو چکا تھا۔ دور اول کے سینٹ/ راہبوں میں سے ٹائین (Tatian) نامی سینٹ، کسی قسم کے بھی جنسی تعلقات رکھنے کی سختی سے مخالفت کرتا تھا۔

یہاں یہ امر باعث دلچسپی ہوگا کہ مجرد کے مخالفین جن میں جونیس (Jovianus) اور ہلویڈس (Helvidius) نامی سینٹ، عیسائیوں میں غیر مقبول ترین فادرز (Fathers) کی حیثیت رکھتے ہیں اور مجرد رہنے کے حامی سینٹ جو بڑی تعداد میں تھے، نے اکٹھے مل کر راہبوں کو مجرد رہنے پر زور دیا۔ اگرچہ ایک قلیل تعداد نے اس امر کے اظہار میں بھی کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا کہ مجرد کا تصور نہ تو بائبل میں موجود ہے اور نہ ہی یہ فطرت کے مطابق ہے کہ پاکیزگی اور روحانیت کے حصول کے لیے مجرد کو شادی پر ترجیح دی جائے!

۴۳ وقت گزاری کے ساتھ، روحانی بلندیوں کے حصول کی خاطر عیسائیوں میں ایک ایسا طبقہ (Stylites) پیدا ہو گیا جو کسی ستون یا اونٹنی مچان پر رہتے تھے اور اپنے جسم کو دھوپ کی حدت، بارش نیز رات کے وقت سردی کی شدت سے بچانے کا کوئی بندوبست نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اس قسم کے راہبوں کو ”ستونوں والے راہب“ (Pillar Saints) بھی کہتے ہیں۔ اس قسم کے راہبوں میں سرفہرست سینٹ سائمن سٹائلٹ (St. Simmon Stylite) کا نام ہے جو تیس سال تک تنہائی کی حالت میں رہا۔ عیسائیت میں یہ تصور اس

قدر مقبول ہوا کہ عوام میں اس قسم کے راہبوں کو بہت پذیرائی ملی۔ اور یوں یہ لوگ عام و خاص عورتوں اور مردوں میں یکساں مقبولیت اور احترام کی نظروں سے دیکھے جانے لگے۔ اس قسم کے راہبوں کی ”زیارت“ کے لیے لوگ جوق در جوق غاروں، جنگلوں اور صحراؤں میں اپنے ساتھ بہت سے تحائف لے کر جاتے تھے تاکہ ان ”بزرگ ہستیوں“ سے اپنے امراض جسمانی و دیگر بھلائیوں کے لیے دعا کرائیں۔

اگرچہ اس قسم کے تمام لوگوں نے اپنے طور پر ہر قسم کے جنسی علائق سے اجتناب کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تاہم وہ یہ حقیقت فراموش کر گئے کہ انسانی جبلت اور فطرت سے فرار ممکن نہیں۔ انسان کو ان خیالات اور خواہشات سے کسی طور بھی مفر نہیں جو اس کے دل و دماغ میں جنم لیتے رہتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ عیسائی چرچ کے بہت سے بڑے بڑے راہبوں اور سینٹ صاحبان کے اپنے الفاظ تاریخ نے محفوظ کر لیے ہیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خلاف فطرت (تجرد) سوچ اور عمل سے انسان کو روحانی بالیدگی حاصل نہیں ہوتی۔ درحقیقت جو انسان جس قدر جنسی تعلقات کی فطری ضرورت و اہمیت کو پس پشت ڈال کر شادی سے گریز اور اجتناب کرتا ہے، وہ اسی شدت سے جنسی بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے! اس فطری حقیقت کا ادراک کرنے کے لیے سینٹ جیروم کی اپنی ڈائری یا نصیحت نامہ (Epistles) کا ایک صفحہ ملاحظہ ہو:

”اوہ! میں صحرا میں رہنے کے دوران اکثر اوقات اس تنہائی کے عالم میں، سورج کی تیز شعاعوں کی زد میں، جو ہم جیسے راہبوں کے لیے ایک بہترین آماجگاہ ہے، مجھے اکثر روم کی آرام دہ زندگی یاد آتی تھی۔ لیکن اگرچہ جہنم کی آگ کے ڈر سے جہاں میں نے اپنے آپ کو اس قید خانے میں ڈال رکھا تھا اور جہاں میرے ساتھی بچھو اور وحشی جانور ہوتے تھے، اکثر میں اپنے آپ کو ناچتی ہوئی خوبصورت لڑکیوں کے جہنم میں دیکھتا تھا۔ اگرچہ میرا چہرہ، کھانا نہ کھانے کی وجہ سے زرد رنگ کا ہو گیا تھا اور میری ٹانگوں میں سکت نہ رہی تھی اور وہ برف کی طرح ٹھنڈی لگتی تھیں لیکن میرا ذہن خواہش (جنسی) سے جلتا رہتا تھا اور میرے اندر لذت جنسی کی شدید خواہش جنم لیتی رہتی تھی اگرچہ میرے جسم کا گوشت عملی طور پر مردہ ہو چکا تھا۔“ اس آپ بیتی

پرانی قسم کے تبصرے کی ضرورت نہیں۔ ہر صاحب عقل آدمی اس سے خود ہی بہت کچھ سبق حاصل کر سکتا ہے کہ فطرت کی تعزیریں بہت سخت ہوتی ہیں!

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ تجرد کی زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ، جنسی خواہش اور جذبے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے بے رحمی کے ساتھ فحشی کرانے کی ترکیب بھی استعمال کی جاتی تھی۔ چونکہ راہبوں کے عورتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے لوگوں میں چٹائیوں یا شروع ہو گئی تھیں بالخصوص جبکہ وہ تنہائی میں ہوتے تھے اس لیے یہ ظالمانہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ ”آسمانی بادشاہت کی خاطر اپنے آپ کو فحشی کراؤ“۔ ارائیکن (Origen) اور ویلنٹائن (Valentine) نامی راہبوں نے سب سے پہلے اپنے آپ کو فحشی کرنے کے لیے پیش کیا۔ (Simpson, G. Marr, 1936) یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ ارائیکن سمیت بہت سے دوسرے لوگوں نے اس طریق کار سے برأت کا اظہار، ندامت و افسوس کے ساتھ کیا لیکن ”خود کردہ راعلاج نیست، ایک دفعہ فحشی ہونے کے بعد اس کا مداوا ممکن نہ تھا!

اس موضوع کو ختم کرنے سے قبل یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ زمانہ حال کے مسیحی انگریز مسٹرین کے ان تبصروں کو بھی دیکھ لیا جائے جو انھوں نے چرچ کی اس قسم کی تعلیمات کے بارے میں کیے ہیں۔ رابرٹ بریفاٹ (Robert Briffault) نے کہا کہ ”پادریوں کے غیر مصالحانہ رویے کا، جس کی وجہ سے بہت سے عیسائی اپنے آپ کو فحشی کرانے پر مجبور ہوئے (یا مجبور کر دیے گئے)، بدیہی نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کے لیے مذہبی تعلق کے ساتھ ساتھ شادی کی نفی ہوئی، اور اس کی وجہ سے عورت کو جہنم کا دروازہ کھولنے والا سمجھا جانے لگا، اور انسانی نسل کے خاتمے کو نسل انسانی کے فروغ پر ترجیح مل گئی جو صرف اور صرف شادی کے نتیجے میں مرد و زن کے جنسی اختلاط سے ہی ممکن تھا اور اس طرز فکر سے جنسی بد اخلاقی کے ان تصورات کو فروغ ملا جو آج مغربی دنیا میں رائج ہیں۔ مغرب میں ان روایات کو انسانی فکر و عمل کی مشترکہ مساعی کا نتیجہ قرار دیا گیا لیکن عملاً ایسا نہیں ہے۔ یہ ان باقیات میں سے ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ ان کی اصل صورت کے اعتبار سے کچھ کہنے میں ہچکچاہٹ محسوس کریں گے کہ یہ چند ژولیدہ فکر اور متعصب ذہنوں کی پیداوار ہیں جو انسانیت سے بدلہ لینے کے لیے ایجاد کیے گئے ہیں!“

ماضی قریب کے ایک اور برطانوی مفکر برٹریڈ رسل (Bertrand Russel) نے اس بارے میں یوں اظہار خیال کیا کہ ”تیرہویں صدی عیسوی کے اواخر تک عیسائی پادریوں میں مجرّم رہنے کا طریقہ جاری تھا تاہم یہ لوگ در پردہ عورتوں سے جنسی تعلق رکھتے تھے“ بارہویں پوپ جان (Pope John XII) کو زنا اور نابالغ بچوں کے ساتھ جنسی تعلق کی بنا پر معطل کیا گیا۔ ۱۱۷۱ء میں سینٹ آگسٹائن (St. Augustine) کی خانقاہ واقع کنٹربری کے نومنتخب پادری ایبٹ (Abbot) کے ۷۷ حرامی بچے ایک ہی گاؤں سے دریافت ہوئے۔ ۱۲۷۴ء میں ہنری سو (Henry III) کو جو کہ Leige کا بپ تھا اس بنا پر معطل کیا گیا کہ اس کے ۶۵ حرامی بچے تھے اور لیکی (Lecky, W.E.H 1897)، جو کہ ”تاریخ اخلاق یورپ“ کا مصنف ہے، کے بقول ازمنہ وسطیٰ کی بے شمار تحریروں میں ننگھروں (Nunneries) کے قصے پائے جاتے ہیں جو دراصل فحشہ خانے تھے جن کی چار دیواری کے اندر بے شمار بچوں کی قتل گاہیں تھیں اور جو راہبوں کے لیے نابالغ بچوں کے ساتھ زنا کرنے کے اڈے تھے۔“

جنسی انقلاب:

جنسیت کے بارے میں چرچ کے خلاف فطری خیالات کا یہ نتیجہ نکلا کہ یورپ میں انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں ایک جنسی انقلاب رونما ہوا جس کے تحت زندگی کے اس اہم پہلو (جنسی جبلت) کو عیسائیت اور نام نہاد عیسائی جنسی اخلاقیات سے آزاد کرالیا گیا۔ وکٹورین عہد میں ایک شریف آدمی کے اعلیٰ کریکٹری کی یہ دلیل سمجھی جاتی تھی کہ وہ نہ صرف شادی سے باہر کسی قسم کا کوئی جنسی فعل سرانجام نہیں دے گا بلکہ شادی کی صورت میں بھی میاں بیوی شرم و حیا۔ تقاضوں کا خیال رکھیں گے۔ میاں بیوی کے درمیان جنسی ملاپ کو دونوں فریق (شوہر یا بیوی) حصول لذت کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے بالخصوص عورت کے لیے اس کا حصول یا اس کا اظہار ایک بہت معیوب بات سمجھی جاتی تھی۔ چرچ کی تعلیمات کے تحت میاں بیوی کے درمیان بغیر حصول لذت، صرف اولاد پیدا کرنے کے لیے اختلاط جنسی (مباشرت) کو جائز سمجھا جاتا تھا۔ چرچ۔ مذہبی عہدیداروں کے لیے حالت تنہائی میں اپنی بیویوں سے بھی ملاقات کی اجازت نہ تھی۔ مختصراً یہ کہ بیسویں صدی کے آغاز تک جنسیت بنیادی طور پر ایک برا کام (گناہ) سمجھا جاتا تھا۔ ایسے

حالات کے تحت یورپ میں چرچ کے اس قسم کے ظالمانہ اور غیر فطری معیارات کے خلاف ایک رد عمل کا آغاز ہوا اور بقول سید مودودی:

”اٹھارویں صدی عیسوی میں یورپ کے فلاسفہ اور اہل قلم نے جب سوسائٹی کے خلاف فرد کے حقوق کی حمایت میں آواز اٹھائی اور شخصی آزادی کا تصور پھونکا تو ان کے سامنے وہی غلط نظام تمدن تھا جو مسیحی نظام اخلاق و فلسفہ زندگی اور نظام جاگیرداری (Feudal system) کے منحوس اتحاد سے پیدا ہوا تھا اور جس نے انسانی روح کو غیر فطری زنجیروں میں جکڑ کر ترقی کے سارے دروازے بند کر رکھے تھے۔ اس نظام کو توڑ کر ایک نیا نظام لانے کے لیے جو نظریات جدید یورپ کے معماروں نے پیش کیے جن کے نتیجے میں انقلاب فرانس رونما ہوا اور اس کے بعد مغربی تہذیب و تمدن کی رفتار ترقی کے ان راستوں پر لگ گئی جن پر بڑھتے بڑھتے وہ آج کی منزل پر پہنچی ہے۔“

ایک مسلمان ڈاکٹر حسن ہفوات (Hassan Haphot 2000) نے یورپ کے اس جنس انقلاب پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا کہ ”یورپ کا جنسی انقلاب دراصل دولت کی فراوانی، تحدید آبادی اور مانع حمل گولیوں کا نتیجہ ہے۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں فرد کو لامحدود آزادی حاصل ہو، وہاں فرد کی جنسی تسکین کے لیے ہر جنسی خواہش اور جذبے کو ایک ضرورت قرار دیا گیا اور یوں یہ فرد کا حق بن گیا کہ وہ اس کی تسکین کے لیے جو طریقہ بھی چاہے، اختیار کر لے۔ جنسی انقلاب کے نتیجے میں ان اقدار کو بھی جائز کر لیا گیا جو تاریخ کے طویل دور میں انہیں انسانیت کی نظر میں قابل نفیس تھیں لیکن اب وہ جائز قرار دی گئیں اور معاشرے نے انہیں سندِ جواز دے دی۔“

اسی طرح ایک دوسرے مسلمان دانشور نے بھی اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا کہ ”(یورپ اور امریکہ) میں پائے جانے والے حالات کی ذمہ داری ان غیر فطری پابندیوں پر عائد ہوتی ہے جو چرچ نے نافذ کی تھیں کیونکہ وہ لوگ جب اپنے فطری جنسی جذبے کو نہیں دبا سکے تو وہ پشاورہ طور پر غیر فطری گناہوں میں مبتلا ہو گئے۔ جبکہ مارٹن لوتھر (Martin Luther) جیسے

لوگوں نے چرچ کی ان خود ساختہ پابندیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور یوں یورپ میں تحریک اصلاح کلیسا (Reformation Movement) کا آغاز ہوا۔ پس اس جنسی انقلاب نے یورپ کو ایک دوسری انتہا کی جانب دھکیل دیا جہاں جنس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی اور جہاں وہ آزادانہ ہر قسم کی پابندیوں کو توڑتے ہوئے، لذتِ جنسی سے بھرپور استفادہ کر سکتے تھے جس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔“ (Rizvi, S.S.A, 1980)

دورِ جدید میں جنسیت:

گذشتہ صفحات میں ہم نے انسانی تاریخ کے مختلف ادوار اور دنیا کے دو مشہور مذاہب (یہودیت اور عیسائیت) کی تعلیمات کے بارے میں تفصیلات دی ہیں۔ ذیل کے صفحات میں اب ہم اس بات کا مطالعہ کریں گے کہ زمانہِ جدید میں اس موضوع کے حوالے سے کیا کچھ نئی تحقیقات سامنے آئیں اور دورِ حاضر میں یورپ و امریکہ میں رہنے والے انھیں کس نظر سے دیکھتے ہیں اور ان پر کس طریق پر اپنی زندگی میں عمل پیرا ہیں۔

گذشتہ دو صدیوں میں جنسی موضوعات کے مختلف پہلوؤں پر حقائق پر مبنی بہت سا مفید کام سرانجام پایا۔ انسان نے جنس اور جنسیت کے بارے میں ایسے حقائق دریافت کیے جو اس سے قبل اسے معلوم نہیں تھے۔ اگرچہ دورِ جدید میں معلوم ہونے والے یہ حقائق اور معلومات بہت حد تک قابلِ تعریف ہیں تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کی مدد سے اخذ کردہ تمام نتائج فکر کو بھی من و عن تسلیم کر لیا جائے۔ کیونکہ انسانی ذہن، صحیح الہامی ہدایات کی روشنی میں ان سے بہتر نتائج بھی اخذ کر سکتا ہے جو عقل و دانش کو بھی اپیل کرنے والے ہوں اور سائنسی طریق کار سے بھی ان کی تائید ہو سکتی ہو۔ اگرچہ گذشتہ دو صدیوں میں بہت سے محققین نے جنسیت کے بارے میں بے شمار انکشافات اور تحقیقی کام سرانجام دیا تاہم ذیل کے صفحات میں ان تمام میں سے چار سائنس دانوں کے کام کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے گا۔

ہمارے پیش نظر ان محققین کے کاموں کا جائزہ لینے کا مقصد یہ نہیں کہ ہم اپنے پرھنے والوں کو ان تمام فنی اور سائنسی باریکیوں سے آگاہ کریں جو اس موضوع پر پائے جانے والے لٹریچر میں موجود ہیں اور نہ ہی ان کا تفصیلاً تنقیدی جائزہ لینا ہمارا مقصد ہے کہ یہ دونوں امور اس

کتاب کے نفس مضمون سے باہر ہیں تاہم ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ ہمارے قارئین یہ جان سکیں کہ کیا نظریات و خیالات ہیں جنہیں انسانی فکر نے دو صدیوں کی طویل تگ و دو کے بعد دریافت کیا تاکہ ہم ان سے ایسے معنی خیز مطالب و مدنی اخذ کر سکیں جو ہمیں آئندہ صفحات میں جنس کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو سمجھنے میں مدد دے سکیں۔

(۱) سگمنڈ فرائیڈ (Sigmund Freud):

سگمنڈ فرائیڈ، دماغی امراض کا ایک آسٹرین ڈاکٹر تھا جس نے انسانی دماغ اور نفسیات کے بارے میں بہت جامع معلومات دریافت کیں۔ اس نے یہ دریافت کیا کہ بہت سے امراض جن، ادویات سے ٹھیک نہیں کیا جاسکتا، ان کی تہہ میں بہت گہرے نفسیاتی عوامل کارفرما ہوتے ہیں جن کا علاج نفسیاتی طریقوں (Psychoanalysis) سے کیا جاسکتا ہے۔ اس نے انسانی ذہن میں موجود بہت سے ایسے امراض کا سراغ لگایا جو انسان کے تحت الشعور (Subconscious) میں چھپے ہوتے ہیں اور جن کا صحیح تشخیص کے ذریعہ علاج ممکن ہے۔

فرائیڈ ۴ مئی ۱۸۵۶ کو موجودہ چیکوسلواکیہ کے ایک شہر میں پیدا ہوا۔ وہ اصلاً اور نسلاً یہودی تھا۔ ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ ۱۸۷۳ میں وی آنا یونیورسٹی میں میڈیکل کے طالب علم کے طور پر داخل ہوا۔ وہاں سے میڈیکل کی تعلیم اعلیٰ نمبروں سے حاصل کی، اس کا ذہن رسا تھا جب کہ یادداشت اس قدر تیز تھی کہ وہ کتابوں کے اقتباسات من و عن سنا دیا کرتا تھا۔ اپنی بہنوں کی ایک سہیلی مارٹھا برنیس سے اسے محبت ہو گئی جس کا تعلق ہیمبرگ کے ایک اعلیٰ یہودی خاندان سے تھا اور یوں اس سے اس کی شادی ۱۸۸۶ میں ہو گئی۔ کچھ عرصہ تک اس نے ایک ماہر علم تشریح الاعضاء کی زیر نگرانی کام کیا جو انسانی دماغ کی ساخت کا مطالعہ کرتا تھا اور یوں اس کی توجہ اس جانب مبذول ہوئی جس کی وجہ سے اسے اپنے مستقبل میں کیے جانے والے کام میں مدد ملی اور جس کے نتائج اس نے اپنی کتاب Interpretations of Dreams میں لکھے۔ ۱۸۸۵ میں وہ عازم سفر ہوا جہاں اس نے اس وقت کے مشہور ترین ماہر امراض اعصاب / نفسیات جین مارٹن چارکوٹ (Jean Martin Charcot) کی راہ نمائی میں کام کیا۔ جب اس نے اپنے استاد کو ہسٹیریا (Hysteria، عورتوں کا ایک نفسیاتی مرض) پر کام کرتے دیکھا تو اس

کی توجہ انسانی جسم (دماغ) کی بجائے دماغ کے افعال اور نفسیاتی عوارض کی جانب مبذول ہوگئی۔

فرائیڈ کے پیشہ ورانہ کاموں کی تفصیل کو نظر انداز کرتے ہوئے، ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا ذہن جنسی بیماریوں کی نفسیاتی تعبیر و تشریح اور علاج کی جانب ہو گیا اور مختلف مریضوں نے حالات کا مشاہدہ کرنے سے اسے یقین ہو گیا کہ جنسی عدم تسکین بہت سے دماغی، نفسیاتی اور اعصابی امراض کا ایک نہایت اہم سبب ہے۔ اس نے اس حقیقت کا اظہار کیا کہ ”ایک صحت مند مرد جسے عصبی اختلال لاحق ہو جائے، اس کی وجہ اس کا جنسی فعل سے اجتناب (Abstinence) ہے جبکہ ایک صحت مند عورت میں اس کا سبب عزل^① (Cotius interptus) ہے کیونکہ اس کی نظر میں اس طریق پر عورت کو جنسی تسکین حاصل نہیں ہوتی (اور شاید حمل نہ ٹھہرنے کی وجہ سے بھی اسے کسی حد تک پریشانی لاحق ہوتی ہو۔ اضافہ از مصنف) اور یوں مسلسل اس عمل کے دہرانے پر اسے ہسیر یا کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔“

اس قسم کے متعدد مریضوں کا معائنہ کرنے کے بعد اس نے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا کہ ”ہسیر یا کی ایک بڑی وجہ بلوغت سے پہلے لڑکیوں کا کسی شکل میں غیر اطمینان بخش جنسی تجربہ (Passive sexual experience) بھی ہے جیسے زنا بالجبر (Traumatic seduction) مختلف مریضوں نے اُسے بتایا کہ اُن کے والدین میں سے کسی نے بچپن میں ان کے ساتھ وہی جنسی فعل سرانجام دیا تھا۔“ فرائیڈ نے اس سے، ایک اور نفسیاتی اصول اخذ کیا کہ عملاً اس طرح کا کوئی جنسی فعل وقوع پذیر نہیں ہوتا بلکہ انسانی دماغ (مریض) کو یہ واہمہ ہو جاتا ہے جو دراصل اس کی چھپی ہوئی خواہش کی تکمیل کے برعکس شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔“ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ بچپن میں جنسی فعل کی کوشش کی درج بالا توضیح درست نہیں۔ دراصل مریض ایک امر واقعہ کے طور پر اس حالت سے دو چار ہوتا ہے جسے وہ اکثر اوقات پایہ تکمیل کو

① قدیم زمانے میں ”عزل“ سے مراد وہ عمل تھا جس میں جماع/مباشرت کے دوران مرد کا مادہ منویہ، انزال کے وقت عورت کے جنسی اعضاء سے باہر نکالا جاتا ہے تاکہ اسے حمل نہ ٹھہرے۔ اس کے لیے آج کل کنڈوم استعمال ہوتا ہے۔

پہنچ جی لیتے ہیں تاہم بچوں میں اس کی یاد اس صورت میں رہتی ہے کہ وہ اپنی جنس یا صنف (لڑکے/لڑکی) کے برخلاف اپنے باپ یا ماں کے ساتھ سونا پسند کرتے ہیں اور یوں اپنی جنس کی تسکین کا سامان کرتے ہیں مثلاً بچوں کا ماں کے پستان چوسنا بھی ایک لذت کا کام ہے، اس نتیجہ نظر کو اس نے (Oedipus Complex) کا نام دیا۔

فرائیڈ کے ان خیالات سے اس زمانے کے بہت سے لوگوں نے اختلاف بھی کیا اور تنقیدی مضامین لکھے جس میں اس کے نمایاں ساتھی ایڈلر (Adler) اور کارل یگ (Carl Jung) بھی تھے۔ فرائیڈ نے اپنی زندگی میں متعدد کتب لکھیں جن پر آج تک مختلف ماہرین اور ادارے تنقید و تبصرہ کا کام کر رہے ہیں!

نازی دور میں یہودیوں کے قتل عام کی وجہ سے فرائیڈ کا کام بری طرح سے متاثر ہوا۔ برلن میں اس کی کتب کا بڑا ذخیرہ جلا دیا گیا اور اس کے پبلشر کی کتابوں کو سرکاری طور پر ضبط کر لیا گیا۔ اپنے احباب کے مشورے سے وہ لندن چلا آیا۔ جہاں کینسر کا علاج کرنے کے لیے اس کا آپریشن کیا گیا۔ اس مرض سے اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی تاہم اپنی موت سے ایک ماہ قبل تک وہ اپنے پیشہ ورانہ اور تحقیق و تصنیف کے کاموں میں مشغول رہا۔ آخر ۲۳ ستمبر ۱۹۳۹ء میں لندن میں اس کا انتقال ہو گیا۔

(۲) ہیولاک الیس (Havelock Ellis):

اگرچہ فرائیڈ کو موجودہ زمانے میں جنسیت کے مضمون کا امام مانا جاتا ہے اور اس کے ابتدائی کام نے اس موضوع سے متعلق موجودہ سائنسی معلومات پر ایک گہرا اثر چھوڑا تاہم اس کے یہ ہم عصر ہیولاک الیس کے تحقیقی کام اور اس کے نتائج فکر نے موجودہ زمانے اور بعد میں پیش کیے جانے والے تصورات اور خیالات کو بہت حد تک متاثر کیا بالخصوص کنزے اور ماسٹر زاینڈ جانسن کی سائنسی معلومات اور نتائج ہیولاک الیس کی فکر اور معلومات سے بہت حد تک متاثر ہوئے۔ ہیولاک کی کتاب کی دو ضخیم جلدوں (قریباً ۴۰۰۰ صفحات) میں معلومات کا جو خزانہ پایا جاتا ہے وہ آج تک ڈاکٹروں، نفسیاتی امراض کے ماہرین اور تعلیم کے شعبہ جات کے علاوہ جرائد کے علم (Criminology) کے اہل علم کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔

ہیولاک، بنیادی طور پر ایک برطانوی ڈاکٹر تھا جس نے بعد میں نفسیات کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ اس کا کام کیس ہسٹری (مریضوں کے حالات کا تفصیلی بیان) سے تعلق رکھتا ہے جو جانوروں، انسانوں، مختلف تہذیبوں کے افراد کے تقابلی جائزے اور تخیلاتی و عقلی (Speculative) دلائل پر مشتمل ہے۔ اپنی کتب کے آئینے میں اسے بجا طور پر ایک مدلل اور عقل پرست ماہر کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔ بہ نسبت ایک ڈاکٹر یا محقق کے (Paul Pearsall ۱۹۸۸)۔ اگرچہ اس کی دو ضخیم کتب (Psychology of Sex 1988) جو تین فونٹ سائز میں بائبل پیپر پر شائع شدہ ہے اور جس کی ہر جلد قریباً ۲۰۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور دیگر بہت سی تصانیف کا خلاصہ یہاں پیش نہیں کیا جاسکتا تاہم اس موضوع پر اس کا کام ایک کلاسیک لٹریچر کا درجہ رکھتا ہے۔

ہیولاک کے کام کا خلاصہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اس کے نزدیک مرد میں جنسی اشتعال کا اولین مظہر اس کا عضو تناسل (Penis) ہے جبکہ عورت میں اندامِ نہانی (Clitoris) کے علاوہ، ویجاہیہ اور رحم ہر سہ اعضاء جنسی اشتعال میں آتے ہیں۔ اس لحاظ سے ایس کے نزدیک عورت ایک ایسے برتن کی مانند ہے جو کسی چیز کو وصول کرتی ہے (Receptive) جبکہ مرد ایک جارح انداز (Propulsive) کا حامل ہے۔

ہیولاک کے نزدیک جنسی اشتعال میں آنے کے لیے قربت اور (closeness) (Touch) کو بہت دخل حاصل ہے اور ہیولاک نے پہلی مرتبہ ہر دو اصناف کے ایسے جسمانی حصوں کی نشان دہی بھی کی جنہیں چھونے سے مرد اور عورت میں جنسی اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ مردوں میں چھونے کے سبب، سب سے پہلے ان کا عضو تناسل تن جاتا ہے جبکہ عورتوں کو چھونے پر ان کے پستان جنسی طور پر مشتعل ہوتے ہیں بالخصوص پستان کی بھٹنی (Nipple) تن جاتی ہے۔ ہیولاک نے وکٹورین عہد کے عیسائی مذہب کے غیر سائنسی نظریے کا بطلان کیا اور بتایا ہے کہ عورتوں کو بھی جنسی لذت حاصل کرنے کا حق ہے۔ اس کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ عورتوں کا تمام نام جنسی اشتعال اور لذت اندوزی کا مظہر ہے اور عورتیں جنسی عمل میں ذہنی، جذباتی طور پر زیادہ شامل ہوتی ہیں۔“ (Paul Pearsall 1988)

ہیولاک کے اس تبصرے سے بہت اختلافات رونما ہوئے۔ بالخصوص ہیولاک کے

فقہ سے پر عورتوں نے بہت اعتراض کیا کہ ”عورتوں کا دماغ ان کے رحم میں ہوتا ہے۔“ بد قسمتی سے اس کا غلط مطلب اخذ کیا گیا جس کی وجہ سے اعتراضات ہوئے تاہم اس کا مطلب یہ تھا کہ وکٹرین عہد کے خیالات کہ ”عورتوں کو جنسی اختلاط/مباشرت سے کسی قسم کی کوئی لذت حاصل نہیں کرنی چاہیے؟“ درست نہیں ہیں۔ اس لیے کہ اس تہذیبی روایت سے عورت کی جنسی زندگی کی فٹی ہوتی تھی، ہیولاک نے ثابت کیا کہ عورتیں بھی جنسی عمل سے لذت حاصل کر سکتی ہیں۔ لوگوں نے اس سے یہ مطلب نکالا کہ ”عورتیں ہر وقت جنسی عمل کی طالب اور خواہش مند ہوتی ہیں اور وہ مباشرت کے لیے ہر وقت آمادہ عمل رہتی ہیں۔“ جبکہ اس کا مطلب یہ نہیں تھا۔

ایس نے ۱۶ سال کی عمر میں جنسیت کے موضوع پر تحقیقی کام کا آغاز کیا کیونکہ وہ خود اس علم میں اس کے بارے میں متضاد خیالات اور عیسائیت کے غیر فطری عقائد و تعلیمات کی وجہ سے الجھن کا شکار ہوا تھا۔ اسے عیسائیت کے غیر فطری عقائد سے قطعاً اتفاق نہیں تھا اور چونکہ اسے ان مستند ذریعے سے بھی جنسیت کے بارے میں صحیح معلومات حاصل نہیں ہوئی تھیں اس لیے اس نے عزم کیا کہ وہ آنے والے نوجوانوں کو اس منحصر کا شکار نہیں ہونے دے گا جس کا وہ خود شکار ہوا تھا اور ان کے لیے ایسی معلومات فراہم کرے گا جن پر کسی قسم کی کوئی مذہبی یا غیر فطری چھپ نہ لگی ہو!

اپنی کتاب کے پیش لفظ میں اس نے اپنی کتاب کی اشاعت کی کہانی لکھی ہے نیز وہ تمام تفصیلات بھی دی ہیں جن کی وجہ سے اس کے پبلشر کو قید و بند اور کتاب کی ضبطی کا نشانہ بنایا گیا۔ قذافی زبان میں اس پر یہ الزام تھا کہ ”اس نے غیر قانونی اور غیر اخلاقی طور پر ایسی کتاب ”سائیکالوجی آف سیکس (Psychology of Sex) شائع کی ہے جو بہت غلط معلومات، عیاں تحریروں اور بد معاشی پر ابھارنے والے مواد پر مشتمل ہے جس کی وجہ سے ملکہ برطانیہ کی رعایا کے اخلاق متاثر ہو سکتے ہیں اور جس کی وجہ سے ان میں مذت کوشی و عیاشی کے جذبات ابھر سکتے ہیں اور جس کی وجہ سے ملکہ برطانیہ کی رعایا بہت سے شہوت انگیز اعمال اور برائیوں میں مبتلا ہو رہی ہے۔“

اس جگہ دیگر تفصیلات کو نظر انداز کرتے ہوئے، ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ان

الزامات اور قانونی موٹوگانیوں پر ایلیس کا رد عمل کیا تھا جو اس نے اپنے عدالتی بیان میں ظاہر کیا۔
اس نے کہا کہ:

”ان الزامات کی وجہ سے نہ صرف دوسرے لوگ متاثر ہو سکتے ہیں (یعنی تحقیق و
تصنیف کا کام متاثر ہو سکتا ہے) بلکہ یہ میری ذات پر بھی ایک غلط حکم نافذ کرنے کی
مانند ہے جس کے آگے میں کسی صورت بھی سرخم نہیں کروں گا۔ میں ایک طالب علم
ہوں اور عرصہ ہوا میں نے اپنی منزل کا تعین کر لیا ہے۔ میں اپنے کام کو اپنے انداز
میں جاری رکھنے پر قائم رہوں گا۔“

ہم نے ایلیس کے خیالات جان بوجھ کر دو وجوہات کی بنا پر دیئے ہیں اولاً یہ واضح کرنے
کے لیے کہ ملکہ برطانیہ کی رعایا کے اخلاقی معیارات میں صرف ایک صدی گزرنے پر ہی کتنا عظیم
تغیر رونما ہوا کہ جو چیز آج سے کچھ عرصہ قبل ”رعایا کے اخلاق کو تباہ کرنے والی تھی اور جس کے
ذریعے رعایا کو شہوت انگیزی کا سبق ملتا تھا“، اب وہ سب کچھ ملکہ برطانیہ کے حکم کے تحت
سکولوں/کالجوں میں ہو رہا ہے اور جنسی تعلیم کے عنوان سے ایلیس کی مذکورہ کتاب کا دوسرا باب
پڑھایا جا رہا ہے۔ نیز ملکہ عالیہ کی رعایا انگلستان میں کلبوں، شراب خانوں اور تعلیمی اداروں میں
جو کچھ عملاً کر رہی ہے، اور جس کا کتاب میں ذکر بھی انھیں گوارا نہیں تھا لیکن عملاً اس جنسی بے راہ
روی سے حرامی بچوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور جنسی امراض کی جو بھرمار ہے، اس
کی جانب شاید کسی کو اب اشارہ کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ بہر حال یہ ایک جملہ
معتزضہ تھا۔ ایلیس کے خیالات کو پیش کرنے کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ یہ واضح کیا جائے کہ
حکومت برطانیہ اور دیگر یورپین ممالک اور خود امریکہ میں پورے اہتمام سے نوجوان نسل کی جنسی
تعلیم دینے پر جو کروڑوں اربوں ڈالر خرچ کیے جا رہے ہیں، ان کا حاصل نوجوان لڑکیوں اور
لڑکوں کی جنس کے معاملات سے عدم آگہی ہے جس کا مظاہرہ یورپ و امریکہ میں ”غیر شادی
شدہ کنواری ماؤں“ ایڈز، طلاق اور شادی بیاہ و خاندانی نظام کی مکمل تباہی کی شکل میں ظہور پذیر
ہو رہا ہے اور نوجوان نسل آج بھی اس موضوع پر مستند معلومات سے اسی طرح بے بہرہ ہے جس
طرح ایلیس اور اس کے زمانے کے نوجوان لوگ تھے! (باب ۵)

(۳) انٹریڈ کنزے (Alfred Kinsey):

انٹریڈ کنزے اور اس کے رفیق مصنفین کی دو جلدیں جو مردوں اور عورتوں کے جنسی رویوں کے بارے میں ہیں، امریکی مرد و عورت کے بارے میں بہت مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ دونوں کتابیں ۱۹۵۳ میں شائع ہوئی تھیں اور دیر تک انھوں نے علمی دنیا میں اپنا لوہا منوایا۔ تاہم ۱۹۶۶ میں ماسٹرز اینڈ جونسن کی جانب سے ان کی تجرباتی کتاب جو بیباک ٹری میں مرد و عورت کے جنسی رویوں، اعمال و افعال پر کیے گئے تجربات پر مبنی تھی، شائع ہوئی۔

کنزے، بنیادی طور پر ایک ماہر حشریات (Entomologist) تھا جس نے اپنی عمر کے بیس سال امریکہ میں پائے جانے والے ۴۰ لاکھ حشرات (Insects) اور ان کے جسمانی اعضاء کی بنا پر جماعت بندی (Classification) کرنے میں گزارے۔ اس کی توجہ طلباء کے ان سوالات کی بنا پر جنس اور جنسیات کی جانب مبذول ہوئی جو وہ کلاس میں اس حوالے سے کیا کرتے تھے۔ اس نے مرد و عورت کے جنسی رویوں اور محسوسات کو چھ مختلف حصوں میں تقسیم کیا، مشیت زنی، احتلام، مرد و عورت کی باہمی قربت (Petting)، مرد و زن کا جنسی اختلاط/مباشرت کرنا (Sexual intercourse)، لواطت یا ہم جنس پرستی (Gayism/ Lesbianism) اور جانوروں سے اختلاط تھا۔ اس نے اس ضمن میں بہت سی اصطلاحات وضع کیں جیسے مختلف جنسوں کے دو افراد (عورت/مرد) یا ایک ہی جنس کے دو افراد کے درمیان محبت و گرم جوشی کے ساتھ جسمانی حصوں کو چھونا یا جسم پر ہاتھ پھیرنا (Petting)، اور ایک دوسرے کے ساتھ جنسی اختلاط کرنے کے لیے کوشاں ہونا (Mounting) وغیرہ وغیرہ۔

کنزے نے جنسی اختلاط کو تین مراحل میں تقسیم کیا ہے:

اول: جنسی خواہش کا پیدا ہونا اور حالت عروج کو پہنچنا (Build up)

ثانی: جنسی (Orgasm) کا حصول اور

ثالث: جنسی کے مابعد اثرات/مرحلہ

درج بالا مراحل میں سے کنزے نے سب سے زیادہ اہمیت حظ جنسی کو دی کہ دراصل یہ مرحلہ جنسی اختلاط سے بھرپور طریق پر لطف اندوز ہونے میں بہت اہم ہے۔ کنزے نے ”حظ

جنسی“ کو ایسے عضلاتی غیر ارادی جھٹکوں (Involuntary rhythmic muscular contractions) سے تشبیہ دی جو عورت اور مرد کو یکساں طور پر محسوس ہوتے ہیں اور جس کے نتیجے میں وہ جسمانی، عضلاتی اور نفسیاتی طور پر بھرپور طریق پر لطف اندوز ہو کر ایک حالت سکون و راحت سے دوچار ہوتے ہیں۔“

کنزے کے خیال میں عورتوں کی بہت کم تعداد حظ جنسی سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ تاہم وہ جسمانی طور پر بہت جلد جنسی عمل کی جانب مائل ہوتی ہے اس لیے اس کے جسم کے مختلف حصوں کو چھونے اور ان کی ہلکی ہلکی کش کرنے یا ہاتھ پھیرنے سے وہ جلد ہی جنسی اختلاط کے لیے تیار ہو جاتی ہے جبکہ مرد، جنسی بیداری کے لیے نفسیاتی طور پر ہی تیار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے وہ عریاں تصاویر/ فلموں یا خوبصورت عورت کو دیکھنے سے ہی جنسی طور پر اشتعال میں آ کر مباشرت کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

کنزے کی رائے میں شادی ایک ایسا ”آسان ذریعہ“ ہے جس کے ذریعے ایک انسان اپنے جنسی جذبے کی تسکین کا سامان کر لیتا ہے اور جس کی وجہ سے اسے کسی ”عورت“ کی تلاش نہیں کرنی پڑتی۔ تاہم مرد و عورت پر شادی کے مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ عورت میں شادی کے بعد جنسی جذبے میں کمی واقع ہو جاتی ہے جبکہ مرد ایک سے زائد عورتوں سے لطف اندوز ہونے کا متلاشی رہتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ اس کی جنسی خواہش میں اضافہ ہو جاتا ہے۔^①

کنزے اور اس کے ہمراہیوں نے دو ضخیم جلدوں میں جن موضوعات پر بے شمار اعداد و شمار فراہم کیے ہیں، وہ ایک عام قاری کے لیے ضروری نہیں۔ یہ تمام اعداد و شمار حاصل کرنے کے لیے انھوں نے گیارہ ہزار سے زائد عورتوں اور مردوں کے ۲ سے ۳ گھنٹوں پر محیط انٹرویو کیے۔ اس قسم کے اعداد و شمار، حالیہ زمانے میں بھی بہت سے سائنس دانوں نے جمع کیے، جن کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔ تاہم اس قسم کے بے شمار اعداد و شمار سے ہمیں کیا سبق حاصل ہوتا

① اسلام میں تعدد ازواج کی شاید یہ بھی ایک اہم وجہ ہے جسے مغرب نے ابھی تک نہیں سمجھا، سائنسی حقائق سے جو دور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مغرب کا انسان ابھی تک اپنے آپ کو خود ساختہ عیسائیت کی غیر فطری تعلیمات کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے!

ہے؟ — شاید ہماری یہ معروضات کسی پر گراں گزریں تاہم یہ ایک مسئلہ حقیقت ہے کہ انسان کی جنسی زندگی کے بارے میں یہ تمام ”حقائق“ جس اندھے کنویں کی طرف انسانیت کو دھکیل رہے ہیں، اس کے بارے میں کسی تبصرے کی ضرورت نہیں!

ہمارے نقطہ نظر سے کنزے کے جمع کردہ اعداد و شمار میں بہت سے امور ایسے ہیں جن پر تفصیلاً گفتگو کی جاسکتی ہے تاہم یہ امور ایسے موضوعات سے متعلق ہیں جن سے ایک عام قاری کو دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ البتہ وہ امور ہمارے نقطہ نظر سے اہم ہیں جس میں انھوں نے اخلاقی آراء اور مذہبی رجحانات کی بنا پر جنسی رویوں پر بحث کی ہے۔ یاد رہے کہ ان کی تمام تر گفتگو کا حاصل ایک ماہر حیاتیات (Biologist) کی حیثیت سے ہے اور مذہب کے بارے میں ان کے خیالات، دراصل عیسائیت کی غلط اور غیر فطری تعلیمات کے خلاف رد عمل ہے جو عمومی طور پر اس دور میں مغرب میں پایا جاتا تھا۔ ذیل میں ہم ان خیالات کا مکمل جنسی رویوں کی تسکین (Total sexual outlets) کے حوالے سے مطالعہ کریں گے۔ اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ اس اصطلاح سے ان کی مراد جنسی حظ کی وہ تمام متنوع صورتیں ہیں جو ایک انسان (مرد اور عورت متحدہ علیحدہ) مشیت زنی، احتلام، عورت و مرد کے بوس و کنار، عورت و مرد کے درمیان جنسی اختلاط/جماع، ہم جنس پرستی (دونوں اصناف کے درمیان) اور جانوروں کی مختلف انواع (از قلم مرغی، بکری، بھیڑ، گائے، کتیا وغیرہ) کے ساتھ مجامعت کرنے سے حاصل کرتا ہے۔

(الف) مردوں میں مکمل جنسی رویوں کی تسکین

(Total sexual outlets in males)

کل جنسی رویوں کی تسکین کی بنیاد پر بلحاظ عمر اور تعلیم جنسی طور پر سب سے کم فعال وہ مرد ہوتے ہیں جو کٹر یہودی ہیں۔ اس کے بعد بالترتیب کٹر کیتھولک اور کاربند پروٹسٹنٹ ہیں۔ یاد رہے کہ کٹر یہودی، کیتھولک اور کاربند پروٹسٹنٹس وہ لوگ ہیں جو اپنے اپنے عقیدے کے مطابق مذہبی، اخلاقی اصولوں کی سختی سے پابندی کرنے والے ہیں۔ اس سے یہ اخذ کرنا آسان ہے کہ مذہبی تعلیمات ایسے مردوں کو اخلاقی حدود کے اندر پابند کر کے ہر قسم کی بے محابا جنسیت یا اباحت پسندی سے روکتی ہیں جو کسی صحیح الہامی مذہب کا خاصہ ہونا چاہیے۔

« بلوغت کی عمر کو پہنچنے والے پندرہ سالہ نوجوان لڑکے جو بالآخر کالج میں جانے والے ہوتے ہیں، ان کی جنسی معاملات میں مشغولیت و انتہاک (Involvement) کو ذیل کے لحاظ سے بالترتیب درج کیا گیا ہے۔ سب سے کم پہلے گروپ میں کٹر یہودی جو مذہبی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں اور سب سے زیادہ وہ پروٹسٹنٹس ہیں جو اپنی مذہبی/اخلاقی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔

« کٹر یہودی

« کٹر کیتھولک

« کاربند پروٹسٹنٹس

« غیر کاربند یہودی

« غیر کاربند پروٹسٹنٹس

« غیر کاربند کیتھولک

درج بالا ترتیب سے بھی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مذہبی رجحانات رکھنے والے اور اس پر کاربند نوجوان اپنی جنسی جبلت پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتے ہیں جبکہ مذہب و اخلاق سے عاری نوجوان جنسی معاملات میں بہت زیادہ مشغول رہتے ہیں۔

« سولہ سال سے بیس سال کے نوجوان لڑکے جو کالج جانے والے ہوتے ہیں یا کالجوں میں زیر تعلیم ہوتے ہیں، ذیل کی ترتیب کے ساتھ جنسی معاملات میں سب سے کم مشغول ہوتے ہیں اور آخر میں اس گروپ کا نمبر آتا ہے جو جنسی معاملات میں مادر پدر آزادی کا قائل ہے۔

« کٹر یہودی

« کٹر کیتھولک

« کاربند پروٹسٹنٹس

« غیر کاربند کیتھولک

« غیر کاربند پروٹسٹنٹس

« غیر کاربند یہودی

۴۱ اکیس سے پچیس سال کے نوجوان جو غیر شادی شدہ اور کالج میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان کی ترتیب درج ذیل ہے۔ سب سے پہلے وہ گروپ جو جنسی معاملات میں سب سے کم حصہ لینے والا ہے اور آخر میں وہ گروپ جن کے نوجوان ہر قید سے آزاد ہو کر ہر قسم کی شہوت رانی میں مصروف رہتے ہیں۔

- ۴۱ کٹر کیتھولک
- ۴۱ کاربند پروٹسٹنٹس
- ۴۱ غیر کاربند پروٹسٹنٹس
- ۴۱ غیر کاربند کیتھولک
- ۴۱ غیر کاربند یہودی

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ چرچ کی تعلیمات اور نوجوانوں کے جنسی افعال کی مشغولیت میں ایک گہرا تعلق پایا جاتا ہے یعنی ایسے نوجوان (جن کی عمر اور تعلیمی سطح ایک جیسی ہوتی ہے) وہ دو تہائی گنا حد تک جنسی اعمال میں کم دلچسپی لیتے ہیں (چرچ کی تعلیمات کے زیر اثر) بہ نسبت ان دو تہائی نوجوانوں کے جن کا چرچ سے عملاً کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ان حقائق سے ہمیں یہ نتیجہ اخذ کرنے میں شاید کوئی امر مانع نہیں کہ چرچ کی تعلیمات (جیسی کہ وہ اس وقت امریکہ میں پائی جاتی ہیں) اور جن کے بارے میں یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ مذہب سے موجودہ زمانے کا نوجوان لاطعلق ہو گیا ہے اور صرف نام کی حد تک عیسائی ہے، کیونکہ وہ عیسائی ماں باپ کے گھر پیدا ہوا ہے، جس کا اس پر ایک گہرا اثر ہے۔ نوجوانوں کا یہ وہ طبقہ ہے جس نے شاید باقاعدہ بائبل کا مطالعہ بھی نہ کیا ہو یا صرف گھریلو ماحول یا اتوار کے روز چرچ میں دیئے گئے وعظ (Sermon) کو سن کر اپنی زندگی میں جنسی برائیوں میں ملوث ہونے سے بچ گئے ہوں۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر اسلام کی مبنی بر صداقت تعلیمات سے آج کے نوجوان کو روشناس کرایا جائے تو دنیا میں بگاڑ کے اس سب سے اہم مفسدہ پر بڑی حد تک قابو پایا جاسکتا ہے۔ ہمارے نزدیک مغرب/ امریکہ میں لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی شاید یہ بھی ایک بڑی وجہ ہے کہ ان میں سے جس کسی کو بھی اسلامی تعلیمات سے آگاہی ہو جاتی ہے، وہ اس کی حقانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس میں ہمارے دینی راہ نمائوں کے لیے بھی ایک بہت بڑا سبق ہے کہ وہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام جدید ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے کریں اور اپنی ذاتی زندگیوں میں اسلامی تعلیمات کا نمونہ پیش کر کے، موجودہ زمانے سے گراہی کو ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

ذیل میں اب ہم انہی امور پر عورتوں کے جنسی رویے کے بارے میں معلومات پیش کریں گے۔

(ب) لڑکیوں/عورتوں میں کل جنسی رویوں کی تسکین:

(Total sexual outlets in women)

درج بالا معلومات کی طرح، عورتوں اور لڑکیوں میں بھی مذہبی فکر و عمل سے وابستگی نہ وجہ سے ان کے مختلف طریقوں سے پہلی مرتبہ حظ جنسی (Orgasm) کے حصول پر فرق پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر ایسی لڑکیاں/عورتیں جو کیتھولک تعلیمات پر کاربند تھیں، انھیں سب سے پہلے جنسی حظ چھ سات سال بعد حاصل ہوا۔ (شرم و حیا کی بنا پر) بہ نسبت ایسی عورتوں/لڑکیوں کے جن کا عیسائیت/کیتھولک مذہب سے واجبی سا تعلق تھا۔ اکیس فیصد عورتیں جن کی عمر ۳۵ سال تھی اور جو شادی شدہ ہونے کے سبب اپنے خاوندوں کے ساتھ باقاعدہ جنسی مباشرت کرتی تھیں، ایسی تھیں جنہیں اس عمر تک حظ جنسی کا تجربہ ہی نہیں ہوا تھا، چونکہ وہ کیتھولک مذہب پر کاربند تھیں، بہ نسبت دونی صد سے بھی کم خواتین کے جو مذہبی تعلیمات پر یقین نہیں رکھتی تھیں یا مذہبی تعلیمات پر کاربند نہ تھیں۔

غیر شادی شدہ/سنگل لڑکیوں/عورتوں میں مکمل جنسی رویوں کی تسکین:

(Unmarried / Single females, total outlets)

جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ مذہبی تعلیمات سے وابستگی کی وجہ سے سنگل لڑکیوں میں جنسی معاملات میں شرکت کی شرح پر اثر پڑتا ہے۔ عورتوں/لڑکیوں کے گیارہ مختلف گروپس ہیں (جو بلحاظ عمر، تعلیم، شادی شدہ، مطلقہ، بیوہ وغیرہ کی بنا پر بنائے گئے ہیں) لازماً ایسی عورتوں/لڑکیوں کی شرح بہت کم تھی جو اپنے مذہبی تعلیمی پس منظر کی بنا پر شادی سے پہلے کسی طریقے پر جنس حظ سے دوچار ہوئی ہوں بہ نسبت ان لڑکیوں/عورتوں کے جن کا مذہبی تعلیمات سے واجبی سا تعلق تھا

یہ وہ ان پر کار بند نہ تھیں، مثال کے طور پر، سولہ سال سے ۲۰ سال کی عمر کی لڑکیوں میں ۴۱ فی صد کار بند پروٹسٹنٹس لڑکیوں کو کسی حد تک جنسی حظ کا تجربہ ہو چکا تھا جب کہ جنسی حظ کے حصول کی شرح ۵۳ فی صد ایسی لڑکیوں کی تھی جو کہ پروٹسٹنٹ ہونے کے باوجود عیسائیت کی تعلیمات پر عملدار بند نہ تھیں۔ اسی طرح اس عمر کے گروپ میں ۴ فی صد کار بند کیتھولک عقیدے کی حامل لڑکیاں ایسی تھیں جو کہ حد تک جنسی حظ سے آگاہ تھیں جبکہ ۷۰ فی صد غیر کار بند کیتھولک لڑکیوں کو جنسی حظ کا تجربہ ہو چکا تھا! اسی طرح اس گروپ کی لڑکیوں میں ۴۶ فی صد کٹر یہودی لڑکیوں کے مقابلے میں ۵۶ فی صد غیر کار بند یہودی لڑکیوں کو اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ ان تمام اعداد و شمار سے کنزے نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ امریکہ میں مذہبی تعلیم سے آگہی اور ان تعلیمات پر کار بند ہونے کا ایک منفی تعلق غیر اخلاقی طور پر جنسی حظ اٹھانے سے ہے۔ ایسے تمام طریقوں سے جنسی حظ اٹھانے کی شرح (جن طریقوں کا ذکر مردوں کے ضمن میں ہو چکا ہے) ان لوگوں میں بہت کم تھی (سوائے میاں بیوی کے درمیان مباشرت کی شرح کے) جو مذہبی تعلیمات پر کار بند تھے۔ یہ نتائج اس حد تک نہ صرف قابل قبول ہیں بلکہ حوصلہ افزا بھی ہیں کہ اس گئے گزرے دور میں امریکہ جیسے ملک میں بھی جہاں جنسیت پر کوئی پابندی نہیں اور جس کا میڈیا تمام دنیا کو بالعموم اور امریکی عوام کو بالخصوص یہ باور کرانے میں دن رات لگا رہتا ہے کہ جن

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست!

وہاں اب بھی ایک بڑی اور قابل ذکر تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہے جو اپنے طور پر مذہب سے وابستگی رکھتے ہیں اور ان تعلیمات پر اپنی عملی زندگی میں کار بند بھی ہیں۔ ہم ان دینت دارانہ اعداد و شمار کو من و عن پیش کرنے پر کنزے اور اس کے ساتھیوں کی تحسین کرتے ہیں، تاہم ان اعداد و شمار کے عملی انطباق کی جو تشویش ناک صورت حال انھوں نے پیش کی ہے، اس کے ساتھ ہمیں اتفاق نہیں بلکہ شدید اختلاف ہے جس پر ہم اگلے صفحات میں کسی مناسب جگہ پر گفتگو کریں گے۔ آئیے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ کنزے اور اس کے ہم نوا کیا کہتے ہیں:

درج بالا اعداد و شمار کے انطباقی پہلو پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کا (بطور ایک ملحد بائیو جیسٹ) یہ خیال ہے کہ ”عورتوں کی کثیر تعداد کا ایسا رویہ کہ وہ جنسی حظ کے حصول کے لیے

کسی قسم کے جنسی عمل میں شمولیت نہیں کرتیں، بہت سے سوشل مسائل پیدا کر سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ عورتوں کو دوسرے لوگوں سے سماجی رابطے قائم رکھنے میں دشواری پیش آئی جس کی بنا پر وہ ذہنی الجھنوں (Frustration) کا شکار ہوئیں اور انھوں نے اس بات پر غم و غصے کا اظہار بھی کیا کہ ان کی شادی نہیں ہو سکی۔ ان میں سے بہت سی لڑکیاں/عورتیں ایسی بھی تھیں جو جنسی طور پر مختلف طریقوں سے حظ جنسی اٹھانے کے قابل بھی تھیں لیکن انھوں نے ضبط نفس سے کام لیتے ہوئے جنسی اعمال سے گریز کیا کہ ان کی مذہبی/اخلاقی تعلیمات انھیں اس طرح کے افعال میں ملوث ہونے سے روکتی تھیں۔ ان میں سے بہت سی لڑکیاں/عورتیں ایسی بھی تھیں جو نفسیاتی طور پر پریشان تھیں کہ وہ کیوں مختلف جنسی افعال سے مکمل طور پر بہرہ مند ہونے اور جنسی حظ اٹھانے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔“

اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے وہ مزید رقمطراز ہیں کہ ”ایسی تمام عورتیں جو گرم جوش کے ساتھ جنسی افعال میں شریک نہیں ہوتیں اور غیر شادی شدہ عورتیں جو دوسرے افراد یا اداروں کی سربراہی یا انھیں ہدایت/راہ نمائی دینے کے کاموں میں مصروف ہوتی ہیں، وہ اپنی اس محدودی کی بنا پر ان افراد/اداروں کی صحیح خدمت سرانجام دینے سے قاصر رہتی ہیں۔“ ان عورتوں میں گریڈ سکولوں، ہائی سکول اور کالج میں پڑھانے والی خواتین بھی تھیں جو جنسی افعال میں بہت زیادہ گرم جوش کا اظہار نہیں کر پاتی تھیں، ان میں سے کچھ ایسے اداروں کی ڈائریکٹر/نگران بھی تھیں جو لڑکیوں سے متعلق تھے یا وہ بڑی عمر کی عورتوں کے اداروں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان میں سے کچھ وین کلب کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والی عورتیں بھی تھیں اور چند عورتیں ایسی بھی تھیں جو عوامی مفاد کے اداروں کے لیے پالیسی مرتب کرتی تھیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ بیس سال سے زائد عمر کی ایسی عورتوں کی تعداد ”کل غیر شادی شدہ عورتوں“ کا ۳۰ سے ۵۰ فی صد تھی اور جو جنسی لذت سے مکمل طور پر نا آشنا تھیں یا جنھیں کسی قسم کی جنسیت کا کوئی عملی تجربہ نہ تھا تو پھر والدین اور سوسائٹی کے مرد سوال کر سکتے ہیں کہ آخر اس قسم کی عورتوں کو نوجوان (لڑکے/لڑکیوں) کی راہ نمائی کے لیے ان اداروں کی سربراہی کے منصب پر تعینات کرنے کی کیا تئیل ہے؟“

شادی شدہ عورتوں میں کل جنسی رویوں کی تسکین:

(Married females, total outlets)

کنزے کی رپورٹ کے مطابق ”شادی شدہ عورتوں میں کل جنسی رویوں کی تسکین کا لازمی تعلق، ان کے مذہبی رجحانات و خیالات سے مربوط ہے۔ ہر عمر کے گروپ میں قریباً تمام عورتوں میں پرنسٹنس، کیٹھولک اور یہودی عورتوں (جو اپنے مذہبی عقائد پر سختی سے کاربند تھیں) کی شرح بہت کم تھی بہ نسبت ان عورتوں کے جو مذہبی معاملات میں آزاد اور اخلاقی حدود کی کم پابندی کرنے والی تھیں اور اس قسم کی عورتوں کی شرح بہت زیادہ تھی۔ یاد رہے کہ یہاں بھی دونوں گروپس کی عورتوں میں تقابلی جائزے کا تعلق جنسی افعال کے مختلف طریقوں سے حظ و لذت جنسی (Orgasm) اٹھانے سے تھا!

کنزے کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۵۰ء میں امریکہ میں قریباً ۱۵ فی صد عورتیں ایسی تھیں جو پہلے سے شادی شدہ تھیں لیکن انٹرویو کے وقت وہ اپنے شوہروں کے ساتھ نہیں رہ رہی تھیں کیونکہ وہ بیوہ تھیں یا ان کو طلاق ہو گئی تھی یا کسی وجہ سے وہ اکیلے زندگی بسر کرنے پر مجبور تھیں۔ اکثر ڈاکٹروں اور لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ایسی عورتیں شادی کے دوران اپنے شوہروں کے ساتھ لذت جماع سے آشنا تھیں، ان کے لیے اس تنہائی کے عالم میں بہت سے سماجی اور نفسیاتی مسائل پیدا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ لوگوں سے سماجی رابطے رکھنے اور اپنی جنسی تسکین کے لیے مختلف اقسام کے جنسی اعمال سے لطف اندوز ہونے میں دقت محسوس کرتی ہیں اور یوں انھیں اپنی زندگی کے عمومی رویوں کو دوبارہ صحیح انداز میں استوار کرنے (Readjustment) میں دشواری پیش آتی ہے۔“ مزید برآں یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ ”یہ مسئلہ ایسی عورتوں میں زیادہ گھمبیر صورت اختیار کر جاتا ہے جو شوہر آشنا ہوں بہ نسبت ایسی عورتوں کے جن کی شادی نہ ہوئی ہو۔“

درج بالا اعداد و شمار سے یہ نتائج اخذ کیے گئے کہ مذہبی رجحانات (عیسائیت/ یہودیت) رکھنے اور مذاہب کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے نتیجے میں، امریکن عورتوں کی جنسی زندگی متاثر ہوتی ہے جس کی وجہ سے صحت و تندرستی، سوشل لائف اور لطف زندگی کے حصول میں بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

مزید برآں، کنزے کی رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”انسانوں میں ایک مرد کے لیے جنسی اختلاط کرنے کی شرح بہت کم ہے بہ نسبت دیگر چوپایہ جانوروں (Anthropodes) کے جو کہ ”انسان نامی جانور“ (Human Animal) میں بھی اسی شرح سے ہو سکتے ہیں، اگر اس پر کسی قسم کی کوئی مذہبی یا اخلاقی پابندی عائد نہ ہو۔“ رپورٹ کے مطابق ”ایک سنگل آدمی کے لیے یہ شرح ۳۳ فی ہفتہ ہے جو بوڑھے ہونے پر کم ہو جاتی ہے۔ ایک شادی شدہ مرد میں یہ شرح ۸۴ فی ہفتہ ہے جس میں عمر میں اضافے سے کمی واقع ہو جاتی ہے، تاہم جنسی اختلاط کی شرح ”انسان نامی جانور“ میں اگر اس پر کسی قسم کی ناروا پابندی (مذہبی یا اخلاقی) نہ ہو تو پھر وہ ہفتے میں ۷ مرتبہ جنسی اختلاط کر سکتا ہے اور ۱۰ سے ۱۵ فی صد لوگوں میں اس سے بھی زیادہ تعداد میں ہو سکتا ہے۔“ رپورٹ کے مصنفین کی رائے میں ان دو شرحوں میں فرق کی وجہ ان پر سوشل پریشر کی فعالیت (Effectiveness of social pressure) قانونی رکاوٹیں، خیالات و رجحانات، لوگوں کی مداخلت (Physical Interference) اور دیگر بہت سی رکاوٹوں کو قرار دیا گیا ہے جو سماجی تنظیموں اور معاشرے کی جانب سے فرد کے آزادانہ جنسی اختلاط کے ”حق“ پر عائد کی جاتی ہیں۔ یاد رہے کہ یہاں سوشل پریشر کی مختلف صورتوں سے مراد مذہب (عیسائیت/ یہودیت) کی ان اخلاقی تعلیمات کو قرار دیا گیا ہے جس کے نتیجے میں مذہبی تعلیمات پر کاربند لوگ اور مذہب اور اس کی تعلیمات سے بے زار یا بے بہرہ لوگ اپنی اپنی زندگی میں جنسی اختلاط کے مختلف طریقوں سے استفادہ کرتے ہیں اور یوں جنسی حظ سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

ان اعداد و شمار سے اخذ کردہ نتائج سے دراصل یہ کہنا مقصود ہے کہ جدید زمانے کا انسان اپنی زندگی میں جنسی افعال سے اس لیے بھرپور استفادہ نہیں کر پایا کہ مذاہب اور ان کی تعلیمات اس ”کارخیز“ میں ملوث ہونے سے روکتی ہیں اور اگر ان اخلاقی تعلیمات کی قدغن کو ختم کر دیا جائے تو انسان کے بہت سے ایسے پیچیدہ جسمانی، نفسیاتی، جذباتی اور جنسی عوارض کا ازالہ ہو سکتا ہے جن میں وہ مبتلا ہے اور جن کی وجہ سے اس کی زندگی ”اجیرن“ ہو کر رہ گئی ہے!

اس ضمن میں یہ بتانا شاید ضروری ہو کہ کنزے اور اس کے ہم نوا سائنس دانوں نے جو اعداد و شمار دیئے ہیں، ان کی تائید گذشتہ ۴/۵ دہائیوں میں دیگر متعدد سائنس دانوں کے اعداد و

شمار سے بھی ہوتی ہے بلکہ ”تاکید مزید“ ہے، تاہم یہ بھی ایک امر واقعہ ہے اور جس کی تائید بھی مغرب و امریکہ کے دیگر محققین کی آراء سے ہوتی ہے کہ جنسی انقلاب کے نتیجے میں، اس تمام دورانیے میں مغربی انسان نے اپنی جنسی زندگی کو بہت برپور انداز میں بغیر کسی قدغن اور پابندی کے گزارا ہے اور جس کے ”پھل“ اب امریکہ میں ۲۰ سال سے کم عمر کی لڑکیوں میں حمل (Teenage pregnancy)، اسقاط حمل کی بڑھتی ہوئی شرح، سنگل پیرنٹ فیملی، خاندانی نظام کی تباہی اور جنسی امراض کی بڑھتی ہوئی شرح (جن میں ایڈز کا مہلک مرض بھی شامل ہے) کی شکل میں سامنے آرہے ہیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں بھی اگر مغربی مفکرین (زیادہ مناسب ہے کہ انھیں صرف ماہر جنسیات (Sexologist) کہا جائے) مزید جنسی آزادی کے طالب اور خواہاں ہیں اور وہ مذہب اور اخلاقی تعلیمات کو ہی معتبور کر رہے ہیں تو ایسے میں کسی معقول آدمی کے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ ایسے تمام ”اہل فکر و نظر“ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرے اور ان کے ”حوصلے“ کی داد دے اور جنسی جذبے کی تسکین کے ساتھ ان کے ”مفاد اور دلچسپی“ کو سراہے کہ وہ کس جرأت و ہمت سے نوجوان نسل اور انسانیت کو ان تمام خطرات سے دوچار کرنے پر مصر ہیں جن کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا ہے اور جس کی ایک جھلک قارئین کو اس کتاب کے مطالعہ سے دکھائی دے گی! — ان گزارشات کو ختم کرنے سے قبل ایک حوصلہ افزا پہلو کی جانب اشارہ کرنا ضروری ہے کہ اب مغرب/ امریکہ میں بھی جنسیت کی اس ”جنونی کیفیت“ کا احساس ہونے لگ گیا ہے اور وہاں کے مفکرین بھی اس پر صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں، اگرچہ یہ صدا ابھی بہت دھیمے سروں میں سنی جاسکتی ہے! — اب اس پہلے خیر کی قدرے تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

امریکہ میں اب بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں جنسیت کے اس مادر پدر آزاد حیوانی جذبے کی قبرمانیوں کا اندازہ ہو رہا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اندھی اور بہری لذتیت کا یہ جذبہ کسی بڑے حادثے کا سبب ہو سکتا ہے۔ تاریخ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ دنیا کی اقوام جنسیت کی لذت کے گہرے گڑھے میں ڈوب کر صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئیں۔ یونانی اور رومی تہذیبیں اس کی بہت واضح مثالیں ہیں۔ کیا موجودہ دور کا انسان بھی اسی انجام سے دوچار ہونا چاہتا ہے؟

یہ سوال مشرق و مغرب کے تمام انسانوں کے لیے یکساں طور پر ایک ابھرتا ہوا لمحہ فکریہ ہے جس پر سب کو غور و فکر کرنا چاہیے۔ یہاں ایک انگریز سائیکالوجسٹ (ماہر نفسیات) نوئل برائن (Noel Brain) کا فکر انگیز تبصرہ درج کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ:

”درحقیقت کنزے اور اس کے ہم نواؤں کی رپورٹ سے جو حقیقت واضح ہوئی ہے کہ کنزے نے جن امریکن عورتوں/مردوں کے انٹرویوز سے اپنے اعداد و شمار اور نتائج اخذ کیے وہ لوگ راہ راست سے ہٹے ہوئے اور (Corrupt) معاشرے کے افراد تھے۔“ مزید برآں وہ اپنے ملک کے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے جو انگلستان میں بھی امریکن تہذیب و کلچر کے فروغ کے خواہاں ہیں، کہتا ہے کہ ”کنزے نے جو تصویر دکھائی ہے وہ اس بات کے لیے کافی ہے کہ امریکن تہذیب اور کلچر کس قدر ”مہذب“ ہے جسے ہم اپنے ملک میں لانا چاہتے ہیں یا جس کی ہم نقل کرنا چاہتے ہیں؟ کنزے نے جن لڑکیوں اور لڑکوں کا مطالعہ کیا وہ قابل رحم ہیں ان اعمال کے لیے جو ان سے سرزد ہوئے اور ہم اس کی پیروی نہیں کر سکتے جب تک کہ امریکن قوم اپنی اصلاح نہیں کرتی“ (بحوالہ نزہت افزا اور خورشید احمد ۱۹۸۲)

کنزے رپورٹ کے اعداد و شمار نے تمام دنیا میں صحیح الفکر عوام اور خواص کے دل ہلا دیئے ہیں۔ مغرب میں بھی اس پر سخت رد عمل ظاہر کیا گیا۔ بہت سے مفکرین، جنسیت کے اس بے لگام جذبے اور بد اخلاقی کی مذمت کر رہے ہیں اور اب یہ مفکرین وہ سب کچھ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں جو مسلمان ایک عرصے سے کہتے چلے آ رہے ہیں۔ مثال کے طور پر برٹریڈ رسل جیسا مفکر اور دانش ور یہ کہتا ہے کہ ”ملک کے ان تمام طبقات میں سے جو سب سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں، طبقہ اشرافیہ (اونچے طبقے کے لوگ) ایک ایسا طبقہ ہے جو بہت تیزی کے ساتھ اس خرابی کا شکار ہو رہا ہے اور اس امر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اگر ہمارا معاشی سسٹم اور ہمارے اخلاقی معیار کا یہی حال رہا تو آئندہ دو یا تین نسلوں میں ایسی تیزی سے تبدیلیاں رونما ہوں گی جو تمام مہذب ممالک کے لوگوں کے لیے بدترین ثابت ہوں گی اور اس کا اطلاق تمام مغربی تہذیبوں/ممالک پر یکساں طور پر ہوگا۔“

درج بالا معروضات کے بعد، اب ہم کنزے کی رپورٹ کا خالص اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لیں گے۔

کنزے رپورٹ کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ:

جنسی معاملات پر گفتگو کرتے ہوئے اس امر کو بطور ایک اصول کے جان لینا چاہیے کہ اسلام، انسان کی جنسی جبلت کو کسی طور بھی ختم کرنے کا روادار نہیں بلکہ اس کی جائز اور حلال صورتوں کے لیے اسے فطرت کا ایک عطیہ اور نعمت خیال کرتا ہے اور اس سے استفادہ کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اسلام کے نزدیک جنسی جبلت سے استفادہ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک جائز اور فطری طریقہ دوسرا ناجائز، غیر فطری اور غیر معقول طریقہ۔ تاہم یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس فطری جبلت کو جائز اور ناجائز قرار دینے کا معیار اور پیمانہ کیا ہے؟ اس کتاب کے ایک باب (اسلام، ایک ضابطہ حیات) میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اسلام محدود معنوں میں صرف ”مذہب“ نہیں جیسا کہ مغرب یا دنیا میں بالعموم سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ ایک ضابطہ حیات ہے جس کی تمام تعلیمات اور ضابطے چند بنیادی حقائق سے اخذ کردہ ہیں۔ اس کی بنیاد ایک خدا کے تصور (توحید) پر استوار ہے جو نہ صرف خالق کائنات ہے بلکہ ایک ایسی ہستی ہے جو قانون / ضابطہ دینے والی بھی ہے (شارع قانون Law Giver)۔ اس امر کو قرآن و حدیث نے واضح طور پر بتا دیا ہے کہ:

”کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔“ (سورۃ الاحزاب: ۳۶: ۳۷)

اس آیت کی رو سے اسلامی نقطہ نظر سے اسلامی اور غیر اسلامی، قانونی / جائز اور غیر قانونی / ناجائز اور اخلاقی و غیر اخلاقی کا معیار، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایات ہیں جسے اللہ اور رسول ﷺ صحیح کہہ دیں وہ صحیح اور جسے وہ غلط کہہ دیں، وہ غلط۔ جب ہم اس اصول کی روشنی میں جنسی جبلت پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جبلت از خود برائی نہیں اور

اسے کسی صورت بھی ختم نہیں کرنا چاہیے۔ یہ اسلامی تعلیمات کی رو سے انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔

مغرب میں رہنے والے سائنس دان یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ جنسی خواہش / جبلت فطری ہے اس لیے کسی فرد کے لیے اس کے حصول پر کسی قسم کی کوئی قدغن نہیں ہونی چاہیے۔ اس لحاظ سے ان کے نزدیک جنسی معاملات میں قانونی اور غیر قانونی، اخلاقی اور غیر اخلاقی کا سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ ان کے نزدیک یہ اسی طرح کا ایک فطری عمل ہے جس طرح انسان کو بھوک لگتی ہے۔ جس طرح بھوک لگنے پر کسی انسان کو کھانے سے نہیں روکا جاسکتا اسی طرح کسی انسان کو جنسی احتیاج کے پورا کرنے سے روکنے کا بھی کسی کو حق نہیں ہونا چاہیے۔ مزید ان کے نزدیک چونکہ کسی قسم کی ناروا پابندیوں کے نتیجے میں انسان بہت سے نفسیاتی اور دماغی امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لیے ایک فرو کو اس امر کی آزادی ہونی چاہیے کہ وہ اس جبلت کی تسکین کے لیے ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اسے ”جب چاہے، جہاں چاہے اور جیسے چاہے“ اس سے لطف اندوز ہو لینا چاہیے!۔ اس نقطہ نظر کے بارے میں ایک سوال کیا جاسکتا ہے کہ مغرب اور امریکہ مادر پدر آزاد جنسیت پر گذشتہ کم از کم ایک صدی سے عمل پیرا ہیں، کیا اس تمام عرصے میں ان ممالک میں دماغی اور نفسیاتی امراض کی شرح میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے؟ وہ حقائق اور اعداد و شمار جو اس کتاب کے دوسرے صفحات میں درج کیے جا رہے ہیں ان کی روشنی میں اس سوال کا جواب مثبت صورت میں نہیں دیا جاسکتا جبکہ یہ اعداد و شمار خود امریکہ اور مغرب کے سائنس دانوں کی تحقیقات سے اخذ کردہ ہیں جیسا کہ ہم آئندہ ابواب میں دیکھیں گے کہ اسلام، انسان کی اس فطری جبلت سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونے کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے کیونکہ وہ اسے عطیہ خداوندی سمجھتا ہے۔ یہاں اس امر کا اظہار بھی شاید ضروری ہو کہ چونکہ جنسی اعمال کا تعلق کم از کم دو افراد سے ہوتا ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہر فرد کے حقوق کی حفاظت اور بحالی کے لیے کوئی ضابطہ اور طریق کار وضع کیا جائے۔

اس ضمن میں اسلام، مزید ایک قدم آگے بڑھاتا ہے۔ قرآن کریم کی نظر میں انسان کے جسم کا ہر عضو اور تمام جسم انسان کے پاس اللہ کی ایک امانت ہے اور جسم کے ہر عضو کا انسان پر یہ

حق ہے کہ اسے اس مقصد کے لیے استعمال کیا جائے جو شارع قانون یعنی اللہ نے اس کے لیے متعین کیا ہے۔ ایک انسان جو اپنی شہوانی قوت کو زنا کرنے میں استعمال کر رہا ہے یا ایسا شخص جو تنہائی میں مشیت زنی میں مبتلا ہے، وہ ایک ایسا کام کر رہا ہے جس کے لیے اس کے ہاتھ یا جنسی اعضاء نہیں بنائے گئے اور یوں قیامت کے روز یہ اعضاء اللہ کے حضور اس شخص کے خلاف استغاثہ کریں گے۔ قرآن کریم کی سورہ بنی اسرائیل (۱۷:۳۶) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”یقیناً آنکھ، کان، اور دل سب ہی کی باز پرس ہوتی ہے۔“

اسی طرح سورہ النور (۲۴:۲۳) میں یہ فرمایا:

”وہ اس دن کو بھول نہ جائیں جبکہ ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔“

ان تمام آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے جسمانی اعضاء سے غلط کام لے رہا ہے تو وہ درحقیقت ان اعضا کی حق تلفی کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص جو زنا کا مرتکب ہوتا ہے، وہ نہ صرف اپنے جسم کی قوت کو غلط طور پر استعمال کرتا ہے بلکہ وہ اپنی موجودہ (یا ہونے والی شریک حیات) کے حقوق پر بھی ڈاکہ ڈال رہا ہوتا ہے اور حمل کے قیام کی صورت میں وہ اس کا بار بھی نہ صرف تنہا اس عورت پر ڈال رہا ہے بلکہ ایک حرامی بچے کی پیدائش سے اس معصوم کے حسب نسب کے بارے میں ایک بہت بڑا مسئلہ کھڑا کرنے کا ذمہ دار بھی بن رہا ہے۔ امریکہ میں غیر شادی شدہ (Unwed) اور نو عمر لڑکیوں (Teen agers) کے ہاں بچوں کی شرٹ پیدائش میں روز افزوں اضافے کے بعد بھی اگر حضرت انسان اس حقیقت کو مان لینے سے گریز کرتا ہے تو پھر اس کی عقل پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح غیر اخلاقی اور خلاف فطرت شہوت رانی، دراصل اللہ کے حقوق کی پامالی ہے کیونکہ خالق کائنات نے انسان کو یہ اعضاء اس لیے دیے ہیں کہ وہ انھیں نوع انسانی کی ترویج اور بہتری کے لیے استعمال کرے گا۔ ایک زنا کار یا مشیت زنی کے ذریعے اپنی جنسی قوت کو ضائع کرنے والا شخص اس فرض کی تکمیل نہیں کرتا جو اولاد کی پیدائش اور اس کی پرورش کرنے سے ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ یہ کوئی ایسی منطق نہیں جو سمجھ نہ آ سکے۔ مغرب اور امریکہ میں خود بھی اس منطق

اور دلیل کے مطابق بہت سے کام سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ آخر مغرب میں نابالغ بچوں پر شراب/الکوحل کے استعمال پر پابندی کی وجہ کیا ہے؟ اسی طرح خودکشی کو کیوں مغربی قانون میں جرم ٹھہرایا جاتا ہے؟ — اسی لیے کہ وہاں کے قانون میں ان دونوں کی مخالفت کی گئی ہے اور انھیں قابل سزا جرم قرار دیا گیا ہے۔

اس جگہ یہ جاننا دلچسپی کا باعث ہوگا کہ موجودہ زمانے کا ایک فلاسفر اور تاریخ دان بھی مغرب میں پائے جانے والے بے محابا اور آزاد جنسیت کے رجحان پر کچھ پابندیاں اور حدود عائد کرنے کا حامی ہے۔ برٹریڈ رسل (۱۹۷۰ء) اپنی کتاب میں رقمطراز ہے کہ ”میں یہ نہیں کہتا کہ جس طرح ہم نے کھانے پر پابندیاں لگائی ہیں، اس سے زائد کوئی اخلاقی پابندی جنسی اعمال پر لگائی جائے یا کسی شخص کو جنسی اعمال سے روکنے کے لیے ان حدود سے زائد پابند کیا جائے جو کھانے کے بارے میں ہم نے کسی فرد پر عائد کی ہیں۔ کھانے کے بارے میں ہم تین مختلف قسم کی پابندیوں پر عمل کرتے ہیں۔ اولاً وہ جو قانون نے لگائی ہیں، ثانیاً وہ جو تہذیب و اخلاق کا تقاضا ہیں اور ثالثاً وہ جو صحت کے نقطہ نظر سے لگائی جاتی ہیں۔ ہم خوراک کی چوری کو غلط گردانتے ہیں اور کسی مشترکہ خوراک اور غذا میں سے اپنی ضرورت یا حصے سے زائد حصہ لینے کو بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر ایسی خوراک کھانے کی بھی ممانعت کو سراہتے ہیں جو ہمیں بیمار کر دے۔ جہاں تک جنس سے حصول لذت کا مسئلہ ہے، وہاں بھی ہمیں اس قسم کی پابندیوں پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے تاہم یہ معاملہ بہت پیچیدہ نوعیت کا ہے اور اس کے لیے بہت زیادہ ضبط نفس کی ضرورت ہے!“

اس جگہ اس امر کی صراحت بھی شاید ضروری ہو کہ برٹریڈ رسل بھی اس قسم کی اخلاقی حدود کے اجراء سے مطلوبہ نتائج کے حصول کے بارے میں بہت زیادہ پر امید نہیں۔ اگرچہ وہ اس بات کا برملا اظہار کرتا ہے کہ اگر مادر پدر آزاد جنسیت کو اسی طرح چھوڑ دیا گیا تو لازماً مزید بہت خراب نتائج وقوع پذیر ہوں گے جن کے بارے میں ہم فی الحال تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود وہ اس رائے کا اظہار بھی کرتا ہے کہ ”اگر کچھ پابندیاں یا حدود لگائی گئیں جیسا کہ گذشتہ ادوار (و کٹورین عہد کی سیاسی تعلیمات) میں لگائی گئی تھیں تو پھر انسانی فطرت اس کے

خلاف بغاوت پر مجبور ہوگی — اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ برٹریڈ رسل جیسا بڑا آدمی بھی ”فری سیکس“ کے حق میں بے شمار دلائل کے سامنے ہتھیار ڈالنے اور اس کے عام چال چلن پر کسی قسم کی پابندی کو جائز اور ضروری سمجھنے کے باوجود اس سے صرف نظر کرتا ہے کیونکہ اس کے خیال میں ”ہمیں (دنیا مغرب کو) آگے بڑھنے کی اجازت ہونی چاہیے یہ نسبت ترقی معکوس کے۔“

یہاں اس امر کی جانب اشارہ کرنا بھی شاید ضروری ہو کہ برٹریڈ رسل جیسا دانشور بھی عیسائیت کے وکٹورین عہد کے سخت گیر اخلاقی نظام سے اس قدر خائف دکھائی دیتا ہے کہ ”ایک نئے ضابطہ اخلاق کی ضرورت“ کا قائل ہونے اور ”حقوق و فرائض“ کی ضرورت کے ادراک کے باوجود وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ ”میں نہیں سمجھتا کہ کوئی نیا ضابطہ اخلاق پرانے حقوق (کرحسین) پابندیوں سے زیادہ اس مادر پدر آزاد جنسیت کو قابو کر سکے گا لیکن میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اس جنسی رجحان کو قابو کرنے کے لیے مناسب موقع اور مقصد لازماً ماضی سے مختلف ہونا چاہیے۔“

در اصل مغرب کے لوگوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ ”فری سیکس“ کے سفر میں اس قدر آگے جا چکے ہیں اور وہ اپنے مذہب (عیسائیت) کے غیر معقول اور غیر معتدل رویے سے اس قدر دل برداشتہ بلکہ خوف زدہ ہیں کہ نہ صرف عوام بلکہ برٹریڈ رسل جیسا فلاسفر اور دانشور بھی اس بات کا حوصلہ نہیں کر پاتا کہ وہ عامۃ الناس کی رائے کے خلاف اپنے آپ کو ”ماضی کے بندھنوں“ میں ڈالنے کا سوچ سکے! — اس امر کی جانب ایک مسلم مصنف (رضوی ۱۹۸۰ء) نے بجا طور پر صحیح تبصرہ کیا ہے کہ ”اگر رسل کو اسلام کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ اسے اسلام میں وہ ”نیا اور معقول اخلاقی نظام“ ضرور نظر آ جاتا (جس کی ضرورت کا ادراک اس نے درج بالا طور پر کیا ہے) جس سے انسان کے جنسی جذبے کو ایک معقول ڈسپلن کے تحت لایا جاسکتا ہے

بغیر اس امر کے کہ اس پر کسی قسم کی ”ناروا پابندیاں“ عائد کی جائیں“ — جیسا کہ ہم نے درج بالا طور میں اشارہ کیا کہ مغرب، عیسائیت کی تلخ یادوں اور ناروا سخت پابندیوں کی وجہ سے اس قدر ذرا ہوا ہے کہ اس نے الحادی نظام کو قبول کر کے ایک صحیح الہامی نظام (اسلام) کی تعلیمات سے آنکھیں بند کر لیں۔

ان بنیادی معروضات کے بعد اب ہم کنزے رپورٹ کے ان نتائج پر اسلامی نقطہ نظر سے

گفتگو کریں گے جو انھوں نے عورتوں میں کل جنسی رویوں کی تسکین کے ضمن میں پیش کیے ہیں۔
غیر شادی شدہ عورتوں میں کل جنسی رویوں کی تسکین کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ:

(Total sexual outlets in single women)

گزشتہ صفحات میں ہم نے اس ذیلی عنوان کے تحت کنزے رپورٹ کے اعداد و شمار کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ معلوم ہوا تھا کہ غیر شادی شدہ عورتوں کے دو گروپس میں ایک گروپ ان عورتوں کا ہے جو مذہبی و اخلاقی تعلیمات پر عمل کرتا ہے جب کہ ایک دوسرا گروپ جو مذہبی/ اخلاقی تعلیمات پر کاربند نہیں (آزاد منش)، ان ہر دو گروپس کی عورتوں میں مختلف جنسی اعمال کے نتیجے میں جنسی لذت/ حظ کے حصول کی شرح میں فرق پایا جاتا ہے۔ اول الذکر گروپ کی عورتوں کی تعداد کم تھی جبکہ مؤخر الذکر گروپ کی زیادہ تعداد نے تمام جنسی طریقوں سے زیادہ شرح میں لذت کا حصول کیا۔ کنزے رپورٹ میں اس فرق کی وجہ ”مذہبی رجحانات“ کو قرار دیتے ہوئے اول الذکر کے بارے میں اس خیال کا اظہار کیا گیا تھا کہ ”ایسی عورتیں کسی ادارے کی سربراہ بننے کے لائق نہیں کہ ”جنسی ناآسودگی“ کی وجہ سے وہ بہت سے جسمانی و نفسیاتی امراض کا شکار ہو سکتی ہیں۔ کنزے رپورٹ کے ان نتائج فکر کو قبول کرنے میں یہ امر مانع ہے کہ یہ کیوں کر مناسب اور قرین عقل و انصاف ہے کہ دماغی و نفسیاتی امراض کو مذہبی اور اخلاقی اقدار کی پابندی کرنے والی خواتین کے سر تھوپ دیا جائے جبکہ اس قسم کا کوئی تقابلی جائزہ (اعداد و شمار) میسر نہیں جس میں کسی ہسپتال میں ہر دو گروپس (Comparable groups) کے مریضوں کا علاج کیا گیا ہوتا اور نفسیاتی تجزیے (Psychoanalysis) کے ذریعے ایسے مریضوں کو شفا یابی سے ہم کنار کیا گیا ہوتا۔ ایسے عالم میں تو شاید یہ جائز ہوتا کہ ہم ان عواض کو مذہبی تعلیمات کے کھاتے میں ڈال دیتے۔ مزید برآں یہ حقیقت بھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے کہ یہودیت اور عیسائیت کی موجودہ تعلیمات کا وہاں کے عوام کی عملی زندگی پر اثر و نفوذ اب بہت حد تک ختم ہو گیا ہے کیونکہ ماضی میں ہر دو مذاہب کے خلاف عقل اور غیر فطری قوانین، تعلیمات کے رد عمل کے طور پر وہاں مذہب بیزاری (Religion phobia) کی لہر نے لہادی فکر (Atheisim) کو جنم دیا تھا۔ چرچ نے نورت اور مرد کے درمیان (شادی کی شکل میں بھی)

ہر قسم کے جنسی تعلق کو قابل نفیس گردانا اور اسے گناہ باور کرایا، تجرد کی زندگی گزارنے کو بزرگی اور عظمت روحانی کی علامت قرار دیا۔ ایسے حالات میں اگر عورتوں کے ایک گروپ نے، جو مذہبی تعلیمات پر کاربند تھیں، اور اس وجہ سے انھوں نے جنسی اعمال سے اجتناب کیا بہ نسبت اس گروپ کی عورتوں کے جو آزاد منش تھیں اور اس وجہ سے انھوں نے جنسی اعمال میں بھرپور شرکت کی تو صرف مذہبی تعلیمات ہی کو مورد الزام ٹھہرانا کس قدر مناسب و معقول ہو سکتا ہے؟ یاد رہے کہ جنسی افعال کے ان مختلف طریقوں میں جن پر عمل کر کے لذت جنسی کے حصول کو معیار ٹھہرایا گیا تھا ان میں سے سوائے ایک طریقے یعنی عورت اور مرد کے درمیان مباشرت (Sexual Intercourse) کے جس سے انسانی فطرت ابا (انفرت) نہیں کرتی، باقی تمام طریقے (مشت زنی، لواطت، وطی فی الدبر (Anal inter course)، وطی فی البہائم، (جانوروں سے جنسی تعلق وغیرہ) ایسے افعال ہیں جن سے انسانی فطرت جو مخ نہ ہو گئی ہو (جیسا کہ مغرب امریکہ میں ہے) کبھی بھی مصالحت (Comprise) نہیں کر سکتی۔ اگر ان طریقوں سے ان عورتوں کو جو کثیر تعداد میں بھی ہیں جنسی حظ (Orgasm) حاصل نہیں ہو سکا تو (کم از کم جمہوری نقطہ نظر سے ہی) ایسی خواتین عزت و تکریم کی مستحق ہیں نہ یہ کہ انھیں مطعون کیا جائے اور ان کے کھاتے میں ’موبوم و دماغی و نفسیاتی امراض‘ کا واہمہ بھی ڈال دیا جائے!۔ کنزے رپورٹ میں اس قسم کے جو نتائج اخذ کیے گئے ہیں، وہ مغرب کے اس الحاد و بے یقینی کا ثمرہ ہیں جس سے مغرب کے عوام و خواص دو چار ہوئے۔ ہمیں یقین ہے کہ کوئی معتدل اور راست فکر رکھنے والا آدمی اس قسم کے غلط اور غیر فطری طریقوں سے جنسی حظ حاصل کر ہی نہیں سکتا (کیونکہ حظ جنسی کے لیے صرف مادہ منہیہ کا اخراج ہی ضروری نہیں بلکہ میاں بیوی کے مباشرت کرنے سے جو انزال ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں جس قسم کے نفسیاتی اور جذباتی سکون و اطمینان، راحت اور محبت کے جذبات انسان میں پیدا ہوتے ہیں، وہ ان غیر فطری طریقوں سے انزال کی صورت میں کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتے اور اس کی تائید مغرب میں رہنے والے لوگ بھی کریں گے جو ان فبیج اعمال سے بچے ہوئے ہیں) اور یہ ظاہر ہے کہ کنزے نے جو نتائج ان مختلف اقسام کے جنسی اعمال سے اخذ کیے ہیں، وہ بنیادی اور اصولی طور پر بالکل غلط ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ غیر فطری طریقوں سے

جنسی حظ حاصل کرنے والے لوگ ہی دراصل مریض ہیں جو ان غلط طریقوں میں ملوث ہوتے ہیں اور انھیں کسی قسم کا کوئی سکون، اطمینان اور راحت نصیب نہیں ہوتی سوائے مادہ منویہ کے انزال کے، بلکہ ان کی شہوت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ بار بار اس قسم کے افعال سے انزال کی بس ایک عارضی اور وقتی لذت حاصل کرتے رہیں۔ جہاں تک جنسی مباشرت سے (میاں بیوی کے درمیان) حاصل ہونے والی لذت اور سکون اور مودت و رحمت کا تعلق ہے تو وہ اس کے عشرِ عشر سے بھی واقف نہیں ہوتے کجا کہ وہ اس کے دیرپا اثرات اپنی زندگی میں محسوس کر سکیں۔

یہاں اس امر کی تصریح بھی ضروری ہے کہ اسلام جہاں غیر شادی شدہ عورت اور مرد کے لیے شادی سے پہلے عصمت و عفت (Virginity/Chastity) اور شرم و حیا کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس امر کا داعی ہے کہ نہ صرف ان تمام غلط طریقوں سے جنسی لذت حاصل کی جائے بلکہ شادی کی صورت میں بھی میاں بیوی کے درمیان صرف جائز طریقہ مباشرت (Vaginal Intercourse) کو ہی صحیح قرار دیتا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اسے حسنہ (نہایت ہی قابل تعریف نیکی) قرار دیتا ہے۔

اسلام کی نظر میں، میاں بیوی کے درمیان محبت اور جنسی تعلق، اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی عبادت کے مبنائی نہیں ہے۔ اسلام، دنیاوی اشیاء کے فوائد اور لذائذ کے بارے میں کوئی منفی سوچ نہیں رکھتا بلکہ جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے ایسے تمام لذائذ سے استفادے کو جائز قرار دیتا ہے۔ اس لیے اسلام، رہبانیت اور تجرد کی زندگی کی نہ صرف مردوں بلکہ عورتوں کے لیے بھی نفی کرتا ہے بلکہ عورتوں کے لیے یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ دیر تک غیر شادی شدہ نہ رہیں۔ (حمودی ابدالعظمیٰ ۱۹۷۷ء)

(۲) مطلقہ اور بیوہ عورتوں میں کل جنسی رویوں کی تسکین:

(Total sexual outlets in widowed, separated and divorced women)

جیسا کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں کنزے کی رپورٹ کے حوالے سے بتایا کہ امریکہ کی کل

عورتوں کی آبادی کا ۱۵ فی صد حصہ ایسی عورتیں ہیں جن کو شادی کے بعد طلاق ہوگئی یا وہ بیوہ ہو گئیں یا کسی دوسری وجہ سے وہ اپنے شوہروں سے علیحدہ رہنے پر مجبور ہیں۔ اس لیے کنزے کی رپورٹ کے مطابق:

« جائز ذریعے سے جنسی تسکین کے مواقع نہ ہونے کی وجہ سے ان عورتوں کو سماجی روابط رکھنے میں دقت پیش آتی ہے۔

« نیز یہ مسئلہ ان عورتوں کے لیے زیادہ تشویش کا باعث ہوتا ہے جو شوہر دیدہ ہوں بہ نسبت ان عورتوں کے جن کی شادی نہ ہوئی ہو۔

« درج بالا شوہر دیدہ عورتوں میں جو ۱۶ سے ۲۰ سال کی ہیں، قریباً ۸۵ فی صد عورتیں جنسی حظ اٹھانے کے لیے کسی مرد سے تعلق استوار کرنے پر مجبور ہیں۔

« کسی مرد کے ساتھ جنسی تعلق رکھنے کے ساتھ ہی ساتھ وہ مشت زنی سے بھی بہرہ مند ہوتی ہیں۔

« اس کے علاوہ تیسرے نمبر پر یہ عورتیں ہم جنس پرستی (Lesbianism) میں بھی ملوث ہوتی ہیں یا خواب میں جنسی لذت حاصل کرتی ہیں۔

کنزے کے ان نتائج پر غور کرنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تمام امور، نتیجہ ہیں ان غلط تعلیمات کا جن کی رو سے عیسائیت میں بیوہ عورت کے لیے نکاح ثانی کو حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ عیسائیت کی تعلیمات کی رو سے یا میاں بیوی میں نباہ نہ ہونے (Marital discord) کی صورت میں اگر علیحدگی ہو جائے یا طلاق واقع ہو جائے تو وہ مرد اور عورت کسی دوسری جگہ شادی نہیں کر سکتے۔ طلاق کے بارے میں عیسائیت کا یہ خود ساختہ قانون کہ ”جس مرد اور عورت کو خدا نے جوڑا ہے، انھیں کوئی دوسرا شخص جدا نہ کرے۔“ (Matt : 19:6)، اسی طرح عیسائیت کا یہ اصول کہ مطلقہ یا بیوہ عورت کا نکاح ثانی گویا کہ ایک ”مہذب زنا“ کا درجہ رکھتا ہے، کی وجہ سے مطلقہ/بیوہ/کسی دوسری وجہ سے اگر عورت علیحدہ رہنے پر مجبور ہو، تو اس کے لیے کوئی اور چارہ کار نہیں کہ وہ اپنی جنسی تسکین کے لیے (جو بہر حال بطور انسان اس کی ایک فطری ضرورت ہے) کسی مرد سے تعلق استوار رکھے یا مشت زنی کو اپنالے یا ہم جنس پرستی کا شکار ہو۔ اسلام میں

معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اگرچہ طلاق، مرد کے ایک جائز حق کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی نظر میں جائز کاموں میں اسے سب سے برا کہا گیا ہے (اور ظاہر ہے کہ جس مرد کا اللہ پر ایمان کامل ہو اور وہ اس کی ناراضی کا خطرہ مول لینا نہ چاہتا ہو، تو وہ اس حق کو استعمال کرنے سے پہلے سو مرتبہ سوچے گا!) اس کے ساتھ ہی ساتھ عورت کو نکاح ثانی کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے جس سے عورتیں ان تمام اقسام کے جنسی انحرافات (Sexual perversions) سے محفوظ رہ سکتی ہیں جو مغربی عورت اپنی جنسی تسکین کے لیے اختیار کرنے پر مجبور ہے!۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بقول کسی مطلقہ/ بیوہ کا نکاح ثانی کرنا ان چار بہترین کاموں میں سے ایک ہے جسے ایک انسان کو اپنی اولین فرصت میں پورا کرنا چاہیے۔ اسلام کے ابتدائی دنوں میں ہمیں ایسے بہت سے مردوں کی مثالیں ملتی ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے جید صحابی اور داماد رسول ﷺ بھی ہیں جنہوں نے اپنی بیوی (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، پیغمبر ﷺ کی نہایت چیمپی بیٹی) کی وفات کے ساتویں دن بعد دوسری شادی کر لی تھی!

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے دورِ اول میں عورتوں اور مردوں کو بیوگی/ طلاق کی صورت میں نکاح ثانی کی نہ صرف اجازت تھی بلکہ اسے مستحسن قرار دیا جاتا تھا۔ کنزے کی رپورٹ میں جو نتائج دیئے گئے ہیں وہ عیسائیت/ یہودیت کے خود ساختہ قوانین پر چرچ کے بے جا اصرار کا نتیجہ ہیں۔ یہودیت اور عیسائیت میں اگر نکاح ثانی کی اجازت ہوتی تو اس قسم کی عورتیں زنا یا دیگر غیر اخلاقی جنسی اعمال میں ملوث نہ ہوتیں!

گذشتہ صفحات میں ہم نے فرائڈ اور کنزے کے تحقیقی کاموں کا کسی قدر تفصیل سے جائزہ لیا ہے کیونکہ ان دونوں سائنس دانوں نے جو تحقیقی کام سرانجام دیا ہے، اس نے موجودہ زمانے کے جنسیات کے نظریات پر ہمہ گیر اثرات مرتب کیے ہیں جس سے دنیا کے بیشتر انسان متاثر ہوئے ہیں۔ انسانیت آج جن دکھوں اور مسائل کا شکار ہے، ان کا ایک بہت بڑا سبب ان حضرات کی تحقیق کے نتائج ہیں اور مظلوم انسانیت نہ معلوم آئندہ بھی کتنے طویل عرصے تک اس قسم کی تحقیقات کے نتائج کا خلیا زہ بھگتے گی۔ اگرچہ دنیا میں بہت سے دیگر سائنس دانوں نے ان

نتائج فکر پر تنقید کی ہے اور بہت سے نظریات کا بطلان بھی کیا ہے لیکن مغرب کے مخصوص مذہبی، سماجی، معاشرتی، تعلیمی اور سب سے بڑھ کر حسی اور لذتیت پسند (Sensual and promiscuous) ذہن نے ان نتائج فکر کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھا اور ان پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ ہم چاہتے تھے کہ ہمارے قارئین بھی ان تمام معلومات سے آگاہ ہو جائیں تاکہ ان کے تدارک کے لیے جو حکیم اسلام نے پیش کی ہے اور جسے وہ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے، انھیں ان حالات اور واقعات کے پس منظر میں اس کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ اور وہ جان سکیں اور اس پر انھیں ایقان نصیب ہو جائے کہ اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا وہ پسندیدہ اور آخری دین (زندگی کا لائحہ عمل ہے) جو انسانوں کے لیے اللہ کریم نے اپنے رسول ﷺ کی معرفت قرآن کی شکل میں دیا ہے اور جس کو پیغمبر ﷺ نے نہ صرف اپنی زندگی میں نافذ کر کے عملاً دکھا دیا کہ اس پر عمل کرنا ممکن ہے بلکہ دور اول کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں انسان گذشتہ ۱۴۰۰ سالوں سے عمل کرتے آرہے ہیں جو اس کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔

ہماری ان گزارشات کو جذباتیت پر محمول نہ کیا جائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمام دنیا کے انسان بالعموم اور مسلمان بالخصوص اس امر کا بے لاگ جائزہ لیں کہ اسلامی تاریخ کے ۱۴۰۰ سالہ طویل دور میں، اسلامی تعلیمات کے زیر اثر دنیا میں (مغرب کے مقابلے میں) ۱۰ فی صد بھی ایسے جرائم اور مسائل پیدا نہیں ہوئے جیسے مغرب میں گذشتہ ایک ڈیڑھ صدی میں ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ اس لیے اگر انسانیت مسائل کے اس چنگل سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے تو اسے اسلام کے دامن میں پناہ لینی ہوگی۔ بطور ایک عقیدے اور زندگی کے لیے لائحہ عمل کے اسلام زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں ہدایات دیتا ہے جو نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی طور پر انسان کے لیے مفید ہیں بلکہ انسانیت کی فلاح و کامیابی کا انحصار ان اصولوں پر کاربند ہونے میں ہے۔

فرائڈ اور کنزے کے نتائج فکر پر ایک مجموعی تبصرہ کرنے کے بعد، اب ہم زمانہ حال کے مزید دو سائنس دانوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کے کام کو واقعی سائنٹیفک کہا جاسکتا ہے۔ انھوں نے اپنی لیبارٹری میں جو تجربات کیے اور جو نتائج اخذ کیے وہ دراصل سائنسی تحقیق کے ایسے نتائج ہیں جن سے انسان کے بہت سے مسائل جن کا تعلق جنسیت سے ہے اور جنہیں سمجھنے سے ان کا

تدارک کیا جاسکتا ہے۔

(۳) ولیم ماسٹرز اور ورجینیا جانسن:

(Wiliam Masters and Virginia Johnson)

ولیم ماسٹرز اور ورجینیا جانسن (۱۹۶۶ء) کا تحقیقی کام ایسی بنیادی معلومات فراہم کرتا ہے جو میڈیکل پروفیشن کو عرصہ دراز سے درکار تھیں اور ان کے ذریعے بہت سے ایسے مسائل کو حل کرنے میں مدد ملی جن کی وجہ سے بیشتر انسان اپنی زندگی میں جنسی الجھنوں کا شکار تھے۔ مرد اور عورت سائنس دانوں پر مشتمل اس ٹیم نے مشترکہ طور پر ۳۸۲ عورتوں اور ۳۱۲ مردوں کے جنسی اعمال کا ۱۰ سال سے زائد عرصہ میں لیبارٹری میں مشاہدہ کیا۔ یہ عورتیں اور مرد ایسے لوگ تھے جنہوں نے خود اپنی مرضی سے اپنے آپ کو پیش کیا تھا (Volunteers) اور جن کا تعلق مختلف عمروں اور سوسائٹی کے مختلف سماجی گروہوں سے تھا۔ اس ٹیم نے ان لوگوں کو اس امر کے لیے ذہنی طور پر تیار کیا کہ وہ لیبارٹری کے ماحول میں اسی طرح آزادانہ پیار و محبت اور جنسی اختلاط (Inter course) کریں جس طرح وہ اپنے گھر کی تنہائی کی صورت میں کیا کرتے ہیں۔ ان دوران ان پر جو مراحل اور کیفیات گزرتی تھیں، ان کا باقاعدگی سے مشاہدہ کیا گیا اور آلات کی مدد سے مختلف امور (بلڈ پریشر، نبض اور تنفس کی رفتار، مرد و عورت کے جنسی اعضاء میں جنسی براہمختگی، انزال اور حظ جنسی کا حصول وغیرہ) کو ریکارڈ کیا گیا۔ دس سال تک یہ تجربات کرنے کے بعد انہوں نے گیارہویں سال ان نتائج کو ایک کتاب (Human Sexual Response) کی شکل میں ۱۹۶۶ء میں شائع کیا۔ ان نتائج سے نہ صرف بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا جو عرصہ دراز تک میڈیکل پروفیشن میں پائی جاتی تھیں بلکہ ان کے ازالے سے بہت سے انسان بھی ان تکالیف و عوارض سے محفوظ ہو گئے جن میں وہ ایک عرصے سے دوچار تھے۔ ذیل لے صفحات میں ہم ان دو سائنس دانوں کی اس اہم کاوش کے بارے میں اپنے قارئین کو آگاہ کریں گے۔

جنسی اشتعال کے مختلف مراحل: (Phases of Sexual Response)

ماسٹرز اور جانسن کی تحقیقات کا ایک بہت عمدہ پہلو وہ ہے جس کا تعلق مرد اور عورت میں جنسی اشتعال (Sexual Response) سے ہے یعنی جس وقت کسی مرد یا عورت کو جنسی

مباشرت کا خیال آتا ہے تو اس وقت سے لے کر جنسی عمل (مباشرت) کے اختتام تک وہ جن جن مراحل سے گزرتے ہیں، اسے انھوں نے ایک ماڈل کی شکل میں پیش کیا جسے انھوں نے جنسی جوش و جذبے کے لیے قوت کے قیام اور جنسی جوش کا انزال (Energy Build Up and Release) کا نام دیا۔ مزید انرجی بلڈ اپ (جنسی ہیجان، طاقت یا انرجی کی زیادتی کے مرحلے) کو انھوں نے مزید دو حصوں یعنی جنسی ہیجان کا دور آغاز (Excitement Phase) یا (Sexual Arousal) اور جنسی ہیجان کے دور عروج (Plateau Phase) میں تقسیم کیا اور اسی طرح انرجی کے انزال (Energy Release) کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا یعنی جنسی حظ کی انتہا (Orgasm) اور جنسی ہیجان کا اختتام (Resolution phase)۔ اب ہم ان کے بارے میں سادہ الفاظ میں کچھ معلومات پیش کریں گے۔

(الف) جنسی ہیجان کا آغاز (Sexual Arousal):

جنسی جذبے کا پہلا دور جنسی جوش/ اشتعال کا آغاز کہلاتا ہے۔ جس میں جنسی اشتعال (Excitement) پیدا ہوتا ہے۔ اس دوران میں جسمانی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ دماغ میں جنسی جوش/ ہیجان کی کیفیت رونما ہوتی ہے۔ اعصابی نظام سے دماغ کے مختلف حصوں کو پیغامات کی ترسیل ہوتی ہے جس کی وجہ سے جسم میں مختلف تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر انسان (مرد و عورت) کے بلڈ پریشر میں اضافہ ہو جاتا ہے اور دل کی دھڑکن (نبض) اور تنفس کی رفتار میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ اس دوران میں خون کی گردش جنسی اعضاء کی جانب زیادہ ہو جاتی ہے اور جلد کی حسیت (Sensitivity) میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان جسمانی تبدیلیوں کی وجہ سے انسان میں جنسی ہیجان کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔

عورتوں ❶ میں جنسی ہیجان کے آغاز میں خون کی گردش میں اضافے کی وجہ سے فرج (Vagina) کے اندرونی غدودوں سے رطوبت (Secretions) کا اخراج ہوتا ہے۔ فرج کا اندرونی دو تہائی حصہ پھیل (Expand) جاتا ہے اور پیشاب گاہ (Vulva) کے بیرونی لب (Outer lips of vulva) کسی حد تک کھل کر کشادہ ہو جاتے ہیں اور اندرونی لب (Inner lips)

❶ عورت اور مرد کے جنسی اعضاء کے بارے میں تفصیلات ایک الگ باب میں درج ہیں۔

بھی کشادہ ہو جاتے ہیں نیز اندامِ نہانی (Clitoris) کا ابھار بھی کسی حد تک نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس دور میں مرد کا عضو تناسل (Penis) بھی خون کی زیادہ گردش کی وجہ سے تن (Erect) جاتا ہے اور عام حالت کے برعکس اس کے حجم اور لمبائی (سائز) میں ایک گونہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ خبیصے (Testicles) اوپر کی جانب جسم کے ساتھ لگ جاتے ہیں۔

یاد رہے کہ مرد و عورت میں جنسی اعضاء کی تبدیلیاں، خون کی گردش زیادہ ہونے کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ نیز عورتوں میں پستان (Breast) بھی خون کی زیادہ گردش کی وجہ سے بڑے سائز کے ہو جاتے ہیں اور ان کی بھنٹی (Nipple) بھی تن جاتی ہے۔

(ب) جنسی ہیجان کا دورِ عروج (Plateau Phase):

جنسی جوش و ہیجان کا اگلا دور جنسی ہیجان کا دورِ عروج کہلاتا ہے۔ اس دوران میں ہر دو اصناف (مرد اور عورت) میں جنسی اعضاء میں تناؤ بڑھ جاتا ہے اور دیگر جسمانی اعضاء میں بھی دباؤ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مرد و عورت میں دل کی دھڑکن، سانس کی رفتار اور بلڈ پریشر میں اضافہ ہو جاتا ہے اور بعض اوقات جسم کے مختلف حصے (گردن/چھاتی) سرخ رنگ کے ہو جاتے ہیں جسے Sex Flush کہتے ہیں۔

عورتوں میں، پیشاب گاہ کا ایک تہائی حصہ بڑا ہو جاتا ہے جس کی بنا پر اس کا سوراخ یا منہ تنگ ہو جاتا ہے (یہی وجہ ہے کہ مرد کے عضو مخصوص کا چھوٹا یا پتلا ہونا، مقاربت کے لیے کسی صورت بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ اگر مرد اور عورت میں جنسی ہیجان اپنے عروج پر نہ تو عورتوں کی فرج مرد کے عضو مخصوص کے ہر سائز کو برداشت کر سکتی ہے)۔ اس دوران، عورتوں کا بیجا مینہ غبارے کی شکل میں اوپر کی طرف ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے رحم (Uterus) اور فرج (Cervix) اوپر کی جانب سرک جاتے ہیں۔ فرج کے اندرونی لب عام حالت کی نسبت دو سے تین گنا بڑے سائز کے ہو جاتے ہیں اور خون کی زیادہ گردش کی وجہ سے ان کی رنگت گہری یا سرخ ہو جاتی ہے۔ پستانوں کی بھنٹی کے ارد گرد کا حصہ بھی کسی حد تک پھول جاتا ہے اور اس کی رنگت گہری ہو جاتی ہے نیز پستانوں کا سائز بھی بڑا ہو جاتا ہے۔

مردوں میں، اس دوران عضو مخصوص، اس کے اگلے سرے (Glans penis) نیز خبیصوں

کے سائز میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگلے سرے کی رنگت کسی قدر گہری ہو جاتی ہے۔ خبیے جسم کے اور نزدیک ہو جاتے ہیں اور حرکت کرنے لگتے ہیں (یعنی سکڑنے اور پھیلنے لگتے ہیں) اس دوران میں جنسی ہیجان کی وجہ سے اکثر سفید رنگ کی رطوبت (Pre-ejaculatory fluid) کا اخراج بھی منضو مخصوص کے سوراخ سے ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیشاب کی نالی (Urethral Canal) میں مختلف غدود پیدا کیے ہیں جن کی رطوبت نہ صرف مادہ منویہ کے ساتھ مل کر اس کے جسم میں اضافے کا باعث بنتی ہے اور مادہ منویہ میں پائے جانے والے کرم منی (Sperms) کے لیے خوراک (انرجی/ طاقت) مہیا کرتی ہے (جس سے وہ رحم میں تیرنے اور بیضہ کے ساتھ مل کر اسے بارور (Fertilize) کر سکتے ہیں) بلکہ اس رطوبت کے اخراج سے پیشاب کی نالی کسی قدر پکنی بھی ہو جاتی ہے جس سے پیشاب کی نالی میں اگر کوئی تیزابیت (پیشاب کی وجہ سے) موجود ہو تو اس کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے جو کرم منی کو زندہ رکھنے اور بہ آسانی اخراج کے لیے درکار ہوتی ہیں۔

(ج) جنسی حظ کی انتہا (Orgasm):

اگر درج بالا مرحلہ آسانی کے ساتھ سر انجام پا جاتا ہے تو مرد و عورت مباشرت کے اس انتہائی مرحلے میں داخل ہو جاتے ہیں جسے (Orgasm) یا جنسی حظ کی انتہا کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ دیگر مراحل کی بہ نسبت، جنسی حظ کی یہ انتہائی حالت چند سیکنڈ قائم رہتی ہے (جبکہ دوسری حالتوں کو مختلف لمبایوں سے کئی منٹ بلکہ گھنٹوں تک بھی برقرار رکھا جاسکتا ہے)۔ اس حالت میں فریقین کے جنسی اعضاء کے عضلات بار بار سکڑتے ہیں۔ انسانی دماغ، اس حالت میں جنسی حظ کی انتہائی کیفیات سے لطف اندوز اور سرشار ہوتا ہے اور اس پر مدہوشی کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ فرحت و انبساط کے ان لمحات میں غیر ارادی طور پر مرد و عورت کے منہ سے آوازیں نکلتی ہیں اور ان کے چہروں سے بھی ان کیفیات کا اظہار ہوتا ہے۔

مردوں میں جنسی حظ کی اس انتہائی حالت کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلی حالت میں پراسٹیٹ گلینڈ (غده مذی Prostate gland) اور دیگر اندرونی اعضاء جنسی سکڑتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی رطوبتیں پیشاب کی نالی/ مثانے کی نالی کے اندرونی حصے میں

داخل ہو جاتی ہیں جسے انزال (Emission) یا رطوبتوں کا اخراج کہتے ہیں۔ ایک دفعہ اس حالت کے طاری ہونے پر، انزال مٹی لازمی طور پر ہو جاتا ہے اور کسی شخص کے لیے اسے روکنا یا مؤخر کرنا ممکن نہیں ہوتا اور یوں پیشاب کی نالی سے مادہ منویہ عضو مخصوص کے سوراخ سے اچھلنے یا تیزی کے ساتھ نکلنے کی صورت میں خارج ہو جاتا ہے۔ مردوں میں بھی عضو مخصوص کے بار بار سکڑنے کا عمل چند سیکنڈ کے وقفوں کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور اس دوران جسم کے دیگر حصوں میں بھی ایک سکون اور اطمینان کی کیفیت رونما ہوتی ہے جس کے بعد مردانہ عضو سکڑ کر عورت سے فرج سے باہر نکل آتا ہے۔

اس حالت میں عورتیں ۳ سے ۱۰ مرتبہ رحم، ویجاٹینہ/ فرج اور مقعد کے بار بار سکڑنے کی کیفیت سے دو چار ہوتی ہیں جن کا وقفہ ایک سیکنڈ سے کم ہوتا ہے۔ اندام نہانی لطف و انبساط کی حالت سے دو چار ہوتی ہے اور سکڑنے کی یہ حالت جنسی اعضاء کے علاوہ رانوں اور جسم میں بھی محسوس ہوتی ہے۔

(د) جنسی ہیجان کا اختتام (Resolution phase) :

جنسی ہیجان کا یہ آخری مرحلہ ہوتا ہے جو حالت حظ کی انتہا کے فوراً بعد واقع ہوتا ہے۔ یہ حالت اس وقت تک طاری رہتی ہے جب تک کہ تمام جسم اپنی نارمل حالت پر نہیں آ جاتا۔ اس حالت میں جنسی اعضاء میں خون کی گردش اپنی معتدل حالت میں ہو جاتی ہے اور وہ تمام اعضاء جو اس کی وجہ سے تن کر کھڑے ہو گئے تھے (Erection) یا ان کی حالت، رنگت اور سائزیں تبدیلی آ گئی تھی، اب اپنے نارمل انداز میں آ جاتے ہیں۔ فریقین کو پسینہ آ جاتا ہے۔ دل کی دھڑکن بھی بتدریج اپنی نارمل حالت پر آنا شروع ہو جاتی ہے۔ سانس کی رفتار اور بلڈ پریشر بھی نارمل ہو جاتے ہیں۔ مختلف انسانوں میں اس حالت کا دورانیہ مختلف ہوتا ہے لیکن عورتوں میں یہ حالت مردوں کی نسبت دیر سے سہل ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ مباشرت کے فوراً بعد مرد کو عورت سے علیحدگی اختیار نہیں کرنی چاہیے بلکہ پیار کرنے، سہلانے اور محبت کی باتوں کے ذریعے اس حالت کے اختتام تک پہنچنے میں اس کی مدد کرنی چاہیے ورنہ عورت یہ سمجھ لیتی ہے کہ مرد کو اس کے ساتھ انزال تک ہی محبت تھی اور بعد میں وہ اس کے ساتھ محبت کا رویہ

اختیار نہیں کرتا۔

یہاں اس امر کی صراحت بھی شاید ضروری ہو کہ مختلف افراد میں مختلف مواقع پر بلکہ ایک ہی فرد میں مختلف مواقع پر، جنسی ہیجان کی حالت میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ مردوں میں جنسی ہیجان طاری کرنے میں نفسیاتی و ذہنی براہیختگی (Stimulation) ایک اہم عامل ہے اور اگر اسی کے ساتھ ساتھ جسمانی براہیختگی بھی جاری رہے تو پھر ان کے عضو مخصوص کو نصف گھنٹے سے بھی زیادہ تناؤ (Erection) کی حالت میں رکھا جاسکتا ہے۔ مردوں میں بار بار جنسی ہیجان کی کیفیت طاری کی جاسکتی ہے جبکہ ان کا عضو مخصوص ایک بار تن جانے کے بعد بیٹھ جائے۔ اسے دوبارہ تناؤ کی حالت میں لایا جاسکتا ہے اور یہ حالت اس وقت تک جاری رکھی جاسکتی ہے جب تک کہ وہ جنسی ہیجان کے دور عروج (Plateau phase) کو نہیں پہنچ جاتا۔ اس کے برعکس عورتوں کو جنسی ہیجان کی کیفیت میں زیادہ دیر تک رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انھیں مسلسل براہیختہ کیا جاتا رہے جس کے لیے ان کے جسم کو آہستہ آہستہ جسمانی لمس (پیار، محبت، بغل گیر ہونا وغیرہ) کے ذریعے اس حالت میں رکھا جاسکتا ہے۔

یاد رہے کہ مردوں میں عضو مخصوص کا تن جانا اور عورتوں میں جنسی ہیجان کی پہلی حالت میں اکثر مختلف عوامل کی بنا پر خلل پڑ سکتا ہے جس میں کسی قسم کا ڈر، خوف، مرد کے عضو مخصوص کے تناؤ کو زوراً ختم کر دیتا ہے۔ کسی غیر شخص کی آمد کے کھٹکے سے یا تیز شور و غل یا کسی قسم کے فوری درو کی وجہ سے عضو مخصوص کا تناؤ ختم ہو جاتا ہے۔ روشنی کی کمی یا زیادتی یا درجہ حرارت کی کمی بیشی بھی تناؤ پر اثر انداز ہوتی ہے۔

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ایک انسان کی نارمل زندگی اور اس کے مجموعہ یعنی معاشرہ / سوسائٹی میں جنسیت کا کردار کیا ہے، اس کے بارے میں بھی کچھ معلومات پیش کی جائیں۔

موجودہ دور میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جنسیت کا کردار:

انقلابِ فرانس کے نتیجے میں لوگوں میں یہ بات جڑ پکڑ گئی کہ کسی الہامی طاقت نے ایسی کوئی ہدایت یا قانون نہیں دیا جو انسان کی جنسی جبلت کو کنٹرول کرنے والا ہو اور کوئی مذہبی ادارہ

اس امر کا مجاز نہیں کہ وہ انسان کی فطری جبلت (Natural instinct) اور خواہش پر کسی قسم کی کوئی قدغن عائد کرے۔ اس فکر کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ میں بے محابا اور بے حجاب جنسی اختلاط (Free sex) کا ایک طوفان برپا ہو گیا جس نے یورپ / امریکہ کو جنسی خودکشی (Sexual suicide) اور جنسی حادثے (Sexual tragedy) سے دوچار کر دیا۔

(Gilder, GF. 1975, Albert Ellis 1962)

سورokin (۱۹۵۶ء) نے اس امر پر زور دیا کہ جنسیت میں غیر معمولی مشغولیت سے ایک معاشرہ کم زور ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی میں بلاشبہ جنسیت ایک اہم جبلت ہے اور بچوں کی پیدائش کے ذریعے معاشرے کی بقا اور ترقی کا انحصار اس امر پر ہے کہ جنسیت کے اس جذبے کو کس طرح منضبط کیا جائے، اس کا اظہار کس طریق پر ہونا چاہیے اور کس حد تک اس کی مخالفت یا حمایت کی جائے؟ جب جنسیت اس قدر عام ہو جائے کہ اس کی کوئی قدر و قیمت یا اہمیت نہ رہے یا اسے اس قدر مسخ کر دیا جائے جیسا کہ آج مغرب میں ہو رہا ہے تو پھر انسانی زندگی کا معیار (کوالٹی) گر جاتا ہے اور سماجی ادارے کمزور پڑ جاتے ہیں۔ تاریخ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب اور جس جگہ جنسیت اس قدر سستی اور عام ہوئی تو لازماً وہاں اس معاشرے اور قوم کو اس کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ یونان، روم، ہندوستان، قدیم مصری تہذیب کے ختم ہو جانے سے ہمیں اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ ان ملکوں میں جنسیت اس قدر عام ہوئی تھی کہ وہ بالآخر نیست و نابود ہو گئے اور ان کی عظیم الشان تہذیبیں ملیا میٹ ہو گئیں۔ ایک انسان اس امر کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا کہ ان قوموں سے قدرت نے کس قدر سخت انتقام لیا اور یہ سب سے بڑی سزا ہے جو کسی قوم کو ملتی ہے جب وہ جنسیت کے بارے میں مادر پدر آزاد رویہ اختیار کر لیتی ہے!

اسی قسم کے خیالات کا اظہار ایک دوسرے امریکی ماہر نے یوں کیا ”کہ مغرب میں بڑھتے ہوئے جنسی لذتیت کے طوفان نے شادی کے ادارے کو ختم کر دیا ہے جس سے بچوں کی پیدائش کا عمل بھی متاثر ہوا ہے۔ مردوں کی ہم جنس پرستی (Gayism)، عریانیت پر مبنی لڑچکر اور فلمیں اور ”ایک ایک رات کے مہمان“ (One night trysts) رکھنے کا رواج، یہ سب کچھ جنسی بے ہل

پن (Frustration) کا مظہر ہے اور اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ معاشرے میں جنسی ہے اور وی کی وجہ سے محبت، وفاداری پر مبنی میاں بیوی کے جنسی تعلقات کا فقدان ہے۔ جب کوئی معاشرہ جانے بوجھے اس طرح کے ناکام اقدامات کی تائید و توثیق کرتا ہے، ہم جنس پرستی کے لیے قانون سازی کرتا ہے، ایسی عورت کو عزت و احترام سے نوازتا ہے جو بچوں کی پیدائش یا خاندان کو اپنے لیے باعث تنگ سمجھتی ہے اور عریانییت کو جنسی صحت مندی اور ہلکی پھلکی تفریح کا نام دیتی ہے، تو پھر اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ معاشرہ شہوانی خودکشی (Erotic suicide) کی جانب تیزی سے پیش قدمی کر رہا ہے کیونکہ اس طرح تہذیبی اور اخلاقی اقدار کی تباہی کے ذریعے ایسا معاشرہ باہمی الفت و محبت کے جذبات کو ختم کر رہا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ایسے دیر پا اور مخلصانہ تعلقات جو دو مخالف صنفوں (بطور میاں بیوی) کے ملاپ سے پیدا ہوتے ہیں اور جو کہ اس معاشرے کے لیے ایک جذباتی لگاؤ (Emotional investment) پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں جس میں آئندہ نسلیں اعتماد اور حفاظت کے ساتھ جنم لیتی اور پھلتی پھولتی ہیں، ان کو تباہ و برباد کر رہی ہے“ (Gilder, G.F 1975)۔ اپنے ان خیالات کو بڑھاتے ہوئے وہ مزید رقمطراز ہیں کہ ”کسی عورت سے بطور بیوی کے مستقل اور دیر پا تعلق کے بغیر، ایک مرد کی جنسی زندگی ایک ایسے مختصر اور عارضی سلسلے کی مانند ہے جو وہ اپنی خواہش نفس یا جنسی خواہش اور مردانگی کا جو ہر دکھانے کے لیے کرتا ہے لیکن ایک شوہر کی حیثیت سے اپنی بیوی کے ساتھ اس کا جنسی تعلق ایک ایسی نفیس شکل اختیار کر لیتا ہے جس کے بطن سے انسان کے اندر موجود بہت سی دیگر اخلاقی صفات عالیہ پیدا ہوتی ہیں۔ ایسا مرد اپنی ذات میں بہت بہترین اور نفیس ہو جاتا ہے اور اس کی جنسی خواہش صرف ایک حیوانی جذبہ نہیں رہتی بلکہ معاشرے کے ساتھ اس کا تعلق (اولاد کی پیدائش اور پرورش کی وجہ سے) مضبوط بنیادوں پر استوار ہو جاتا ہے اور یوں اس کا حال اس کے مستقبل کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔ اس لحاظ سے شادی کی صورت میں میاں بیوی کے جنسی تعلق کو دراصل ایک ایسی منفعت بخش سرمایہ کاری (Investment) سے تشبیہ کی جاسکتی ہے جس کے ذریعے ایک انسان اپنی ذات، اپنے خاندان، سوسائٹی اور بالآخر انسانیت کے مستقبل کے بارے میں پر امید ہو جاتا ہے۔ اپنے بیوی اور بچوں کی محبت، اس

معاشرے سے محبت کا سبب بن جاتی ہے جو ان کو اپنے دامن میں جگہ دیئے ہوئے ہے اور یوں وہ اس مستقبل کا سہانا پینا دیکھتا ہے جس میں اس کی نسلیں پروان چڑھیں گی اور یہ ایک سلسلہ حقیقت ہے کہ اس قسم کی محبت اور اخلاص اسے ایک خاندان ہی کی شکل میں مل سکتا ہے!

اللہ تعالیٰ نے انسان کو غیر معمولی جنسی قوت اور صلاحیت سے نوازا ہے جس کا ہر دم یہ تقاضا ہے کہ اس کا کوئی جیون ساتھی ہو جو جسمانی قرب کے علاوہ اسے روحانی مسرت، مودت و رحمت سے بھی ہمکنار کر سکے۔ عورت اور مرد دونوں ایک ایسے ساتھی اور رفیق کے خواہش مند اور متلاشی ہوتے ہیں جس کے ساتھ وہ ایک طویل مدت (ساری عمر) تک ایک مخلص و غم خوار ساتھی کی صورت میں زندگی گزار سکیں۔ ایک مہذب معاشرے میں ہر دو اصناف کسی ایسے ہدم اور ساتھی کی تلاش میں ہوتی ہیں جو ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوں اور وہ دونوں مل کر ان بھلائیوں یا نیکیوں/خوبیوں کو اپنی اولاد میں پروان چڑھا سکیں جن پر وہ خود عمل پیرا ہیں۔ بچوں کی پیدائش کے لیے محبت کرنے والے عورت و مرد اپنے لیے اس قسم کے ساتھیوں کی تلاش کرتے ہیں جن کی ساتھ وہ دونوں خوشی اور اطمینان کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ بقول سید مودودی ”مرد اور عورت ایک دوسرے کے لیے یکساں طور پر انسیت کے جذبات رکھتے ہیں، جس میں ان کی جنسیت ایک دوسرے کو اپنی جانب محبت کے ساتھ جڑے رہنے کے لیے لازوال بنیاد فراہم کرتی ہے۔ فطرت نے اس جنسی جذبے کو ایسا پرکشش بنایا ہے کہ وہ دونوں معاشرے کو قائم کرنے میں ایک دوسرے کے مدد و معاون ہوں۔ جنسی خواہش دونوں اصناف کو ایک دورے کے ساتھ تعاون و اشتراک کے لیے باہم جوڑ کر رکھتی ہے تاکہ وہ دونوں بچوں کی پرورش و تربیت کا کٹھن کام انجام دے سکیں۔ ان کی زندگی میں جنسی لذت اور کشش اس لیے رکھی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے انسان ایک مہذب معاشرے کی تشکیل میں اپنا کردار مسلسل ادا کرنے پر تیار رہے۔“

”تاہم اگر یہ مقصد نظر انداز کر دیا جائے اور صرف جنسی لذت کا حصول ہی زندگی کا مقصد بنالیا جائے تو یہ انسان کی تباہی کو اسی طرح دعوت دے گا جس طرح ماضی میں مختلف اقوام اور تہذیبیں اپنی موت آپ مر گئیں۔“

جیسا کہ بتایا گیا کہ شادی سے باہر جنسی عمل میں غیر معمولی انہماک اور دلچسپی، شادی کے

اور رے کی تباہی کا سبب بنتی ہے جس سے تمام معاشرہ ابتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ کسی معاشرے میں طلاق کا بڑھتا ہوا رجحان اور شرح، عورتوں کا غیر شادی شدہ رہنا، زنا کا رواج اور امراض خبیثہ بالخصوص ایڈز کی وبا، ایک ایسا ماحول پیدا کر دیتے ہیں جس میں یاس و نومیدی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ تمام مسائل اپنی اصل کے لحاظ سے شہوانی اور حسی لذت یابی سے تعلق رکھتے ہیں۔ طبقہ امرا سے تعلق رکھنے والی نوجوان نسل کی ذہنی پراگندگی اور اس سے فرار کے لیے نشہ آور ادویات کا استعمال، غریب اور امیر ہر دو طبقوں میں خاندانی نظام کا خاتمہ، جرائم کا بڑھتا ہوا رجحان اور تشدد کا ارتکاب جو معاشرے کے لیے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں، بنیادی طور پر یہ سب کچھ جنسی جبلت کی مسخ شدہ شکل کا شاخسانہ ہیں۔“ (Gilder, G.F. ۱۹۷۵ء)۔

یہی ماہر مزید لکھتا ہے کہ جنسی جبلت کے بے محابا استعمال اور حرام کاری نے مختلف قوموں کو تباہ کر دیا۔ ”فرانس اور امریکہ فی زمانہ“ جنسی افراط اور بے قدر و قیمت رکھنے والی ”جنسی کرنسی“ کی واضح مثالیں ہیں۔ جہاں بہت کم لوگ ہر سال شادی کے بندھنوں کو قائم کر رہے ہیں جس کی وجہ سے آبادی کا بہت بڑا حصہ بغیر شادی کے زندگی بسر کر رہا ہے۔ ”بقول سید مودودی ”شادی شدہ لوگوں میں بہت کم تعداد ایسی ہے جو عفت و پاکیزگی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ شادی کا ادارہ اس قدر کمزور ہو گیا ہے کہ وہ کسی قسم کا مزید بوجھ برداشت نہیں کر سکتا اور بعض اوقات یہ چند گھنٹوں سے زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتا۔ قریباً ایک صدی کا زمانہ گزرا کہ مغربی مرد اور عورت اس قسم کے طریقوں پر عمل کر رہے ہیں جس کے ذریعے وہ جنسی اعمال سے زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کر سکیں لیکن اس کے منطقی اور فطری نتیجے یعنی بچوں کی پیدائش سے بچ سکیں۔ تاہم اگر کبھی کوئی عورت حاملہ بھی ہو جاتی ہے تو اسقاط کے ذریعے بچے سے چھٹکارا حاصل کرنا بہت آسان ہے۔ مائیں اولاد سے تنگ آ چکی ہیں اور قانون سے بالاتر انھیں ماردیتی ہیں۔ ایک ایسی قوم جو اپنے بچوں سے اس قدر نفرت کرتی ہے، اسے کوئی بھی معجزہ معدوم ہونے سے نہیں بچا سکتا۔“



یورپ اور امریکہ میں جنسی تعلیم

تعارف:

ایسی تعلیم جو بچوں اور نابالغ لڑکے/لڑکیوں (Adolescents) کو جنسی اعمال اور ان کے نتائج سے آگاہ کرنے کے لیے دی جاتی ہے، جنسی تعلیم (Sex education) کہلاتی ہے۔ آج کل یہ اصطلاح مغرب میں عام طور پر کلاس روم میں پڑھائے جانے والے اسباق کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو بچوں کو پرائمری اور سیکنڈری سکولوں میں دی جاتی ہے تاکہ انھیں جنس اور اس سے متعلقہ معاملات کا علم ہو جائے۔ اس تعلیم کا دائرہ انسان کی جنسی نشوونما، تولیدی صحت، دو افراد کے درمیان جنسی تعلقات، محبت، قرب، جسمانی نشوونما اور عورت و مرد کے کردار (Gender Roles) جیسے موضوعات تک پھیلا ہوا ہے۔ اس نقطہ نظر سے تعلیم جنسی، انسانی زندگی کے حیاتیاتی، سماجی و ثقافتی، نفسیاتی اور روحانی پہلوؤں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے!

تاریخی طور پر نابالغ بچوں کو جنسی تعلیم دینا والدین کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کیونکہ انھیں گھریلو ماحول میں جنسیات کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرنے کا موقع روزانہ ملتا رہتا ہے۔ بچوں کو پیدائش سے ہی محبت اور پیار سے چھونے اور تعلق کا پتہ چل جاتا ہے۔ گود میں پلنے والے بچے اور وہ جو ہتھ پاؤں کی مدد سے چلنے لگے ہوں (Toddlers)، کو جنسی امور سے غیر محسوس طور پر، آگاہی ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ جب ان کے والدین ان سے بات چیت کرتے ہیں، انھیں کپڑے پہناتے ہیں، ان سے پیار محبت کرتے ہیں، ان کے ساتھ کھیلتے ہیں اور انھیں جسم کے مختلف حصوں کے ناموں سے آگاہ کرتے ہیں۔ بچپن میں دو ایسے بچوں کے لیے جو ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہوں یا مختلف اصناف سے، ایک دوسرے کے جسمانی اعضاء کو دیکھنا اور چھونے کا معمول کی بات ہے۔ بچے عام طور پر ایک دوسرے کو کہتے سنائی دیتے ہیں کہ ”تم مجھے اپنا جسم

دماؤ، میں تمہیں اپنا جسم دکھاؤں گا/ دکھاؤں گی۔“ یا اکثر بچے جو دس سے ۱۰ سال کی عمر کے ہوں، وہ ”ڈاکٹر کا کھیل“ کھیلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جوں جوں بچے بلوغت کے قریب ہوتے چلے جاتے ہیں، انھیں جنسی رویوں، سلوک اور اقدار کے بارے میں معلومات اپنے والدین، اہل خانہ اور ان کے اپنے سوشل دائرے میں ملنا شروع ہو جاتی ہیں۔

اگرچہ بچوں کو جنسی تعلیم دینا والدین کی ذمہ داری ہے تاہم سب کل والدین اور بچوں کے درمیان جنسی امور کے بارے میں تبادلہ خیال بہت حد تک نہیں ہوتا کیونکہ اس بارے میں والدین کے ذہنی تحفظات ہوتے ہیں۔ بعض والدین اپنے بچوں سے ان موضوعات پر بات چیت کرنے میں کسی قسم کی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ بعض کو گفتگو کرنے میں دقت ہوتی ہے کیونکہ اکثر وہ بچوں کے سوالات کا جواب دینے کے لیے مطلوبہ معلومات نہیں رکھتے، اس لیے انھیں پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ تاہم یہ بہت ضروری ہے کہ ان موضوعات پر والدین اور بچوں کے درمیان ایماندارانہ اور صحیح معلومات پر تبادلہ خیال، بچپن، لڑپن، بلوغت اور عمر کے مختلف دوار میں ہوتا رہنا چاہیے۔ اس طرح بچوں کو ایک ایسی مضبوط بنیاد فراہم ہو جاتی ہے جس کے باعث انھیں جنسی طور پر صحت مند بالغ افراد بننے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ ریسرچ سے معلوم ہوا ہے کہ ایسے بچے جنھیں بچپن میں والدین سے اپنے سوالات کا مناسب جواب ملتا رہا تھا، ان میں نوعمری میں حاملہ ہونے یا کسی لڑکی کو حاملہ کرنے کے کم مواقع پائے گئے۔ (Anon, 1998)

نوجوان بچوں کے لیے جنسی تعلیم حاصل کرنے کے دوسرے بہت سے ذرائع بھی ہیں۔

ان میں ہم جولی دوست/ سہیلیاں (Peers)، کتابیں، اساتذہ، ہمسائے، ٹی وی، اشتہارات اور انٹرنیٹ شامل ہیں۔ ایک ماہر کی رائے کے مطابق ”موجودہ نسل کے بچے ٹی وی، فلموں، ویڈیو گیمز اور انٹرنیٹ کی وجہ سے جنسی معلومات سے بہت حد تک آگاہ (Saturated) ہوتے ہیں جس طرح کہ ایک سچ جس نے بہت سا پنی چوس رکھا ہو“ (Anon, 2000)۔ جنسی معلومات بچوں کو چرچ اور سکولوں سے بھی حاصل ہوتی ہیں۔ تاہم سکولوں کے بارے میں ایک امریکن ماہر تعلیم کی یہ رائے بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ”سکولوں میں بچے جنسی معلومات سے بہت حد تک آگاہ ہوتے ہیں اگرچہ سکولوں کی چار دیواری کے بارے میں سرکاری طور پر یہ باور کیا جاتا ہے کہ سکول،

جنسی موضوعات سے پاک (Desexualized) ہوتے ہیں تاہم جنسی تعلیم دینے والے اساتذہ کو اس حقیقت کا علم ہونا چاہیے کہ سکولوں میں طلباء کا ”جنسی کلچر“ اساتذہ کے رعب داب کے علی الرغم، سکول کی چار دیواری کے اندر ایک کھیل کے میدان کی شکل میں موجود ہوتا ہے۔“

(Richard Johnson 1996)

والدین کی ایک معتد بہ اکثریت یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان کے بچے میوزک، ویڈیو اور ٹی وی کے ذریعے جنسی امور سے آگہی حاصل نہیں کر رہے ہیں۔ اس لیے وہ اپنے بچوں سے اوائل عمر میں جنسی امور میں شرکت کے بارے میں کہ کیا مناسب ہے اور کیا غیر مناسب، بات چیت نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چونکہ بچوں کے سامنے کوئی رول ماڈل (عملی نمونہ) نہیں ہوتا جو انھیں جنسی امور میں راہ نمائی دے، ایسے میں بچے اپنے جسم بالخصوص جنسی اعضاء کے بارے میں لاپرواہ ہو جاتے ہیں اور جنسی افعال میں شرکت کر کے اپنی صحت اور اخلاق کو ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے ہیں۔

اکثر ماہرین کا یہ خیال ہے کہ ”بچوں کو جنسی تعلیم، ان کے اوائل عمر سے ہی دینی چاہیے بالخصوص موجودہ زمانے میں جبکہ وہ (متوازن خوراک اور بہتر ماحول کی وجہ سے) جلد بالغ ہو رہے ہیں بہ نسبت گزشتہ زمانے کے۔۔۔ اب وہ زمانہ بیت گیا جب والدین بچوں کو شادی سے ایک دن پہلے جنسی امور پر راہ نمائی/ ہدایات دیتے تھے۔ بچوں کو ان امور کے بارے میں معلومات لڑپن سے ہی دینے کی ضرورت ہے اور وہ ماں باپ جو اپنے بچوں کو یہ تعلیم دینے میں تامل کرتے ہیں، انھیں اپنی عمر میں بہت پہلے ہی دادا/ دادی/ نانا/ نانی بن جانے کے لیے تیار رہنا چاہیے!“

ان حقائق کے باوجود یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ بہت سے بچے والدین کے شاکہ ہوتے ہیں کہ وہ انھیں جنسی امور کے بارے میں آگاہ نہیں کرتے۔ ایک لڑکی جین پاولے (Jane Pauly 1995) کا یہ قول ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ ”میں ابھی ۲۰ سال کی عمر میں ہی تھی اور اغلباً کالج میں زیر تعلیم تھی کہ گھر پر میں اور میری بہن اپنی والدہ سے گفتگو کر رہی تھیں۔ میری والدہ اس پر مصر تھیں کہ جنسی تعلیم دینے کی اصل جگہ گھر ہوتے ہیں۔ تاہم میں اور میری بہن نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھتے ہوئے زبردست قہقہہ لگایا کیونکہ ایسی کوئی

تعلیم: میں گھر سے نہیں ملتی تھی!“

بیس سال سے کم عمر کے بچے، اپنے والدین کو ان بنیادی ذرائع میں ہی خیال کرتے ہیں جو جنسی تعلیم دینے کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور یہ امر بھی تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ والدین اور بچوں کے درمیان تبادلہ خیالات، جنسی مسائل (Risks) کو کم کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ Talking with Kids About Tough Issues نامی ایک تنظیم نے واضح کیا ہے کہ ”۵۰ فی صد بچوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ انہوں نے ”بہت کچھ“ (A Lot) معلومات ”جنسی“، ”غیر لوگوں سے عملی سلوک“، ”منشیات“، ”الکوحل“ اور ”تشدد“ کے بارے میں اپنی دوسرے جبکہ ۳۸ فی صد نے اپنے باپ سے اور ۳۲ فی صد نے اپنے خاندان کے دوسرے افراد سے سیکھا“ (Anon 2001 a)۔

کیسر فاؤنڈیشن (Kaiser Foundation) نامی ایک غیر سرکاری تنظیم کے مطابق ۱۹۹۵ء میں ایک تحقیقی مطالعے سے معلوم ہوا کہ ۵۹ فی صد نابالغ بچوں جن کی عمر ۱۰ سے ۱۲ سال تھی، ۲۵ فی صد ۱۳ سے ۱۵ سال کی عمر کے بچوں نے بتایا کہ انہیں ذاتی طور پر جنسی امور کے بارے میں ”بہت کچھ“ (”Most“) معلومات اپنے والدین سے حاصل ہوئیں۔

(Anon 1999 i)

اس امر کا جاننا بھی بہت اہم ہے کہ والدین اور بچے ہمیشہ اس امر پر متفق نہیں ہوتے کہ انہوں نے کن موضوعات پر گفتگو کی تھی اور یہ گفتگو کتنی مرتبہ ہوئی؟ درج بالا سطور میں ذکر کردہ حوالے سے (Anon 2001 a) سے پتہ چلا کہ ۵۹ فی صد بچے جن کی عمر ۸ سے ۱۱ سال تھی، جن کے والدین نے بتایا تھا کہ انہوں نے اپنے بچوں سے جنسی امراض اور ایڈز کے بارے میں بات کی تھی، ان بچوں نے بتایا کہ انہیں اپنے والدین کی وہ گفتگو یاد نہیں۔ اسی طرح ۳۹ فی صد گیارہ سال کی عمر کے بچوں کے والدین نے ان سے تولید و تناسل (Sexual Reproduction) کے بنیادی امور کے بارے میں گفتگو کی تھی اور ۳۶ فی صد بچوں (عمر ۱۱ تا ۱۲ سال) کے والدین نے بتایا کہ انہوں نے اپنے بچوں سے بلوغت کے بارے میں گفتگو کی تھی لیکن بچوں کو ایسی تمام گفتگوؤں کے بارے میں کچھ یاد نہیں تھا!

گوشوارہ نمبر ۲۱ میں ان جوابات کے نتائج مختصر طور پر درج کیے جا رہے ہیں جو سوالات امریکہ اور کوریا میں بچوں سے کیے گئے ہیں۔

گوشوارہ نمبر ۲۱: امریکہ اور کوریا میں بچوں کے سوالات/ جوابات کا تقابلی جائزہ

سوالات		والدین		سکول		دوست	
	امریکہ	کوریا	امریکہ	کوریا	امریکہ	کوریا	
۱: آپ نے جنسی معلومات کہاں سے حاصل کیں؟	۳۰	۲۴	۱۰	۲	۵۳	۸۱	
۲: زمانہ حال کے نوجوان کہاں سے جنسی معلومات حاصل کرتے ہیں؟	۳	۸	۹	۱	۸۳	۷۲	
۳: نوجوانوں کو کہاں سے جنسی معلومات حاصل کرنی چاہئیں؟	۸۰	۷۳	۱۱	۱۲	۷	۲	

اس گوشوارے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ:

- « نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد (۵۳ اور ۸۱ فی صد امریکہ اور کوریا میں بالترتیب) نے حالیہ زمانے میں یہ معلومات اپنے دوستوں سے حاصل کیں جبکہ
- « یہ امر باعث تعجب ہے کہ ایک بہت قلیل تعداد (۷ اور ۲ فی صد بالترتیب/ امریکہ/ کوریا) نے یہ کہا کہ وہ جنسی معلومات اپنے دوستوں سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔
- « ان اعداد و شمار کے برعکس، بچوں کی بہت بڑی تعداد (۸۰ اور ۷۳ فی صد بالترتیب امریکہ/ کوریا) نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنے والدین سے اس قسم کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

- « تاہم ۳۰ اور ۲۴ فی صد بچوں نے بالترتیب امریکہ/ کوریا یہ بتایا کہ ماضی میں انھیں یہ معلومات اپنے والدین سے حاصل ہوئی تھیں۔

- « ایسے بچوں کی شرح فی صد بہت کم تھی (۳ اور ۸ فی صد بالترتیب امریکہ/ کوریا) جنہوں

نے بتایا کہ حالیہ زمانے میں انھوں نے جنسی تعلیم اپنے والدین سے حاصل کی اور بچوں کو جنسی تعلیم دینے میں سکول (بطور ادارہ) سب سے کم اہمیت اور کارکردگی کا حامل تھا۔

درج بالا اعداد و شمار سے یہ نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں کہ:

امریکہ میں بچے سکولوں کو جنسی تعلیم دینے کے لیے مناسب خیال نہیں کرتے درآں حالے کہ امریکہ میں سالانہ کئی بلین ڈالر حکومت تمام سکولوں کو اس مقصد کے حصول کے لیے دے رہی ہے۔ قریباً یہی صورت حال کوریا کی بھی ہے جہاں بچوں کی ایک کثیر تعداد سکولوں میں دی جانے والی جنسی تعلیم سے مطمئن نہیں!

ماضی اور حال میں دوست (Peers) جنسی تعلیم دینے کے سلسلے میں بہت کم اہم کردار ادا کرتے رہے تاہم بچوں نے اس ذریعے کو بہت مستند ذریعہ قرار نہیں دیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اس لحاظ سے ایک کمزور ذریعہ ہے۔

جنسی تعلیم دینے کے لیے والدین کو اہم ترین ذریعہ کے طور پر ذمہ دار ٹھہرایا گیا اگرچہ وہ ماضی اور حال میں اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں بری طرح ناکام رہے۔

یورپ / امریکہ میں جنسی تعلیم کا تاریخی پس منظر:

جنسی تعلیم کا آغاز ۱۹۵۰ء میں سویڈن سے ہوا جو جلد ہی مغربی یورپ میں مقبول عام ہو گیا۔ ۱۹۷۰ء میں تمام سکولوں میں اس امر کی تعلیم دی جانے لگی کہ ”بچے کہاں سے آتے ہیں؟“ اور کسی شخص کو امراض خبیثہ (Venereal diseases) کیسے لاحق ہو جاتی ہیں؟“ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جنسی تعلیم کے موضوعات تبدیل ہوتے رہے اور بچوں کو تولید و تناسل سے متعلق معلومات دینے کی بجائے یہ بتایا جانے لگا کہ ”شادی سے باہر جنسی افعال (از قسم مباشرت وغیرہ) میں ملوث ہونا کوئی برائی نہیں۔“ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۷۰ء کے اواخر اور ۱۹۸۰ء کے اوائل میں ایک ایسی نسل معرض وجود میں آ گئی جو یہ کہنے لگی کہ ”وہ جب بھی چاہے، جس کسی کے ساتھ بھی چاہے اور جہاں بھی چاہے، جنسی افعال سرانجام دے سکتی ہے اور وہ اس کے نتائج کی بھی ذمہ دار نہیں“ (Dennis Tucker, 1998)

اس نسل کے بچے (لڑکے/لڑکیاں) اپنے ماں باپ کی نسبت بہت پہلے ہی جنسی انداز میں ملوث ہونے شروع ہو گئے اور صورت حال یہ تھی کہ ۱۹۷۰ء میں ۵ فی صد لڑکیوں نے (جن کی عمر ۱۵ سال تھی) اور ۳۲ فی صد لڑکیوں نے (جن کی عمر ۱۷ سال تھی) یہ انکشاف کیا کہ وہ جنسی عمل (مباشرت) سے دو چار ہو چکی ہیں تاہم ۱۹۸۸ء تک یہ تعداد ۲۶ فی صد (عمر ۱۵ سال) اور ۵۱ فی صد (عمر ۱۷ سال) کو پہنچ گئی اور ۱۹ سال کی عمر کو پہنچتے پہنچتے ۸۰ فی صد لڑکیوں نے جنسی مقاربت کرنے کا اقرار کیا!

لڑکیوں کے اوائل عمر میں جنسی تجربات کے آغاز کا نتیجہ یہ نکلا کہ تاریخی طور پر پہلی مرتبہ جنسی اعمال میں شرکت کرنے کے وقفے میں کمی واقع ہو گئی ہے اور آج کا نوجوان (Adolescent) لڑکا/لڑکی جنسی طور پر زیادہ متحرک (Active) ہیں، اس قسم کے نوجوان لڑکے/لڑکیوں کے آپس میں پیار کرنے والے افراد (Partners) کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے اور نتیجتاً جنسی عمل میں شرکت کی شرح (Frequency of sex) میں اضافہ ہو گیا ہے۔

(Barbara Defoe Whitehead 1994)

گذشتہ دو دہائیوں سے امریکہ اور دیگر یورپی ممالک میں سکولوں میں جنسی تعلیم دینے کے بارے میں ایک نزاعی بحث جاری ہے۔ والدین، اساتذہ، طلباء، سول سوسائٹی، قومی اور حکومتی تنظیمیں اس بحث میں حصہ لے رہی ہیں اور ہر شخص / ادارہ اپنے خیالات کا برملا اظہار کر رہا ہے۔ اب خاص طور پر اس بحث میں بہت حد تک شدت (تلخی) پیدا ہو گئی ہے جبکہ ۲۰ سال سے کم عمر کی لڑکیوں میں حمل ٹھہرنے کی شرح میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور نوجوانوں کی صحت پر جنسی امراض (HIV/Aids) کے بہت برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

جنسی تعلیم دینے کے معاملے پر اختلافات نے شدید صورت اختیار کر لی ہے جس کی وجہ سے معاشرہ مختلف طبقوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا ہے۔ مذہبی سیاسی تنظیموں کے زیر اثر سکول بورڈز کو مجبور کیا گیا ہے کہ وہ ان کی رائے کے مطابق سکولوں میں نصاب رائج کریں۔ کچھ علاقوں میں لوگ عدالتوں میں چلے گئے جبکہ چند جگہوں پر یہ بحث مہینوں بلکہ سالوں سے جاری ہے۔ لوگ اس موضوع پر دو : سے حصوں میں منقسم دکھائی دیتے ہیں۔ جنسی تعلیم کے حامیوں کی ایک بڑی تعداد ایک جامع جنسی تعلیمی

پروگرام (Comprehensive sexuality education Programme) کو فروغ دینا چاہتی ہے جبکہ مذہبی/سیاسی تنظیمیں، اخلاقی اقدار سے بے گانہ جنسی تعلیم (Value free science of sex) کی مخالفت میں سرگرم عمل ہیں۔ ان کے خیال میں تعلیم کا اصل الاصول یہ ہونا چاہیے کہ نوجوان طبقے کو شادی سے پہلے اپنے اوپر کنٹرول کرنا چاہیے جسے (Abstinence before marriage) کا نام دیا گیا ہے اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس کی حامی ہے۔ ذیل میں ہم ان دونوں طریقہ ہائے تعلیم اور ان کی موافقت اور مخالفت میں دیئے جانے والے دلائل کا جائزہ لیں گے۔

(۱) جنسی تعلیم کا جامع پروگرام:

(Comprehensive Sexuality Education Programme)

امریکہ میں نوجوان نسل میں جنسی مسائل کے روز افزوں اضافے کی وجہ سے، صحت اور تعلیم کے ماہرین اس تشویش میں مبتلا ہیں کہ سکولوں میں بچوں کو جنسی تعلیم دینے کے پروگراموں کو کس طرح وسعت اور ترقی دی جاسکتی ہے۔ فی زمانہ جنسی تعلیم کے جامع پروگرام پر ہی لوگوں کی نظریں مرکوز ہیں۔ اگرچہ سکولوں میں جنسی تعلیم کا اجراء کوئی نئی بات نہیں تاہم اس سے پہلے کبھی بھی بچوں کو اتنی جلدی، اس قدر زیادہ معلومات سے بہرہ مند کرنے کی کوششیں نہیں کی گئی تھیں!

جنسی تعلیم کے جامع پروگراموں میں اگرچہ نوجوان نسل کو شادی سے قبل جنسی افعال سے بچنے کے فوائد سے آگاہ کیا جاتا ہے اور مانع حمل اور جنسی امراض سے محفوظ رہنے کے مختلف طریقوں کے بارے میں بھی معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ عام حالات میں اس تعلیم کا آغاز کنڈرگارٹن سے کیا جاتا ہے اور اس کا سلسلہ گریڈ ۱۲ تک جاری رکھا جاتا ہے۔ اس دوران بچوں کی نر اور جسمانی نشوونما کا لحاظ کرتے ہوئے مختلف مدارج میں انھیں بہت متنوع موضوعات پر جنسیت کے متعلق تعلیم دی جاتی ہے۔ ان موضوعات میں جنسی نشوونما، تولیدی صحت، دو افراد (لڑکے/لڑکی) کے درمیان تعلقات (Interpersonal relationship)، انسیت اور محبت، جسمانی تشخص (Body images) یعنی مذکر اور مؤنث ہونے کا شعور، اور مرد و عورت کے

کردار جیسے اہم مضامین شامل ہیں۔ اس تعلیم کے نتیجے میں یہ توقع کی جاتی ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کے ساتھ ان موضوعات پر آزادانہ گفتگو/ بحث و مباحثہ کر سکیں، جنسی معاملات کے بارے میں کسی فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ سکیں اور انھیں وہ تمام جنسی معلومات حاصل ہو جائیں جو ایک فرد کو جنسی اعمال و افعال کے نتیجے میں حاصل ہونی ضروری ہیں۔

(Tamaran Kreinin & James Wagon 2001)

جامع جنسی تعلیم کے پروگرام کی مخالفت:

جنسی تعلیم کے جامع پروگرام کی مخالفت میں جو مذہبی تنظیمیں سرگرم عمل ہیں، ان میں قومی سطح کی چار بڑی تنظیمیں بہت اہم ہیں۔ یہ تنظیمیں بہت جارحانہ انداز میں اس امر کے لیے کوشاں ہیں کہ ان کے نقطہ نظر کے مطابق امریکہ میں جنسی تعلیم کا ایسا نظام رائج کیا جائے جس کی رو سے شادی سے پہلے نوجوان نسل باعفت اور باعصمت (Chastity) رہ سکے اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ لوگوں کو ہم نوا بنانے کے لیے تشہیر و اشاعت نیز دیگر جائز قانونی ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔

ان تنظیموں میں ایک کا نام ایگل فورم ہے جو کہ جنسی تعلیم کے جامع پروگرام کی سخت مخالف اور شادی سے پہلے جنس گریز پروگرام (Abstinence programme) کی زبردست حامی تنظیم ہے۔ اس تنظیم کے نزدیک ”اگرچہ Planned parent hood (جنسی تعلیم کے جامع پروگرام کی حامی تنظیم) کے لوگ اس بات کے دل سے قائل ہیں کہ جنس گریز پروگرام کا تصور بہت کامیاب ہے، تاہم وہ اسے نظر انداز کرتے ہیں کیونکہ ”یہ ان کے روزگار کا سوال ہے۔ اسی طرح کے الزامات دیگر تنظیموں نے بھی لگائے ہیں جن میں Focus on Family نامی تنظیم بہت اہم ہے اور اس تنظیم کے منتظمین کہتے ہیں کہ ”جامع جنسی تعلیم دینے والے ماہرین تعلیم مادر پدر آزاد جنس (Safe Sex) کے گرد ہیں جو کنڈوم کلچر کو فروغ دینا چاہتے ہیں“ تاہم ان کے خیالات ناکام ہو چکے ہیں۔

(Anon 1994)

ایک اور تنظیم (CWA) Concerned Women of America ہے جو ۱۹۷۹ء

میں قائم ہوئی اور یہ تنظیم، ہم جنس پرستی (Gayism) اور استقاطِ حمل کے حقوق کی مخالف ہے۔ یہ تنظیم، جنسی تعلیم کے جامع پروگرام کو بند کرانا چاہتی ہے جو امریکی سکولوں میں رائج ہے تاہم اسے والدین کی حمایت حاصل نہیں۔ اس گروپ کے ممبران تمام ایسے پروگراموں کے سخت مخالف ہیں ”جو یہودی/ عیسائی اخلاقی قوانین (Judeo-Christian Rules) کے برعکس تعلیم دیتے ہیں۔ اس تنظیم کی ایک سرگرم رکن کا خیال ہے کہ ”ہم ایسی اقدار کو رائج کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے جو ہمارے لاکھوں نوجوانوں کے اخلاق اور کردار کو خراب کرنے والی ہوں اور سکولوں میں آج کل جن کی ترویج و اشاعت کی کوشش کی جا رہی ہے“ (Anon, 1994) اس تنظیم کے ممبران سکولوں میں کنڈوم کی فراہمی (مفت یا کم قیمت پر) کے بھی سخت مخالف ہیں اور وہ سکول میں ہم جنس پرستی (Homo sexuality) کے موضوع پر جس کا مقصد اسے ایک جائز اور قابل قبول عمل ٹھہرانا ہے، کے بھی سخت مخالف ہیں۔ اس تنظیم نے جو نصابِ تعلیم تجویز کیا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ”مرد و عورت کے جنسی اعضاء فطرت نے اس موزوں طریق پر وضع کیے ہیں جو ایک دوسرے کو قبول کرتے ہیں پس مخالف جنس افراد (Heterosexual) کے تعلقات فطری ہیں جبکہ ہم جنس پرستی (Homo sexuality) غیر فطری عمل ہے۔“

۱۹۸۳ء میں ڈاکٹر رابرٹ سائمنڈ کے ذریعے کیلی فورنیا میں عمل میں آیا۔ اس تنظیم کا مقصد ”تعلیم کو کچھ عین عقائد کے مطابق ڈھالنا ہے۔“ ان کے مطابق اگر ہم نے سکولوں میں اصلاحات نہ کیں تو ”ہمارے بچوں کا خدا پر ایمان ختم ہو جائے گا۔“ اس تنظیم کا یہ موقف ہے کہ ”ہم جنس پرستی کے حقوق کی مہم ہمارے سکولوں میں بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ طلباء کو بتایا جاتا ہے کہ ہم جنس پرستی، انسانی زندگی میں ایک جنسی طرزِ عمل ہے اور یہ کہ وہ اس پر تنقید نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ اس کو آزما کر نہ دیکھ لیں۔“ کیونکہ انھیں اس کے بارے میں معلومات حاصل نہیں۔ عورتوں اور مردوں میں ہم جنس پرستی کے بہت سے پروگراموں کا ذکر کرتے ہوئے اس تنظیم کا موقف ہے کہ ”دراصل یہ سدوم اور گومرہ کا

احیاء ہے۔“ (Anon, 1994)

اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ۱۹۸۰ء تک اس قسم کے تمام گروپس کو سکولوں سے جنسی تعلیم کے جامع پروگرام کو ختم کرانے میں خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ سکولوں میں طلباء نے ان پروگراموں میں سے کسی ایک کے تحت تعلیم کا عمل نہ صرف جاری رکھا بلکہ ان کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ والدین کی ایک بہت بڑی تعداد اس قسم کے پروگراموں کی حمایت کرتی تھی۔ ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۵ء تک کے قومی سروے کے نتائج سے پتہ چلا کہ ۷۵ سے ۷۰ فی صد والدین نے سکولوں میں جنسی تعلیم کے جامع پروگرام کی حمایت کی۔ ۱۹۸۰ء میں بہت سے رائے دہندگان کا یہ خیال تھا کہ ان تعلیمی پروگراموں کو ایک متنوع اور وسیع البیاد موضوعات کا احاطہ کرنا چاہیے بہ نسبت ان موضوعات کے جو ۱۹۸۱ء میں شامل کیا گئے تھے۔

۱۹۸۳ء تک تعلیم جنسی میں ایک اہم تبدیلی رونما ہوئی جس میں نوجوان نسل کی روزمرہ کی بڑھتی ہوئی ضروریات کا خیال رکھا گیا۔ یہ نئے کورسز صرف معلومات کی فراہمی تک محدود نہ تھے بلکہ ان میں خاندانی زندگی اور انسانی نشوونما و ترقی کے پروگرام بھی شامل تھے۔ ان میں بنیادی حقوق سے متعلق فرد کا احترام (Self esteem)، فرد کی آگہی (Self awareness)، ہر دو اصناف کی ذمہ داریوں اور اعلیٰ مقاصد زندگی (Aspirations) جیسے موضوعات بھی شامل تھے۔ مزید برآں ان میں اصناف (مرد اور عورت) کے درمیان فرق اور ہر ایک صنف کا دائرہ کار، (Gender differences and Roles) محبت (Love)، اخلاقی حدود، ضبط و ولادت (Birth control)، ہم جنس پرستی، مشیت زنی اور بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی (Child abuse) جیسے موضوعات بھی شامل تھے۔

۱۹۸۰ء کے وسط میں ایک بہت اہم پیش رفت ایڈز (Aids) کی دریافت کی وجہ سے ہوئی جس نے جنسی تعلیم کے تمام منظر نامے کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اس بیماری کے نہایت شبیدہ ممکنہ خطرات اور HIV/Aids کی تشویش ناک حد تک موجودگی کا لوگوں کو علم آکٹوبر ۱۹۸۶ء میں امریکن سرجن جنرل (C. Evert Koops) کی رپورٹ سے ہوا (Anon 1994)

کوپس رپورٹ نے جنسی تعلیم پر بحث کو ایڈز کی روک تھام کے ساتھ نتھی کر دیا اور ایڈز کے بارے میں تعلیم دینے پر زور دیا گیا کہ اسے تھڑا گریڈ کے طلباء سے شروع کیا جائے۔ کوپس نے اپنی رپورٹ میں امریکن قوم کو متنبہ کیا کہ ”اس امر میں دورائے نہیں کہ ہمیں سکولوں میں جنسی تعلیم دینی چاہیے اور یہ کہ اس میں عورت و مرد کے باہمی جنسی اختلاط نیز جنسیت کے بارے میں بھی معلومات شامل کرنی چاہئیں۔ اس امر کی بہت اشد ضرورت ہے جب کہ اسے نظر انداز کرنے کی بہت بڑی قیمت دینی ہوگی۔“

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا کہ امریکن عوام جنسی تعلیم کے پروگراموں میں متنوع موضوعات پر معلومات شامل کرنے کے خواہاں تھے۔ گوشوارہ نمبر ۲۴ میں ایسے تمام موضوعات کی نشان دہی کی گئی ہے جن کی تعلیم بچوں کو مختلف تعلیمی مدارج میں دینی ضروری ہے:

گوشوارہ نمبر ۲۴: جنسی تعلیم میں شامل موضوعات (فی صد)

موضوعات	۷ سے ۸ گریڈ	۹ سے ۱۰ گریڈ	۱۱ سے ۱۲ گریڈ
بلوغت	۸۲	۹۴	۹۸
شادی سے پہلے باعفت رہنا	۷۹	۹۱	۹۵
دیگر جنسی امراض (STD's)	۷۴	۹۱	۹۶
محبت کرنا ڈیننگ (Dating)	۶۳	۸۶	۹۲
ضبط ولادت/ مانع حمل طریقے	۵۹	۸۴	۹۱
کنڈوم کا استعمال	۵۸	۸۲	۹۰
جنسی امور سے آگہی	۵۶	۷۶	۸۵
استقاط حمل	۴۰	۶۸	۷۹

جنسی تعلیم کے جامع/ مربوط پروگرام کے کامیاب اثرات کے بارے میں بہت سی تحقیقی آراء نے اس قسم کے مختلف پروگراموں کی تصدیق کی جس کی بنا پر اس سسٹم کو کامیابی حاصل ہوئی۔ ایک رپورٹ کے مطابق ”ایسی لڑکیاں جنہیں جنسی تعلیم کے مربوط پروگرام کے تحت تعلیم

دی گئی تھی، وہ بہت کم تعداد میں حاملہ ہوئیں یہ نسبت ان لڑکیوں کے جنہوں نے یہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔“ جان ہاپکنز یونیورسٹی (John Hopkins University) کے ماہرین نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ”جنسی تعلیم کی وجہ سے بیس سال سے کم عمر کی لڑکیوں میں جنسی عمل میں ملوث ہونے کی کم شرح کی وجہ سے ایسی لڑکیوں کے کم عمر میں حاملہ ہونے کی شرح میں بھی کمی ہوئی۔“

(Anon, 1996)

سرجن جنرل کوپس کی رپورٹ کی اشاعت کے بعد جنسی تعلیم کے مربوط پروگراموں کو ایک مضبوط سہارا مل گیا۔ ۱۹۸۶ء نومبر میں ٹائم میگزین میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ایک رائے شماری کے مطابق ۸۶ فی صد رائے دہندگان نے یہ رائے دی کہ سکولوں میں جنسی تعلیم ضرور دی جانی چاہیے۔ یہ تعداد اس وقت تک کی تمام آراء سے بہت زیادہ تھی۔ فیڈرل گورنمنٹ نے HIV/Aids کے بارے میں تعلیم دینے کے لیے سکولوں کو مالی امداد دینے کا پروگرام شروع کیا۔ سرجن جنرل نے اپنی رپورٹ میں اس امید کا اظہار کیا کہ ”مرض ایڈز کی وجہ سے جنسی تعلیم کے بارے میں مختلف آراء رکھنے والے والدین اور اساتذہ ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہوئے جنسی تعلیم کے کسی پروگرام پر متفق ہو جائیں گے۔“ تاہم یہ خیال نقش بر آب ثابت ہوا کیونکہ کسی مشترکہ اور قابل عمل نصاب پر کوئی اتفاق نہ ہو سکا۔ چونکہ سکول اور مختلف علاقوں کے لوگ خود اپنے طور پر سکولوں کا نصاب تعلیم وضع کرتے ہیں اس لیے ان میں بہت زیادہ اختلافات پائے جاتے ہیں۔

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ تعلیم جنس کے جامع پروگرام کی وجہ سے سوسائٹی کے مختلف طبقات میں رد عمل پیدا ہوا اور مذہبی تنظیموں نے بھی اس کی مخالفت شروع کر دی۔ مخالفین کی رائے میں یہ ضروری تھا کہ بچوں کو جنسی تعلیم میں جنسی اعمال میں شرکت کرنے سے گریز کی تعلیم دی جائے جبکہ ان کے مخالفین کا یہ استدلال ہے کہ اعداد و شمار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نوجوان لڑکے/لڑکیاں بہت بڑی تعداد میں جنسی افعال میں ملوث ہوتے ہیں اور وہ اس کے نتائج بد سے بھی دوچار ہوتے ہیں (مثلاً ناجائز حمل یا جنسی امراض میں مبتلا ہونا) اور یہ ایک احمقانہ طرز عمل ہے کہ اس حقیقت سے انکار کیا جائے۔ اگر بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جنسی افعال میں ملوث ہوتے ہیں تو پھر

کیوں انھیں اس تعلیم سے محروم رکھا جائے جس کی مدد سے وہ اوائل عمر میں حاملہ ہونے یا جنسی امراض میں مبتلا ہونے سے بچ سکیں؟ مزید برآں، ان کی یہ رائے ہے کہ ”بچوں سے کسی ایسے معیار کا مطالبہ کیوں کیا جائے جس پر بڑے خود عمل پیرا نہیں؟“ ایسے موقع پر سرجن جنرل نے اپنے تاریخی نوٹ میں کہا ”دنیا میں ہر شخص/ مرد، شادی سے پہلے جنسی بے اعتدالی/ بے راہ روی کی مخالفت کرتا ہے لیکن وہ خود بھی اس میں ملوث ہوتا ہے۔ میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ہمیں حقیقت پسند ہونا چاہیے۔“ (Barbara Dafoe Whitehead 1994)

درج بالا دعوے کے بارے میں یہ استدلال بھی کچھ کم وزنی نہیں کہ ”جنسی تعلیم کے جامع پروگرام پر عمل کرنے میں اس پروگرام کے دائی کس حد تک حقیقت پسند ہیں کہ یہ پروگرام کامیاب بھی ہوگا؟ اور زیادہ صحت کے ساتھ کہا جائے تو جنسی تعلیم کا جامع پروگرام کس حد تک اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا؟ اور کیا یہ پروگرام موجودہ نسل کی جنسی زندگی کے مسائل کا مداوا کر سکے گا؟

باربرا وائیٹ ہیڈ (۱۹۹۴) کی رائے کے مطابق ”متعدد وجوہات کی بنا پر یہ کہنا شاید غلط نہیں کہ جنسی تعلیم کے بارے میں جو خوش کن اعداد و شمار اور تحقیقی نتائج بتائے جاتے ہیں وہ اس قدر واضح اور زیادہ نہیں جتنے کہ ضروری ہیں کیونکہ موجودہ اعداد و شمار اس امر پر گواہ ہیں کہ ہمیں اس پر آنکھیں بند کر کے عمل نہیں کرنا چاہیے۔ جنسی تعلیم کے مربوط پروگرام میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ ”معلومات کی روشنی میں نوجوان نسل اپنے جنسی رویے تبدیل کر سکتی ہے لیکن عملی حقائق کی یہ شہادت ہے کہ جنسی معلومات کا نوجوان نسل کے جنسی رویوں/ اعمال کے ساتھ بہت کمزور تعلق پایا جاتا ہے۔“ اس کی تائید ڈاکٹر کربی ڈگلس (Kibry Douglas, ۱۹۹۴) کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ ”اگرچہ ایسے طلباء جو جنسی تعلیم کے جامع پروگراموں میں شرکت کی وجہ سے حیض (Menstruation)، مجامعت/ مباشرت (Sexual Inter Course)، مانع حمل طریقوں، اور جنسی امراض کے بارے میں زیادہ معلومات رکھتے ہیں بہ نسبت ان طلباء کے جنہوں نے یہ کورسز نہیں پڑھے ہوتے جب کہ صحیح معلومات کا، ان کے جنسی رویوں اور جنسی اعمال میں ملوث ہونے پر عملاً کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ تعلیم اور معلومات نوجوان لڑکے/ لڑکیوں کے جنسی اعمال

میں شرکت کرنے کے فیصلے پر نہ تو بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں اور نہ ہی جنسی موضوعات پر معلومات کم عمر لڑکیوں میں حمل کی شرح کو نمایاں طور پر کم کر سکی ہیں۔ مزید برآں اگرچہ نوجوان لڑکے/لڑکیوں میں جو مانع حمل طریقوں کو جانتے ہیں، اس امر کے زیادہ امکانات ہیں کہ وہ ان پر عمل پیرا ہوں تاہم مانع حمل طریقوں پر عمل کرنے کے بے قاعدہ طریقوں کی وجہ سے بالآخر یہ قابل اعتماد نہیں۔^{۱۱}

والدین کا اپنے بچوں کے ساتھ رابطہ اور بات چیت، ان کے جنسی رویوں کو بدلنے کے لیے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے بہ نسبت ان کے ڈسپلن اور نگرانی کے۔ ایک سٹڈی میں بچوں کے والدین کے کنٹرول کے مطالعے سے پتہ چلا کہ ایسے بچے جن کے والدین کسی حد تک انتہائی طبیعت کے تھے، ان کے بچوں میں جنسی افعال کا وقوع بہت کم تھا جبکہ سختی کرنے والے ماں باپ کے بچے زیادہ تر جنسی افعال میں ملوث پائے گئے تاہم بہت سخت گیر رویہ رکھنے والے والدین کے بچے، سب سے زیادہ جنسی افعال میں ملوث پائے گئے۔

(Barbara Dafoc Whitehead, 1994)

خاندانوں میں اعلیٰ روایات اور ہمدردانہ رویوں سے بچے بہت اچھا اثر قبول کرتے ہیں۔ ایسے خاندان جہاں ماں باپ میں بہت محبت اور پیار کے تعلقات پائے جاتے ہوں، ان کے بچے بھی بہت اطمینان اور خوشی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور ایسے خاندانوں کے بچے اپنی ذات کے بارے میں بھی پُر اعتماد ہوتے ہیں اس کے برعکس جن خاندانوں میں لڑائی جھگڑے روز کا معمول ہوں اور جہاں غصے اور تشدد پر عمل ہوتا ہو، ان کے بچے بھی مستقل طور پر زخم خوردہ رہتے ہیں۔

خاندانی ڈھانچہ بھی، بچوں کی جنسی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ سنگل پیرنٹ فیملی (Single parent family) کی بیٹیاں اپنی اوائل عمر سے ہی جنسی روابط رکھنے شروع کر دیتی ہیں بہ نسبت ایسی بیٹیوں کے جن کا خاندان ماں اور باپ دونوں پر مشتمل ہو۔ اس کی متعدد وجوہات ہیں جس میں اول الذکر صورت میں صرف ماں کی وجہ سے نگرانی میں کمی، اور باپ کی عدم موجودگی کی وجہ سے حفاظت و نگہداشت کی کمی۔ ایسی لڑکیاں جن کے تعلقات ماں کو طلاق ملنے کی وجہ سے اپنے باپ کے ساتھ کشیدہ ہوں، ان کے لیے اس امر کا بہت زیادہ امکان ہے کہ وہ بھی

کسی مرد کی طرف سے شدید جنسی اشتعال کی متلاشی ہوتی ہیں اور اہل عمر میں جنسی تسکین چاہتی ہیں یہ نسبت ان لڑکیوں کے جن کی پرورش ایسے ماں باپ کے ساتھ ہوئی ہو جو اکٹھے ایک خاندان (Intact family) کی شکل میں رہتے ہوں۔ طلاق یافتہ خاندانوں کے والدین (مورت اور مرد اپنی جگہ علیحدہ سے) اور ان کے نو عمر بچے شادی سے باہر جنسی ملاپ/مباشرت کے بارے میں بہت شدت سے خواہاں ہوتے ہیں۔ درحقیقت اس امر کے شواہد ملتے ہیں کہ خاندانوں میں جنسی جذبات و عادات اوپر سے نیچے کی طرف اثر انداز (Trickle down effect) ہوتے ہیں۔ نہ صرف والدین سے بچوں کی طرف بلکہ بڑے بچوں سے چھوٹے بھائی بہنوں کی طرف۔ ایسے نو عمر بچے جن کے بھائی یا بہن جنسی طور پر بہت زیادہ کوشاں (Active) رہتے ہوں، تو اس امر کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں کہ وہ بھی اپنی زندگی میں جلد ہی جنسی افعال میں ملوث ہو جائیں۔

(Barbara Dafoe Withead 1994)

اگرچہ جامع جنسی تعلیم کے ماہرین اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ بچوں کو جنسی امراض اور نوعمری میں حاملہ نہ ہونے سے بچانے کا بہترین طریقہ جنسی افعال سے پرہیز ہے تاہم وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جنس گریز پروگرام (Abstinence) کے مؤید ماہرین ان بچوں کو نظر انداز کر جاتے ہیں جو ۱۲-۱۳ سال کی عمر سے ہی جنسی افعال میں مشغول ہو گئے ہوں۔ اس لیے ان کے خیال میں یہ بہت ضروری ہے کہ مڈل سکول کے طلباء کو کنڈوم کا استعمال اور اسقاط کے طریقوں سے آگاہ کیا جائے نیز انھیں ”محفوظ جنسی تعلقات“ (Protected sex) اور ایسے طریقوں سے آگاہ کیا جائے جس میں جنسی مباشرت (Non-coital sex) نہ ہو لیکن ان کے جذبات کی کسی حد تک تسکین ہو جائے۔ یہاں اس امر کی وضاحت شاید ضروری ہو کہ جنسی مباشرت نہ ہونے کے طریقے میں بہت سے ایسے جنسی افعال/اعمال شامل ہیں جن میں طویل عرصہ باہمی (French kissing/deep kissing) سے لے کر مشتم زنی (تنبہ یا لڑکا لڑکی دونوں کر) یا تمام جسم کی مالش کرنا شامل ہے۔ چونکہ ان تمام طریقوں میں مباشرت (Inter course) نہیں ہوتی، اس لیے جنسی تعلیم کے جامع پروگرام کے حامی ماہرین کا یہ خیال ہے کہ یہ

تمام طریقے ایسے ہیں جن سے نوجوان لڑکے/ لڑکیاں ایک دوسرے کی جنسیت سے آگاہ ہو جاتے ہیں (اسے Sex exploring کا عمل کہتے ہیں) بغیر ایک دوسرے کو کسی قسم کا نقصان (قرار حمل وغیرہ) پہنچائے۔

جنسی تعلیم کے جامع پروگرام کی حمایت میں درج بالا استدلال کے بارے میں ایک سائنس دان یوں رقمطراز ہے کہ ”اس دعویٰ کی حمایت میں پیش کرنے کے لیے ذرہ برابر بھی کوئی شہادت موجود نہیں کہ نوجوانوں میں ایک مرتبہ No-coital sex میں ملوث ہونے کے بعد اس امر کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے آپ کو جنسی مباشرت سے بچا سکیں (William Firestone بحوالہ باربرا وائیٹ ہیڈ ۱۹۹۴) ان لوگوں کا یہ جذباتی استدلال اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ درحقیقت بہت سی تحقیقات سے اس کے برعکس شواہد ملے ہیں کہ لڑکے اور لڑکیوں کا ایک دوسرے کے جنسی اعضاء کا ہاتھ سے چھونا یا لمس ہونا (جسے بیرونی طور پر رگڑنا یا Outer course کہتے ہیں) اور جذبات کو اس حد تک بھڑکانا کہ وہ ایک دوسرے کی جنسیت سے آگاہ ہو سکیں، کے بعد یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ جماع/مباشرت سے بچ سکیں کیونکہ اس قسم کی تمام ”حرکتیں“ دراصل مباشرت کا پیش خیمہ ہوتی ہیں اور اس کے اپنے الفاظ میں ”Outer course is the precursor of intercourse“۔ اس بحث کو جاری رکھتے ہوئے وہ یہ سوال کرتی ہے کہ کیا ہمیں اس سادہ سی حقیقت کو سمجھنے کے لیے بھی کسی ”تحقیقی مطالعے“ (ریسرچ) کی ضرورت ہے؟ اور کیا اس حقیقت سے کوئی انسان آگاہ نہیں کہ وہ تہائی دوڑ (Runs) مکمل کرنے کے بعد، بقایا دوڑ کی تکمیل سے ایک رن کا سکور حاصل کرنے کے امکانات بہت روشن ہو جاتے ہیں؟ درحقیقت اس دلیل کا کوئی جواب ممکن نہیں کہ نوجوانوں کو مباشرت نہ کرنے کے مختلف طریقوں (Non-coital sex) سے بھرپور استفادہ کرنے کی اجازت دینے سے وہ اصل جماع/مباشرت سے بچ سکیں گے، یہ ہمارے تعلیمی نظام کی سب سے بڑی قباحت اور کمزوری (Mal practice) ہوگی!

(Barbara Dafoe White Head 1994)

فیملی ریسرچ کونسل کی رائے کے مطابق جنسی تعلیم کے مختلف پروگراموں میں یہ بات ایک

بیرونی - خروئے کے طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ نوجوان اپنے جنسی جذبے/ جبلت کو قابو میں نہیں رہ سکتے جس کے نتیجے میں جماع/ مباشرت کا فعل ان کے لیے ایک ناگزیر حیثیت (Inevitable) اختیار کر لیتا ہے۔ اس لیے جب ہم نوجوانوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ شراب/ الکحل/ نشے کی پیش کش کو ”ناں“ کہہ کر ٹھکرا دیں اور ساتھ ہی انھیں یہ بتاتے ہیں کہ جنسی عمل ایک ناگزیر فعل ہے جس سے بچنا ممکن نہیں، تو یہ ایک تضاد بیانی ہے۔ اور یہ ہمارے پہلے موقف کی نفی ہے، یہ ذہن کو پراگندہ کرنے اور انسانی طرز عمل کو غیر ذمہ دارانہ بنانے کے مترادف ہے۔ اس کی تائید ایک سروے کے اعداد و شمار سے ہوتی ہے جو ایک یونیورسٹی میں ۱۰۰۰ لڑکیوں پر کیا گیا جو جنسی اعمال میں ملوث (Active) تھیں۔ ان میں سے ۸۳ فی صد لڑکیوں نے بتایا کہ ”وہ اس بات کو پسند کریں گی کہ ہمیں یہ سکھایا جائے کہ ہم اپنے بوائے فرینڈ کو بغیر اس کے جذبات کو کہیں پہنچائیں، ”ناں“ کہہ سکیں۔ مزید برآں ۱۹۹۰ میں ایک مطالعاتی سروے سے بھی پتہ چلا کہ ۵۴ فی صد نو عمر (۲۰ سال سے کم یعنی Teenagers) نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ”کاش انہوں نے جنسی افعال میں شریک ہونے کے لیے اپنے بالغ ہونے تک انتظار کر لیا ہوتا“۔

(Richard Dinah, 1990)

جنسی تعلیم کے جامع پروگراموں پر تبصرہ کرتے ہوئے بار براؤن ایٹ ہیڈ کا یہ خیال ہے کہ اس کی عیاد عقلی استدلال پر استوار نہیں بلکہ یہ نظریاتی ہے۔ اس کا شن جنسی انقلاب کے تصور کا رد ہے۔ فاع ہے بلکہ اس تصور کو مزید وسعت دینا بھی ہے۔ اس کے معمار، جن کا تعلق مختلف شعبوں سے ہے، اسے بڑھانے کے لیے کوشاں ہیں۔ نیو جرسی سٹیٹ (جہاں ۱۹۸۰ء ہی سے ایسی تعلیم کے جامع پروگرام پر عمل ہو رہا ہے) کی حد تک تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس تصور اور پروگرام کے مؤیدین میں سے کوئی بھی محقق یا سائنس دان، پالیسی سازی کا ماہر یا بچوں کی ذہنی و جسمانی نشوونما کا ماہر نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق مختلف پرائیویٹ تجارتی اداروں، مشاورتی ماہرین (Consultant)، خاندانی منصوبہ بندی کے افراد، آزادانہ نصاب تعلیم وضع کرنے والے اساتذہ (Free lancer) اور بالخصوص اشاعتی اداروں سے ہے۔ یہ تمام اصحاب جس قدر بھی مختص، ماہر اور اپنے کام میں لگن (Dedicated) رکھنے والے ہوں، ان کا اولین مقصد عوام کی

خدمت نہیں ہے یا وہ سکولوں کی بھلائی نہیں چاہتے بلکہ ان کا اولین مقصد اپنے خیالات کی ترویج و اشاعت (Promotion) ہے۔ اسی لیے انھیں ”جنسی تعلیم کے گرو اور کنڈوم فروخت کرنے والوں“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے (Anon, 1994)

اس امر کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں کہ مذہبی تعلیمات اور ان پر عمل کرنے والے نوجوان بچے بے محابا جنسی افعال میں ملوث ہوں۔ ❶ شادی سے پہلے جنسی اختلاط (Pre-marital Intercourse)، ان نوعمر بچوں میں زیادہ ہوتا ہے جن کو مذہب یا اس کی تعلیمات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ تاہم مشی گن یونیورسٹی کے ایک ماہر عمرانیات (Sociologist) آرلینڈ تھارٹن کا خیال ہے کہ اس معاملے میں علت اور معلول (Cause and Effect Theory) کے اصول کے تحت اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ نوجوانوں میں اوائل عمر سے جنسی امور میں دلچسپی اور اس پر عمل سے مذہبی خیالات ماند بھی پڑ سکتے ہیں۔

مغرب میں اس جنسی تغیر اور الٹ پلٹ سے ایک رجحان بہت واضح طور پر سامنے آیا ہے کہ یہ جنسی انقلاب ۲۰ سال سے کم عمر کی لڑکیوں کے لیے ایک بہت بڑے طوفان (Disaster) کا سبب بنا ہے۔ ماضی کی نسبت آج لڑکیوں کو شادی کے بغیر جنسی تعلقات کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ اوائل عمر میں جنسی تجربات کی وجہ سے وہ بہت سے جنسی امراض میں مبتلا ہونے کے خطرے سے دو چار ہوتی ہیں۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ نہ صرف ایسی لڑکیوں کے جنسی تعلقات بہت سے لڑکوں/مردوں کے ساتھ استوار ہوتے ہیں بلکہ اس قسم کی لڑکیاں اپنی عمر سے بڑی عمر کے مردوں کی جنسی ہوس کا شکار بنتی ہیں جو اپنی زندگی میں ایسے بہت سے تجربات سے گزرنے کی بنا پر اکثر و بیشتر مختلف جنسی امراض پھیلانے کا سبب (Carrier) بھی ہوتے ہیں۔ چند ماہرین کا یہ خیال بھی قرین قیاس ہے کہ نوعمر لڑکیاں، بالغ عورتوں کی نسبت، جنسی امراض کا اس لیے بھی زیادہ شکار ہوتی ہیں کہ ان کے جنسی اعضاء کا اندرونی استر (Cervical mucus membrane) بہت نرم و نازک اور مکمل طور پر نشوونما پایا ہوا نہیں ہوتا

❶ کنزے کو اس امر ہ شکوہ ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ اس کے لیے اس ”دور ترقی“ میں اس قسم کے ”قیاسی خیالات“ ای جی ڈی اور دماغی امراض کی وجہ ہیں!

اس لیے اس قسم کی نو عمر لڑکیوں کا جنسی امراض میں مبتلا ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ تاہم اس کی وجوہات جو بھی ہوں، یہ بات واضح ہے کہ جنسی امراض کی وجہ سے نو عمر لڑکیاں بہت تنگین اور مستقل نوعیت کے ایسے نقصانات سے دو چار ہوتی ہیں جن کی وجہ سے ان کے جنسی و تولیدی اعضاء مستقل طور پر متاثر ہو جاتے ہیں جو بالآخر بانجھ پن، پیٹرو کے مرض، پرانے درد (Chronic pelvic pain)، رحم کے کسی بازو میں حمل کا قیام (Ectopic pregnancy) اور رحم (Cervix) کے کینسر پر منتج ہوتے ہیں۔ مختلف جنسی امراض میں مبتلا مریضوں میں سب سے بڑی تعداد بیس سال سے کم عمر نو جوانوں کی ہوتی ہے جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہر چار میں سے ایک نو جوان، ۲۱ سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے کسی نہ کسی جنسی مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔ (Anon, 1990)

آزاد جنسی نظریے کے عملی مضمرات کی شکل میں نو عمر لڑکیوں کا درج بالا مختلف جنسی عوارض میں مبتلا ہونا، انسانیت کے لیے ایک اتنا بڑا چیلنج ہے کہ اس بارے میں اپنے قارئین کو اس کی گہرائی و گیرائی سے آگاہ کرنے کے لیے ہم مزید معلومات درج کرنا چاہیں گے۔
نو عمر حاملہ لڑکیاں یا غیر شدہ مائیں:

(Teenage pregnancy or unwed mothers)

نو جوانوں میں مانع حمل ادویات/ طریقوں کے بہت زیادہ استعمال کے باوجود، نو عمر لڑکیوں میں حمل ٹھہر جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۰ لاکھ لڑکیاں ہر سال حاملہ ہوتی ہیں (Anon 1995)۔ تقریباً ۳۷ فی صد لڑکیوں میں اسقاط حمل (Abortion) اور ۱۴ فی صد میں حمل ضائع (Miscarriage) ہو جاتا ہے۔ اس تعداد میں سے تقریباً نصف کی تعداد میں بچے پیدا ہوتے ہیں اور ۱۰ فی صد بچوں کو مختلف لوگ گود (Adoption) میں لے لیتے ہیں۔ نو عمر لڑکیوں میں بچوں کی پیدائش پر یہ نو عمر ماؤں (Teenage motherhood) کا مصداق بن جاتی ہیں جو بالعموم شادی کے بندھنوں سے آزاد ہونے کی وجہ سے غیر شادی مائیں (Un-wed mothers) بھی کہلاتی ہیں۔ امریکہ میں اس قسم کی لڑکیوں میں بچوں کی پیدائش میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ اضافہ ۱۹۷۰ء میں ۳۰ فی صد تھا جبکہ ۱۹۹۰ء میں بڑھ کر ۷۰ فی صد ہو گیا۔

امریکہ کے کچھ شہروں میں یہ تعداد ۸۰۰ سے ۹۰۰ فی صد تک ہے۔ شاید اسی قسم کے حالات مغرب، مسلمان ممالک بالخصوص پاکستان میں بھی دیکھنا چاہتا ہے جہاں جنسی تعلیم کے مختلف مخرّب اخلاق پروگرام، این جی اوز (NGO's) کی وساطت سے رائج کرنے کی سر توڑ کوششیں ہو رہی ہیں!

اگرچہ نوعمر لڑکیوں میں بچوں کی پیدائش، مختلف خطرات کا باعث بن سکتی ہے تاہم نوعمر لڑکیاں، حاملہ ہونے کے مسائل سے نہ صرف آگاہ نہیں ہوتیں بلکہ وہ بچوں کی پرورش کے طریقوں سے بھی نا بلد ہوتی ہیں۔ غیر مطلوب حمل (Unwanted pregnancy) اور بچوں کی پرورش کے مسئلے سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ نوعمر لڑکیاں اس امر پر سنجیدگی سے غور کریں کہ جنسی اعمال میں ملوث ہونا، بہت ذمہ داری کا تقاضا کرتا ہے۔ درحقیقت بسا اوقات ایسی لڑکیوں کو ماں باپ کی جانب سے توجہ اور شفقت بھی نہیں ملتی کیونکہ وہ اپنے حمل کو ان سے چھپانے کی کوشش کرتی ہیں۔ لڑکیوں کو بعض اوقات یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ وہ حاملہ ہو گئی ہیں یا نہیں؟ انھیں اس امر کا بھی شعور نہیں ہوتا کہ اس دوران میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی لڑکیوں کو دوران حمل خوراک اور صحت کے دیگر امور کے بارے میں بھی معلومات نہیں ہوتیں اور انھیں اس بات کا علم بھی نہیں ہوتا کہ اس حالت میں نہ صرف ان کے اپنے جسم کی نذائی ضروریات بڑھ جاتی ہیں بلکہ رحم میں پلنے والے بچے کو بھی خوراک کی زائد ضرورت ہوتی ہے۔ اس قسم کی لڑکیاں بھی ہوتی ہیں جو اپنی اور اپنے بچے کی زندگی کو خطرے میں ڈال دیتی ہیں کیونکہ وہ سگریٹ نوشی، شراب نوشی یا دوسری قسم کی نشہ آور اشیاء استعمال کرتی رہتی ہیں۔ پیدائش سے پہلے بچے کی حفاظت نہ کرنے کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انھیں زہر باد/ ٹاکسمیا (Toxaemia) یا خون کی کمی (Anaemia) کی شکایت ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے مردہ بچے کی پیدائش یا حمل کے ضائع ہونے کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں۔ نوعمر لڑکیوں کو اس کا شعور بھی نہیں ہوتا کہ ان کے جسم و جان کو بہت سے خطرات درپیش ہیں کیونکہ ان کا جسم ابھی تک پوری طرح نشوونما پایا ہوا نہیں ہوتا لیکن حمل کی وجہ سے اس پر مزید بوجھ پڑ جاتا ہے۔ (Taku Ikemato, 1995)

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسی لڑکیوں کے ہاں جو بچے پیدا ہوتے ہیں، ان کا وزن کم ہوتا ہے یا وہ وقت سے پہلے ہی پیدا ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ دماغی کمزوری (Cerebral

(palsy)، سانس کی تکالیف اور ذہنی پسماندگی (Mental retardation) کے علاوہ متعدد دیگر امراض کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس طرح پیدا ہونے والے بچوں کو زندگی کی پہلی بہار (سال) دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوتا بہ نسبت ایسے بچوں کے جو شادی شدہ، بالغ عورتوں کے ہاں وقت مقررہ پر پیدا ہوتے ہیں۔

درج بالا مسائل کے علاوہ، بہت سی نوعمر لڑکیوں کو جو حاملہ ہو جاتی ہیں اپنی تعلیم کو بھی خیر باد کہنا پڑتا ہے اور یوں وہ اپنی تعلیم اور تربیت کے ان مراحل سے محروم ہو جاتی ہیں جس کی بنا پر وہ خود کو اور اپنے بچے کو پالنے پوسنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہیں۔ اگر اس قسم کے بچوں کا باپ، ان کی پرور اور تعلیم نیز بیوی کے اخراجات کی ذمہ داری بھی قبول کرنا چاہے (جو بہت ہی شاذ ہوتا ہے) تو ایسے لڑکوں کو بھی اپنی تعلیم کو خیر باد کہنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے انھیں کم آمدنی والی نوکریاں ملتی ہیں۔ اس وجہ سے اس قسم کے جوڑے ایک ناشاد اور ناخوشگوار بندھن میں بندھ جاتے ہیں یا ماں کو اپنے بچے کے ساتھ تنہا زندگی گزارنی پڑتی ہے بغیر باپ کی مدد اور تعاون کے! — بچوں کی جنسی ایذا رسانی (Child abuse) بھی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے جس سے اس قسم کے ماں باپ کو دو چار ہونا پڑتا ہے کیونکہ نہ صرف ایسے والدین بچے کی حفاظت اور دیکھ بھال کے مختلف طریقے نہیں جانتے اور غربت، نوکری نہ ملنے یا کم آمدنی کی وجہ سے وہ مسلسل ایک اضافی بوجھ کا شکار رہتے ہیں۔

مالی نقطہ نظر سے جنسی امراض کا علاج بالخصوص ایڈز اور غیر شادی شدہ حاملہ لڑکیوں کی وجہ سے امریکی خزانے پر ایک بہت بڑا بوجھ ہے۔ قومی سطح پر HIV کے علاج کے لیے ملک کو ۱۰.۳ ملین ڈالر سے زائد ۱۹۹۲ء میں خرچ کرنے پڑے۔ جس کا تخمینہ ۱۹۹۵ء میں ۱۵.۲ ملین ڈالر سے زائد تھا۔ (Fred Hellinger 1992)

اس کے علاوہ قریباً ۵۰ فی صد نوعمر مائیں، اپنے بچوں کی پیدائش کے ایک سال کے اندر اندر ویلفیئر فنڈ سے مالی امداد وصول کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ مزید برآں ۷۷ فی صد مائیں، آئندہ پانچ سالوں میں اس مد سے امداد لینا شروع کر دیتی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اعداد و شمار امریکی کانگریس کے بجٹ آفس کے فراہم کردہ ہیں۔ مزید برآں، ویلفیئر فنڈز سے طویل مدت کے لیے امداد وصول کرنے والی عورتوں میں ۴۳ فی صد ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو غیر شادی شدہ

خاندانوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ (Beshavar, D., and Gardiner, K 1993)

مختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ”باجود پر اعتماد دعوؤں کے، جنسی تعلیم کا مربوط پروگرام، اخلاقی نظام، ختم کرنے اور حیوانیت (Darwinism) کے شہوانی ماحول کی طرف رجوع کرنے کا نام ہے۔ جو کچھ اس نظام کے حامی لوگ کر رہے ہیں، اس کا لازمی نتیجہ ایک مادر پدر آزاد جنسیت کو فروغ دینا ہے۔ ان کے نزدیک جب بچوں کو جنسی اختلاط سے پرہیز کرنے کی معلومات دے دی جاتی ہیں اور اس کے ساتھ ان کے ہاتھ میں جسمانی مالش کے لیے لوشن کی بوتل تھمانے کے ساتھ چند کندوم بھی فراہم کر دیئے جاتے ہیں تو پھر ”حقیقت پر مبنی ہونے کے دعویدار“ (Reality based advocates) انھیں کارگاہ حیات میں کھلا چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ قسمت آزمائی کرتے پھریں۔ شاید یہی سب کچھ ہمارے سکول اور صحت کے ذمہ داران، ”ایک بہترین تحفے کے طور پر“ نوجوان نسل کو دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ مروجہ سخت (Harsh) اور حیوانی ماحول (Predacious environment) میں زندگی گزار سکیں۔ لیکن یہ مبنی بر حقیقت حل نہیں۔

یہ ایک واضح شکست اور ہار ہے!“ (Babara Dafoe Whitehead, 1994)

جنسی تعلیم کے جامع پروگرام کے بارے میں، اس کے دونوں پہلوؤں یعنی اس پروگرام کے حامی اور ناقدین دونوں کی آراء، کا ہم نے تفصیل سے جائزہ پیش کیا تاکہ ہمارے قارئین اس سسٹم کے تمام تر ”فوائد و نقصانات“ سے بخوبی آگاہ ہو سکیں۔ اب ہم اس کے مخالف سسٹم یعنی ”شادی سے پہلے جنس سے گریز“ کے بارے میں معروضات پیش کریں گے۔

(۲) شادی سے قبل جنس سے گریز کا نظام

(Abstinence Only Programme)

شادی سے قبل جنسی پرہیز کے اس پروگرام کے تحت بہت سے منصوبے وفاقی حکومت کی امداد سے چل رہے ہیں۔ جن کا مقصد نوجوانوں کے لیے (اخلاقی طور پر سب سے بہترین طریقہ) یہ ہے کہ وہ شادی سے قبل ہر قسم کے جنسی عمل سے پرہیز کریں۔ اس کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ ”شادی کے بعد باہمی وفاداری پر مبنی ایک زوجگی (Monogamous) تعلق ہی دراصل اخلاقی اقدار پر مبنی جنسی تعلقات کا صحیح ترین طریقہ ہے۔“ اور ”شادی سے باہر جنسی تعلقات بہت

سے مسخر نفسیاتی اور جسمانی عوارض کا باعث بنتے ہیں۔“ (Anon, 1994)

جنسی اعمال سے پرہیز کو اس قسم کے تمام پروگراموں میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس نظام کے تحت متعدد پروگرام از قسم جنس سے پرہیز پر مبنی پروگرام (Abstinence based)، پرہیز پلس (Abstinence plus) پروگرام وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تمام پروگرام شادی سے قبل جنسی تعلقات قائم نہ کرنے پر زور دیتے ہیں۔

شاید یہ امر باعث دلچسپی ہو کہ تمام امریکہ میں چرچ اور یہودی عبادت گاہیں اسی قسم کے مذہبی عقائد پر مبنی جنسی تعلیم اپنے پیروکاروں کو دیتے ہیں۔ اس طرز کے پروگراموں کو جو امریکہ میں پھیلتے جا رہے ہیں، ان کا اصل الاصول یہ ہے کہ ”جنس ایک عطیہ ربانی ہے جو انسان کی زندگی کا ایک لازمی حصہ ہے۔“ بجائے اس کے کہ نو جوان نسل کو یہ بتایا جائے کہ وہ ”کوئی کام کریں یا نہ کریں“ اس امر کی ضرورت ہے کہ انہیں بتایا جائے کہ وہ جنسی زندگی کو روحانی انداز میں دیکھیں (Louis Palmer, ۲۰۰۱)۔ جب نو جوان اپنی زندگی کو خدا کا انعام سمجھتے ہوئے اس حقیقت کا ادراک کریں گے کہ یہ ایک گناہ کا فعل ہے تو اس امر کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس قوت کا غلط استعمال نہیں کریں گے کیونکہ جنسیت کو روحانیت کے درجے میں لا کر اس امر کے قوی امکانات ہیں کہ نو جوان، ان دونوں کے بارے میں زیادہ محتاط رویہ اختیار کریں گے۔ (Carlton, W. Veazey 2000)

جنس گریز تعلیمی پروگرام کی مخالفت:

اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ جنس گریز تعلیمی پروگرام اور اس کا نصاب تعلیم بہت محدود ہے۔ ان پروگراموں کے تحت بحث کا دائرہ صرف جنسی امراض، غیر منضبط حمل کے قیام، اور مانع حمل ادویات / طریقوں کی ناکامیابی تک رہتا ہے۔ مزید یہ کہ شادی سے قبل جنسی اعمال سے گریز ضروری ہے۔ ان پروگراموں کے تحت بچوں اور نو جوانوں کو ان کی صحت سے متعلق بنیادی معلومات (مثلاً بلوغت اور تولید و تناسل وغیرہ) نہیں دی جاتیں۔ اسی طرح ان پروگراموں میں کسی قسم کی معلومات حمل اور جنسی امراض سے بچاؤ کے طریقوں کے بارے میں بھی نہیں دی جاتی۔ سوائے جنسی اعمال سے گریز کرنے کے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جوان لوگوں کو ایسی تمام

معلومات حاصل نہیں ہو پاتیں جنہیں جان کر وہ جنسی معاملات کے بارے میں سوچ سمجھ کر کوئی ذمہ دارانہ فیصلہ کر سکیں۔ ان پروگراموں کے تحت کچھ لوگ، معلومات کو روکنے سے ایک قدم آگے جاتے ہیں اور بچوں کو ڈر، خوف کے ذریعے تعلیم دینے کو مناسب خیال کرتے ہیں۔ اس طرح کے پروگراموں کو عام طور پر ڈر اور خوف پر مبنی پروگرام (Fear based Programme) بھی کہتے ہیں۔ اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچوں کو ڈرا دھمکا کر یا جرم کا احساس دلا کر شرم و حیا کے ذریعے جنسی افعال سے نفرت دلائی جائے۔ وہ سکولوں سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ بچوں کو جنسی تعلیم، موت کے خوف کے حوالے سے دیں۔ تاہم اس کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ بالغ ہونے پر بھی ان کی جنسی زندگی خوف اور ڈر کے خیالات سے مملو ہونے کے باعث مختلف پیچیدگیوں کا شکار ہو سکتی ہے۔ مثلاً وہ بچوں کو بتاتے ہیں کہ اگر انہوں نے جنسی اعمال میں شرکت کی تو وہ اندھے ہو جائیں گے، امراض خبیثہ میں مبتلا ہو جائیں گے یا ان کے کبھی بھی اولاد نہ ہوگی اور وہ یونہی مر جائیں گے۔

ان پروگراموں کی وجہ سے سکولوں کے لیے ایک قانونی اور دستوری پیچیدگی بھی پیدا ہوتی ہے۔ ان میں سے بہت سے سکول ایسے مذہبی اصولوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے جنس گریز تعلیمی پروگراموں کو تقویت دی جاسکے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس سے چرچ اور ریاست کی علیحدگی کے تصور کی نفی ہوتی ہے۔ تاہم اس خیال کے حامی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دستور میں موجود مذہب اور ریاست کی علیحدگی کے تصور کی یہ غلط توجیہ ہے۔ دستور کی سب سے پہلی ترمیم کی رو سے صرف یہ لازم آتا ہے کہ تمام سرکاری ادارے کوئی ایسا اقدام نہ کریں جس سے مذہبی اقدار کی مخالفت ہوتی ہو۔ تاہم اس دستوری دفعہ کے یہ معنی نہیں کہ مذہبی اثرات کو سیاست یا معاشرے کی اصلاح کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ دستور میں دیئے گئے حق کی رو سے مذہبی معاملات میں آزادی بے معنی ہو جاتی ہے، اگر روزمرہ کی زندگی کے معمولات کے مطابق کسی فرد کو اس کے مذہبی عقائد کے مطابق عمل نہ کرنے دیا جائے۔ پس ایسے تمام معاملات کے بارے میں کسی بھی ایسی کوشش کی سختی سے مخالفت کی جانی چاہیے جس میں حکومتی مداخلت کی بنا پر کسی مذہبی عقیدے یا عمل پر پابندی عائد کرنے کا عندیہ ملتا ہو اور اس کی مثال ہم جنس پرستی اور اسقاطِ حمل ہیں جو مذہبی اصول کی رو سے غلط ہیں! (Keyes Alan, 2000)

اس امر کی بھی کئی مثالیں موجود ہیں کہ کئی سکول بورڈز کو جس گریز تعلیمی نظام کے اپنانے پر بہت سی تنظیموں کی جانب سے عدالتوں میں جانا پڑا۔ مذہبی تنظیموں کے سیاسی شعبے اکثر سکولوں کی کتب اور تعلیمی مواد کی چھان بین کرتے رہتے ہیں تاکہ اس میں خلاف مذہب نظریات کا پتہ چلا سکیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسی تنظیمیں، ملک کے متعدد تعلیمی بورڈوں میں اکثریت حاصل کر چکی ہیں۔ ان گروپوں نے متعدد بہ رقم، وقت اور ذرائع کے ساتھ جنسی تعلیم کے جامع پروگراموں کو شکست سے بھی دو چار کیا ہے۔ مذہبی تنظیموں کی کوششوں سے جنس گریز پروگراموں کی توسیع و اشاعت کو گذشتہ ایک دہائی میں جس قدر مالی امداد حاصل ہوئی ہے، اس نے اس حقیقت کو اظہار من افسوس کر دیا ہے کہ مذہبی تنظیمیں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کس قدر تگ و دو کر سکتی ہیں اور عوامی رائے کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی کتنی صلاحیت اور اہلیت ان میں ہوتی ہے۔^①

اگرچہ جنسی تعلیم کے موضوع پر بحث و مباحثہ مختلف سطحوں پر جاری ہے تاہم جنس گریز نظام آہستہ آہستہ مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ یہ پروگرام امریکہ کے ۱۴۰۰ ڈسٹرکٹس سکول کے ۲۵ فی صد سکولوں میں رائج ہے۔ یہ نظام عیسائیت کے بنیادی عقائد پر مبنی تعلیمات دیتا ہے جس کے تحت حمل اور جنسی امراض کے وقوع کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ (Priscilla Pardini, 1998)

بہت سے بالغ لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ جوانوں کے لیے کیا چیز نقصان دہ ہے؟ اس طرح صحت، تعلیم، پالیسی ساز ادارے اور والدین بھی ناجائز عمل کے بڑھتے ہوئے رجحان، جنسی تشدد، زیادتی اور جنسی امراض جس میں HIV/Aids شامل ہیں، کے بارے میں بھی اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہیں، تاہم پالیسی ساز اداروں کے سامنے یہ سوال بہت اہم ہے کہ کس طریق پر لوگوں کی مدد کی جاسکتی ہے کہ وہ کامیابی کے ساتھ جنسیت کے ان منفی اور مضر اثرات سے چھٹکارا حاصل کر کے ایک صحت مند جنسی زندگی گزار سکیں؟

① شاید کچھ لوگوں کے لیے اس قسم کے مذہبی لوگوں کا وجود امریکہ جیسے روشن خیال جمہوری ملک میں باعث تعجب ہو لیکن ”مذہبی جنون“ کی اس طرح کی مثال کو مسلمان ممالک بالخصوص پاکستان میں ”دہشت گردی“ سے موسوم کر کے بدنام لیا جاتا ہے۔ مغرب/ امریکہ کے اس دہرے معیار اور نفلی چہرے کی ایک جھلک اس میں دیکھی جاسکتی ہے:

جو تیرے دوش پہ بچھی تو زلف کھلائی

وہ تیرگی جو میرے نامِ سیاہ میں ہے!

بچوں کو شادی سے پہلے جنس گریز تعلیم دینے کے لیے کئی بلین ڈالر مختص کیے گئے ہیں حکومت نے اس مد میں پہلی بار رقم مختص نہیں کی بلکہ وفاقی حکومت نے گذشتہ بیس سالوں کے دوران اس قسم کے امدادی پروگراموں میں ایک خطیر رقم دی ہے۔ اس قسم کے پروگراموں کے فنڈ کی مد میں ۱۹۹۶ء میں فیڈرل گورنمنٹ نے ۳۰۰۰ فی صد اضافہ کیا۔ (Dailard, 2000)

امریکہ کے آبادی کے مسائل کے محکمہ نے ۱۹۸۱ء میں ایک پروگرام Adolescent Family Life Act--AFLA کے نام سے شروع کیا۔ اسے عفت و عصمت کی بحالی (Chastity Act) کا قانون بھی کہتے ہیں جس کا مقصد انفرادی طور پر جنسی جذبات پر قابو پانا عصمت و عفت کے تحت ناجائز حمل کی روک تھام تھا (Saul, R, 1998)۔ اس قانون کے پس منظر میں یہ سوچ کارفرما تھی کہ شادی سے قبل جنسی افعال سے گریز ہی دراصل سکولوں میں زیر تعلیم نوجوان نسل کے لیے ایک مطلوبہ طرز عمل ہے! تاہم ماہرین نے اس امر کا بھی اظہار کیا کہ اگر بڑی عمر کے لوگ اپنے بچوں سے اس معیار پر پورا اترنے کے خواہش مند ہیں تو موجودہ نسل کے بچوں کی عملی زندگی میں اس خواہش کی تکمیل ایک خواب سے کم نہیں! امریکی نوجوانوں کی زندگی میں جنسی لذت کا حصول ایک بدیہی حقیقت ہے۔ ان کی بہت بڑی تعداد آپس میں ڈیٹنگ (Dating) کرتی ہے۔ ۸۵ فی صد سے زائد نوجوانوں کا ایک گرل فرینڈ یا بوائے فرینڈ کے ساتھ بہت گرم جوشی کے ساتھ بوسہ بازی کا عملی مظاہرہ ہو چکا ہے اور ۸۰ فی صد ایک دوسرے کے ساتھ منہ جوڑ کر طویل بوسہ بازی (Deep kissing) کر چکے ہیں۔ ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہے جو ان مراحل سے گزرنے کے بعد بہت قریبی جنسی تعلق (Intimate sexual behavior) کے مرحلے سے اپنی عمر کے پہلے ۲۰ سالوں میں گزر چکے ہیں۔ ۷۲ فی صد نوجوان لڑکے/لڑکیاں ناف کے اوپر کے اعضاء (پستان وغیرہ) کو چھو چکے ہیں جبکہ ۵۴ فی صد ناف کے نچلے اعضاء تک رسائی حاصل کر چکے ہیں۔ ۲۶ فی صد ایک دوسرے کے جنسی اعضاء کو چوس (Oral sex) چکے ہیں جبکہ ۴ فی صد نے ولی فی الدبر (Anal Sex) کے ذریعے جنسی عمل کا اعتراف کیا ہے۔ (Coles, R. and F. Strokes 1985)

امریکہ کے ایک سرکاری ادارے (Centre for Disease Control and

(Prevention-CIDC) کے تازہ ترین اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ”ہائی سکول کے ۵۰ فی صد طلباء/ طالبات جنسی مباشرت/ جماع سے لذت اندوز ہو چکے ہیں۔ اور یہ وہ اعداد و شمار ہیں جو گذشتہ ۹ سالوں میں تبدیل نہیں ہوئے جبکہ یہ اعداد و شمار اکٹھے کرنے کا کام ۱۹۹۰ میں شروع کیا گیا تھا۔ (Anon, 1990)۔ اسی طرح کے ایک اور سروے میں کالج کے طلباء کی ۸۰ فی صد تعداد، جن کی عمر ۱۸ سے ۲۴ سال تھی، نے لڑکیوں کے ساتھ مباشرت کرنے کا اعتراف کیا۔

(Anon, 1997)

سوشل سیکورٹی کے محولہ بالا ایکٹ کی ایک دفعہ یہ کہتی ہے کہ ”شادی کے بعد بطور میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری نبھاتے ہوئے، جنسی تعلقات ہی دراصل انسانی جنسی اعمال کی وہ شکل ہے جس کی توقع کی جاسکتی ہے۔“ تاہم اس توقع کے بارے میں بھی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بے شک ممبرانِ کانگریس اور سوسائٹی کے افراد کو اپنے طور پر اس جنسی رویے کے مطابق عمل کرنے کی خواہش رکھنے کا حق ہے تاہم یہ خواہش حقیقی امر کی معاشرے کی عکاسی نہیں کرتی۔ اس معاشرے میں عصمت و عفت کے مطابق شادی سے قبل زندگی گزارنا ایک ایسی غیر حقیقی قدر ہے جس کی نوجوان نسل سے توقع کی جا رہی ہے جبکہ نوجوان اس دور میں پہلے کی نسبت جلد بلوغت کی عمر کو پہنچ رہے ہیں، جبکہ ہائی سکول کے ۵۰ فی صد طلباء فریقِ مخالف کے ساتھ جنسی مباشرت سے بہرہ مند ہو چکے ہیں۔ (Anon, 1996) کالج کے ۸۰ فی صد طلباء جن کی عمر ۱۸ سے ۲۴ سال تھی، نے بھی جنسی مباشرت کر لی تھی درآں حالے کہ لڑکوں اور لڑکیوں میں شادی کی اوسط عمر ۲۶ اور ۲۴ سال بالترتیب ہو (Anon, 1998)

اس قانونِ عفت کی ایک اور دفعہ یہ بھی کہتی ہے کہ ”شادی سے باہر جنسی اختلاط کے بہت ضرر رساں جسمانی اور نفسیاتی اثرات ہو سکتے ہیں۔“ اس کے بارے میں مخالفین کا یہ استدلال ہے کہ صحت و تندرستی کے بارے میں اس بیان کی تائید میں کوئی شائع شدہ اعداد و شمار موجود نہیں۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ غیر محفوظ طریق پر جنسی عمل میں شمولیت (بغیر کنڈوم) سے حمل قرار پاسکتا ہے نیز جنسی امراض HIV/Aids میں بھی مبتلا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے لیکن اس امر میں بھی صداقت ہے کہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد شادی سے پہلے جنسی عمل کے تجربے سے گزر چکی ہوتی ہے لیکن کسی

کو بھی اس قسم کے منفی اثرات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس موقع پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ نیا قرارِ حمل اور جنسی امراض بشمول HIV جس کے امکان کو تسلیم کیا گیا ہے، ضرر رساں اثرات نہیں رکھتے؟ — نوجوانوں میں HIV بہت تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ امریکہ میں ہر چار میں سے ایک نیا مریض ۲۲ سال سے کم عمر کا اس مرض میں مبتلا ہو رہا ہے۔

(Rosenberg and Goedert, 1994)

۱۹۹۴ میں ۱۳ سے ۱۹ سال کی عمر کے نوجوان لوگوں میں سے ۴۱۷ ایڈز کے نئے مریض تشخیص ہوئے تھے اور اسی دور میں ۲۰ سے ۲۳ سال کی عمر کے ۲۶۸۴ نئے مریض دریافت ہوئے (Anon, ۱۹۹۵)۔ چونکہ ایڈز کی چھوت کی تشخیص ۱۰ سال بعد بھی ہو سکتی ہے اس لیے ان لوگوں میں سے ایک بڑی تعداد ایسے جوان لوگوں کی ہو سکتی ہے جنہیں یہ چھوت اس وقت لگی تھی جب وہ بلوغت کے دور میں تھے یا بلوغت سے پہلے کے دور (Pre- adolescence) میں۔ ایک محقق (Helen Thomas ۲۰۰۱) کے مطابق امریکی قوم کو گزشتہ دو دہائیوں میں جنسی اختلاط کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ اس میں ۴۰ ہزار HIV کے نئے مریض سالانہ بھی شامل ہیں۔ ۴۵ ملین مریض ایک بیماری (Genital Herpes) سے متاثر ہوئے جس میں ۱۰ لاکھ مریضوں کا سالانہ اضافہ ہو رہا ہے، ۱۹۹۶ء میں ۱۴ لاکھ اسقاطِ حمل، اور ایک لاکھ بچے ہر سال تشدد کا شکار ہوتے ہیں، اب اگر یہ تمام نقصانات جسانی اور نفسیاتی مضر اثرات نہیں ہیں تو پھر اسے کس نام سے یاد کرنا چاہیے!

ط ناطقہ سرگرمیاں ہے اسے کیا کہیے؟

درج بالا اعداد و شمار اور اس قسم کے لاتعداد شواہد کے باوجود ان لوگوں کا یہ استدلال کہ قانونِ عفت کا آٹھ نکاتی پروگرام جو کانگریس کے عملے نے لکھا، وہ چند خاص لوگوں کو نوازنے کے لیے لکھا گیا ہے اور اس کا کوئی ٹھوس ثبوت صحت عامہ کی ریسرچ میں کہیں نہیں ملتا۔ صحت کے پیشے کے رسائل و جرائد میں ایسے کوئی اعداد و شمار نہیں ملتے جو یہ ثابت کرتے ہوں کہ جنس سریز پروگرام کی وجہ سے نوجوانوں نے پہلی مرتبہ جنسی اختلاط کرنے سے پرہیز کیا یا اس میں کوئی تاخیر ہوئی ایک ایسا استدلال ہے جس کی لغویت ظاہر ہے!

(Tamara Kreinin and J. Wagnor, 2001)

اس پروگرام کے ناقدین کے نزدیک اس وقت تک ایسی شائع شدہ صرف چھ رپورٹیں جنس گریز اثرات کے بارے میں پائی جاتی ہیں جن میں سے کسی میں متواتر اور نمایاں (Significant) اثرات کا ذکر، جنسی اختلاط کے آغاز کو مؤخر کرنے کے بارے میں پایا جاتا ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ایک میں اس امر کا اعتراف بھی کیا گیا ہے کہ اس پروگرام کی وجہ سے جنسی اختلاط کے آغاز میں کوئی تاخیر واقع نہیں ہوئی (Kirby, 1997)

معارضین کے نزدیک جنسی عمل سے گریز کا سبق دینے والے ماہرین اکثر کسی ایسے بااعتماد ادارے کے ذریعے ان پروگراموں کے اثرات کا جائزہ لینے کی بجائے اندرونی جائزہ (Inhouse Evaluation) کے ذریعے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ پروگرام بہت مؤثر اور کارآمد ہیں، تاہم غیر جانبدار ماہرین نے انہیں نامکمل اور طریق کار کے لحاظ سے غیر تسلی بخش (Unsound) قرار دیا ہے۔ یہ اعداد و شمار ایسے محدود طریق کار کے لحاظ سے کسی صورت بھی قابل اعتماد قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ (Bartels et.al 1994)

درج بالا تنقیدی اعتراضات کے برعکس، پیشہ ورانہ لٹریچر میں جنسی تعلیم کے جامع پروگرام کے بارے میں جو کچھ شائع ہوا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پروگرام نوجوانوں کے لیے ایک ایسی مؤثر تدبیر کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی وجہ سے انہوں نے جنسی عمل کے آغاز کو مؤخر کیا، جنسی اختلاط کے لیے پارٹنرز کی تعداد میں کمی ہوئی اور غیر مطلوب حمل (Unintended pregnancy) نیز جنسی امراض کے وقوع میں بھی کمی ہوئی۔ (Anon, 1997)

اس قسم کے تحقیقی کاموں کی بازگشت ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (W.H.O) کی اس جائزہ رپورٹ (Evaluation Report) میں بھی پائی جاتی ہے جو اس تنظیم نے دنیا کے ۳۵ جنسی تعلیم کے پروگراموں کا جائزہ لینے کے لیے کی تھی۔ وہ اسی نتیجے پر پہنچے کہ ایسے پروگرام جو نوجوانوں میں جنسی خطرات کے امکانات کو کم کرتے ہیں، وہ تمام ایسی معلومات پر مشتمل ہوتے ہیں جس میں جنس گریز معلومات، مانع حمل تدابیر اور جنسی امراض سے بچنے کے بارے میں معلومات موجود ہوں۔ (Gruseit and Kippax, 1993)

جنسی تعلیم کے بارے میں چند عمومی حقائق:

جنسی تعلیم کے درج بالا دونوں طریقوں کے بارے میں مطالعے کے بعد، یہ واضح ہے کہ ان دونوں طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ بھی ایسا نہیں جسے مکمل طور پر صحیح یا مکمل طور پر غلط قرار دیا جاسکے۔ تحقیق سے ان دونوں طریقوں کے منفی اور مثبت امور کی وضاحت ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اس بارے میں دو کمپس واضح طور پر موجود ہیں — ایک وہ جو یہ مانتے ہیں کہ جنسی تعلیم کا نظام اس طرح وضع کیا گیا ہے کہ جو بچوں میں فطری شرم و حیا کے جذبات کو ختم کرنے والا ہے، اس نوع کے پروگرام بچوں کے جنسی جذبات کو بھڑکانے والے اور انھیں اس امر پر مجبور کرنے والے ہیں کہ وہ تمام جنسی انحرافات اور گناہوں مثلاً ہم جنس پرستی وغیرہ کو صحیح سمجھتے ہوئے انھیں قبول کریں۔ سکولوں میں دی جانے والی جنسی تعلیم کی حیثیت ایک بہت بڑی اخلاقی برائی اور گناہوں کا موقع فراہم کرنے والے ذریعے کی ہے۔ (Randy Engel, 1998)۔ اسی طرح بہت سے پروگرام جو غیر شادی شدہ نوجوان لڑکیوں میں حمل روکنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں، وہ بچوں کو ملے جلے پیغام دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ”جنسی اختلاط میں ملوث نہ ہوں لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے اور حمل ٹھہر جائے تو پھر ہمارے ہاں ایسے انتظامات ہیں کہ وہ اس کا بندوبست کر سکیں“ (یعنی اسقاط حمل ہو سکتا ہے)۔ یا ”جنسی اختلاط سے پرہیز کریں لیکن ایسا نہ ہونے کی

صورت میں کنڈوم کا استعمال ضرور کریں۔“ (Monroe County, 2001)

بچوں کو یہ تعلیم دینا کہ ”مائع حمل طریقوں پر عمل کرنے سے جنسی مباشرت کرنے میں وہی حرج نہیں“ ایک ایسا پیغام ہے جو نامکمل اور غیر متوازن (Inconsistent) ہے کیونکہ صحت و اخلاق کے دوسرے امور جیسا کہ سگریٹ نوشی اور منشیات کے استعمال سے پرہیز کرنے کے بارے میں ہم بڑے واضح الفاظ میں اس کی ممانعت کرتے ہیں تاکہ بچے اس سے پرہیز کر سکیں۔ ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ بچے ان امور کے بارے میں ہماری نصیحت مان لیتے ہیں لیکن جنسی معاملات میں نہیں؟ دوسرے الفاظ میں بچوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ اپنے اوپر کسی قسم کا کوئی کنٹرول نہ کریں — اور یہ ایک سوسائٹی کے اخلاق باختہ نظام کو سند جواز دینے کے مترادف ہے! (Tom Coburn, 2000)۔ اس قسم کی تعلیم ایسے طلباء کی حوصلہ افزائی کرتی

ہے جو پہلے سے جنسی افعال میں ملوث ہوتے ہیں تاکہ وہ اس قسم کے افعال بلا جھجک کرتے رہیں اور اس کے لیے زیادہ شکار (پارٹنر) تلاش کریں! — منافقت کی اس پالیسی نے امریکہ میں جنسی انار کی کو فروغ دیا ہے۔ یہ ہمارے طلباء کی بد قسمتی ہے کہ اُن کی جنسی اہلیت و صلاحیت، ان کی معصومیت اور اخلاقی اقدار کو جنسیت کی تعلیم کے ناقص نظام کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ عفت و پاکیزگی کے لیے تعلیم کو یا تو نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا اس سے بھی بدتر رویہ یہ ہے کہ اس کا تمسخر اڑایا جاتا ہے اور باتوں میں اڑا دیا جاتا ہے کہ یہ زمانے کے جدید رجحانات سے لگا نہیں کھاتے۔ (William A. Marra, 1998)

بار براؤائیٹ ہیڈ (۱۹۹۴) کے بقول ”جاپان میں نو عمر لڑکیوں میں حمل کی شرح بہت کم ہے کیونکہ وہاں نو عمر لڑکے اور لڑکیاں جنسی اختلاط کو شرمناک سمجھتے ہیں اور پہلے قدم پر ہی اس سے اجتناب کرتے ہیں۔ مغربی یورپ کے ممالک میں نو عمر لڑکیوں میں حمل کے قیام کو برا نہیں سمجھا جاتا، تاہم وہ اس پر زور دیتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکیاں (شادی سے قبل مباشرت کے وقت) کنڈوم استعمال کریں تاکہ قیام حمل کو روکا جاسکے لیکن امریکی قوم، اخلاقی پابندیوں اور جنسی اختلاط سے پرہیز کرنے کے درمیانی مرحلے/سٹیج پر بیک وقت عمل پیرا ہے۔ وہ کسی ایک طریقے پر عمل پیرا نہیں جس کی وجہ سے اس قوم کو بہت زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یورپین ممالک کے برعکس جہاں جنس کے بارے میں معلومات کو ایک روزمرہ کے عام معاملے کی طرح لیا جاتا ہے (جس طرح بچوں کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ اپنے دانتوں کی صفائی کیسے کریں؟) جب کہ ایک امریکی بچہ اور نو جوان جنس کے بارے میں دو ایسے متضاد خیالات اور رویوں کے درمیان لٹکا ہوتا ہے جو یکساں طور پر غلط تصورات پر مبنی ہیں۔ ایک غلط بات والدین کی طرف سے بتائی جاتی ہے جو بچے کو صحیح جنسی معلومات (اپنے مزعومہ اخلاقی / مذہبی خیالات کے تحت) فراہم کرنے کی بجائے یہ سمجھاتے ہیں کہ جنس ایک شرمناک، نقصان دہ اور گناہ کا فعل ہے یا نادانی میں بچوں کو جنسی اعمال سے بچانے کے تحت اور انھیں معصوم جانتے ہوئے کسی قسم کی جنسی معاملات سے بروقت آگاہ کرنے سے گریز کرتے ہیں جبکہ دوسری قسم کی تضاد بیانی ان لوگوں کی جانب سے کی جاتی ہے جنہوں نے جنس کو ایک تجارتی شے (Commodity) بنا رکھا ہے۔

والدین اگر معلومات کا اخفا کرتے ہیں تو میڈیا اور مارکیٹ کے سوداگر جنسی بے راہ روی کو فروغ دیتے ہیں۔ جائز و ناجائز، طے جلتے خیالات کے یہ وہ مخصوص حالات ہیں جس نے امریکی قوم کو ایک ایسی صورتحال سے دوچار کر دیا ہے کہ وہ جنس کے غلط تصورات میں پھنس کر راست فکری پر مبنی اقدامات نہیں اٹھا سکتے جس کے نتیجے میں وہاں ناجائز حمل اور جنسی امراض کی شرح میں روز افزاں

اضافہ ہو رہا ہے۔“ (Barbara Dafoe Whitehead 1994)

امریکہ کے برعکس دیگر ممالک نے ناجائز حمل کے مسئلے کو کامیابی کے ساتھ حل کر لیا ہے۔ اگرچہ زندگی میں پہلی بار مباشرت کی عمر امریکہ اور دیگر ممالک (کینیڈا، انگلستان، فرانس، نیدرلینڈ اور سویڈن) میں ایک جیسی ہی ہے لیکن ان تمام ممالک میں ناجائز حمل کی شرح، امریکہ کے مقابلے میں کم از کم نصف ہے۔ (Dryfoos, 1985)

یورپ کے دیگر ممالک میں جنسی تعلیم درج ذیل امور پر مشتمل ہے:

« ایک ایسی پالیسی جس میں کھل کر جنسی تعلیم کی حمایت کی جاتی ہے۔

« جنسی امور کا واضح تعارف۔

« تمام معاشرے کے لیے جنسی امور کے بارے میں یکساں اور متوازن طرز عمل جس میں واضح راہ نمائی متواتر دی جاتی ہے۔

« مانع حمل ادویات/ طریقوں تک آسانی کے ساتھ رسائی۔

(Darroch Jacqueline et. al, 2000)

امریکہ میں عام طور پر جنسی تعلیم کے نصاب کا سلسلہ ہائی سکول سے شروع ہوتا ہے جبکہ بہت سے طلبہ جنسی اعمال کے تجربات سے گزر چکے ہوتے ہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ نوجوان نسل کو جنس کی تعلیم، ان کے جنسی افعال میں ملوث ہونے سے پہلے دینے سے وہ نہ صرف ان افعال سے گریز کرتے ہیں بلکہ جب ان پر جنسی افعال میں ملوث ہونے کا مرحلہ آتا ہے تو اس صورت میں وہ حفاظتی تدابیر (مثلاً کنڈوم کا استعمال) بھی کرتے ہیں۔ (Kirby et. al 1994)

ماہرین کے نزدیک جس قدر جلد جنسی تعلیم کا آغاز کیا جائے اسی قدر بہتر ہے حتیٰ کہ اس کا آغاز سکول کی ابتدائی کلاسز سے کیا جانا چاہیے۔

جنسی تعلیم کا موضوع اس قدر متنازع رہا ہے کہ اس پر معاشرے میں گھریلو سطح پر یا مذہبی اداروں (چرچ) میں بات کرنے سے گریز کیا جاتا رہا ہے۔ ایسے حالات میں جنسی تعلیم دینے کی ذمہ داری کسے اٹھانی چاہیے؟ — کیونکہ کسی مسئلہ کو ٹالنے سے وہ سلجھنے کی بجائے زیادہ الجھتا ہے۔ چرچ میں مذہبی تعلیم کے ذمہ دار اسے بچوں اور والدین کے درمیان ایک پرائیویٹ اور ذاتی مسئلہ خیال کرتے ہیں کیونکہ چرچ اور مذہبی تعلیمات دینے والے افراد ایسے موضوعات میں اپنے آپ کو الجھانا مناسب نہیں سمجھتے جس پر معاشرے کے مختلف افراد/طبقات میں بحث و مباحثہ جاری ہو حتیٰ کہ کسی جگہ ایک ہی عقیدے یا فرقے کے لوگوں میں بھی مختلف والدین کے خیالات میں اس امر کے بارے میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے کہ ان کے بچوں کے لیے کون سی تعلیم ان کی عمر اور جسمانی و ذہنی نشوونما سے مطابقت رکھتی ہے۔ پس چرچ نے مذہبی تعلیم کے دوران جنسی تعلیم کے بارے میں یہ طرز عمل اختیار کر لیا ہے کہ ”کچھ نہ کہا جائے۔“

(Louis Palmer, 2001)

چرچ کا یہ طرز عمل کہ جنسی تعلیم کے بارے میں کچھ نہ کہا جائے یا اس سے صرف نظر کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس کی وجہ سے پوری نوجوان نسل کے ذہنوں میں پائے جانے والے سوالات اور دوسری کھٹکنے والے مسائل سے مذہب کو کوئی تعلق یا واسطہ نہیں۔ جبکہ امریکہ میں نوجوان نسل کے جنسی اعمال میں ملوث ۵۰ فی صد لوگوں کی عملاً صورت حال یہ ہے کہ لاکھوں افراد کے ذہنوں میں اس قسم کے سوالات روزانہ اٹھتے رہتے ہیں۔ اگر کسی طبقے کے مذہبی راہنما کسی ایسے موضوع کے بارے میں خاموشی اختیار کر لیں جو نوجوان نسل کے لیے عملی نقطہ نظر سے بہت اہمیت رکھتا ہو، تو اس امر پر کوئی تعجب و حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے کہ چرچ کا ادارہ، ان کے لیے کسی اہمیت کا حامل بن نہیں بلکہ غیر ضروری (Irrelevant) ہے۔

مزید برآں، اس مسئلے کا ایک اور پہلو بہت سنگین مضمرات کا حامل ہے کہ ”چرچ کے خاموش رہنے یا عدم مداخلت کی پالیسی“ کی وجہ سے، ذہنوں میں یہ تاثر ابھرتا ہے کہ ”جنسی عمل از خود گنہ ہے“ اس کا یہ منطقی نتیجہ ہو سکتا ہے کہ ”خدا کے بارے میں یہ بدگمانی ہوتی ہے کہ وہ انسانوں کے ایسے مسائل اور معاملات سے غافل ہے جن کا تعلق اس کے جذبات اور احساسات

سے ہے اور اگر الہامی تعلیمات کا اصل منبع و سرچشمہ یعنی خدا انسانی زندگی میں بلوغت جیسے تکلیف دہ عمل کے بارے میں کوئی راہ نمائی دینے سے غافل ہے تو کیا ”ایسے خدا“ سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ انسانی زندگی کے دیگر مہمات مسائل کو حل کرنے کے لیے کوئی راہ نمائی دے سکتا ہے؟ مسئلہ یہ نہیں کہ سکولوں میں دی جانے والی جنسی تعلیم صحیح ہے یا نہیں یا اس کا چرچ سے کوئی تعلق ہے جسے نوجوان نسل پسند کرتی ہے یا نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایک خدائے رحیم جس نے ہمارے دلوں میں پیار و محبت کے جذبات پیدا کیے ہیں، وہ ان تمام جذبات و احساسات کے بارے میں بھی رحمت و رافت کا طرز عمل رکھتا ہے کیونکہ وہ ان کا بھی خالق ہے۔“ (Louis Palmer, 2001)

چرچ کا ادارہ بحیثیت مجموعی اس سے پہلے سائنس اور مذہب کے موضوع پر بحث و مباحثہ کی جنگ میں شکست سے دو چار ہو چکا ہے جس کی وجہ سے مغربی دنیا کے فکر و عمل میں رفتہ رفتہ مذہب کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور یوں سیکولرزم / الحاد کو فروغ حاصل ہوا۔ اب یہ ایک دوسرا موقع ہے کہ وہ نوجوان نسل کو درپیش مسائل کے حل کے لیے عقل و دانش اور فہم و فراست کا مظاہرہ کرے ورنہ اس امر کا خدشہ ہے کہ ایک بار پھر وہ مغربی دنیا کے لوگوں کی نظر میں کمزور پڑ جائے اور لوگ اسے رد کرنے پر مجبور ہو جائیں! — یہاں اس امر کی جانب اشارہ کرنا بھی شاید ضروری ہو کہ یہی صورت حال پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کی بھی ہے جہاں مذہبی راہ نما، خاندانی نظام، عورتوں کے حقوق اور نوجوان نسل کے جنسی معاملات میں راہ نمائی کرنے سے صرف نظر کر رہے ہیں جس کا فوری تدارک بہت ضروری ہے۔

درج بالا سطور میں جن خدشات کا اظہار کیا گیا ہے ان کی عملی صورت مغرب میں بالخصوص اور دنیا کے دیگر ممالک (جس میں مسلم ممالک بھی شامل ہیں) میں بالعموم مختلف انداز میں دیکھنے میں آتی ہے۔ مغرب میں جامع جنسی تعلیم کے حامیوں کا یہ نظریہ ہے کہ جنس کی تعلیم دیتے ہوئے اساتذہ کو غیر جانبدار (Value neutral) ہونا چاہیے۔ انھیں چاہیے کہ وہ اخلاقی تعلیمات دینے کی بجائے طلباء کو آزاد چھوڑ دیں اور ان میں آزادانہ فیصلہ کرنے کی عادت کو پروان چڑھائیں تاکہ وہ خود تشکیل کردہ ذاتی اور انفرادی اقدار کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ اس کے

برعکس کچھ لوگوں کا یہ خیال بھی بہت اہم ہے کہ جنسی تعلیم کے ضمن میں کسی قسم کی ذاتی اور انفرادی اقدار کا کوئی وجود نہیں کیونکہ جنسی افعال اور ان کے نتائج سے نہ صرف بہت سے دوسرے لوگ یعنی جنسی عمل میں شریک دو افراد (لڑکا/لڑکی) متاثر ہوتے ہیں بلکہ بچے، خاندان حتیٰ کہ معاشرہ بھی متاثر ہوتا ہے (Hodge, 1992) اس لیے جنسی اعمال میں ملوث افراد کو چاہیے کہ وہ شادی کے ذریعے دونوں خاندانوں یا کم از کم وہ دونوں کسی معاہدے (Commitment) کے پابند ہوں وگرنہ وہ کس طرح جنسی عمل کے نتائج کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکیں گے جس کا انھیں اسقاط حمل یا بچے کی پیدائش کی صورت میں سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی اخلاقی اقدار سے تہیٰ تعلیم (Value neutral) دراصل ایک غیر ذمہ دارانہ اور غیر اخلاقی عمل ہے کیونکہ اس طرح کے اعمال میں ملوث افراد، ”اقدار (Values)“ کو آسانی کے ساتھ ”ذاتی اور انفرادی اقدار“ کے مفہوم میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ درحقیقت بہت سے فلاسفر بجا طور پر ”اقدار“ کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ اقدار غلط یا صحیح، سچی یا جھوٹی ہوتی ہیں جنھیں نہ صرف کوئی ایک فرد اپنے مفاد اور ذاتی رجحان کے مطابق غلط استعمال کر سکتا ہے بلکہ انھیں عمومی حالت میں غلط رنگ بھی دیا جاسکتا ہے۔ (Baer, Richard AJr. 1982)۔ جب ہم اس حقیقت کو جنسی تعلقات کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ نوجوانوں کے لیے کسی امر کے بارے میں صحیح یا غلط فیصلہ کرنا ایک مشکل کام ہوتا ہے اور نہ ہی ان میں اتنی دوراندیشی ہوتی ہے کہ وہ مستقبل میں ہونے والے واقعات کی پیش گوئی کر سکیں (یہ حقیقت ہے کہ جنسی جذبے اور شہوت کے تحت، کسی نوجوان کو جنسی تسکین کے حصول سے باز نہیں رکھا جاسکتا) بالخصوص ان امکانات کی جنسی افعال کے بارے میں صحیح یا غلط فیصلہ ہونے کی صورت میں کہ وہ کن جسمانی اور ذہنی مسائل کا شکار ہو سکتے ہیں۔ پس یہ ایک غیر اخلاقی امر ہے کہ ہم نوجوانوں کو اپنی ذاتی اور انفرادی اقدار کے انتخاب کی کھلی چھٹی دے دیں خاص طور پر جنسی افعال میں ملوث ہونے کے بارے میں اس مفروضے کے تحت کہ نوجوانوں کا جنسی افعال میں ملوث ہونا ایک بدیہی امر ہے۔

(Taku Ikemato, 1995)

ہمارے اس نقطہ نظر کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ان تمام خدشات و خطرات کے پیش نظر

جن کا تعلق جنسی افعال میں ملوث ہونے سے ہے اور دیگر بہت سے ایسے عوامل بھی ہیں جن کی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی اور جو غیر محسوس (Un-noticeable) ہوتے ہیں لیکن جنسی افعال میں ملوث ہونے کے ایک عرصے بعد رونما ہوتے ہیں۔ نوجوان لوگ اس قابل نہیں ہوتے کہ وہ ان نقصانات کا ادراک کر سکیں جو انھیں اپنی عملی زندگی میں جسمانی و دماغی طور پر برداشت کرنے پڑیں گے، اس صورت میں کہ وہ کسی جنسی مرض (ایڈز) میں مبتلا ہو جائیں یا اسقاط حمل ہو جائے۔ اس لیے یہ ایک نہایت غیر ذمہ دارانہ بلکہ بڑوں کے لیے ظالمانہ اقدام ہوگا کہ وہ ”ذاتی اور انفرادی“ اقدار یا ”غیر جانبدارانہ اقدار“ کے نام پر بچوں کو ان تمام ممکنہ مسائل اور مشکلات میں مبتلا ہونے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیں۔

جنسی اخلاقیات اور اقدار کے بارے میں یہ بحث مغرب اور امریکہ کے تعلیمی حلقوں میں بہت عرصے سے جاری ہے۔ اس ضمن میں Deborah M. Roffman 2001 نے بہت فکر انگیز باتیں کی ہیں۔ اس خاتون نے اس سوال پر کہ ”کس کی اقدار اور کون سی اقدار“ (Whose Values? What Values?) میں یہ لکھا ہے کہ ”میں نے سکول کے اساتذہ سے ایک سوال کیا کہ کیا یہ بہت ضروری ہے کہ طلباء پر کسی قسم کی خاص اقدار ٹھونس (Impose) دی جائیں؟ تو ان کا جواب نفی میں تھا۔ یہ امر بھی از خود ایک انکشاف سے کم نہیں کہ بالغ لوگ تہذیبی روایات کے ڈھیلا پڑ جانے کی وجہ سے لفظ ”اقدار“ کے مفہوم کو صحیح طور پر زندگی کے ہملہ معاملات پر لاگو نہیں کر سکتے۔ اساتذہ کو اس امر کا اندازہ نہیں کہ وہ طلباء کو ہر وقت چند اقدار کی پابندی کرنے کا درس دیتے رہتے ہیں اور ان پر وہ اقدار لازماً لاگو (Impose) کی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی طالب علم، سکول کا کام نہیں کرتا، وہ اسے کم گریڈ دیتے ہیں، اس کے والدین کو بلاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے لیے وہ کورس دوبارہ پڑھنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ درحقیقت سکول اساتذہ کا یہ بنیادی فرض ہے کہ وہ ”چند بنیادی اقدار“ کی ترویج و اشاعت کریں اور ان کے حصول کے لیے کوشاں رہیں جس میں تعلیم کی اہمیت اور طلباء کا ذاتی انہماک اور دلچسپی جیسے امور شامل ہیں۔ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ کسی قسم کے کوئی مطلوب مقاصد نہیں یا کسی قسم کا مجرد اخلاقی معیار مطلوب نہیں اور طلباء کو آزاد چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ از خود کسی چیز کے غلط یا صحیح ہونے کا فیصلہ

کریں تو یہ ایک غلط بات ہے کیونکہ بنیادی انسانی اقدار مثلاً دیانت و امانت، عزت نفس، ذمہ دارانہ لہر زعم و غیرہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت و شفقت، احترام زندگی اور آزادی، چند ایسی اقدار ہیں جو مطلق (Absolute) ہیں اور اس پیغام کو تمام بالغ لوگوں بالخصوص اساتذہ اور والدین کو باہم کرنا اور بلند پہنچانا چاہیے۔ انھیں اس امر کے اظہار میں بھی کسی قسم کی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے کہ کچھ افعال مثلاً زنا بالجبر، جنسی تحریص و تشدد اور بچوں پر جنسی زیادتی وغیرہ ہمیشہ کے لیے غلط ہیں۔

تاہم یہ امر کہ کسی وجہ سے جنسی تعلیم سے گریز کا پروگرام کامیاب نہ ہو سکے تو اس کا انحصار جنسی افعال میں ملوث افراد کی قوت ارادی پر ہے۔ جنسی عمل میں ملوث ہونے والے افراد کو اس قابل ہونا چاہیے کہ وہ اس کی مخالفت کر سکیں (یعنی اپنے جنسی جذبات پر قابو رکھ سکیں) پس جنس سے ریز والے پروگراموں کو بہت جامع انداز میں اختیار کرنے کی ضرورت ہے جن میں نہ صرف اساتذہ بلکہ والدین، فلاسفرز، مذہبی راہنماؤں، صحت، نفسیات، پالیسی ساز اداروں کے ماہرین، میڈیا اور معاشرے کے دیگر شعبوں کے افراد کو شامل ہونا چاہیے۔ فلاسفرز اور مذہبی راہنماؤں کا یہ بھی اہم ترین فرض ہے کہ وہ ان بنیادی انسانی اقدار کی وضاحت کریں جن پر تمام انسانوں کا ضمیر مطمئن ہے تاکہ تمام لوگ ان پر عمل کر سکیں بالخصوص وہ اقدار جن کا تعلق انسان کی جنسی زندگی، شادی بیاہ اور خاندان سے ہے۔

اساتذہ کا یہ فرض ہے کہ وہ طلباء کو صحت اور نفسیاتی امور کے ماہرین کے تعاون و مشاورت سے صحیح ترین معلومات بہم پہنچائیں۔ اس کے علاوہ پالیسی ساز اداروں، میڈیا اور معاشرے کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک ایسا ماحول قائم کرنے کی کوشش کریں جس میں ناجائز جنسی افعال سے گریز اور یک زوجگی (Monogamy) کا چلن عام ہو سکے۔ بلکہ اس ضمن میں والدین کا کردار سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ ان تمام مسائل کے علاوہ جو تعلیم کے ذریعے سکول میں حل کیے جاسکتے ہیں، دیگر تمام مسائل کی کلید والدین کے پاس ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لیے نمونہ کردار (Role Model) کا نمونہ پیش کر سکیں (Taku Ikemato, 1995)

انسان کی جنسی زندگی کا تعلق بہ نسبت جسمانی صحت کے بنیادی طور پر اخلاقیات سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نام نہاد صحت پر مبنی جنسی تعلیم کے پروگراموں نے فائدے کی بجائے بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ ان پروگراموں کی وجہ سے نوجوانوں میں شادی سے باہر اور خاندانی نظام کے بغیر جنسی افعال میں ملوث ہونے کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے (Keyes Alan 2000)۔ ”حکومتی اداروں کے بہت سے ایسے پروگرام جو ویلفیئر کے نام پر پیش بہار قوم خرچ کرتے ہیں، ان کے پیش نظر ایسے مسائل کو حل کرنا ہوتا ہے جن کا تعلق اخلاقی معیار اور ڈسپلن کو توڑنے سے ہوتا ہے۔ بطور قوم ہم تباہی سے دو چار ہو جائیں گے اگر ہم نے اپنے معاشرے کی اخلاقی گراؤٹ اور انحطاط کے ذمہ دار پروگراموں کی مالی امداد کے کام کو جاری رکھا۔ اس لیے ہمیں ایسے تمام پروگراموں کی مالی امداد سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے جسے محقق نے خاندانی نظام کو تباہ کرنے والے سسٹم (Family destroying welfare system) کا نام دیا ہے اور اس کے بقول جنسی تعلیم کے ایسے تمام پروگراموں کی امداد بند کر دینی چاہیے جن کی وجہ سے شہوانی جذبات کو فروغ حاصل ہو رہا ہے کیونکہ ایسے تمام پروگرام دراصل اخلاقیات کی تباہی کے ذمہ دار ہیں۔ ہماری اولین ترجیح یہ ہونی چاہیے کہ ہم اخلاقی نظام اور اقدار کی بحالی کے لیے کوشاں ہوں نیز لوگوں کی مالی امداد کی جائے تاکہ شادی کا نظام فروغ پاسکے اور لوگ میاں بیوی کی حیثیت سے خاندانی نظام کو قائم کر سکیں۔ کیونکہ خاندانی نظام کی تباہی کے ساتھ ہماری غربت، جرائم، تشدد، تعلیمی انحطاط اور بہت سے دیگر سماجی مسائل کا بہت گہرا تعلق ہے۔“

مختلف ممالک میں جنسی تعلیم کا نظام

اس باب کے آغاز میں ہم جنسی تعلیم کے اہماء، تاریخی پس منظر اور ان موضوعات کا ذکر کر چکے ہیں جو امریکہ اور دیگر مختلف یورپین ممالک کے سکولوں میں بچوں اور نوجوانوں کو پڑھائے جا رہے ہیں۔ ان ممالک کے نظامہائے جنسی تعلیم کا مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مختلف پروگراموں کے نصاب تعلیم میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے، تاہم مختلف ملکوں میں ان پر عمل پیرا ہونے کے طریقے ہر ملک نے اپنی ملکی ضروریات کے تحت تشکیل دیئے ہیں جس کی وجہ سے ان کے مختلف اثرات ظاہر ہوئے ہیں۔ تاہم یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ تمام ملکوں میں ان پروگراموں کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ذیل کے صفحات میں ہم چند ممالک میں جنسی تعلیم کے

پر، راسموں اور ان کے اثرات کا ایک تنقیدی جائزہ پیش کریں گے۔
(۱) برطانیہ:

برطانیہ میں جنسی تعلیم کے نظام کا آغاز آج سے قریباً ۳۰، ۴۰ سال قبل ہوا تھا۔ آغاز میں زیادہ تر توجہ بائیولوجی اور انسانی تولید و تناسل (Reproduction) کے بنیادی تصورات تک محدود تھی۔ بتدریج اس میں وسعت پیدا ہوتی چلی گئی جس میں بیس سال سے کم عمر کے بچوں کو اس امر کی تربیت دی جاتی تھی کہ وہ چھوٹی عمر کے بچوں سے گفتگو کے ذریعے باہمی امور اور تعلقات کی اہمیت و ضرورت اور زندگی کے بنیادی تصورات کی وضاحت کریں۔ برطانیہ میں جنسی تعلیم کی مہم اس بات پر زور دیتی ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کو جنسی مباشرت کو موخر کرنے کی تلقین کی جائے جب تک کہ وہ خود اس کے لیے تیار اور راضی نہ ہوں تاکہ بعد میں انھیں کسی قسم کی ندامت اور شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ معاملہ جنسی اختلاط کو ”موخر“ کرنے کا ہے نہ کہ ”انکار“ کا! — ایسی مہموں کی بنیاد جامع تحقیق کے ان شواہد پر رکھی گئی کہ اکثر اوقات نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جنسی افعال میں اس لیے شریک نہیں ہوتے کہ انھیں علم نہیں ہوتا یا دوستوں کی جانب سے انھیں مجبور (Peer's pressure) کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے اسباب شارب کے نشے میں دھت ہونا، اپنی بہادری اور مردانگی کا لوہا منوانا یا انسانی فطری عجائب پسندی (Curiosity) یا محبت بھی ہوتے ہیں۔ تاہم تعجب کی یہ انتہا ہے کہ ایک ایسے معاشرے میں جہاں جنس ایک عام کھیل کے طور پر سمجھی جاتی ہے، جنسی حقائق سے لاعلمی اپنے عروج پر ہے۔ بیس سال سے کم عمر کے جوان لوگ اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر مباشرت کھڑے ہو کر کی جائے تو اس طرح حمل نہیں ٹھہرتا اور یہ کہ مانع حمل گولیاں کھانے سے جنسی امراض سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ (Yonne Roberts, 1996)

برطانیہ میں ایک گائیڈ (Anon ۲۰۰۰) میں نصاب کی وہ تمام تفصیلات درج ہیں جو پرائمری اور سیکنڈری سکولوں میں بچوں کو جنسی تعلیم اور تعلقات کے بارے میں پڑھائی جاتی ہیں۔ پرائمری سکولوں میں جنسی تعلیم، سائنس کے بنیادی امور تک محدود ہے جو تعلیم کے قومی نصاب میں شامل ہیں۔ تاہم وہاں اس امر کے بارے میں اضطراب پایا جاتا ہے کہ کلاس روم میں کن

موضوعات پر بات کی جاسکتی ہے اور کن پر نہیں؟ والدین اپنے بچوں کو ایسے اسباق کی تعلیم سے روک سکتے ہیں اور سکول کی گورنگ باڈی اس امر کی مجاز ہوتی ہے کہ پڑھائے جانے والے مواد کی اجازت دے۔ اگرچہ مختلف مذاہب اور کلچرز کی بنیاد پر نصاب میں بہت کم اختلاف پایا جاتا ہے تاہم جنسی تعلیم کے کم تر معیار کی نشان دہی، اس جنسی رویے سے ہوتی ہے جس کا نوجوان (لڑکے اور لڑکیاں) اپنی عملی زندگی میں مظاہرہ کرتے ہیں!۔ اس کی وجوہات و نسخ ہیں۔ جنسی تعلیم کا تمام تر مواد چند معمولی تیار شدہ موضوعات تک محدود ہوتا ہے جو ۱۳ سال کی عمر تک پڑھایا جاتا ہے اور یہ عمر کا وہ حصہ ہوتا ہے جب ۵ فی صد نوجوان لڑکے جنسی مباشرت کا تجربہ کر چکے ہوتے ہیں اور ۸ سے ۹ سال کی لڑکیوں میں ماہواری (Menses) جاری ہو چکی ہوتی ہے۔

اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ برطانیہ میں جنسی تعلیم کا نظام کامیاب نہیں ہو سکا کیونکہ گذشتہ ۳۰ سالوں تک سکولوں میں تعلیم دینے کے باوجود، نوجوان نسل کی جنسی افعال میں مشغولیت اور ناجائز حمل کے قیام کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔ اگرچہ برطانیہ میں بیس سال سے کم عمر کی لڑکیاں میں حمل کے قیام اور بچوں کی پیدائش کی شرح ۱۹۷۰ء کی نسبت کم ہے تاہم عالمی معیار کے مطابق وہ ابھی بھی زیادہ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نوجوانوں کو نہ تو سکول اور نہ ہی والدین سے مناسب جنسی تعلیم و تربیت مل رہی ہے۔ سکول، طلباء کو ان مقامی سہولتوں کے بارے میں آگاہ کرنے سے گریز کرتے ہیں جو ضبط ولادت کے سلسلے میں پائی جاتی ہیں۔ ایک سروے سے معلوم ہوا کہ ۵۷ فی صد طلباء کو ان سہولتوں کا علم نہیں تھا، ۶۴ فی صد کو حمل روکنے کے ایبیر جنسی اقدامات کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا جبکہ ۴۵ فی صد کو اس امر کی یقین دہانی نہیں کرائی گئی تھی کہ ان کے جنسی معاملات کو پوشیدہ رکھا جائے گا۔

نوجوان لڑکیوں میں ناجائز حمل کے بارے میں برطانیہ کے اس گولگو کے رویے کی بنا پر جو مغربی یورپ کے ممالک میں سب سے زیادہ ہے، وہاں کے وزیراعظم (ٹونی بلیئر) کو اس کی کرنا پڑا کہ ان کی حکومت ۶۰ ملین پاؤنڈ کی خطیر رقم اس لیے خرچ کرے گی کہ ناجائز حمل کی شرح کو ۲۰۱۰ء تک نصف کر دیا جائے۔ یاد رہے کہ ۳۳ فی صد لڑکیاں ۲۰ سال کی عمر سے پہلے ۱۰ ماہ

ہو جاتی ہیں، چالیس ہزار کے قریب لڑکیوں میں اسقاط حمل ہوتا ہے (Yonne Roberts 1996)۔ ایلسن ہیڈلے (۱۹۹۸) نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ”اگرچہ برطانیہ میں اس طرح کا سخت گیر اخلاقی نظام نہیں پایا جاتا جیسا کہ امریکہ میں ہے، تاہم نیدر لینڈ کے معیار کے مقابلے میں وہ بہت پیچھے ہیں جہاں جنسی اختلاط پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔ ڈچ فی وی اپنے پرائمر ٹائم میں اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ کنڈوم کا صحیح استعمال کیسے کیا جاتا ہے جبکہ برطانیہ میں ایڈز کے بارے میں انتخاب کو بر فباری کے تناظر میں چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے!“

(۲) سکاٹ لینڈ:

سکاٹ لینڈ میں جنسی تعلیم کے بارے میں دو رپورٹس ہیں۔ ایک کا تعلق ذہنی/ جسمانی طور پر پیمانہ بچوں سے ہے (Issy Cole Hamilton ۱۹۹۷) جبکہ دوسری رپورٹ ایک ورکنگ گروپ کی ہے جو سکاٹ لینڈ کے سکولوں میں بچوں کے بارے میں کام کرتا ہے (Anon 1999)۔ اس ملک میں جنسی تعلیم کے مقاصد درج ذیل ہیں:

۴۴ جنس کے جسمانی اور جذباتی پہلوؤں سے متعلق معلومات کی فراہمی میں اضافہ۔

۴۴ نوجوان نسل کو مختلف قسم کے تعلقات (جنسی) قائم کرنے کے لیے تعلیم و تربیت اور اس ضمن میں ذمہ داری کا احساس دلانا۔

۴۴ والدین کی مدد کرنا تاکہ وہ اپنے بچوں کی جسمانی اور جنسی نشوونما کا خیال رکھ سکیں اور ان کی حفاظت کریں۔

سکاٹ لینڈ میں جنسی تعلیم لازمی نہیں ہے۔ سکول کے ارباب اختیار اس لحاظ سے آزاد ہیں کہ بچوں کو کس عمر میں کیا پڑھایا جائے تاہم سکولوں کی راہنمائی ایجوکیشن (سکاٹ لینڈ) ایکٹ (۱۹۸۰ء) کی شکل میں موجود ہے۔

سکاٹ لینڈ میں جنسی تعلیم کے نظام کا مطالعہ کرتے ہوئے، اس امر پر حیرت ہوتی ہے کہ وہاں سوسائٹی کے مختلف طبقات کی مذہبی اور اخلاقی اقدار کو جنسی تعلیم کے کورسز میں بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ بچوں کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ وہ جنسی پارٹنر (اگر وہ مباشرت میں ملوث ہوں) کے ساتھ تعلقات میں ایفائے عہد اور باہمی احترام جیسی اقدار کا خیال رکھیں۔ انھیں اپنی

شادی کے نتیجے میں ہونے والی ذمہ داریوں سے بھی بخوبی آگاہ ہونا چاہیے جو مذہب اور اخلاق کی جانب سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔ بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ انھیں ماں باپ کی ذمہ داریوں کا بھی احساس کرنا چاہیے جو وہ ان کی زندگی کے قیام اور خوشحالی کے لیے ادا کرتے ہیں تاکہ بچے ایک محفوظ اور تادیر رہنے والے خاندانی نظام سے حاصل ہونے والے فوائد سے بہرہ مند ہو سکیں۔ تاہم یہاں جنسی تعلیم کا ایک گہرا تعلق صحت کی تعلیم سے بھی ہے۔

سکاٹ لینڈ کے جنسی نظام تعلیم کا ایک بہت اہم پہلو اس امر پر زور دینا ہے کہ گھر، سہل و آخرا کار سوسائٹی کے درمیان ایک مضبوط اور گہرا تعلق قائم کرنا کیسے ممکن ہے۔ جنسی تعلیم کے نظام پر بحث مباحثہ کی شکل میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ بنیادی امور کے بارے میں اتفاق رائے پیدا کیا جائے تاکہ سکول اور گھر کے درمیان رابطے کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جاسکے۔ اس میں ایک ایسا متوازن نقطہ نظر پیدا کر۔ کی کوشش کی جاتی ہے جس میں خاندانی زندگی اور اخلاقی خیالات کی ترویج و اشاعت اور ایسے انسانی رویوں کو فروغ دینے کی مساعی بروئے کار لائی جاتی ہیں جن کا تعلق ان کی ذاتی زندگی اور دوسروں کے ساتھ تعلقات کے قیام کے لیے اخلاقی، مذہبی اور مختلف انواع کی تہذیبی اقدار سے ہے۔ جنسی تعلیم کے اس پہلو کی وجہ سے اس نظام کو سکاٹ لینڈ میں دیگر یورپین ممالک اور امریکہ کے ساتھ ساتھ ایک نئی جہت ملی ہے۔

سکاٹ لینڈ میں جنسی تعلیم کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ نوجوان نسل کو نوعمری میں شامل ہونے کے خطرات کے بارے میں مناسب راہ نمائی دی جاتی ہے تاکہ وہ اس مسئلے سے بہتر طور پر عہدہ برآ ہو سکیں۔ انھیں صحت و تندرستی کے قیام کے لیے ضروری ہدایات حاصل کرنے کے مراکز، ہیپ لائین اور لوکل صحت کی سہولتوں کے بارے میں آگاہی دینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس ضمن میں سکول نرس ہوتی ہے جو بچوں کو صحت کے معاملات میں مدد دینے کے لیے موجود ہوتی ہے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ اگر سکول میں صحت کے قیام کے لیے مناسب جنسی طرز عمل کو فروغ دینا ہے تو پھر تحقیق کے نتائج سے یہ ثابت ہوا ہے کہ بچوں کی مدد کے لیے رازدارانہ مشورے اور راہ نمائی کو موثر بنایا جائے۔

سکاٹ لینڈ میں جنسی تعلیم کے نظام کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ کیتھولک چرچ، سکولوں کے ساتھ ایک گہرا تعلق اور ربط قائم رکھتا ہے، بالخصوص اخلاقی اور مذہبی اقدار کے بارے میں تعلیم دینے کے لیے کسی علاقے کا لوکل راہب بچوں کو اخلاقی تعلیم سے آگاہ کرنے کا فریضہ سر انجام دیتا ہے۔ نیز بچوں کو مذہبی رسومات کی ادائیگی میں بھی مدد دیتا ہے۔ سکاٹ لینڈ میں تعلیم کے ضمن میں مذہبی عقائد و اقدار کی مسلمہ حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لوگوں کے درمیان مثبت اور تعمیری تعلقات کو فروغ دینا ایک بہت ہی اہم پہلو ہے جس سے دیگر یورپین ممالک اور بالخصوص امریکہ میں صرف نظر کیا گیا ہے۔

(۳) نیدر لینڈ:

نیدر لینڈ میں جنسی تعلیم کے ضمن میں چند بنیادی الفاظ (Key Words) اہم ترین ہیں اور وہ یہ ہیں، حقوق (Rights)، ذمہ داری (Responsibility)، اور عزت و احترام (Respect)۔ وہاں اکثر لڑکیاں جنسی معاملات میں پہل کرتی ہیں بہ نسبت لڑکوں کے۔ برطانیہ میں لڑکے تجسس (Curiosity)، شراب نوشی اور دوستوں کے اصرار (Peer pressure) کو نفسی تعلقات کی وجوہات کے طور پر بیان کرتے ہیں جبکہ ہالینڈ میں لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کے لیے محبت و انسیت کو پہلی مرتبہ جنسی مباشرت کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

نیدر لینڈ میں جنسی تعلیم کے نظام کو بہت بہتر طریق پر چلایا جاتا ہے۔ وہاں کی کلچرل اقدار، برطانیہ اور امریکہ کی نسبت بہت مختلف ہیں۔ ڈچ قوم کے افراد، اپنی جنسی خواہش کے اظہار (Libido) کے بارے میں ۱۹۷۰ء سے ہی بہت کشادہ ذہن کا مظاہرہ کرنے کی وجہ سے مشہور ہیں۔ وہاں پہلی مرتبہ جنسی اختلاط کی قانونی عمر ۱۸ سال ہے جبکہ ۸۴ فی صد لوگ ضبط ولادت پر عمل کرتے ہیں اور ان میں سے بھی ۹۳ فی صد لوگ مانع حمل طریقوں پر ہمیشہ عمل کرتے ہیں۔ تراجم کی شرح ۴،۳ فی ہزار لڑکیاں ہے اور قریباً یہی شرح اسقاط حمل کی ہے جو کہ تمام دنیا میں سب سے کم شرح ہے (Yonne Roberts 1996)۔

نیدر لینڈ میں سکولوں میں رائج جنسی تعلیم کا نظام حقیقتاً ایک اہم اور نمایاں کردار ادا کرتا ہے جس کے ذریعے نوجوانوں کی نفسیاتی و جنسی نشوونما ہوتی ہے۔ وہاں جنسی تعلیم کا کوئی باقاعدہ

نصاب نہیں ہے اور نہ ہی اس موضوع پر کوئی ٹیکسٹ بک ہے جو طلباء کی راہ نمائی کر سکے۔ ۱۹۹۳ء تک سکولوں میں جنسی تعلیم ضروری قرار نہیں دی گئی تھی تاہم تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ ۱۰ میں سے ۹ نوجوان (لڑکے/لڑکیاں) جنسی تعلیم حاصل کرتے ہیں قطع نظر اس کے کہ وہ کون سا سکول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں (Rade Makers, J 1998ء)۔ ۱۹۹۳ء میں جنسی تعلیم سے متعلقہ سوالات قومی سطح کے امتحان میں پوچھے جانے لگے۔ فی زمانہ قریباً تمام سینڈری سکولوں اور نصف کے قریب پرائمری سکولوں میں جنسی معلومات پر مبنی ایک وسیع البدیاء نظام اپنایا گیا ہے۔ (Ketting E. and A.P. Visser 1994)

نیدر لینڈ میں جنسی تعلیم کی فلاسفی یہ ہے کہ پڑھانے کی بجائے جسمانی امور کے بارے میں گفتگو پر زیادہ زور دیا جائے (Gianotten, W.L ۱۹۹۵)۔ ڈچ اساتذہ اپنے طلباء کو مختلف مضامین کی تعلیم دیتے ہوئے جنسی موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں اور جنسی تعلیم کے مخصوص موضوعات ان کے سکول کے مختلف نصابات میں مربوط انداز میں سمودیے گئے ہیں بالخصوص بائیولوجی (علم الحیات) میں صحت کے ساتھ ساتھ سوشل پالیسی اور مذہبی تعلیمات کے رنگ میں جنسی تعلیم کا آغاز سکول کی باقاعدہ تعلیم سے قبل ہی ہو جاتا ہے اور وہ ہر سطح کے سکولوں کی تعلیم میں شامل ہے۔ (Caron, S.L 1998)۔ اساتذہ کو مکمل آزادی ہے کہ وہ طلباء کی ضرورت کے مطابق ہر اس موضوع پر گفتگو کر سکیں جو طلباء سکول میں سوالات کی شکل میں زیر بحث لاتے ہیں۔ ڈچ قوم، مذہبی روایات اور آزادانہ سوچ کا ایک مرکب ہے، سخت متعصب لیکن برداشت کرنے والے۔ ۱۹۷۰ء میں ناجائز حمل اور اسقاط حمل کی شرح میں اضافہ ہونا شروع ہوا اور سکولوں میں فوری طور پر ممانع حمل ادویات/ طریقوں کو رائج کر دیا گیا۔ اور اب جنسی تعلیم پرائمری اور سینڈری سکولوں میں دیگر بہت سے مضامین کے ساتھ مربوط شکل میں دی جاتی ہے۔

اساتذہ کو اس امر کا خدشہ نہیں ہوتا کہ اگر ان کے ہونٹوں سے کوئی مخرب اخلاق لفظ نکلا تو پریس/میڈیا میں ان کے کسی طرز عمل پر تنقید کی جائے گی۔ والدین بھی اپنے بچوں کی جنسی تعلیم میں برابر شرکت کرتے ہیں۔ درحقیقت وہاں جنس کو ایک قابل مذمت گناہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے انسانی فطرت کے ایک صحت مند فعل کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔ جسے ایک آئیڈیل

حیثیت سے اس وقت تک موخر کیا جاتا ہے جب تک کہ ایک جوان (لڑکی/لڑکا) جذباتی اور نفسیاتی طور پر اس حد تک نشوونما نہ پاگئے ہوں، کہ وہ اس فعل میں ملوث ہو سکیں۔ وہاں نو جوان نس کے بارے میں اس امر کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی فطری جسمانی نشوونما کے نتیجے میں جنسی طور پر آگاہ ہوتے ہیں اور آزادانہ گفتگو، معلومات کی فراہمی اور راز داری کے ساتھ جنسی معلومات کی فراہمی اس معاشرے کی تہذیبی روایات کا حصہ ہیں۔ نو جوان لڑکیوں میں حمل ٹھہرنے کی شرح تمام ترقی یافتہ ممالک سے کم ہے اور ڈچ نو جوان لڑکے اور لڑکیاں، پہلی مرتبہ جنسی تجربے (مباشرت) سے کسی قدر تاخیر سے آگاہ ہوتے ہیں۔

جنسی تعلیم کے میدان میں ڈچ ماہرین نے ایک CD تیار کی ہے جس میں سوال و جواب کے ذریعے جنسی معلومات فراہم کی جاتی ہیں اور اساتذہ کو اس امر کی کھلی اجازت ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے طلباء کو تسلی بخش جوابات دے سکیں۔ یہ CD طلباء سے مختلف موضوعات کے بارے میں سوال بھی کرتی ہے اور انھیں متبادل طریقوں سے آگاہ بھی کیا جاتا ہے۔ اس طریق کار کے ذریعے اساتذہ کو کلاسز میں ٹیکچر دینے کے لیے طلباء کے سامنے کھڑا نہیں ہونا پڑتا بلکہ اساتذہ کا کردار ایک ہمدرد مددگار (Facilitator) کا ہونا ہے جو طلباء کو ان کی معلومات کے مطابق مختلف کردار ادا کرنے، گفت و شنید کرنے اور سوال و جواب کے دیگر طریقوں سے سیکھنے میں مدد دیتے ہیں (Bracken, D 1998)۔ نیدر لینڈ میں طلباء کو جنسی تعلیم بغیر کسی ایسی پابندی (Censorship) کے دی جاتی ہے جس میں مذہب یا سیاسی دباؤ کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ ایک حالیہ تحقیق کے مطابق نیدر لینڈ، دیگر یورپین ممالک اور امریکہ میں جنسی تعلیم کے بارے میں پائے جانے والے فرق کی نشان دہی ذیل کی سطور سے ہوتی ہے:

(Alison Hadley 1998)

ڈچ نو جوان، پہلی مرتبہ جنسی مباشرت سے قبل اپنے پارٹنر سے مانع حمل طریقوں کے بارے میں، برطانوی نو جوانوں کی نسبت، زیادہ آزادی کے ساتھ بات چیت کر لیتے ہیں۔ ان میں صرف ۲۰ فی صد پہلی مرتبہ جنسی اختلاط کے وقت احتیاطی تدابیر اختیار نہیں کرتے یہ نسبت ۵۰ فی صد برطانوی نو جوان جوڑوں کے۔

◀ نیدر لینڈ کی نو جوان نسل ایک دوسرے سے محبت اور زندگی بھر ساتھ نبھانے (Commitment) کو پہلی مرتبہ جنسی اختلاط کا سبب بناتی ہے جبکہ برطانیہ میں نو جوان اپنے دوستوں سے دباؤ، فریق مخالف کی جسمانی خوبصورتی اور جنسی اختلاط کے لیے مناسب موقع (Opportunity) کی تلاش جیسی وجوہات کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ فرق خاص طور پر لڑکوں میں نمایاں ہے جہاں ۱۴ فی صد برطانوی لڑکوں کے برعکس ۵۶ فی صد کا یہ خیال ہے کہ:

◀ ڈچ نو جوان لڑکے/ لڑکیاں، برطانوی نو جوانوں کی نسبت دو گنا سے زائد مرتبہ اپنی ماؤں سے اور تین گنا سے زائد مرتبہ اپنے والد سے جنسی موضوعات پر بات کر لیتے ہیں اور اس قسم کے تمام نو جوان لڑکے/ لڑکیاں جو اپنے والدین سے جنسی امور پر کھلے انداز میں آزادانہ طریق پر بات کر سکتے ہیں، ان میں اس کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں کہ وہ اپنے جنسی تجربے کو موخر کر سکیں اور مانع حمل طریقے موثر انداز میں استعمال کر سکیں۔

(۴) نیوزی لینڈ:

نیوزی لینڈ میں نو عمر لڑکیوں میں بچوں کی پیدائش کی شرح ۱۹۹۹ء کی نسبت نصف سے بھی کم ہو گئی ہے جو ۶۹ فی ہزار سے ۳۰ فی ہزار ہے (Anon, ۱۹۹۹)۔ اس کمی کو جنسی تعلیم دینے اور مانع حمل تدابیر اور ادویات کی فراہمی کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔ ماضی میں نو عمر لڑکیوں میں قیام حمل کو ایک اخلاقی گناہ اور صحت کا مسئلہ سمجھا جاتا تھا لیکن اب اسے ایک سماجی مسئلے کے طور پر لیا جا رہا ہے (گویا کہ سماجی بھلائی کو انسانی اخلاق پر فوقیت حاصل ہو گئی!) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ والدین اور صحت کے ماہرین بچوں کو جنسی تعلیم دینے سے اس لیے گریزاں ہیں کہ وہ جنسی اعمال میں ملوث نہیں ہوں گے۔ اگرچہ یہ ایک غلط بات ہے اس لیے یہ کیوں نہ مان لیا جائے کہ نو جوان کسی نہ کسی طرح جنسی اعمال میں ملوث ہوں گے تو پھر کیوں نہ ان کی مدد کی جائے کہ وہ ان اعمال کو اس محفوظ طریقوں سے سرانجام دیں جس سے مستقبل میں انھیں کوئی مسئلہ نہ ہو۔ شاید نیوزی لینڈ میں جنسی تعلیم کے پس منظر میں یہی نظریہ کارفرما ہے۔

اس ملک میں آزادانہ گفتگو اور جنسی تعلیم کی فراہمی بہترین طریقہ کار کی حیثیت سے اختیار کیے جاتے ہیں۔ حیاتیاتی طور پر بچوں میں ۹ سال کی عمر سے جنسی جذبات پیدا ہوا، شروع

ہو جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات اس سے بھی پہلے۔ اس لیے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جنسی معلومات کی بنیاد پر اس قسم کے افعال میں شرکت بہت حد تک محفوظ ہوتی ہے بہ نسبت لاعلمی اور جہالت کے۔ اس لیے اس امر کی کوشش کی جاتی ہے کہ بچے درج ذیل امور سے آگاہ ہوں:

« خطرات: جنسی امراض، قرار حمل اور جذباتی مسائل کے خطرات سے آگاہ ہونا۔

« حفاظت: مختلف مسائل سے بچنے کے لیے وہ مانع حمل طریقوں / ادویات اور کنڈوم کا استعمال جانتے ہوں۔

« سپورٹ: جنسی امراض سے بچنے اور مانع حمل تدابیر سیکھنے کے لیے حوصلہ افزائی اور

« حصول لذت: وہ جنسی امور سے متعلق درج بالا طریقوں پر عمل کر کے لذت حاصل کر سکیں۔

(۵) فرانس:

فرانس میں جنسی تعلیم دیگر مضامین کے مقابلہ میں حال ہی میں متعارف ہوئی ہے اور یہ اس طریق پر منضبط انداز میں نہیں دی جاتی جس طرح دیگر مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ قومی سطح پر لوئر سیکنڈری سکولوں میں اس مضمون کے لیے ہفتے میں دو گھنٹے رکھے گئے ہیں لیکن اس میں انصاف کرنے کا سوچا جا رہا ہے۔ ایڈز کے مرض کے دریافت ہونے سے پہلے فرانس میں جنسی تعلیم کو روان نہیں تھا تاہم اس بیماری کے وقوع کے بعد اس مرض سے بچنے کے لیے جنسی تعلیم کا آغاز کیا گیا۔ (Sachs, 1998)

فرانس میں جنسی موضوعات پر سکولوں میں گفتگو اور تعلیم کا آغاز ۹ سال کی عمر سے ہوتا ہے اور ۱۳ سال کی عمر تک قومی سطح پر پڑھائے جانے والے تعلیمی نصاب کے تحت پڑھائی کرنی پڑتی ہے۔ قومی سطح پر ترتیب دیا جانے والا نصاب پانچ ابواب پر مشتمل ہوتا ہے جو کا ملا جنسی امراض اور HIV/Aids کے بارے میں ہوتا ہے۔ جنسی تعلیم کا آغاز طب کے سوالات سے ہوتا ہے (Bellanger.M. 1998)۔ سکولوں میں بائیولوجی کا استاد، طلباء کو تولیدی نظام کے اعضاء کی تشریح کے ذریعے ان کے افعال کی تعلیم دیتا ہے۔ کمیونٹی کے ایسے ماہرین جن کا تعلق ضبط و انضام کے اداروں سے ہوتا ہے سے کہا جاتا ہے کہ وہ طلباء کو ان موضوعات پر گفتگو کریں۔ ابھی

تک فرانس میں بعض موضوعات ایسے ہیں جن پر گفتگو کرنے میں شرم و حیا مانع ہوتی ہے اور کیتھولک سکولوں میں ہم جنس پرستی اور مانع حمل تدابیر پر معلومات ابھی تک فراہم نہیں کی جاتیں۔ چونکہ فرانس میں جنسی تعلیم قومی سطح پر لازمی نہیں ہے اس لیے والدین اپنے نو عمر لڑکوں/

لڑکیوں کو اس قسم کے کورسز پڑھنے سے منع کر دیتے ہیں۔ (Bellenger, M. 1998)

فرانس میں جنسی تعلیم کی مہر سے نوجوان نسل اور بالغوں کو ریڈیو، ٹی وی کے ذریعے مختلف مانع حمل تدابیر اور طریقوں سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ ایک گائیڈ جو کریڈٹ کارڈ سائز کے برابر ہے، اس مقصد کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ سکولوں، یوتھ کلبوں اور فیملی پلاننگ کے کلینک کے ذریعے اس کی ۹۰ لاکھ کاپیاں تقسیم کی گئی ہیں۔

فرانس کی شہرت (یا بدنامی؟) ایک ایسے ملک کے طور پر ہے جہاں جنس پر کوئی قدغن نہیں اور غیر ملکی لوگ اسے ایک ایسی ”بنت“ کے طور پر سمجھتے تھے جہاں جنسی افعال پر کوئی پابندی نہیں (انقلاب فرانس کا یہ منطقی نتیجہ ہے)۔ فرانس میں جنسی اشغال و اعمال اور مانع حمل تدابیر عام ہیں۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ فرانس میں قرار حمل اور اسقاط حمل کی شرح امریکہ اور نیوزی لینڈ جیسے ممالک سے بھی کم ہے۔ فرانس میں سکول نرسز کو اس امر کی اجازت ہے کہ وہ لڑکیوں کو منہ کے ذریعے کھانے والی مانع حمل ادویات کی بڑی مقدار دے سکیں جسے غیر محفوظ جنسی اختلاط (Unprotected intercourse) کی صورت میں ۷۲ گھنٹوں کے اندر استعمال کرنے سے حمل نہیں ٹھہرتا۔ مزید برآں نرسز کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ جنسی معاملات میں طلباء کی دل جوئی، ہمدردی کریں اور مشورہ دیں نیز صحت و تندرستی کو لاحق ہونے والے خطرات/مسائل سے بھی عہدہ برآ ہونے میں طلباء کی مدد کریں اور جنسی امراض کے بارے میں گفتگو کے ذریعے بھی انہیں آگاہ کریں۔

اس تمام تر آزادی اور کوششوں کے باوجود، فرانس کے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ فرانس کی انور ”فری سیکس ملک کی حیثیت سے بدشہرت“ ہے وہ غلط ہے۔ ایک شخص (Chevert) کا خیال ہے کہ ”ہم ایک ایسی قوم ہیں جو ”تصادفات کا شکار“ ہے۔ ہم (Prude) نہیں تاہم براہ راست نہ۔۔۔ گوئی سے کوئی بات بھی نہیں کرتے۔ ہم ٹی وی پر عورتوں کی عریاں چھاتیوں کی نمائش کرتے ہیں

دریوں جنسی جذبات کے اشتعال کا باعث بنتے ہیں لیکن جب بات ہمارے بچوں/نوجوان نسل کی آتی ہے یا ہماری ذاتی زندگی کا سوال ہوتا ہے تو ہم بہت زیادہ خاموش اور گم صم (Closed) ہو جاتے ہیں۔ ہم ابھی تک قدیم جوڈو کرچین تہذیب میں رہ رہے ہیں۔“

ان خیالات کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ۱۹۹۹ء میں آغاز کردہ ”صبح کی گولی“ (Morning after pill) ایک مانع حمل گولی کے استعمال کے فیصلے کی زبردست مخالفت ہوئی تھی کہ پوپ نے بھی مخالفت کے پلڑے میں اپنا وزن ڈالا اور والدین کی فیڈرل ایسوسی ایشن (PEEP) نے بھی جو پانچ ہزار ایسی دیگر انجمنوں کی نمائندہ تنظیم ہے اور جس کے قریباً پچاس ہزار خاندان ممبر ہیں، اس کی بھرپور مخالفت کی۔ اس تنظیم نے حکومت کے صحت اور تعلیم کے کارپردازوں کی کارکردگی کو تنقید کا نشانہ بنایا۔

یہاں اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ حکومت کی تمام کوششوں کے باوجود جوہ جنسی تعلیم کے فروغ کے لیے کر رہی ہے، نوجوان نسل میں اس کے بارے میں علم اور سمجھ بوجھ کی حالت بہت خستہ ہے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے آپ کو بہت بری طرح سے لاعلمی کی حالت میں محسوس کرتی ہیں۔ ایک نرس کے بقول ”میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ بہت سی نوعمر لڑکیاں غم، اندوہ اور جرم کے احساس میں ڈوبی ہوئی میرے پاس آتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ وہ اپنے رحم میں پٹنے والے بچے کو مار دینا چاہتی ہیں“۔ ڈاکٹرز جو اسقاط حمل کرتے ہیں وہ بھی مسلسل اسی رات اور حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ نوجوان نسل اپنے جسم و جان کے بارے میں کس قدر کم معلومات رکھتے ہیں اور انھیں تخلیق کے عمل اور وضع حمل تدابیر کے بارے میں کوئی آگہی نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک اور نرس نے بتایا کہ ”بہت سی نوعمر لڑکیاں ہمارے پاس آتی ہیں، بہت مضطرب اور پریشان کہ ان کے ساتھ جبراً زنا کیا گیا تھا یا جنسی اختلاط کے درمیان کچھ ایسا ہو گیا تھا کہ وہ اس پر سخت حالت خوف میں مبتلا ہوتی ہیں۔ ایسی لڑکیاں مختلف وجوہات کی بنا پر اپنے والدین کو اس امر سے آگاہ نہیں کرنا چاہتیں۔ ہمارے پاس ان کے علاج/حفاظت کے لیے صرف ۷۲ گھنٹے کا وقت ہوتا ہے لیکن اکثر لڑکیاں اس وقت آتی ہیں جب ایک ہفتہ گزر گیا ہوتا ہے۔ ہمارے پاس کسی دوسری تدبیر (Option) کے لیے بالکل کوئی موقع نہیں ہوتا اور ہمیں

اس قسم کی خطرناک ترین صورت حال میں ان کی مدد کرنی ہوتی ہے۔“ یاد رہے کہ اس ”خطرناک ترین ایمر جنسی“ میں مختلف اقسام کے حالات ہوتے ہیں جن میں سے نمایاں ترین ایسے نوعمر جوڑے ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے بوائے فرینڈ کے دباؤ کے تحت جنسی اختلاط کیا تھا یا جنہوں نے کنڈوم استعمال کیا تھا لیکن وہ بوجہ پھٹ گیا اور مزید ایسے حالات کہ لڑکیوں کے ساتھ جبراً زنا کیا گیا تھا۔“

(۴) امریکہ:

اگرچہ گذشتہ صفحات میں امریکہ میں جنسی تعلیم کے بارے میں تفصیلاً گفتگو ہو چکی ہے، تاہم نہایت اختصار کے ساتھ چند مزید ضروری معلومات کا مطالعہ ضروری ہے۔

امریکہ میں لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک طویل عرصے تک بہت قریب اور اکٹھے رہنے کا موقع ملتا ہے۔ ان کی پرورش ایک ایسے معاشرے میں ہوتی جہاں جنس کے بارے میں اظہار خیال اور پروپیگنڈہ جاری رہتا ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو جنسی تجربات میں ملوث ہونے کے بہت سے مواقع ملتے ہیں جو اپنی طوالت اور شدت کی بنا پر کسی بھی سوسائٹی میں نہیں پائے جاتے۔ اس میں اہم ترین امر نا جائز بچوں کی پیدائش ہے۔ امریکہ میں مخلوط تعلیم کا نظام لڑکوں اور لڑکیوں کو یہ سکھاتا ہے کہ دونوں اصناف جنسی طور پر ایک جیسی ہوتی ہیں اور جنسی لذت کا حصول ایک ایسا اقدام ہے جس سے دونوں فریق (لڑکا اور لڑکی) ایک دوسرے سے ”فیض یاب“ ہو سکتے ہیں۔ یہ طریق کار شادی اور عورت و مرد کے درمیان مستقل اور دیر پا محبت کے لیے زہر قاتل سے کم نہیں۔ لڑکوں کو، لڑکیوں کی تولیدی صلاحیت کا اندازہ نہیں ہوتا اور لڑکیاں اپنی جنسی خواہش کی تسکین کی خاطر اپنے ضمیر کو سلاہتی ہیں۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ مردانہ جنسی جذبات اس تمام تعلیمی دور میں غالب رہتے ہیں جب کہ محبت اور شادی کی کامیابی کے لیے جنسی خواہشات کی تکمیل اور تسکین کے لیے بہت سے جذبات محبت کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اور یوں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اوائل عمرت ہی جنسی جذبات سے مغلوب ہو کر جنسی تسکین کے اوتھلے یا کم گہرے پانی کی لہروں (Shallow Current) میں ڈوب جاتی ہیں۔

(۷) جرمنی:

جرمنی میں جنسی تعلیم کا نظام بہت جامع ہے اور عمر کے مختلف ادوار اور سوسائٹی کے مختلف گروپس کے ایک بہت بڑے حصے کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ اگرچہ وہاں کوئی قومی نصاب یا خصوصی کورس اس مضمون پر موجود نہیں (Lautmann, R. K. Starke 1997) لیکن وہاں اساتذہ اور پرنسپل کو اختیار ہے کہ وہ جس قسم کا اور جس طریق کا بھی جنسی تعلیمی نظام چلانا چاہیں، چلا سکتے ہیں۔ پس جنسی تعلیم کی کوالٹی کا انحصار استاد پر ہے کہ وہ اپنے مضامین میں اس کو کس قدر اہمیت دیتا ہے؟ اکثر اساتذہ مہمان مقررین کو دعوت دیتے ہیں جن کا تعلق معاشرے میں موجود تولیدی صحت کی تنظیموں سے ہوتا ہے۔ جرمنی کی حکومت نے سکولوں، اور معاشرے کے دیگر سماجی اداروں اور صحت کے اعلیٰ حکام کو یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ وہ طلباء کو جنسی تعلیم دیں۔ ان ذمہ داریوں میں درج ذیل تین امور بہت اہم ہیں:

۱۔ جنسی تعلیم کے تصورات کو واضح کرنا کہ ان میں سے ہر ایک کا یہ مقصد ہو کہ فرد کی بلحاظ عمر اور سوشل گروپ، اس طرح تربیت کی جائے کہ جس سے مانع حمل تدابیر اختیار کی جاسکیں اور حمل ہو جانے کی صورت میں کسی قسم کی پریشانی یا تکلیف کا ازالہ کر سکیں۔

۲۔ ثانیاً: قومی سطح پر ایک جیسا تعلیمی مواد بہم پہنچانا اور

۳۔ ثالثاً: اس قسم کا تعلیمی مواد سکولوں، ویکیشنل تربیتی اداروں، جنسی امراض سے بچاؤ کے مشورے کے لیے سنٹرز اور ان تمام تعلیمی و تربیتی اداروں کو مفت بہم پہنچانا جہاں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں تعلیم و تربیت میں مشغول ہوں۔ اس ذمہ داری کے پس پردہ یہ فکر کارفرما ہے کہ انسان کی جنسی صلاحیت اس کی جسمانی اور نفسیاتی صحت کا ایک لازمی اور مربوط حصہ ہے اور جنسی تعلیم، انسانی صحت کے ساتھ ایک گہرا تعلق اور ربط رکھتی ہے۔

جرمنی میں کمپیوٹر کے ذریعے جنسی تعلیم کا جو سسٹم پایا جاتا ہے اس پر ایک Love Line ان نئے طریقوں کی ایک واضح مثال ہے جو جرمنی کے تعلیمی نظام میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ”محبت کی اس شاہراہ“ (Love Line) کو استعمال کرتے ہوئے طلباء گفتگو میں حصہ لیتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ جنسی معاملات کے لیے رابطہ کرتے ہیں۔ مختلف کھیلوں میں مقابلہ

کرتے ہیں۔ چونکہ لڑکوں میں بہ نسبت لڑکیوں کے جنسی معلومات کا فقدان ہوتا ہے، اس لیے ان کی تربیت کے لیے یہ طریقہ وضع کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر وضع کردہ اسباق/عملی کورسز، اساتذہ اور والدین باہم مل کر تعلیم کے عمل کو مکمل کرنے میں مدد دیتے ہیں۔
جنسی تعلیم اور اس کے مضمرات — ایک اجمالی جائزہ:

جنسی تعلیم کے موضوع پر اس قدر طویل گفتگو اور مختلف ممالک میں اس کے متعدد پروگراموں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد اس موضوع کو ختم کرنے سے پہلے یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں جنسی تعلیم کے مضمرات پر ایک جامع تبصرہ کیا جائے:

انسانی تاریخ کے مختلف ادوار اور تہذیب و تمدن کے مختلف مراحل میں، جنسی تعلیم کے بارے میں تعلیمات اور ہدایات کا بہت گہرا تعلق، سماجی اوصاف اور مروجہ اخلاقی اقدار کے ساتھ رہا ہے۔ ان اقدار و روایات کی تعمیر میں مذہبی تعلیمات نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ تاریخ انسانی میں چاہے قدیم ترین ٹونے ٹونے پر مبنی مذہبی عادات ہوں یا وحشی قبائل کا شہوت انگیز جنسی رویہ، یہودیت کی تعلیمات ہوں یا دور اول کا عیسائی تجرد کا تجربہ، جنسی جذبات کو دبانے والے تشدد پیورٹن خیالات ہوں یا کیتھولک فرقے کا نرم جنسی رویہ یا پھر جدید زمانے کا لبرلزم، فزیک مذہب کا کسی نہ کسی صورت میں تعلق، ان تمام جنسی اعمال اور رویوں سے رہا ہے جو مختلف اقوام اور ادوار میں رائج تھے۔ (Bigelow, MA 1962)۔

اس امر کو ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر تسلیم کر لینا چاہیے کہ انسان کا اپنا وضع کردہ کوئی بھی نظام/ طریقہ زندگی کسی صورت میں بھی انسان کے حل طلب سوالات و مسائل (جن کا تعلق چانت، مادر پدر آزاد جنسی رویوں (Free sex) سے ہو یا جنسی امراض کے بڑھتے ہوئے رجحانات، نیز انسان کے دیگر بے شمار سماجی، معاشی اور اخلاقی مسائل سے جن سے انسانیت مختلف ادوار اور آج کے جدید دور میں دوچار ہے) کا واضح اور قطعی دو ٹوک حل نہیں کر سکا۔ اس طرح جنسی تعلیم کے مختلف پروگراموں کے طریقوں کو بھی اس وقت تک بہ آسانی اور مکمل طور پر نہیں سمجھا جاسکتا جب تک کہ انسان ان کو اخلاقی تصورات (اور وہ بھی الہامی تصورات نہ کہ انسان کے خود ساختہ

تسورات) کی روشنی میں نہیں دیکھتا۔

اس تمام بحث سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ایسی تعلیمات جو اخلاقی اقدار سے بے بہرہ ہوں اور جن کا تعلق ہدایت سے نہ ہو اور اس کے ساتھ کسی رول ماڈل (نمونے کی شخصیت) کا وجود نہ ہو تو اس سے سوائے نومیدی و مایوس اور تباہی کے کچھ اور حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس ضمن میں اسلامک اکیڈمی کیمبرج اور ڈیپارٹمنٹ آف ایجوکیشن، یونیورسٹی آف کیمبرج (Anon, 1998، Michael, J.Reiss and S.A.Mabaud 1991, 1998) کے ایک مشترکہ مشاورتی گروپ کی جانب سے ایک ورکشاپ جنسی تعلیم کے بارے میں منعقد ہوئی تھی جس میں برطانیہ میں وجود تمام مختلف مذاہب / ادیان جن کی تعداد چھ ہے، کے نمائندوں نے شرکت کی تھی اور انھوں نے ایک متفقہ یادداشت (Agreed Statement) تیار کی تھی۔ اس یادداشت میں مروجہ نظام تعلیم پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے اور اس میں ان اصولوں کی تفصیل دی گئی ہے جو جنسی تعلیم کے مسئلے پر عمل کر سکتے ہیں اور اس میں جنسی تعلیم کے لیے ایک اخلاقی فریم ورک تجویز کیا گیا ہے کہ:

”یہ فریم ورک اس امر کی ضمانت چاہتا ہے کہ شادی سے پہلے عصمت و عفت کی حفاظت کی جائے اور کنوار پن کی حفاظت کی جائے۔ مرد و عورت بطور میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ وفا اور محبت اور اعتماد کا تعلق قائم کریں اور ہم جنس پرستی اور شادی سے قبل ہر قسم کے جنسی تعلق سے پرہیز کریں۔“

”ہر فرد کو چاہیے کہ وہ اپنے بوڑھے والدین کی ذمہ داریوں کو پورا کرے۔“

”یہ یادداشت اس امر کو بھی تسلیم کرتی ہے کہ ہم سب کو اپنے والدین کے لیے ایک فریضے کے طور پر عزت و احترام اور تابعداری کے ذریعے کو اپنانا چاہیے اور بڑھاپے یا کسی وجہ سے ان کی معذوری کی بنا پر ان کی خدمت کرنی چاہیے، اور یہ کہ

”شادی کے نتیجے میں عورت و مرد کے تعلقات میں باہمی محبت اور عزت و احترام کا ہونا ضروری ہے۔“

اس ضمن میں اس امر کی صراحت بھی شاید ضروری ہو کہ قریباً دو دہائی قبل برطانوی حکومت نے ایک سرکلر (۱۱/۸۷) کے ذریعے جنس سے متعلقہ موضوعات کے بارے میں ہدایات دی تھیں

جن کا خلاصہ کچھ یوں ہے: ”جنسی اعمال کے جسمانی پہلوؤں کے بارے میں تعلیم دینے میں اس امر کو ملحوظ رکھا جائے کہ اس تعلیم کا اخلاقی حدود اور اقدار کے تحت دیا جانا ضروری ہے جس میں طلباء کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ وہ ضبط نفس کی اہمیت کو سمجھیں، ایک دوسرے کی عزت و احترام کرنا سیکھیں، اور وقتی شہوانی اعمال کے نتیجے میں رونما ہونے والی جسمانی، دماغی، نفسیاتی اور اخلاقی برائیوں کے مختلف پہلوؤں سے آگاہ رہیں۔“ سکولوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے طلباء میں اس سوچ کو پروان چڑھائیں کہ دونوں اصناف (مرد/عورت) جنسی معاملات میں ذمہ داری کا مظاہرہ کریں نیز طلباء کی مدد کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ ایک پائیدار شادی اور خاندانی زندگی اور بچوں کی پیدائش کے نتیجے میں والدین کے طور پر اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوں۔“

اس سرکلر کی ہدایات کو برطانیہ میں پائے جانے والے مختلف مذاہب کے پیروکاروں نے بہت پسند کیا تھا تاہم انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ جنسی جذبات اور شہوانی لذت کے تمام طریقوں کی مذمت کی جانی چاہیے۔
امریکہ میں یک صنفی سکول ایجوکیشن:

(Single Sex Education in U.S.A)

امریکہ میں عورتوں کو تعلیم کے حصول کا حق، انھیں ووٹ دینے کے حق سے ایک سو سال قبل مل گیا تھا۔ آغاز میں وہ تعلیم کا حصول اپنے خاندان اور سوسائٹی کے لیے کرتی تھیں کیونکہ ملک کو ایسی پڑھی لکھی، معقول اور ذمہ دار عورتوں کی ضرورت تھی (Wendey Kamin ER, 1998)۔
امریکہ میں عورتوں کی جس پہلی نسل نے تعلیم حاصل کی، وہ یک صنفی سیکندری اور انڈرگریجویٹ تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل تھیں۔ Seven Sisters (ایک تعلیمی ادارے کا نام) نے انیسویں صدی کی آخری دہائی میں بڑے خاندانوں کی لڑکیوں کو تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ سکول انیسویں صدی کی عورتوں کے حقوق کی مہم کے لیے بہت ضروری تھا۔ اس طرح کے سکولوں نے نہ صرف عورتوں میں آگے بڑھنے کا داعیہ پیدا کیا بلکہ انھیں باہر نکل کر کام کرنے پر بھی اکسایا اور انھیں آمدنی کے حصول کے لیے مختلف نوعیت کے کاموں کے لیے تیار کیا۔ اس طرح غیر شادی شدہ لڑکیوں کے لیے تدریس کا عمل ایک باعزت پیشے کی حیثیت اختیار کر گیا۔

یک صنفی سکولوں میں تعلیم کا شعور ایک انتخاب نہ تھا بلکہ اس کا تعلق ایک ایسے وقت میں ان تہذیبی روایات سے تھا جبکہ مرد و عورت کے علیحدہ رہنے کا تصور (Segregation) ایک فطری امر سمجھا جاتا تھا۔ اوائل میں عورتوں کے حقوق کی حامی خواتین (Feminists) کا خیال تھا کہ بالآخر وہ مردوں کے سکولوں اور دو جنگ بوتھ کو یکجا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ جلد ہی یکساں تعلیمی مواقع کا حصول بہت آسان ہو گیا۔ گزشتہ صدی کے آخر تک لڑکوں کی نسبت بہت سی لڑکیاں ہائی سکولز سے ڈگریاں حاصل کر رہی تھیں اور یوں مخلوط تعلیم کا تصور تیزی سے پھیلنے لگا۔ ۱۹۱۰ء میں، امریکہ میں ۱۵۸۳ کالجوں میں سے ۲۷ فی صد صرف لڑکوں کے لیے تھے، ۱۵ فی صد لڑکیوں کے لیے اور بقیہ ۵۸ فی صد مخلوط تعلیمی ادارے تھے۔

(Wendy Kaminer, 1998)

آج کل لڑکیاں، لڑکوں کی نسبت بہت زیادہ تعداد میں کالجوں سے گریجویشن کر رہی ہیں۔ تاہم تقریباً تمام امریکن پبلک اور پرائیویٹ یونیورسٹیوں حتیٰ کہ ملٹری اکیڈمیز میں رسائی حاصل کرنے کے بعد، بہت سی عورتیں تمام سطح کے تعلیمی اداروں میں مخلوط طرز تعلیم کے فوائد کے بارے میں حرف شکایت زبان پر لا رہی ہیں اور یہ صورت حال بالخصوص سینڈری سکولوں کے بارے میں زیادہ ہے۔ عورتوں کے حقوق کی پاسدار خواتین کا عمومی تاثر یہ ہے کہ مخلوط تعلیمی ادارے لڑکیوں کی عزت نفس (Self esteem) پامال کرنے والے ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کی بجائے سخت حوصلہ شکنی ہو رہی ہے بالخصوص حساب اور سائنس جیسے مضامین کے لیے۔ بہت سے والدین اور طالبات اس خیال کی حامی ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی لڑکیوں کی لڑکوں کی چھیڑ چھاڑ اور خواہشات نفسانی جیسے امور سے حفاظت کی جائے۔

امریکہ کا تعلیمی نظام لڑکیوں کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرنے میں ناکام ثابت ہوا ہے۔ سکول کی تمام سطحوں پر صنف پر مبنی تفاوت (Gender bias) ایک بڑا مسئلہ ہے جس کی اہم وجہ یہ ہے کہ جنسی خوف و ہراس نے ایک طاعون کی شکل اختیار کر لی ہے اور یہ جنسی خوف گریڈ لیول کے سکولوں تک پھیلا ہوا ہے۔ لڑکیوں کے اس حالت خوف میں مبتلا ہونے میں جنسی طور پر آزاد خیال اساتذہ کا ایک اہم کردار ہے جو لڑکوں کی جانب بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں (یاد

رہے کہ زیادہ تر اساتذہ عورتیں ہوتی ہیں جو لڑکوں کی توجہ اور ہمدردی حاصل کرنے کے لیے لڑکیوں کے ساتھ ایک ناروا امتیازی سلوک کرتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لڑکیاں اپنے کلاس فیلو لڑکوں کی نسبت بہت پیچھے رہ جاتی ہیں۔ بقول شخصے ”کیسا تعلیمی معیار کے لڑکے اور لڑکیاں سکول میں داخل ہوتے ہیں لیکن ۱۲ سال بعد لڑکیاں اپنے کلاس فیلو لڑکوں سے بہت پیچھے رہ جاتی ہیں۔ خاص کر ہائی لیول کا حساب اور دیگر امور مثلاً احترام ذات (Self esteem) کے حوالے سے (Anon 1999)“ لڑکیاں تعلیمی میدان میں ہار جاتی ہیں چاہے وہ سکول کا کام کرنے میں کتنی ہی محنت کیوں نہ کریں۔ لڑکوں کا بار بار تھوکنے کا عمل (Spit ball)، باتونی پن اور اکثر لڑکیوں کی چوٹیوں کے پھندنے (Pony tails) کو کھینچنے رہنے کی عادت کی وجہ سے کلاس میں لڑکیوں کی توجہ بٹ جاتی ہے اور یوں ان کا تعلیمی معیار متاثر ہوتا ہے۔ (Cristine)

B. Whealam 1998

امریکہ میں بھی مچلی سطح سے لڑکیوں کے لیے علیحدہ پبلک سکولوں کی تحریک دن بدن زور پکڑ رہی ہے۔ ۱۹۹۰ء کے اوائل سے لڑکیوں کے لیے علیحدہ ایلیمینٹری اور سینڈری سکولوں کے اجرا کی منزل قریب تر آرہی ہے اور ایسے سکولوں میں داخلے کی درخواستوں کی تعداد میں ۲۱ فی صد اضافہ ہوا ہے اور لڑکیوں کے لیے چار نئے سینڈری سکول قائم ہوئے ہیں۔ لیکن فیڈرل قوانین کے تحت لڑکیوں کے لیے علیحدہ سکولوں کا اجرا بنیادی طور پر ایک پرائیویٹ کام ہے اور پبلک سکولوں (گورنمنٹ فنڈز سے چلنے والے سکول) میں جنس اور صنفی تفاوت اور ذات کی بنیاد پر امتیاز روا رکھنا دستور کی خلاف ورزی ہے۔ اس ضمن میں مختلف ریاستیں اپنے طور پر آگے بڑھ رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طلباء، اور والدین کو اس امر کی آزادی ہے کہ وہ اپنے لیے بہترین تعلیمی اسکول کا خود انتخاب کر سکیں۔ بوٹن (ایک امریکی ریاست) میں قریباً ایک صدی قبل ونسر (Winsor) نامی سکول نے والدین کو ان کی بیٹیوں کے لیے اعلیٰ قسم کی تعلیم دینے کے لیے سہولت فراہم کی تھی۔ جہاں صرف لڑکیوں کو ہی تعلیم دی جاتی تھی۔ تاہم سکولوں کو نہ صرف تعلیمی امور میں مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے بلکہ قانونی پیچیدگیاں بھی اس راہ میں رکاوٹ ڈال رہی ہیں۔ مختلف غیر سرکاری تنظیمیں، بچوں کے لیے سرکاری سکولوں میں یک صنفی تعلیم (صرف لڑکوں یا لڑکیوں کے لیے) کے

زبردست خلاف ہیں۔ ان کے خیال میں یہ امر طلباء کے لیے تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ مزید یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جنس کی بنیاد پر علیحدہ سکولوں کا اجراء دستور کی چودھویں ترمیم کی بھی خلاف ورزی ہے۔

اس دلیل کی مخالفت میں بجا طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ جب ۱۹۷۰ء کے اوائل میں امریکن گورنمنٹ، لڑکے اور لڑکیوں کے علیحدہ سکولوں کے نظام کو ختم کر رہی تھی تو اس اقدام کے لیے قومی سطح پر مناسب غور و خوض نہیں کیا گیا تھا اور مخلوط تعلیم کی جانب یہ اقدام درحقیقت ”غیر فطری“ تھا کیونکہ یہ انسانی اقدار کے اعلیٰ معیار (Anthropological criterion) کے مطابق نہیں تھا۔ اس کی وجہ سے لڑکے اور لڑکیوں کے لیے تعلیم حاصل کرنے کے ماحول میں ایک انقلابی تبدیلی (Radical change) واقع ہوئی جس کی بنا پر یہ لڑکے اور لڑکیاں صنفی، جسمانی اور دماغی ساخت کے لحاظ سے مختلف انداز اور مختلف ادوار میں بلوغت کی منزل کو پہنچتے ہیں۔ اس کے بہت برے اثرات کالجوں کی نسبت گریڈ سکولوں کے طلباء میں دیکھے اور محسوس کیے گئے ہیں۔ کیونکہ کالج کی سطح تک پہنچتے پہنچتے طلباء کسی حد تک بالغ ہو جاتے ہیں اور ایک ماہر تعلیم کے بقول ”اس کے جو بھی فوائد تسلیم کر لیے جائیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ امریکی معاشرے میں جو بھی عدم توازن اور مسائل پائے جاتے ہیں، ان کی بنیاد میں یہ سوچ اور مفروضہ کارفرما ہے اور یہ مفروضہ دنیا کے کسی بھی مہذب معاشرے میں نہیں پایا جاتا، کہ لڑکے اور لڑکیوں کو جب کبھی ممکن ہو، ایک جگہ ٹھونس (Thrown together) دیا جائے۔ (Gilder, GF 1975)

یہی ماہر مزید رقمطراز ہے کہ ”آئیے ہم اس پر چند سادہ لیکن اہم اور بظاہر ناقابل ذکر حقائق کی روشنی میں غور کریں کہ ایک ہائی سکول کے کلاس روم میں کیا ہوتا ہے؟ سب سے پہلی لیکن اہم ترین بات یہ ہے کہ ایک ایسے ماحول میں بہت سے لڑکے اور لڑکیوں کی ایک معتد بہ تعداد ہر وقت ایک دوسرے کے بارے میں سوچ رہی ہوتی ہے، اگر آپ اس بات پر یقین نہیں کرتے تو آپ کو اس کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ آپ خواب دیکھ رہے ہیں (Dreamer)۔ اپنے دلائل کو جاری رکھتے ہوئے وہ مزید رقمطراز ہے کہ ”بلوغت کی عمر کو پہنچنے والے لڑکے، لڑکیاں، بنیادی طور پر، ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس عمر میں لڑکوں

میں جنسی خواہش اپنے عروج پر ہوتی ہے اور اسی دور میں ان کا انداز بہت جارحانہ ہوتا ہے۔ اس عمر میں سکولوں میں، ایک معیار مطلوب کے طور پر لڑکیوں کی عدم موجودگی میں اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ اساتذہ لڑکوں میں ڈسپلن قائم کریں (یعنی سزا دیں)۔ لڑکوں کے برعکس لڑکیاں عمر کے اس دور میں بہت نرم خو ہوتی ہیں اور جنسی لحاظ سے بھی ان کے جذبات اعتدال کی حالت میں ہوتے ہیں اور وہ پڑھائی کی جانب زیادہ راغب ہوتی ہیں نیز انھیں کسی قسم کے سخت کنٹرول (سزا) اور نگرانی کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ پس ایک ایسا کلاس روم جہاں لڑکے اور لڑکیاں دونوں موجود ہوں، وہ ان دونوں (اضافہ) کے لیے تکلیف دہ ہوتا ہے بلکہ بہت حد تک نقصان دہ بھی۔ لڑکیوں کی موجودگی میں لڑکے اگر چہ آگے بڑھ جاتے ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے لیکن لڑکیاں، لڑکوں کی موجودگی میں نہ صرف بے حوصلگی بلکہ پریشان نظری (Distraction) کا شکار ہو جاتی ہیں۔ دونوں صنفوں کا ایک کلاس روم میں پڑھنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں کا ایک دوسرے کی موجودگی کی وجہ سے نقصان ہوتا ہے بالخصوص شرارتی اور نکتے لڑکوں کی موجودگی میں ڈسپلن قائم کرنے کے طریقوں سے بھی دونوں صنفوں کے طلباء متاثر ہوتے ہیں۔“ مزید برآں ”اگرچہ لڑکے اور لڑکیوں کا مقابلہ کسی بھی معاملے میں، لڑکوں کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے لیکن نقصان کی شدت میں اس وقت اضافہ ہو جاتا ہے جبکہ وہ طفولیت کے دور سے بلوغت کا سفر طے کر رہے ہوں جو کہ اثر قبول کرنے کا انتہائی (Impressionable) دور ہوتا ہے اور جبکہ لڑکے جنسی جذبات کے لحاظ سے اپنی انتہا کو پہنچے ہوتے ہیں۔“

امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا میں، چند پائلٹ اضلاع (ڈسٹرکٹ) میں، لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے ایک ایک آزمائشی سکول قائم کیا گیا۔ ان جڑواں سکولوں کو فنڈز، اساتذہ، سہولتوں اور کتابوں کی فراہمی ایک جیسی کی گئی۔ کسی ڈسٹرکٹ میں صرف لڑکوں کے سکول ہیں داخلوں کو فروغ ہو رہا ہے جہاں ۱۰۰ لڑکوں اور صرف ۷ لڑکیوں نے داخلے کی درخواست دی جبکہ کسی دوسرے علاقے میں صورت حال اس کے برعکس تھی۔

بلوغت کے قریب پہنچنے والی لڑکیوں میں جسمانی نشوونما کے مختلف مراحل، ان کے لیے علیحدہ سکول کی فراہمی کا عقلی جواز پیش کرتے ہیں۔ صنفی تفاوت (Gender differences)

کی بنا پر تعلیم کے حصول میں جو فرق پایا جاتا ہے، اس نے یہ واضح کر دیا ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے پڑھائی کرنے اور سیکھنے کے طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ امریکی ایسوسی ایشن آف یونیورسٹی ویمین کی حالیہ رپورٹ (Anon, 1999) میں بتایا گیا ہے کہ لڑکیاں، مخلوط تعلیم کے ماحول میں اس قدر بہتر طور پر تعلیم حاصل نہیں کر سکتیں جس قدر لڑکے کرتے ہیں۔ مخلوط سکولوں میں لڑکیوں کو اساتذہ کی جانب سے کم توجہ حاصل ہوتی ہے اور نصابی سرگرمیوں میں ان کی شرکت بہت کم ہوتی ہے اور ان کی تعلیم و تربیت کے جو مخصوص طریقے اور انداز ہیں، ان سے مخلوط سکولوں میں اکثر صرف نظر کیا جاتا ہے۔ اس رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا کہ ایسی لڑکیاں جو سنگل سیکس سکول (یک صنفی سکول) میں پڑھتی ہیں، وہ حفظ نفس کا زیادہ خیال رکھتی ہیں، وہ زیادہ پراعتماد ہوتی ہیں اور عزت نفس (Self esteem) کا زیادہ خیال رکھنے والی ہوتی ہیں بہ نسبت ان لڑکیوں کے جو مخلوط تعلیمی اداروں میں پڑھ رہی ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں ایک نوبل پرائز حاصل کرنے والے سائنس دان ایلکس کیمل (Alxis Carrel 1948) کا قول نقل کرنا من سب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”لڑکے اور لڑکیوں کو ایک جیسی عقلی اور فزیکل تعلیم و تربیت اور ایک طرح کے اہداف (Ambitions) دینے کی ضرورت نہیں۔ اور تعلیم کے ماہرین کو لڑکوں اور لڑکیوں کی جسمانی اور دماغی خصوصیات نیز ان کی فطری و عملی مسروفات کی جانب بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔“

یک صنفی سکولوں کے ماحول میں لڑکیوں کے لیے لیڈر شپ کی تربیت کے بھی زیادہ مواقع ہوتے ہیں۔ کلاس میں بطور صدر، ایڈیٹر، ٹیم کیپٹن اور بہترین سکالر طالب علم کی حیثیت سے انھیں اس امر سے تسکین حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کر رہی ہیں۔ مخلوط تعلیمی سکولوں کے ماحول کے برعکس، انھیں اپنی رائے کے اظہار میں ایک گونہ طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ سیکھنے کے عمل میں دلچسپی لیتی ہیں اور اپنے مشاغل کی تکمیل کے بارے میں بھرپور صلاحیتوں کا اظہار کرتی ہیں۔ وہ اپنی صلاحیتوں سے دنیا پر ایک مستقل اور ویرا اثر چھوڑنا چاہتی ہیں اور یہ سب کچھ اس لیے ممکن ہوتا ہے جب انھیں ایک محفوظ اور آرام دہ ماحول، علیحدہ سکول کی شکل میں ملا ہوتا ہے جو ان کی صلاحیتوں، سیکھنے کے طریقوں، ان کی پسند ناپسند اور صنفی اقدار

کے لیے ایک خوش گوار ماحول فراہم کرتا ہے۔

تعلیمی میدان میں ریسرچ سے پتہ چلا ہے کہ یک صنفی ہائی سکول میں لڑکیاں، نمایاں طور پر اپنی تعلیمی سرگرمیوں اور سائنسی مضامین کے امتحانوں میں بہتر کامیابی کا مظاہرہ کرتی ہیں بہ نسبت اپنی ہم عمر ایسی لڑکیوں کے جو مخلوط تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ اس طرح وہ لڑکے بھی جو صرف لڑکوں کے سکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہوتے ہیں، وہ بھی زیادہ پر اعتماد ہوتے ہیں اور ہم نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور غیر ملکی زبانوں اور انگریزی سیکھنے میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں بہ نسبت ان لڑکوں کے جو مخلوط تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ پس ان حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں میں صنفی بنیاد پر الگ الگ تعلیم حاصل کرنے کے عمدہ اور مثبت نتائج حاصل ہوتے ہیں جن سے ہر دو اصناف کے افراد بہتر طور پر مستفیض ہوتے ہیں۔

اگرچہ K-2 یک صنفی سکولوں کے بارے میں کی گئی ریسرچ کے نتائج بالعموم حتمی نہیں تاہم ان سے چند عمومی نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں (Pamela Haag, 2000)۔ اس قسم کی بہت سے تحقیقی رپورٹس سے معلوم ہوا کہ یک صنفی سکولوں میں لڑکیاں بہ نسبت مخلوط تعلیمی اداروں میں پڑھنے والی لڑکیوں کے حساب اور فرس جیسے مضامین کو زیادہ ترجیح دیتی ہیں۔ ایک ماہر تعلیم (Mallam 1993) نے معلوم کیا کہ نائیجریا میں صرف لڑکیوں کے سکولوں میں لڑکیوں نے حساب کے مضمون کو ترجیحی بنیاد پر پڑھا بہ نسبت وہاں کے مخلوط تعلیمی اداروں میں پڑھنے والی اپنی ہم عمر لڑکیوں کے اور بالخصوص جبکہ اول الذکر سکولوں میں حساب کا مضمون پڑھانے کی ذمہ داری کسی خاتون ٹیچر کی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور ماہر تعلیم (Colley et.al 1993) نے ایسے برطانوی طلباء کا سروے کیا (جن کی عمر ۱۱/۱۲ تا ۱۵ سال تھی اور) جو لڑکے اور لڑکیوں کے علیحدہ سکولوں (یک صنفی سکول) میں پڑھتے تھے۔ اس نے اسی عمر کے ان طلباء کا جو مخلوط تعلیمی ادارے میں پڑھتے تھے، ایک تقابلی جائزہ لیا اور ان سے پوچھا کہ وہ سکولوں میں پڑھائے جانے والے مضامین کو پڑھنے کے لحاظ سے اپنی ترجیح بیان کریں۔ اس تقابلی سروے سے پتہ چلا کہ کم عمر کی لڑکیاں جو یک صنفی سکولوں میں پڑھتی تھیں، انھوں نے ترجیحاً مردانہ مضامین (Masculine subjects) مثلاً حساب اور سائنس کا انتخاب کیا بمقابلہ مخلوط تعلیمی اداروں

میں پڑھنے والی اپنی ہم عمر لڑکیوں کے۔ اسی طرح ایک صنفی سکولوں میں پڑھنے والے لڑکوں نے ایسے مضامین کو زیادہ ترجیح دی جو بالعموم زنانہ مضامین (Feminine subjects) کہلاتے ہیں مثلاً ہوم اکنامکس، میوزک، آرٹس، نفسیات وغیرہ۔

جیسا کہ درج بالا سطور میں واضح کیا گیا کہ جوان لڑکیوں جو ایک صنفی سکولوں میں تعلیم حاصل کرتی ہیں، وہ اپنی کارکردگی کی بنا پر ذاتی سطح پر زیادہ فوائد سے بہرہ مند ہوتی ہیں بہ نسبت ان جوان لڑکوں اور لڑکیوں کے جو مخلوط تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم رہتے ہیں۔ ایک صنفی سکولوں میں زیر تعلیم طالبات درج ذیل فوائد سے بہرہ مند ہوتی ہیں:

(Valeric E and S.B Anthony, 1986)

لڑکیوں کو ملنے والے فوائد:

« اعلیٰ تعلیمی معیار کا حصول

« لڑکیوں کو اس امر سے ایک گونہ مسرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی ترجیحات، اقدار اور

زندگی میں بہتری کی خود ذمہ دار ہیں۔

« تعلیم اور سائنس میں نمایاں اعلیٰ مقام کا حصول۔

« روایتی صنفی کردار کا بہتر طور پر اظہار کرتی ہیں۔

« ایسی لڑکیوں سے دوستانہ تعلقات قائم کرتی ہیں جو نمایاں تعلیمی کارکردگی کا مظاہرہ کرتی

ہیں۔

« سکول میں بہتر تعلیمی کارکردگی کا اظہار کرتی ہیں۔

« سکولوں سے کم غیر حاضر رہتی ہیں اور وہاں ڈسپلن کے مسائل پیدا نہیں کرتیں۔

« سکول کا کام گھر سے باقاعدگی سے کر کے لاتی ہیں اور ٹی وی دیکھنے پر کم سے کم وقت ضائع

کرتی ہیں۔

اس کے برعکس ایک صنفی سکول میں لڑکوں کو درج ذیل فوائد ملتے ہیں: (Anon, 1998)

لڑکوں کو ملنے والے فوائد:

« اپنی ذاتی نشوونما اور بہتری کے لیے زیادہ کوشاں ہونا بغیر ایسے امور کے (Social

(distractions) جن سے ان کی توجہ ہٹ جاتی تھی (اس سے مراد صنف مخالف کی غیر حاضری ہے)۔

« آپس میں گہری دوستی جو اکثر تمام عمر قائم رہتی ہے اور جس کی وجہ سے ایک ہی سکول میں پڑھے ہوئے لڑکے گورنمنٹ اور پیشہ وارانہ زندگی میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔
« تعلیمی و عملی، آرٹسٹک، کھیل اور لیڈر شپ کے میدانوں میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

« دیگر ایسے امور سے نجات جن کی وجہ سے طلباء میں دوسرے معاملات میں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کا جذبہ اور شوق پیدا ہوتا ہے۔
« ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔

اس گفتگو کو ختم کرنے سے پہلے ہم چاہیں گے کہ اسے ایک خاتون ماہر عمرانیات کے تبصرے پر ختم کریں (Patricia Cayosextone 1969)۔ وہ رقمطراز ہے کہ ”(مخلوط تعلیمی اداروں میں) جسم اور دماغ ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل ایک ذہنی رابطے (Rub together) میں رہتے ہیں اور یہ سلسلہ کنڈرگارٹن سے لے کر گریجوی ایشن کی تعلیم کے اختتام تک جاری رہتا ہے۔ اس کے نتیجے کے بارے میں لازمی پیشین گوئی کی جاسکتی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں میں جنسی افعال بہت کم عمر سے ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ ایسے معاشرے جہاں خاندان اپنے بچوں پر کسی قسم کا ڈسپلن قائم نہیں کر سکتے وہاں ناجائز بچوں کی پیدائش ایک لازمی امر ہے۔ کلاس رومز شدید قسم کے جنسی اکھاڑے (Sexual arena) کا منظر پیش کرتے ہیں جہاں لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کو لبھانے کے لیے آرائش و زیبائش کرتے ہیں اور جہاں تعلیم سے کم دلچسپی رکھنے والے لڑکے، تعلیم اور سکول کی کتابوں کو اپنی مردانگی کے خلاف ایک لعنت سمجھنے لگتے ہیں۔“ مزید برآں یہ خاتون رقمطراز ہیں کہ ”سکولوں میں ایسے لڑکے بھی ہوتے ہیں جو بہت حد تک لڑکیوں سے مماثلت (Feminine boy) رکھتے ہیں اور ہر پہلو سے سکول میں فوقیت حاصل کی دھن میں سرگرداں رہتے ہیں۔ کلاس روم میں بہت تابعدار اور معصوم تاہم ان کی جارحیت/شرارتیں دیگر امور میں بہت زیادہ نمایاں ہوتی ہیں۔ وہ کالج کیسپس میں ایک خوفناک

کھڑا کر دیتے ہیں نیز وہ مشیت زنی کی عادت میں بری طرح سے مبتلا ہوتے ہیں اور اس کے بارے میں ہمیشہ سوچتے رہتے ہیں حتیٰ کہ انھیں سکول میں اپنے گریڈ/پوزیشن کی بھی پروا نہیں ہوتی اور عام طور پر اپنی صلاحیتوں کو انفرادی اور اندرونی خرابیوں میں ڈھال کر چال چلن کی بہت سی خرابیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ ہم جنسیت اور تشدد ان کا خاص شغل ہوتا ہے اور منشیات کا استعمال ان کے لیے تسکین کا ذریعہ“!

ان سطور میں دیئے گئے حقائق اور ان پر ایک امریکی خاتون کا بصیرت افروز تبصرہ، اس حقیقت کی جانب ایک بار پھر سے ہماری توجہ مبذول کراتا ہے کہ بے لگام جنسی طاقت، لڑکوں اور لڑکیوں کا سکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر ایک دوسرے کے ساتھ آزادانہ میل جول و بی نتائج ظاہر کرے گا جو امریکہ اور دیگر یورپین ممالک میں ماضی میں ظاہر ہو چکے ہیں اور وہاں کے وگنی زمانہ ناجائز بچوں کی ولادت اور ایڈز جیسے ہلکے امراض کا شکار ہیں۔ ایسے حالات میں ہر سطح پر مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط کے ممکنہ نقصانات کے بارے میں بہت زیادہ دلائل دینے کی شاید مزید ضرورت نہیں۔



جنسی تعلیم: اسلامی تناظر میں

تمام اسلامی ممالک میں لوگ جنسیت کے بارے میں کھلے عام گفتگو کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ اسے ایک ایسا موضوع خیال کیا جاتا ہے جس پر بات چیت ایک امر مانع (Taboo) اور گناہ کا فعل سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس پر بات چیت گھر کی چار دیواری کے اندر ہی کی جاسکتی۔ موجودہ زمانے کے والدین اس موضوع پر اپنے بچوں کے ساتھ گفتگو کو شرم و حیا کے منافی خیال کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ الگ بات ہے کہ بچے اس بارے میں سکولوں میں دی جانے والی تعلیم اور ریڈیو، ٹی وی، انٹرنیٹ سے جو کچھ غلط معلومات حاصل کرتے ہیں، ان پر بھی کسی قسم کی تشویش کا اظہار نہیں کرتے۔ (Anon 2001)۔

مسلم ممالک میں لوگ شادی بیاہ کے لیے اس طریقے کی پیروی کرتے ہیں جس میں والدین یا خاندان کے بڑے؛ لڑکے یا لڑکی کے رشتے کے لیے بات کرتے ہیں (جسے Arranged marriage کہتے ہیں)۔ مغرب میں اس امر پر اظہارِ حیرت کیا جاتا ہے کہ اکثر لڑکے اور لڑکی نے ایک دوسرے کو دیکھا تک بھی نہیں ہوتا۔ لیکن مسلمان ملکوں میں یہ ایک تہذیبی روایت ہے جس کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اگرچہ ہر چیز کے دو مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ اچھا اور برا۔ لیکن ایک عرصے سے، ایسا ہوتا رہا ہے کہ شادی سے ایک دو دن قبل والد اپنے لڑکے کو اور ایک ماں اپنی لڑکی کو اس امر سے آگاہ کرتے تھے کہ شادی کے نتیجے میں انھیں ایک دوسرے کو کس قسم کے تعلقات سے خوش اور مطمئن کرنا ہے اور ان سے کس قسم کے سلوک کی توقع کی جاتی ہے۔

والدین کا جنسی تعلیم کے بارے میں بچوں کے ساتھ گفتگو نہ کرنا، جیسا کہ بتایا گیا، تہذیبی روایات کا نتیجہ ہے جس کا اسلام کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے ماں باپ نے بھی ان

لی پرورش اسی طریق پر کی تھی کہ انھیں جنسی امور پر کسی قسم کی کوئی راہ نمائی نہیں دی گئی تھی اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس موضوع پر بات چیت کرنے میں جھجک محسوس کرتے ہیں۔ (شاہد اطہر ۱۹۹۲)۔ وہ اپنے بچوں کو زندگی کے اس اہم پہلو پر ٹانگ ٹوئیاں مارنے کے لیے تنہا چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ خود اپنے ذرائع (مثلاً لٹریچر، دوست احباب، ٹی وی یا انٹرنیٹ وغیرہ سے معلومات حاصل کر لیں۔ اسلام کے دور اول میں جنسی تعلیم:

پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے میں مسلمان، اپنی زندگی کے تمام معاملات میں ان سے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بہت اعتماد اور بالغ نظری کے ساتھ حضور ﷺ سے سوالات کرتے تھے تاکہ انھیں دینی مسائل کا صحیح فہم حاصل ہو جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک انصاری صحابیہ اسماء بنت یزید ابن اسکان رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے ماہانہ کورسز (حیض Menstruation) کے بعد غسل کا طریقہ پوچھا۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ تم میں سے وہ عورت جو اس مرحلے سے فارغ ہوئی ہو، اسے چاہیے کہ وہ پانی لے کر اپنے آپ کو صاف اور پاک کرے، پھر اپنے جسم پر پانی ڈالے، پھر ایک کپڑے کے ساتھ جسے خوشبو لگائی گئی ہو اپنے جسم کے (مخصوص) حصوں کو صاف کرے۔ اسماءؓ نے پھر پوچھا ”کہ وہ اپنے آپ کو کس طرح صاف کرے؟“ حضور ﷺ نے جواب دیا ”سبحان اللہ! تمام (عورتیں) اپنے آپ کو (جس طرح) صاف کرتی ہیں۔“ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُسے سرگوشی میں کہا ”اپنے جسم کے (مخصوص حصوں) سے خون کے تمام تر آثار کو صاف کیا جائے۔“ اسماء رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے حالت جنابت کی وجہ سے بھی غسل کا طریقہ معلوم کیا۔ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ ”پانی سے اپنے جسم کو اچھی طرح پاک صاف کرو اور پھر تمام جسم کو صاف کرو۔ پھر اپنے سر پر اچھی طرح پانی ڈال کر گھسیا کرو حتیٰ کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے اور پھر تمام جسم پر پانی اندلیو۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر کہا کہ ”انصار کی خواتین کس قدر اچھی ہیں۔ جھجک (غیر ضروری) کی وجہ سے اپنے دین کو سمجھنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتیں۔“ (مشکوٰۃ)

ام سلیم رضی اللہ عنہا بنت ملہن جو کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، نے حضور ﷺ سے

پوچھا ”اے پیغمبر خدا ﷺ، اللہ تعالیٰ صحیح بات کے بتانے میں کوئی جھجک نہیں رکھتا۔ پس آپ ﷺ بتائیے کہ کیا کسی عورت پر بھی غسل واجب ہو جاتا ہے اگر وہ کوئی شہوت انگیز/پراز لذت خواب دیکھے؟“ حضور ﷺ نے فرمایا ”ہاں اگر اُسے کسی قسم کی (رطوبت) محسوس ہو۔“ اس صحابیہ رضی اللہ عنہا نے اپنا منہ شرم سے ڈھانپ لیا اور پھر پوچھا ”یا رسول اللہ ﷺ، کیا عورتوں کو بھی اس قسم کے خواب آتے ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں، تمہارا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو (ایک پیرایہ بیان) اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک بچہ ماں سے کیوں کر مشابہ ہوتا؟“ اسی طرح امام مسلم کی روایت ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا، حضور ﷺ کے پاس آئیں جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور کے ساتھ بیٹھی تھیں اور جب ام سلیم رضی اللہ عنہا نے یہ سوال پوچھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ”ام سلیم رضی اللہ عنہا تم نے تو عورتوں کے راز کو کھول دیا، تمہارا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو“ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا ”عائشہ رضی اللہ عنہا بلکہ تمہارا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو، اور ام سلیم رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ایک عورت کو غسل کرنا چاہیے اگر وہ اس قسم کا خواب دیکھے۔“

دور اول کی عورتیں اس قابل تقلید نسل سے تعلق رکھتی تھیں جو دینی مسائل سمجھنے کے لیے کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں کرتی تھیں۔ وہ ایسے تمام مسائل حضور ﷺ کے گوش گزار کرتی تھیں جن سے انھیں واسطہ پڑتا تھا۔ ایک خاتون ثویبہ رضی اللہ عنہا بنت حارث الاسلمی جو کہ سعد بن خولہ کی بیوی تھیں اور جن کے خاوند حجۃ الوداع کے موقع پر فوت ہو گئے تھے، اس وقت حاملہ تھیں، ان کے شوہر کی وفات کے بعد بچے کی پیدائش ہوئی۔ جب ان کے نفاس (بچے کی پیدائش کے بعد خون رکنے اور تولیدی نظام کے حالت اعتدال میں آنے کا وقت جو بالعموم ۴۰ دن ہوتا ہے) کی مدت ختم ہوئی تو انھیں شادی کے پیغام آنے شروع ہوئے۔ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا ”میں کیوں تمہیں اس بات پر تیار دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں شادی کے پیغامات مل رہے ہیں؟“ خدائی قسم تم ہرگز شادی نہیں کر سکتی جب تک کہ ۴ ماہ اور دس دن کی مدت (عدت جو طلاق یا بیوہ ہونے کی صورت میں گزارنی ہوتی ہے) نہیں گزار لیتی۔“ ثویبہ رضی اللہ عنہا (نے بعد میں بتایا) کہ جب اُس آدمی نے مجھے یہ کہا تو میں نے لباس تبدیل کیا اور شام کے وقت حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئی اور ان سے معلوم کیا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تمہاری عدت کی مدت اس وقت ختم

ہو گئی تھی جب تمہارے بچے کی ولادت ہوئی تھی“ اور کہا کہ میں اگر چاہوں شادی کر سکتی ہوں۔“
 ثویبہ رضی اللہ عنہا نے یہ کوشش کی کہ وہ عدت کے بارے میں شریعت کے احکام کا صحیح علم حاصل
 کریں یہ ایک نہایت قابل تحسین عمل ہے اور ان کا یہ عمل نہ صرف ان کے لیے بلکہ آخرت تک
 آنے والی تمام عورتوں کے لیے ایک نعمت بن گیا۔ اس حدیث کی بنیاد پر فقہ کے چاروں امام یہ
 کہتے ہیں کہ کسی بیوہ کی عورت کی مدت عدت اگر وہ حاملہ ہے تو اس وقت تک ہی ہے جبکہ اس
 کے بچے کی ولادت ہو جائے چاہے یہ خاوند کی وفات کے فوراً بعد ہی کیوں نہ واقع ہو اور اس کی
 لاش کو دفن کے لیے نہلایا بھی نہ گیا ہو۔ ایسی صورت میں عورت کو دوبارہ شادی کرنے کی اجازت
 ہے۔ یہ چند ایسی چیدہ چیدہ مثالیں ہیں جن کا تعلق جنسی تعلیم کے ضمن میں عورتوں کی جنسی زندگی
 سے ہے۔

حضور ﷺ نے انسانی زندگی کے جنسی مسائل جن میں جماع/مباشرت کی مختلف حالتوں
 (Sexual Positions) کے بارے میں بھی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو راہ نمائی دی تھی۔ اگرچہ شرم
 و حیا ایک مسلمان مرد اور عورت کے لیے ایک عمل خیر ہے لیکن دین کے سمجھنے اور سیکھنے میں اسے کسی
 طرح بھی حائل نہیں ہونا چاہیے۔ دورِ اول کے مسلم علماء نے مسلمان مرد و عورت کی راہ نمائی کے
 لیے ایسے قوانین اور احکامات مرتب کیے ہیں کہ وہ شادی کے بعد کی زندگی کو کامیابی کے ساتھ
 گزار سکیں۔ جنسی تعلیم کے موضوع کی اہمیت کے تقاضے کے تحت، مسلمان علما نے شادی کی
 صورت میں جنسی اختلاط کے اصول و ضوابط پر بھی بات چیت کی ہے۔ قرآن کریم نے خود بعد از
 جنسی اختلاط (جماعت/مباشرت) غسل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح عورتوں میں حیض و
 نفاس کے مسائل، حمل اور بچوں کی پرورش و نگہداشت کے بارے میں بھی راہ نمائی دی ہے جس
 کے بارے میں ہم ذیل کے صفحات میں گفتگو کریں گے۔

اسلام نے ۱۴۰۰ سال قبل انسان کی جنسی زندگی کے بارے میں واضح تعلیمات دی ہیں
 تاہم اسلامی نقطہ نظر سے جنسی تعلیم، مغرب کے جنسی تعلیم کے تصورات سے کوسوں دور ہے۔
 جنسی تعلیم کے ان دونوں طریقوں کے درمیان بے انتہا فرق پایا جاتا ہے۔ مغرب نے جنسی تعلیم
 اور جنسی لذت کے حصول کے لیے بہت زیادہ زور دیا ہے جس کا تذکرہ ہم گذشتہ صفحات میں

کر چکے ہیں۔ آئیے اب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں جنسی تعلیم کی چند اہم خصوصیات کیا ہیں۔
اسلام میں جنسی تعلیم کی چند اہم خصوصیات:

انسانی زندگی میں، زندگی کے تمام مراحل بالخصوص بعد از شادی، جنسی اعمال کے بارے میں ایک صحت مندانہ رویہ اور طرز عمل اختیار کرنا بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اسلام نے انسانی زندگی کے اس اہم پہلو کو کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا اور جیسا کہ اشارتاً بتایا گیا کہ ۱۴۰۰ سال قبل اس بارے میں مکمل اور معقول تعلیمات سے نہ صرف اس زمانے کے مسلمانوں کے لیے بلکہ باقیامت تک آنے والے ہر انسان کے لیے ایسی متوازن ہدایات اور راہ نمائی دی ہے کہ اُن پر غور و فکر اور عمل کرنے کے نتیجے میں انسانیت ان تمام مفاسد اور پریشانیوں سے نجات حاصل کر سکتی ہے جن میں مغرب کا انسان آج بری طرح پھنسا ہوا ہے۔

اسلام، انسان کی جنسیت کو اللہ کریم کا ایک عطیہ اور نعمت قرار دیتا ہے جو اس کی زندگی کے لیے امن و چین اور سکون و اطمینان کا ذریعہ ہے۔ اسلام اس کو ”حسنہ“ یعنی ایک بہت بڑی نیکی قرار دیتا ہے (مسلم)۔ اسلام، جنسی زندگی سے تمتع کے لیے ایک باقاعدہ فریم ورک اور لائحہ عمل دیتا ہے جس کے ذریعے وہ اس عطیہ خداوندی سے اپنی زندگی میں لذت و راحت سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ دیگر مذاہب اور فلسفوں کے مغش شدہ خیالات کے برعکس، اسلام جنسی زندگی کی تحقیر و نفی نہیں کرتا اور اُسے صرف ”جسمانی لذت“ (Lust of flesh) تک محدود کر کے اسے گناہ تصور نہیں کرتا جسے دبانے اور ختم کرنے سے ہی روحانی بالیدگی کا حصول ممکن ہو، بلکہ اسلام کی نظر میں، اگر انسان ان ہدایات و قوانین اور طریقہ کار پر عمل کرے جو قرآن و حدیث میں اس کے لیے بتائے گئے ہیں (اور جس پر چلنے کا انسان کو تاریخ میں کم از کم ایک مرتبہ تجربہ ہو چکا ہے) تو اس کی وجہ سے اس کی زندگی جذباتی آسودگی، جسمانی لطف و انبساط اور بچوں کی پیدائش کے ذریعے بنی نوع انسان کی ترقی و فلاح و بہبود سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے عوض میں ”حسنہ“ کا وعدہ خداوندی کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے مسلمانوں کو اپنے آپ کو ان تمام غلط اور روایتی بندھنوں سے آزاد کرانا چاہیے جنہوں نے بالخصوص مسلمانان ہندو پاک کو اپنے جال میں جکڑ لیا ہے اور جن کا تانا بانا ہندو اندرویات و اعمال سے بنا ہوا ہے۔ (M.Tufail 1999)

اس کتاب کے آٹھویں باب میں ہم نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اسلام صرف ان معنوں میں ایک ”مذہب“ نہیں جن معنوں میں یہ لفظ عام طور پر بولا اور سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ ایک نظام حیات، طرز فکر و عمل کا نام ہے۔ اسلام میں انسانی زندگی کو مختلف شعبوں یا حصوں (مثلاً ریاست اور مذہب یا سائنس اور خدا) میں تقسیم نہیں کیا گیا اور پھر ان میں سے ہر ایک جزو کو دوسرے جزو سے علیحدہ کر کے اس کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں بلکہ اسلام میں زندگی ایک اکائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ امر انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کرنے کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ پس انسان کی جنسیت کو شادی بیاہ اور خاندانی نظام سے علیحدہ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔ مزید برآں اسے انسانی زندگی کے دیگر پہلوؤں مثلاً اخلاق، مذہبی عبادات، معاش، سماجی زندگی کے بارے میں دی گئی ہدایات سے بھی علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس کی مثال انسانی جسم کے ایک کل کی ہے جس کے مختلف اعضاء کے صحیح طور پر کام کرنے سے ہی صحت و تندرستی کا قیام عمل میں آسکتا ہے۔ ذیل میں ہم ان چند اہم ترین خصوصیات کا ذکر کریں گے جو اسلام کو دیگر ادیان اور مفکرین کے خیالات سے ممتاز کرتی ہیں۔

- ۴۴ اسلامی تعلیمات میں جنس کو ایک سنجیدہ موضوع کی حیثیت سے دیکھا گیا ہے۔ اسے کلی طور پر ایک ایسا موضوع نہیں گردانا گیا جس کا مقصد محض جنسی لذت کا حصول ہو۔
- ۴۵ اسلام میں اس موضوع پر معلومات، ہر قسم کی عریانی اور فحاشی سے پاک اور مبرا ہیں اور اس موضوع کو زیر بحث لاتے ہوئے تہذیب و اخلاق کے جملہ امور کا خیال رکھا گیا ہے۔
- ۴۶ اسلامی تعلیمات میں جنسیت پر علیحدہ سے صرف حصول لذت کے لیے کوئی انداز گفتگو اور پیرایہ اختیار نہیں کیا گیا بلکہ اسے ہمیشہ انسان کی عائلی زندگی کے پس منظر میں ایک ایسے اعلیٰ و ارفع مقصد کے حصول کے لیے راہ نمائی دی گئی ہے جس سے انسانی زندگی میں پیار، محبت اور سکون و عافیت پیدا ہو تاکہ شادی شدہ جوڑوں کی وجہ سے وہ ایک صحت مند خاندانی نظام کی بنیاد بن سکے۔

- ۴۷ اس نقطہ نظر سے میاں بیوی کے درمیان جنسی افعال کو عبادت کا درجہ دے کر اسے ”حسنہ“ قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ شادی کے دائرے سے باہر ہر قسم کے جنسی تعلقات کو حرام قرار دیا

گیا ہے اور یہ قابل تعزیر جرم بھی ہیں۔ (مسلم)

میاں بیوی کے درمیان جنسی تعلقات کو ایک بہت ہی پرائیویٹ اور ذاتی معاملہ قرار دیا گیا ہے جسے کسی صورت بھی دوسرے افراد کے علم میں لانا ایک بہت بڑی اخلاقی برائی ہے۔
 قرآن کی دیگر تعلیمات کی طرح، جنسیت کے موضوع پر دی گئی ہدایات نیز حضور ﷺ کی احادیث، زمان و مکان کی قید سے آزاد ہیں جن میں کسی قسم کے رد و بدل کا اختیار کسی بھی فرد یا اتھارٹی کو نہیں۔

درج ذیل سطور میں ہم قرآن کی ان تعلیمات کا مطالعہ کریں گے جو قرآن میں تولید و تناسل اور جنسیت کے مختلف پہلوؤں پر دی گئی ہیں۔ قرآن کریم کے بارے میں اول قدم پر ہی یہ جان لینا بہت ضروری ہے کہ انسانیت کو اس کے ہملہ امور زندگی میں راہ نمائی دینے کے لیے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ پر نازل کی گئی تھی۔ انسان کی جنسی زندگی اس سے مستثنیٰ نہیں تاہم اس کے بارے میں یہ گمان کرنا بھی کسی طور مناسب نہیں کہ یہ کسی بھی سائنسی یا ادبی موضوع یا صرف جنسیت پر ہی کوئی کتاب ہے۔ تاہم یہ سوال ذہن میں ضرور آتا ہے کہ آخر کیوں اس مقدس کتاب نے انسان کی جنسی زندگی اور تولید و تناسل کے بارے میں اس قدر راہ نمائی/ معلومات دی ہیں؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن کریم تولید و تناسل کے موضوع پر کوئی کتاب نہیں جیسی کہ کتب انسانوں نے لکھی ہیں۔ تاہم قرآن میں آدم علیہ السلام و حوا کی پیدائش اور یہ کائنات کس طرح وجود میں آئی، سمندروں، پہاڑوں، چاند، سورج کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح قرآن میں انسانی زندگی کے معاشرتی، معاشی، سیاسی اور بہت سے دوسرے پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ قرآن کریم خالصتاً ان مضامین/ موضوعات کے بارے میں لکھی گئی کوئی کتاب ہے۔ قرآن کریم کے نزول کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اسے سائنس یا دیگر مضامین کی طرح بطور نصابی کتاب پڑھایا جائے بلکہ اس کا مقصد انسان کو یہ باور کرانا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس حیثیت سے جانے کہ وہ اس تمام کائنات (اور دیگر بہت سے عالم جن کا انسان کو ابھی تک علم نہیں) کا اکیلا خالق اور مالک ہے۔ اس نے اپنے احکامات اور راہ نمائی کو مختلف انبیاء کی وساطت سے بھیجا جنہوں نے

اپنی اپنی عملی زندگی میں ان تعلیمات پر عمل کر کے ایک مثال قائم کی اور سب سے آخر میں یہ قرآن، حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا جنہوں نے اپنی زندگی میں ایک ایسا نظام قائم کر کے دکھایا جس میں انسانیت کے لیے دین اور دنیا کی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔

قرآن میں تولید و تناسل کے عمل (اور اسی طرح دیگر علوم) کے چند پہلوؤں کی تشریح کی گئی ہے تاکہ انسان کو اپنی تخلیق کے عمل سے آگاہی ہو اور یوں وہ اس امر کا شعور و احساس کرے کہ اسے اپنے خالق کے احکامات کی پیروی کرنی چاہیے۔ یہاں اس امر کی تصریح شاید ضروری ہو کہ تولید و تناسل کے حوالے سے قرآن کریم میں آج سے چودہ (۱۴۰۰) سو سال قبل دی گئی معلومات اور سائنس دانوں کی موجودہ زمانے میں تقریباً ۱۵۰ سال قبل دریافت کردہ معلومات میں حیرت انگیز حد تک مطابقت موجود ہے۔

(Cole and Cupps, 1949; Muazzam, M.G 1962; Abdul Majid Azandani ۱۹۸۳)

انسان کے علمی انکشافات کا یہ سفر صدیوں پر محیط ہے جس کے دوران انسانوں نے بہت سی تھیوریز، تولید و تناسل کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں پیش کیں جن میں Ovist Theory، Theory of Spontaneous Generation، وغیرہ بہت اہم ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی تھیوری تولید و تناسل کے عمل کی مکمل اور تسلی بخش توجیہ پیش نہ کر سکی۔ بالآخر شیلڈن اور شوانہ (Shleiden and Schwana) نامی سائنس دانوں نے ۱۸۳۹ء میں یہ دریافت کیا کہ انسان اور دیگر ذی روح اجسام (پودے وغیرہ) چھوٹے چھوٹے خلیات (Cells) سے بنے ہوئے ہیں جنہیں عمارت کی تعمیر میں استعمال ہونے والی اینٹوں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جسے سائنس دانوں نے (Cell Theory) کا نام دیا۔ ہیپ (Heape) نامی سائنس دان نے ۱۹۰۰ء (آج سے صرف ۱۰۸ سال قبل) میں ممالیہ جانوروں (بشمول انسان) کی مادہ جانوروں میں ماہانہ جنسی تحریک کے ادوار (Estrous cycle) اور عورتوں میں ماہواری کے عمل (Menstruation) کی تشریح و توجیہ کی اور اس کی دریافت کردہ معلومات و اصطلاحات ابھی تک میڈیکل لٹریچر میں استعمال ہو رہی ہے۔ مارشل (Marshall) نے ۱۹۱۰ء میں تولید و تناسل کے افعال پر سب سے پہلی مبسوط کتاب (The Physiology

(of Reproduction) مکمل کی جبکہ قرآن کریم نے ان موضوعات کے بارے میں معلومات

آج سے ۱۴۰۰ سال قبل دی تھیں۔ ❶ (Muhammad Aftab Khan 1990)

درج بالا مختصر تصریحات سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ انسان، کو ان سائنسی حقائق سے ۱۲۰۰ سال تک محروم رکھا گیا جو قرآن کریم میں بیان کیے گئے تھے اور جنہیں مغربی سائنس دانوں نے آج سے صرف ۱۵۰ سال قبل دریافت کیا۔ انسانیت کو مغربی سائنس دانوں اور مذہبی راہ نمائوں کے تعصب کی وجہ سے جو انہیں اسلام اور الہامی کتاب کے ساتھ ساتھ پیغمبر ﷺ انسانیت سے ہے، بلاوجہ محروم رہنا پڑا۔ تاہم مورس بوکاکے (Maurice Bucaille 2000)، ایک فرانسیسی نو مسلم سائنس دان نے اپنی کتاب میں لکھا کہ ”قرآن کریم کی درجنوں آیات میں انسانی تولید و تناسل کے مختلف پہلوؤں پر معلومات دی گئی ہیں۔ اس الہامی کتاب میں بہت درست انداز میں متعدد جگہوں پر بہت ہی علمی اور صحیح طریق پر، تولید و تناسل کے مختلف پہلوؤں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جس کا ایک بیان بھی سائنسی حقائق کے منافی نہیں۔ قرآن کریم میں بیان کردہ حقائق بہت سادہ انداز میں بیان کیے گئے ہیں جو ایک عام آدمی کو بہت آسانی کے ساتھ سمجھ آ جانے والے ہیں۔“

قرآن و حدیث میں جنسی تعلیم:

جنسی تعلیمات سے متعلق بہت ہی واضح اور صحیح صورت میں معلومات حضرت مریم علیہا السلام کے ضمن میں دی گئی ہیں جب ان کے سامنے ایک فرشتہ انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس کی تفصیل سورہ مریم (۱۹: ۲۳ تا ۲۴) میں یوں دی گئی ہے:

﴿فَارْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۖ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِن كُنْتَ تَقِيًّا ۚ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۚ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكْ بَغِيًّا ۚ قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّئْ وَلِنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ ۚ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۚ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۚ﴾

❶ اس موضوع پر مصنف کی کتاب ”قرآن کریم اور علم الجین“ (۱۹۹۰) مطبوعہ ادارہ مطبوعات سلیمانی اردو بازار لاہور کا مطالعہ مفید رہے گا جس میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَلَيْتَنِي مِثْ قَبْلَ هَذَا وَ
كُنْتُ نَسِيًا مَّنْسِيًا فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَا تَحْزَنِينَ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ
تَحْتِكَ سَرِيًّا وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسْقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِيًّا
فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا — ﴿

”اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو (یعنی فرشتے کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہو گیا۔ مریم یکا یک بول اٹھی کہ ”اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں۔“ اس نے کہا ”میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔“ مریم نے کہا ”میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا جب کہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔“ فرشتے نے کہا ”ایسا ہی ہوگا، تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لیے کریں گے کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ کام ہو کر رہنا ہے۔ مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اسی حمل کو لیے ہوئے ایک دور کے مقام پر چلی گئی۔ پھر زچگی کی تکلیف نے اُسے ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگی: ”کاش میں اس سے پہلے ہی مر جاتی اور میرا نام و نشان نہ رہتا۔“ فرشتے نے پانقتی سے اس کو پکار کر کہا غم نہ کر۔ تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے اور تو ذرا اس درخت کے تنے کو ہلا، تیرے اوپر تر و تازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔“

قرآن کریم کی ان آیات کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

﴿ بچے کی پیدائش (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ) عورت اور مرد کے جنسی اختلاط کے ذریعے ہی ممکن ہوتی ہے۔

﴿ عصمت و عفت کا تصور، حضرت مریم علیہا السلام / عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ہی موجود تھا اور عورت کا شادی سے قبل جنسی اختلاط سے پرہیز (Virginity) اسی تصور کی علامت سمجھی

جاتی تھی۔

پیدائش سے قبل بچہ ماں کے رحم میں پرورش پاتا ہے۔

پیدائش سے قبل عورت دروزہ (Labour pains) میں مبتلا ہوتی ہے اور حضرت مریم علیہا السلام کے ہاں بچے کی ولادت طبعی طریق پر ہوئی تھی جس میں انھیں دروزہ کی تکلیف ضرور ہوئی تاہم کسی دایہ کی مدد کی ضرورت نہ پڑی۔

پیدائش اور مابعد، عورت دروزہ کی تکلیف کی وجہ سے کمزوری محسوس کرتی ہے اور اس کا علاج تازہ پانی یعنی چشمے سے نکلنے والے پانی (جس میں نمکیات بہت توازن کے ساتھ موجود ہوتے ہیں) اور تازہ رسیلی کھجوریں کھانے سے کیا گیا جو انرجی یعنی قوت و طاقت کی فراہمی کا ایک بہت آسان اور بہترین ذریعہ ہے۔

ان آیات میں صنف یعنی لڑکی (Gender) کا ذکر ہے۔

آن آیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں بہت ہی حساس نوعیت کے اہم ترین پہلوؤں پر نہایت معتدل اور معقول انداز میں راہ نمائی دی گئی ہے۔ ہر وہ شخص جو قرآن کو بلا تعصب پڑھتا ہے، چاہے وہ بچہ ہو یا بڑا اور بالغ، اسے قرآن میں بیان کردہ معلومات مثلاً تخلیق آدم، بچے کی پیدائش، حالت ماہواری، حمل، بچے کی نشوونما، خاندانی زندگی، جنسی اختلاط کی مختلف حالتیں، بانجھ پن، مادہ منویہ اور اس کا اخراج، مشیت زنی اور اغلام بازی (ہم جنس پرستی) وغیرہ جیسے اہم امور پر راہ نمائی ملتی ہے جس میں کسی قسم کا کوئی لذتیت یا شہوت (Lust) کا معمولی سا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔ ان موضوعات کے بارے میں تفصیلی معلومات جو قرآن کی آیات میں آئی ہیں، ذیل میں درج کی جا رہی ہیں:

(۱) تخلیق آدم:

اللہ کریم کی خلافت کے بارے میں اور تخلیق آدم علیہ السلام کے حوالے سے متعلقہ آیات درج ذیل پہلوؤں پر دی گئی ہیں۔

اللہ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی کے گارے سے کی۔ (سورہ الحج: ۲۲: ۵)

اللہ نے انسان کو ایک روح سے پیدا کیا اور پھر اس میں سے اس کے ساتھی (حضرت حوا علیہا السلام)

کو) پیدا فرمایا اور اس جوڑے کے ملاپ سے لا تعداد عورتوں اور مردوں کو نسل زمین پر پھیلا دیا۔ (سورہ النساء: ۱)

« کائنات میں تمام اشیا (حیوانی، نباتاتی وغیرہ) ازواج (Spouses) کی شکل میں پیدا کی گئی ہیں۔ (سورہ یسین ۳۶: ۳۶)

(۲) خاندانی نظام:

« تمام انبیاء و رسل جو وقتاً فوقتاً کرہ ارض میں مبعوث کیے گئے ان کی بیویاں اور اولاد تھی۔ (سورہ الرعد ۱۳: ۳۸)

(۳) شادی:

« مسلمان مردوں کو مسلمان عورتوں سے شادی کرنے کا حکم دیا گیا بشمول غلام مرد اور لونڈیوں کے۔ (سورہ النور ۲۴: ۳۲)

« مسلمانوں کو بیک وقت چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ مرد تمام بیویوں کے درمیان عدل و انصاف کر سکے۔ (سورہ النساء: ۴: ۴۳)

« مسلمانوں کے لیے ان کی لونڈیوں (جو جنگ میں پکڑی جائیں) سے تمتع کرنا جائز ہے۔ (سورہ الاحزاب ۳۳: ۵۰)

« حدیث کی رو سے بہترین شادی وہ ہوتی ہے جس پر کم سے کم اخراجات آئیں اور جو سادہ طریق پر کی جائے۔ (مشکوٰۃ)

« ولیمہ کی دعوت حضور ﷺ کی سنت ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۲) شادی بیاہ کے ممنوعہ رشتے:

« مسلمانوں کی شادی کسی غیر مسلم عورت سے حرام ہے۔ (سورہ البقرہ ۲: ۲۲۱)۔ اسی طرح رضاعی بہن اور بھائی اور رضاعی ماں سے بھی شادی حرام ہے۔ (سورہ النساء: ۴: ۲۳)۔ نیز خونی رشتوں

سے یعنی محرم افراد بھائی، بہن وغیرہ سے بھی شادی حرام ہے۔ (سورہ النساء: ۴: ۲۲، ۲۳)

(۵) میاں بیوی کے درمیان جنسی تعلقات:

« جنسی تعلقات کی بنا پر میاں بیوی کے درمیان محبت اور مودت و رحمت کے جذبات کا

پردان چڑھنا۔ (سورۃ الروم ۲۱:۳۰)

« میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے بمنزلہ لباس کے ہیں۔ (سورۃ البقرہ ۲:۱۸۷)

« ایک حدیث کے مطابق میاں بیوی کے درمیان جنسی تعلق ایک حسنہ/ نیکی ہے۔ (مسلم)

« اگر کسی مسلمان کی نظر کسی خوبصورت عورت پر پڑ جائے اور اس کے جنسی جذبات کو تحریک

ہو تو اسے چاہیے کہ گھر جا کر اپنی بیوی سے مباشرت کر لے تاکہ وہ کسی غلط کام میں ملوث نہ

ہو سکے۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

« اسلام میں تجرد (Monasticism/Celibacy) کی سخت ممانعت ہے۔

(سورۃ الحدید ۵۷:۲۷)

« حضور ﷺ نے تجرد کی زندگی کو غیر اسلامی قرار دیا اور اس کی بھرپور طریق پر حوصلہ شکنی

کی۔ (بخاری)

درج بالا نہایت مختصر تصریحات سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ شادی شدہ

مرد و عورت کا یہ فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کی جنسی خواہشات کو مذہبی امر سمجھ کر پورا کیا کریں۔ ان

میں سے کسی ایک کو بھی، دوسرے کے اس حق سے کبھر پورا انداز میں لذت اٹھانے سے محروم نہیں کرنا

چاہیے۔ اس ضمن میں بیوی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خاوند کے لیے بناؤ سنگھار کرے تاکہ خاوند

اس کی محبت میں گرفتار ہو۔ اسی طرح اسے چاہیے کہ وہ اپنے خاوند کے بستر پر لیٹنے سے گریز نہ

کرے کہ اس سے اللہ کی ناراضگی لازم آتی ہے (بخاری۔ مسلم)۔ میاں بیوی کے درمیان جنسی

اختلاط کا یہ پہلو، اللہ کریم کی نظر میں اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے

رمضان کی راتوں میں بھی اپنی بیویوں کے ساتھ شب بashi کو جائز قرار دیا۔ (سورۃ البقرہ ۲:۱۸۷)

(۴) ماہواری (Menstruation):

چونکہ یہ ایک ناپاکی کی حالت ہے جس میں ایک عورت، تندرستی کی نسبت حالت مرض کے

زیادہ قریب ہوتی ہے، اس لیے عورتوں کو تکلیف سے بچانے کے لیے شوہروں کو ممانعت کی کئی

ہے کہ وہ اس حالت میں ان کے ساتھ مباشرت کریں۔ (البقرہ ۲:۲۲۲)

(۷) حمل کا قیام:

سورۃ الاعراف (۱۸۹:۷) میں قرآن کریم بتاتا ہے کہ مرد و عورت کے ملاپ سے حمل خنبر

جاتا ہے۔

(۸) عورت کے رحم میں انسان کے بچے کی مختلف حالتیں:

درج بالا مختلف امور کے علاوہ قرآن کریم نے ماں کے رحم میں، قیام حمل سے لے کر پیدائش تک کی مختلف حالتوں کے بارے میں ایسی تصویر کشی کی ہے جو موجودہ انسان کو جدید سائنسی آلات اور بے شمار تجربات کے نتیجے میں حال ہی میں حاصل ہوئیں۔ ان کا ذکر قرآن کی مختلف سورتوں اور آیات (سورہ الحج ۲۲: ۵، سورہ المؤمنون ۲۳: ۱۲، سورہ فاطر ۳۵: ۱۱ اور سورہ الذہر ۶۶: ۲) میں کیا گیا ہے۔

- « بچے کی پیدائش ایک اچھلنے والے مادہ منویہ (Semen) سے ہوتی ہے۔ (الطلاق ۸۶: ۷۵) »
- « بیوی سے مباشرت کے نتیجے میں مرد کا مادہ منویہ ایک محفوظ جگہ میں جا کر عورت کے انڈے سے ملتا ہے جسے بار آور (Conception کہتے ہیں) اور بار آور کے نتیجے میں یہ رحم میں جا کر نکلتا ہے جہاں وہ ۹ ماہ تک تشوینا پاتا رہتا ہے (سورہ المرسلات ۷۷: ۲۰) »
- « رحم میں بچہ تین اقسام کے پردوں میں لپٹا ہوتا ہے۔ (سورہ الزمر ۳۹: ۶) »
- « بچے کی بار آور سے لے کر دودھ چھڑانے کی مکمل مدت ۳۰ ماہ بنتی ہے اور دوران حمل اور وضع حمل کا مرحلہ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ (سورہ الاحقاف ۴۶: ۱۵) »
- « ایک حدیث میں بچے کی پیدائش کے روحانی پہلو کی جانب یوں اشارہ کیا گیا ہے کہ بچے میں روح قرار حمل کے ۱۲۰ دن بعد پھونکی جاتی ہے۔ (بخاری، مسلم) »

(۹) بڑھاپا اور بانجھ پن:

قرآن کریم کا یہ ایک بہت عجیب اعجاز ہے کہ اس نے زمانہ قدیم میں انسان کی تولیدی زندگی کے اس بہت ہی اہم عارضے کی جانب توجہ مبذول کروائی جس کا تعلق بڑھاپے میں بچہ پیدا کرنے کی لاجیت سے محرومی یعنی بانجھ پن سے ہے۔ (سورہ آل عمران ۳: ۳۷ تا ۴۱، سورہ الباقع ۳۹: ۱۵، سورہ الحجر ۱۵: ۱۵۳ اور سورہ مریم ۱۹: ۸ تا ۹)

(۱۰) بچوں کی رضاعت و تربیت:

۱۹ بچوں کو دودھ پلانے کی مدت دو سال تک رکھی گئی ہے اور اس کے متعلق مسائل کے

بارے میں راہ نمائی بھی دی گئی ہے۔ (سورہ البقرہ ۲: ۲۳۳)

« حضور ﷺ نے ایسے ماں باپ کو خوشخبری دی جو تین بیٹیوں کو پالتے اور انھیں تعلیم و تربیت دیتے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

« حدیث میں بچوں کی ۱۰ سال سے زائد عمر ہونے پر لڑکے/ لڑکیوں کو علیحدہ علیحدہ بستر/ چار پائی پر سنانے کا حکم ہے۔ نیز دو بالغ مرد اور عورتوں کو بھی ایک بستر پر اکٹھے بیٹنے کی ممانعت کی۔ (ابوداؤد، الحاکم)

(۱۱) طلاق اور متعلقہ مسائل:

طلاق کے بارے میں تفصیلی ہدایات سورہ البقرہ (۲: ۲۲۶ تا ۲۳۵) سورہ النساء (۴: ۱۲۹) اور سورہ المجادلہ (۲: ۵۸) میں دی گئی ہیں۔

(۱۲) مختلف سماجی و جنسی معاملات:

« پردے کی پابندی اور عورت و مرد کے علیحدہ رہنے کے احکامات (سورہ النور ۲۳: ۳۰ تا ۳۲)

« غضب بصر کے احکامات۔ (سورہ النور ۲۴: ۳۰)

« کسی غیر شخص کے گھر میں داخلے کے لیے طلب اجازت۔ (سورہ النور ۲۴: ۲۷)

« عورت اور مرد کے پوشیدہ اعضاء کی حفاظت۔ (سورہ المؤمنون ۲۳: ۴)

« بچوں کو جب وہ بڑے ہو جائیں اور گھریلو نوکروں کو دن کے تین اوقات میں پرانیویٹ

کروں میں آنے سے قبل اجازت طلب کرنا۔ (سورہ النور ۲۴: ۵۸)

« شرم و حیا کا تصور (سورہ القصص ۲۸: ۲۵)

« عریاں مناظر اور تصاویر دیکھنے پر سزا۔ (سورہ النور ۲۴: ۱۹)

(۱۳) ضبط ولادت/ قتل اولاد اور اسقاط حمل:

« رزق کی کمی کے ڈر سے اولاد کا قتل کرنا جائز نہیں۔ (سورہ الانعام ۶: ۱۵۱)

« قتل اولادنی سخت ممانعت۔ (سورہ التکویر ۸۱: ۸-۹)

« عزل (Coitus Interruptus) کی اجازت/ ممانعت (بخاری۔ مسلم)

(۱۴) جنسی انحرافات (Sexual perversions):

« ہم جنس پرستی کی مخالفت۔ (سورہ الاعراف ۷: ۸۰-۸۱)

« وطی فی الدبر (Anal sex) کی مخالفت (سورہ المؤمنون اور متعدد کتب حدیث: احمد،

ترمذی، ابن ماجہ)

(۱۵) زنا کی حرمت:

« زنا کی مخالفت اور سزا۔ (سورہ النور ۲۴: ۲)

« پاکباز عورتوں پر اہتمام / الزام تراشی کی سزا۔ (سورہ النور ۲۴: ۳-۵)

(۱۶) وراثت:

« مختلف افراد کے لیے مختلف حالتوں میں وراثت کے احکامات۔ (سورہ النساء ۱۴: ۱۱-۱۲)

قرآن و حدیث میں درج بالا امور کی صراحت کے علاوہ یہ بتانا بھی باعث دلچسپی ہوگا کہ مسنف نے اپنی ایک زیر طبع کتاب میں اس موضوع پر قرآن کریم کی تمام ایسی صورتوں اور آیات کا ایک جامع گوشوارہ پیش کیا ہے جس کے تحت مختلف موضوعات کی آیات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے ۶۵ سورتوں میں ۴۰۰ سے زائد آیات میں انسانی جنسیت کے مختلف پہلوؤں پر راہ نمائی دی ہے۔ ان تمام موضوعات کا تعلق عورت و مرد کی جنسیت سے ہے۔ دراصل یہ اسلام کی جنسی تعلیمات کی بنیاد ہیں جنہیں ایک فرد اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں بلوغت کے ساتھ ساتھ بتدریج سمجھ کر ان پر عمل کر سکتا ہے۔ اسلامی لٹریچر میں ان موضوعات پر بہت زیادہ معلومات ملتی ہیں۔ قرآن کریم نے صرف انہی موضوعات تک اپنی راہ نمائی کو محدود نہیں رکھا بلکہ قرآنی تعلیمات کا کینوس / دائرہ بہت وسیع ہے۔ یہ انسانی اخلاق اور سماجی پہلوؤں پر بھی حاوی ہے جن کا تعلق تولید و تناسل کے ساتھ ہے گویا یہ تمام موضوعات اس مضمون کے عملی اور انطباقی مضمرات (Practical implications) ہیں حتیٰ کہ بعض ایسے پہلو بھی ہیں جو ایک عام آدمی کے لیے، بظاہر انسان کی جنسیت سے تعلق نہیں رکھتے لیکن قرآن کریم نے ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً مباشرت کے بعد غسل کا واجب ہونا اور اس کا طریقہ۔ نیز اسلام، انسان کے جنسی جذبات کی تسکین کا بخوبی احساس رکھتے ہوئے اس کی تکمیل اور

حصول کے ایسے مناسب طریقے بتاتا ہے جس کی کوئی نظیر موجودہ مذاہب میں ڈھونڈے نہیں ملتی۔

بچوں کو جنسی اعتبار سے ایک ذمہ دار اور صحت مند و تندرست توانا مرد بنانے کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ انھیں بچپن سے ہی ان امور کی تربیت دی جائے۔ آج سے قریباً ۴/۳ دہائیاں قبل، بچے گھروں، مسجدوں میں قرآن کا ناظرہ پڑھتے تھے اور اپنی فہم کے مطابق مختلف امور سے آگاہی بھی حاصل کرتے تھے۔ عمر میں اضافے کے ساتھ ساتھ انھیں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل ہوتی چلی جاتی تھیں۔ مساجد میں وعظ اور درس و تدریس کے ذریعے، سکولوں میں اساتذہ کی معرفت، جمعہ کے خطبے میں امام مسجد کے ذریعے یا خاندان میں کسی بزرگ سے نماز، قرآن کی تلاوت کا طریقہ، نجاست سے پاکی حاصل کرنے اور بلوغت کی وجہ سے احتلام/ بدخواہی کے نتیجے میں غسل وغیرہ کے بارے میں انھیں ہدایات مل جاتی تھیں۔ اسی طرح لڑکیوں کو بھی ماہواری شروع ہونے پر اس سے متعلقہ معاملات سے عہدہ برآ ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر جنسی اعمال سے بھی کسی نہ کسی حد تک آگاہی ہو جاتی تھی لیکن وجود دور میں دور رس نتائج کی حامل تلاوت قرآن کریم کو اس بنیاد پر ترک کر دیا گیا ہے کہ ”طوطے کی طرح بغیر سمجھے قرآن کی تلاوت کا کیا فائدہ؟“ یہاں اس امر کی صراحت بہت ضروری ہے کہ صدیوں سے مروجہ تلاوت کلام پاک کا یہ طریقہ اپنے اندر افادیت کے بہت سے پہلو رکھتا ہے اگرچہ بچہ اس کے معنی و مفہوم کو نہ بھی سمجھ سکے۔ عمر اور تعلیم میں اضافے کے ساتھ، اگر قرآن کریم کی تلاوت کو جاری رکھا جائے تو توقع کی جاسکتی ہے کہ اسے کبھی نہ کبھی قرآن کو با ترجمہ یا کسی تفسیر کی مدد سے پڑھنے کا بھی شوق ہو جائے۔ برسوں کا تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ بچپن میں قرآن کا ناظرہ پڑھنا دراصل بڑی عمر میں انسان کے لیے ایک ایسی وسیع بنیاد فراہم کر دیتا ہے جس سے وہ نہ صرف قرآن کو سمجھ سکتا ہے بلکہ اس کی تعلیمات پر عمل بھی کر سکتا ہے۔

اس سے اگلا مرحلہ نوجوان اور بالغ بچوں کو مڈل اور ہائی سکولوں کی سطح پر قرآن کا فہم حاصل کرنے کا شوق دلانا ہے۔ اس کے لیے دنیا کی مختلف زبانوں (دنیا کے مختلف ممالک میں بچوں کی مادری زبانوں) میں قرآن کریم کے تراجم میں پائے جاتے ہیں۔ اس طریق پر توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ جنسیت کے موضوع پر پائی جانے والی تعلیمات اور ہدایات سے آگاہ

ہو جائیں۔ نیز اس عمر میں نوجوان نسل میں ایک فطری تجسس اور شوق بھی پایا جاتا ہے کہ وہ مختلف امور کے بارے میں زیادہ اور مکمل معلومات حاصل کریں جس کے لیے وہ نہ صرف کسی بزرگ سے سکول/مسجد میں راہ نمائی حاصل کر سکتے ہیں بلکہ مختلف موضوعات پر موجود اسلامی لٹریچر سے بھی راہ نمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

اسلام میں جنسیت اور اس کے مقاصد کے بارے میں معلومات اور راہ نمائی، اوائل عمر سے بچوں کو ماں باپ بھی دے سکتے ہیں۔ ایک والد کے لیے اپنے لڑکوں اور ماں کے لیے اپنی لڑکیوں سے گفتگو کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو (والدین کے بالکل ان پڑھ ہونے کی صورت میں) تو پھر یہ کام بڑا بھائی اور بہن سرانجام دے سکتے ہیں۔ سکولوں میں ایک مسلمان استاد/استانی بھی اس کام میں ایک اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ تاہم کچھ لڑکوں کا یہ خیال بھی بہت قابل غور ہے کہ ایک مسلمان ڈاکٹر (علیحدہ علیحدہ) لڑکوں اور لڑکیوں کو ان معاملات میں راہ نمائی فراہم کر سکتے ہیں۔ (شاہد اطہر ۱۹۹۲)

تعلیمی امور میں بالعموم اور تعلیم جنسی میں بالخصوص ایک بنیادی حقیقت یہ ہے کہ بچے اپنی پیدائش کے ساتھ ہی برے اور بھلے میں تمیز نہیں کر سکتے۔ انھیں اپنی زندگی میں بھلے اور برے اعمال جاننے اور ان پر عمل کرنے میں راہ نمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب والدین اپنے بچوں سے ان امور پر گفتگو کرتے ہیں تو وہ ساتھ ہی ساتھ ان کے سامنے اپنے عمل سے بھی ان اقدار و روایات کا سبق دیتے جاتے ہیں جن پر وہ خود اپنی زندگی میں عمل پیرا ہوں۔ والدین کو اپنے بچوں میں کھل کر بات کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے تاکہ بچوں کے ذہن میں اگر کوئی سوال ابھرے تو وہ نہایت آسانی کے ساتھ ان سے بات کر سکیں۔ (D' Odyen, F.M 1996)

بچے جو کچھ اپنے والدین کو زندگی میں کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اسی کے مطابق وہ اپنی عملی زندگی میں جنسی رویے اور طرز عمل کی تشکیل کرتے ہیں۔ جنسیت کے بارے میں ایک معتدل اور صحت مند رویہ اپنانے کے بارے میں باہمی گفتگو اگرچہ ایک موثر ذریعہ ہے تاہم ”زبانی نصیحت بہت آسان ہوتی ہے۔“ اگر ان کے والدین اپنی عملی زندگی میں ان خیالات کی عملی تصویر اپنے بچوں کے سامنے پیش کرنے سے قاصر ہوں تو خالی خولی باتوں سے بچے کوئی اثر قبول نہیں

کرتے۔ بچے، عملی زندگی (ماڈل) کی نقل کرتے ہیں نہ کہ ان الفاظ کی جو منہ سے نکلتے ہیں اور بچوں کے لیے سب سے بڑا ماڈل ان کے والدین ہوتے ہیں۔ اگر ماں باپ ایک دوسرے کے ساتھ صحت مند اور خوشگوار تعلقات رکھتے ہیں تو بچے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور اگر ماں باپ کی زندگی تشدد سے بھری ہوئی ہے تو وہ اس کی نقل کرتے ہیں۔ اگر ماں باپ ایک دوسرے کے ساتھ پیار محبت سے رہتے ہیں تو پھر بچوں میں محبت و شفقت کی عادت پروان چڑھتی ہے جو ان کی مستقبل کی زندگی میں بھی جاری رہتی ہے کیونکہ وہ اس قسم کے محبت بھرے سلوک کے عادی ہوتے ہیں تاہم اگر بچے اپنے ماں باپ میں پیار محبت نہیں دیکھتے تو پھر بڑے ہونے پر ان کے تعلقات بھی شفقت و محبت سے عاری ہوتے ہیں۔

بچوں کے لیے وضع کیا جانے والا نصاب تعلیم، ان کی عمر اور جسمانی و دماغی نشوونما کے مطابق ہونا چاہیے تاہم لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ علیحدہ کلاسز کا اجرا ضروری ہے۔ اس ضمن میں عمر اور جسمانی/ دماغی نشوونما کے مطابق نصاب تعلیم کا خاکہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

(Shibaeva, A.N, 1979; Verma Paster, 2000; Palm-Bushnel, and L.Lucas, ۲۰۰۱)

اس جگہ یہ اعتبار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر درج ذیل معلومات کا تعلق زیادہ تر مغربی سوسائٹی کی جانب لگتا ہے لیکن اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ بچے، مغرب کے رہنے والے ہوں یا مشرق کے، وہ سب معصوم اور سادہ ہوتے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات بھی ایک جیسے ہوتے ہیں البتہ مشرق میں یہ فرق ضرور ہے کہ یہاں اس قسم کے موضوعات پر کوئی باقاعدہ تحقیقی کام سرانجام نہیں دیا گیا۔

بچوں کی عمر کے لحاظ سے جنسی تعلیم کا خاکہ

(۱) پیدائش سے دو سال تک:

بچوں کو اس عمر میں احساس ہو جاتا ہے کہ ان کے جسمانی اعضاء بالخصوص جنسی اعضاء کو چھونے سے وہ خوش ہوتے ہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو انھیں منع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، اگر ماں باپ انھیں ایسا کرنے سے روکیں گے تو وہ بہر حال ایسا ضرور کریں گے لیکن چھپ کر۔ بچوں

کے سکول جانے سے پہلے انھیں گھر پر جسمانی صفائی اور دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔

(۲) ۳ تا ۵ سال کی عمر:

تین سال کی عمر تک بچے یہ جان لیتے ہیں کہ وہ لڑکا ہیں یا لڑکی؟ اور ان دونوں کے جسمانی اعضاء کا فرق بھی وہ سمجھ جاتے ہیں۔ وہ اس قسم کے سوالات کہ ”میں کہاں سے آیا تھا؟“ پوچھنے لگتے ہیں۔ اس ضمن میں ضروری ہے کہ بچوں کو ان کے سوالات کے مختصر جوابات اس طرح دینے چاہئیں کہ وہ سمجھ سکیں۔ اس طرح کے سوالات کا یوں جواب دے کر انھیں مطمئن کیا جاسکتا ہے کہ ”میں نے تمہیں ایک میٹرنی ہسپتال میں جنم دیا تھا“ یا تم میرے پیٹ میں پلے تھے“ تاہم جوابات دینے میں کسی قسم کی غلط بات کہنے سے گریز کرنا چاہیے اور انھیں ہرگز یہ نہیں کہنا چاہیے کہ تمہیں گوبھی کے کھیت سے لائے تھے یا تمہیں بگلا بھگت پرندہ دے گیا ہے! یا تمہیں ہم بازار سے خرید کر لائے تھے۔ والدین یا بڑوں کی گھبراہٹ یا سوالات کا جواب دینے سے گریز یا جھوٹ بولنے کا پول جلد ہی کھل جاتا ہے جس کی وجہ سے بچے کے دل میں بد اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے اور راز دارانہ امور جاننے کے بارے میں اس کی دلچسپی زیادہ بڑھ جاتی ہے اور وہ اس بات پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنے سوالات کا جواب کسی طرح اپنے طور پر معلوم کرے۔ سورہ الاحقاف (۱۵:۳۶) کی یہ آیت اس کے اس سوال کا ”کہ وہ کہاں سے آیا ہے؟“ کا تسلی بخش جواب فراہم کرتی ہے جسے ماں باپ اپنے انداز میں اسے بتا سکتے ہیں۔

”اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اُسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا۔“

(۳) ۵ سے ۷ سال کی عمر:

اس عمر میں بچے اپنی صنف/جنس (لڑکا/لڑکی) کے بارے میں آگاہ ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے بچوں نے مختلف الفاظ مثلاً ایڈز، جبری زنا، بچوں سے ناروا سلوک وغیرہ سن لیے ہوتے ہیں جس پر انھیں حیرت اور تعجب ہوتا ہے لیکن اپنی فطری شرم و حیا کی بنا پر وہ کسی سے ان کے بارے میں پوچھنے سے گریز کرتے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ موقع ملنے پر ان سے سادہ انداز میں ان کے امور بارے میں بات کر لی جائے۔ ٹیلی ویژن اور اخبارات

میں سرخیاں ایسے موضوعات پر بات کرنے کے لیے راہ ہموار کر دیتی ہیں۔ اس عمر میں اکثر بچے اپنے جنسی اعضاء کو چھونے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔

(۸) ۱۲ تا ۱۸ سال کی عمر (۲۰ سال سے قبل (Pre-teens):

عمر کا یہ دور جنسی تعلیم کے لحاظ سے بلوغت کے برابر ہوتا ہے۔ اس دور میں بچوں کو کسی قسم کا صحت کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہوتا تاہم بچے اس عمر میں چڑچڑے، غیر حاضر دماغ اور جلد ہی تھکاوٹ کا اظہار کرنے والے ہوتے ہیں۔ والدین کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ بچوں کو ان کی جسمانی نشوونما کے بارے میں آگاہ کریں۔ صحت و صفائی کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی پابندی کرائیں۔ والدہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ لڑکیوں کو ماہواری کورسز کے بارے میں آگاہ کریں اور اس دور میں ذاتی صفائی/پاکی حاصل کرنے کے طریقوں سے آگاہ کریں۔ نیز انھیں یہ بتائیں کہ وہ اپنی ماہواری کی تاریخوں کا کیلنڈر (کسی کاپی میں لکھ کر) بنائیں۔ اس دوران مناسب کپڑوں کا استعمال اور اپنی خوراک کو متوازن رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح لڑکوں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ اس عمر میں احتلام (Nocturnal emission) ہو جاتا ہے جو کہ ایک نارمل عمل ہے اور یہ کہ اپنی صحت و صفائی کے اصولوں کی پابندی کرنی ضروری ہے نیز احتلام کی صورت میں نہانے کے طریقے سے بھی آگاہ کرنا چاہیے۔ اس عمر میں مشیت زنی کی بری عادت سے بچنے کے لیے حکمت عملی اور احتیاط کے ساتھ انھیں ہدایت دی جائے کیونکہ اس عمر میں لڑکے بہت زیادہ اس عادت میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انھیں کھیل کود بالخصوص پیراکی کی جانب راغب کیا جائے، ایسے پر مشقت کام کرنے سے وہ تھکاوٹ کی وجہ سے اس بری عادت سے محفوظ رہتے ہیں۔

اس عمر میں جنسی تعلیم کا یہ مقصد ہونا چاہیے کہ جن لڑکوں نے سکولوں کا فائنل گریڈ ختم کر لیا ہو یا وہ بالغ لڑکے جنھوں نے سکول کی تعلیم ختم کر لی ہو، انھیں صنف مخالف کے ساتھ تعلقات کی نزاکت کا احساس دلانا چاہیے اور انھیں مربوط انداز میں اس سے متعلق اصلاحی، اخلاقی، سماجی اور صحت و تندرستی کے مسائل سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ انھیں طہارت و پاکیزگی کے اسلامی اصولوں سے بھی آگاہ کرنا ضروری ہے۔ اس ضمن میں انھیں مختلف امراض

بالخصوص ایڈز کی روک تھام کے طریقوں سے بھی روشناس کرنا چاہیے۔

لڑکے اور لڑکیوں کو واضح انداز میں اسلام کی اخلاقی، سماجی، تعلیمی اور خاندانی زندگی نیز شادی بیاہ کے متعلق بھی آگاہ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ان کے ذہنوں میں پائے جانے والے شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔ (پانچواں باب)

یہ ایک حقیقت ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں اپنی جوانی کے اس دور میں آئیڈیلزم، (Idealism) کا شکار ہوتے ہیں۔ ایک نوجوان لڑکی اس امر کی خواہاں ہوتی ہے کہ وہ اپنے قرب میں رہنے والے لڑکوں (کلاس فیوز) کی توجہ کا مرکز بن جائے اور اس مقصد کے لیے وہ اپنے کپڑوں اور بناؤ سنگھار کا خاص اہتمام کرتی ہے۔ اس دور میں لڑکے اپنی مردانگی اور بلوغت کے زعم میں سکریٹ پینا شروع کر دیتے ہیں (اور مغربی ممالک میں شراب بھی) اور لڑکیوں کی جانب توجہ کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ صنف مخالف سے جھجک اور شرم کی وجہ سے وہ اپنے سے بڑی عمر کے لڑکوں کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ اپنے والدین اور اساتذہ کی نصیحت کو اپنے رویے کے بارے میں قبول کرتے ہیں لیکن اگر یہ حکم کی صورت میں دیا جائے تو وہ اس کی کھلے یا خفیہ مخالفت کرتے ہیں۔

عمر کے اس حصے میں وہ فطرت کی رعنائیوں اور آرٹ وغیرہ میں دلچسپی لینی شروع کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے بہت حد تک ہمدردانہ اور عزت و احترام کے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ اسلامی اصولوں پر مبنی جنسی تعلیم کا خاکہ:

ذیل کی سطور میں ہم اسلامی اصولوں پر مبنی جنسی تعلیم کا ایک خاکہ پیش کر رہے ہیں (شاہد اطہر، ۱۹۹۲)۔ یہ امر حوصلہ افزا ہے کہ حالیہ دور میں متعدد سکالرز اور اداروں نے جنسی تعلیم کو اسلامی تناظر میں پیش کرنے کی کوششیں کی ہیں۔

(D.Oyen, FM, 1996; Iqra Trust 1997; Sarwar, G, 1996; Michael. J. Reiss and S. Abdul Mabud, ۱۹۹۸)

یہ توقع کی جاتی ہے کہ مناسب جنسی تعلیم ایک اچھا اقدام ہوگا اور یہ تعلیم حالیہ دور میں سوسائٹی میں پائے جانے والی دوئی / تناقض کو دور کرنے میں مددگار ہوگی۔ اس امر کی توقع بھی ہے کہ اس کی مدد سے نوجوان مسلمانوں میں جنسی زندگی کے بارے میں ایک معتدل رویہ پیدا

ہوگا (M. Tufail ۱۹۹۹)۔ حسن، ہنوا (۲۰۰۰) رقمطراز ہیں کہ مسلمان بچوں کو ان کی عمر کا خیال کرتے ہوئے جنسی تعلیم کے بارے میں معلومات دینی چاہئیں جس طرح وہ بڑے ہوتے ہیں اور یہ فریضہ سکول اور خاندان دونوں کو ادا کرنا چاہیے۔ اس فریضے کی ادائیگی اسلامی تعلیمات اور نظریے کے عین مطابق کی جانی چاہیے تاکہ بچے نہ صرف اپنی فطری جسمانی تبدیلیوں کے بارے میں آگاہ ہو جائیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انھیں جنسی تعلقات کی حرمت سے بھی بخوبی واقفیت ہو جائے جو اسلام مہیا کرتا ہے۔ ایک دفعہ اسلامی ذہن بن جانے کی صورت میں اس امر کی قطعاً ضرورت نہیں کہ بچوں کو جنسی تعلیم سے بے بہرہ رکھا جائے بلکہ اس امر کی ضرورت اور بڑھ جاتی ہے کہ انھیں صحیح اور مستند معلومات بہم پہنچائی جائیں بہ نسبت اس کے کہ انھیں کسی ایسے موقع سے دوچار ہونے کے لیے تباہ چھوڑ دیا جائے جس کے نتیجے میں وہ کسی غلط ذلیع (ٹی وی، انٹرنیٹ) سے کوئی غلط معلومات اخذ کریں اور یوں اس کے نتیجے میں ہونے والے احساس جرم کا شکار ہو جائیں۔ اسلامی تصور پر مبنی جنسی تعلیم کے وسیع البیاد خاکے کا مطالعہ کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ایک تفصیلی نصاب کی تیاری، بچوں کی عمریز ذہنی و نفسیاتی نشوونما کا خیال کرتے ہوئے، شعبہ تعلیم کے ماہرین نصابیات (Pedagogy Experts) کی ذمہ داری ہے جس میں وہ اسلامی فکر رکھنے والے اہل علم سے راہ نمائی بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس خاکے کے خدوخال یہ ہونے چاہئیں:

(۱) جنسی نشوونما:

اس میں جسمانی و جنسی نشوونما، بلوغت اور لڑکے لڑکیوں میں بلوغت کے دور میں ہونے والی تبدیلیوں نیز اس دوران بدبابتی رجحانات اور بلوغت کے سماجی پہلو پر معلومات شامل ہونی چاہئیں۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۴۴ تولیدی و جنسی اعضاء کی تشریح (اناٹومی) اور افعال (فزیالوجی) کے بارے میں معلومات کی فراہمی، لڑکوں لڑکیوں کے لیے علیحدہ علیحدہ کلاسز کی شکل میں۔

(الف) لڑکیاں:

تولیدی و جنسی اعضاء کی تشریح، ان کے افعال اور بلوغت کے نتیجے میں شروع ہونے

والے ماہواری کے نظام کا تعارف اور اس کی تشریح۔ لڑکیوں کو ان امور کی تشریح و تربیت سکول میں خواتین ڈاکٹرز یا اساتذہ کی معرفت دینی چاہیے اور پہلی مرتبہ ماہواری کے آغاز پر یہ ضرور بتایا جائے کہ انھیں کیا احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں (پیڈ وغیرہ رکھنا)۔ اس ضمن میں یہ بھی ضروری ہے کہ انھیں دیگر اسلامی تعلیمات از قسم طہارت، غسل، ذاتی ہائی جین، روزانہ عبادات اور جنسی اختلاط کے بارے میں بھی ہدایات دینی چاہئیں اگر وہ شادی شدہ ہوں۔

(ب) لڑکے:

لڑکوں کو بھی ان کے جنسی و تولیدی اعضاء کی نشوونما اور افعال کی تعلیم نیز بلوغت پر جنسی خواہش، احتلام وغیرہ کے بارے میں آگہی اور احتلام نیز شادی شدہ ہونے کی صورت میں مباشرت کے بعد غسل کا وجوب اور اس کا طریقہ بتانے کی ضرورت ہے۔

(۲) قرار حمل:

لڑکیوں کو رحم مادر میں بچے کی نشوونما اور وضع حمل کے نتیجے میں بچے کی پیدائش کے ذکر کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی متعلقہ سورتیں (سورہ نور، النساء اور الاحزاب) کا مطالعہ کرانا چاہیے تاکہ وہ ان میں بیان کردہ تعلیمات سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

(۳) جنسی امراض:

جنسی امراض کی روک تھام بالخصوص ایڈز سے بچنے کے لیے عصمت و عفت کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے اور شادی سے قبل ہر قسم کے جنسی افعال میں ملوث ہونے سے منع کرنا بھی ضروری ہے۔

(۴) سوشل امور:

جنسی امور کے سوشل، اخلاقی اور مذہبی پہلوؤں کے بارے میں معلومات کی فراہمی جس میں لڑکیوں کے لیے پردے کی پابندی، شادی بیاہ کی صورت میں میاں بیوی کے حقوق و فرائض سے آگہی۔ دونوں صنفوں میں عصمت و عفت، شرم و حیا اور غرض بصر کی ہدایت۔

اس ضمن میں دوستوں اور ہم عمروں کے اصرار (Peer pressure) کی وجہ سے مشیت زنی، ہم جنسیت اور شادی سے قبل/ بعد زنا کی کی ممانعت اور اسی کی شرعی سزاؤں کی تعلیم

نیز تقابلی مطالعے کے ذریعے مغرب میں ہونے والی خرابیوں کے حوالے سے انھیں ان خطرات و نقصانات سے آگاہ کرنا۔

(۵) رول ماڈل:

نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے لیے سیرت طیبہ، امہات المؤمنینؓ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت و سوانح کا مطالعہ۔

(۶) فیملی پلاننگ:

برتھ کنٹرول نیز انسقاط حمل کے نتیجے میں مغرب میں ہونے والے نقصانات کا جائزہ۔
(۷) صنفی مساوات:

صنفی مساوات (Gender Equality) پر معلومات کی فراہمی اور ان حقوق و مراعات کا بالخصوص ذکر جو اسلام نے عورت کو عطا کیے ہیں اگرچہ امتدادِ زمانہ کے سبب ہندو کلچر کی وجہ سے موجودہ مسلمان عورت ان سے محروم کر دی گئی ہے۔ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے لڑکوں اور لڑکیوں کو ان تمام ذمہ داریوں اور اور حقوق کی ادائیگی کا احساس دلانا۔
(۸) طلاق و خلع:

طلاق و خلع کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل معلومات کی فراہمی بالخصوص طلاق کا صحیح طریقہ اور اس کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو۔
(۹) وراثت:

وراثت کے موضوع پر اسلامی تعلیمات کی وضاحت تاکہ معاشرے سے کاروباری، قرآن سے شادی اور اس قسم کے خلاف شریعت رسوم کا قلع قمع ہو سکے۔

(۱۰) قبل از شادی تربیت (Pre-marital counselling):

شادی سے قبل نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو علیحدہ کلاسز کے ذریعے تربیت دینا بہت ضروری ہے۔ انھیں بتایا جانا چاہیے کہ شادی کے بعد کیا مسائل پیش آ سکتے ہیں اور ان سے عہدہ برداری ہونے کا کیا طریقہ ہے نیز اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ انھیں جنسیت کے بارے میں بھی مطلوبہ معلومات دی جائیں۔ کیونکہ نوجوان طبقے میں اس کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں اور

مغلطے پائے جاتے ہیں۔ (پانچواں باب) اس قسم کی غلط فہمیاں اور مغلطے نہ صرف مشرق بلکہ مغرب میں بھی پائے جاتے ہیں جہاں جنسی تعلیم ایک عرصہ سے دی جا رہی ہے۔ ترقی پذیر ممالک کے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں میں اس کی ضرورت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے جہاں اس قسم کی کسی تعلیم کا بندوبست نہیں۔

(۱۱) بعد از شادی تربیت (Post-marital counselling):

شادی شدہ نوجوان جوڑوں کو، شادی کے بعد خاندان کے دیگر افراد بالخصوص ایک گھر میں رہنے والے افراد کے ساتھ خوشگوار، پائیدار اور محبت و ہمدردی کے ساتھ رہنے کے بارے میں تربیت دینے کی بہت ضرورت ہے۔ معاشرے میں ساس بیوی کے جھگڑوں اور اس کے نتیجے میں ہونے والے مسائل یعنی طلاق، ناچاقی کا روز افزوں اضافہ اس امر کا متقاضی ہے کہ نوجوان جوڑوں کو اس کے اسباب و علل اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے عملی طریقوں سے آگاہ کیا جائے۔ اس ضمن میں اگرچہ بنیادی ذمہ داری مذہبی راہنماؤں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے خطبات میں عوام الناس کو ان مسائل کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کریں جس میں خاندان اور اس کے اہل خانہ کو جو ایک لڑکی کو بیاہ کر لائے ہیں، کے حقوق اور ذمہ داریوں کا احساس دلایا جائے تاکہ نوبیاہتا لڑکی جو اسی خاندان سے تعلق رکھتی ہے یا کسی غیر خاندان سے (بہر حال اس ماحول میں بالکل نئی اور تنہا ہوتی ہے) اسے نئے ماحول میں کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہ ہو اور وہ اپنے آپ کو بہ آسانی اس ماحول میں ڈھال سکے۔ اس ضمن میں مزید بحث اس کتاب کے چوتھے باب میں کی گئی ہے۔

غیر ممالک میں مسلمان والدین کو اپنی اولاد کو جنسی تعلیم دینے میں درپیش مسائل:

مغربی ممالک اور امریکہ میں مسلمان والدین کو اپنے بچوں کو جنسی تعلیم دینے میں بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جہاں ان کی اولاد، مغربی تہذیب اور تعلیم کے نتیجے میں اور وہاں کے ماحول کی وجہ سے باغی ہو جاتی ہے۔ اکثر بچے گھروں سے نکل جاتے ہیں۔ ماں باپ کی پروا کیے بغیر اپنی مرضی سے ہر وہ کام کرنا شروع کر دیتے ہیں جو ان کی سمجھ میں آئے۔ ظاہر ہے کہ اس چیز کا والدین اور دیگر افراد خانہ پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ مزید برآں یہ صورت اس وقت زیادہ

سنجیدہ شکل اختیار کر لیتی ہے جب کہ وہ بچہ لڑکی ہو۔ امریکہ اور یورپ کے غیر اخلاقی معاشرے میں رہنے کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہاں پر مسلمانوں کی اولاد مغربی تہذیب کی چمک دمک سے متاثر ہو جاتی ہے۔ ان ممالک میں زنا ایک عام چلن ہے جس سے مسلمان خاندان کے لڑکے/لڑکیاں بھی نہیں بچ پاتے۔ اگرچہ مسلمان والدین کی ایک بڑی تعداد اپنی اولاد کو اس قسم کے افعال سے اجتناب کی تلقین کرتی رہتی ہے تاہم اس قسم کے مواقع پیدا ہوتے رہتے ہیں جہاں لڑکے/لڑکیاں، تمام پابندیوں کو توڑتے ہوئے گھروں کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ (Amatullah

(Islam 1999)

امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں مسلمان لڑکے/لڑکیاں جب کالج اور یونیورسٹی میں جاتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو آزاد محسوس کرتے ہیں، ماں باپ کی نظروں سے آزاد، اور اس قسم کی دیگر تمام پابندیوں سے بھی آزاد جو خاندان کی جانب سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔ وہاں وہ بہت عجیب قسم کی حرکات کرتے ہیں اور بعض اوقات ایسے کام بھی کرتے ہیں جو ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔ وہ نماز نہیں پڑھتے، لڑکیوں کے ساتھ معاشرت (Dating) لڑاتے ہیں اگرچہ اس کے ساتھ ساتھ وہ مذہبی اجتماعات میں شرکت بھی کرتے ہیں لیکن مخلوط پنک پارٹیوں میں بھی شرکت کرتے رہتے ہیں اور وہاں شراب بھی پی لیتے ہیں (Huma Ahmad 1999)۔ اس قسم کے حالات دیگر مسلم ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں (اگرچہ کسی حد تک کم درجے میں) جہاں ”امراء اور نودولیتوں“ کی اولاد اس قسم کے تمام عیاشی کے کاموں میں ملوث ہوتی ہے جو مغربی ممالک یا امریکہ کے نوجوان طبقے کا عام شغل ہے۔

۵۔ ایک دوسری سے متصادم اس قسم کی تمام حرکات کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یونیورسٹی میں جا کر وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اب تک جو باتیں وہ بطور عقیدہ مانتے تھے اور جن پر کسی حد تک ان کا عمل بھی رہا، ان کا تعلق اس ”اندھی عقیدت“ سے تھا جو خاندان کی وجہ سے انھیں ملی تھی۔ چونکہ وہ ایک مسلمان والدین کی اولاد تھے، اس لیے وہ کسی عقلی دلیل یا شعوری طور پر تسلیم کیے بغیر، ان عقائد اور عبادات کو بطور ایک رسم کے ادا کرتے رہے تھے۔ بڑے ہونے پر مذہب ان کے لیے ایک پرانی کہانی کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ کالج/یونیورسٹی کے پرازلت اور

شہوانی ماحول میں جبکہ انھیں اسلام کی تعلیمات سے بھی کوئی آگہی نہیں ہوتی، وہ کسی ایسے عقیدے پر کیوں عمل پیرا ہوں جس کو ان کی عقل نہیں مانتی۔ ان کے نزدیک اسلامی روایات و اقدار کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ کسی ایسی لڑکی سے شادی کرنے پر مجبور ہوں جسے انھوں نے دیکھا تک بھی نہ ہو یا جس سے وہ کبھی معاشرت (Dating) بھی نہ کر سکے ہوں۔ ماں باپ کی طے کردہ شادیاں ان کے نزدیک اس قسم کی ہوتی ہیں جن میں نوجوانوں کے لیے کوئی دلچسپی (Fun) نہیں ہوتی۔ ان ممالک میں لڑکیاں اپنے آپ کو بہت زیادہ مجبور محسوس کرتی ہیں کیونکہ گھریلو ماحول اور مذہبی رسم و رواج کی پابندی کے ساتھ اس ماحول میں ان کے لیے کسی قسم کی کوئی دلچسپی کے مواقع نہیں ہوتے۔ اُس کے برعکس، مغربی کلچر اور ماحول میں بہت زیادہ دلچسپیوں کے مواقع حاصل ہو سکتے ہیں، عشق و محبت (Dating) اور رومانیت کی فضا، وہاں ہر طرف موجود ہوتی ہے جس سے ہر شخص بلا کسی رکاوٹ کے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ کالجوں میں ایک دوسرے کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کرنے (Socialization) کے لیے شراب نوشی ایک عام ذریعہ سمجھی جاتی ہے جس سے وہ طے جلنے اور عیش و عشرت کے مزید مواقع حاصل کرتے ہیں۔ اس ماحول میں اگر کوئی شخص شراب نہیں پیتا یا کسی مخلوط پارٹی میں شرکت نہیں کرتا تو ایسے لڑکے/لڑکی کو دقیا نویسی (Weird) خیال کیا جاتا ہے۔

مغربی کالجوں/یونیورسٹیوں میں، زندگی میں کامیابی کا تصور، مذہبی عقائد اور اقدار کی بنیاد پر نہیں پایا جاتا بلکہ اس کے برعکس یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کے ہمجہ (Peers) کیا کہتے ہیں، اپنے مستقبل کے بارے میں وہ کیا سوچتے ہیں اور اپنے کیریئر میں وہ کس قدر دولت حاصل کر سکتے ہیں۔ زندگی میں عیش و عشرت کے ساتھ زندہ رہنے کا تصور اس قدر خوش گوار ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی کے پاس اس قدر مہلت یا وقت نہیں ہوتا کہ وہ غلط یا صحیح کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکے! مسلمان نوجوانوں کے لیے جو غیر مسلم معاشرے میں رہتے ہیں، اپنے دوسرے ہم جولی لڑکے/لڑکیوں کی طرح زندگی گزارنے اور ان کی طرح رہنے سہنے کا دباؤ اور خواہش بہت شدید ہوتی ہے۔ سکولوں میں ناچ گانا، سینئر پرم (Senior prom) (سکول کی تعلیم کے خاتمے پر کسی رات کو لڑکے/لڑکیوں کا اکٹھے رہنا جس میں شراب نوشی اور جنسی افعال

کے تمام مراحل سرانجام دیئے جاتے ہیں) مخلوط تعلیمی ادارے، ہفتے کے آخر میں لڑکوں/لڑکیوں کے اسٹمٹے/فلم/تھیٹر/ڈرامہ دیکھنے سے نہ صرف دونوں صنفوں کے لیے اکٹھے رہنے کے بہترین مواقع مل جاتے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر دیگر غیر اخلاقی حرکات میں شمولیت بہت آسان ہو جاتی ہے۔ نوجوانوں کے لیے اس قسم کی تقریبات میں شریک ہونے کی متعدد وجوہات ہوتی ہیں جو بالآخر ناجائز جنسی اختلاط (زنا) پر منتج ہوتی ہیں۔ ان وجوہات میں اہم ترین دوستوں/ہم جولیوں کا اصرار ہوتا ہے۔ چونکہ وہاں ہر شخص ایسا کرتا ہے، اس لیے مسلمان نوجوان لڑکے/لڑکیوں کے لیے بھی شاید اس میں عدم شرکت سے اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں میں گرا دینا ممکن نہیں ہوتا۔

درج بالا اہم ترین حقائق کے علاوہ، یہ بھی ایک اہم پہلو ہے کہ مغربی ممالک میں مسلمان والدین (دونوں) کسی قسم کی ملازمت میں ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچوں کو وہ محبت اور شفقت جو ماں کے گھر پر فارغ رہنے کی صورت میں اور باپ کے دفتری کام کاج کے اوقات کے بعد ملتی ہے، نہیں ملتی۔ اس پیار محبت کے فقدان کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچے اس کی تلاش میں کسی اور جگہ سرگرداں ہو کر کسی اور سے محبت اور چاہت کا رشتہ استوار کر لیتے ہیں۔

(Shahid Athar 1992, Barbara Dafoe White head, 1994)

اگر والدین اپنے گھروں میں محبت و شفقت سے بھرپور اور پائیدار ماحول میں اپنے بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے اپنے تعلقات استوار کر سکیں تو پھر ان کے راہ راست سے ہٹنے کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں۔ والدین اور بچوں کے درمیان ایک واجبی ساطعلق، نوجوانوں میں ذہنی انتشار اور پڑمردگی کا سبب بنتا ہے اور نوجوان لڑکے/لڑکیوں کے لیے گھر میں ایک اجنبی ماحول، انھیں باہر کسی غیر یا اجنبی سے تعلقات استوار کرنے پر مجبور کرتا ہے تاکہ وہ اس محبت و چاہت کی گرمی اور ایک محفوظ سہارے کی کمی کی تلافی کر سکیں جو انھیں گھر میں حاصل نہیں ہوتی۔

مغربی ممالک (بلکہ اب تو مسلمان ملکوں میں بھی) نوجوانوں کے لیے جنسی لطف و انبساط کا سامان سکولوں/کالجز/یونیورسٹیوں، ٹی وی، کلبوں، ہوٹل، شراب خانوں (Pubs) میں اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ اس سے کسی صورت بھی مفر نہیں۔ گانوں اور موسیقی کی دھنوں میں اس قدر فحش اور عریاں بول ہوتے ہیں کہ اس کی وجہ سے ایک بہت مشہور ڈانس رگائے والی کینڈی سٹارڈ

(Kandy Straurd) والدین (Begged parents) سے یہ کہنے پر مجبور ہو گئی کہ ”وہ اپنے بچوں کو اس شہوت انگیز موسیقی اور گانوں سے بچائیں جسے اُس نے ”شہوت انگیز چٹان“ (Pornographic rock) کا نام دیا۔“ (شاہد اطہر ۱۹۹۲)

مسلم والدین کو اپنے بچوں اور نوجوانوں نسل کی اس حالت زار پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اور ہر ممکن مدد، تعاون اور محبت کے ساتھ انھیں کارزار حیات میں رہنے کے قابل بنانا چاہیے۔ ان کے لیے صرف یہ کہنا کہ کوئی چیز حرام یا ممنوع ہے کافی نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر دلائل کے ساتھ یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اس قسم کے برے افعال میں شرکت کیوں مناسب نہیں اور یہ کہ اس کے ساتھ ساتھ انھیں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے بھی آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک ایسے ماحول میں، نوجوان لڑکے/لڑکیوں کے لیے اپنے اسلامی تشخص کا اظہار اور اس پر عمل کرنا بہت حد تک ناممکن ہوتا ہے، جہاں کی غالب اکثریت ایسے دوستوں کی ہو جو اس بات کو سمجھ ہی نہ سکتے ہوں کہ مسلمان کیا ہوتا ہے اور مسلمان ہونے کے حقیقی تقاضے کیا ہیں؟

ایک مسلمان خاتون (Karen Prayer Salahudin 1998) کی رائے کے مطابق، مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کو درج ذیل تین اہم مسائل کا سامنا ہے:

اولاً: نوجوان نسل، مغربی ماحول اور معاشرے میں رہتے ہوئے ایک عملی دوئی، (Dualism) منافقت کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہاں اسلام کے بارے میں کوئی واضح تصور نہیں پایا جاتا۔

ثانیاً: وہ مغربی طور طریقے نہ اختیار کرنے کے لیے ایک مسلسل کشمکش میں مبتلا ہیں کیونکہ ان طریقوں سے انھیں ہر وقت واسطہ پڑتا ہے۔

ثالثاً: ان میں سے کچھ بغاوت پر بھی آمادہ نظر آتے، ہیں جس کا سبب وہ طور طریقے ہیں جس کی وہ نقل کرنا چاہتے ہیں جبکہ گھر پر انھیں یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ طور طریقے ممنوع اور حرام ہیں۔ اپنے ہم عمر دوستوں کو یہ سمجھانا کہ اسلام کیا ہے، ان کے لیے امر محال ہے۔ اس کام کے لیے جس ایمان اور ہمت و حوصلے کی ضرورت ہے، وہ ایک بہت مشکل کام ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ تعلیم و تربیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

مغرب میں مسلمان نوجوان طبقے کو اس صورت حال سے نکالنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انھیں اسلام کے بارے میں صحیح معلومات فراہم کی جائیں اور بالخصوص اسلام کے جنسی نظام کے بارے میں واضح طور پر بتایا جائے کہ بطور مسلمان اس کے کیا تقاضے ہیں؟ بالخصوص اس ماحول میں جہاں وہ اپنے غیر مسلم دوستوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انھیں مغربی طرز معاشرت میں پائی جانے والی خرابیوں اور مسائل کے بارے میں بھی آگاہ کرنے کی ضرورت ہے جس میں نابالغ لڑکیوں میں قرار حمل، جنسی امراض، بالخصوص ایڈز کا بڑھتا ہوا رجحان، مزید انھیں اس قسم کے متبادل حل بتانے کی بھی ضرورت ہے جن کی روشنی میں وہ ایک علیحدہ کمیونٹی اور اپنی اقدار کے ساتھ ایک اپنائیت محسوس کر سکیں۔

مغربی معاشرے میں پائی جانے والی خرابیوں اور مسائل کو بیان کرنے سے کوئی شخص یہ تاثر نہ لے کہ مسلمان ملکوں میں ہر طرف امن و سکون ہے۔ نہیں ایسا نہیں، مسلمان ممالک کے نوجوانوں کی اخلاقی اور دینی صورت حال بھی کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں۔ جیسا کہ سطور بالا میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ جنسیت کے بارے میں اُن کا مبلغ علم بھی واجبی سا ہے۔ مسلم معاشرے میں اس موضوع پر گفتگو کو اخلاقی گراؤ کے مترادف باور کیا جاتا ہے وہ بھی ایسے بے شمار ضابطوں کا شکار ہیں جن کے نتیجے میں ان کی زندگی (شادی سے پہلے اور بعد میں) بری طرح سے متاثر ہوتی ہے۔ والدین اور بچوں کے درمیان جنسی تعلیم کے حوالے سے بہت کم معلومات کا تبادلہ ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نوجوان جنسیت کے بارے میں غیر مستند اور غلط معلومات حاصل کر کے ان پر عمل کرتے ہیں اور اپنی زندگی کو مسائل کا اکھاڑ بنا لیتے ہیں۔ اس طرح نوجوانوں کا یہ طرز عمل بھی کسی صورت تشویش سے کم نہیں کہ انھیں خود صحت و تندرستی اور سلامتی کے حوالے سے اپنی جنسی قوت و طاقت اور صلاحیتوں کو محفوظ رکھنے کا کوئی خیال نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بے شمار ایسی بری عادتوں (مشت زنی، اغلام بازی) میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے ان کی صحت تباہ ہو جاتی ہے۔ اخبارات اور میڈیا میں اس قسم کے اشتہارات کی بھرمار کی وجہ سے نوجوان لڑکوں کا ایک جم غفیر ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے نیم حکیموں سے رجوع کرتا ہے۔ اس قسم کے اشتہارات اس امر کے غماز ہیں کہ نوجوان مناسب جنسی تعلیم کے فقدان کی وجہ

سے بے راہ روی کا شکار ہیں!

مغرب میں نوجوانوں کی جنسی تعلیم کے ضمن میں ایک بہت اہم پہلو یہ بھی ہے کہ وہاں انھیں خاندانی زندگی، عزت نفس، خود آگمی (Self awareness)، ذمہ دارانہ طرز عمل اور اعلیٰ مقاصد زندگی (Aspirations) کے بارے میں نہیں بتایا جاتا اور یہی صورت حال ہمارے معاشرے میں بھی ہے۔ شادی کی صورت میں میاں بیوی کی حیثیت سے بنیادی امور مثلاً ذمہ داری اور حقوق و فرائض سے عدم واقفیت کی بنا پر نیز باہمی محبت و الفت، حسن اخلاق، بچوں کی پرورش وغیرہ جیسے اہم امور کا علم نہ ہونے کی صورت میں شادی کے تھوڑے عرصے بعد ہی انھیں احساس ہونے لگتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی توقعات پر پورا اترنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اختلافات کی ایک خلیج حائل ہونے لگتی ہے جو میاں بیوی کے روزمرہ تعلقات کو مزید کشیدہ کر دیتی ہے اور یوں گھر میں دو متحارب گروپ بن جاتے ہیں جس میں ایک جانب تنہا بیوی ہوتی ہے جبکہ دوسری جانب شوہر، ساس، نندیں و دیگر افراد خانہ ہوتے ہیں۔ اس صورت حال کا تلخ ترین پہلو یہ ہے کہ ماں جس نے اپنے بیٹے کی شادی بہت چار اور دھوم دھام سے کی تھی اور جس نے شادی سے پہلے ہونے والی بہو (جو اکثر اوقات اس کی بھانجی/بھتیجی ہوتی ہے) کے ناز و نخرے برداشت کرنے کا بہت دم بھرا تھا اور جس نے ”مرنے مارنے“ اور ”دودھ نہ بخشنے“ کی دھمکیوں سے اپنے بیٹے کو اس رشتے پر راضی کیا تھا، وہ ایک ہی رات میں یا بہت جلد، اپنی بہو کی جانی دشمن بن جاتی ہے۔ اس کی نظر سے اس لڑکی کے تمام اوصاف، ہنر، خوبصورتی، سلیقہ اور نہ جانے کیا کیا صفات جو اس میں شادی سے قبل تھیں، یکسر غائب ہو جاتی ہیں اور اسے اس لڑکی میں پھوہڑپن، بد صورتی اور بد اخلاقی کے علاوہ کچھ اور نظر نہیں آتا۔ ایسے حالات میں لڑکا بوجہ اپنی بیوی کے ساتھ نباہ کرنا بھی چاہتا ہو تو اس کام میں ”ساس“ کے روپ میں ”ماں“ اور نندوں کے روپ میں بہنیں آڑے آتی ہیں اور ہر وقت لڑکی کی برائی میں لگی رہتی ہیں بالخصوص ایسے وقت میں جبکہ لڑکا صبح سویرے دفتر جانے کی جلدی میں ہوتا ہے یا جس وقت وہ شام گئے تھکا ہارا گھر لوٹتا ہے۔ یہ سب اُس کے خلاف شکایتوں کا ایک طومار باندھ دیتے ہیں۔ ایسے موقع پر لڑکا چکی کے دو پاٹوں کے درمیان ایک ”سینڈوچ“ بن جاتا ہے۔

اخبارات میں آنے والے روزمرہ کے ایسے بے شمار واقعات، جن میں عورتوں پر تشدد، مار پیٹ، مٹی کے تیل کے چولہے سے جل جانے سے لے کر طلاق کا ذکر ہوتا ہے، وہ ہمارے معاشرے کی ایک ایسی گھناؤنی تصویر پیش کرتے ہیں جس پر انسانیت شرم و حیا سے اپنا سر چھپانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ یہاں اس امر کی صراحت شاید ضروری ہو کہ یہ افسوسناک صورت حال صرف مغربی ممالک کے مسلمان خاندانوں میں ہی رونما نہیں ہوتی بلکہ پاکستان میں بھی ہر دوسرا یا تیسرا گھرانہ اس ایسے کا شکار ہے! (اس صورت حال کو ہمارے مذہبی راہنماؤں کے لیے ایک لمحہ فکر یہ سے اُم نہیں ہونا چاہیے۔)

درج بالا اندوہناک ایسے کا ایک بہت بڑا سبب جہیز کا مسئلہ ہے۔ غریب والدین یا متوسط طبقے کے سفید پوش افراد جن کے مالی وسائل اجازت نہیں دیتے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو بھاری جہیز دیں، ان کی لڑکیاں خاص طور پر اپنے سسرال میں اسی حادثے کا شکار ہوتی ہیں کہ شوہر، والدین میں سے کسی کی پسند کے مطابق جہیز میں کسی چیز کی کمی ہے یا اس کا معیار کم تر ہو تو گویا اس امر کا بہانہ مل گیا جس سے لڑکی کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاسکے۔ زندگی میں اعلیٰ ترین سینڈ رڈ / معیار کی دوڑ اس قسم کے اندھے چکر کا سبب بنتی ہے جو کسی صورت بھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔

اس ضمن میں ہم دو اہم امور کی جانب توجہ دلانا چاہتے ہیں:

◀ پہلی بات یہ کہ ساس بہو کے ان جھگڑوں کے تمام کرداروں میں، والدہ اور بہنیں جس نامعقول طرز عمل کا مظاہرہ کرتی ہیں وہ بہت مختصر انداز میں درج بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ تمام امور ایک ایسے ایسے کی نشان دہی کرتے ہیں جس میں ایک ”عورت“ اپنی ہی صنف کی ”دوسری عورت“ کے خلاف صف آرا ہوتی ہے۔ اس ضمن میں ایک مسلمان شوہر، ساس / نندوں کے طرز عمل کے بارے میں ہم نے تفصیلاً گفتگو اس کتاب کے پندرہویں باب میں کی ہے تاہم یہ امر ہمارے قارئین کے لیے شاید باعث تعجب ہو کہ اس ضمن میں ہمارے ملک میں پائے جانے والی تمام غیر سرکاری تنظیموں (NGO'S) کی تعداد ہزاروں میں ہے جنہوں نے کبھی اس قسم کے اصلاحی پروگراموں کا اجرا نہیں کیا جن میں ساس / نندوں کے لیے تعلیمی و تربیتی پروگرام بنائے گئے ہوں۔ ضرورت ہے کہ عورتوں

کے حقوق کی علمبردار یہ تنظیمیں حقوق و فرائض سے آگاہ کرنے کے لیے اور رائے عامہ کو بیدار کرنے کے لیے بیداری کی تحریک (Awareness Campaigns) چلائیں۔

گذشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اور پرورش طفولیت سے ہی والدین کی ذمہ داری ہے تاہم اکثر لوگوں کا یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ وہ بڑے ہو کر خود بخود ایک نیک مسلمان بن جائیں گے۔ بہت سے والدین اس امر کا خیال نہیں کرتے کہ طفولیت کا دور وہ بہترین دور ہوتا ہے جب بچے اپنے ماں باپ اور بڑوں کا اثر بہت زیادہ قبول کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صرف پند و نصائح سے بچوں کو متاثر نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ اپنے والدین کی عملی زندگی (Role model) سے متاثر ہوتے ہیں۔ ہم نے کبھی اس امر کا احساس بھی نہیں کیا کہ ہم اپنے بچوں کو کتنا وقت دیتے ہیں اور انھیں ان کی عقل و فہم کے مطابق دینی معلومات سکھانے میں کتنا وقت اور صلاحیتیں صرف کرتے ہیں؟ والدین بالعموم اپنے بچوں پر خاص طور پر ان کے کپڑے، جوتے، کھلونے خریدنے پر بہت زیادہ رقم خرچ کرتے ہیں لیکن وہ کبھی اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ان کی ذہنی نشوونما کے لیے صحت مند ہلکا پھلکا سڑیچر بھی ان کی عمر اور تعلیمی قابلیت کے لحاظ سے فراہم کیا جائے جس سے ان کا ذہنی افق بتدریج وسیع ہوتا چلا جائے۔ اس بارے میں پاکستان ہی میں نہیں بلکہ مغرب میں رہنے والے مسلمان بھی بہت زیادہ شعور نہیں رکھتے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بچوں کو عمدہ اشعار یاد کرایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس طرح بچوں کا ذہن کھلتا ہے اور وہ تخلیقی کام کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کے بارے میں ولیم اے مارا (William A. Marra 1975) نے اپنے مقالے میں مذہب (عیسائیت) کے حوالے سے بہت سی فکر انگیز باتیں لکھی ہیں۔

چونکہ موجودہ زمانے کے بہت سے والدین نے خود اپنے والدین کی گود میں پرورش پائی تھی جنہیں جنسی تعلیم کے بارے میں خود بھی کوئی تعلیم نہیں دی گئی تھی اس لیے وہ بھی اپنے بچوں سے ان موضوعات پر بات نہیں کر سکتے۔ اس لیے ماں باپ کی بھی یہ ایک ضرورت ہے کہ انھیں اپنے بچوں سے ان موضوعات پر گفتگو کرنے کے طریقوں کی تربیت دی جائے (اور یہ کام بھی مختلف NGO'S کو سرانجام دینا چاہیے) تاکہ انھیں اپنے بچوں سے بات کرنے میں جودقت، جھجک

محسوس ہوتی ہے، اسے دور کیا جاسکے۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا کہ جنسی تعلیم کا مطلب صرف جنسیت کی تعلیم نہیں بلکہ اس میں انسانی کردار سازی، اعمال، طرز عمل اور وہ تمام اقدار شامل ہیں جو انسان بحیثیت مرد اور عورت کے رکھتے ہیں۔ اس میں جسمانی اور جذباتی پہلو بھی شامل ہیں۔ یہ انسان کے طرز عمل کے ہر اس پہلو اور عمل میں آشکارا ہوتی ہے جو وہ سرانجام دیتا ہے مثلاً جس قسم کے کپڑے ایک انسان پہنتا ہے، اس کے بولنے چالنے سے اس کا اظہار ہوتا ہے اور جس طرح ایک انسان محبت و شفقت کا اظہار کرتا ہے۔ غرضیکہ روزمرہ سرانجام دیئے جانے والے تمام افعال و اعمال میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لیے ایک بچے کو جنسی تعلیم کے ضمن میں درج ذیل امور کی ضرورت ہوتی ہے:

۱۱ اس کے سامنے اچھی اقدار کا مظاہرہ کیا جائے۔

۱۱ اسے صحیح ترین معلومات بہم پہنچائی جائیں۔

۱۱ اسے عزت نفس کا سبق دیا جائے اور

۱۱ اسے فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور اس کے اظہار کے مناسب طریقے بتائے جائیں۔

یہ واضح رہے کہ اسلام ایسی جنسی تعلیم کی اجازت نہیں دیتا جس کا مظاہرہ مادر پدر آزاد جنسیت کی شکل میں مغرب میں رائج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے اہم بات جو گھر اور معاشرے میں بچوں کو سکھائی جانی چاہیے وہ شرم و حیا کے جذبات اور عفت و پاکیزگی کے آداب کی آبیاری ہے تاکہ لڑکے اور لڑکیاں اسی قسم کے لباس پہنیں جو ایک دوسرے کے جنسی جذبات کو بھڑکانے والے نہ ہوں۔

لوگ، سکول، کالج اور یونیورسٹی کو، ان کے جنسی جذبات اور شہوانی ماحول کی وجہ سے برا گردانتے ہیں۔ لیکن اس ضمن میں اہم ترین لیکچر جو اکثر اس بحث میں نظر انداز ہو جاتا ہے، وہ والدین اور خاندان کا عملی نمونہ ہے جو بچے میں اسلامی ذہن پیدا کرنے میں اہم ترین کردار ادا کرتا ہے بہ نسبت اس سکول/تعلیمی ادارے کے جہاں وہ پڑھتا ہے۔ یہ ایک ”تلخ“ حقیقت ہے کہ مسلمان بچوں اور ان کے والدین کے درمیان پر اعتماد تعلق، معلومات اور محبت و احترام کے حوالے سے نہیں پایا جاتا۔ (Samana Siddiqi 1999)۔ لوگ سکولوں سے بے جا مطالبہ

کرتے ہیں کہ ان کے بچوں کی تربیت کا وہ فریضہ سرانجام دیں جو خود انھیں سرانجام دینا چاہیے۔ سکول کسی صورت بھی مسلمان بچوں کے لیے والدین کا نعم البدل نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم بچوں کی تربیت اسلامی اصولوں کے مطابق کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو پھر اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کہ بچے پبلک سکول میں جاتے ہیں یا مسلمانوں کے زیر نگرانی چلائے جانے والے سکولوں میں۔ (M. Tufail, 1999)

جیسا کہ بتایا گیا کہ مغربی ممالک میں مسلمان نوجوانوں میں زنا کا وقوع بہت حد تک عام ہو گیا ہے (Samana Siddiqi ۱۹۹۹)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بچوں سے اس بارے میں بات کر سکیں اور انھیں بتا سکیں کہ زنا کس قدر بڑا جرم ہے جس کی سزا رجم (کسی فرد کو زمین میں گاڑ کر پتھروں سے مار دینا) ہے۔ مغربی ماحول میں اگرچہ لڑکے "لڑکیوں کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ "بوائے فرینڈ یا گرل فرینڈ" کی نفی کے اپنے ماں باپ کے فتویٰ پر عمل کر سکیں۔

(Abu Mujahid, 1999; Amatullah Islam, 1999)

تاہم بچوں کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اسلام میں گرل فرینڈ / بوائے فرینڈ کن طرز پر تعلقات کی کسی صورت میں بھی اجازت نہیں۔ بچوں کو بچپن سے ہی یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ کسی نامحرم لڑکے یا لڑکی سے تعلق کی جائز صورت صرف شادی ہے۔ شادی سے قبل کسی لڑکے / لڑکی کا باہمی رابطہ حرام ہے۔ بلوغت کے قریب پہنچنے والے لڑکے / لڑکیوں کو شادی سے قبل تعلقات کی حساس نوعیت بتانے میں کسی قسم کی شرم و حیا حائل نہیں ہونی چاہیے۔ نیز اس کی وجہ سے نہ صرف جنسی امراض میں مبتلا ہونے سے صحت خراب ہو جاتی ہے بلکہ خاندانی نظام اور معاشرہ بھی تباہی سے دوچار ہوتا ہے۔

درج بالا گفتگو سے ہم اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ جنسی تعلیم دینے میں والدین کا کردار بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مغربی ممالک کے ماہرین تعلیم ناجائز حمل، جنسی امراض اور ایڈز کی بڑھتی ہوئی شرح کا ذمہ دار والدین کو ٹھہراتے ہیں۔ اس لیے مسلمان والدین کو اپنے بچوں کو سمجھانا چاہیے کہ وہ غیر مسلم لوگوں سے اپنی اقدار اور روایات اور طرز حیات کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

ایسے بچے/نوجوان جن کی تربیت اسلامی خطوط اور تصور اخلاق کے مطابق کی گئی ہو، ان کے لیے اپنے بھولی دوستوں کی بری عادات سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ مزید برآں، مسلمان والدین کے لیے حضور ﷺ کی یہ ہدایت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ ”جس کسی کو اللہ تعالیٰ اولاد دے، اسے چاہیے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے، اس لڑکے/لڑکی کی اچھی تعلیم و تربیت کرے اور جب وہ لڑکا/لڑکی بالغ ہو جائیں تو ان کی شادی کر دے۔ اگر کوئی باپ، اپنے بچوں کے بالغ ہونے پر ان کی شادی نہ کرے اور اس کی لڑکا یا لڑکی کسی گناہ میں ملوث ہو جاتا ہے تو اس کا باہر گناہ باپ پر پڑے گا۔“

بچوں کی تعلیم و تربیت کے نقطہ نظر سے مسلمان والدین کے لیے درج ذیل امور پر غور کرنا بہت ضروری ہے بالخصوص ان والدین کے لیے جو مغربی ممالک یا امریکہ میں رہتے ہیں:

نوجوان بچوں کو اسلامی تعلیمات سے آگہی دینی چاہیے بالخصوص اسلام کا عائلی/خاندانی اور اخلاقی نظام۔ اس ضمن میں انھیں مرد و عورت کے علیحدہ رہنے کے بنیادی اصولوں کی وضاحت کر کے سمجھانے کی ضرورت ہے کہ اسلام کسی صورت بھی عورت و مرد کے باہمی میل جول کا روادار نہیں۔ مسلم لڑکے اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ پبلک پارٹیوں، میٹنگز کا قیام ضروری ہے تاکہ انھیں اپنے انفرادی اسلامی تشخص کا شعور حاصل ہو اور یوں وہ ایک دوسرے سے متعارف ہو کر دین کی بنیاد پر دوستی کو فروغ دے سکیں۔

ہر ایسی چیز یا عمل جس سے دو صنفوں کے درمیان حجاب ٹوٹتا ہو مثلاً شراب نوشی، منشیات کے استعمال، بوسے بازی اور قرب کی ممانعت ہے۔ لڑکے اور لڑکی کا علیحدہ جگہ پر تنہائی کی حالت میں رہنا بھی منع ہے جس سے ہر صورت میں پرہیز کرنا چاہیے۔

مسلمان کمیونٹی کو چاہیے کہ وہ کم از کم ایک شخص کو (Each one teach one) کے اصول کے مطابق دین پڑھائیں۔ یہ عمل نہ صرف مسلمانوں تک محدود رکھا جائے بلکہ اس میں غیر مسلم بھی شریک کیے جائیں۔ تاہم اس قسم کی تعلیم دینے والوں کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ ان باتوں پر خود بھی عمل کریں جن کی تعلیم وہ دیتے ہوں۔

لڑکوں اور لڑکیوں کا لباس چست اور بھڑکیلا نہیں ہونا چاہیے جن سے جذبات میں بیجان

پیدا ہو۔ لڑکیوں کو جب وہ باہر نکلیں حجاب/ پردے/ سکارف کا استعمال کرنا چاہیے۔

« تعلیم و تربیت کے اس تمام تر پروگرام کا اصول یہ ہونا چاہیے کہ والدین اور بچوں کے درمیان گفتگو اور سوال و جواب کا راستہ کھلا رہے تاکہ وہ کھل کر ایک دوسرے سے بات چیت کر سکیں۔

« والدین اور بڑے لوگوں کو ہمیشہ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ نوجوان نسل ہمیشہ غلط نہیں ہو سکتی۔ جوان لوگ اپنے پاس اصلاحی پروگراموں کا ایک بہت بڑا خزانہ رکھتے ہیں۔ نوجوان ہمیشہ آئیڈیلست ہوتے ہیں۔ وہ دنیا کو تبدیل کرنے کا عزم بلند رکھتے ہیں تاکہ اسے بہتر بنایا جاسکے۔ ان کے اس قسم کے خیالات کی تردید مناسب نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ وہ عملاً ایک مثالی آدمی، ایک شاعر، ادیب، مصلح یا سیاست دان بن جائیں۔ اگر ان کے خیالات مدلل اور متوازن ہوں تو ان کی حوصلہ افزائی ضروری ہے تاکہ وہ ان پر عمل پیرا ہو سکیں۔

« یہ امر بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ نوجوان فطرتاً من فقط سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ ایسے لوگوں کے بارے میں بہت حساس ہوتے ہیں جن کے قول و فعل میں تضاد ہو۔ اگر والدین خود شراب پیتے ہوں یا وہ خودی وی پر مخرب اخلاق پروگرام دیکھتے ہوں تو وہ کس منہ سے اپنے بچوں کو ان باتوں سے منع کر سکتے ہیں۔ اس قسم کے رویوں سے بچوں میں ان کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔

« جوانوں کو بچپن سے ہی اپنی والدہ کے ساتھ گھریلو کاموں میں مدد دینے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ انھیں اپنے کمرے، مطالعے کی میز، بستر اور غسل خانے کی صفائی خود کرنی چاہیے اس طرح ان میں نہ صرف اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت پڑتی ہے بلکہ وہ مصروف بھی ہو جاتے ہیں۔

« خاندان کے تمام بچوں کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہیے۔ لڑکے اور لڑکیوں میں کسی قسم کی تفریق یا ترجیحی سلوک، ان کی صنف یا خوبصورتی کی بنا پر نہیں کرنا چاہیے۔

« بعض اوقات والدین ایک ایسے المیے سے دوچار ہو جاتے ہیں کہ ان کی جوان لڑکی، کسی لڑکے سے دوستی میں پھنس جاتی ہے۔ ایسی حالت میں انھیں کسی بھی انتہائی اقدام سے ہر ممکن گریز کرنا چاہیے جس میں انھیں گھر میں قید کرنا، یا مارنا پھینا شامل ہیں۔ ایسے بچے جو

مغربی ممالک میں پلے ہوتے ہیں وہ ایسے طرز عمل سے بغاوت پر اتر آتے ہیں اور بعض اوقات گھروں سے بھاگ جاتے ہیں۔ ان ممالک کے قوانین بھی کسی قسم کے تشدد کی اجازت نہیں دیتے۔ اس کے برعکس اس معاملے کو ٹھنڈے دل کے ساتھ حل کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح نوجوان بچے بہتر طرز عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

(Amatullah Islam 1999؛ Abu Mujahid 1999)

ایسی بچیوں کے ساتھ پہلے قدم پر ٹھنڈے انداز سے بات کرنی چاہیے۔ اس سے کسی لڑکے کی دوستی کی وجوہات معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کی متعدد وجوہات میں سے چند یہ ہیں:

(i) بلوغت کی وجہ سے لڑکیوں کا جسمانی تغیر ایک اہم ترین امر ہے جس سے ان کے اندر ایسے ماء الحیات ہارمون (Hormones) فاضل مقدار میں پیدا ہونے لگتے ہیں جو جنسی خصوصیات مثلاً ماہواری کا جاری ہونا، جنسی خواہش کا پیدا ہونا وغیرہ کا سبب بنتے ہیں۔ یہ ایک عارضی مرحلہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے بچوں میں ڈر، خوف، چڑچڑاپن، ضد اور غصے کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس حالت سے لڑکیوں کو نکالنے کے لیے انھیں کسی تعمیری کام میں مصروف رکھنا ضروری ہے البتہ لڑکی سے یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ آیا وہ کسی لڑکے سے شادی کرنے پر آمادہ ہے تاہم اسے کسی صورت بھی مجبور نہیں کرنا چاہیے۔

(ii) لڑکیوں میں اس قسم کے رد عمل کی دوسری وجہ اپنے والدین بالخصوص ماں کی طرف سے محبت و شفقت کا فقدان ہے۔ اسی طرح گھر میں بعض اوقات دوسرے بھائی بہنوں سے چپقلش بھی ہو جاتی ہے۔ مغربی ممالک میں بالعموم (اور مسلم ممالک میں بھی مغرب کی نقلی میں) والدین کے پاس اپنی مصروفیات یعنی ملازمت یا دوسری سماجی سرگرمیوں میں شمولیت کی بنا پر اتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی اولاد پر توجہ دے سکیں۔ اس طریق پر لڑکیاں زیادہ برا اثر قبول کرتی ہیں کیونکہ وہ باہر جا کر کھیل کود نہیں سکتیں اور سہیلیوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھ سکتیں۔ یوں وہ اکیلے پن (Lonliness) کا شکار ہو جاتی ہیں۔ پس جب لڑکی کو اپنی ماں کی توجہ نہیں ملتی تو وہ کسی لڑکے کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کے لیے تک و دو شروع کر دیتی ہے۔

(iii) لڑکوں اور لڑکیوں کے بے راہرو ہونے کے، لیے ہجولی سہیلیوں اور دوستوں کا دباؤ (Peer pressure) بھی ایک اہم وجہ ہے۔ مغربی سوسائٹی میں جہاں ہر لڑکی کا کوئی بوائے فرینڈ ہوتا ہے، ہر لڑکی اس امر کی خواہش مند ہوتی ہے کہ اس کا بھی کوئی لڑکا دوست ہو ورنہ وہ اپنے آپ کو کم تر سمجھنے لگتی ہے اور بوائے فرینڈ نہ ہونے کی وجہ سے اسے ”احتمی“ (Geek) سمجھا جانے لگتا ہے۔

اس قسم کے ایسے کی جو بھی وجوہات ہوں، یہ بہت ضروری ہے کہ انھیں سمجھا جائے تاکہ ان کا کوئی مناسب حل تلاش کیا جاسکے۔ اس مسئلے پر بات چیت کے دوران، والدین کا لہجہ اور رویہ الزام تراشی پر مبنی نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی انھیں بچی کو مطعون کرنا چاہیے۔ اس معاملے میں بہترین طریقہ یہ ہے کہ والدین، زیادہ تر خاموش رہیں اور بچی کو بات کرنے کا موقع دیں تاکہ اس کی باتوں سے وجوہات کا تعین کیا جاسکے اور یوں اس کے دل کی بھڑاس نکل سکے۔ تاہم اگر انھیں کوئی بات سمجھ نہ آ رہی ہو تو وہ اس انداز میں سوال کر سکتے ہیں کہ ”کیا تمہارا یہ مطلب ہے؟“ جب لڑکیاں یہ محسوس کر لیتی ہیں کہ ماں باپ ان کی بات سننا اور سمجھنا چاہتے ہیں تو پھر وہ ان پر اعتماد کر کے دل کی تمام باتیں بلا جھجھک بیان کر دیتی ہیں۔ اس قسم کی تمام تر گفتگو سے بے آسانی یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ لڑکی اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتی ہے اور اس کی عزت نفس مجروح ہو گئی ہے جس وجہ سے وہ اپنے بوائے فرینڈ پر انحصار کرنے پر مجبور ہوئی ہے تاکہ وہ اس کو عزت اور تحفظ کا احساس دلائے!

لڑکیوں کے اس طرز عمل کی بنیادی وجہ جس کی بنا پر وہ ہجولی لڑکیوں کے ورغلانے یا دباؤ میں آتی ہیں اور مقبول عام بننے کی خواہش (Popular contest) کا شکار ہو جاتی ہیں، چاہے جانے (محبت) کی خواہش کی وجہ سے توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں، ان کا اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنا ہے، ایسے حالات میں اہم ترین بات یہ ہے کہ انھیں پیار، محبت اور شفقت کا بھر پور احساس دلایا جائے۔ ان کی عزت نفس کو بحال کرنے میں ان کی ذاتی خوبیوں کا بھر پور اعتراف کیا جائے۔ بچی کو اس امر کی جانب توجہ دلائی جائے کہ وہ کس طرح اپنی ذات پر اعتماد کر سکتی ہے اور اس کی مذہبی اقدار اور تعلیمات ایسی ہیں جن کی وجہ سے اس میں موجود بہت سی

خوبیوں کا اس نے ادراک ہی نہیں کیا۔ اس کے لیے گھریا باہر، دوسری لڑکیوں کے ساتھ بننے جلنے کے مواقع پیدا کیے جائیں تاکہ وہ کسی مسلمان لڑکی کے ساتھ دوستی کر سکے۔

ان تمام کوششوں کے علاوہ، یہ بہت ضروری ہے کہ اسے مسلمان عورت کے مثالی کردار سے روشناس کر دیا جائے۔ امہات المؤمنینؓ کے حالات زندگی، اور دیگر صحابیاتؓ کی زندگیوں کے حالات سے آگاہی کے لیے کتب و ادبی رسالے فراہم کیے جائیں۔ قرآن کریم کی مختلف سورتوں (سورہ النساء، مریم، نور اور الاحزاب) کا کسی تفسیر کی مدد سے مطالعہ کرنے کی ترغیب دی جائے۔ اس کے علاوہ اسلامی نظام زندگی کے تفصیلی مطالعے بالخصوص اسلام کے فیملی سسٹم پر معلومات فراہم کی جائیں۔

اس گفتگو کو ختم کرنے سے پہلے ایک بہت اہم بات جو ایک مسلمان خاتون (Amatullah Islam ۱۹۹۹ء) نے اپنے مقالے میں لکھی ہے، کی جانب اشارہ کرنا ضروری ہے۔ وہ رقمطراز ہیں ”کہ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ مغربی معاشرے میں لڑکوں کے بارے میں مسلمان خاندانوں کا طرز عمل، لڑکیوں کے ساتھ کیے جانے والے سلوک سے بالکل الٹ ہوتا ہے۔ والدین خیال کرتے ہیں کہ لڑکوں کو اپنی جوانی کے دور میں فلٹرنگ، ڈیننگ حتیٰ کہ گرل فرینڈ رکھنے کے ”تجربات“ کر لینے چاہئیں اس سے پہلے کہ وہ شادی کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ مستقل طور پر زندگی گزارے۔ ظاہر ہے کہ یہ سوچ اور طرز فکر منافقت پر مبنی ہے اور اس دوغلے پن سے لڑکیاں بغاوت پر اتر آتی ہیں۔ والدین کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر قسم کے تعلیمی، اصلاحی اور تربیتی طریقوں میں وہ اپنے لڑکے اور لڑکی کو برابر شریک رکھیں۔ اگر والدین، ان وجوہات پر غور کریں جن کی وجہ سے لڑکیاں باغی ہو کر لڑکوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہیں تو والدین کو احساس ہوگا کہ لڑکیوں کے بارے میں بھی تمام تر وجوہات وہی ہیں جن کی بنا پر لڑکے، کسی لڑکی کی ہانھوں میں جھولنے پر ”مجبور“ ہو جاتے ہیں۔

اس باب کی گذارشات کو ختم کرنے سے پہلے ایک سوال کا جواب دینا ضروری ہے۔ سوال کیا جاسکتا ہے کہ آپ جس جنسی تعلیم کے تصور اور اس کے نصاب کی بات کر رہے ہیں، یہ تو امریکہ اور یورپ کے تمام ملکوں میں پڑھایا جاتا ہے اور جس کے نتائج بد کے بارے میں بھی

آپ نے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ پھر یہ کیسے اور کیوں کر ممکن ہے کہ ان موضوعات پر مشتمل معلومات سے مسلمان، بچے ہدایت پائیں؟ ایک ہی تعلیم کے ذریعے دو مختلف ممالک میں مختلف نتائج کا حصول کیوں کر ہو سکتا ہے؟ یہ ایک بہت اہم سوال ہے۔ تاہم ہم نے بچپن سے لے کر بلوغت تک بلکہ اس کے بعد شادی سے قبل اور شادی کے بعد کی زندگی کے پیش نظر جب کہ ایک انسان نہ صرف اپنے خاندان کے لوگوں کے ساتھ بلکہ معاشرے کے دوسرے افراد کے ساتھ معاملات کرنے پر مجبور ہوتا ہے، وہ افراد کہ جن کا دائرہ ملک و قوم حتیٰ کہ انسانیت تک پھیلتا چلا جاتا ہے، کے لیے جس جنسی تعلیم کی وکالت کی ہے جو خالصتاً دین یعنی اسلام کے فریم ورک میں رہ کر دی جاتی ہے۔ ایک بچہ جو ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اس کی ماں روزمرہ کاموں میں جس طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرتے ہوئے نماز، روزہ، تلاوت قرآن کریم اور دیگر اخلاقی و دینی ہدایات پر عمل پیرا ہوتی ہے اور بچے کی پیدائش پر جس طرح وہ اسے دودھ پلاتے وقت کوشش کرتی ہے کہ اس کے کانوں میں اللہ کا کلام ایک غیر محسوس طریق پر اثر انداز ہوتا رہے، پھر وہ بچہ اپنے عہد طفولیت میں ماں باپ اور دیگر افراد خانہ کو ایک خاص انداز میں زندگی کے روزمرہ افعال سے عہدہ برآ ہوتے دیکھتا ہے، پھر عمر میں اضافے کے ساتھ ساتھ ایک ماں اپنی ہر حرکت اور ادا سے اس کے دماغ پر اللہ کی ذات پر یقین و ایمان اور اسوۂ رسول ﷺ کا ایک عکس ڈالتی ہے اور جب وہ بولنے کے قابل ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کی زبان سے ”بسم اللہ، اللہ کا شکر“ جیسے کلمات ادا کرائے جاتے ہیں اور اس کے پڑھنے کی عمر آنے پر جس طریق پر اُسے قرآن پڑھنا سکھایا جاتا ہے (جس پر ہمارے بعض دوستوں نے ”طوطے کی طرح رننے“ کی پھبتی کسی ہے) اور بعد ازاں جب وہ قرآن کے معنی و مفہوم سے روشناس ہوتا ہے تو یہ ہرگز ممکن نہیں کہ ایک ایسے بچے پر بھی وہی اثرات مرتب ہوں جو مغرب میں پیدا ہونے اور پلنے بڑھنے والے غیر مسلم بچے پر، اس لادین، مذہب اور دین و اخلاق سے بیزار معاشرے میں پڑتے ہیں۔ مغربی معاشرے میں جہاں بنیادی انسانی اخلاقیات بھی مادی فوائد کی بھیینٹ چڑھ گئی ہیں وہاں جنسی موضوعات کی تعلیم لازماً برے اثرات ہی مرتب کرے گی کہ وہاں سکول سے یونیورسٹی تک، بازار، دفتر اور تفریح گاہوں میں

غرضیکہ ہر جگہ اس کا صنف مخالف سے قرب رہتا ہے اور جہاں لذت کے حصول کے لیے ”جب جی چاہے، جہاں چاہے اور جس کے ساتھ چاہے جنسی تعلق قائم کیا جاسکتا ہے“ (بشرطیکہ دونوں فریق راضی ہوں) جہاں کسی قسم کے جنسی خیالات و اعمال پر کوئی قانونی قدغن بھی نہ ہو، وہاں بھلا ایسا کون سا انسان ہو سکتا ہے جو بہتی گنگا میں ”نہانے“ سے گریز کرے گا۔ لیکن اس کے برعکس جس نوجوان کے ذہن میں جنسی تعلیم کا تصور قرآن و حدیث اور سیرت پاک کے حوالے سے دین کے پس منظر میں راسخ ہو چکا ہوگا، اس سے اس قسم کی ”بے محابا جنسی آزادی (Free Sex) میں ملوث ہونے کا امکان اگر بالکل معدوم نہیں ہو جاتا تو اس کے وقوع میں اس حد تک کمی ضرور ہو جائے گی کہ اسے نظر انداز کیا جاسکے۔ تاہم ایسی حالت میں کہ اگر پھر بھی کوئی فرد کھلے عام اخلاقی برائی (زنا) میں مبتلا ہوتا ہے تو تعزیر کا ڈنڈا اس کی مزاج پرسی کے لیے موجود ہوتا ہے جس کا اطلاق بھی یکساں طور پر انصاف کے اصولوں کے مطابق ہوگا۔

ان معروضات کی روشنی میں سوچا جاسکتا ہے کہ ایک ٹھیٹ اسلامی معاشرے میں جنسی اعمال و افعال میں ملوث ہونے کے مواقع نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ ہماری ان گذارشات کو یوٹوپیا (Utopian) یا خالی مفروضہ نہ سمجھا جائے بلکہ اسلام کے دور اول کی تاریخ کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ ایسی قوم جس کی گھٹی میں جنسی لذت کا حصول پڑا ہوا تھا وہ اسلام ہی عطا کردہ جنسی تعلیمات کے نتیجے میں کیسے حصول لذت کے تمام غیر اخلاقی اور ناجائز طریقوں سے تائب ہو گئی اور زنا کے رسیا مانع زنا تحریک کے علمبردار بن گئے!



صحت جنسی کی تعلیم

جنسی صحت کی ضرورت و اہمیت:

انسان کی جسمانی صحت اور تندرستی کے قیام میں اس کی جنسی صحت ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے جنسی صحت کی تعلیم کے ذریعے بہ حیثیت مجموعی کسی قوم کے صحت و تندرستی کے معیار کو بہتر کیا جاسکتا ہے۔ سکولوں میں نوجوانوں کو دی جانے والی جنسی تعلیم کے ایک اہم پہلو کا تعلق جنسی صحت کی تعلیم سے ہے۔ کینیڈا میں والدین، سکول میں بچوں کو جنسی صحت کی تعلیم کو ضروری قرار دینے پر مسلسل زور دیتے رہے ہیں جس کا اظہار ریسرچ سروے کے اعداد و شمار سے ہوا۔ ریاست انٹاریو میں ایک حالیہ سروے کے نتائج سے پتہ چلا کہ ۸۹ فی صد نوجوان طلباء نے جنسی صحت کے بارے میں تعلیم پر زور دیا۔ ایک فہرست میں شامل کچھ ممکن ذرائع میں سے نوجوانوں نے ایسے سکول کو اپنی اولین ترجیح قرار دیا جہاں صحت جنسی کی تعلیم دی جاتی ہو۔ اس کے بعد خاندان اور دوست احباب۔ اس طرح طلباء نے بارہ موضوعات میں سے جنسی امراض کی روک تھام کو اولین ترجیح کا مستحق گردانا جو سکولوں کے جنسی صحت کے پروگرام میں شامل ہونا چاہیے۔

(McKay and Holowaly 1997)

کینیڈا، ایک ایسا ملک ہے جہاں ایک فرد کی ذاتی اقدار، اخلاقیات، مذہبی اور مختلف طبقات کی تہذیبی روایات کا لحاظ کرتے ہوئے جنسی صحت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہاں جنسی صحت کی تعلیم ”اقدار سے بے بہرہ (Value free) نہیں ہے۔“

جنسی صحت کی تعلیم کا ایک موثر پروگرام، نوجوان نسل کو نہ صرف حال بلکہ مستقبل کے لیے بھی تیار کرتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق قریباً ۲۵ فی صد نوجوان اپنی عمر کی سولہویں سالگرہ کے موقع پر جنسی اختلاط سے بہرہ مند ہو جاتے ہیں۔ کینیڈا میں بیشتر لڑکے اور لڑکیوں کی عمر جب

وہ پہلی مرتبہ مباشرت میں ملوث ہوتے ہیں، ۱۴ سے ۱۹ سال ہے۔ ایک تحقیقی مطالعے کے اعداد و شمار سے پتہ چلا کہ ۹۴ فی صد مرد اور ۹۱ فی صد عورتیں اپنی عمر کے ۲۵ سال پورے ہونے سے قبل ہی جنسی اختلاط کر چکے تھے۔ (Alexander Mckay, 2001)

جنسی صحت کی تعلیم کے ضمن میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بہت اختصار کے ساتھ جنسی اعضاء کی ساخت اور ان کے افعال کے بارے میں بھی معلومات درج کی جائیں کیونکہ انسان کی عام صحت کا مطالعہ کرتے ہوئے جسم کے مختلف اعضاء اور ان کے افعال کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کتاب کے پانچویں باب میں ہم نے ان غلط فہمیوں اور توہمات (Myths) کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق جنسی اعضاء اور ان کے افعال سے ہے۔ ترقی پذیر ممالک کے نوجوان ہی نہیں بلکہ ترقی یافتہ ممالک کے نوجوان بھی بہت سی ایسی غلط فہمیوں کا شکار ہیں جب کہ وہاں گذشتہ ایک صدی سے جنسی تعلیم دی جا رہی ہے۔ بہت سے نوجوان جب شادی کے مرحلے میں داخل ہوتے ہیں تو انھیں اپنے اور فریق مخالف (بیوی) کے جنسی و تولیدی اعضاء اور ان کے افعال کے بارے میں بہت کم معلومات ہوتی ہیں۔ انھیں ملی جلی باتوں کا علم ہوتا ہے جس میں بیشتر معلومات غلط فہمیوں اور مغالطوں پر مبنی ہوتی ہیں۔ بالخصوص جنسی و تولیدی اعضاء کی ساخت، افعال، عصمت و عفت، میاں بیوی کے تعلقات، ایک دوسرے کے حقوق و فرائض وغیرہ کے بارے میں۔ اس لیے نوجوان اکثر اس امر کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ شادی کے بعد ایک بیوی کے ساتھ تعلقات (پارٹنرشپ) کی نوعیت کس قدر حسین اور دلکش ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ شادی شدہ لڑکیوں کو قرار حمل، اس کی علامات اور وضع حمل کے بارے میں بھی معلومات ہونی چاہئیں۔ یہ باب اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک ہم مختلف جنسی امراض، ان کی اہم علامات اور علاج و روک تھام کے بارے میں بھی مختصر معلومات درج نہ کریں۔ اگرچہ کسی بیماری میں مبتلا ہونے والے شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مکمل علاج کے لیے کسی ماہر ڈاکٹر سے مشورہ کرے۔ اس کے علاوہ قارئین کو اس مرحلے سے آگاہ کرنا بھی ضروری ہے کہ شادی سے باہر جنسی اختلاط (Pre-marital sexual intercourse) اور دیگر جنسی اعمال کے نتیجے میں ہونے والے مسائل کس طرح انسانی صحت کو

متاثر کرتے ہیں۔ یوں توقع کی جاسکتی ہے کہ نوجوان نسل، ان معلومات کے حصول کے بعد، ناجائز حمل کے قیام، جنسی امراض، بالخصوص ایڈز جیسے امراض سے محفوظ رہ سکیں گے۔

درج بالا موضوعات کے بارے میں معلومات حاصل ہونے کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ ہم ان ہدایات اور تعلیمات کا بھی فہم حاصل کریں جو اسلام نے اس سلسلے میں ہمیں دی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اسلام کی یہ تعلیمات، ہمارے ان مسلم و غیر مسلم دوستوں کے لیے بھی بہت دلچسپی کا باعث ہوں گی جو مغربی ممالک/ امریکہ میں رہتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ نوجوان مسلمان لڑکے اور لڑکیاں جب ان ممالک میں پڑھنے کے لیے جاتے ہیں تو انھیں وہاں ان امور کے بارے میں بہت سے سوالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہاں کے رہنے والے طلباء یہ سوال کرتے ہیں کہ احتلام یا جنسی اختلاط یا ماہواری کے بعد آخر کیوں نہانے کی ضرورت پیش آتی ہے؟ اس قسم کی تعلیمات سے وہ اس امر کے بھی قائل ہو جائیں گے کہ اسلام میں صحت و صفائی اور پاکیزگی کا کیا مقام ہے کہ اس نے انسان کی جنسی زندگی کے ان پہلوؤں کے بارے میں نہایت تفصیل سے ہدایات دی ہیں جو اس کے الہامی ہونے کا ایک بین ثبوت ہے!

بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، اپنی جسمانی نشوونما کے بارے میں غیر معمولی طور پر حساس ہوتے ہیں۔ انھیں ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ ان کا قد، پستان یا عضو مخصوص (Penis) بہت چھوٹے سائز کا ہے۔ اس طرح کے نوجوانوں کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ انسانی جسم کے مختلف ادوار میں نشوونما کی وجہ سے تبدیلی آتی رہتی ہے۔ جسمانی اعضاء اس قسم کے نہیں ہوتے کہ بچپن یا آغاز جوانی میں اگر وہ کسی قدر چھوٹے نظر آتے ہیں تو ہمیشہ ہی ایسے رہیں گے۔ عمر کے ساتھ ساتھ ان کی نشوونما ہوتی رہتی ہے۔ بلوغت کے دوران لڑکے اور لڑکیاں، نشوونما کے ایسے ادوار سے گزرتے ہیں جب کسی عضو میں فوری تبدیلی واقع ہوتی ہے جسے نشوونما کا عروج یا (Growth spurt) کہتے ہیں۔ عام طور پر لڑکیوں کا قد جلد ہی لمبا ہو جاتا ہے جبکہ لڑکے کسی حد تک دیر سے لمبے ہوتے ہیں۔ کسی لڑکے کو اس بارے میں کوئی تشویش لاحق نہیں ہونی چاہیے کہ اس کا قد اس کی کلاس کی لڑکیوں کی نسبت دیر سے لمبا ہو رہا ہے۔ ہر فرد میں نشوونما کے لحاظ سے فرق پایا جاتا ہے تاہم کسی بڑی خرابی کی صورت میں یہ

ضروری ہے کہ ڈاکٹر سے مشورہ کیا جائے اور اپنی غذا کی حالت کو بہتر کیا جائے۔

(Greenblat, B.R. 1964; Roy Ridge Way 1990; Anon, 1993; D. Odyen, FM.1996)

جنسی و تولیدی اعضاء کی تشریح و افعال

(الف) عورتوں کے جنسی و تولیدی اعضاء:

چونکہ عورتوں کے جنسی و تولیدی اعضاء جسم میں ایسی جگہ پر واقع ہوتے ہیں جو عام طور پر نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں، اس لیے بہت سے لوگ ان کے بارے میں صحیح معلومات نہیں رکھتے۔ عام طور پر لڑکیوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کے جسم کے یہ حصے بد صورت بد نما (Ugly) اور گندے (Dirty) ہوتے ہیں اس لیے ان کا دیکھنا اور ان کے بارے میں بات کرنا شرمناک ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ اعضاء جسم کے دیگر اعضاء کی طرح ہوتے ہیں اس لیے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا کسی طور پر باعث شرم نہیں۔ ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے انسان اپنی صحت کو قائم رکھ سکتا ہے۔

دونوں ٹانگوں کے درمیان پیشاب گاہ (Vulva) کہلاتی ہے۔ اس میں لبوں کی طرف کی دو ساختیں ہوتی ہیں جنہیں بیرونی لب (Outer labia) جبکہ اندرونی لبوں کو (Inner labia) کہتے ہیں۔ بلوغت کے وقت بیرونی لبوں پر بال اُگ آتے ہیں جبکہ اندرونی لب کے سائز، شکل اور رنگت بدلتی رہتی ہے، بالعموم اس میں سے ایک لب بہ نسبت دوسرے کے بڑا ہوتا ہے۔

لبوں کے اندرونی طرف اندام نہانی (Clitoris) اور دو سوراخ ہوتے ہیں۔ اندام نہانی، اندرونی لبوں کے ملنے کی جگہ پر واقع ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں بہت سے مردوں اور عورتوں کو معلومات نہیں ہوتیں۔ عورت میں اس کی حیثیت مردانہ عضو تناسل کی عارضی نوعیت کی ہوتی ہے جو اگرچہ سائز میں بہت چھوٹی لیکن جنسی ملاپ / اشتعال کے وقت، اس کے تن جانے اور مردانہ عضو تناسل کے رگڑ کھانے سے عورتوں کو وہ لطف و انبساط حاصل ہوتا ہے جسے حظ جنسی (Orgasm) کے نام سے ہم پہلے پڑھ چکے ہیں۔ ایک بالغ عورت میں اس کا سائز پنس کے کونے پر موجود بڑ کے سائز ہوتا ہے۔ بعض عورتوں میں اس پر تہ دار پردہ ہوتا ہے جبکہ بعض

میں نہیں۔ اس کے نزدیکی سوراخ کو پیشاب کی نالی (Urethra) کہتے ہیں جہاں سے پیشاب کا اخراج ہوتا ہے۔ اس کے بعد عورتوں کا جنسی عضو (Vagina) کہلاتا ہے جہاں سے ماہواری کا خون جاری ہوتا ہے اور مرد کا جنسی عضو، مباشرت کے وقت اس میں داخل ہو کر جنسی اختلاط کی تکمیل کرتا ہے اور جہاں اس کا انزال (Ejaculation) ہوتا ہے۔ مادہ منویہ (Semen) کے بیوانی خلیات (Sperms) اس جگہ سے تیرتے ہوئے رحم کے منہ (Cervix) کے ذریعے رحم میں داخل ہوتے ہیں۔ اگر یہ عورت کے بیض دان (Ovary) سے نکلنے والے بیضے / انڈے کے ساتھ مل جاتا ہے تو پھر عورت میں بار آوری کا عمل (Conception/Fertilization) واقع ہو جاتا ہے اور اسے حمل ٹھہر جاتا ہے۔ اس طرح بچہ اپنی ماں کے رحم میں نشوونما پاتا ہے اور مدت حمل (۲۸۰ دن) پوری ہونے پر یہ رحم سے باہر کی طرف جانا شروع ہوتا ہے اور دیبجائینہ کے راستے پیشاب گاہ سے باہر نکل آتا ہے۔ دیبجائینہ کے سوراخ کے ساز میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے جس کا انحصار عمر اور بچوں کی تعداد پر ہوتا ہے۔

دیبجائینہ دراصل ایک ٹیوب نما (۳ سے ۴ انچ لمبا) جنسی اختلاط کا عضو ہے تاہم اپنی اس صلاحیت کی بنا پر کہ اس میں لچک ہوتی ہے اس کی لمبائی اور حجم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اپنی اس صلاحیت کی بنا پر یہ مرد کے عضو تناسل کو چاہے وہ کس قدر لمبا یا موٹا کیوں نہ ہو، برداشت کر سکتی ہے۔ دیبجائینہ کے سوراخ کے منہ پر اس قسم کے عضلات (Sphincer muscles) ہوتے ہیں جو جنسی اختلاط کے وقت مردانہ عضو تناسل کو مضبوطی سے اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں جس کی وجہ سے عضو تناسل کے رگڑ کھانے سے مردوں کو انزال ہو جاتا ہے۔ دیبجائینہ کے اندر اس قسم کے ندود پائے جاتے ہیں جن سے ایک لیسیدار سفید رنگ کی رطوبت خارج ہوتی ہے جو جنسی اختلاط کے وقت اسے چکنا اور ملائم رکھتی ہے۔

دیبجائینہ کی اندرونی طرف ایک بہت مہین اور نازک پردہ ہوتا ہے جسے پردہ بکارت (Hymen) کہتے ہیں۔ لڑکیوں میں یہ پردہ بالعموم ماہواری کے دوران ٹیمپون (Tympon) وغیرہ کے استعمال سے پھٹ جاتا ہے۔ کچھ لڑکیوں میں پہلی مرتبہ مباشرت کے وقت اس کے پھٹنے سے تکلیف / درد بھی ہوتا ہے اور کسی قدر خون بھی خارج ہوتا ہے جبکہ اکثر عورتوں کو اس کے

پھٹنے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ آج کل سکولوں میں لڑکیوں کے کھیلنے، کودنے سائیکل چلانے وغیرہ سے بھی یہ پردہ اوائل عمر میں خود بخود پھٹ جاتا ہے۔

پردہ بکارت کے بارے میں شادی بیاہ کے حوالے سے بہت سی غلط فہمیاں اور غلط نظریات پائے جاتے ہیں۔ اکثر آدمی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ بیوی کو شب عروسی میں جنسی اختلاط کی وجہ سے لازماً خون آنا چاہیے یا اسے درد کی وجہ سے چیخنا / چلانا چاہیے۔ اس کے برعکس صورت حال سے وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی بیوی باعصمت نہیں تھی لیکن جیسا کہ بتایا گیا کہ یہ ایک بہت باریک اور نازک جھلی ہوتی ہے جو اکثر اوقات کھیل کود کی وجہ سے خود بخود پھٹ جاتی ہے جس کا کوئی تعلق عورت کی عصمت و عفت (Virginity) سے نہیں ہوتا۔ البتہ بعض استثنائی حالتوں میں جب یہ برقرار رہے تو اس کی وجہ سے جنسی اختلاط میں دقت ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں کسی ماہر گائینکولوجسٹ سے مشورہ کرنا چاہیے جو ایک چیرا دے کر اسے دور کر دیتی ہے۔

عورتوں میں رحم (Uterus) ایک ایسا عضلاتی عضو ہے جس میں بچہ پرورش پاتا ہے۔ یہ ناشپاتی کی شکل کا عضو ہے جس کے اوپر اور بڑے حصے میں دو ٹیوبیں ہوتی ہیں جنہیں فیوپیٹن ٹیوبس (Fallopian tubes) کہتے ہیں۔ رحم کی شکل اور سائز میں حاملہ ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔

عورتوں کے جنسی و تولیدی اعضاء میں بیضہ دانیاں (Ovaries) جو تعداد میں دو ہوتی ہیں اور شکل و صورت میں بیضوی، اہم ترین تولیدی اعضاء ہیں۔ ان میں ہزاروں کی تعداد میں مختلف حالتوں میں نشوونما پانے والے بیضے (انڈے) پیدائش کے آغاز سے ہی پائے جاتے ہیں۔ ہر مہینے ان میں سے ایک بیضہ نشوونما پا کر دونوں میں سے کسی ایک بیضہ دان سے نکلتا ہے جسے اخراج بیضہ کا عمل (Ovulation) کہتے ہیں۔ رحم کی دونوں نالیوں کے سرے، بیضہ دان کی جانب قیف کی شکل میں پھیلے ہوتے ہیں، ان میں سے کسی جگہ مرد کے مادہ منویہ کے بیوانی غلیوں میں سے، جو کروڑوں کی تعداد میں ہوتے ہیں، کسی ایک کے ذریعے وہ بیضہ بارور ہو جاتا ہے اور بتدریج نیچے کی طرف رحم میں کسی جگہ لٹک جاتا ہے جسے قرار حمل (Implantation) کہتے ہیں۔

رحم میں یہ بیضہ، قرار حمل کے نتیجے میں آہستہ آہستہ نشوونما پاتا ہے اور ۹ ماہ کی مدت حمل (Gestation period) گزرنے کے بعد وضع حمل کے ذریعے رحم سے باہر آ جاتا ہے۔ تاہم اگر حیوانی خلیوں کا ملاپ واقع نہ ہو تو پھر اُس صورت میں وہ بیضہ دو ہفتے کی مدت میں ماہواری کے خون کے ساتھ باہر نکل جاتا ہے۔ اکثر بیضے، بیضہ دان سے خارج ہونے اور مرد کے حیوانی خلیوں سے نہ ملنے کی صورت میں، زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہتے۔

بلوغت کے بعد لڑکیاں بالعموم اپنے زیر جامہ پر ایک رطوبت (آنول نما) محسوس کرتی ہیں۔ یہ ایک قدرتی عمل ہے جو دیہجائینہ کے غدودوں سے خارج ہونے والی رطوبت کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔ اس کی رنگت سفید یا زردی مائل سفید ہوتی ہے اور کسی حد تک تکی یا گاڑھی۔ عورتوں کے حیض کے مختلف ادوار میں اس کی مقدار اور ظاہری حالت میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

(ب) مردانہ جنسی اعضاء:

مردانہ جنسی اعضاء میں عضو تناسل (Penis) بمعہ دیگر غدود اور قضيہ (Scrotum) شامل ہے جس میں دونوں طرف ایک ایک خضیہ (Testicle) ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک نالی (Urethral Canal) بھی ان اعضاء میں شامل ہے جو خضیوں سے لے کر عضو تناسل میں سے گزرتی ہوئی، سوراخ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ عضو تناسل تین انتصابی بافتوں (Erectile tissues) سے بنا ہوتا ہے جو ان بافتوں میں خون کی گردش کے باعث تن جاتا ہے اور یوں یہ سورت کی پیشاب گاہ کے راستے دیہجائینہ میں داخل ہوتا ہے جسے جنسی اختلاط / مباشرت کہتے ہیں۔ عضو تناسل کا آخری سراپاری نما (Glans) شکل کا ہوتا ہے جو بہت زود حس ہوتا ہے اور اس میں متعدد اعصاب ہوتے ہیں جو جنسی انتشار کے وقت مرد کو حظ جنسی (Orgasm) کا احساس دلاتے ہیں۔ عضو تناسل کے آخری اور بیرونی سرے پر ایک تنگ سوراخ ہوتا ہے جس میں سے پیشاب کا اخراج ہوتا ہے اور جنسی اختلاط یا کسی اور وجہ سے (احتمالاً) مادہ منویہ کا اخراج (Ejaculation) بھی اسی میں سے زوردار جھٹکوں (Spurts) کی شکل میں ہوتا ہے۔

کسی مرد کے قد کاٹھ یا موٹاپے کا کوئی تعلق، اس کے عضو تناسل کے سائز سے نہیں ہوتا۔ جب یہ سکڑی ہوئی حالت میں ہوتا ہے تو اس کا سائز / حجم کم ہوتا ہے جبکہ تن جانے کی صورت میں

یہ لبا اور جہم میں موٹا ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ تاثر غلط ہے کہ عضوتناسل کی لمبائی کا کوئی تعلق انسان کی جنسی قوت و طاقت سے ہے۔

عضوتناسل کے اگلے سرے پر نرم جلد ہوتی ہے جو سرے کے اوپر تک لٹکی ہوتی ہے، اسے غلظہ (Prepuce) کہتے ہیں۔ ختنے کی صورت میں اسے کاٹ دینے سے عضوتناسل کا سرا آزاد ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے اندر پسینہ/میل جمع نہیں ہو سکتی اور انسان بہت سے امراض سے محفوظ رہتا ہے۔ (اس کے لیے دیکھئے: چھٹا باب) خون کی گردش کی وجہ سے مرد کا عضوتناسل تن کر کھڑا ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے عضلات اور انقباضی بافتوں میں خون رک جاتا ہے اور اسی وجہ سے یہ جنسی اختلاط کے وقت عورت کی دیباغینہ میں آسانی کے ساتھ داخل کیا جاسکتا ہے۔

عضوتناسل کے پیچھے، دو خبیے ہوتے ہیں جو علیحدہ علیحدہ تھیلیوں میں بند ہوتے ہیں جسے قضیب (Scrotum) کہتے ہیں۔ خبیوں میں سے کوئی ایک کسی حد تک بڑے سائز کا اور دوسرا چھوٹے سائز کا ہوتا ہے۔ اس میں مادہ منویہ کے حیوانی خلیے بنتے ہیں جہاں سے یہ خبیے کے دوسرے حصے Epididymis میں چلے جاتے ہیں اور وہاں یہ نشوونما پاتے ہیں۔ اس طریق پر مختلف عددوں کی رطوبت بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے۔ جنسی اشتعال کے وقت، مادہ منویہ، عضلات کے بار بار سکڑنے کی وجہ سے جھکوں (Spurts) کی شکل میں عضوتناسل کے سوراخ سے نکلتا ہے۔

پیشاب کی نالی میں بھی عددوں کی مختلف رطوبتیں پائی جاتی ہیں جو اس نالی کو چکنا کرتی ہیں تاکہ اس میں مادہ منویہ کا اخراج آسانی کے ساتھ ہو جائے۔ جب عضو مخصوص تن کر کھڑا ہو جاتا ہے تو اس میں سے ایک سفید رطوبت نکلتی جس کی وجہ سے عضوتناسل کو عورت کے جنسی عضو میں داخل ہونے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ مرد کے ایک دفعہ کے انزال میں جو مادہ منویہ نکلتا ہے اس کے نصف چمچہ چائے میں ۲۵۰ سے ۵۰۰ ملین حیوانی خلیے ہوتے ہیں۔

(ج) ہارمون/ماء الحیات (Hormones):

عورتوں کے بنیادی تولیدی اعضاء بیضہ وان اور مرد کے خبیوں سے کچھ اس قسم کی رطوبتیں نکلتی ہیں جو براہ راست خون میں مل جاتی ہیں جبکہ خون ان اعضاء میں گردش کے دوران آتا

ہے۔ اس قسم کے غدود بغیر نالی کے غدود یا (Ductless glands) کہلاتے ہیں۔ یہ ماء الحیات نہ صرف جسمانی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتے ہیں بلکہ انسان کی دماغی، نفسیاتی صحت و تندرستی کے لیے بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان رطوبتوں کو ہارمون (Hormones) یا ماء الحیات کہتے ہیں۔

یہ رطوبتیں نہ صرف خسیوں اور بیضہ دان سے، خارج ہوتی ہیں بلکہ انسانی دماغ میں موجود ایک غدود، (جو پینل کے چھوٹے ربڑ کے سائز کا ہوتا ہے) اور جو دماغ کے پچھلے حصے میں ہڈیوں کے درمیان بہت حفاظت سے رکھا ہوتا ہے، سے بھی خارج ہوتی ہیں۔ اس غدود کو غدہ نخامیہ (Pituitary gland) کہتے ہیں اور اس سے مختلف اقسام کی بہت سی رطوبتیں خارج ہوتی ہیں۔ اس غدود سے نکلنے والی رطوبتیں نہ صرف خسیوں اور بیضہ دان سے نکلنے والی رطوبتوں کے نظام کو کنٹرول کرتی ہیں بلکہ جسم کے دوسرے حصوں میں پائے جانے والے غدود بھی اسی غدہ نخامیہ سے نکلنے والی رطوبتوں کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ اس غدود کی رطوبتوں سے بیضہ دان کی نشوونما ہوتی ہے جس میں انڈے/بیضے پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک بیضہ ہر ماہ نشوونما پا کر بیضہ دان سے خارج ہوتا ہے۔ اس ہارمون کی وجہ سے عورتوں میں ماہواری کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور مسلسل ہر ماہ باقاعدگی سے سالوں تک چلتا رہتا ہے۔ اسی طرح مردوں میں، غدہ نخامیہ کے ہارمونوں کی وجہ سے خسیوں کی پرورش اور نشوونما ہوتی ہے اور اس میں پائے جانے والے خلیات سے حیوانی خلیوں کی پیدائش ہوتی ہے نیز اس کے تحت خسیوں سے بھی ایک ماء الحیات (Testosterone) نکلتا ہے جس سے مردانہ پن (Masculinity) اور دیگر مردانہ خصوصیات کا اظہار ہوتا ہے جیسے جارحانہ پن وغیرہ اور اس کے ساتھ ساتھ جسم کے مختلف حصوں (دڑھی، مونچھ، بغل اور زیر ناف) میں بال اگتے ہیں۔ غدہ نخامیہ سے نکلنے والی رطوبتیں، جسم کے دیگر غدودوں کی رطوبتوں کے نظام کو کنٹرول کرتی ہیں۔ اس طرح عورتوں کے بیضہ دان سے بھی مختلف ہارمونز (Estrogens) کا اخراج عمل میں آتا ہے جس کی وجہ سے ماہواری کا عمل، بیضہ دان میں انڈے کا نشوونما پانا اور اخراج اور اس اخراج کی صورت میں اگر مردانہ خلیات منی سے جو مادہ منویہ میں ہوتے ہیں، ان کا ملاپ ہو جاتا ہے تو پھر اس کے نتیجے میں قرا حمل ہو جاتا

ہے۔ ہیضہ دان سے انڈے کے اخراج کے بعد وہاں ایک چھوٹا سا گڑھا پیدا ہو جاتا ہے جو بعد میں ایک ابھار (Corpus luteum) کی شکل میں بن جاتا ہے جس سے از خود ایک رطوبت/ ہارمون کا اخراج عمل میں آتا ہے جسے پروجیسٹرون (Progesterone) کہتے ہیں۔ یہ ہارمون عورتوں میں قیام حمل کے لیے ضروری ہوتا ہے جو مسلسل ۹ ماہ تک عورت کے رحم میں بچے کی نشوونما کے دوران خارج ہوتا رہتا ہے اور حمل کی مدت کے بعد اس کے اخراج میں کمی آ جاتی ہے اور دیگر ہارمونوں کے زیر اثر پیدائش کا عمل (وضع حمل) واقع ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس ہارمون کی کمی کی وجہ سے عورتوں کو اسقاط حمل ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ دوران حمل، پروجیسٹرون ہارمون کی وجہ سے ماہواری کا عمل اور پیسے دان سے انڈے کا اخراج بھی رک جاتا ہے۔

جنسی اعضاء کے ان ہارمونز کے علاوہ جسم کے دیگر متعدد غدودوں سے بھی مختلف اقسام کے ہارمونز پیدا ہوتے ہیں۔ اسی قسم کا ایک غدد جسے غدۃ ورقیہ (Thyroid gland) کہتے ہیں انسان کی گردن میں واقع ہوتا ہے۔ اس غدد کی رطوبت (Thyroxin) کسی نہ کسی صورت میں جنسی قوت و طاقت اور صلاحیت میں مددگار ہوتی ہے۔ کلدہ گردہ غدود (Adrenal gland) بھی ایک عضو ہے جو گردے کے اوپر ایک ٹوپی کی شکل میں جڑا ہوتا ہے۔ اس سے بھی ایک رطوبت کا اخراج ہوتا ہے جسے ایڈرینالین (Adrenalin) کہتے ہیں۔ یہ ہارمون کسی خطرے، خوف اور کام کی زیادتی کی صورت میں انسانی جسم یا متاثرہ حصے کی طرف خون کی گردش زیادہ کرتا ہے جس میں جنسی اختلاط کے وقت جنسی اعضاء میں زیادہ خون کی گردش بھی شامل ہے۔ (ج) بلوغت:

انسانی زندگی میں ۸ سے ۱۸ سال کے دوران، جسمانی نظام میں متعدد تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ یہ تمام تبدیلیاں درج بالا مختلف اقسام کے ہارمونز کی پیدائش کی وجہ سے واقع ہوتی ہیں۔ جسمانی نظام میں اس قسم کی تبدیلیوں کو بلوغت کی عمر کہتے ہیں اور اس مرحلے پر لڑکا/ لڑکی بالغ ہو جاتے ہیں۔

بلوغت کا مرحلہ، درحقیقت بچپن اور لڑکے/ لڑکی کے بالغ ہونے کا درمیانی عرصہ ہوتا ہے۔ اس مرحلے کو عبور کرنے پر جسمانی نظام، اعضاء اور انسانی احساسات و نفسیات میں بہت سی

تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ جن کا ہم سوشل اور رویوں کی تبدیلی (Behavioral changes) کے عنوان کے تحت مطالعہ کریں گے۔ یاد رہے کہ تمام انسانوں میں عمر کی کوئی ایسی حد نہیں جب کہ وہ بالغ ہو جاتے ہوں۔ مختلف لوگوں میں یہ مرحلہ مختلف اوقات میں آتا ہے۔ لڑکیوں میں ۸ سے ۱۷ سال میں اور لڑکوں میں ۱۰ سے ۱۸ سال کی عمر میں بلوغت کا مرحلہ کسی وقت بھی واقع ہو سکتا ہے۔ بلوغت کی عمر کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب کہ جنسی اعضاء (خبیہ اور بیضہ دان) اپنا طبعی فعل (مادہ منویہ کی پیدائش اور جنسی خواہش کا پیدا ہونا لڑکوں میں اور ماہواری کے دور کا آغاز لڑکیوں میں) سرانجام دینا شروع کرتے ہیں۔ اس طرح لڑکے اور لڑکیاں، ایک مرد اور عورت کا روپ دھار لیتے ہیں اور شادی کے قابل ہو جاتے ہیں۔ لڑکی کی عمر میں یہ ایک بہت نازک اور سخت تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے۔ اس دوران لڑکے/لڑکیاں دو بڑی تبدیلیوں سے آگاہ ہوتے ہیں:

اولاً: بالغ ہونے والی لڑکیاں اور لڑکے اپنے جسمانی اعضاء میں تبدیلیوں اور نشوونما کی وجہ سے اپنے حسن و رعنائی سے آگاہ ہوتے ہیں اور ان میں جنسی خواہش جنم لیتی ہے۔

ثانیاً: لڑکے اور لڑکیاں جذباتی طور پر ماں/باپ یا بڑوں کے اثرات سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اب ہم ان تبدیلیوں کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے بات کریں گے۔

(الف) جسمانی تبدیلیاں:

بالغ ہونے والے لڑکے/لڑکیوں کے لیے یہ ایک بہت دشوار، پیچیدہ اور الجھن میں مبتلا کرنے والا (Awkward) مرحلہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے اندر کسی قسم کی کمی اور پڑمردگی (Weird) محسوس کرتے ہیں۔ تاہم یہ احساس فطری ہے۔ اس دوران بہت سی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ ان میں کچھ تبدیلیاں دونوں صنفوں میں یکساں واقع ہوتی ہیں جبکہ چند خصوصیات ایسی ہیں جو لڑکوں اور لڑکیوں میں علیحدہ علیحدہ (Gender specific) ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ مشترک جسمانی تبدیلیاں ذیل میں درج کی جا رہی ہیں:

۱۱ وزن میں اضافہ، جسمانی قد کا بڑھنا/درازی قد

۱۱ جسم پر بالوں کا اگنا

◀ آواز میں بھاری پن یا مکمل آواز کا نکلنا

◀ چہرے پر چھوٹے چھوٹے دانوں (Acne) کا ظہور

◀ ضمنی جنسی اعضاء (لڑکیوں میں پستانوں کی نشوونما اور لڑکوں میں عضو تناسل کا بڑھنا)

(ب) جذباتی تبدیلیاں:

لڑکوں اور لڑکیوں میں درج بالا جسمانی تبدیلیوں اور نشوونما کے ساتھ ساتھ، جذباتی تبدیلیاں اور ان کی سوچ میں ایک انقلاب رونما ہوتا ہے۔ ان جذباتی تبدیلیوں میں سے اکثر جسمانی تبدیلیوں کے نتیجے میں واقع ہوتی ہیں۔ دوڑوں صنفوں میں اس قسم کی درج ذیل تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں:

◀ لڑکے اور لڑکیاں ایک عجیب قسم کی جذباتی کیفیت (Moodiness) سے دوچار ہوتے ہیں۔ لڑکوں میں اس قسم کی تبدیلیاں ان کے خصیوں سے خارج ہونے والے ہارمون اور لڑکیوں میں بیض دان کے ہارمونز کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

◀ لڑکے/لڑکیاں اپنی جسمانی تبدیلیوں، خوبصورتی کے بارے میں تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انھیں اس امر کا بہت احساس ہو جاتا ہے کہ لوگ انھیں خوبصورت سمجھیں اور پسندیدگی کے خیالات کا اظہار کریں۔

◀ جسمانی تبدیلیوں کی وجہ سے وہ اپنے طور پر عجیب و غریب (Awkward) محسوس کرتے ہیں۔

◀ بہت جلد اور آسانی کے ساتھ جنسی طور پر برا بیخنتہ ہو جاتے ہیں۔

◀ دوسرے لوگوں میں جنسی تبدیلیوں کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں (Sexual curiosity) اور بالخصوص صنف مخالف کی جانب کشش اور لگاؤ محسوس کرتے ہیں۔

◀ بالعموم جلد ہی جذباتیت کا شکار ہو جاتے ہیں اور عام حالات کے برعکس شدید رد عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

◀ والدین اور بڑوں سے آزادانہ رائے/عمل کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

بلوغت کی حالت ایک ایسا مرحلہ ہوتا ہے جس پر ان کی آئندہ علمی و عملی زندگی نیز سماجی اور

جنسی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ اس لیے ہم اس پر قدرے تفصیل سے گفتگو کریں گے۔
(الف) لڑکوں میں بلوغت کی عمر:

اکثر لڑکوں میں بلوغت کی عمر کا آغاز ۱۱ سال سے شروع ہوتا ہے اور ۱۷ سال تک جاری رہتا ہے۔ تاہم یہ مرحلہ جلد شروع ہو سکتا ہے اور دیر سے ختم بھی۔ جسمانی تبدیلیاں ایک ہی طریق پر واقع ہوتی ہیں اگرچہ ان تبدیلیوں میں سے بیشتر کا تعلق بیرونی جسمانی تبدیلیوں سے ہوتا ہے تاہم اندرونی اعضا میں بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔

جیسا کہ بتایا گیا کہ بلوغت کا تعلق ان ہارمونز سے ہوتا ہے جو غدہ نخامیہ سے نکلتے ہیں۔ خضیوں سے نکلتے والے مردانہ ہارمون میں غدہ نخامیہ کی رطوبت کے زیر اثر، اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے نشوونما کا مرحلہ بھی پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ اس مردانہ ہارمون کی وجہ سے عضوتناسل اور خضیوں کی نشوونما میں بھی اضافہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے خضیوں میں حیوانی خلیات منی کی پیداوار کا عمل بھی شروع ہو جاتا ہے۔ اس ہارمون کے زیر اثر جسم کے مختلف حصوں یعنی، ٹانگوں، چہرے اور بغلوں میں بال اگنا شروع ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ عضوتناسل اور قنصب کے ارد گرد بھی بال اگنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ بال چھوٹے چھوٹے، گھنگریالے زیر ناف حصے پر اگنے شروع ہو جاتے ہیں اور عمر کے ساتھ ساتھ گھنے ہونے لگتے ہیں۔

ہارمونز کی رطوبت کی وجہ سے جسم میں پسینے کا جب کہ تیل کے غدودوں سے پسینے اور چکنی رطوبتوں کا اخراج ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ان ہارمونز کی وجہ سے لڑکوں کا اپنے دوستوں اور لڑکیوں کے بارے میں رویہ بدلتا رہتا ہے۔ اس دوران، لڑکوں کے حلق میں موجود آواز کا آلہ (Larynx) بھی نشوونما پانے لگتا ہے اور آواز میں بھر بھراہٹ اور بھاری پن پیدا ہوتا ہے۔ جسمانی عضلات بڑھنے لگتے ہیں۔ سینے کا حصہ کسی حد تک باہر کی طرف نکلنا شروع ہو جاتا ہے اور اس پر موجود نپل (Nipple) زیادہ حساس ہو جاتے ہیں اور اس کے ارد گرد کا حصہ گولائی کی شکل میں سخت ہو جاتا ہے۔ نھبے بڑے ہو جاتے ہیں اور نیچے کی طرف لٹک جاتے ہیں۔ عضو تناسل کے سائز میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ گہرا ہونا شروع ہوتا ہے۔

بلوغت کی وجہ سے عضوتناسل براہ راست متاثر ہوتا ہے اور اس عمر میں لڑکے اس کے سائز

کے بارے میں بہت تشویش میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جس طرح ہر لڑکے کا قد کاٹھ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، اسی طرح عضو تناسل کا سائز اور شکل بھی ہر لڑکے میں مختلف ہوتی ہے اور اس کا کوئی ایک Standard size ”صحیح سائز“ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ عضو تناسل عام حالت میں سکڑا ہوا اور نرم ہوتا ہے لیکن خون کی گردش کی وجہ سے تن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور لکڑی کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔ عضو تناسل کا اس طرح تن کر کھڑا ہونا، کسی وقت بھی ہو سکتا ہے (بالخصوص عریاں فلمیں، شہوانی خیالات یا خوبصورت لڑکی کو دیکھنے سے)۔ بعض اوقات رات کے وقت سوتے ہوئے کھڑا ہو جاتا ہے اور اس سے مادہ منویہ کا اخراج ہو جاتا ہے جو ایک سفید رنگ کی لیس دار گاڑھی رطوبت ہوتی ہے۔ اسے احتلام ہونا یا (Nocturnal emission) کہتے ہیں۔ بلوغت کے آغاز ہی سے خصلوں میں مادہ منویہ کے حیوانی خلیے پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور یہ سلسلہ مرتے دم تک جاری رہتا ہے۔ مادہ منویہ سے خارج ہونے والے کروڑوں حیوانی خلیات میں سے صرف ایک حیوانی خلیہ عورت کے اعضاء کو بارور کر سکتا ہے۔

احتلام ہونے کی صورت میں ایک مسلمان لڑکے کے لیے ضروری ہے کہ وہ غسل کرے اس طرح جس طرح شادی شدہ شوہر اپنی بیوی سے جنسی اختلاط کے بعد کرتا ہے۔ غسل اور طہارت کے بارے میں مزید تفصیلات اسی باب میں دی گئی ہے۔

لڑکوں میں چہرے پر بال قریباً ۱۳ سے ۱۶ سال کی عمر میں آنا شروع ہوتے ہیں۔ یہ تمام چہرے پر بکھرے ہوئے ہوتے ہیں اور نرم ہوتے ہیں لیکن مونڈنے/شیو کرنے پر رفتہ رفتہ سخت ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جسم کے دیگر حصوں سے چکنی اور تیل جیسی رطوبت اور پسینے کی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ روزانہ نہایا جائے۔ مغرب میں جہاں نہانے کا زیادہ رواج نہیں، وہاں اس مخصوص جسمانی بدبو کو دور کرنے کے لیے اکثر لڑکے کے Deodorant (بدبو کو دور کرنے والی دوائی) مانع حالت میں استعمال کرتے ہیں۔ بلوغت کے ساتھ ہی جسم سے پسینے اور چکنی رطوبت کا بہت زیادہ اخراج ہوتا ہے۔ اس ضمن میں یہ ضروری ہے کہ چہرے کی صفائی پر خصوصی توجہ دی جائے ورنہ چکنائی/پسینے کی وجہ سے چہرے پر چھوٹے چھوٹے گول سفید دانے نکل آتے ہیں۔ اس طرح کے دانے جب بہت زیادہ تعداد میں نکلیں اور مسلسل نکلتے رہیں تو اس حالت کو Acne کہتے ہیں

جس سے نہ صرف تکلیف ہوتی ہے بلکہ چہرہ بدنما بھی لگتا ہے اور بعض اوقات یہ مستقل نشان بھی چھوڑ دیتا ہے۔

بلوغت کا مرحلہ لڑکوں کے لیے بہت زیادہ جنس اشتعال اور خواب دیکھنے کا ہوتا ہے اور ایسے احساسات/ خواب بہت حد تک پریشان کن ہوتے ہیں تاہم اس میں کسی حد تک فرحت (Pleasure) کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ لڑکوں میں یہ حالت فطری اور قدرتی ہوتی ہے۔

لڑکے اور لڑکیوں میں یکساں طور پر اس قسم کے احساسات بلوغت کے دوران پیدا ہوتے رہتے ہیں اور اکثر اپنے نیز دیگر لوگوں کے بارے میں ان کے خیالات اور احساسات میں وقتاً فوقتاً تبدیلی آتی رہتی ہے۔ اس دور میں لڑکوں پر موڈ کے دورے (Mood swings) بھی پڑتے ہیں جس سے وہ بہت جلد خوش اور بہت جلد ناراض ہو جاتے ہیں۔

بلوغت کے ساتھ لڑکوں میں رومانوی کیفیت بھی طاری ہوتی ہے۔ لڑکے کسی ”خاص فرد“ کی رفاقت میں چلنے سے بہت محظوظ ہوتے ہیں۔ اپنے دوستوں کے ساتھ بہت زیادہ اظہار محبت اور لگاؤ (Hanging up) کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اگر ان کے ان جذبات کا جواب اسی گرجموشی سے نہ دیا جائے تو وہ اس سے جلد ہی دل برداشتہ بھی ہو جاتے ہیں۔ لڑکوں میں اس قسم کی دیگر تمام تبدیلیوں کے بارے میں مختصر طور پر معلومات ذیل میں دی جا رہی ہیں۔

لڑکوں میں جسمانی و جذباتی تبدیلیاں:
(الف) ۹ سے ۱۰ سال کی عمر:

قد: ۱۲۲ تا ۱۳۳ سینٹی میٹر

جذباتی کیفیت: لباس کے بارے میں لاپرواہ اور کسی نئے لباس کو پہننے سے بے زاری کا اظہار۔

اہم ہجولی لڑکوں کے جگمگے میں خوش رہنا بہ نسبت کسی ایک دوست کے۔

(ب) ۱۱ تا ۱۲ سال کی عمر:

قد: ۱۳۳ تا ۱۴۵ سینٹی میٹر بالغ عمر کے قد/ لہائی کا ۸۰ فی صد حصہ مکمل ہو جاتا ہے۔

جذباتی کیفیت: اس عمر میں جسمانی نشوونما تیزی کے ساتھ ہوتی ہے۔ کندھے

چوڑے ہو جاتے ہیں۔ چھاتی کا سائز بڑھ جاتا ہے۔ عضو تناسل لمبا اور موٹا ہو جاتا ہے۔ آواز بھاری ہو جاتی ہے اور ٹوٹی نہیں۔ کھیلوں میں سنجیدگی/بھرپور طریق پر شرکت۔

(ج) ۱۳ تا ۱۴ سال کی عمر:

قد: ۱۵۸ تا ۱۶۳ سینٹی میٹر

جذباتی کیفیت —: جسمانی نشوونما کی شرح بہت تیز اور لڑکے بالغ ہو جاتے ہیں۔ زیر ناف بال اگنے شروع ہو جاتے ہیں۔ احتلام شروع ہو جاتا ہے اور آواز کسی حد تک پھٹی پھٹی سی ہو جاتی ہے۔

(د) ۱۵ تا ۱۶ سال کی عمر:

قد: ۱۵۸ تا ۱۷۰ سینٹی میٹر

جذباتی کیفیت —: بلوغت کی وجہ سے جلد کی رنگت تبدیل ہو جاتی ہے (یعنی کسی قدر سخت)، جلد کے مسام بھی بڑے ہو جاتے ہیں اور ان سے پسینے اور چکنائی دار رطوبتوں کا زیادہ اخراج ہوتا ہے۔ چہرے پر چھوٹے چھوٹے دانے نکل آتے ہیں اور لڑکے اس دوران اپنی نمر کے مطابق فیشن کرنے لگتے ہیں۔

(ر) ۱۷ تا ۱۹ سال کی عمر:

قد: ۱۶۳ تا ۱۷۷ سینٹی میٹر

جذباتی کیفیت —: لڑکے شیو کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کسی ایک لڑکی کے ساتھ دوست نہ تعلقات استوار کر لیتے ہیں (یاد رہے کہ یہ بات مغربی ممالک/امریکہ کے بارے میں ہے) لیکن اس عمر میں کار اور موٹر سائیکل چلانے کا خطہ ہوتا ہے۔ گھروں میں والدین کو بہت کم وقت دیتے ہیں اور اپنی رائے کی صحت پر اصرار کرتے ہیں۔

لڑکیوں میں بلوغت:

لڑکیوں میں بھی بلوغت کی عمر بہت سی تبدیلیوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ ان میں جسمانی تبدیلیوں کا آغاز ۸ سال کی عمر میں ہو جاتا ہے۔ اس عمر میں انھیں اپنی جسمانی نشوونما اور قد کے نہ بڑھنے پر تشویش ہوتی ہے یا وہ اس بات پر پریشانی کا اظہار کرتی ہیں کہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کی

نسبت جلدی بڑھ رہی ہیں۔ یاد رہے کہ ہر لڑکی کی جسمانی نشوونما مختلف انداز میں ہوتی ہے۔ کچھ میں بلوغت کا آغاز جلد ہو جاتا ہے جبکہ کچھ میں کسی حد تک دیر سے۔ ذیل میں لڑکیوں کی عمر کے مختلف ادوار میں جو جسمانی اور جذباتی تبدیلیاں آتی ہیں، ان کا ذکر کیا جا رہا ہے:

لڑکیوں میں بلوغت کی وجہ سے جسمانی و دیگر تبدیلیاں:

لڑکیوں میں بلوغت کے دور میں جو بھی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں ان کا تعلق بھی ان ہارمونوں کی وجہ سے ہوتا ہے جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ ۹ سے ۱۳ سال کی عمر میں پستانوں کا سائز بتدریج بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ اس عمر میں لڑکیوں کو اپنے پستانوں کی نشوونما اور ان کی شکل و صورت کے بارے میں فکر ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ مختلف لڑکیوں میں پستانوں کا سائز اور شکل و صورت مختلف ہوتی ہے اس لیے کسی لڑکی کو اس بارے میں بہت زیادہ تشویش کا اظہار نہیں کرنا چاہیے اگر اس کے پستان ان کی دیگر ہم عمر لڑکیوں سے مختلف ہوں۔ مزید یہ کہ اس عمر میں زیر ناف اور بغلوں میں بال اگنا شروع ہوتے ہیں۔

(الف) ۹ تا ۱۰ سال کی عمر:

قد: ۱۲۲ تا ۱۳۳ سینٹی میٹر

جذباتی کیفیت —: اس عمر میں لڑکیاں اپنا ایک دوست/بھولی بناتی ہیں یہ نسبت بہت سے دوستوں کے اور بھولی لڑکیوں/لڑکوں کے ساتھ گروپ کی شکل میں کھیلنا پسند کرتی ہیں۔ کپڑوں کے بارے میں کسی حد تک لاپرواہی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔

(ب) ۱۱ تا ۱۲ سال کی عمر:

قد: ۱۳۲ تا ۱۴۵ سینٹی میٹر

جذباتی کیفیت —: بلوغت کا آغاز ہو جاتا ہے۔ چہرہ بھر جاتا ہے۔ کو لہے کسی حد تک چوڑے ہونے لگتے ہیں۔ پستان بڑھنے لگتے ہیں، ان کی بھنٹی (Nipple) باہر کی طرف نکلی نظر آتی ہے۔ زیر ناف بال اگنے شروع ہوتے ہیں۔ آواز گہری ہونے لگتی ہے لیکن لڑکوں کی نسبت کم۔ کچھ لڑکیوں میں ماہواری کا آغاز ہو جاتا ہے۔

(ج) ۱۳ تا ۱۴ سال کی عمر:

قد: ۱۴۵ تا ۱۵۸ سینٹی میٹر

جذباتی کیفیت —: اس عمر میں لڑکیوں میں ماہواری کا آغاز ہو جاتا ہے۔ جسمانی نشوونما کسی حد تک کم ہو جاتی ہے۔ لڑکیاں اپنے لباس اور ظاہری حسن و صورت کا خیال رکھنے لگتی ہیں جب کہ مغربی ممالک کی لڑکیاں اپنی عمر سے ۱-۲ سال بڑی عمر کے بوائے فرینڈ کے ساتھ میس جول رکھنا شروع کرتی ہیں۔

(د) ۱۵ تا ۱۶ سال کی عمر:

قد: ۱۵۲ تا ۱۶۳ سینٹی میٹر

جذباتی کیفیت —: اس عمر میں لڑکیاں بہت حد تک پر اعتماد اور یقین سے سرشار ہوتی ہیں اور بالغوں کے ساتھ گفتگو کرنا پسند کرتی ہیں اور اپنی رائے اور فیصلوں کی صحت پر اصرار کرتی ہیں۔ عمدہ لباس اور فیشن کا خیال کرتی ہیں اور ان امور پر زیادہ توجہ دیتی ہیں۔

(ر) ۱۷ تا ۱۸ سال کی عمر:

قد: ۱۶۰ تا ۱۶۵ سینٹی میٹر

جذباتی کیفیت —: اس عمر میں لڑکیاں کام کرنے یا اعلیٰ تعلیم کے حصول کو پسند کرتی ہیں اور گھروں میں کام کاج کرنے میں ہاتھ بٹاتی ہیں۔ مغرب اور امریکہ میں یہ عمر رومانی فلموں کے دیکھنے اور اصلی بوائے فرینڈ سے تعلقات رکھنے کی ہوتی ہے۔

آغاز ماہواری (Menstruation):

لڑکیوں میں ماہواری کا آغاز ایک قدرتی اور نارمل عمل ہے جو کہ بالعموم ۱۰ سے ۱۱ سال کی عمر میں شروع ہو جاتا ہے تاہم جلدی سے جلدی ۹ سال کی عمر میں اور زیادہ تاخیر سے ۱۷ سال کی عمر میں بھی واقع ہوتی ہے جس کا تعلق صحت اور جسمانی نشوونما سے ہوتا ہے۔ ماہواری کا آغاز اس امر کا غماز ہوتا ہے کہ لڑکیاں (شادی کی صورت میں) بچے کی ولادت کے قابل ہو گئی ہیں۔ نارمل حالات میں ایک عورت کو ہر ماہ ایک مرتبہ ماہواری آتی ہے الا یہ کہ وہ حاملہ ہو جائے۔ ایک ماہواری سے دوسری ماہواری کا وقفہ، ماہواری کا دور کہلاتا ہے۔ یہ بلوغت کے ساتھ شروع ہوتا ہے

اور ۴۵ سے ۵۵ سال کی عمر کو پہنچنے پر سن یاس (Menopause) کی شکل میں بند ہو جاتا ہے۔

ماہواری کے دوران، عورت کے رحم میں خون اور غذائی اجزاء کا ایک ذخیرہ رحم کی اندرونی سطح پر موٹی سی تہہ کی شکل میں جمع ہو جاتا ہے تاکہ قرا رحمیل کی صورت میں جنین (Zygote) کو خوراک مل سکے اور وہ رحم میں آرام کے ساتھ تک جائے جیسے Implantation کہتے ہیں۔ اس دوران اس کی بیضہ دانی سے کسی ایک میں بیضے کی نشوونما ہوتی ہے اور بعد ازاں وہ بیضہ وہاں سے نکل کر رحم کی جانب آہستہ آہستہ رواں دواں ہوتا ہے۔ اسے اخراج بیضہ (Ovulation) کا عمل کہتے ہیں۔ اگر یہ بیضہ رحم کے بازوؤں یا رحم میں مرد کے حیوانی خلیوں (مباشرت کی وجہ سے) میں سے کسی ایک سے ملاپ کے نتیجے میں بارور (Fertilize) نہیں ہوتا تو پھر رحم میں موجود غذائی اجزاء اور دیگر خلیات (رحم میں گداز بستر بنانے والے تاکہ جنین کو آرام سے وہاں تکنے کا موقع مل جائے) کی ضرورت نہیں رہتی اور اس طرح قریباً ۲ ہفتے بعد یہ تمام رطوبتیں ویسٹینہ کے راستے باہر نکلنا شروع ہو جاتی ہیں جسے ماہواری آنا کہتے ہیں۔ اس کی مدت ۳ سے ۷ دن ہوتی ہے۔ پہلے تین دنوں میں زیادہ تر خون طے خلیات رطوبت کی شکل میں نکلتے ہیں۔ اس دوران عورت کو تھکاوٹ کا احساس ہوتا ہے، کیونکہ اخراج خون کی وجہ سے جسم میں فولاد (Iron) کی کمی سے کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ جسم کو فولاد اور دیگر نمکیات کی کمی سے بچانے کے لیے مختلف حیاتیات اور نمکیات کے مرکبات بازار سے کسی ڈاکٹر کے مشورے سے خرید کر استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

اس حالت میں لڑکیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس قسم کے صاف روئی اور کپڑے کے پیڈ (Sanitary pads) بیرونی طور پر پیشاب گاہ پر باندھیں تاکہ نکلنے والی رطوبت اس میں جذب ہوتی رہے۔ اس قسم کے پیڈ صبح و شام بدل دینے چاہئیں (مغربی ممالک میں اور شاید ہمارے ملک میں بھی اونچے گھرانوں کی عورتیں اس قسم کے Tampon استعمال کرتی ہیں جو پیشاب گاہ کے اندر داخل کر دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ رطوبتوں کو اندر ہی جذب کر سکیں)۔ یہ مختلف سائز کے ہوتے ہیں جو عورتیں اپنی جسمانی ساخت اور آسانی کے مطابق تجربے سے سیکھ کر استعمال کر سکتی ہیں۔ اگر انھیں صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو ان سے کسی قسم کی کوئی تکلیف لاحق

نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ اندرونی طور پر دبیجائینہ میں ”گم“ ہو سکتے ہیں (جیسا کہ کچھ عورتیں خیال کرتی ہیں) کیونکہ ان کے سرے پر بیرونی طرف ایک ”دھاگہ“ چھلا ہوتا ہے جسے پکڑ کر اسے باہر نکالا جاسکتا ہے۔ تاہم اس کے استعمال میں یہ احتیاط بہت ضروری ہے کہ اسے ۴ سے ۶ گھنٹوں بعد تبدیل کر دینا چاہیے ورنہ زیادہ دیر تک اندر رہنے کی وجہ سے اس میں جراثیم / زہریلے مادے پیدا ہو جاتے ہیں جن سے اندرونی جنسی اعضاء میں سوزش / تکلیف ہو سکتی ہے۔ جسے (Shock syndrom) کہتے ہیں، اگرچہ اس کا وقوع بہت کم ہوتا ہے تاہم یہ بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔

کچھ عورتوں میں ماہواری کا دور بہت باقاعدگی کے ساتھ ماہانہ تقریباً ۲۷ دن کے وقفے سے ہوتا ہے یا ۳۳ دن بعد جبکہ دوسری عورتوں میں یہ دور بے قاعدہ ہوتا ہے اور ایک ماہ سے طویل بھی ہو جاتا ہے۔ یہ بھی نارمل ہے اگر مستقل طور پر اس طرح ہوتا رہے۔ آغاز ہونے کے ایک سال بعد تک یہ دور بے قاعدہ رہتا ہے اور بعد میں اس میں باقاعدگی آ جاتی ہے۔ جذباتی پریشانی، بیماری، ذہنی اور جسمانی دباؤ (Stress) یا جسمانی وزن کا بہت زیادہ بڑھنا یا گھٹ جانا بھی ایسے عوامل ہیں جن سے ایک عورت میں ماہواری کا دور نہ صرف بے قاعدہ ہو جاتا ہے بلکہ اکثر اوقات رک بھی جاتا ہے جو ایک بیماری کی کیفیت ہے۔

ایک عورت اس دوران میں مکمل طور پر نارمل اور صحت مند ہوتی ہے۔ وہ نہا سکتی ہے، ورزش کر سکتی ہے یا ہر وہ کام کر سکتی ہے جو وہ عام طور پر روزانہ کرتی ہو۔ بہت سی لڑکیوں / عورتوں کو اس دور کے پہلے دو دنوں میں کمر اور رحم میں درد محسوس ہوتا ہے جسے کم کرنے کے لیے پانی کی ٹکڑیاں یا ہلکی ورزش یا کوئی درد دور کرنے والی دوائی استعمال کی جاسکتی ہے تاہم اس بارے میں ڈاکٹر کا مشورہ ضروری ہے۔ لیکن اس قسم کی حالت شاذ ہی واقع ہوتی ہے۔ اس طرح یہ صورت بھی بہت کم عورتوں میں ہوتی ہے کہ انھیں ۲۴ گھنٹوں میں ۸ سے ۱۲ پیڈ بدلنے پڑیں۔ خونی رطوبتوں کے زیادہ اخراج کی وجہ سے یا ۵ دن سے زیادہ رطوبت اور درد محسوس ہوتا رہے تو ایسے حالات میں یا کسی دوسری صورت میں بہتر ہے کہ کسی ماہر خاتون ڈاکٹر سے مشورہ کر لیا جائے۔ شادی شدہ عورتوں میں ماہواری کے رک جانے سے قرار حمل کا گمان ہونا چاہیے جس کے لیے لیڈی ڈاکٹر کے مشورے سے پیشاب کا ٹیسٹ کر لینا چاہیے۔ یاد رہے کہ ایک دفعہ ماہواری کا آغاز ہونے پر کوئی

عورت حاملہ ہو سکتی ہے اگر وہ شادی سے باہر یا شادی کی صورت میں جنسی اختلاط میں ملوث ہو۔ مسلمان عورتوں کے لیے ماہواری کے خاتمے پر غسل کرنا فرض ہے تاکہ وہ مکمل طور پر پاک ہو جائیں۔ کیونکہ اس طرح پاکی حاصل کرنے کے بعد ہی شادی شدہ عورتیں اپنے خاوند کے ساتھ جنسی اختلاط کر سکتی ہیں۔ مزید تفصیلات آئندہ صفحات میں درج ہیں۔

ماہواری کے آغاز سے پہلے کا عارضہ: (Pre-menstrual syndrome)

یہ عارضہ جسے PMS بھی کہتے ہیں، وہ درد ہوتا ہے جو عورتوں میں ماہواری کا آغاز ہونے سے پہلے ہوتا ہے۔ اس دوران میں لڑکیوں کو سردرد کی تکلیف ہوتی ہے۔ تھکاوٹ کا محسوس کرنا، پیٹ میں ہوا کا بھرنا، چند اشیاء کے کھانے کی غیر معمولی رغبت اور شوق، بے خوابی کی شکایت اور پستانوں کا نرم و نازک ہو جانا ہے۔ کچھ عورتیں اس مرحلے میں بہت زیادہ مایوسی کا شکار ہو کر غمگین، مضطرب اور چڑچڑی ہو جاتی ہیں۔ ان کا موڈ بہت جلد بدلتا رہتا ہے اور وہ کسی چیز پر بہت زیادہ توجہ مرکوز نہیں کر سکتیں۔

حالت یاس (Menopause):

عورتوں میں حالت یاس کا مرحلہ، زندگی میں تبدیلی کا حامل ہوتا ہے۔ تاہم یہ بھی ایک نارمل دور ہوتا ہے۔ اس کا آغاز ۴۵ سے ۵۵ سال کی عمر میں ہوتا ہے اور اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ماہواری کے دور کے معطل ہو جانے کی وجہ سے، وہ عورت اب حاملہ ہونے اور بچے کی پیدائش کے قابل نہیں رہی۔ اس حالت میں عورتیں ایک نئی زندگی سے روشناس ہوتی ہیں۔ ماہواری کے بند ہونے سے حاملہ ہونے کے ڈر سے آزاد، مانع حمل ادویات یا طریقوں سے مکمل چھٹکارہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اکثر عورتوں کو اس دور کے آغاز میں کسی حد تک تکلیف کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جس میں عام طور پر گرم پسینے کا آنا اہم ہے۔ اس کی وجہ جلد میں پائے جانے والے خون کی نالیوں کا رد عمل ہے۔ اس میں جسم میں ایک گرم سی لہر (Sensation) سینے سے سر کی طرف دوڑتی محسوس ہوتی ہے۔ وہ اس حالت میں پسینے سے شرابور ہو جاتی ہیں جس کے بعد انھیں ٹھنڈ محسوس ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ یہ حالت جاگتے اور سوتے دونوں حالتوں میں ہوتی ہے تاہم آہستہ آہستہ ایسا ہونا ختم ہو جاتا ہے۔

اس حالت میں عورتوں کے جنسی و تولیدی اعضاء مثلاً پیشاب گاہ/ و بیجا مینہ خشک ہو جاتی ہیں اور کسی حد تک سکڑنے لگتی ہیں جس کی وجہ سے اس دور میں عورتوں کو اپنے شوہر کے ساتھ جنسی اختلاط کرنے میں تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ماہرین کی یہ رائے ہے کہ متوازن خوراک اور مناسب ورزش کے ذریعے خون میں ایسٹروجن کی کم ہونے والی مقدار پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

پیٹرو کا معائنہ (The Pelvic Exam):

پیٹرو یا اندرونی جنسی/ تولیدی اعضاء کا معائنہ ایک اہم لیکن باقاعدہ میڈیکل چیک اپ ہے جو ہر عورت کو سال میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور کرانا چاہیے۔ اگرچہ شروع میں کسی عورت کے لیے یہ ٹیسٹ کرنا کسی حد تک تکلیف دہ ہوتا ہے تاہم بعد میں اس کا عادی ہونے پر کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ سے عورتیں بہت سے ہونے والے عوارض سے محفوظ رہ سکتی ہیں۔ یہ ٹیسٹ کسی ماہر لیڈی ڈاکٹر سے ماہواری کے بعد (صفائی کی حالت میں) کرانا چاہیے۔ ڈاکٹر کے پاس جانے سے پہلے نہانا ضروری ہے اور زیر جامہ (اگر استعمال کرتی ہوں تو اس کو) بدل لینا چاہیے۔ تاہم کسی صورت میں بہت دن پہلے کسی قسم کا جنسی و تولیدی نالی کا ڈوش (Douche) نہیں کرنا چاہیے۔

کچھ لڑکیوں میں چہرے پر داغ/ پھنسیاں نکلنے کا مسئلہ بھی ہوتا ہے۔ اس کے لیے کسی عمدہ صابن سے منہ دھونا، کم چکنائی والی غذا کا استعمال ضروری ہے تاہم چہرے کی جلد کو نرم و ملائم کرنے کے لیے مختلف اقسام کی کریموں کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ میڈیکل سٹور سے بیسنز آئل پراوکسائیڈ کے لوشن خرید کر منہ دھونے سے مفید نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔
قرار حمل اور بچے کی پیدائش:

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا کہ جنسی اختلاط کے وقت مرد کے کروڑوں حیوانی خلیات، عورت کے بیجا مینہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ خلیات رحم کے منہ (قervix) کے قریب تیرتے ہوئے رحم میں داخل ہو جاتے ہیں جہاں سے وہ رحم کی نالیوں میں پھنٹ جاتے ہیں۔ اس جگہ ان میں سے کسی ایک کا ملاپ عورت کے بیض دان سے خارج ہونے والے انڈے سے ہوتا ہے، جب یہ دونوں آپس میں ملتے ہیں تو ان کے مرکزے (Nucleus) باہم مل کر ایک

Zygote کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس عمل کو بار آوری (Conception/ Fertilization) کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ میاں بیوی کے ہر مرتبہ جنسی اختلاط کرنے سے حمل نہیں ٹھہرتا بلکہ یہ اسی وقت ہوتا ہے جب کہ کسی ایک حیوانی خلیے کا ملاپ بیضے/ انڈے سے ہو۔ حمل کی علامات:

حمل کی سب سے اولین اور اہم ترین علامت ماہواری کے دور کا واقع نہ ہونا ہے۔ دوسری اہم علامت پیشاب کی زیادتی ہے۔ اس کی وجہ ماء الحیات/ ہارمونوں کی تبدیلی ہوتی ہے یا مثانے پر بچے کی نشوونما کی صورت میں بوجھ کی وجہ سے بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ کچھ عورتوں میں اس حالت کے دوران متلی/ قے بھی ہوتی ہے جو کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتی ہیں۔ اسے صبح کی بیماری (Morning Sickness) کہتے ہیں۔ لیکن دن میں کسی وقت بھی یہ تکلیف ہو سکتی ہے۔ پستان کسی حد تک نرم ہو جاتے ہیں، نپل/ بھٹنی کے ارد گرد کا حصہ کسی قدر سیاہی مائل اور سائز میں بڑا ہو جاتا ہے۔ پہلی مرتبہ حاملہ ہونے والی عورتوں کو تھکاوٹ کا احساس ہوتا ہے اور وِجائینہ سے نکلنے والی رطوبتوں کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور اہم علامت قبض کا ہونا ہے۔ اس کی وجہ ہارمونوں کی کمی بیشی اور آنتوں پر بچے کی نشوونما کی وجہ سے وزن کا بڑھ جانا ہے۔ اس دوران میں زیادہ ریشہ دار غذاؤں کا استعمال (مثلاً سبزیاں، پھل، چوکر کی روٹی) بہت ضروری ہے۔

شراب نوشی، سگریٹ نوشی (مغرب اور امریکہ میں عورتوں میں ایک عام رواج) اور فحشیات کے استعمال سے حاملہ عورتوں کی صحت نیز رحم میں نشوونما پانے والے بچے کی صحت و ندرستی پر برے اثرات پڑ سکتے ہیں۔ شراب نوشی سے بچے کو بہت سے عارضے لاحق ہو سکتے ہیں۔ اس میں دماغی نشوونما کی کمی (Mental retardation) اور پیدائش کے وقت نارمل وزن کی کمی ہو جاتی ہے۔ سریت نوشی سے اسقاط حمل، حمل کی مدت پوری ہونے سے قبل بچے کی ولادت (Pre-Mature Birth) وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ صحت کے ماہرین، حاملہ عورتوں کو سگریٹ نوشی، شراب نوشی، کیفین، ٹوکانی، چائے اور چاکولیٹ اور مختلف اقسام کے کولا میں ہوتی ہے، سے پرہیز کا مشورہ دیتے ہیں۔ رحم میں بچے کی نشوونما خون کی نالیوں کے ذریعے ہوتی ہے۔ بعد میں جب اس کا سائز بڑھتا ہے تو اس کے ارد گرد جھلیوں کا ایک جال فٹ بال کی شکل میں قائم ہو جاتا ہے۔ ان

جھلیوں میں جمع ہونے والے مائع فضلات کی رطوبتوں میں وہ تیرتا رہتا ہے اور اس طرح ہر قسم کے جھٹکوں وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے۔

رحم میں بار آوری سے لے کر ولادت کا وقفہ مدت حمل (Gestation period) کہلاتا ہے جس کی مدت ۲۶۶ دن یا قریباً ۹ ماہ ہوتی ہے۔ یہ حالت خلیات جسمانی کے دو سے چار چار سے آٹھ یعنی دو گنے ہونے والے تقسیم کے عمل (Mitotic division) کے نتیجے میں جاری رہتی ہے حتیٰ کہ وہ جاندار (Zygote) جو دو خلیات کے مرکزوں کے باہم ملنے سے ایک خلیے کی شکل میں بناتا تھا، بچے کی پیدائش کے وقت ۲۰۰ بلین خلیات کی شکل میں بن جاتا ہے۔ اسے ماں سے براہ راست غذا ملتی ہے جو رحم میں موجود خون کی نالیوں کے ایک جال سے جسے Placenta کہتے ہیں، کی وجہ سے ملتی ہے۔ یہ بچے کے جسم کے ساتھ ناف کے ذریعے ایک لمبی رسی نما ساخت کی وجہ سے جڑی ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے خون کی گردش کی وجہ سے بچے کو آکسیجن اور غذا کے اجزاء حاصل ہوتے رہتے ہیں۔

بچے کی پیدائش کا عمل، رحم کے سکڑنے کے نتیجے میں واقع ہوتا ہے جو غدہ نخامیہ کے ایک ہارمون آکسی ٹوسن (Oxytocin) کے زیر اثر شروع ہوتا ہے۔ سکڑنے کا یہ عمل ہلکے ہلکے دردوں کی شکل میں ہوتا ہے جو بتدریج بڑھتا چلا جاتا ہے۔ شروع میں درد کی یہ لہر کافی دیر کے بعد اٹھتی ہے لیکن بعد میں اس کے وقفے میں کمی ہوتی چلی جاتی ہے۔ درد کی یہ لہریں جب بردس منٹ بعد محسوس ہونے لگیں تو بہتر ہے کہ عورت کو کسی ہسپتال میں پہنچایا جائے۔ درد کی ان لہروں کو دردِ زہ یا (Labour pain) کہتے ہیں۔ دردِ زہ کے آخری مرحلے میں، رحم کے اندرونی تین پردوں کا جال جس نے بچے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا، وہ رحم کے بار بار سکڑنے کی وجہ سے پھٹ جاتا ہے اور ان میں موجود پانی و بچائینہ/پیشاب گاہ کے راستے باہر نکل آتا ہے۔ بالآخر بچہ، رحم کے چند بہت تیز جھٹکوں/سکڑنے، درد ہونے کے نتیجے میں و بچائینہ کے راستے، پیشاب گاہ سے باہر نکل آتا ہے۔ اس موقع پر لیڈی ڈاکٹر یا دائی منتظر ہوتے ہیں اور وہ بہت آہستگی کے ساتھ بچے کے سر کو پکڑ لیتے ہیں اور اسے باہر نکال لیتے ہیں۔ پیدائش کے چند منٹوں میں لیڈی ڈاکٹر بچے کی ناف کو باندھ کر کاٹ دیتی ہے۔ بچے کی پیدائش کے بعد بھی، رحم کے سکڑنے کا عمل جاری

رہتا ہے لیکن اس میں آہستہ آہستہ کی آئی شروع ہو جاتی ہے۔ اس دوران بچہ جن پردوں میں لپٹا ہوتا ہے، اسے جیر (After birth) کہتے ہیں، یہ باہر نکل آتی ہے اور اسے مناسب طریق پر زمین میں دبا دیا جاتا ہے۔

بچے کی پیدائش کے بعد اسے ماں کا دودھ پلانا چاہیے۔ جبلی طور پر وہ ہر اس چیز کو چوسنا شروع کرتا ہے جو اس کے منہ میں دی جائے۔ عورت کے پستان کے اوپر کے حصہ پھل (بھٹی) سے دودھ نکلتا ہے۔ بچے کو ماں کے پستان سے دودھ پلانے کی تربیت کرنے سے وہ دودھ پینا شروع کر دیتا ہے۔ اس دوران میں (۲ سے ۳ دن تک) پستان سے جو دودھ نما گاڑھی زردی مائل نیلی سی رطوبت نکلتی ہے اسے Colostrum (بولی) کہتے ہیں۔ اس میں بچے کی غذائیت کے لیے تمام ضروری اجزاء پائے جاتے ہیں جن کی اسے عمر کے اس حصے میں ضرورت ہوتی ہے۔ خاص کر اس میں ایسے اجزاء لحمیہ پائے جاتے ہیں جو بچے کو اوائل عمر میں مختلف اقسام کی بیماریوں کے حملے سے بچانے کی اہلیت رکھتے ہیں اور اس طرح بچے کو تیار شدہ حالت میں دودھ کی شکل میں مل جاتے ہیں۔

بچوں کی پرورش کا اسلامی طریقہ:

بچوں کی پرورش کے بارے میں بھی اسلام نے مفصل ہدایات دی ہیں۔ اس ضمن میں ام کلثوم (ایک پاکستانی مسلم ماہر میڈیکل تعلیم) نے ایک کتاب ”اسلامی نقطہ نظر سے بچوں کی تربیت (۲۰۰۰) کے عنوان سے لکھی ہے جس کا مطالعہ باعث دلچسپی ہوگا۔

بچے ایک عطیہ خداوندی ہیں۔ شوہر اور بیوی کے درمیان رینگت اور محبت کے جذبات کی وجہ سے بچوں کو ایک بہترین ماحول میسر آتا ہے۔ بچے، ماں باپ کے باہم اکٹھے رکھنے کا بھی ایک بہترین ذریعہ ہیں (جس کے لیے ماں باپ کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے!) ان کی وجہ سے وہ دونوں جسمانی، جذباتی اور روحانی طور پر باہم قریب رہتے ہیں۔

حضور ﷺ نے بچوں کو ”جنت کے پھول“ سے تشبیہ دی ہے۔ اس سے نہ صرف اُن کے زہم و نازک ہونے کا احساس ہوتا ہے بلکہ یہ بھی کہ والدین کو ان کی تربیت میں اپنی بہترین صلاحیتوں کے مطابق بھرپور طریق سے کام کرنا چاہیے۔ مزید برآں، حضور ﷺ نے ایک اور اہم پہلو کی

جانب توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ ”ہر بچے کی پیدائش فطرت (اسلام) کے مطابق ہوتی ہے، بعد میں ماں باپ انھیں عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔“ مزید یہ کہ ”ایک باپ اپنے بچوں کی بہترین تربیت کے ذریعے انھیں وہ کچھ دیتا ہے جس کی اس سے توقع کی جاسکتی ہے۔“ (مشکوٰۃ)

رحم میں قرار حمل کے وقت سے بچے کی صحت کا انحصار، ماں باپ دونوں کی جسمانی اور نفسیاتی صحت پر ہے۔ اس ضمن میں باپ کی صحت، ماں کی صحت سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہے درحقیقت بچوں میں بہت سے عوارض کا دار و مدار باپ کے مادہ منویہ کی خرابیوں پر ہوتا ہے۔ قرار حمل کے بعد والدین کو اس امر کا علم بہت ضروری ہے کہ رحم میں نشوونما پانے والے بچے کی غذائی ضروریات کیا ہوتی ہیں؟ بعض حالات میں بچے کی صحت کی صورت حال بہت زیادہ خراب ہو سکتی ہے، ایسا اس وقت ہوتا ہے جب اس کی غذائی ضروریات کا خیال نہیں رکھا جاتا بالخصوص حمل کے

ابتدائی چند ماہ میں۔ (Roy Riagway, 1990)

اس ضمن میں ماں پر بہت ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ اس بارے میں قرار حمل کے فوراً بعد ایک لائحہ عمل بنائے۔ اسے باقاعدگی سے قرآن کریم کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ گھریلو امور کی سرانجام دہی نہ صرف خوشی سے کرنی چاہیے بلکہ ہر قسم کے ذہنی، جسمانی اور نفسیاتی دباؤ سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔ اس ضمن میں گھریلو جھگڑے، ناچاقی اور غیبت سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ جدید ترین تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ اس دوران کسی قسم کے دباؤ کی وجہ سے رحم میں بچے کی جسمانی، دماغی نشوونما پر بہت برا اثر پڑ سکتا ہے۔ اس قسم کی صورت حال سے دو چار بچے پیدائش کے وقت، وزن کی کمی کا شکار ہو جاتے ہیں یا کمزور اور لاغر پیدا ہوتے ہیں اور بہت حساس ہونے کی وجہ سے اکثر روتے رہتے ہیں۔ دوران حمل، مختلف اقسام کی پریشانیوں کی وجہ سے رحم میں بچے کا نظام انہضام بری طرح سے متاثر ہوتا ہے اور اس قسم کے بچوں کو اکثر دست اور تھکے کی تکلیف ہوتی ہے جب وہ عہد طفولیت میں ہوتے ہیں اور بڑے ہونے پر انھیں آنسوؤں کی تکالیف ہوتی ہیں۔

صحت و تندرستی کے لیے چند اہم عوامل:

درج بالا امور کی روشنی میں نہ صرف ماں بلکہ خاندان کے دیگر افراد، خاوند، ساس، سر،

خوشگوار اور پرسکون ماحول قائم کرنے کی مشترکہ کوشش کرنی چاہیے جن میں عورت اپنے رحم میں بچے کی نشوونما کا فریضہ بہ آسانی سرانجام دے سکے۔ اس خوشگوار اور پرسکون ماحول کو بچے کی پیدائش کے بعد بھی جاری رہنا چاہیے۔ اس ضمن میں ماں اور بچے کی غذائی ضروریات بھی اہم ہیں۔ دورانِ حمل ماں کی خوراک میں اٹھ، دودھ، گوشت، پھل اور سبزیوں کا استعمال ہونا چاہیے۔ اس دوران میں باقاعدگی سے ورزش (جہل قدی/سیر) حمل کے تیسرے ماہ سے لے کر ساتویں ماہ تک کرنی چاہیے تاہم اس تمام دوران میں بہت زیادہ محنت، تھکان سے بچنا چاہیے۔

مغربی ماحول میں بالخصوص ماں کے لیے دورانِ حمل سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والا واحد فیکٹر، سگریٹ نوشی ہے جس کی وجہ سے ماں کے رحم میں بچے کی ذہنی/جسمانی نشوونما پر سب سے برا اثر پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ اسقاطِ حمل، مردہ بچے کی پیدائش، کمزور و لاغر بچوں کی پیدائش جیسے عوارض بھی سگریٹ نوشی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح شراب نوشی کی عادی عورتوں کے بچے بھی پیدائش پر ذہنی پسماندگی، نشوونما کی کمی، اعصابی امراض کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ امر باعثِ خوشی ہے کہ اسلام میں شراب اور دیگر نشہ آور تمام اشیاءِ حرام ہیں اور یوں مسلمان عورتیں ان تمام عوارض سے محفوظ رہتی ہیں۔

بچے کی پیدائش پر چند اسلامی رسوم:

اسلامی نقطہ نظر سے بچے کی پیدائش کے بعد درج ذیل امور کی پابندی کی جانی چاہیے:

۴۱ پیدائش کے فوراً بعد بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر (جو نماز کھڑے ہونے پر کہی جاتی ہے) دینی ضروری ہے۔

۴۲ بچے کی پیدائش پر والدین اور دیگر عزیز واقارب کو خوشی کے اظہار کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے بلا لحاظ لڑکے یا لڑکی کی پیدائش کے۔ بد قسمتی سے موجودہ زمانے کی مسلم سوسائٹی میں ہندوانہ خیالات کے زیر اثر، لڑکی کی پیدائش کو برا/منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے ایسے والدین کو جنت کی بشارت دی ہے جو لڑکیوں کی تعلیم و تربیت خوش دلی سے کریں۔

۴۴ پیدائش کے فوراً بعد بچے کو نہلانا ضروری ہے تاکہ اس کے جسم سے تمام تر گندگی اور آلائشیں صاف ہو جائیں۔ نیز اسے مناسب کپڑے پہنانے چاہئیں تاکہ وہ موسم کے برے اثرات سے محفوظ رہ سکے۔

۴۵ پیدائش کے تھوڑی دیر بعد بچے کو شہد چٹانا چاہیے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں جب کسی صحابی رضاع کے ہاں بچے کی ولادت ہوتی تھی اور وہ اسے حضور ﷺ کے خدمت میں لاتے تھے تو حضور ﷺ اس بچے کے لیے دعا فرماتے اور کھجور کھا کر اس کا باریک حصہ بچے کے تالو کے ساتھ چپکا دیتے تھے جسے بچہ آہستہ آہستہ چوستا رہتا تھا۔ اس روایت کے زیر اثر مسلم سوسائٹی میں یہ طریقہ رائج ہو گیا کہ بچے کو شہد یا آب زمزم کسی معمر/ بزرگ آدمی/ عورت کے ہاتھ سے چنایا جائے۔ اسے عرف عام میں گھٹی دینا بھی کہتے ہیں۔

دودھ پلانا:

جیسا کہ سطور بالا میں بتایا گیا کہ پیدائش کے بعد بچے کو ماں کا دودھ پلانا چاہیے۔ بعض اوقات بچے کمزوری کی بنا پر ماں کے پستانوں سے دودھ نہیں پی سکتے اور کبھی کبھی پہلی مرتبہ ماں کا دودھ پلانے میں دقت ہوتی ہے تاہم اس عمل کو مسلسل آہستہ آہستہ کرتے رہنے سے اس مسئلے پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ بچہ بھی چونکہ بھوکا ہوتا ہے اس لیے وہ جلد ہی دودھ پینا سیکھ لیتا ہے۔ یہی مرتبہ دودھ پلانے سے بچے کا معدہ بھی صاف ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے اس عمر میں قبض کی تکلیف نہیں ہوتی۔

اسلامی نقطہ نظر سے ماں کا دودھ پلانا ایک اہم بات ہے۔ سورہ البقرہ (۲: ۲۳۳) میں قرآن ہمیں اس بارے میں بتاتا ہے کہ ماں کے لیے بچے کو دودھ پلانے کی مدت دو سال مقرر ہے۔ اسلام کی نظر میں دودھ پلانا غذائی ضروریات سے زیادہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے ماں اپنے بچے کو اسلامی عادات، اخلاق اور اخلاقی اقدار غیر محسوس طریق پر منتقل کرتی ہے۔ بچے کو دودھ پلانے کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ماں کی بجائے اگر کسی دوسری (دیندار) عورت سے دودھ پلایا جائے تو اُسے اور اس کے خاوند کو اس بچے کی دودھ پلائے والدین (Suckling parenthood) کا درجہ مل جاتا ہے اور ایسی عورت کو بچے کی

دایہ اماں (Infant's mother in lactation) کہا جاتا ہے۔ ایسی عورت کو قانونی طور پر ماں کا درجہ دیا جاتا ہے۔ اس طرح اس عورت کی دیگر اولاد بچے کے دودھ شریک بھائی بہن کو (Lactation siblings) کہا جاتا ہے اور ایسے تمام بچوں کو اس بچے/بچی کے ساتھ شادی کی ممانعت ہے۔ چونکہ اسلام عورت کے دودھ پلانے کو ایک اخلاقی اور اسلامی قدر (Value) سمجھتا ہے اس لیے اس امر کی احتیاط کرنی چاہیے کہ ماں کی بجائے دودھ پلانے کے لیے کسی دیندار اور متقی و پرہیزگار عورت کا انتخاب کیا جائے جو بچے کو اسلامی آداب و اطوار سکھاسکے۔ ماں جب بچے کو دودھ پلاتی ہے تو اسے چاہیے کہ اس کا آغاز بسم اللہ سے کرے اور اس دوران اگر قرآن کریم کی تلاوت جاری رکھے تو بہتر ہے۔ ماں کا بچے کو دودھ پلانا اس نقطہ نظر سے بھی ضروری ہے کہ بعض حالات میں اگر بیوی کو طلاق دے دی جائے تو باپ اس امر کا ذمہ دار ہے کہ وہ بچے کو دودھ پلانے کے لیے ماں کو اس کی ضروریات اور سماجی حالت کا لحاظ کرتے ہوئے اخراجات دے (اس کتاب کے پندرھویں باب میں اس پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے)

بچے کو دودھ پلانے کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ رضاعت کے دوران نہ صرف ماں بچہ بھی ذہنی آسودگی اور طمانیت کے بھرپور جذبات سے سرشار ہوتا ہے۔ اس سے نہ صرف بچے میں اعتماد پیدا ہوتا ہے بلکہ ماں کے جسمانی نظام کے ہارمونز کے مسلسل اخراج سے نفاس (پیدائش) کے بعد رحم سے خون آنے کو نفاس کہتے ہیں کی حالت ہوتی ہے جس کے قریباً ۴۰ دن تک رحم اپنی مکمل اور صحیح حالت میں دوبارہ آ جاتا ہے اور بے (Involution of uterus) کہتے ہیں۔

یہاں اس امر کا تذکرہ باعث دلچسپی ہوگا کہ مغرب میں کچھ عرصہ پہلے عورتوں میں بچے کو پیمائی سے دودھ پلانے کا رواج قریباً ختم ہو گیا تھا۔ جسمانی خوبصورتی کے قیام اور بحالی کرنے والے ماہرین (Beauticians) نے عورتوں کو یہ باور کرا دیا تھا کہ بچے کو دودھ پلانے سے ان کے پستان ڈھلک جاتے ہیں اور یوں ان کی خوبصورتی متاثر ہوتی ہے اور حسن کے لیے یہ ایک معر عادت ہے۔ بعد میں میڈیکل ڈاکٹروں کی تحقیقات سے یہ خیال غلط ثابت ہوا اور اب مغرب میں چھاتی سے بچوں کو دودھ پلانے کا رجحان عام ہو گیا ہے۔ لیکن اس کا ایک اور اہم ترین پہلو یہ بھی تھا کہ تحقیقات سے پتہ چلا کہ لاکھوں بچوں کو ایسی ماؤں کی جانب سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا

جنہوں نے خود طفولیت میں اپنی ماؤں کی چھاتی سے دودھ نہیں پیا تھا۔ اسی طرح ایک سروے سے یہ بھی پتا چلا کہ پاگل خانوں میں ۹۰ فی صد ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اوائل عمر میں اپنی ماؤں کی چھاتی سے دودھ نہیں پیا تھا۔ مزید برآں ایسے بچے جنہوں نے کم از کم ۹ ماہ تک اپنی ماؤں کی چھاتی سے دودھ پیا تھا، ان کی عقلی ذہانت (IQ) کا معیار بہت بہتر تھا بہ نسبت ایسے بچوں کے جنہوں نے اپنی ماؤں کا دودھ بالکل نہیں پیا تھا یا صرف دو ماہ تک ہی دودھ پیا تھا۔ (۱م کلثوم ۲۰۰۰)

بچے کی پیدائش پر اس کا کوئی موزوں نام رکھنا ضروری ہے جس میں مسرت و انبساط/ خوشی کا معنی و مفہوم شامل ہو۔ حضور ﷺ نے عبد اللہ، عبد الرحمن نام رکھنے کی ہدایت فرمائی جو اللہ کو پسند ہیں۔ اس کے علاوہ حارث اور ہمام جیسے نام بھی بہت پسندیدہ ہیں (ابوداؤد۔ نسائی) کسی بڑے اور نیک آدمی کے نام پر رکھنے سے، بڑا ہونے پر بچے کو یہ تاثر ملتا رہتا ہے کہ اسے اسم باسملیٰ ہونا چاہیے اور ان کے ساتھ نسبت کی وجہ سے اس کا ایک ذہنی ربط ان لوگوں کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

یہ بھی سنت خیر الہام ﷺ ہے کہ لڑکے کا ختنہ کر دیا جائے۔ بچپن میں یہ کام کرنے سے بچے کو زیادہ تکلیف محسوس نہیں ہوتی کیونکہ وہ زیادہ ہلنے چلنے کے قابل نہیں ہوتا اور آسانی کے ساتھ لینا رہتا ہے۔ نیز اس دور میں زخم کے ٹھیک ہونے میں زیادہ دن نہیں لگتے۔ بچوں کے لیے عملی نمونہ (رواں ماڈل):

گذشتہ صفحات میں ہم نے بچوں کی تربیت کے لیے والدین کے عملی نمونے (Role Model) کا ذکر کیا ہے جسے بچے اپنی زندگی میں اپنا سکیں۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے تو اُرچہ ہمارے لیے عملی نمونہ حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہی ہے تاہم ایک بچے کے لیے اس کی عمر تمام ادوار میں، والدین بالخصوص ماں کی ذات ایک عملی نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔ بچوں کی اس عادت کی بنا پر کہ وہ اپنے والدین/ بڑوں کی نقل کرتے ہیں، والدین/ بڑوں کے لیے لازم ہے کہ وہ ان کے سامنے بہترین نمونہ پیش کریں۔ عام مشاہدے کی بات ہے کہ لڑکیاں اپنی ماں اور لڑکے اپنے باپ کی پیروی کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں ہمیں بچوں اور والد کے باہمی تعلقات کی ایک بہترین

مثال ملتی ہے۔ حضور ﷺ اپنی بیٹیوں کے ساتھ بہت محبت کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے پر ان کا استقبال کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اور فرط محبت سے ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے تھے اور انھیں اس جگہ پر بٹھاتے تھے جہاں آپ ﷺ خود بیٹھے ہوتے تھے۔ یاد رہے کہ یہ وہ دور تھا جبکہ عالم عرب میں لڑکیوں کے ساتھ محبت و شفقت کرنے کا کوئی رواج تک نہ تھا۔ لوگ بیٹوں کو خوش بختی کا سبب جانتے تھے اور لڑکیوں کی پیدائش پر رنجیدہ ہو جاتے تھے بلکہ انھیں زندہ درگور بھی کر دیا کرتے تھے۔ (سورہ النکور)

بیٹیوں کے ساتھ محبت و شفقت کے اس رویے سے حضور ﷺ نے امت کو یہ سبق دیا کہ اپنے بچوں بالخصوص لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ ایک آئیڈیل ماں باپ میں اس صفت کا ہونا بہت ضروری ہے۔

بچوں کے لیے جسمانی تربیت:

بچوں کے لیے کھیلنے کودنے اور ورزش کرنے کے مواقع فراہم کرنا بہت ضروری ہے۔ ایک باپ کے فرائض میں یہ شامل ہے کہ وہ انھیں اپنے ہمراہ کپکپ، سیر و تفریح کے لیے چڑیا گھر، عجائب گھر، لائبریریوں میں لے جائے۔ اگرچہ وہ اپنی عمر کے ابتدائی ایام میں ان تمام جگہوں سے بہت زیادہ معلومات حاصل نہ بھی کر پائیں تاہم ان کے ذہن پر اس طرح کی سیر کے بہت خوشہ ارامنت تاثرات قائم ہو جاتے ہیں۔

بچوں کی جسمانی تربیت کے بارے میں حضور ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ آپ ﷺ بچوں کے لیے گھڑ دوڑ (عمر کے لحاظ سے)، اونٹ دوڑ، نیزہ بازی کے مقابلے کرایا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے جید صحابی اس قسم کے تربیتی کاموں پر مامور تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بچوں کو گھڑ سواری، تیراکی اور شاعروں کے اچھے کلام کو یاد کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ ان کے خیال میں اس سے بچوں کے ذہن کو وسعت اور تخلیقی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔

حضور ﷺ بذات خود بچوں کے دوڑنے، کے مقابلے کرایا کرتے تھے اور بچے دوڑتے ہوئے جب واپس آتے تھے تو آپ ﷺ کے ساتھ چٹ جاتے تھے۔ آپ ﷺ انھیں پیار کرتے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور انعامات سے نوازتے تھے۔ حضور ﷺ کی اس مثال کو

سامنے رکھتے ہوئے تمام والدین کو غور کرنا چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو کتنا پیار، محبت کرتے ہیں اور اس قسم کے تفریحی کاموں کے لیے کتنا وقت دیتے ہیں۔ حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ کے بارے میں یہ گمان کرنا، گناہ سے کم نہیں کہ حضور ﷺ یہ تمام کام بلا مقصد کرتے تھے اور ہمیں اس زمانے میں اتنا وقت کہاں میسر کہ بچوں کے ساتھ ایسا کر سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ کا نگاہ دور رس یہ دیکھتی تھی کہ بچے مستقبل میں دین کے معمار ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت اور صحت و تندرستی پر ہی امت کی بھلائی کا دار و مدار ہے۔ اس بارے میں والدین کو بھی کسی قسم کی غفلت کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیے۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ بچوں کو صحت مند اور تندرست رکھنے کے لیے ان کی جسمانی صفائی (ہاتھ منہ دھلانا، نہلانا وغیرہ) اور صاف ستھرے کپڑے پہنانے سے وہ بہت سے امراض سے محفوظ رہتے ہیں۔ حضور ﷺ کی بیٹیاں، اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر، صاف کپڑے پہنا کر اور خوشبو لگا کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا کرتی تھیں۔ اخلاقی تعلیم و تربیت:

جب بچے کی عمر ۳-۴ سال کی ہو تو اسے قرآن پڑھنے کے لیے نزدیکی مسجد یا محلے کی کسی ایسی بزرگ خاتون کے پاس بھیجنا چاہیے جو خود بھی دینی تعلیمات سے آگاہ ہوں۔ ۷-۸ سال کی عمر کو پہنچنے تک بچہ بہت زیادہ تجسس پسند ہوتا ہے اور بہت سے سوالات کرتا ہے۔ اس طرح وہ قرآن پڑھنے کا مادی ہو جاتا ہے۔ بچے کی زندگی کا یہ مرحلہ بہت حساس ہوتا ہے۔ اس سے سوالات کے مناسب جواب نہ دینے سے اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ وہ بڑا ہو کر کسی غلط راہ پر چل پڑے۔ سوالات کرنے پر اسے جھڑکنے سے اس کی تجسس پسند طبیعت کا رجحان ماند پڑ جاتا ہے اور یوں اس کی ذہنی و دماغی صلاحیتیں نشوونما نہیں پا سکیں گی۔ نفسیات کے ماہرین کی رائے میں بچے کی زندگی کے پہلے ۵ سال بہت اہم ہوتے ہیں کہ اس کی دماغی نشوونما اپنے عروج پر ہوتی ہے اور اس کے کردار کی تشکیل ہو رہی ہوتی ہے۔ عمر کا یہ حصہ مکمل طور پر ماں کے زیر اثر ہوتا ہے۔ اس عمر تک بچے کو اپنے دین کی بہت سی معلومات بھی حاصل ہو جاتی ہیں اور وہ دینی شعائر (نماز/روزہ) کی پابندی بھی اپنے طور پر کرنے لگتا ہے۔ حضور ﷺ نے بچوں کو کلمہ طیبہ

کھانے کا حکم دیا ہے۔ ۷-۸ سال کی عمر تک پہنچنے پر بچوں کو پانچ وقت کی نماز پڑھنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ عمر کے ۱۰ سال گزرنے پر بچہ اپنے دین کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کر لیتا ہے۔ اس عمر میں بچوں کو علیحدہ بستر پر لٹانا چاہیے۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے والدین یا کسی دوسرے بھائی بہن کے ساتھ ایک بستر پر سوئیں۔ جدید تحقیقات سے ان بڑے اثرات کا پتہ چلتا ہے جو اس عمر کے بچوں کو دوسرے کسی چھوٹے/بڑے کے ساتھ اکٹھے سونے سے ہوتا ہے۔

البرٹ الیس (Elbert Ellis, 1962) نامی سائنس دان نے مشاہدہ کیا کہ ”میرا ایک نفسیاتی مریض ایک ایسا شوہر تھا جس کی بیوی ۲۰ سال سے جنسی طور پر بہت کم اشتعال میں آتی تھی یعنی Frigid تھی۔ وہ شخص اپنی ۱۴ سالہ لڑکی کے سامنے ورزش کے مختصر لباس میں ورزش کیا کرتا تھا۔“ ”ایک دوسرا مریض (جو کہ ایک بیوی تھی) جس کے شوہر کو نوکری کے سلسلے میں گھر سے باہر رہنا پڑتا تھا، اس کا ۱۴ سالہ لڑکا اپنی ماں کے ساتھ سوتا تھا جبکہ اس کا خاوند باہر گیا ہوتا تھا۔ جب میں نے اُن کے بچوں کے ساتھ ان کے طرز عمل کے جنسی نقصانات اور مضمرات کا ذکر کیا تو یہ ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱

مسلم معاشرے یا گھروں میں جب ایک بچہ اپنے والدین کو قرآن پڑھتے دیکھتا ہے یا کسی دینی لٹریچر کا مطالعہ کرتے دیکھتا ہے تو وہ بھی اس کی نقل کی کوشش کرتا ہے۔ اگرچہ بعض بچے لکھنے پڑھنے کے قابل نہیں بھی ہوتے تاہم اگر ایسے مواقع پر ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تو وہ بھی بڑے ہو کر ایسا کرنے لگتے ہیں۔ یہ وہ موقع ہوتا ہے جبکہ ماں باپ، بچوں کو گھریلو امور میں دلچسپی لینے پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ اگر ماں باپ میں سے کسی ایک کو بھی پھول لگانے، یا سبزیاں اگانے کا شوق ہو تو انھیں چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو بھی اس کام میں شریک کریں اور ان کے ہاتھوں سے سبزیوں کے چند بیج زمین میں لگوائیں۔ چند دن بعد جب ان سے پودے نکلتے ہیں تو بچے انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں اور وہ ان کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔ یوں جب ان پودوں میں سبزیاں/پھل یا پھول لگتے ہیں تو ان میں ایک طرح سے اعتماد پیدا ہوتا ہے کہ وہ بھی دنیا میں اچھے کام کر سکتے ہیں اور انھیں اس قسم کے تعمیری کاموں میں وقت لگانے کا شوق ہو جاتا ہے۔

بچوں میں اعتماد پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کی ہر کامیابی پر ان کی حوصلہ افزائی کی جائے چاہے وہ کنڈرگارٹن میں کامیابی ہو یا سکول میں دوڑ لگانے میں اول آنے کی۔ اس طرح بچوں کو سکول میں تقریر کرنے یا دیگر دلچسپیوں میں حصہ لینے پر ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ اس طریق پر بچے محنت کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں اور اپنی بہتر کارکردگی کو برقرار رکھنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ ایک دفعہ اگر وہ اس امر سے روشناس ہو جائیں کہ مسابقت میں کیا لذت ہوتی ہے تو پھر وہ زندگی کی دوڑ میں اول آنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔

اسلام، لڑکے اور لڑکیوں کے لباس کے بارے میں بہت حساس واقع ہوا ہے۔ اسی لیے عورت اور مرد کے لیے لباس کے حدود (ستر) علیحدہ علیحدہ مقرر کیے ہیں، جس کی پابندی بہت ضروری ہے بلکہ بچپن سے ہی بچوں کو اس کا عادی بنانا چاہیے۔

بچوں کی تربیت کے ضمن میں ایک اور بہت اہم پہلو جس کا ماں باپ کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ بچے کے دوستوں/بھولیوں کی جانب سے دباؤ ہے۔ چونکہ ۱۰-۱۵ سال کی عمر ایک ایسا مرحلہ ہوتا ہے جبکہ بچے جذباتی طور پر بالغ نہیں ہوتے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ بہت صاف دل اور نیک طبیعت ہوتے ہیں۔ عمر کے اس مرحلے میں وہ اچھی اور بری عادات کا شکار ہوتے

ہیں۔ اس عمر میں بچوں کو بری عادتوں سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

جنسی صفائی و طہارت (فرائض غسل و وضو)

انفرادی صفائی و طہارت:

مسلمانوں کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ انفرادی سطح پر اپنے لباس، طور طریقوں اور اخلاق میں دوسری قوم کے لوگوں سے نہایت ممتاز اور منفرد نظر آئیں۔ اس لیے جسمانی صفائی کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا ایک مسلمان فرد سے یہ تقاضا ہے کہ وہ صرف ہاتھ منہ دھونے تک محدود نہ رہے بلکہ نماز پڑھنے سے پہلے، ہاتھ منہ، پاؤں اور دیگر اعضاء کو پاک صاف کرنے کے لیے دن میں پانچ مرتبہ فرض / لازمی قرار دیا ہے اسی طرح نہانے کی بھی تدبیریں کی گئی ہیں۔ موجودہ زمانے میں تمام الہامی مذاہب میں شاید ہی کوئی مذہب ہو جس میں ”نہارت اور پاکیزگی“ کا وہ تصور پایا جاتا ہو جو اسلامی تعلیمات میں نظر آتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا بھی سبب جانہ ہوگا کہ انگریزی اور دوسری زبانوں میں طہارت اور پاکیزگی کے لیے موزوں الفاظ ہی نہیں ملتے جبکہ تمام مسلم ممالک میں لوگ طہارت اور پاکیزگی کے حصول کے لیے روزانہ ان تمام ہدایات پر سختی سے کاربند ہیں جو اسلام نے انھیں دی ہیں۔

تمام کتب احادیث کا آغاز طہارت (پاکیزگی) کے باب سے کیا گیا ہے، جس سے اس موضوع کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ طہارت اور پاکیزگی کے بغیر ایک انسان نہ صرف پانچ وقت کی نماز ادا نہیں کر سکتا بلکہ وہ قرآن کریم کو چھو بھی نہیں سکتا۔ اسلامی لٹریچر میں اس موضوع پر دی گئی ہدایات اس قدر تفصیل اور باریک بینی سے دی گئی ہیں کہ انسانی زندگی کا کوئی پہلو بھی نظر انداز نہیں ہوا اور آج کا انسان، ان فقہاء کی وقت نظر اور ژرف نگاہی کا قائل ہو جاتا ہے جنہوں نے اتنی محنت سے اس قسم کے تمام قوانین و ہدایات قرآن و حدیث کی روشنی میں وضع کیں۔ مزید برآں یہ کہ ان تمام ہدایات اور فقہی تفصیلات میں سے کوئی ایک امر بھی ایسا نہیں جس کی کوئی دلیل نہ دی گئی ہو۔ ان تمام مجموعہ قوانین پر نظر ڈالنے کے بعد بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کی کسی اور تہذیب اور دنیا بھر کے مذاہب میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ کسی شخص کی نماز کو قبول نہیں فرماتا اگر وہ وضو کے بغیر ادا کی گئی ہو“ (بخاری)۔ ایک دوسری حدیث میں جو امام مسلم نے نقل کی ہے وضو کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے۔
حصول طہارت کے مختلف طریقے:

انسان کی انفرادی زندگی میں طہارت اور پاکیزگی کی اہمیت کو اس حقیقت سے بھی معام کیا جاسکتا ہے کہ ان کے بارے میں خود قرآن کریم میں ہدایات دی گئی ہیں۔ قرآن میں متعدد آیات ہیں جو وضو اور غسل نیز تیمم کے بارے میں بنیادی رہنمائی دیتی ہے۔ سورۃ النسا (۴: ۴۳) میں قرآن ہدایت دیتا ہے:

﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَآيْدِيكُمْ ۝﴾

”اور اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ غسل نہ کر لو الا یہ کہ راستے سے گزرتے ہو اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے لمس کیا ہو، اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔“

اسی طرح سورۃ المائدہ (۵: ۶-۷) ہمیں بتاتی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوْهَكُمْ وَآيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَآيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم نماز کے لیے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو۔ اگر جنابت کی حالت میں ہو تو نہا کر پاک ہو جاؤ۔ اگر بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو، اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو، پس اس پر ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔ اللہ تم پر زندگی کو جنگ نہیں کرنا چاہتا مگر وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دے، شاید کہ تم شکر گزار بنو۔“

سورۃ النساء (۴: ۴۳) کی آیات کی تشریح کرتے ہوئے سید مودودی رحمہ اللہ یوں رقمطراز

تینا:

”کہ عربی لفظ جنابت کے اصل معنی دوری اور بے گانگی کے ہیں۔ اسی سے لفظ اجنبی نکلا ہے۔ تاہم شرعی اصطلاح میں جنابت سے مراد وہ نجاست ہے جو قضاے شہوت سے یا خواب میں مادہ خارج ہونے سے لاحق ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے آدمی طہارت سے بے گانہ ہو جاتا ہے۔“

مزید برآں ان آیات کی رو سے مسلمانوں کے لیے یہ لازم ہے کہ ان میں سے کوئی آدمی حالت سفر میں ہو اور جنابت لاحق ہو جائے اور پانی میسر نہ ہو تو وہ شخص صاف مٹی سے پاکی حاصل کر کے نماز ادا کر لے۔ لیکن ”اگر تم نے عورت سے لمس کیا ہو یعنی مباشرت کی ہو تو اس صورت میں اس شخص پر غسل واجب ہوگا۔ تاہم اگر آدمی بے وضو ہے یا اسے غسل کی حاجت ہے اور پانی نہیں ملتا تو تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگر مریض ہے اور غسل یا وضو کرنے سے اس کو نقصان کا اندیشہ ہے تو پانی موجود ہونے کے باوجود تیمم کی اجازت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔“

تیمم کے معنی قصد کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب پانی نہ ملے یا پانی ہو اور اس کا استعمال ممکن نہ ہو تو پاک مٹی کا قصد کرو۔ تیمم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ہاتھوں کو صاف مٹی پر مار کر منہ پر پھیرے، پھر دوسری دفعہ ہاتھ مار کر کہنیوں تک پھیر لے۔ تیمم کے لیے ضروری نہیں کہ زمین ہی پر ہاتھ مارا جائے۔ اس غرض کے لیے ہر گرد آلود چیز اور ہر وہ چیز جو

شک اجزائے ارضی پر مشتمل ہو، کافی ہے۔ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ تیمم درحقیقت آدمی میں طہارت کی حس اور نماز کا احترام قائم رکھنے کے لیے ایک اہم نفسیاتی تدبیر ہے۔ چاہے آدمی خواہ کتنی ہی مدت تک پانی کا استعمال کرنے پر قادر نہ ہو۔ بہر حال اس کے اندر طہارت کا احساس برقرار رہے گا اور پاکیزگی کے جو قوانین شریعت میں مقرر کر دیے گئے ہیں ان کی پابندی وہ برابر کرتا رہے گا۔“

منہ اور دانتوں کی صفائی (Oral Hygiene):

مسلمانوں کو اپنے منہ اور دانتوں کی صفائی اور حفاظت کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ عام طور پر لوگ مسواک استعمال کرتے ہیں جو کسی درخت کی نرم اور سبز ٹہنی سے کاٹی گئی ہو۔ تبم کھانے کے بعد اس کے لیے دانتوں کے برش اور پیسٹ یا منجن کا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے دانتوں کی صفائی کے بارے میں بہت محتاط تھیں۔ وہ کبھی بھی مسواک سے دانتوں کی صفائی کرنا نہ بھولتی تھیں۔ بخاری کی روایت عروہ بنی اللہ بواسطہ عطاء بنی سہل سے ہے کہ ”ہم نے سنا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے کمرے میں اپنے دانت صاف کر رہی ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضور ﷺ نے سونے کے بعد جاگنے پر، وضو کرنے سے پہلے مسواک سے دانت صاف نہ کیے ہوں۔“

حضور ﷺ دانتوں اور منہ کی صفائی کے بارے میں اس قدر محتاط تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ امر امت کے لیے باعث تکلیف / پریشانی معلوم نہ ہوتا تو میں انھیں حکم دیتا کہ ہر نماز سے پہلے مسواک کریں۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ ”حضور ﷺ گھر آنے کے فوراً بعد سب سے پہلے کیا کرتے تھے؟ انھوں نے بتایا کہ ”حضور ﷺ مسواک کرتے تھے۔“ دانتوں کی صفائی کے بارے میں حضور ﷺ کی نفاست طبع اس قدر تھی کہ اپنی رحلت سے کچھ پہلے مرض الموت / بے ہوشی میں ایک مرتبہ آنکھیں کھول کر دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں اور ان کے ہاتھ میں مسواک کی سبز ٹہنیاں ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو مزاج شناس رسول ﷺ تھیں آپ ﷺ کے مسواک کرنے کی خواہش کو بھانپ یا اور اپنے بھائی کے ہاتھ سے ایک مسواک لے کر اپنے دانتوں سے نرم کیا اور حضور ﷺ کو پکڑا۔“

جسم کے غیر ضروری بالوں کی صفائی:

زیر ناف اور بغل کے بالوں کو صاف کرنا سنت ہے جو عمومی صحت اور صفائی کے نقطہ نظر سے بہت ضروری ہے اور اس کا اطلاق عورت اور مرد دونوں پر یکساں ہوتا ہے۔ ان دونوں بگھوں پر بالوں کی موجودگی ناپسندیدہ ہوتی ہے۔ کیونکہ گرمی/ سردی میں پسینے کی وجہ سے ان بگھوں میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے جو ایک نفاست پسند شخص کے لیے ناگواری کا باعث ہوتی ہے۔ غیر ضروری بالوں کو صاف کرنے میں چالیس یوم سے زیادہ تاخیر کو مکروہ سمجھا گیا ہے۔ مردوں اور عورتوں میں بالوں کی صفائی کے لیے تمام مناسب طریقوں کا استعمال جائز ہے۔ ماضی میں لوگ اس کے لیے چونے کا پاؤڈر استعمال کرتے تھے۔ تاہم آج کل اس کے لیے مختلف اقسام کی کریڈم/لوشنوں اور سیفٹی ریزر کا استعمال جائز ہے۔

اس امر کی وضاحت شاید ضروری ہو کہ اسلام، میاں بیوی کی جنسی خواہش کی تکمیل و تسکین کا کس قدر موید ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ غیر ضروری بالوں کی صفائی کے لیے جن طریقوں کی وضاحت فقہائے اسلام نے کی ہے اور اس کی باریک حکمتوں کی جس طرح نشان دہی کی ہے، وہ اپنے اندر غور و فکر کا ایک بہت بڑا پہلو رکھتی ہیں۔ فقہائے کرام نے اس موضوع پر مختلف پہلوؤں مثلاً صفائی، نزاکت و لطافت (Delicacy)، اور حظ جنس (Pleasure) کے نقطہ نظر سے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ ایک حدیث سے انھوں نے یہ اخذ کیا کہ ایک عورت کے غیر ضروری بال ریزر کی مدد سے، بال صفا پاؤڈر (چونے) کی مدد سے یا بال نوچنے سے صاف کیے جاسکتے ہیں (ابن حجر رحمہ اللہ عسقلانی) (۳۱۹ھ)۔ امام نووی رحمہ اللہ جو ساتویں صدی (۶۷۶ھ) کے ایک مشہور فقیہ ہیں، کا یہ خیال ہے کہ مردوں کے بال ریزر سے شیو کرنے چاہئیں اور عورتوں کے بال نوچ کر دور کرنے مناسب ہیں۔ تاہم متعدد دوسرے فقہاء نے عورتوں کے بال نوچنے کی مخالفت کی ہے اس لیے کہ یہ طریقہ عورتوں کے لیے نہ صرف تکلیف کا باعث ہوتا ہے بلکہ اس طرح کرنے سے ان کے بیرونی جنسی اعضا (پیشاب گاہ) کی جلد، بھلی اور نرم پڑ جاتی ہے جس کے نتیجے میں اس عورت کے شوہر کو جنسی اختلاط میں حظ اور لذت حاصل نہیں ہوتی۔ یاد رہے کہ یہ بات جدید میڈیکل سائنس نے بھی ثابت کی ہے۔ اس

رائے کے حامل فقہاء میں ابن قدامہ (۶۲۰ھ) جیسے مشہور فقیہ شامل ہیں۔ تاہم امام ابن عربی مالکی (۵۴۲ھ) کا خیال ہے کہ اگر عورت جوان ہے تو پھر اس کے غیر ضروری بال نوچنے سے دور کرنے چاہئیں کیونکہ اس طرح کرنے سے جنسی اعضا کسی قدر سوچ جاتے ہیں جس کی وجہ سے شوہر کو زیادہ جنسی حظ حاصل ہوتا ہے لیکن اگر عورت بوڑھی ہے تو بہتر ہے کہ اس کے بال کسی ریزر سے صاف کیے جائیں کیونکہ بال نوچنے کی صورت میں جنسی اعضاء کے نرم اور ڈھیلا پڑنے کے امکانات ہوتے ہیں جس کی وجہ سے شوہر کو جنسی اختلاط سے کم لذت حاصل ہوتی ہے۔

اس گفتگو کو ختم کرنے سے پہلے یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس بحث کی وجہ سے ذہنوں میں اٹھنے والے ایک سوال کا جواب دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے علماء/فقہاء اس قدر فارغ الاوقات تھے کہ اس قسم کے موضوعات پر طویل بحث مباحثہ کریں اور اس کے جواز یا عدم جواز کے لیے دلائل دیں۔ بظاہر یہ ایک بہت وزنی اعتراض دکھائی دیتا ہے لیکن جب ایک انسان اس تمام سکیم کے بارے میں آگاہ ہوتا ہے جو اسلام نے بطور ایک طریق زندگی کے دی ہے اور اسلام کی ہدایات صرف مذہبی رسومات تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے دائرے میں زندگی کے تمام شعبے اور پہلو معاشی، تعلیمی، سیاسی، انفرادی و اجتماعی معاملات آتے ہیں تو پھر یہ کیوں کر توقع کی جاسکتی ہے کہ اسلام نے انسان کی جنسی زندگی اور بالخصوص میاں بیوی کے درمیان جنسی اختلاط سے حظ (Pleasure) اٹھانے کے بارے میں کوئی راہ نمائی نہ دی ہو۔ مسلم علماء اور فقہاء نے ان امور کے بارے میں جو تفصیلاً گفتگو کی ہے، ہمیں اس پر تعجب کا اظہار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس قسم کی راہ نمائی نہ دینے پر بجا طور پر کہا جاسکتا تھا کہ یہ کیسا نظام زندگی ہے جس نے انسانی زندگی کے اس اہم ترین پہلو کو نظر انداز کر دیا۔ اسلام کی نظر میں شہوت اور زنا کے دیگر تمام ناجائز طریقوں سے انسان کو بچانے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ شادی کے دائرے میں رہتے ہوئے میاں بیوی ایک دوسرے سے بھرپور انداز میں جنسی حظ حاصل کریں۔ گذشتہ صفحات میں ہم نے جو معلومات عیسائیت، یہودیت اور دیگر مذاہب کے حوالے سے دی ہیں جن میں ناجائز جنسی تعلیمات سے میاں بیوی کو روکا گیا ہے اور تجرد کی زندگی بسر کرنے کا کہا گیا ہے، اسے پڑھنے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہنا چاہیے کہ انسانی زندگی میں جائز حدود کے اندر جنسی

حظ کا حصول کوئی ایسا فعل نہیں ہے جس پر کسی قسم کا اعتراض کیا جاسکے۔

حضور ﷺ کی ہدایات کی تعمیل میں مسلمان، اپنی روزمرہ زندگی میں صحت اور صفائی کا خیال کرتے ہوئے نہانے کو ضروری خیال کرتے ہیں بالخصوص جمعہ کے دن نہانا تو اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ نماز جمعہ کی ادائیگی سے پہلے اسے واجب قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”یہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ ایک ہفتے میں کم از کم ایک بار ضرور نہائے اور اپنے جسم اور سر کو پانی سے دھوئے۔“

عورتوں کے لیے طہارت کے چند مسائل:

طہارت و پاکیزگی کے بارے میں چند عمومی معاملات کے مطالعہ کرنے کے بعد یہ ضروری ہے کہ ہم چند ایسے امور کے بارے میں بھی گفتگو کریں جن کا تعلق خاص طور پر عورتوں کی طہارت اور پاکیزگی سے ہے۔ یہ امر تو ہر شخص پر واضح ہے کہ عورتوں کو اپنی زندگی میں بلوغت کے بعد ہر ماہ ماہواری کے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے جس میں ان کے جنسی اعضاء سے خون و دیگر رطوبتوں کا اخراج (حیض) ہوتا ہے۔ نیز بچے کی پیدائش کے بعد بھی قریباً ۴۰ دنوں تک خون آلود، رطوبتیں ان کے جنسی اعضاء سے خارج ہوتی رہتی ہیں (نفاس) اور اس کے علاوہ بھی بعض مختلف وجوہات کی بنا پر جنسی اعضاء سے خون یا دیگر رطوبتوں کا اخراج ہو سکتا ہے (استحاضہ) جن سے پاکی حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ان امور کے بارے میں ذیل کے صفحات میں مختصر ذکر

کیا جا رہا ہے۔ (Anon 1999)

(الف) حیض (Menstruation):

جیسا کہ بتایا گیا کہ ماہواری کے دوران، عورت کے رحم سے خون آلود رطوبتوں کا اخراج ہوتا ہے جو ہر ماہ چند دن تک جاری رہتا ہے۔ حیض کا خون بالعموم گاڑھا، گرم اور سرخ یا سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اور پیشاب گاہ سے زوردار طریقے پر کسی قدر تکلیف کے ساتھ نکلتا ہے۔ عورتوں میں ان کی عمر کے ۶۰ سال بعد جو کبھی کبھار خون آلود رطوبت نکلتی ہے وہ حیض کے زمرے میں نہیں آتی۔ اس طرح ۹ سال سے کم عمر کی لڑکیوں میں بھی کسی قسم کی خون آلود رطوبت کو حیض نہیں کہہ جاتا۔

❁ حیض کی مدت ۳ دن سے کم نہیں ہوتی اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ دن پر محیط ہوتی ہے۔ اس حالت میں خون آمیز رطوبت مسلسل ۳ دن تک جاری رہتی ہے۔ اس لیے کسی ایسی صورت میں کہ یہ رطوبت ۲ دن جاری رہے، پھر ایک دن کے لیے بند ہو جائے اور پھر ۱۰ دن جاری رہے تو ایسی حالت کو حیض نہیں کہتے۔ آمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نے جب حضور ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا کہ ایسی حالت میں جبکہ مدت حیض طول پکڑ جائے اور وہ اس حالت کے بارے میں اندازہ نہ کر سکے کہ حیض کی مدت کتنی ہے، تو وہ کیا کرے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”حیض کی مدت کا تعین اسی حساب سے کرو، جس طرح دیگر عورتیں کرتی ہیں اور اس کے مطابق ہر ماہ عمل کرو۔“ (ابوداؤد، ترمذی، احمد)

یہ حدیث اس امر پر روشنی دالتی ہے کہ عورتوں میں حیض کی مدت کا تعین کرنے کے لیے عورتوں کے ایک بڑے گروہ کی مدت کو بطور معیار مان کر اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ مزید برآں، دورانِ حیض خون کی حالت کا بھی خیال کیا جاسکتا ہے۔ ایک عورت جسے نارمل طریق پر حیض نہیں ہوتا لیکن اسے اپنی ان رطوبتوں کی حالت کا علم ہوتا ہے کہ وہ کس نوعیت کی ہوتی ہیں، وہ انھیں دیکھ کر بتا سکتی ہے کہ آیا خون حیض کی وجہ سے ہے ورنہ بصورتِ دیگر اسے استخاضہ کا خون سمجھا جانا چاہیے۔ اس قسم کا واقعہ فاطمہ، ام جمیل نامی خاتون کو پیش آیا جنھیں حضور ﷺ نے بتایا کہ ”اگر یہ حیض کا خون ہے اور سیاہ رنگت کا ہے جسے پہچانا جاسکتا ہے تو پھر تمہیں نماز نہیں پڑھنی چاہیے لیکن اگر یہ اس سے مختلف نوعیت کا ہے تو پھر تمہیں وضو کر کے نماز پڑھ لینی چاہیے“ (ابوداؤد، نسائی)

❁ نماز، روزہ اور اسی قسم کے دوسرے اعمال، جن کے لیے وضو، غسل، تیمم ضروری ہیں، وہ تمام اعمال حیض کی حالت میں نہیں کرنے چاہئیں۔ تاہم ایسے اعمال جو فرض نہیں بغیر وضو، غسل، تیمم کیے جاسکتے ہیں۔

❁ حیض کے دوران، میاں بیوی ایک دوسرے سے جنسی اختلاط نہیں کر سکتے چاہے مرد کا عضو تناسل تھوڑا سا ہی داخل ہو اور اگر مادہ منویہ کا انزال نہ بھی ہو۔ اس ضمن میں ایک احتیاط جو فرض ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے جنسی اختلاط سے پرہیز کرے تاہم ایسی صورت میں کہ

اور ان حیض اپنی بیوی سے جنسی اختلاط ہو جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار ہونا چاہیے اور اس کے کفارہ میں کچھ خیرات کرنی چاہیے تاہم اپنی بیوی سے جنسی اختلاط کے علاوہ دوران حیض تمام افعال یعنی بغل گیر ہونا، بوسہ لینا وغیرہ جائز ہیں۔

(ب) استحاضہ: (بے قاعدہ حیض):

لڑکیوں اور عورتوں میں حیض کی بے قاعدگی کو استحاضہ کہتے ہیں۔ یہ بے قاعدگی ہارمونز یا کسی دوسری وجہ سے ہوتی ہے، اور اس کے نتیجے میں خون آمیز رطوبت کا اخراج ہوتا رہتا ہے۔ عام طور پر ۹ سال سے کم عمر کی لڑکیاں اور بوڑھی عورتیں، کبھی کبھار اس صورت سے دوچار ہوتی ہیں۔ اس حالت میں نکلنے والا خون کسی قدر زردی مائل، پتلا اور ٹھنڈا ہوتا ہے اور بغیر کسی تکلیف۔ روئے آسانی سے خارج ہوتا ہے۔ بعض اوقات خون کی رنگت سرخ یا تیز سرخ بھی ہو سکتی ہے اور خون کسی قدر تکلیف اور زور کے ساتھ بھی نکلتا ہے۔ اس طرح سے نکلنے والے خون کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں۔ ہلکا، درمیانے درجے کا اور بہت زیادہ۔ ایسی لڑکیاں یا عورتیں جو اس صورت حال سے دوچار ہوں، انھیں نماز اور قرآن پڑھ لینا چاہیے البتہ ہر نماز/قرآن پڑھنے سے پہلے انھیں از سر نو وضو کرنا چاہیے۔

استحاضہ کے علاوہ بھی چند دیگر حالتوں میں اسی طریق پر عمل کرنے کی ضرورت ہے جیسا کہ استحاضہ میں۔ ایسی حالتوں میں ویجاہینہ سے نکلنے والی رطوبت ہے جو بغیر کسی خونی آمیزش کے ہوتی ہے اور جسے لیکوریا (Leucorrhoea) کہتے ہیں۔ سفید اور ہلکے زرد رنگ کی رطوبت جو حیض کے آخری لمحات میں خارج ہوتی ہے، وہ حیض ہی کا حصہ ہوتی ہے۔ بالعموم عورتیں، اپنی پیشاب گاہ میں روئی/کپڑے کا ایک پیڑ رکھ لیتی ہیں جس سے اس طرح کی رطوبت کے اخراج کے بارے میں پتہ چل جاتا ہے۔ اس قسم کی روئی کے پھائے اکثر عورتیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیج کر ان سے راہ نمائی حاصل کرتی تھیں۔ ایسی حالت میں ام المومنین رضی اللہ عنہا انھیں ہدایت فرماتی تھیں کہ ”جلدی مت کرو اور انتظار کرو جب تک کہ روئی بالکل صاف دکھائی دے“۔ (مالک، محمد ابن اسحاق)

البتہ جب حیض کی حالت ختم ہوگئی ہو اور واجب کردہ غسل کر لیا ہو تو کسی قسم کی رطوبت کے

اخراج کا خیال نہیں کرنا چاہیے۔ یہ قول حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا ہے جو دینی مسائل کے ضمن میں خود ایک بہت معتد اتھارٹی ہیں۔ آپ کہا کرتی تھیں کہ ہم کسی زرد رنگ کی یا میلے رنگ کی رطوبت کے اخراج کی کوئی پروا نہیں کرتی تھیں۔“ (ابوداؤد)

(ج) نفاس یا بچے کی پیدائش کے بعد خونی رطوبتوں کا اخراج

(Post-natal bleeding)

بچے کی پیدائش کے بعد خارج ہونے والے خون/ رطوبت کو نفاس کہتے ہیں بشرطیکہ یہ ۱۰ دن کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہو۔ ایسی حالت میں عورت کو طلاق دینا یا اس کے ساتھ جنسی اختلاط حرام ہے تاہم اگر کسی عورت کے خاوند نے اسی دوران میں جنسی اختلاط کر لیا ہو تو اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں۔

درج بالا تمام صورتوں کے بارے میں ان فقہی قوانین کے علاوہ جن کی وجہ سے طہارت کرنا ضروری ہے، اس میں جنسی لذت کا حصول بھی ایک پہلو ہے کہ عورتیں بالعموم ایسی تمام حالتوں کے اختتام پر سنت کے اتباع میں، خوشبو وغیرہ اپنے جنسی اعضاء پر لگاتی ہیں (مسلم، فتح الباری) فقہانے اس عمل کی بہت سی حکمتیں بیان کی ہیں۔ جن میں سے اہم ترین یہ ہے کہ ایسا کرنے سے خون اور دیگر رطوبتوں کی میل پکیل کی وجہ سے پیدا ہونے والی بدبو کا ازالہ ہو جاتا ہے جو جنسی اعضاء پر پیڑ وغیرہ رکھنے کی صورت میں ان کے بند/ ڈھکے جانے سے ہو جاتی ہے (امام نووی ۶۷۶ھ)۔ جیسا کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے اس عورت کو اشارتاً سمجھانے کی کوشش فرمائی تھی جس نے اس قسم کا سوال پوچھا تھا لیکن وہ نہ سمجھ سکی۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے علیحدگی میں اس کو تمام تر تفصیل سے آگاہ کیا (بخاری۔ مسلم)۔

خوشبویات کے اس طریق پر استعمال کرنے کا یہ پہلو بہت اہم ہے کہ شوہر کے لیے اس میں بہت زیادہ لذت کا پہلو ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی امت کے مردوں کی تعلیم و تربیت پر اس لیے زیادہ توجہ فرمائی تاکہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ جنسی اختلاط سے زیادہ سے زیادہ حظ اٹھائیں بالخصوص ایسے عالم میں جبکہ شوہر، حیض/ نفاس کی وجہ سے چند دنوں کے وقفے کے بعد جنسی اختلاط کر رہے ہوں۔

ناجائز جنسی افعال سے ہونے والے امراض

(Sexually Transmitted Diseases)

”جب کبھی بھی ایسا ہو کہ کسی قوم میں گناہوں کی بھرمار ہو جائے اور اس قوم کے لوگ ان گناہوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگیں تو اللہ تعالیٰ اس قوم میں بیماریاں پیدا کر دیتا ہے جو ان کے آباؤ اجداد میں نہ تھیں۔“ (ابن ماجہ — مفہوم)

جنسی افعال کے ذریعے پھیلنے والی امراض اس قسم کے چھوت دار عوارض ہیں جو ناجائز جنسی اختلاط یا دیگر اسی قسم کے افعال کی وجہ سے پھیلتے ہیں۔ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں ان امراض کا بہت زور ہے جہاں ایک تخمینے کے مطابق ۳۰ ملین (۳ کروڑ) افراد ان امراض کا شکار ہوتے ہیں۔ (Anon 1993)۔ جنسی امراض میں ۲۰ سے زائد مختلف امراض کا شمار ہوتا ہے۔ جن میں سے کچھ کی وجہ سے مستقل درد، بانجھ پن اور کینسر کے علاوہ موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ گزشتہ دو دہائیوں میں ان ممالک میں اس قسم کے امراض ایک سیلاب کی صورت میں پھیلے ہیں۔ امریکہ میں ۱۲ ملین افراد ان مختلف امراض میں مبتلا ہیں جس میں سے ۶۳ فی صد ۲۵ سال سے کم عمر کے نوجوان ہوتے ہیں (Lickona 1993)۔ کینیڈا میں ہر سال پچاس ہزار سے زائد جوان عورتیں جن کی عمر ۱۵ سے ۱۹ سال ہو، ناجائز طور پر حاملہ ہوتی ہیں۔ (Dryburg, 2000) اسی طرح مختلف جنسی امراض مثلاً Chlamydia سے بیمار ہونے والی نوجوان عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ۱۵ سے ۱۹ سال کی لڑکیوں میں اس مرض کی بڑھتی ہوئی شرح، صحت کے ایک بہت بڑے مسئلے کے طور پر ظہور پذیر ہو رہی ہے جس پر اگر بروقت توجہ نہ دی گئی تو اس کی وجہ سے لڑکیوں کو پیڑرو کی بیماری اور عارضی بانجھ پن کا عارضہ لاحق ہو سکتا ہے۔ جنسی امراض، مغربی ممالک اور دوسری کئی جگہوں پر ایک عام وبا کی شکل میں پھیل گئے ہیں باوجود اس کے کہ ان ممالک میں جنسی صحت کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم، چند اہم ترین امراض کا ذکر کریں گے تاکہ لوگ ان امراض کی تباہ کاریوں سے آگاہ ہو سکیں تاہم حتمی تشخیص اور علاج کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی ماہر ڈاکٹر سے رجوع کیا جائے۔ اس موقع پر ایک انتخاب کرنا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان امراض سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ عورت اور مرد اپنے آپ

کو ایک دوسرے کے جیون ساتھی تک ہی محدود رکھیں۔ شادی سے باہر جنسی اختلاط کی وجہ سے ایک فرد اپنے آپ کو سخت خطرے سے دو چار کرتا ہے اور یہ خطرہ اس صورت میں بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے جب کوئی فرد ایک سے زائد افراد کے ساتھ جنسی تعلقات قائم رکھتا ہے۔

اس جگہ اس امر کا اظہار بھی بہت ضروری ہے کہ بعض جنسی امراض ناقابل علاج ہیں۔ بعض اوقات کوئی علامت بظاہر نظر نہیں آتی کیونکہ ایسے امراض بہت آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھاتے ہیں اور اس شخص کو اس کا احساس تک بھی نہیں ہوتا کہ وہ کسی مرض کا شکار ہو رہا ہے۔ اس قسم کے لوگ دوسرے لوگوں تک اس بیماری کے پھیلانے کا سبب بنتے ہیں جبکہ انھیں اس کا شعور بھی نہیں ہوتا۔ اگر اس قسم کے لوگوں کا علاج نہ کیا جائے تو وہ بہت خطرناک نتائج سے دو چار ہو سکتے ہیں اور بالآخر ان کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔

جنسی امراض کی چھوت ایک سے دوسرے فرد کو جنسی اختلاط یا دیگر جنسی افعال کے نتیجے میں لگتی ہے۔ یہ چھوت مباشرت کرنے، منہ کے ذریعے لذت حاصل کرنے (Oral sex)، عمل قوم لوط کے ذریعے، باہمی مشت زنی کرنے اور ایک دوسرے کے استعمال میں آنے والے جنسی لذت کے حصول کے آلات/کھلونوں (Sex toys) کے ذریعے ایک سے دوسرے شخص کو لگ سکتی ہے۔ تاہم کسی فرد کو یہ چھوت گندے کپڑوں یا ٹائلٹ کموڈ کے ذریعے نہیں لگ سکتی۔ کسی بھی فرد (عورت/مرد) کے جنسی اختلاط میں جتنے زیادہ ساتھی/پارٹنر ہوں گے، ان کے ان امراض میں ملوث ہونے کے امکانات اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ تاہم جنسی اختلاط کے بعد عضو مخصوص کو دھونے اور پیشاب کرنے سے ان امراض میں مبتلا ہونے کے امکانات کسی حد تک کم ہو جاتے ہیں۔ ان امراض سے بچاؤ کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ کسی ایسے فرد سے جس کے تولیدی/جنسی اعضاء پر کسی قسم کی کوئی پھنسی، ہو یا پیپ وغیرہ نکل رہی ہو، مکمل طور پر اجتناب کیا جائے، تاہم کسی شخص کے جنسی اعضاء کو دیکھنے سے یہ اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ جنسی مرض میں مبتلا ہے۔

جنسی امراض کی چند علامات:

ذیل میں جنسی امراض کی چند اہم ترین علامات درج کی جاتی ہیں:

- « عضو تناسل اور عورت کی پیشاب گاہ سے غیر معمولی قسم کی بدبودار رطوبتوں کا اخراج۔
 « جنسی اعضا یا پیڑوں میں درد کا احساس۔
 « جنسی اعضاء پر پھنسیوں کی موجودگی اور کھجلی کا ہونا۔

اس صورت میں کہ کوئی فرد کسی جنسی مرض کا شکار ہو گیا ہو تو یہ ضروری ہے کہ فوری طور پر اس کا علاج کرایا جائے۔

مختلف جنسی امراض کی اہم ترین علامات اور علاج کی تدابیر:

ذیل میں چند جنسی امراض کی اہم ترین علامات اور ان کے علاج کی تدابیر کو مختصر طور پر بیان کیا جا رہا ہے۔

(۱) Chlamydia:

یہ جنسی امراض میں سب سے زیادہ پائے جانے والی بیماری ہے جو عام طور پر ۲۵ سال سے کم عمر کے نوجوانوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کا سبب ایک جراثیم ہوتا ہے جو اس بیماری سے متاثرہ فرد سے جنسی اختلاط کے ذریعے دوسرے فرد کو لگ جاتا ہے۔ اگر اس کا علاج انٹی بائیوٹک ادویات سے نہ کیا جائے تو یہ ایک بہت تکلیف دہ مرض ہے۔

اس مرض میں مبتلا عورت کے جنسی اعضاء سے ہلکی سی رطوبت کا اخراج ہوتا ہے اور اسے ویجائنہ میں کھجلی اور جلن محسوس ہوتی ہے۔ پیشاب کرتے ہوئے اسے پیٹ کے نچلے حصے (پیڑوں) میں درد محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح اس مرض کی وجہ سے مرد کے عضو تناسل سے بھی ایک رطوبت کا اخراج ہوتا ہے اور پیشاب کرتے وقت درد کا احساس بھی ہوتا ہے جب کہ علاج نہ کرانے کی صورت میں جنسی و تولیدی اعضاء مستقل طور پر ناکارہ ہو جاتے ہیں۔

عورتوں میں اس مرض کی وجہ سے رحم کے بازوؤں میں سے کسی ایک میں قرار حمل ہو جاتا ہے جسے عارضی حمل کا قرار پانا (Ectopic pregnancy) کہتے ہیں۔ جو ایک خطرناک حالت ہوتی ہے۔ اس عارضے کی وجہ سے پیڑوں کی سوزش (Pelvic inflammation) بھی ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے عورتیں حاملہ نہیں ہو سکتیں۔ مردوں میں اس (disease-PID) بھی ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے عورتیں حاملہ نہیں ہو سکتیں۔ مردوں میں اس

کی چھوت خسیوں تک پھیل جاتی ہے اور بانجھ پن کا سبب بن سکتی ہے۔ اگر میاں بیوی میں سے کسی ایک کو یہ مرض لاحق ہو تو پھر دونوں کا بیک، وقت علاج کرانا چاہیے۔ اس مرض کا علاج ٹیڑا سائیکلین نامی اینٹی بائیوٹک سے بہ آسانی ہو جاتا ہے تاہم اس تکلیف کے ختم ہونے کے بعد بھی کسی ماہر ڈاکٹر سے چیک کرانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ ادویات موثر ثابت ہوئی ہیں یا نہیں؟

(۲) آتشک Gonorrhoea:

اس کا سبب بھی ایک جراثیم ہے۔ جنسی اختلاط کے دوران یہ ایک فرد سے دوسرے فرد تک بہ آسانی منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ مرض بوسہ لینے، متاثرہ فرد کا ہاتھ پکڑنے یا اگر اس جگہ کو پہلے اس بیماری سے متاثرہ کسی فرد نے استعمال کیا ہو تو پیشاب کے کموڈ پر بیٹھنے سے بھی ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مباشرت کرنے، عمل قوم اوط یا منہ کے ذریعے ایک دوسرے کے جنسی اعضا کو چومنے سے بھی یہ مرض ایک دوسرے کو لگ جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے مرد کا عضو تناسل، عورتوں کے رحم کا منہ، مقعد اور گلا اور آنکھیں متاثر ہوتی ہیں۔ عورتوں میں اس کی وجہ سے رحم اور اس کے بازوؤں میں سوزش ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے انھیں بانجھ پن کا عارضہ بھی لاحق ہو جاتا ہے۔ جو عورت اس مرض میں مبتلا ہو اور وہ کسی نومولود کو جنم دے، تو ایسا بچہ اندھا ہوتا ہے اور وہ بھی اس مرض کا شکار ہوتا ہے۔ بد قسمتی سے اس مرض سے متاثرہ فرد کو اس کی علامات کا اندازہ نہیں ہوتا اور اسے اس امر کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ اس موذی مرض میں مبتلا ہے۔ بالعموم اس مرض کی علامات کسی آتشک زدہ فرد سے جسمانی رابطے کے ۲-۳ ہفتے بعد ظاہر ہوتی ہیں۔ مردوں میں اُن سے عضو تناسل سے زرد رنگ کی رطوبت کا اخراج ہوتا ہے اور پیشاب کرتے وقت تکلیف/ درد کا احساس ہوتا ہے۔ عورتوں کو ماہواری کے درمیان غیر معمولی رطوبت کے خارج ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ یہ رطوبت مختلف رنگوں کی ہوتی ہے اور بدبودار بھی۔ ایک مریضہ کو جسم کے نچلے حصے (Abdomen) میں درد بھی محسوس ہوتا ہے۔ تاہم بعض حالات میں کوئی علامت بھی ظاہر نہیں ہوتی۔ اس لیے اس مرض کی تشخیص کے لیے لیبارٹری ٹیسٹ کرانا ضروری ہے۔ اس مرض کا علاج اینٹی بائیوٹک ادویات کے ذریعے کسی ماہر ڈاکٹر کی نگرانی میں کرانا چاہیے۔

(۳) Herpes:

یہ مرض ایک وائرس کے ذریعے ایک فرد سے دوسرے کو لگتا ہے جب وہ جنسی اختلاط کریں یا منہ سے جنسی اعضاء کو چوسیں یا عملِ قومِ لوط کا ارتکاب کریں۔ یہ وائرس اس وائرس سے ملتا جلتا ہے جو منہ پر زخم کرنے کا سبب بنتا ہے۔

اس مرض میں زخم جنسی افعال میں ملوث ہونے کے بعد ۲ سے ۳۶۰ دن کی مدت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ زخم ان تمام جگہوں پر ظاہر ہوتے ہیں جہاں سے وائرس جسم میں داخل ہوتا ہے جیسے عضو تناسل، نصیبے، رانیں، چوڑ، عورتوں میں پیشاب کا اندرونی حصہ، یا بیجا مینہ کے اندر یا مقعد۔ دیگر علامات میں بخار، سر درد، جسم میں مختلف جگہوں کے غدود کی سوزش شامل ہے۔ پیشاب کرتے وقت جلن کا احساس ہوتا ہے۔ عورتوں کو پیڑو کے حصے میں بھی درد ہوتا ہے۔ ان زخموں میں سوزش اور درد ہوتا ہے اور بعد میں یہ پھٹ جاتے ہیں۔ اس طرح یہ ایسے زخم بن جاتے ہیں جو ٹھیک ہونے میں بہت دیر لیتے ہیں اور ان زخموں کے مندمل ہونے کی صورت میں بھی، اکثر وائرس جسم میں موجود رہتا ہے جو بعد میں کسی وقت بھی دوبارہ تکلیف کا باعث بن سکتا ہے۔

کسی عورت کے حاملہ ہونے کی صورت میں یہ ضروری ہے کہ یہ بات ڈاکٹر کے علم میں لائی جائے کیونکہ ولادت کے دوران یہ مرض بچے کو منتقل ہو سکتا ہے۔ اس مسئلے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے خصوصی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ چونکہ یہ ایک متعدی مرض ہے اس لیے اس کے حملے کی صورت میں متاثرہ شخص کے جسم پر زخم ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان زخموں کے ساتھ دوسرے پارٹنر کے جسم کا کوئی حصہ نہ لگنے پانے تاہم ایسا ہونے کی صورت میں فوری طور پر ان حصوں کو صابن اور پانی سے صاف کرنا چاہیے۔

اگرچہ یہ مرض لاعلاج ہے تاہم زخموں کے درد کو کم کرنے کی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔ اس کے لیے زخموں کو صاف کر کے انھیں خشک حالت میں رکھنا چاہیے۔ خشک کرنے کے لیے تویہ کا استعمال نہ کریں بلکہ بالوں کو خشک کرنے والا ہیئر ڈرائیر استعمال کرنا چاہیے۔ اس طرح بہت ٹنگ کپڑے بھی نہ پہنیں یا ایسے زیر جامہ بھی استعمال نہ کریں جو نالکون سے بنائے گئے ہوں۔ لباس اور زیر جامہ کے لیے سوتی کپڑے بہتر رہتے ہیں۔ اگر پیشاب کرنے میں دقت ہو

تو بہتر ہے کہ گرم پانی کے ٹب میں یا شاور کے نیچے بیٹھ کر پیشاب کریں۔

(۴) سوزاک (Syphilis):

یہ بھی جنسی اختلاط کے نتیجے میں ہونے والا مرض ہے جو جراثیم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس مرض کے جراثیم مباشرت، عمل قوم لوط یا منہ سے جنسی اعضاء کے چوسنے پر ایک دوسرے کو منتقل ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ زخموں کے ساتھ لگنے، تھوک (بوسہ لینے کے دوران)، خون، مادہ منویہ یا ویجاہینہ سے نکلنے والی رطوبتوں کے ذریعے بھی دوسرے فرد کو یہ عارضہ لاحق ہو جاتا ہے۔

اس مرض کی علامات، جنسی فعل کے ۳/۴ ہفتے بعد ظاہر ہوتی ہیں۔ اہم ترین علامت یہ ہے کہ جنسی اعضاء پر ایک سخت قسم کا گول گوڑا ظاہر ہوتا ہے۔ اسے کینکر (Kanker) کہتے ہیں اور یہ اس جگہ سے ابھرتا ہے جہاں سے جرثومہ جسم میں داخل ہوتا ہے۔ مردوں میں بالعموم عضو تناسل پر اور عورتوں میں پیشاب گاہ کے ارد گرد یا ویجاہینہ میں اندرونی طرف ابھرتے ہیں۔ اس لیے عورتوں کو بالعموم ان کے بارے میں پتہ نہیں چلتا۔ اگر یہ کینکر منہ یا جسم کے کسی دوسرے حصے پر پائے جائیں تو نہایت تکلیف دہ ثابت ہوتے ہیں۔

یہ گوڑے/ زخم چند ہفتوں میں خود بخود غائب ہو جاتے ہیں تاہم پانچ ماہ بعد، اس مرض کے جراثیم جسم کے دوسرے حصوں کو متاثر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ انسان کو تھکاوٹ کا احساس ہوتا ہے۔ بخار کی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے اور اس کی بھوک کم ہو جاتی ہے۔ بالعموم جلد پر سرخ دھبے (Rashes) ابھرتے ہیں اور وہاں سے بال جھڑ جاتے ہیں۔ چند ہفتوں میں یہ علامات بھی غائب ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ مریض کو کسی قسم کی دوسری علامات کا پتہ نہیں چلتا لیکن جراثیم اس کے اعضاء جسمانی کو اندر ہی اندر گھن کی طرح متاثر کرتے رہتے ہیں۔ سوزاک کی وجہ سے انسانی جسم مستقل طور پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس دوران دل، دماغ کو زیادہ نقصان پہنچتا ہے جو بالآخر اسے قبرستان پہنچا دیتا ہے۔ ایک حاملہ عورت سے یہ بیماری اس کے رحم میں پلنے والے بچے کو ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اسے پیدائش کے وقت دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سوزاک کا علاج اینٹی بائیوٹک ادویات سے کیا جاتا ہے تاہم ڈاکٹر کی نگرانی میں مکمل علاج اور اس کے بعد معائنہ بہت ضروری ہے۔

(د) جنسی اعضا پر مو کے (Genital Warts/HPV):

جنسی اعضا پر مو کے ایک وائرس کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ جو جنسی اختلاط کے وقت ایک دوسرے کو لگ جاتے ہیں۔ بالعموم کسی متاثرہ فرد سے مباشرت کے ۳/۲ ماہ بعد مو کے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ وائرس اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ آنکھ کی مدد سے انہیں دیکھا نہیں جاسکتا۔ یہ مو کے بالعموم عضو تناسل کے ارد گرد، ویجاٹینہ، فم رحم، منہ اور مقعد پر پائے جاتے ہیں۔ جنسی مو کے، جسم کے دیگر تمام قسم کے مو کوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ یہ نرم، گلابی رنگ اور گوبھی کے چھوٹے پھول کی مانند دکھائی دیتے ہیں یا یہ سخت اور زرد رنگت کے بھی ہوتے ہیں۔

اگر ان کا علاج نہ کیا جائے تو یہ بہت جلد پھیل جاتے ہیں۔ جسم کے بیرونی حصوں پر پائے جانے والے مو کوں پر ایک خاص دوائی لگانے سے علاج کیا جاتا ہے تاہم اندرونی طور پر پائے جانے والے مو کوں کو ڈاکٹر ہی نکال سکتا ہے۔ حاملہ عورتوں کے پیدا ہونے والے بچوں کو بھی یہ عارضہ ہو جاتا ہے۔ تاہم اس مرض کا کوئی مستقل اور دیر پا علاج نہیں ہے۔

(۶) ایڈز اور HIV:

اس بیماری کا مکمل نام Acquired immune deficiency syndrom یا ایڈز اور HIV کو (Human immune deficiency virus) کہتے ہیں۔ کسی بھی شخص (عورت/مرد) کو جو اس مرض کا شکار ہو، ایڈز سے متعلقہ ۲۱ مختلف اقسام کی بیماریاں ہو سکتی ہیں جس کا سبب HIV وائرس ہوتا ہے۔ یہ وائرس خون، مادہ منویہ، ویجاٹینہ سے خارج ہونے والی رطوبت اور دیگر مختلف اقسام کی جسمانی رطوبتوں میں پایا جاتا ہے۔ جب کسی مرد کے خون میں کافی مقدار میں یہ وائرس داخل ہو جائیں تو اسے ایڈز کا مرض ہو جاتا ہے۔ یہ وائرس جسم میں کسی بہت ہی معمولی سے سوراخ یا کٹے ہوئے زخم (شیو کرتے وقت بلیڈ سے کٹنا، انجکشن وغیرہ) کے راستے داخل ہو جاتا ہے۔ یہ جسم میں پرورش پا کر جسم کے قوت مدافعت کے نظام (Immune system) پر اثر انداز ہوتا ہے جس کے نتیجے میں جسم میں مختلف بیماریوں کے خلاف لڑنے (مدافعت) کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ ابھی تک ایڈز کا کوئی علاج دریافت نہیں ہوا تاہم اس مرض میں مبتلا ہونے والے افراد کی تعداد میں ۱۹۸۶ تک ۵۹ فی صد اضافہ ہوا (Paul Pearsall 1988) اور مستقبل

قریب میں اس قسم کے مریضوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو سکتا ہے۔

لوگوں کو ایڈز کے مرض کا علم نہیں ہوتا۔ کچھ لوگوں کو اس وائرس کا حملہ ہونے کے بعد کئی سال تک کسی قسم کی ظاہری علامات کا علم نہیں ہوتا۔ اگرچہ ان کے جسم میں وائرس موجود ہوتا ہے لیکن وہ بظاہر تندرست نظر آتے ہیں۔ تاہم کچھ عرصہ بعد انہیں مختلف نکالیف مثلاً کینسر یا ٹیمنوئیہ سے سابقہ پڑتا ہے جو ایڈز سے متعلقہ بیماریاں ہیں اور جن کی وجہ سے موت واقع ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں کے جسم میں یہ وائرس موجود ہوتا ہے وہ جنسی اختلاط کے دوران اس کی چھوت کسی دوسرے فرد کو منتقل کر سکتے ہیں۔

اس بیماری کے پھیلنے کے چند طریقے ہیں تاہم اس کے تذکرہ کے بھی بے شمار طریقے ہیں۔ عام حالات میں یہ مرض کسی مریض فرد سے رابطے کے روزمرہ طریقوں کی بنا پر کسی دوسرے صحت مند شخص کو نہیں لگ سکتا۔ تاہم اس امر کا خیال کرنا ضروری ہے کہ ماہر دندان، ڈاکٹر کو پلاسٹک کے دستاں استعمال کرنے چاہئیں۔

اس مرض میں مبتلا ہونے میں چند امور بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں جس کی وجہ سے یہ وائرس کسی دوسرے فرد کو لگ سکتا ہے۔ اس میں اہم ترین مباشرت اور عمل قوم لوط ہیں جب کہ یہ دونوں کام کثرت کا استعمال کیے بغیر کیے جائیں۔ اس کے علاوہ انجکشن لگانے کے لیے ایک ہی سرنگ/سوئی کا استعمال، ایک ہی بلیڈ سے مختلف لوگوں کی شیو کرنا بھی اس کی وجوہات میں شامل ہیں۔ مزید برآں اس عارضے کے لاحق ہونے کی مردوں میں ایک اور وجہ (اگرچہ کسی حد تک کم درجے میں) منہ کے ذریعے جنسی لذت کا حصول بھی ہے۔ اسی طرح ایک عورت کے ساتھ اس طرح کے جنسی افعال کرنے میں جبکہ وہ ماہواری کے مرحلے سے گزر رہی ہو (مغرب نے سے بھی حصول لذت کا ذریعہ بنالیا ہے!) اور طویل بوسہ بازی (Deep kissing) اگر منہ میں زخم ہوں) بھی اس مرض کو لاحق کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس مرض کا وائرس، حاملہ عورتوں سے ان کے رحم میں پرورش پانے والے بچوں کو بھی ہو جاتا ہے یا اس مرض میں مبتلا دودھ پلانے والی ماؤں سے بچے کو منتقل ہو سکتا ہے۔ ماضی میں کچھ لوگوں کو یہ مرض ہسپتالوں میں متاثرہ خون کے لگانے سے بھی ہوا۔ اس مرض کی تشخیص کے لیے ایک آسان لیبارٹری ٹیسٹ دستیاب ہے جسے

(HIV antibody test) کہتے ہیں۔

اس موذی مرض سے بچنے کا واحد طریقہ شادی کے ذریعے اپنی شریک حیات تک ہی اپنے آپ کو محدود رکھنا ہے۔ اس مرض کے خلاف قوت مدافعت پیدا کرنے والی کوئی ویکسین ابھی تک دریافت نہیں ہوئی۔ کسی فرد کا حصول لذت کے لیے بلا تخصیص جنسی اختلاط، انزال اور تنوع کے نقطہ نظر سے ہم جنس پرستی میں مبتلا ہونے کا جنون، اس مرض کے پھیلنے کے اہم ترین سبب ہے۔

(۷) جوئیں اور خارش (Crabs or Lice/Scabies):

خارش کرنے والے کرموں کو جو جسم کے اوپر ہوتے ہیں Crabs کہتے ہیں۔ یہ کرم زیر ناف اعضاء اور کبھی کبھی بغلوں، آنکھ کی پھونکوں اور پلکوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ کرم ایک دوسرے سے قربت کے لمحات میں منتقل ہو جاتے ہیں یا کسی دوسرے فرد کے کپڑے استعمال کرنے سے بھی لگ جاتے ہیں۔ اس قسم کے مریضوں کو سخت خارش/کھجلی ہوتی ہے اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب یہ جوئیں/خارش کرم، خون چوسنے کے لیے جسم پر کاٹتے ہیں۔ جسم پر سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے دھبے یا خون کے نشانات، زیر جامہ پر دیکھے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ کرم بہت چھوٹے ہوتے ہیں، تاہم انہیں آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے۔ بالوں کی جڑوں میں سیکھاؤ ہیر کی شکل میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

ان کرموں سے بچاؤ کے لیے ایک لوشن جو میڈیکل سنورز سے بغیر ڈاکٹری نسخے کے مل جاتا ہے، استعمال کرنا چاہیے۔ اپنے ناخنوں یا کسی کٹنگھے کی مدد سے کھال کو اوپر سے اچھی طرح رگڑنا چاہیے تاکہ وہاں پر موجود انڈے جسم سے دور ہو جائیں اور پھر یہ لوشن لگا لینا چاہیے۔ ایک دن بعد گرم پانی سے جسم کو بہت اچھی طرح رگڑ کر صابن لگا کر دھونا چاہیے۔ ایک ہفتے بعد اس نسل کو دہرانا چاہیے نیز اپنے تمام زیر استعمال کپڑوں، بستر، ٹیکے وغیرہ کو بھی تیز گرم پانی سے دھو کر دھوپ میں سکھانا چاہیے اور بعد میں اس پر گرم استری پھیر دینی چاہیے۔

(۸) Trichomoniasis:

یہ ایک جرثومے سے ہونے والی تکلیف ہے جو مباشرت کی وجہ سے ایک سے دوسرے فرد کو حق د جاتی ہے۔ یہ جرثومہ کسی گیلے کپڑے/تولیے پر ۲۴ گھنٹوں تک زندہ رہ سکتا ہے۔ یہ عارضہ بہت خطرناک نہیں ہوتا۔ عورتوں اور مردوں کو بظاہر کوئی علامت نظر نہیں آتی۔

متاثرہ عورتوں میں اس کی علامات و بجاہینہ سے خارج ہونے والی جھاگ دار رطوبت ہے جو زرد، سبزی مائل سفیدی کی شکل کی ہوتی ہے۔ یہ رطوبت جنسی فعل کے بعد بہت زیادہ خارج ہوتی ہے اور بدبودار ہوتی ہے۔ متاثرہ عورت کو و بجاہینہ میں سخت کھجلی، خارش ہوتی ہے اور پیشاب کرتے وقت تکلیف بھی ہوتی ہے۔ جو پیڑو کے معائنے سے ڈاکٹر مرض کی تشخیص کر سکتا ہے۔ نیز وہ اس قسم کی رطوبتوں کا بھی معائنہ کر سکتے ہیں۔ چونکہ مردوں میں کسی قسم کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوتی اس لیے انھیں اس بیماری کا علم اس وقت ہی ہوتا ہے جب ان کی بیوی یا جنسی افعال میں مداخلت ہونے والی عورت کے اس مرض میں مبتلا ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہر دو افراد ایک ساتھ علاج کرائیں وگرنہ اس مرض کے جراثیم ایک دوسرے کو مسلسل تکلیف دیتے رہیں گے۔ اس مرض کا علاج Flagyl نامی دوائی سے کیا جاسکتا ہے جو گولیوں کی شکل میں دستیاب ہے۔

(۹) ہپاٹائٹس بی (Hepatitis B):

یہ جگر کی ایک خطرناک بیماری ہے جو وائرس سے پھیلتی ہے۔ یہ وائرس خون، مادہ منویہ، و بجاہینہ سے نکلنے والی رطوبتوں اور منہ کے تھوک میں پایا جاتا ہے۔ جنسی اختلاط کے مختلف طریقوں سے یہ وائرس ایک شخص سے دوسرے کو منتقل ہو جاتا ہے نیز ایک دوسرے کی انفرادی اشیاء مثلاً ٹوتھ برش، شیونگ ریئر یا انجکشن کی سوئیوں سے بھی اس مرض کے وائرس دوسرے صحت مند شخص کو لاحق ہو سکتے ہیں۔ ایک حاملہ عورت سے اس کے رحم میں پلنے والے بچے بھی یہ وائرس منتقل ہو جاتے ہیں۔

اس مرض کی علامات تھکاوٹ، ابرائی، متلی کا ہونا اور بھوک کی کمی ہیں۔ اس کے علاوہ ہیٹ درد اور یرقان اس کی خاص علامتیں ہیں جس میں آنکھوں، جلد، پیشاب اور پاخانے کی رنگت زرد ہو جاتی ہے۔

خون کے نمونے سے ڈاکٹر اس مرض کی تشخیص کرتے ہیں۔ اس مرض سے بچنے کے لیے ویکسین دستیاب ہے جسے ہر متاثرہ شخص استعمال کر لے تو بہتر ہے۔ تاہم اس مرض کا علاج دریافت نہیں ہوا۔ یہ مرض کئی ہفتوں بلکہ مہینوں پر محیط ہوتا ہے۔

(۱۰) Gardnerella:

یہ ایک جراثیم ہے جو مقعد اور ویجائینہ میں پایا جاتا ہے۔ جنسی اختلاط کے دوران یہ ایک سے دوسرے کو لگ جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے (بہت زیادہ تعداد میں) عورتوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے جس میں خارش/کھلی یا جلن اور مچھلی کی بدبو والی رطوبت کا اخراج شامل ہے۔ اس قسم کی رطوبت جنسی اختلاط کے بعد زیادہ مقدار میں خارج ہوتی ہے۔ ایک ماہر لیڈی ڈاکٹر متاثرہ عورت کی ویجائینہ سے حاصل کردہ رطوبت کو روئی کے پھایہ پر لے کر اس کی تشخیص کر سکتی ہے۔ اس کا علاج تکلیف کے زیادہ ہونے کی صورت میں کرنا ضروری ہے۔ بعض ڈاکٹر Flagyl نامی گولیوں کی ایک خوراک دودھ یا پانی کے ساتھ کھانے کی ہدایت کرتے ہیں۔

(۱۱) پیٹرو کی سوزش (Pelvic inflammatory disease PID):

اس مرض میں بتلا عورتوں کو رحم، فیلوپین ٹیوبس، بیضہ دان یا اس کے ارد گرد کے اعضا کی سوزش ہو جاتی ہے۔ یہ ایک بہت خطرناک اور دیرپا اثرات کی حامل بیماری ہے۔ اس کی وجہ سے متاثرہ نئے گل (Scarring) جاتے ہیں جس کی وجہ سے پیٹرو کے نچلے حصے میں درد ہوتا ہے۔ متاثرہ ٹٹے والے حصے کی وجہ سے فیلوپین ٹیوب میں رکاوٹ ہو جاتی ہے جو بیضہ دان کو رحم سے ماتی ہے اور جس کے ذریعے اندھ رحم میں پہنچتا ہے۔ اس تکلیف کی وجہ سے اندھ رحم میں نہیں آ سکتا اور یوں اس مرض میں بتلا عورتیں حاملہ نہیں ہو سکتیں اور اگر کبھی حمل قرار بھی پا جائے تو یہ اکثر فیو، پین ٹیوب میں ٹک جاتا ہے جس کے لیے عورت کو فوری طور پر آپریشن کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔

اگرچہ بہت سی عورتیں، PID کے عارضے کا علاج کرانے پر ٹھیک بھی ہو جاتی ہیں تاہم اس میں تاخیر سے بہت سی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا تعلق دیگر جنسی امراض مثلاً سوزاک، آتشک وغیرہ سے ہے جن کی وجہ سے رحم میں انفیکشن ہو جاتی ہے۔ ایسا ہر عمل جس کی وجہ سے عورتوں کے رحم میں سوزش/انفیکشن ہو جائے، اس مرض میں بننا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ عورتوں میں بلا وجہ ڈوش کرانے سے بھی یہ جراثیم رحم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس کی درج ذیل علامات ہیں:

« پیڑو کے نچلے حصے یا کمر میں درد۔

« مباشرت کے وقت اندرونی طور پر سخت تکلیف/ درد۔

« متلی/ تے اور غنودگی۔

« بخار۔

« بلاوجہ تھکاوٹ کا احساس

« ماہواری کے دوران بہت زیادہ خون اور رطوبتوں کا اخراج، دو ماہواریوں کے درمیان رطوبتوں کا اخراج یا مباشرت کے بعد خون نکلنا۔

« ویجائنہ سے خارج ہونے والی عام رطوبت کی شکل و صورت اور رنگت میں تبدیلی اور پیٹ میں زائندگیس کا جمع ہونا۔

پیڑو کا درد اور سوزش ایک بہت خطرناک مسئلہ ہے۔ درج بالا علامات میں سے کسی ایک کے ہونے کی صورت میں فوری طور پر ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے۔ اگر ہر سال ڈاکٹر سے پیڑو کا معائنہ کرایا جائے تو اس عارضے سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔
شادی کے علاوہ جنسی اختلاط/ اعمال کے نتائج:

گذشتہ ایک صدی میں مغرب/ امریکہ میں جنس اور جنسیت کے بارے میں بہت زیادہ شعور اور آزادی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ پہلے پہل عورت اور مرد کے درمیان مباشرت ہی جنسی حظ کے حصول کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی لیکن آج کل صرف مباشرت کو ہی جنسی لذت کے حصول کے واحد ذریعے تک محدود رکھنے کے تصور کو ایک قصہ پارینہ سمجھا جا رہا ہے۔ اس کے برعکس جنسی اعمال و افعال میں مباشرت کے علاوہ اور بہت سے افعال کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ اس قسم کے دیگر افعال میں ایک دوسرے کے ساتھ بغل گیر ہونا اور جسم کو سہلانا (Petting)، باہمی مشت زنی کرنا، زبان سے جنسی اعضاء کو چوسنا، عمل قوم لوط اور مرد و عورت کے جنسی اعضاء کا باہم ایک دوسرے کے ساتھ رگڑنا (Outer course) شامل ہے جس میں مرد کا عضو تناسل، عورت کی پیشاب گاہ سے رگڑا جاتا ہے لیکن اسے ویجائنہ کے اندر داخل نہیں کیا جاتا۔

مغرب میں جنسی علوم کے ماہرین شب دروز لوگوں کو یہ باور کرانے میں مصروف ہیں کہ

درج بالا تمام جنسی اعمال کے ذریعے تسکین اور لذت کا حصول ایک فطری عمل ہے اس لیے ان پر عمل کرنے میں کوئی قباحت نہیں (یاد رہے کہ آج سے قریباً نصف صدی قبل یہ تمام اعمال جنسی انحرافات (Sexual perversions) خیال کیے جاتے تھے۔ مزید تفصیلات اس کتاب کے باب نمبر ۶ میں درج ہیں)۔ اپنے اس دعویٰ کی تائید میں انھوں نے بے شمار دلائل و شواہد اور اعداد و شمار اکٹھے کر دیئے ہیں جن کا عقل و خرد سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مثلاً وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ بندر اور لنگور اور ڈالفن (مچھلی) بھی مشت زنی کرتے ہیں اس لیے اس امر میں کوئی قباحت نہیں کہ انسان بھی اس عمل سے ”مستفید“ ہوں۔ ان کے اس استدلال کو بڑھاتے ہوئے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ آدم علیہ السلام کے بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا اس لیے آج کے انسان کو بھی اس کی پیروی کرنی چاہیے!

جنسی علوم کے ان ماہرین کی باتوں میں کوئی عقلی استدلال اور معقولیت نہیں پائی جاتی۔ ایک طرف تو یہ ماہرین درج بالا غیر فطری افعال کو فطری اور قدرتی باور کرانے میں مصروف عمل ہیں جبکہ دوسری جانب یہی ماہرین، مغرب میں پائی جانے والی ناجائز بچوں کی ولادت، طلاق، جنسی امراض کی بھرمار بالخصوص ایڈز، میں اضافے اور نوجوانوں کی بے راہ روی جیسے مسائل گمے بارے میں بھی تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ آخر ان دونوں باتوں میں سے کس کو صحیح مانا جائے؟

طور ذیل میں ہم شادی سے باہر، جنسی اختلاط کی ان تمام تر صورتوں کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات اور نتائج کا بے لاگ جائزہ لیں گے جو مغربی ماہرین جنسیات کی نظر میں ”فطری اعمال“ ہیں۔ ہماری ان معروضات میں ان تمام آزادانہ جنسی افعال کے منفی پہلوؤں کا مطالعہ شامل ہے۔ جہاں تک ان افعال کے ”مثبت پہلوؤں“ کا تعلق ہے تو شاید ان دلائل کی روشنی میں جن کا مطمح نظر صرف اور صرف لذت کوٹی، اور جنسی حظ اٹھانے سے ہے تو ان کے بارے میں یہ باور کرنا کہ یہ خلاف فطرت نہیں ہیں اور ان کا جاری رہنا فطرت کے تقاضوں کے ناگزیر ہے، ایک بڑی دلیل ہے۔ ایک ایسی سوسائٹی جہاں انفرادی آزادی اور ذاتی سطح پر تسکین و حظ اٹھانے کے تصور نے ہر جنسی عمل کو ایک ”فطری ضرورت اور تقاضہ“ بنا دیا ہے اور اس کا حصول ایک فرد کا حق سمجھا جاتا ہے حالانکہ ان تمام تصورات اور اخلاقی اقدار کو انسانی تاریخ میں کبھی بھی جائز نہیں

سمجھا گیا، (ماسوا ماضی قریب کے ۴۰/۵۰ سالوں میں) جبکہ آج ان کو خوبصورت اصطلاحات سے موسوم کر کے ان میں موجود گھٹاؤ نے پن اور شہوت رانی کے تصورات کو دبانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان تمام اقسام کے غیر فطری جنسی اعمال کے لیے ایک اصطلاح بالعموم استعمال کی جاتی ہے مثلاً زندگی بسر کرنے کے دوسرے طریقے (Alternative life style) اور انھیں جاری رکھنے کے لیے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ جب تک یہ اعمال فرد کی ذاتی لذت و تسکین کا سامان فراہم کرتے ہیں، معاشرے کو انھیں جائز تسلیم کر لینا چاہیے! (Hassan Hathout 2000) ذیل میں ہم ان تمام افعال کے بارے میں جو شادی سے باہر رہ کر سرانجام دیئے جاتے ہیں معروضات پیش کریں گے۔

(۱) بوسہ لینا/بغل گیر ہونا (Kissing/Hugging):

بوسہ بازی یا بغل گیر ہونا، کسی سے محبت کا ایک قدیم ترین طریقہ ہے جو دوست/احباب اور خاندان کے دیگر افراد کے درمیان رائج ہے۔ اپنی بیوی کے ساتھ طویل بوسہ بازی (Deep kissing) اپنی محبت کے اظہار کا ایک فطری طریقہ ہے جو جنسی لذت کے حصول کے آئے والے مراحل میں شرکت کا ایک پیغام بھی ہے۔ مختصر بوسہ، منہ کو بند کر کے صرف ہونٹوں سے ماتھے، گال، یا منہ کو چومنے تک محدود ہوتا ہے جس میں زبان کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس، طویل بوسہ بازی میں منہ کھول کر زبان کو فریق مخالف کے منہ میں داخل کیا جاتا ہے اور یوں دونوں فریق باری باری ایک دوسرے کی زبان کو چوستے ہیں۔ اسے (French kissing) بھی کہتے ہیں۔

اپنی بیوی کے علاوہ کسی عورت/مرد کے اس طرح بوسہ لینے میں یہ خدشہ بہر حال موجود رہتا ہے کہ دو افراد ایک دوسرے کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے Herpes اور خارش کے کرم کسی حد تک ایک دوسرے کو لگ سکتے ہیں جبکہ ان میں سے کسی ایک کے منہ پر زخم بھی ہوں۔ طویل بوسہ بازی میں نہ صرف ان خدشات کا احتمال رہتا ہے بلکہ اس سے زیادہ ایک دوسرے کے لعاب وہن کے ملنے سے بھی اس قسم کے خدشات بڑھ جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے دیگر جنسی امراض مثلاً سوزاک، آتشک وغیرہ ہونے کا بھی امکان ہوتا ہے۔

(۲) تنہا مشقت زنی:

اگر کسی فرد کو یہ بتایا گیا ہو کہ مذہبی اور اخلاقی طور پر یہ ایک گناہ ہے تو اس عمل کے نتیجے میں ذہن پر منفی اثرات پڑ سکتے ہیں۔ اس عمل میں ملوث ہونے والا اس قسم کے تعلیمی/ مذہبی پس منظر میں، اپنے آپ کو مجرم سمجھتا ہے۔ یہ عمل، کسی فرد کے لیے ایسی حالت میں بھی بہت زیادہ پریشانی کا سبب بن سکتا ہے اگر اس عمل کو کرتے ہوئے کوئی دوسرا شخص اسے دیکھ لے اور یوں اسے اس عمل کو درمیان میں منقطع کرنا پڑے۔ مزید برآں اس کی وجہ سے عضو تناسل یا عورتوں کی پیشاب گاہ کی اندرونی سطح پر گر کر کھانے کی وجہ سے جلد کسی قدر متاثر یا زخمی ہو سکتی ہے اگر اس عمل کو بہت تیزی/ سختی کے ساتھ کیا جائے۔ اس موضوع پر مزید گفتگو اکیسویں باب میں کی گئی ہے۔

(۳) سہلانا Petting:

یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا تعلق مختلف اقسام کے جنسی افعال کے دوران دو افراد کے ایک دوسرے کے ساتھ بغل گیر ہونے، گہرا بوسہ لینے اور ایک دوسرے کے جنسی جذبات سے مشتعل ہو کر جذباتی انداز میں چھونے سے ہے۔ یہ تمام اعمال کپڑوں کے اوپر سے اور کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈال کر کیے جاسکتے ہیں جن کے ذریعے جنسی جذبات کو ابھارا جاسکتا ہے۔ یاد رہے کہ پڑے اتارنے کے بعد زیر ناف اعضاء پر ہاتھ پھیرنے کو Heavy petting کہتے ہیں۔ بعض اوقات جب بچے بلوغت کی عمر کو پہنچ رہے ہوں، اگر اس حالت میں ان پر کسی کی نظر پڑ جائے جیسا کہ اکثر ہو جاتا ہے تو اس کے منفی اثرات ہوتے ہیں۔ یہ واضح کرنے کے لیے کسی تفصیل کی ضرورت نہیں کہ نوجوان لڑکے/ لڑکیوں میں ان اعمال میں سے کسی ایک کا کرنا (اگر کپڑوں سمیت ہو) تو وہ اس بات کو لازم کر دیتا ہے کہ وہی فعل کپڑے اتارنے کے بعد بھی کیا جائے کیوں کہ اس طریقہ عمل کے نتیجے میں نوجوان لوگ اپنے جذبات پر کسی صورت بھی قابو نہیں رکھ سکتے اور بالآخر (پہلی یا دوسری مرتبہ) یہ افعال مباشرت پر منتج ہوتے ہیں۔ دراصل یہ پہلا قدم ہے جو ناجائز حمل کے قیام کا ذریعہ بنتا ہے یا کسی جنسی مرض کی چھوت لگنے کا سبب بھی۔

کپڑوں کو اتار کر زیر ناف اور زیر جامہ ہاتھ ڈال کر کسی فرد کے جنسی عضو کو چھونے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اگر وہی ہاتھ فریقین کے جنسی اعضاء کو لگ جائیں تو پھر ہاتھوں کے

ذریعے ایک دوسرے کے جنسی اعضاء کی رطوبت، بشمول مادہ منویہ، جس میں حیوانی خلیے بھی ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو لگ جانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ جب دونوں فریق جنسی کھلونے بھی مشترکہ طور پر استعمال کریں اس وقت بھی یہ خطرہ موجود رہتا ہے۔ مادہ منویہ کی بہت قلیل مقدار بھی کسی جنسی مرض کے پھیلانے کا موجب بن سکتی ہے یا قرار حمل کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔ جنسی امراض میں بہت زیادہ خطرناک امراض یعنی آتشک، سوزاک، ایڈز، زیر ناف جوئیں وغیرہ اس طریق پر ایک دوسرے کو ہو سکتے ہیں اور اس طرح کے افعال اگر بہت سے لوگوں کے ساتھ کیے جائیں تو ان تمام امراض کے امکانات بھی بہت بڑھ جاتے ہیں۔

(۴) باہمی/مشترکہ مشیت زنی کرنا:

زیر ناف، زیر جامہ کپڑوں میں ہاتھ ڈال کر جنسی طور پر مشتعل کرنے کی طرح زیر ناف کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈال کر ایک دوسرے کے جنسی اعضاء کے سہلانے کو مشترکہ مشیت زنی کہتے ہیں۔ اس طرح ایک دوسرے کی رطوبتوں کے ملنے سے ان تمام نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو اوپر بیان کیے گئے ہیں۔

(۵) مردوں کے جنسی اعضاء کا چوسنا (Fellatio):

اس عمل میں کوئی فرد (عورت یا مرد لیکن بالعموم عورت) کسی مرد کا عضو تناسل یا قضیب اپنے ہونٹوں/منہ اور زبان کی مدد سے چھوتی ہے یا اسے چوستی ہے۔ اس عمل میں کسی فرد کے مقعد (Anus) کے ارد گرد کے حصوں کو چاٹنا بھی شامل ہے جسے Analingus کہتے ہیں۔ یہ ایک بہت خطرناک فعل ہے۔ مرد کے جنسی عضو کو چوسنے میں تین خطرات کا سامنا ہو سکتا ہے۔ پہلے درجے میں یہ کہ منہ/زبان براہ راست عضو تناسل اور قضیب سے مس کرتی ہے جس کی وجہ سے کسی جنسی مرض کی چھوت براہ راست منہ/زبان کے نرم و نازک عضلات سے دو چار ہوتی ہے۔ دوسرے درجے میں مادہ منویہ یا کسی قسم کی رطوبت کا کوئی معمولی سا حصہ منہ/زبان اور حلق کے نرم و نازک حصوں میں داخل ہو جاتا ہے اور تیسرے درجے میں منہ، زبان سے مقعد کو چاٹنے کی وجہ سے بول و براز کا کچھ حصہ یا جراثیم بھی منہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔

(۶) عورت کے جنسی اعضاء کا چاٹنا (Cunnilingus):

یہ عمل، عورت کے تمام بیرونی اور اندرونی جنسی اعضاء جن میں پیشاب گاہ، بیرونی و اندرونی لب، اندام نہانی اور ویجاہینہ کے اندرونی حصوں کو جس حد تک ممکن ہو اندر کی جانب، چوسنے پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی درج بالا سطور میں بیان کردہ خطرات و خدشات شامل ہیں۔

(۷) مخالف صنفوں کے بیرونی اعضاء کا باہم رگڑنا (Outer course):

اس عمل میں مخالف جنسوں کے افراد اپنے بیرونی جنسی اعضاء کو ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح رگڑتے ہیں گویا کہ مباشرت کرنے لگے ہوں۔ مرد کا عضو تناسل، عورت کی پیشاب گاہ میں داخل ہوئے بغیر اسی طرح بیرونی طور پر رگڑا جاتا ہے جس طرح مباشرت کی جاتی ہے تاہم ویجاہینہ میں دخول سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس طریق میں قرار حمل اور جنسی امراض کی چھوت لگنے کے امکانات ہوتے ہیں تاہم بحیثیت مجموعی صحیح طریق پر کی گئی مباشرت کی نسبت کسی قدر کم۔ تاہم جنسی جذبات کے اس حد تک مشتعل ہونے کی صورت میں مکمل طور پر مباشرت سے گریز ایک بہت حوصلے کی بات ہے جس سے شاید ہی کوئی فرد (بالخصوص نوجوان لڑکے یا لڑکیاں) گریز کر سکتا ہو۔

(۸) شادی سے باہر مباشرت کرنا:

مباشرت کی صورت میں ناجائز حمل کا قیام ایک اہم ترین خطرہ ہے۔ اس کے علاوہ دیگر تمام خطرناک جنسی امراض کی چھوت کا خطرہ بھی اپنی جگہ کسی صورت میں کم نہیں۔

(۹) عمل قوم لوط (Sodomy/Anal intercourse):

یہ کسی فرد (عورت/مرد) کے مقعد میں مباشرت کرنے کا نام ہے۔ اس عمل کو مرد اپنے عضو تناسل سے کرتا ہے لیکن بعض اوقات ایک عورت اپنی دوسری پارٹنر عورت کے ساتھ مصنوعی عضو تناسل (کھلونے کی شکل میں) کے ساتھ سرانجام دیتی ہے۔

اس فعل کے منفی اثرات و نتائج تباہ کن ہو سکتے ہیں کیوں کہ جب یہ عمل بغیر کسی کنڈوم کے کیا جائے تو پھر جنسی امراض کی چھوت لگنے اور بالخصوص HIV کا یہ ایک آسان ترین ذریعہ ہے۔ اگرچہ اس میں قرار حمل کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ تاہم جنسی امراض کی چھوت کا خدشہ بہت

اہم ہے۔ اس ضمن میں ہم نے اس کتاب کے پانچویں باب میں تفصیلاً گفتگو کی ہے۔

جیسا کہ بتایا گیا کہ شادی سے باہر جنسی اختلاط کے نتیجے میں نوعمر لڑکیوں میں ناجائز حمل کا قیام ایک بہت خطرناک نتیجہ ہے جس سے مغرب / امریکہ معاشرہ آج کل دو چار ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جائے۔

نوعمر لڑکیوں میں ناجائز حمل کا قیام (Teen pregnancy):

نوعمر لڑکیوں میں ناجائز حمل کا قرار پانا، مغربی ممالک اور امریکہ کے لیے ایک سنجیدہ اور خطرناک صورت اختیار کر گیا ہے۔ ہر سال ۱۰ لاکھ سے زائد نوعمر لڑکیوں کو ناجائز حمل ٹھہر جاتا ہے جن میں اکثر غیر شادی شدہ لڑکیاں ہوتی ہیں اور یہ حمل غیر متوقع (Unplanned) ہوتے ہیں (Anon, 1993)۔ ایک دوسرے سروے سے پتہ چلا کہ ہر ۱۰ میں سے ایک لڑکی حاملہ ہو جاتی ہے اور ۴ لاکھ سے زائد لڑکیوں کا اسقاط حمل ہوتا ہے اور ہر ۴ بچوں میں سے ایک بچہ غیر شادی شدہ لڑکیوں کے حمل کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جبکہ یہ شرح ۱۹۶۰ میں ۲۰ بچوں میں سے ایک کی تھی۔ (Lickona ۱۹۹۳)

اگرچہ حمل کا قیام اور نوعمر لڑکیوں میں بچوں کی پیدائش میں دیگر بہت سے خطرات بھی مضمر ہوتے ہیں تاہم ۲۰ سال سے کم عمر کی لڑکیاں، حمل کے لیے تیار نہیں ہوتیں اور بچے پالنے کے بارے میں ان کی تربیت بھی نہیں کی گئی ہوتی۔ پھر مشرقی ممالک بالخصوص مسلم معاشروں کے برعکس مغرب میں لڑکیوں کو حاملہ ہونے کی صورت میں ماں کی طرف سے کسی قسم کی مدد بھی حاصل نہیں ہوتی۔

ناجائز حمل کے قیام سے بچنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ نوعمر لڑکیاں اس بارے میں سنجیدگی سے غور کریں کہ ایسے جنسی اعمال کے کیا نتائج و عواقب ہیں جس کی وجہ سے انھیں بہت سی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا پڑ جاتا ہے۔ ذیل میں اس بارے میں معلومات درج کی جا رہی ہیں۔

(۱) صحت و تندرستی پر اثرات:

درحقیقت اکثر حالات میں نوعمر لڑکیوں کو بچنے کی پیدائش سے قبل وہ حفاظت، توجہ اور

نگہداشت نہیں ملتی جو اس مرحلے کے لیے ضروری ہوتی ہے کیونکہ اکثر وہ اپنے حمل کو چھپانے کی کوشش کرتی ہیں یا انھیں معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ حاملہ ہو گئی ہیں اور انھیں کن خاص احتیاطی تدابیر پر عمل کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ نو عمر لڑکیاں اپنی خوراک کا بھی خیال نہیں کرتیں جس وجہ سے ان کی جسمانی ضروریات اور رحم میں بچے کی نشوونما کے لیے تمام ضروری غذائی اجزاء مناسب انداز میں فراہم نہیں ہوتے۔ مزید برآں بہت سی نو عمر لڑکیاں شراب نوشی، سگریٹ پیتا یا دیگر منشیات کے عام استعمال کے ذریعے اپنی اور اپنے بچوں کی زندگی کو خطرے میں ڈالتی ہیں۔ بچے کی پیدائش سے قبل حفاظتی تدابیر اختیار نہ کرنے سے انھیں Toxaemia یا خون کی کمی (Anaemia) کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اسقاط یا مردہ بچے کی پیدائش زیادہ ہوتی ہے۔ غیر متوازن اور غذا کی کمی کی وجہ سے نو عمر لڑکیوں کی جسمانی صحت بھی متاثر ہوتی ہے کیونکہ ان کا جسم خود نشوونما پانے کے مرحلے میں ہوتا ہے اور حمل سے ان کے جسم پر ایک اضافی بوجھ پڑ جاتا ہے جس سے ان کی جسمانی نشوونما بہت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔

اس طرح کی لڑکیوں کے بچے پیدائش کے وقت بہت کمزور، لاغر اور کم وزن کے ہوتے ہیں یا وقت سے قبل پیدا ہو جاتے ہیں اور نتیجتاً وہ ذہنی کمزوری (Cerebral Palsy)، سانس کی تکالیف، ذہنی پسماندگی اور دیگر عوارض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مزید برآں نو عمر لڑکیوں کے بچے بالغ عمر کی عورتوں کے بچوں کے برعکس اکثر اپنی عمر کے پہلے سال ہی مر جاتے ہیں۔

تعلیم پر اثرات:

بہت سی ایسی نو عمر لڑکیاں جو غیر متوقع طور پر حاملہ ہو جاتی ہیں، انھیں اپنی تعلیم کا سلسلہ بھی منقطع کرنا پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح وہ اس ضروری تربیت سے بھی محروم رہ جاتی ہیں جس کے ذریعے وہ مستقبل میں اپنے اور بچے کے لیے روزی کما سکیں۔ ایسی صورت میں کہ باپ اپنے بچے کی پرورش کی ذمہ داری قبول کرے (جو کہ بیشتر حالات میں نہیں ہوتا) تو اسے بھی اپنی تعلیم کو خیر باد کہنا پڑتا ہے۔ چونکہ اس کے پاس مناسب تعلیمی قابلیت کا کوئی ڈپلومہ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے وہ زیادہ تنخواہ والا کام نہیں کر سکتا۔ نو عمر لڑکیوں میں حمل کی وجہ سے دونوں میاں بیوی ایک ایسی شادی کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں جس میں خوشگوار مستقبل کے امکانات بہت کم

ہوتے ہیں۔ پھر لڑکی کو تنہا اپنی اور اپنے بچے کی ذمہ داری سنبھالنی پڑتی ہے۔ اس قسم کے حالات میں بچوں پر تشدد کے واقعات عام طور پر وقوع پذیر ہوتے ہیں۔
(۳) حکومتی خزانے پر اضافی بوجھ:

امریکہ سمیت، مغربی ممالک میں جنسی امراض بالخصوص ایڈز اور ناجائز حمل کی شرح میں اضافے سے ان ممالک کو اپنے خزانے سے بہت سی رقم ان مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے خرچ کرنی پڑ رہی ہے۔ HIV کے علاج کا تخمینہ ۱۹۹۲ میں ۳،۱۰ بلین ڈالر تھا جو ۱۹۹۵ میں بڑھ کر ۱۵،۲ بلین ڈالر ہو گیا۔ (Hellinger, ۱۹۹۲)۔ اس کے علاوہ ۵۰ فی صد سے زائد ”وِڈِمر کنواری مائیں“ اپنے بچے کی ولادت کے ایک سال کے اندر ویلفیئر فنڈ سے مدد لیتی ہیں۔ جبکہ ۷۷ فی صد عورتیں آئندہ ۵ سالوں کے دوران اس فنڈ سے مدد حاصل کرتی ہیں۔ ویلفیئر فنڈ سے طویل عرصے تک مدد حاصل کرنے والی ۴۳ فی صد سے زائد لڑکیاں ”کنواری مائیں“ (Unwed mothers) ہوتی ہیں۔ (Bushavor, D and Karan Gardiner 1993)

لڑکیوں میں ناجائز حمل کے مذکورہ بالا برے اثرات کے علاوہ ایک امریکی سائنس دان جیکولین کربلی (۱۹۹۹) نے چند ایسے اقدامات کی جانب بھی اشارہ کیا ہے جو تنہا والدہ/ سنگل والدین کو اپنے بچوں کی پرورش کے لیے اٹھانے پڑتے ہیں۔ ذیل میں ہم اس کی کچھ تفصیل پیش کریں گے۔

(۱) بچوں پر اثرات:

تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ ایسے بچے جو اکیلی ماں (شاذ اکیلا باپ) کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں، وہ اپنی تمام زندگی نا آسودگی کی حالت میں گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ نسبت ان بچوں کے جو ایک بھرپور خاندان (ماں/ باپ اور بچے) میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر تنہا والدہ کے ساتھ پلنے والے بچے زیادہ تعداد میں سکولوں سے بھاگ جاتے ہیں۔ ایسے بچے بھی ماں/ باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نوعمر لڑکیوں سے جنسی تعلقات استوار کر لیتے ہیں اور یوں ان کے بچوں کو بھی بغیر شادی کے تنہا والدین کی حالت میں زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ بڑے ہو کر انھیں بھی (تعلیم کی کمی کی وجہ سے) نوکری کے حصوں میں

دقت ہوتی ہے۔ نفسیاتی نشوونما کی کمی، سماجی تعلقات برقرار رکھنے میں دقت اور اپنے جنسی کردار (Sex role identification) میں شناخت کی مشکلات ایسے بچوں کی زندگی پر پڑنے والے نمایاں ترین منفی اثرات ہیں۔

(۲) غربت:

ایک ماں اور بچے پر مشتمل خاندان، غربت کی وجہ سے عسرت و تنگی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ کیونکہ ماں کی آمدنی کے ذرائع بہت محدود ہوتے ہیں۔ ویلفیئر فنڈ سے ملنے والی رقم میں گزارا نہیں ہوتا۔ کم آمدنی کی وجہ سے بچے بالواسطہ طور پر بھی منفی اثرات کا شکار ہوتے ہیں، والد/ والدہ کے کشیدہ تعلقات اور لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے! تنہا والدہ/ والد کو دیگر بہت سے مسائل اور دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کا تعلق غربت سے ہوتا ہے۔ ایک ایسی لڑکی کے لیے جو اپنے بچے کے ساتھ تنہا زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو، غربت دراصل ذہنی دباؤ کا سب سے بڑا سبب ہوتی ہے۔ اس ذہنی دباؤ کی وجہ سے لڑکیاں ایسے جرائم پر مجبور ہو جاتی ہیں جو قانون کی نظر میں مستوجب سزا ہوتے ہیں۔ نیز اس کی وجہ سے اپنے بچے کی پرورش و نگہداشت کے مناسب طریقوں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے وہ بطور ایک ماں اپنے کردار سے بھی مطمئن نہیں ہوتی۔ غریب اور تنہا لڑکی یا س ونومیدی کے ایک نہ ختم ہونے والے چکر میں گھر جاتی ہے۔ (Mcloyed et. al 1994) جس کی وجہ سے اس کی اپنی اور بچے کی زندگی تباہ ہو کر رہ جاتی ہے۔

(۳) بچوں کی دیکھ بھال کے اخراجات:

اکیلی ماں کے لیے اخراجات کی مد میں اہم ترین مد بچے یا بچوں کی دن بھر کی دیکھ بھال کے اخراجات ہوتے ہیں کیونکہ اسے زندگی کی گاڑی کو رواں دواں رکھنے کے لیے دن میں کسی جگہ (دفتر، گھر، فیکٹری، دکان میں) نوکری کرنی پڑتی ہے اور وہ مجبور ہوتی ہے کہ اپنے بچوں کو کسی نرسری یا ڈے کیئر ادارے میں چھوڑے۔ ایک اندازے کے مطابق اوسطاً ایک غریب ماں کو اپنی مکمل ہفتہ وار تنخواہ کا ۳۲ فی (ایک تہائی) حصہ اپنے بچے کی دیکھ بھال کے ادارے کو دینا پڑتا ہے۔ اگر دو بچوں کو ایسے ادارے میں چھوڑنا پڑے تو یہ رقم دوگنی ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۶۵ فی صد ماؤں کو اپنے بچوں کے پالنے میں ایسے غیر روایتی طریقوں پر عمل کرنا پڑتا ہے جہاں ان

پر اخراجات کا بوجھ نہ پڑے۔ ایسے طریقوں میں ہمسائے، یا اپنے خاندان کے دیگر افراد (ماں/باپ/ چچا وغیرہ) ہوتے ہیں جو ڈے کیئر اداروں کا کسی حد تک نعم البدل ثابت ہو سکتے ہیں۔ (Schmittroh, L. 1994)۔ اگرچہ اس طریق پر بچے پالنے سے ایسی ماؤں کو کسی حد تک اپنے اخراجات میں کفایت کر کے اپنی دیگر ضروریات زندگی (کھانا/لباس/ رہائش وغیرہ) کو پورا کرنے کا موقع مل جاتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس طرح بچوں کی پرورش اس بہتر طریق پر نہیں ہو سکتی جیسا کہ کسی معیاری ادارے میں ہوتی ہے تاہم اس کے کچھ ایسے مضمرات ہیں اور ”بچوں پر جنسی تشدد“ ایک ایسا پہلو ہے جس پر اس کتاب میں کسی دوسری جگہ پر گفتگو کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ مغرب/ امریکہ میں خاندانی نظام اور اخلاقی تعلیمات کے فقدان کا یہ نتیجہ ہے کہ ماں/ باپ، دادا، چچا، دوست احباب اور دیگر رشتوں کا تقدس برقرار نہیں رہا اور یہی لوگ ان بچوں کو اپنی جنسی ہوس کا نشانہ بنا رہے ہیں۔

(۴) خاندانی نظام کی تباہی:

یورپ میں بالعموم اور امریکہ میں بالخصوص ایک بہت اہم مسئلہ جو ناجائز بچوں کی ولادت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، وہ خاندانی نظام کی تباہی ہے۔ اس مسئلے کی سنگینی کا اندازہ، امریکہ میں سماجی و مذہبی تنظیموں کی ان تحریروں سے کیا جاسکتا ہے جو اکثر شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اس قسم کی ایک بہترین مثال میری روز میگلری سسٹر (Marry Rose Mcgeary, Sister 1991) نامی خاتون کا تحریر کردہ کتابچہ ہے جس میں اس نے امریکہ میں خاندان کی تباہی کے منظر کی صحیح عکاسی کی ہے۔ امریکہ میں اپنے گھروں سے دھکے دے کر نکالے گئے بے شمار بچوں کی مثالیں دیتے ہوئے مصنفہ مذکورہ قسط راز ہے کہ ”صحیح معنوں میں ظلم کا شکار وہ بچے ہیں جو سستی حالت میں اس ٹریجڈی کی علامت کے طور پر زندہ ہیں جو ماضی میں پلنے والی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور جو کہ امریکہ میں خاندانی نظام کی تباہی و بربادی کا ایک عملی ثبوت ہیں۔ آپ حالت کو سونے سے قبل چشم تصور سے ان ہزاروں بے گھر لڑکوں اور لڑکیوں کا اندازہ کر سکتے ہیں جو امریکی شہروں کی گلیوں میں آوارہ پھرتے نظر آتے ہیں۔ تنہا اور خوف زدہ! تو جوان نسل کے یہ بچے انتہائی غربت و عسرت سے دو چار اور محبت کے بھوکے امریکن سوسائٹی میں چلتی پھرتی لاشوں کی طرح نظر آتے

ہیں۔ جبکہ ان کی عمر کے لاتعداد بچے اپنے گھروں کے آرام دہ ماحول میں اپنے بستر میں خوب ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں حالات سے مجبور بچہ رات کی تاریکیوں میں مختلف جگہوں میں آوارہ پھرتا نظر آتا ہے۔ ایسے بچوں کے چہروں پر زخم کے نشانات، بجلی کی ٹیوب کی روشنی میں واضح طور پر نظر نہیں آتے۔ آپ ان کے دکھوں اور آنسوؤں کو رات کی تاریکی کے سایوں میں بھی نہیں دیکھ سکتے۔“

سٹریمری مزید رقطراز ہیں کہ ”ہمارا ملک اب ایسے بچوں کی بہت بڑی تعداد (Epidemic of kids) سے دوچار ہے جو کہ اب بھی امریکہ کی سڑکوں/گلیوں میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں جن کی کوئی منزل نہیں اور وہ مکمل طور پر بالکل تنہا لاچار ہیں۔ بھوکے، بیمار اور زخموں سے چور اس قسم کے تمام بچے بے گھر ہیں کیونکہ ان کے اصلی ماں باپ یا سوتیلے ماں باپ نے عملاً ان کو گھروں سے دھکے دے کر باہر نکال دیا ہے۔ اس لیے کہ ان کے والدین کو ان کی ضرورت نہیں تھی یا وہ ان کی پرورش کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے تھے!“

”— ان میں سے بہت سے بچے ایسے بھی ہیں جنہیں اپنے گھروں میں تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جسمانی اور جذباتی طور پر مسلسل تشدد کا نشانہ۔ اس قسم کے بچوں کے لیے گھریلو زندگی اس قدر خطرناک تھی کہ وہ وہاں ایک دن بھی قیام نہیں کر سکتے تھے!“

اپنے گھروں سے نکالے گئے، بچوں کا مزید ذکر کرتے ہوئے مصنفہ یوں رقطراز ہے کہ ”ڈراویڈی (Weedy) کی جانب نظر اٹھا کر دیکھیں۔ یہ ایک ایسی بچی ہے جسے ہمارا معاشرہ نہایت بے رحمانہ طریق پر سسٹم کنڈ (System kid) کا نام دیتا ہے۔ ایک ایسا بچہ جس کا کوئی ناندان نہ ہو۔ وہ اپنی عمر کے دوسرے سال سے در بدر کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے ۱۲ مختلف پرورش گاہوں (Foster homes) میں رہ چکی ہے۔“

اسی طرح سیکس انڈسٹری (Sex Industry) کے شکار ایک اور بچے کی کہانی اس طرح بیان کرتی ہیں کہ ”جب وہ ۱۵ برس کا تھا تو مائیکل کے سوتیلے باپ کو اس کی ماں سے پتہ چلا کہ وہ ہم جنس ہے۔ اس کا سوتیلا باپ اس بات کو برداشت نہ کر پایا اور اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا۔ لیکن مائیکل کے پاس کوئی ٹھکانہ رات بسر کرنے کو نہ تھا۔ اس لیے وہ اپنی راتیں نیویارک کی

گلیوں میں گزارنے پر مجبور ہو گیا جہاں سے ”جنس کے سوداگران“ نے اسے اچک لیا۔ جب وہ پہلی مرتبہ گر جا گھر (Covenant Home) میں آیا تو وہ ایک زندگی سے مایوس اور نشے کے عادی نوجوان کا روپ دھار چکا تھا جو اپنی زندگی کا رشتہ برقرار رکھنے اور اپنے نشے کی عادت کو پورا کرنے کے لیے، اس بات پر مجبور تھا کہ روزانہ گلیوں/ بازاروں میں اپنے جسم کو بیچے۔“

اس قسم کے بچوں کے حالات اس قدر دردناک ہیں کہ کسی حساس فرد کے لیے انھیں پڑھ کر روئے بغیر چارہ نہیں۔ نیز اس طرح مصنفہ سسٹر میری روز کے درد کی گہرائیوں کو بھی سمجھ جاسکتا ہے۔ اس قسم کے تمام بچوں کے ساتھ بہت زیادہ جذباتی محبت ہو جاتی ہے جب کوئی شخص اس بارے میں سوچتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک ایسے مہذب اور ترقی یافتہ ملک میں ہو رہا ہے جسے تمام دنیا پر حکومت کرنے کا دعویٰ ہے! آئیے ہم مل کر سسٹر میری کے ساتھ اس دعا میں شریک ہوں جب وہ یہ کہتی ہے کہ ”میں امید کرتی ہوں اور دعا بھی کہ جیکا (Janica) لڑکی ہمارے پاس خوش کے ساتھ رہ سکے لیکن المیہ یہ ہے کہ جیکا کی طرح ہر وہ بچہ ہماری توجہ کا محتاج ہے جسے ہم شہر کی گلیوں سے لاکر پناہ دیتے ہیں۔ وہاں کم از کم ۱۰ مزید ایسے بچے گلیوں میں خوار و زبوں پھرتے نظر آتے ہیں جن کو کوئی مدد دینے والا نہیں ہوتا۔ ہر سال قریباً ایک ملین (۱۰ لاکھ) ایسے بچے سڑکوں/ گلیوں میں سوئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ لاتعداد ایسے بچے بھی ہوتے ہیں جو گلیوں میں مر جاتے ہیں۔ جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔“

مختلف ناجائز جنسی افعال کے برے نتائج و عواقب بالخصوص ”کنواری ماؤں“ اور ان کے بچوں کی یہ حالت زار دیکھتے ہوئے ماہرین جنسیات اور سوشیالوجسٹس سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ وہ ان منفی اثرات کا تدارک کیسے کریں جو مستقبل میں مغربی معاشرے پر لازمی طور پر بہت دور رس منفی اثرات ڈال سکتے ہیں۔ نوجوان نسل میں آزادانہ جنسی لذت کا حصول جنون کی حد تک بڑھ گیا ہے جسے کسی ذریعے سے بھی روکا نہیں جاسکتا۔ مغرب میں مرد و عورت کا اختلاط جس میں انھیں بظاہر کسی خطرے یا تشویش کی بات نظر نہیں آتی، بتدریج ڈیننگ، بوسہ بازی، منہ سے جنسی لذت کے حصول کے بعد جنسی اعضاء کے باہم بیرونی ملاپ (Outer course) یہ منہج ہوتا ہے۔ مغربی اہل علم کا یہ خواب کہ اس طریق پر نوجوان نسل کے لیے ایک ایسا طریقہ دریافت کر لیا

گیا ہے جس سے وہ مباشرت سے بچتے ہوئے ناجائز حمل کے قیام اور دیگر جنسی امراض سے محفوظ رہ سکتے ہیں، لازماً شرمندہ تعبیر نہ ہوگا کیونکہ وہ اس حقیقت سے صرف نظر کر رہے ہیں کہ مباشرت کا یہ متبادل طریقہ نوجوان نسل کو ان تمام مفاسد سے نہیں بچا سکتا ہے۔ وہ ایک خیالی جنت میں رہ رہے ہیں! ایسی حالت میں کہ جب دونوں اصناف کے جنسی اعضا ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہیں، اس سے نہ صرف اصل مباشرت کے لیے جذبات میں ایسا اشتعال پیدا ہوتا ہے جس پر قابو پانا انسان کے بس میں نہیں ہوتا جب کہ جنسی امراض سے تو کسی صورت بھی محفوظ نہیں رہا جاسکتا۔ اس ضمن میں یہ بھی ایک بودی دلیل ہے کہ کنڈوم اور دیگر مانع حمل طریقوں سے ان تمام خدشات کو دور کیا جاسکتا ہے لیکن ماہرین کی اس رائے کا کیا جواب جو خود یہ تعلیم دیتے ہیں کہ ”امریکی نوجوان نسل ضبط ولادت کے کسی ایسے طریقے پر عمل کرنے سے انکاری ہے۔“ مزید برآں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ”ہمیں معلوم نہیں کہ اس کا تعلق جنسی تعلیم کی کمی سے ہے یا ضبط ولادت کے طریقوں کی عدم فراہمی سے۔“ تاہم یہ امر بھی ایک ایسے سے کم نہیں کہ یہ تمام ماہرین جو ناجائز حمل کے قیام اور مختلف جنسی امراض کی بڑھتی ہوئی شرح سے آگاہ ہیں، مستقبل کے بارے میں کیسے پر اُمید ہیں۔ جب دونوں اصناف میں زیادہ سے زیادہ جنسی آزادی اور برابری کی وجہ سے اس قدیم طرز فکر (کہ جس میں جنس کو ایک گناہ سمجھا جاتا تھا) میں اس قدر تبدیلی آئے گی تو کم سے کم یہ ایک زیر بحث موضوع بن جائے گا۔ تاہم ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ خود بخود یہ ”معجزہ“ کس طرح رونما ہوگا؟ اور ہم یہاں ان ماہرین کی توجہ بھی مبذول کراتے جائیں کہ امریکی معاشرے میں بہت سے مرد ایسے ہیں جو کنڈوم کا استعمال نہیں کرتے کیونکہ اس کی وجہ سے ان کی ذریت کوئی اور جنسی۔۔۔ بس خلل پڑتا ہے۔

ماہرین جنسیات اور دیگر عمرانی علوم کے ماہرین کی سوچ میں ابہام پایا جاتا ہے وہ اس قدر واضح ہے کہ اس پر مزید کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ امریکہ۔۔۔ یہ صورت حال جنس کے مادر پدر آزاد تصور کا نتیجہ ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جنسی آزادی کا یہ ”جن“ ویتل سے باہر آ گیا ہے، اسے ارب دوبارہ کسی بوتل میں بند کرنا شاید انسان کے بس میں نہیں۔

درج بالا مختلف اقسام کے جنسی افعال کے نتائج و عواقب کا مطالعہ کرنے کے بعد جن کے

ذریعے موجودہ زمانے کے انسان نے حظ اٹھانے کی کوشش کی ہے، اب آخر میں ناجائز مباشرت کا عمل رہ جاتا ہے۔ یہ امر باعث دلچسپی ہے کہ مغرب میں ۶۰/۵۰ سال کے عرصے میں یہ تجربہ کرنے اور جنسی تعلیم پر پیش بہامالی اور انسانی وسائل لگانے کے باوجود یہ اخذ کیا جا رہا ہے کہ ”جہاں ہم اپنی نوجوان نسل کو یہ کہتے ہوئے حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ وہ جنسی اختلاط (مباشرت) کی جانب اپنا سفر بتدریج جاری رکھیں، وہاں یہ بھی ہماری ایماندارانہ رائے ہے کہ مباشرت کو جنسی تعلقات کے حتمی اور منطقی نتیجہ کے طور پر پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہیے۔ جنسی عمل کے صحیح پارٹنر یعنی میاں بیوی کے درمیان حقیقی انسانی جذبات اور لطیف جذبات و محبت کا ایسے لوگوں تک ابلاغ مشکل ہو جاتا ہے جو عارضی طور پر جنسی اختلاط میں ملوث ہوتے ہیں اور جنہوں نے بطور میاں بیوی اس قسم کے لطیف جذبات و احساسات کا تجربہ نہ کیا ہو۔ اگرچہ ہم سب یہ جانتے ہیں کہ مباشرت ایک ایسا فطری عمل ہے جو نوع انسانی کے درمیان واقع ہوتا ہے اور یہ کہ ہم میں سے کوئی بھی اس عمل کے بغیر دنیا میں موجود نہ ہوتا۔“ (Anon, ۱۹۹۸)

کیا اب بھی ہمیں یہ بتانے کی ضرورت پڑے گی کہ اگرچہ جنسیت ایک فطری جبلت ہے اور جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے اس کی تسکین، الہامی تعلیمات و ہدایات کی روشنی میں کی جانی چاہیے؟ تمام الہامی مذاہب نے اس فطری جبلت کی تسکین کے لیے شادی کے ادارے کو قائم کرنے پر زور دیا ہے اور مغرب و امریکہ میں شادی کے دائرے سے باہر جنسی اعمال و افعال کا جو تجربہ ایک صدی سے کیا جا رہا ہے اور جس نے انسانیت کو تباہی کے دہانے لاکھڑا کیا ہے، کافی نہیں کہ انسانیت اس سے سبق حاصل کرے؟ تاہم اس ضمن میں کسی مایوسی کی ضرورت نہیں۔ آزادانہ جنسی لذت و حظ کے ”بے لگام جن“ کو قابو کرنے کے لیے اُن ہدایات کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں۔ دیکھتے قرآن کیا کہتا ہے۔

﴿يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمُوفِ
وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ (الرحمن: ۳۳)

”اے گروہ جن و انس، اگر تم زمین و آسمان کی سرحدوں سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ دیکھو نہیں بھاگ سکتے۔ اس کے لیے بڑا زور چاہیے۔“

شراب نوشی اور منشیات کا استعمال:

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ہم ایک اور اہم موضوع پر بھی بات کریں جس کا مغرب کے انسان کی جنسی زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے۔ یہ موضوع شراب نوشی اور منشیات کے استعمال اور ان کے انسانی صحت و تندرستی پر اثرات کا جائزہ لینا ہے۔ ذیل کے صفحات میں ہم اس موضوع کے بارے میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے نیز یہ بھی بتانے کی کوشش کریں گے کہ ان کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے؟

مغرب میں بھی اب یہ بات تسلیم کی جا رہی ہے کہ شراب نوشی اور منشیات کے بہت زیادہ نقصانات ہیں۔ مغربی ماہرین کی رائے کے مطابق ان نقصانات کا درج ذیل عنوانات کے تحت مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ناجائز حمل کا قیام:

شراب اور منشیات کے استعمال کے نتیجے میں نشے کے زیر اثر لوگ اکثر ایسی حرکات کر جاتے ہیں جو وہ عام حالات میں نہیں کرتے۔ نشے کی حالت میں ان کا دماغ صحیح قوت فیصلہ سے محروم ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس حالت میں جنسی اختلاط کے ذریعے کوئی لڑکی/عورت حاملہ ہو سکتی ہے۔ مغرب میں اکثر اوقات یہ عمل سماجی تقریبات میں پیش آتا ہے جہاں لڑکے اور لڑکیاں شراب کے نشے میں دھت ہو کر جنسی اختلاط میں ملوث ہو جاتے ہیں اور جس کے نتیجے میں لڑکیوں کو اکثر حمل ٹھہر جاتا ہے۔ اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ۳۳ فی صد طالب علم لڑکوں اور ۱۶ء۸ فی صد طالبات نے بتایا کہ انھوں نے اپنے تازہ ترین جنسی اختلاط میں شراب کا استعمال کیا تھا۔ ایک دوسرے مطالعے سے پتہ چلا ہے کہ ۸ فی صد نوجوان لڑکیوں (۲۰ سال سے کم عمر) نے بتایا کہ نشے کی حالت میں ”جنسی اختلاط آسانی“ سے ہو جاتا ہے۔

(۲) جنسی امراض:

شراب یا دیگر منشیات کے نشے میں مدہوش ہو کر کسی شخص کو یہ یاد ہی نہیں رہتا کہ اسے کدوم بھی استعمال کرنا ہوتا ہے جبکہ عام حالات میں وہ اس کی پابندی کرتے ہیں۔ اسی طرح، منہ سے جنسی لذت کے حصول کے موقع پر بھی حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کا استعمال بھول جاتے

ہیں جس کے نتیجے میں جنسی امراض کی چھوت لگ جاتی ہے۔

(۳) جان پہچان کے لوگوں سے زبردستی زنا (Acquaintance rape)

مغربی معاشرے میں جان پہچان رکھنے والے لوگ ایک دوسرے سے جنسی اختلاط سے اُس وقت تک گریز کرتے ہیں جب تک کہ دونوں فریقین اس پر راضی نہ ہوں۔ تاہم نشے کی حالت میں کوئی ایک یا دونوں افراد سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں اور یوں زبردستی زنا کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات عام طور پر سوشل پارٹیوں اور سماجی تقریبات میں ظہور پذیر ہوتے ہیں جہاں کوئی ایک فرد (بالعموم مرد) جنسی اشتعال سے مغلوب ہو کر زبردستی زنا کا ارتکاب کر لیتا ہے۔

(۴) حادثات کا وقوع:

حادثات کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ کار کے بہت سے حادثات اور پانی میں ڈوبنے کے واقعات کا تعلق نشے کی حالت سے ہے۔ ہفتے کی دو روزہ چھٹیوں کے دوران اوسطاً ایک نوعمر لڑکا/ لڑکی ہر ایک گھنٹے میں کار کے حادثے کا شکار ہوتے ہیں۔ قریباً ۵۰ فی صد ایسے حادثات لوگوں سے نشے کی حالت میں ہوتے ہیں۔ (Anon, 1999)

(۵) تشدد کے واقعات:

شراب یا دیگر منشیات میں مبتلا شخص جلد ہی مشتعل ہو جاتے ہیں کیونکہ انھیں اپنے غصے پر قابو نہیں ہوتا۔ ۵۰ فی صد میاں بیوی کے جھگڑوں اور تشدد کے واقعات کی تہہ میں شراب نوشی اور دیگر نشوں کی حالت میں ملوث ہونا ہے اور اسی طرح ۴۹ فی صد خودکشی، ۳۸ فی صد بچوں پر جنسی تشدد اور ۵۲ فی صد زنا بالجبر کی وارداتیں، شراب کے نشے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

(Anon, 1999)

(۶) قانون شکنی کے واقعات:

مغربی ممالک میں ۲۱ سال سے کم عمر میں شراب نوشی قانوناً ممنوع ہے۔ اگر کوئی فرد اس عمر میں شراب پی کر گاڑی چلاتے ہوئے پکڑا جاتا ہے تو اس کا لائسنس منسوخ ہو جاتا ہے یا اسے جیل کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف اقسام کی غیر قانونی منشیات کے رکھنے پر بھی

قانونی سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۷) ایک نشے سے دوسرے نشے کی عادت پڑنا:

تجربات سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایک نشے کا عادی ہو تو پھر اسے دوسری اقسام کے نشہ کرنے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے الکوحل، سگریٹ نوشی اور مر جوانہ (Marijuana) نامی نشہ کو منشیات کے استعمال کا دروازہ کھلا جاتا ہے۔ ایک ایسا آدی جو سگریٹ نوشی کرتا ہے تو اس امر کا زیادہ احتمال ہے کہ وہ شراب یا کسی دوسرے نشے کا بھی استعمال شروع کر دے۔

(Anon 1998)

(۸) دیگر خطرناک نقصانات:

شراب نوشی اور دیگر اقسام کی منشیات کے دیگر بہت سے خطرناک نقصانات ہیں جن میں دل کے امراض اور سانس کی تکالیف شامل ہیں۔

(۹) شراب نوشی اور ناجائز جنسی افعال:

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شراب نوشی سے مرد کی ”قوت مردانگی“ (Sexual power) میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ پال پیرسل (Paul Pearsal 1998) نے اس حقیقت کے ثبوت کے طور پر لکھا ہے کہ ”میرے شادی شدہ مریضوں میں سے ۸۱ فی صد مردوں اور ۴۳ فی صد عورتوں نے بتایا کہ شراب نوشی کے بعد انھیں عضو تناسل کی ایستادگی (No erection) میں دشواری ہوتی ہے اور ۳۰ فی صد عورتوں نے اعتراف کیا کہ انھیں شہوت کی کمی ہو جاتی ہے۔ ان مریضوں کے جسمانی معائنے سے پتہ چلا کہ انھیں کسی قسم کی کوئی جسمانی بیماری نہیں تھی (کیونکہ جگر کی خرابی یا دیگر امراض جو شراب نوشی کی وجہ سے ہوتے ہیں، کی وجہ سے انسانی جسم کے ہارمونز کا نظام متاثر ہوتا ہے جو جنسی اعمال کے فطری طریقے کی سرانجام دہی میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے) ان تمام مریضوں کو عضو تناسل کی ایستادگی اور جنسی اشتعال کی کمی کے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔“ تاہم ان میاں بیوی کے علاج کے دوران انھیں ہر قسم کی شراب نوشی سے مکمل پرہیز کی ہدایت کی گئی۔ ان لوگوں نے بتایا کہ شراب نوشی سے مکمل پرہیز کے نتیجے میں ان کی جنسی خواہش اور جنسی اعمال کو ادا کرنے میں بہتری

ہوئی۔“ پال پیرسل نے مزید وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ ”انسانی دماغ، جنسی خیالات کے نتیجے میں خود بخود فطری طور پر ”جنسی اشتعال کی کیفیت سے دو چار ہونے“ کی صلاحیت سے بہرہ مند ہوتے ہیں کیونکہ جسم اور دماغ ان قدرتی کیمیائی ربطوتوں (ہارمونز) کو پیدا کرتے ہیں جو کئی شخص میں جنسی اشتعال کا سبب بنتے ہیں اور جس کے نتیجے میں انسان حصول لذت کے ایک فطری جذبے سے سرشار ہوتا ہے لیکن الکحول کے استعمال سے بجائے مزید اشتعال یا جنسی قوت پیدا ہونے کے ان جذباتِ فرحت و انبساط کے واقع ہونے کا عمل رک جاتا ہے۔“ اس نقطہ نظر سے میاں بیوی کے ان جوڑوں میں فوری طور پر بہتری پیدا ہوئی اور وہ الکحول کا استعمال بند کرنے سے ایک دوسرے کے جنسی جذبات اور خواہشات کو بہتر طور پر سمجھنے لگے۔“

(۱۰) دوست / احباب سے کٹ جانا:

ایک ایسا شخص (مرد/عورت) جو شراب نوشی یا منشیات کی لت میں بری طرح سے ملوث ہو تو معاشرہ بلکہ ان کے دوست احباب اور گھر والے بھی اس سے کٹ جاتے ہیں۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے تمام نوعمر دوست، الکحول یا منشیات کا استعمال نہیں کرتے اور وہ اپنے فرد سے تعلقات قائم کرنا نہیں چاہتے جو اس قسم کے نشے کا عادی ہو۔ شراب نوشی اور دیگر منشیات کے درج بالا منفی اثرات کے علاوہ، امریکہ میں شراب نوشی اور اس کے مضرات پر قابو پانے کے لیے ۱۹۸۲ میں ۴۰ بلین ڈالر کی رقم سالانہ خرچ کی گئی۔ جبکہ اس امر کے کوئی امکانات نہیں کہ اس اُمّ النجائت کے استعمال میں کوئی کمی واقع ہو۔ (Hassan Hathout, 2000)

شراب نوشی کی حرمت کے لیے اسلامی ہدایات:

شراب نوشی اور دیگر منشیات کے بارے میں درج بالا حقائق کا مطالعہ کرنے اور ان پر غور کرنے سے ایک حقیقت پسند انسان، اسلام کی حقانیت کا قائل ہو جاتا ہے جس نے اس قسم کی نشہ آور اشیاء کو حرام قرار دینے کے بارے میں واضح ہدایت دی ہیں۔ اس ضمن میں ہم اپنی گفتگو کا آغاز قبل از اسلام، عربوں کی شراب نوشی کے تذکرے سے کریں گے۔

عربوں میں قبل اسلام شراب نوشی:

اسلام کے ظہور سے قبل شراب نوشی، عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی۔ عرب کا کوئی گھرانہ اس

سے پاک نہ تھا۔ وہ اسے اپنے لیے بہت فائدہ مند سمجھتے تھے کیونکہ انھیں اس کی تیاری/ فروخت سے مالی فوائد بھی حاصل ہوتے تھے۔

قبل از اسلام، عربوں کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ شراب نوشی، ان کی زندگی کا جزو لا ینفک تھی۔ بلا کی مے نوشی اور دوسروں کو شراب پلانا، ایک ایسا وصف سمجھا جاتا تھا جس پر لوگ انفرادی اور اجتماعی طور پر فخر محسوس کرتے تھے۔ ان کی شاعری میں شراب اور جوئے کی تعریف کو بہت زیادہ دخل حاصل تھا۔ عربوں میں شراب کی مختلف اقسام نے جو مقامی طور پر بنائی جاتی تھیں اور جو دوسرے ممالک سے درآمد کی جاتی تھیں کا ایک عمدہ ذوق ان میں پیدا کر دیا تھا۔ ان کے لٹریچر میں شراب کی تعریف کے لیے ہزار ہا پیرائے پائے جاتے تھے۔ شراب اور خمر کو ۳۵ مختلف ناموں سے یاد کرتے تھے۔ قرآن کریم نے ان میں سے چند ناموں کا ذکر، الخمر، السكر، الرقیق سے کیا ہے۔ حضور ﷺ نے بھی اسے ام الخبائث، ام الفواحش، اکبر الکبائر اور مفتاح الکفر کے نام دیئے ہیں (محمد اقبال صدیقی ۱۹۸۱)۔ ذیل میں ہم مختصراً ان تمام مراحل کا ذکر کریں گے جس کے تحت بتدریج قرآن کریم نے اسے حرام قرار دیا۔

قرآن حکیم میں سب سے پہلی ہدایت جو شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کے بارے میں نازل ہوئی، وہ سورہ البقرہ (۲: ۲۱۹) کی یہ آیات ہیں:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾

”پوچھتے ہیں: شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ کہو ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے۔ اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں، مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔“

واضح رہے کہ یہ ہدایت ان نشہ آور اشیاء کو حرام قرار دینے سے پہلے صرف اُن کی کراہت (Disapproval) تک محدود ہے۔ اس کے بعد سورہ النساء (۴: ۴۳) میں دوسری ہدایت یوں دی۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ

جاؤ۔ نماز اس وقت پڑھنی چاہیے جب تم یہ جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔“

اس ہدایت کے بارے میں مزید تشریح کرتے ہوئے سید مودودی یوں رقمطراز ہیں کہ: شراب کے بارے میں پہلے حکم کے بعد مسلمانوں میں سے ایک گروہ اس کے بعد ہی شراب سے پرہیز کرنے لگا تھا مگر بہت سے لوگ اسے بدستور استعمال کرتے رہے حتیٰ کہ بسا اوقات نشے کی حالت ہی میں نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے اور کچھ کا کچھ پڑھ جاتے تھے۔ غالباً ۴ ہجری کی ابتدا میں یہ دوسرا حکم آیا اور نشے میں نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے شراب پینے کے اوقات بدل دیئے اور ایسے اوقات میں شراب پینی چھوڑ دی جس میں یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں نشہ ہی کی حالت میں نماز کا وقت نہ آ جائے۔“

درج بالا آیات کے بعد شراب/خمر کی حرمت کا حکم سورہ المائدہ (۵: ۹۰-۹۱) میں آیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جو اور یہ آستانے اور پانے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے۔“

ان آیات کی تشریح و توضیح میں سید مودودی یوں رقمطراز ہیں: ”شراب کی حرمت کے سلسلے میں اس آخری حکم کے آنے سے پہلے حضور ﷺ نے ایک خطبہ میں لوگوں کو متنبہ فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کو شراب سخت ناپسند ہے، بعید نہیں کہ اس کی قطعی حرمت کا حکم آ جائے، لہذا جن لوگوں کے پاس شراب موجود ہو وہ اسے فروخت کر دیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے اعلان کرایا کہ اب جن کے پاس شراب ہے وہ نہ اسے پی سکتے ہیں نہ بیچ سکتے ہیں بلکہ وہ اسے

ضائع کر دیں۔ حتیٰ کہ اسے یہودیوں کو دینے سے بھی منع کر دیا، اسی طرح اس کا سرکہ بنانے یا بطور دوائی اس کے استعمال کی بھی ممانعت کر دی۔“

حضور ﷺ کی حیات میں ایک شرابی کے لیے کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی۔ اس عادت میں ملوث شخص کو جو توں سے مارا جاتا تھا، اسے مکوں اور لاتوں سے مارا جاتا تھا اور ڈنڈے/چھڑیوں سے اس کی پٹائی کی جاتی تھی اور اس قسم کے مجرم کو زیادہ سے زیادہ ۴۰ کوڑوں/چھڑیوں کی سزا دی جاتی تھی تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انھوں نے محسوس کیا کہ اس جرم کا ارتکاب بڑھ رہا ہے تو انھوں نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے ۸۰ کوڑوں کی سزا مقرر کر دی۔

درج بالا بحث سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ایمان، عقیدہ اور نظریات ہی دراصل وہ طریقہ ہے جس کی مدد سے اس مسئلے نیز دیگر انسانی مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔ تاریخ کی یہ شہادت ہے کہ شراب کے حرام ہونے کا اعلان ہوتے ہی وہ لوگ جو شراب پی رہے تھے یا جن کے گھروں میں شراب موجود تھی، ان سب نے نہ صرف شراب چھوڑ دی بلکہ اپنے گھروں کی شراب کو گلیوں میں بہا دیا یہ کہتے ہوئے کہ ”ہم شراب نوشی سے تائب ہو چکے ہیں“! تاریخ کی یہ گواہی بھی ہے کہ اس دن مدینہ کی گلیوں میں شراب کے بے تحاشہ بہا دیئے کی وجہ سے کچڑ ہو گیا۔ یہاں اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ سماجی تقریبات میں شراب یا منشیات کی قلیل مقدار بھی حرام ہے کیونکہ یہ واضح ہے کہ کسی نشہ آور چیز کو حرام اور ممنوع قرار دینے کے لیے ہر قسم کے ”چور دروازوں“ کو بند کرنا بہت ضروری ہے۔ مزید برآں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ نشہ کی حرمت کا اطلاق ہر اس شے پر ہوتا ہے جو انسانی دماغ کو معطل/ماؤف کر دے۔ حضرت محمد ﷺ نے خمر کی یہ تعریف بیان کی کہ ہر وہ چیز خمر/نشہ آور ہے جو سوچنے/سمجھنے کی صلاحیت ختم دیتی ہے۔ حضور ﷺ نے یہ اصول مرحمت فرمایا کہ ”ہر شروب جو نشہ پیدا کرے حرام ہے، آپ ﷺ نے یہ اصول بھی بیان فرمایا کہ ”جس چیز کی کثیر مقدار نشہ پیدا کرے اس کی (وہ) مقدار بھی حرام ہے۔“



جنسیت کے بارے میں توہمات اور غلط فہمیاں

دنیا بھر میں پائی جانے والی غلط فہمیاں اور توہمات:

جنسیت کے بارے میں تحقیقات کے باوجود، مغربی انسان کی زندگی ابھی تک جنسیت کے بارے میں بہت سے توہمات اور غلط فہمیوں کا شکار ہے۔ اگرچہ سائنس نے اس علم کے تمام پہلوؤں کے بارے میں بہت حد تک ان توہمات اور کہاوتوں کو غلط ثابت کر دیا ہے تاہم اس موضوع پر صحیح اور مستند معلومات سے مغربی نوجوان (لڑکے/لڑکیاں) ابھی تک لاعلم ہیں۔

مغرب کے جنس سے متعلق ثقافتی اور تہذیبی لٹریچر کا مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ توہمات اور کہاوتوں کا ایک سیلاب ہے جو انٹرنیٹ کے گپ بازی کے کمروں (Internet chat rooms)، کالج کے کافی ہاؤس اور ہائی سکول کے لاکر رومز سے سیل بلا کی صورت بہتا ہوا نکل رہا ہے، وہ برسوں پرانے خیالات و توہمات ہی پر مشتمل ہے اور اس میں کسی قسم کا قطعاً کوئی نیا پن / ندرت نہیں۔ موجودہ زمانے میں جس عمر کو پہنچنے پر لڑکے کالجوں میں داخل ہوتے ہیں، وہ حیرانگی کی حد تک جنسیت کے بارے میں کچھ خیالات سے پورے طور پر آگاہ ہوتے ہیں جبکہ اس کے برعکس چند معاملات کے بارے میں مایوس کن حد تک لاعلم اور گمراہ! ان کی نشوونما اور ذہنی اٹھان ایک ایسے معاشرے میں ہوئی ہے جہاں جنسی افعال پر کوئی پابندی نہیں، وہاں میڈیا نے اپنے ملے جلے پیغامات کے ذریعے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ جنسیت ایک غلط، غیر اخلاقی اور موت سے ہمکنار کرنے والی چیز ہے۔ ان حالات کے باوجود کسی شخص کے لیے اس امر پر اظہار حیرت کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ”کالج میں جانے والے بہت سے لڑکے اور لڑکیاں جب والدین کی نگرانی سے اچانک آزاد ہوتے ہیں، وہ کالج کی فضا میں پائے جانے والے جنسی لذت کے مواقع سے بھرپور استفادہ کرنے کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں

ہے دیتے بالکل اس طرح جس طرح ایک بھوکا کتا، جب اسے قصاب کی دکان میں کھلا چھوڑ دیا جائے، کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔“ اور یہ امر بھی باعث حیرت ہے کہ جنسیت کے بارے میں وہ تمام تر معلومات جو انھیں حاصل ہوتی ہیں، کالج میں پہنچ کر وہ انھیں صرف نظر کرتے ہوئے ”جنسی دعوت“ کے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔“ (Joy Davidson, 1998)

”ایسے نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد جنسی معلومات کے بارے میں افسوسناک حد تک آگاہ نہیں ہوتی“ یہ تبصرہ ایک ایسوی ایٹ پروفیسر ساندرا کیرن (Sandra Caron) نے کیا جو یونیورسٹی میں ہیومن ڈیولپمنٹ اور فیملی ریلیشنز کا مضمون پڑھاتی ہیں۔ ان کے بقول ”جنسیت کے بارے میں معلومات کا حصول بہت اہم ہے۔ بہت سے لوگ اس مفروضے کے حامل ہوتے ہیں کہ جنسی اعمال سے لذت کا حصول ایک فطری اور قدرتی عمل ہے جس کے بارے میں کسی قسم کی معلومات کی ضرورت نہیں لیکن یہ مفروضہ غلط ہے۔ اس کا تعلق آپ کی ایماندارانہ رائے اور دو ٹوک طرز عمل سے ہے نہ یہ کہ جنسی اختلاط کے وقت اپنے جنسی اعضاء کو کوئی خاص شکل دے کر مباشرت کرنے کے عمل کی تکمیل کرنا۔“

اسی طرح میامی یونیورسٹی کے پروفیسر Reginal Fennett جو ہیلتھ ایجوکیشن پڑھاتے ہیں، یوں رقمطراز ہیں ”کہ میں گیارہ سالوں سے پڑھا رہا ہوں اور مجھ سے طلباء ہمیشہ ایک ہی جیسے وہ بنیادی سوالات کرتے ہیں جو طلباء دس سال قبل کیا کرتے تھے۔ طلباء ساتویں گریڈ سے جنسی تعلیم حاصل کرنا شروع کرتے ہیں اور بعد میں ایک سیمیٹر کی تعلیم اپنے ہائی سکول میں بھی حاصل کرتے ہیں۔ یہ ہے وہ کل مبلغ علم جو ہم اپنے نوجوانوں کو دے رہے ہیں۔ اس بات کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ میں گیارہ سال سے ایک ایسی کلاس کو پڑھانے کا فریضہ سرانجام دے رہا ہوں جس میں بیشتر طلباء کالج کی سینئر کلاسز سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے باوجود طلباء ہمیشہ ایسے سوالات دہراتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی جسمانی ساخت اور ان کے افعال کے بارے میں کوئی معلومات نہیں رکھتے۔“

ان مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امریکن پروفیسر اور ماہرین جنسیات، اور ڈاکٹر بالعموم

کیوں امریکی نوجوانوں کی ”معصومیت“ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں۔ تاہم یہ امر بہت حیرت انگیز ہے کہ امریکہ میں جنسی تعلیم کے باوجود جو طلباء کو کنڈرگارٹن سے شروع ہو کر کافی تک دی جاتی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ تمام تر معلومات جو انھیں انٹرنیٹ، ٹی وی، کتب، رسائل (Play Boy کی قسم کے) سے حاصل ہوتی ہیں، وہ کیوں کر اپنی جنسیت کے بارے میں اس قدر نابلد ہوتے ہیں؟ اگرچہ عقلی استدلال کا تقاضا یہ ہے کہ امریکہ میں دی جانے والی جنسی اور دیگر سوشل سائنسز کی تعلیم کو غیر معیاری اور غیر موثر مانا جائے اور اس کتاب کے دوسرے باب کے مندرجات کے مطالعے سے اس نتیجے کو اخذ کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہیے لیکن ہم اس نتیجے اور استدلال سے اتفاق نہیں کرتے کیونکہ تعلیم کے غیر معیاری ہونے کا اعلان دوسرے سائنسی اور سوشل مضامین پر بھی یکساں ہونا چاہیے جب کہ ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ امریکہ کا تعلیمی نظام کافی حد تک تسلی بخش ہے۔

اس جگہ اس امر کی صراحت ضروری محسوس ہوتی ہے کہ ماضی قریب تک سماجی، تہذیبی سطح پر یورپ کے بہت سے ملکوں میں جنسی اعمال کو حصول لذت کا ذریعہ نہیں سمجھا جاتا تھا جیسا کہ ملکہ برطانیہ (وئوریہ) کے عہد میں باور کرایا جاتا تھا کہ ”ایک ایماندار عورت کو جنسی اختلاط سے کسی قدر کا کوئی حظ یا لذت نہیں اٹھانی چاہیے“ نہ صرف عورتیں بلکہ مردوں سے بھی اس امر کی توقع ذاتی تھی کہ وہ بھی جنسی افعال سے لذت اٹھانے سے گریز کریں گے۔ اس کے برعکس عورت اور مرد، دونوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی کہ وہ جسمانی طور پر لذت اٹھانے کی ہر خواہش کو تسلیم کریں گے اور مزید برآں جنسی افعال کو مشکل اور تکلیف دہ بنانے کے لیے ایسے آلات، طریقے ایجاد کیے گئے تھے جیسے عصمت و عفت کی بیلٹ (Chastity belt)، بجلی کے جھکے لگانے والے آلات اور اس قسم کے بہت سے مانع حمل طریقے جن کے ذریعے مردوں کے عذائے تناسل کو براہِ میخنتہ ہونے سے روکا جاسکتا تھا اور عورتوں کے جنسی اعضاء کو بھی لذت کے دردناک رطوبتوں کے اخراج سے روکا جاسکے۔

ذیل میں ہم نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ جنسی معاملات کے بارے میں مختلف توہمات اور غلط فہمیوں کا ازالہ کریں جو مشرق و مغرب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔ مزید برآں اس

ضمین میں پوچھے جانے والے سوالات جو یورپ اور امریکہ میں رہنے والے مسلمان اور غیر مسلم لوگ کرتے ہیں، انھیں بھی اس باب میں اُن جوابات (فتویٰ، اسلامی نقطہ نظر) سے جو مستند ماہرین اور اہل علم (فقہاء، مفتیوں) نے دیئے ہیں روشناس کیا جائے۔

(الف) جنسی و تولیدی اعضاء کے بارے میں مغالطے:

(۱) مردانہ عضو تناسل کا سائز اور جنسی اختلاط:

«نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد عضو تناسل کے سائز کے بارے میں شاک کی رہتی ہے۔ ان کے درمیان بالعموم پائے جانے والے تاثرات یہ ہیں کہ ایک مرد کے عضو تناسل کو کس قدر لمبا اور موٹا ہونا چاہیے کہ اس کی وجہ سے جنسی حظ کو زیادہ سے زیادہ کیا جاسکے۔ نوجوانوں کو آگاہ کرنے کی ضرورت ہے کہ مردانہ عضو تناسل کا کوئی تعلق جنسی حظ یا تولید و تناسل کی صلاحیت سے نہیں۔ عضو تناسل کی کارکردگی کا تعلق صرف اس حد تک ہے کہ وہ بروقت ایستادہ ہو کر فریقین کے جنسی لذت سے روشناس کرائے اور مادہ منویہ کو عورت کے رحم کے منہ (Os-Uterus) تک پہنچا دے تاکہ قرا ر حمل ہو سکے۔ اس لحاظ سے عضو تناسل کی کارکردگی کا اس کے سائز (لمبائی/چم) سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲) جنسی اختلاط کا دورانیہ:

لوگوں میں بالعموم اس بارے میں بھی غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ جنسی اختلاط کے عمل کو کتنی دیر تک جاری رہنا چاہیے؟ ماہرین کی یہ رائے ہے کہ جنسی مباشرت کا عمل چند سیکنڈ سے لے کر چند منٹوں تک طویل کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ فریقین اس دوران مختلف وقفوں کے ساتھ آرام کرتے رہیں۔ اس عمل کو کچھ عرصے کے لیے مؤخر کرتے رہیں۔ کنزے (۱۹۹۹a) کی رپورٹ کے مطابق ایک عام امریکی مرد میں اس کا دورانیہ چند سیکنڈ سے تین منٹ تک بتایا گیا ہے۔

جنسی اختلاط کے لیے کنڈوم استعمال کرنے سے عضو تناسل کی براہ راست عورت کی دیباہی سے بچانے میں رگڑ کھانے کی حس بہت حد تک کم ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ عمل طویل ہو جاتا ہے۔

(۳) جسمانی رنگت اور عضو تناسل:

یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ کالے رنگ کے جھشی لوگوں کا عضو تناسل بہت بڑا، موٹا اور

امریکن عورتوں کے لیے شہوت و لذت کے حصول کا ایک اہم ذریعہ ہوتا ہے۔ ایک امریکی سٹڈی کے مطابق جس میں کالے رنگ کے حبشیوں اور سفید فام امریکی مردوں کے عضو تناسل کی لمبائی/موٹائی کی پیمائش کی گئی سے پتہ چلا کہ جسموں کی کالی رنگت کی وجہ سے عضو تناسل کی لمبائی/حجم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ مزید برآں یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر دو رنگوں کے مردوں کے عضو تناسل کے سائز میں بہت کم فرق پایا گیا۔

(۴) ہمہ وقتی جنسی خواہش

کیا ایک مرد ہمیشہ اور ہر وقت جنسی اختلاط کے لیے تیار رہتا ہے؟ یہ وہم مغربی ممالک کے نوجوانوں کے ذہن میں اکثر پایا جاتا ہے جہاں لڑکیاں اپنے بوائے فرینڈ سے ہر وقت جنسی اختلاط کی توقع کرتی ہیں یا انھیں لڑکوں کی جانب سے ہر وقت ایسا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

(۵) عضو تناسل کی ایستادگی اور جنسی حظ کا حصول:

لوگوں میں یہ مغالطہ بھی پایا جاتا ہے کہ کسی مرد کے عضو تناسل کی ایستادگی کی صورت میں اور جنسی اختلاط کرنے کے نتیجے میں انھیں ہمیشہ بہت زیادہ جنسی حظ سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ بنیادی طور پر ایک فرد کو جنسی حظ سے لطف اندوز ہونے میں تین مراحل سے گزرنا پڑتا ہے (دیکھئے: پہلا باب) جس میں جنسی اشتعال، عضو مخصوص کی ایستادگی اور بالآخر جنسی حصول شامل ہیں۔ جنسی اشتعال ان خیالات و تصورات کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے جو کسی مرد کو بیرونی اور اندرونی طور پر براہیختہ کرتے ہیں۔ ان کا انسان کی پانچوں حیات (Senses) یعنی دیکھنا، سونگھنا، محسوس کرنا، چکھنا اور سنا سے تعلق ہے۔ انسان کی اندرونی/ذہنی سوچ کی وجہ سے کسی فرد کے خیالات مشتعل ہوتے ہیں یا زندگی کے حسین لمحات کو یاد کرنے سے بھی جذبات براہیختہ ہو جاتے ہیں۔ کسی شخص کو ایک دفعہ جنسی اشتعال میں آنے کی وجہ سے اس کا عضو تناسل ایستادہ ہو جاتا ہے اور اگر اس موقع پر جنسی اختلاط بھی ہو جائے تو اسے جنسی لذت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

(۶) عضو تناسل کا سکڑنا (Shrinkage):

عضو تناسل کے فطری طور پر اشتعال میں نہ آنے کی وجہ سے اس کے سکڑ جانے والا ناخالص

ایسا ہے جس کی تائید کچھ پیشہ ور لوگوں کی جانب سے بھی کی جاتی ہے۔ تاہم اس وقت کافی تعداد میں ایسے اعداد و شمار موجود نہیں جن کی روشنی میں (Use and disuse theory) کی صحت یا عدم صحت کے بارے میں کوئی حتمی رائے دی جاسکے۔ تاہم قدیم زمانے سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کئی عضو کے مکمل طور پر استعمال نہ کرنے کی وجہ سے اس کی کارکردگی میں ضرور فرق پڑ جاتا ہے۔ (۷) دورانِ حمل جنسی اختلاط:

دورانِ حمل، اپنی بیوی سے جنسی اختلاط کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہوتا الا یہ کہ ڈاکٹر نے پرہیز کرنے کی سفارش کی ہو۔ عام حالات میں اپنی بیوی سے اختلاط، حمل کے آخری ایام تک کیا جاسکتا ہے۔

(۸) عورتوں کی ویجائینہ میں G سپاٹ کی موجودگی:

عورتوں کی ویجائینہ کے قریب نصف انچ اندرونی سطح پر اوپر کی طرف ایک حصہ ہوتا ہے جسے G Spot کہتے ہیں۔ یہ کوئی مغالطہ یا غلط فہمی نہیں بلکہ اس کی دریافت ایک جرمن ماہر جنسیت (Ernest Grafenberg) نے کی تھی جس کے نام پر یہ اصطلاح (G Spot) وجود میں آئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس جگہ کی تحریک (عضو تناسل سے مباشرت کے وقت) سے عورت حظ جنسی کی اس انتہائی حالت سے دوچار ہوتی ہے جسے Orgasm کہتے ہیں۔ اگرچہ اس جگہ کو تحریک دینے کے نتیجے میں مختلف عورتوں میں جنسی حظ کا رد عمل بلحاظ ان کی نفسیاتی کیفیت کے مختلف ہوتا ہے تاہم یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے عورت اس حظ سے محفوظ ہوتی ہے جسے عورتوں میں انزال کا عمل (Ejaculation) سمجھا جاتا ہے۔

(۹) عورتوں کا لمبا قد اور پستان:

یہ ایک بڑا مغالطہ ہے کہ لمبے قد والی دہلی پٹلی ایسی عورتوں کو جن کے پستان بھی بڑے ہوں، مرد زیادہ پسند کرتے ہیں۔ لیکن ایسے بھی مرد پائے جاتے ہیں جو کسی حد تک فربہ اور بڑے پیپے والی عورتوں کو پسند کرتے ہیں جن کے کو لہے بھی بھاری ہوں لیکن ان کے پستان چھوٹے ہوں۔ تاہم امریکی مردوں کے لیے جنسی اشتعال کے نقطہ نظر سے کسی عورت کے بڑے پستان ان کے لیے زیادہ باعث کشش ہوتے ہیں بہ نسبت یورپین ممالک کے مردوں کے جو عورتوں

کے موٹے کولہوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ (Jerome and julia Rainer 1969)

(۱۰) کیا جنسی طریقے فطری ہوتے ہیں یا انھیں سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے؟

اگرچہ کچھ لوگوں کو جنسی اختلاط کا بہت شوق ہوتا ہے لیکن وہ اس امر سے آگاہ نہیں ہوتے کہ اس کے لیے تجربے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ عورت کو بھی جنسی حظ سے دو چار کرنے کے لیے مناسب طریقے اختیار کرنا ضروری ہے۔ عورت کا جسمانی نظام کسی حد تک ایک پیچیدہ راز کی مانند ہوتا ہے۔ اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ امریکی کالجوں میں زیر تعلیم قریباً ۴۰ فی صد اپنے آپ کو جنسی تسکین نہیں دے سکتیں (اس کا مطلب ہے کہ وہ مناسب طریق پر مشتمل زنی نہیں کر سکتیں)۔ اگر صورت حال یہ ہے کہ پڑھی لکھی لڑکیاں بھی اپنے جسمانی نظام اور ان کے افعال سے آگاہ نہیں تو پھر یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ کم تجربہ کار جوان مرد، ان طور طریقوں کا علم رکھتے ہوں گے جس سے دونوں پارٹنرز کے لیے انتہائی جنسی لذت حاصل کی جاسکتی ہو۔

اس نقطہ نظر سے یہ ضروری ہے کہ مرد جنسی اختلاط کے آغاز سے انتہا تک اپنے آپ کو قابو میں رکھیں کیونکہ اکثر عورتوں کا یہ خیال ہے کہ مرد جنسی اختلاط کے لیے بہت جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مرد اپنی گرل فرینڈ (داشته) کے ساتھ ڈیننگ کے وقت جلد از جلد بستر پر لیٹنے کے متمنی ہوتے ہیں اور ایک دفعہ لیٹنے کے بعد بھی وہ اس موقع کی تلاش میں رہتے ہیں جب وہ "اصل کام" (Real mission) یعنی مباشرت کا آغاز کر سکیں۔ اس صورت حال کے برعکس، عورتوں کو بتدریج پیش قدمی کرنا اچھا لگتا ہے، بستر سے باہر اور بستر کے اندر دونوں جگہوں پر۔ ان کی خواہش زیادہ رومانوی انداز اختیار کرنے کی ہوتی ہے جس میں وہ ڈیننگ کے قدیم طریقے (سرف بات چیت کرنا) کو طوالت دینا چاہتی ہیں اور یہ چاہتی ہیں کہ زیادہ وقت جنسی اختلاط سے پہلے کے اقدامات مثلاً وہ لیٹنا، گرم جوشی کے ساتھ ایک دوسرے کو اپنی بانہوں میں لپیٹنا وغیرہ پر صرف کیا جائے اور یہی طریقہ جنسی لذت و حظ حاصل کرنے کے بعد (بعد از انزال) بھی اختیار کیا جائے تاکہ وہ بتدریج اس بلندی سے نیچے کی طرف آسکیں جس پر وہ ان تمام افعال کے نتیجے میں پہنچی تھیں۔

(۱۱) ایک دفعہ انکار کا کیا مطلب ہے؟

تمام دنیا کے مردوں میں یہ بات مسلم ہے کہ وہ اپنی بیوی یا داشتہ کے ایک مرتبہ انکار و حتمی

نہیں سمجھتے بلکہ اس بارے میں ان کی منطق یہ ہوتی ہے کہ انکار کا مطلب ہاں ہوتا ہے جبکہ اثبات کے لیے کسی اقرار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ دراصل کسی ”ذہن“ شخص کے ذہن کی اختراع ہے کیونکہ علمی اور علمی طور پر ”ناں“ کا مطلب ”ناں“ ہی ہوتا ہے چاہے وہ کوئی عورت کسی بھی حالت میں کرے۔

(۱۲) پستانوں کا چوسنا:

عورتوں کے پستان اور ان کی بھٹنی بہت حساس ہوتے ہیں اور وہ جنسی تحریک کے نتیجے میں بہت جلد تن جاتے ہیں اور جنسی اختلاط کے وقت ان کو چوسنے سے عورت کو بہت زیادہ حظ حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے رحم میں تحریک پیدا ہوتی ہے تاہم بہت زیادہ چوسنے یا ہاتھوں سے دبانے کی صورت میں ان کا درد کرنا بھی ایک فطری امر ہے۔ یاد رہے کہ پستانوں میں بہت زیادہ اعضاء ہوتے ہیں جو دماغ سے نکلنے والے پیغامات کی ترسیل اور واپسی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چھونے پر وہ بہت جلد رد عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ خاوندوں کو یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ان کی بیویاں، پستان کی بھٹنی کو آہستہ آہستہ چوسنا پسند کرتی ہیں اگرچہ بعض اوقات یہ حساس ہو کر درد بھی کرنے لگتے ہیں۔

(۱۳) منہ سے جنسی لذت کا حصول اور جنسی اعضاء کی بو:

جنسی اعضاء کے بارے میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ چونکہ یہ کپڑوں سے ڈھکے رہتے ہیں اس لیے پسینے کی وجہ سے ان میں فطری طور پر ایک ناگوار بو پیدا ہو جاتی ہے۔ مغرب میں لوگ مختلف اقسام کے خوشبودار لوشن استعمال کر کے اسے بہت حد تک کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عورتوں میں اس بو کی کیفیت بہت ناگوار، گوارا اور قابل قبول کے درجات میں ہوتی ہے۔ کسی عورت کے جنسی مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے رطوبتوں کا اخراج ہوتا ہے یا صحت و صفائی (نہانا) کا اہتمام نہ کرنے سے یہ بو اس قدر ناگوار نہیں ہوتی کہ اس کا خاوند اس سے نفرت کرنے لگے بالخصوص مغرب میں جہاں ایک دوسرے کے جنسی اعضاء و چوسنے کا عام رواج ہے اور جو شاید دونوں صنفوں کو جنسی اشتعال دلانے کے لیے ان کی ضرورت بھی ہے۔

(ب) اسلامی نقطہ نظر سے جنسی امور کے بارے میں سوالات / جوابات:

(۱) زنا بالجبر:

(سوال): اگر کوئی شخص زنا بالجبر کا مرتکب ہو، بعد میں تائب ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

(جواب): عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ ”اگر کوئی شخص کسی قابل تعزیر جرم میں موٹ ہوا اور اس دنیا میں اس کو سزا دے دی گئی تو یہ اس کا معافی نامہ ہوگا اس جرم سے جو اس سے سرزد ہوا۔“ لیکن اگر اسے سزا نہیں ملی تو اس کا معاملہ اللہ کریم کے سپرد ہے کہ وہ اسے آخرت میں سزا دیں یا معاف کر دیں۔“ یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ اگر آپ توبہ کر لیں تو امکان ہے کہ اللہ کریم معاف فرمادیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ وہ شرک کے علاوہ ہر گناہ کو معاف کر دیتے ہیں (مفتی محمد علی المنہوتی) اس ضمن میں مزید معلومات کے لیے کتاب کے اٹھارویں باب (زنا) کا مطالعہ مفید رہے گا۔

(سوال): کیا شادی شدہ شخص کے لیے سزا (رجم) قرآن میں بتائی گئی ہے یا اس کا ذکر حدیث میں ہے؟ ازراہ کرم اس بارے میں تفصیل کے ساتھ قرآنی آیات / احادیث کا حوالہ دیں۔

(جواب): قرآن میں رجم کرنے سے متعلق کوئی آیت نہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الغامدیہ اور معاذ رضی اللہ عنہ کو پتھروں سے مارنے کا حکم دیا کیونکہ وہ شادی شدہ تھے اور انھوں نے اپنی بیوی کے علاوہ دوسری عورتوں سے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ یہ ہے کہ یہ دو علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں۔ یہ دونوں صحابی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے جرم کا اقرار کیا اور کہا کہ وہ اس دنیا میں سزا پا کر اپنے آپ کو پاک کرنا چاہتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ آخرت میں انھیں کوئی سزا ملے۔ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قسم دیا کہ انھیں پتھروں سے مار دیا جائے۔ (مفتی زبیر)

(سوال): میں چاہتا ہوں کہ بچوں اور خاندان کے لوگوں کے باہمی جنسی افعال (Incest) میں ملوث ہونے کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر معلوم کروں۔ ملائیشیا میں یہ جرم آج کل بہت زیادہ ہو رہا ہے اور اس گھناؤنے جرم کے خاتمے کے لیے قوانین موثر نہیں ہیں۔ کیا آپ ایسی سفارشات کر سکتے ہیں جس کے ذریعے اس جرم کو ختم کیا جاسکے؟

(جواب) یہ ایک بہت گھناؤنا جرم ہے۔ اگر کوئی شادی شدہ شخص اس جرم کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا پتھروں سے مار دینا ہے۔ تاہم اگر غیر شادی شدہ آدمی اس کا مرتکب ہو تو اسے ۱۰۰ کوڑے لگائے جائیں۔ اس کے علاوہ جج کی صواب دید پر ہے کہ وہ اسے مزید کوئی سزا دے کیونکہ آیہ حدیث میں مروی ہے کہ غیر شادی شدہ زانی کو کوڑوں کے علاوہ اسے گھر/شہر سے بھی ایک سال کے لیے بدر کر دیا جائے۔

(ب) نسل قوم لوط:

(سوال) مجھے یہ علم ہے کہ اسلام میں عمل قوم لوط کی سزا موت ہے۔ لیکن مجھے اس بارے میں واضح طور پر معلوم نہیں کہ عورتوں میں ہم جنس پرستی کی کیا سزا ہے؟ کیا کوئی حدیث یا قرآنی آیت ایسی ہے جو اس پہلو کی وضاحت کرتی ہو؟

(جواب) اسلام، ہم جنس پرستی کو ایک جنسی انحراف سمجھتا ہے جو اس فطرت کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بنائی ہے۔ یہ انسانی جنسیت کا ایک کرپٹ فعل ہے اور اسی طرح صنف مخالف کے خلاف جرم بھی۔ اس لیے اسلامی شریعت نے اس کی ممانعت کی ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ کس طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو اس جرم کی سزا دی گئی۔ اللہ کریم نے حضرت لوط علیہ السلام کو ان کے ماننے والوں کو بچالیا اور باقی قوم کو بمعہ ان کی بیوی کے گرم پتھروں کی بارش کے نسلانی طور پر تباہ کر دیا۔

نسل عورتوں کی ہم جنسیت کے بارے میں ہے۔ جس طرح ناجائز تعلق مردوں میں قائم ہوتا ہے اس طرح عورتیں بھی اس میں ملوث ہو سکتی ہیں۔ اسلامی فقہ میں اسے ”مُحَلِّق“ کہا جاتا ہے لیکن جہاں تک سزا کا تعلق ہے، قرآن میں اس کے لیے کوئی سزا تجویز نہیں کی گئی۔ تاہم مسلم فقہاء نے اسے قابل سزا جرم قرار دیا ہے اور اس سزا کی نوعیت ایک فطری ڈسپلن کی حکم عدولی کی بنا پر ہے۔ ”اسلم ریاست کی مقتضی اس کے لیے حالات اور جرم کی نوعیت اور کسی شخص کی انفرادی حالت کا خیال کرتے ہوئے قانون وضع کر سکتی ہے۔ اس قسم کی عورت کی گواہی قابل قبول نہیں اس بنا پر۔ وہ گناہ گار ہے۔“

۱۔ قدامہ برلش نے لکھا ہے کہ ”اگر دو عورتیں ایک دوسرے کے ساتھ مشیت زنی کریں تو

وہ لعنت زدہ زانیہ ہیں“ جبکہ چند دوسرے علماء نے قرار دیا ہے کہ ایک ایسی عورت کو نہان عورتوں کو دیکھنے اور ملنے کی اجازت نہیں اور مسلم عورتوں کے لیے لازم ہے کہ وہ ایسی عورت سے پردہ کریں کیونکہ وہ گناہ گار ہے جس پر کسی صورت بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

(ج) مباشرت/مجامعت/جنسی اختلاط:

(سوال): مقعد میں اختلاط (وطی فی الدبر) کرنے کے بارے میں اسلام کی کیا راہ نمائی ہے؟ اس فعل کے کیا نتائج و عواقب ہیں؟ اور اس بارے میں کیا حکم ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ یہ فعل کرے؟

(جواب): حضور ﷺ کی حدیث کے مطابق، تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وطی فی الدبر حرام ہے۔ خزاعیہ ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ تمہیں کسی بات کو بتانے سے نہیں شرماتا۔ اپنی بیویوں سے وطی فی الدبر کا ارتکاب نہ کرو۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ”کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر نگاہ بھی نہ ڈالے گا جو اپنی بیوی سے اس جرم کا ارتکاب کرے۔“ (ترمذی) تاہم اپنی بیوی کے ساتھ جنسی اختلاط سے پسے مقعد کے ارد گرد کے حصے کو سہلانے میں کوئی حرج نہیں تاکہ وہ بھی جنسی طور پر تحریک میں آجائے بشرطیکہ اس میں دخول نہ ہو۔

(سوال): میں نے منہ کے ذریعے جنسی لذت کے حصول کے بارے میں بہت سے فتاویٰ سنے ہیں۔ کچھ علماء اس کی ممانعت کرتے ہیں جبکہ کچھ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ آپ مہربانی فرما کر اس بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کریں؟

(جواب): ۱۹۷۰ کے اوائل میں جب میں یورپ اور امریکہ کے دوروں پر جانے لگا تو وہاں مجھ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تھا۔ مسلم ممالک میں مسلمان اس قسم کے سوالات نہیں کرتے۔ مغربی ممالک کے لوگ جنسی اختلاط کے وقت بالکل برہنہ ہو جاتے ہیں۔ وہاں برہنہ رہنے والے لوگوں کے باقاعدہ گروہ ہیں اور عورتوں کی عریانیت کی بنا پر جو روزمرہ زندگی میں کسی قسم کے لباس استعمال نہیں کرتیں، ان لوگوں کو اس امر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ وہ جنسی مباشرت کے لیے اس طریق پر جنسی تحریک دلائیں۔ تاہم مسلمان ملکوں میں مسلمان مرد، عورتوں کو ان کے نجاب

پر دے نا وجہ سے نہیں دیکھ سکتے جو ان کے لیے جنسی اشتعال کا سبب بن سکے۔ لیکن اس امر کے بارے میں کہ کیا کوئی مرد (شوہر) اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کے وقت مکمل برہنہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ ”اپنے پوشیدہ اعضاء (جنس) کی حفاظت کرو سوائے اپنی بیویوں یا لونڈی کے“ اس بنا پر مسلم فقہاء کی یہ رائے ہے کہ ایک خاوند کے لیے اپنی بیوی کے جنسی اعضاء کا بوسہ لینا، چوسنا (Cunnilingus) جائز ہے یا بیوی کا اپنے شوہر کے جنسی اعضاء کو چومنا/ چاٹنا (Fellatio) بھی جائز ہے۔ لیکن اگر چوسنے/ چاٹنے کے نتیجے میں مرد کے مادہ منویہ کا انزال ہو جاتا ہے تب یہ ایک مکروہ فعل ہے لیکن اس کو ممنوع قرار دینے کے لیے کوئی واضح شہادت نہیں۔ اگرچہ مرد و عورت کے یہ جنسی اعضاء مقعد کے علاوہ، گندے نہیں لیکن عام حالات میں ایک نفیس طبع آدمی کے لیے یہ قابل نفرت ہیں تاہم اس بارے میں کوئی حتمی رائے موجود نہیں۔ اسے غیر قانونی قرار دیا جائے بالخصوص اگر بیوی کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہو یا اسے اس طرح کرنے سے جنسی حظ حاصل ہوتا ہو۔ (ڈاکٹر یوسف القرضاوی)

(سوال): کیا میاں بیوی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ٹیلی فون کے ذریعے جنسی تسکین (Phone sex) کریں یا ٹیلی فون پر گفتگو کے دوران انفرادی طور پر مشت زنی کے ذریعے انزال کر لیں کیونکہ ہم عارضی طور پر ایک دوسرے سے علیحدہ رہ رہے ہیں؟

(جواب): میاں بیوی کے درمیان فون سیکس کے ذریعے جنسی تسکین کا طریقہ جائز ہے اور اس کے لیے قرآنی آیت سورہ البقرہ (۲: ۱۸۷) کا حوالہ کافی ہے۔

تاہم جہاں تک فون سیکس کے دوران مشت زنی کا تعلق ہے تو میرا خیال ہے کہ میاں بیوی کو کسی ایسی حرکت سے باز رہنا چاہیے الایہ کہ وہ اس بارے میں اس قدر مجبور ہو جائیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہ ہو۔ ان حالات میں آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ آپ باقاعدگی سے روزے بھیں، انفریجی کھیلوں میں حصہ لیں، امت مسلمہ کے اجتماعی معاملات میں حصہ لیں، اپنی نظروں کی حفاظت کریں، فحش اور عریاں مناظر/ فلمیں دیکھنے سے پرہیز کریں اسی طرح انٹرنیٹ پر فحش مواد کا مطالعہ نہ کریں اور اپنے رہائشی علاقے کے اسلامی مرکز سے رابطہ رکھیں۔ (مفتی صالح سلطان)

(سوال): کیا اسلام کسی مسلمان مطلقہ عورت کو اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنی جنسی تسکین

کے لیے ایک آلے (Vibrator) کا استعمال کرے بہ نسبت کسی غیر مرد سے زنا کرنے کے؟ اور کیا اسلام کی رو سے کسی شادی شدہ عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے خاوند کی مرضی/اجازت سے اس آلے کا استعمال کرے اور اپنی جنسی تسکین کا سامان بہم پہنچائے بطور ایک زائد ذریعے کے؟

(جواب): ایک مطلقہ عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی جنسی تسکین کے لیے اس آلے کا استعمال کرے بشرطیکہ وہ اس حد تک مجبور ہو جائے کیونکہ بہ نسبت زنا کرنے کے یہ بہر حال کم گھناؤنا عمل ہے۔ لیکن ایک شادی شدہ عورت کے لیے یہ کسی صورت بھی جائز نہیں کہ وہ اس آلے کا استعمال کرے کیونکہ اس طرح وہ قرآن کی اس آیت کی رو سے گناہ گار ہوگی جس میں کہا گیا ہے کہ ”جو جائز طریقوں سے زائد کسی قسم کی خواہش کرتے ہیں۔“ (شیخ عبدالحق حسن الشریف) (د) اسقاط حمل:

(سوال): اگر کسی خاتون کے ساتھ کسی نے زنا بالجبر کا ارتکاب کیا ہو تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسقاط حمل کرائے؟

(جواب): اس کا عمومی جواب نفی میں ہے۔ کیونکہ اسلامی معاشرہ اس امر کا پابند ہے کہ وہ اس قسم کے بچے کی پرورش کرے۔ لیکن ایسے سنگین معاملات میں جیسے کہ ہماری بہنوں کے ساتھ بوسنیا اور کوسو میں کیے گئے ہیں، کچھ اہل علم کی یہ رائے بھی ہے کہ اس کی اجازت ہے۔ یہ بات ہمارے شیخ یوسف القرضاوی کی ہے۔

(سوال): میری بیوی ۸ ہفتے کی حاملہ ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اس حمل کو جاری نہ رہنے دیں کیونکہ ہمارا پہلا لڑکا صرف ۱۰ ماہ کا ہے۔ کیا یہ جائز ہے کہ اس مرحلے پر حمل کو گرا دیا جائے؟

(جواب): جب حمل ۱۲۰ دن سے کم مدت کا ہو تو اس نے ابھی تک ایک انسانی جان کا روپ نہیں دھارا ہوتا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”ہر شخص کی تخلیق، اس کے ماں کے رحم میں ۴۰ دن تک ایک بیج (Seed) کی شکل میں ہوتی ہے، پھر وہ ایک خونی پھٹکی کی شکل میں اتنی مدت کے لیے رہتی ہے، اس کے بعد وہ ایک گوشت کی بوٹی کی شکل میں اتنے دن رہتی ہے۔ پھر ایک فرشتہ اس کے پاس بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح

پھونکتا ہے اور جسے چار احکامات دیئے جاتے ہیں۔ یہ کہ اس کا رزق کہاں سے حاصل ہوگا؟ اس کی کتنی عمر ہوگی؟ وہ کیا اعمال کرے گا؟ اور کیا وہ خوش قسمت ہوگا یا بد قسمت؟“ (بخاری و مسلم) ایک سو بیس دن کی مدت کے بعد، رحم میں موجود بچے میں روح (جان) پڑ جاتی ہے۔ اس لیے ایسی حالت میں اسے کوئی گزند پہنچانا مستوجب سزا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اسقاط حمل ایک جرم ہے اور اس جرم کا ارتکاب حمل کی مدت بڑھنے کے جتنے عرصے بعد کیا جائے، وہ اتنا ہی زیادہ قابل مذمت ہے!

(ر) مختلف امور:

(سوال): کیا کسی کا بوسہ لینا حرام ہے کیونکہ اس کی وجہ سے زنا کی تحریک ہوتی ہے یا یہ از خود حرام ہے؟

جواب: مثال کے طور پر اگر کسی کا بوسہ لیا جائے لیکن زنا نہ کیا جائے، کیا اس پر سزا ملے گی؟

(جواب): کسی کا بوسہ لینا اور اس قسم کے دیگر ہیجان خیز اقدامات از خود حرام نہیں بلکہ یہ حرام کام کی طرف پیش قدمی کا ذریعہ ہیں جس سے مسلم سوسائٹی میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اللہ کریم نے

سورہ الاسرا (۳۳) میں فرمایا: ”زنا کے قریب مت جاؤ، بلاشبہ یہ ایک گناہ ہے اور غلط طریقہ۔“

یقیناً ایک غیر شادی شدہ جوڑے کی جنسی تسکین صرف بوسہ لینے سے نہیں ہوگی بلکہ یہ

دوسرے افعال کا پیش خیمہ ہوگا۔ ایک بنیادی اصول کے طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ ”معصوم بوسہ“

ایک خیالی مفروضے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ (ذاکریوسف القرضاوی)

(سوال): ایک مرد اپنی بیوی سے کتنی دیر تک علیحدہ رہ سکتا ہے؟ جب کوئی شخص امریکہ/یورپ جاتا ہے تو اسے کم از کم ایک دو سال وہاں مناسب طرح رہنے میں لگ جاتے ہیں جس کا انحصار بھی

فرد کے حالات پر ہے۔ اگر اس کی بیوی اس کے ساتھ شروع سے ہی جائے تو وہاں اس کے لیے

معاشی طور پر مناسب طور پر رہنے کا معاملہ مشکل ہوگا۔

(جواب): امام حنبل رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق ایک شوہر کے لیے اپنی بیوی کی جدائی کی زیادہ

سے زیادہ مدت ۳ ماہ ہے یا ۶ ماہ۔ یہ وہ زیادہ سے زیادہ مدت ہے جو ایک عورت اپنے شوہر سے

جدارہ کر گزار سکتی ہے۔ اس موقف کی تائید میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات حضرت

عمر بن الخطابؓ مدینہ کی گلیوں میں رات کے وقت گشت کر رہے تھے کہ انھوں نے ایک عورت کے گانے

کی آواز سنی جو کہہ رہی تھی ”کہ رات کی طوالت میں جبکہ ارد گرد چہار طرف اندھیرا ہے اور میں نیند سے محروم ہوں۔ ایسے عالم میں میرا کوئی دوست نہیں کہ جس کے ساتھ میں اپنا دل بہا سکوں۔ خدا کی قسم اگر مجھے اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میری چار پائی چاروں طرف سے جھوٹی نذر آتی۔“ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اس عورت کا خاوند ایک طویل عرصے سے جہاد پر گیا تھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی (المومنین رضی اللہ عنہا) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ”ایک عورت کتنی دیر تک اپنے خاوند سے جدا رہ سکتی ہے؟“ انھوں نے جواب دیا کہ ”چار ماہ۔“ اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی شادی شدہ شخص کو جہاد پر ۴ ماہ سے زائد عرصے کے لیے نہیں بھیجا کریں گے۔

تاہم اگر آپ کی بیوی آپ کے سفر پر باہر جانے پر اس سے زیادہ مدت کے لیے راضی ہے تاکہ آپ مناسب طریق پر وہاں رہ سکیں تو پھر اس میں کوئی قانونی قباحت نہیں۔ (ڈاکٹر سعد صالح، الازہر یونیورسٹی مصر)

(سوال): اگر کوئی خاوند پانچ وقت کی نماز نہیں پڑھتا بلکہ صرف ۳/۴ نمازیں ادا کرتا ہے تو کیا اس کی بیوی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس سے میاں بیوی کے تعلقات سے گریز کرے؟ کچھ علماء کی رائے ہے کہ ایسے مرد کے ساتھ ہم بستری کرنا حرام ہے۔ کیا آپ مہربانی فرما کر اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالیں گے؟

(جواب): نماز کی ادائیگی اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے اور اسے ادا نہ کرنے والے ہر شخص پر اللہ کا غضب/ لعنت ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ کے سوال سے ظاہر ہے کہ خاوند نماز پڑھنے کی فرضیت سے انکاری نہیں بلکہ وہ اپنی سستی کی وجہ سے اسے باقاعدگی سے ادا نہیں کرتا۔ ایسے عالم میں آپ کا یہ فرض ہے کہ اسے ذرا قیام رہیں اور ہمیشہ نماز پڑھنے کی تاکید کرتی رہیں اور اس کے لیے اپنی تمام تر ذہانت اور صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کو اس امر کی اجازت ہے کہ آپ ہر طرح سے اسے صبح راستے پر لانے کی کوشش کریں تاکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی تعمیل کرے۔ اگر آپ اس طرح کریں گی تو ان شاء اللہ آپ کو اس کا بڑا اجر ملے گا کہ آپ اسے صحیح کام کرنے اور برے کام سے بچنے کی تلقین کرتی رہی

ہیں۔ اس لیے آپ کو اجازت ہے کہ آپ علیحدہ بستر پر سوئیں تاکہ اسے نماز پڑھنے پر آمادہ کر سکیں لیکن اگر وہ آپ سے جنسی اختلاط کرنا چاہے تو آپ اس سے انکار نہیں کر سکتیں کیونکہ اس کا یہ مطالبہ ان حقوق سے متعلق ہے جو اسلام نے تسلیم کیے ہیں۔ اللہ کریم نے سورہ البقرہ (۲: ۲۲۸) میں فرمایا ہے: ”عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔“ (مفتی عبد الفتاح اور نیس، پروفیسر آف اسلامی فقہ کا تقابلی مطالعہ، الازہر یونیورسٹی مصر)

(سوال): کیا اپنی بیوی کے پستان چوسنا حرام ہے؟ کیا اپنی بیوی کے پستان چوسنے پر اگر اس کا دودھ منہ میں چلا جائے تو وہ ماں کی طرح حرام ہو جاتی ہے؟

(جواب): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کر رہے تھے کہ اس دوران شدت جذبات سے انھوں نے اپنی بیوی کے پستانوں سے دودھ پی لیا۔ اس پر وہ صحابی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے بتایا کہ تمھاری بیوی تم پر حرام ہوگئی“ (ماں کی طرح دودھ پینے کی وجہ سے) اس کے بعد یہ صحابی رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اس مسئلے کے بارے میں استفسار کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ”اس میں کوئی حرج نہیں اور انھوں نے اپنی رائے کی تائید میں حضور ﷺ کی ایک حدیث بیان کی جس میں اس امر کی صراحت کی تھی کہ عورت کے دودھ پینے سے حرمت کا اطلاق عہد طفولیت کے پہلے دو سال ہوتے ہیں اور مزید قرآن کریم کی سورہ البقرہ (۲: ۲۳۳) کا حوالہ بھی دیا۔ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دودھ پینے کا عمل، جو حرمت کو لازم کرتا ہے اس کا اطلاق عمر کے پہلے ۲ سالوں میں دودھ پینے سے ہے۔ اس مدت کے گزرنے کے بعد، دودھ پینے سے حرمت لازم نہیں آتی۔ اس دلیل کو سن کر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری نے کہا ”مجھ سے سوال نہ کیا کرو جب تک کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسا جید عالم تمھارے درمیان موجود ہے۔“

اس سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جنسی اختلاط کے دوران اگر خاوند اپنی بیوی کے پستان سے دودھ پی لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ڈاکٹر یوسف القرضاوی)

(سوال): ایک بیوی کے فرائض و حقوق کیا ہیں بالخصوص اس کا اپنے ساس/سسر کی خدمت کے نقطہ

نظر سے؟ ایک خاوند اپنی بیوی کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اپنے ماں باپ کے ساتھ کیا سلوک کرے؟

(جواب): ایک بیوی اپنے خاوند کی خدمت کرنے کی مکلف ہے۔ اس ضمن میں وہ ذمہ دار ہے اس کی خدمت کرنے کی، اس کے مکان/ مال اور بچوں کی حفاظت و خیال کرنے کی لیکن کسی طور پر بھی خاوند کے والدین کی خدمت کرنا اس کی ذمہ داری نہیں۔ تاہم باہمی رضامندی سے بہ آسانی اگر وہ یہ ذمہ داری نبھاسکے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس طرح دونوں میاں بیوی کے درمیان خوش گوار تعلقات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”اے لوگو! یہ سچ ہے کہ تمہارے کچھ حقوق تمہاری بیویوں پر ہیں لیکن اسی طرح ان کے بھی کچھ حقوق ہیں جو تم پر عائد ہوتے ہیں۔ اگر وہ تمہارے حقوق ادا کرتی ہیں تو تم پر یہ فرض ہے کہ تم بھی انھیں محبت کے ساتھ کھلاؤ اور کپڑے پہناؤ“ (ڈاکٹر طلحہ العلوانی)

(۷) بچوں کو بتانے والے چند حقائق:

ذیل میں چند ایسے سوالات درج کیے جا رہے ہیں جن کا تعلق بچوں کے استفسارات سے ہے جو ان کے ذہنوں میں اٹھتے ہیں قطع نظر اس کے کہ وہ مشرق کے رہنے والے ہیں یا مغرب کے رہنے والے۔

(سوال): بچے کس قسم کے جنسی رویوں (Sexual behaviour) کا اظہار کرتے ہیں؟

(جواب): بچے اپنی عمر کے ابتدائی ایام میں جب وہ ابھی چلنا سیکھ رہے ہوتے ہیں تو اپنے جنسی اعضاء کو، بلا کسی مقصد کے، ہاتھ لگاتے ہیں جب انھیں نہلایا جا رہا ہو یا انھیں کپڑے پہنائے جا رہے ہوں۔ عمر کے اس حصے میں وہ کسی قسم کے شرم و حیا کا کوئی تصور نہیں رکھتے تاہم ان کے والدین کا رد عمل انھیں بتا دیتا ہے کہ وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں یا نہیں؟ اس طرح یہ ضروری ہے کہ اس عمر میں اپنے جسمانی حصوں کو ہاتھ لگانے پر ڈانٹنے یا شرم دلانے کی ضرورت نہیں۔ اس عمر میں اپنے جسم کے حصوں کو ہاتھ لگانا ایک فطری عمل ہے۔

(سوال): کیا یہ مناسب ہے کہ جنسی اعضاء کے لیے مختصر نام (Nick name) رکھ لیے جائیں؟

(جواب): بچے کے تین سال کی عمر تک پہنچنے پر والدین کے لیے یہ بہتر ہے کہ وہ تمام جسمانی استثناء

کی ”سرح جنسی اعضاء کے بھی صحیح نام استعمال کریں جو عام طور پر ڈاکٹر استعمال کرتے ہیں یا مادری زبان میں بولے جاتے ہیں۔ اگرچہ ڈاکٹری اصطلاحیں کسی قدر اجنبی محسوس ہوتی ہیں تاہم یہ مناسب ہے کہ جب بچہ بات کرنے کے قابل ہو جائے تو اسے ان اصطلاحی ناموں سے روشناس کرایا جائے۔ عضو تناسل یا ویجاٹینہ جیسے الفاظ عام انداز میں ہی بلا کسی جھجک کے بولنے چاہئیں۔ اس طرح ایک بچہ بھی ان الفاظ کو اس طریق پر بلا کسی ذہنی تحفظ کے کہنا شروع کر دے گا۔

(سوال): بچوں کے اس سوال کا کیا جواب دینا چاہیے جب وہ یہ پوچھیں کہ ”بچے کہاں سے آتے ہیں؟“

(جواب): اس قسم کے تمام سوالات کا جواب سیدھے سادے انداز میں دینا چاہیے اور آپ دیکھیں گے کہ وہ اس معمولی سی اطلاع کے بروقت ملنے پر مطمئن ہو جاتے ہیں اور انھیں کوئی مزید تجسس نہیں ہوتا۔ بچے کی عمر کا خیال کرتے ہوئے یہ بتایا جاسکتا ہے کہ بچے ایک انڈے سے ماں کے پیٹ (پیٹ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) میں بنتے ہیں اور بعد میں ماں کی پیشاب گاہ یا ویجاٹینہ کے راستے باہر آ جاتے ہیں۔ اس موضوع پر عمر کا لحاظ کرتے ہوئے کسی کتاب یا رنگین مینڈل کا بچوں کو دینا بھی مفید ہو سکتا ہے جو مارکیٹ میں بچوں کے لٹریچر کی دکان سے خریداجاسکتا ہے۔ پانچ سال کی عمر کو پہنچنے پر انھیں اس قسم کی کتابیں دی جاسکتی ہیں جو وہ اپنی نشوونما کے اس دور میں تصاویر/خاکوں سے خود پڑھ/سمجھ سکتے ہوں۔

(سوال): اگر آپ کے بچے ”ڈاکٹر“ بن کر کھیل رہے ہوں تو آپ کیا کریں گے؟

(جواب): تین سے چھ سال کی عمر میں بچے عام طور پر ”ڈاکٹر بننے“ کا کھیل کھیلتے ہیں جس میں وہ اپنی قیص وغیرہ اتار کر جسمانی اعضاء کو دیکھتے ہیں۔ ایسے موقع پر بعض والدین بہت سخت رد عمل ظاہر کرتے ہیں۔ جب کہ ایسے موقع پر کسی قسم کی سرزنش یا مار پیٹ کسی صورت بھی مناسب نہیں۔ اور والدین کو نہ ہی یہ سمجھنا چاہیے کہ بچے یہ کھیل کسی شہوانی جذبے کے تحت کھیل رہے ہیں یا اس کی وجہ سے وہ کسی غیر اخلاقی حرکت کے مرتکب ہوں گے۔ اکثر بچے کسی بڑے (ماں/باپ) کی موجودگی سے خود بخود شرماکر یہ کھیل بند کر دیتے ہیں۔

(سوال): لڑکیوں کو ماہواری کے بارے میں کب آگاہ کرنا چاہیے؟

جواب: لڑکیوں کو ۸ سال کی عمر میں ماہواری کے بارے میں آگاہ کرنا ضروری ہے۔ ماؤں، اپنی زندگی کے تجربے کی روشنی میں کہ انھیں پہلے پہل کب ماہواری کا آغاز ہوا تھا، اور انھوں نے اس موقع پر کیا محسوس کیا تھا؟ مزید یہ کہ وہ اس مرحلے سے کس طرح عہدہ برآ ہوئی تھیں؟ اس طریق پر لڑکیاں جلد ہی یہ بات سمجھ جاتی ہیں اور کسی قسم کی پریشانی سے دوچار نہیں ہوتیں۔

نوٹ: مذکورہ بالا تمام سوالات و جوابات مختلف ویب سائٹس سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ان تمام اہل علم کے شکر گزار ہیں جن کا ذکر ہر جواب کے آخر میں کیا گیا ہے، نیز ویب سائٹس کے لیے بھی جہاں سے یہ معلومات اخذ کی گئیں۔



ختنہ (Circumscion)

ختنہ، سرجری کے اس عمل کا نام ہے جس کے ذریعے عضو تناسل کے گرد پائی جانے والی جلد یا کھال کو کاٹ کر دور کر دیا جاتا ہے جس نے عضو تناسل کے سر یا سپاری (Glans penis) کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوتا ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ جب انسان ابھی جنگلوں میں نگار رہتا تھا یہ کھان، عضو تناسل کے سر کو گھاس/جھاڑیوں وغیرہ سے محفوظ رکھتی تھی۔

تاریخی پس منظر:

ختنہ کرنے کا عمل، زمانہ قدیم سے ہی مختلف اقوام اور انسانی تہذیبوں میں رائج رہا ہے۔ برائن مورس (Brain J. Morris 1999) نے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ مختلف قوموں میں اس زائد کھال کو کاٹنے کے مختلف اسباب اور وجوہات تھیں۔ اس کی ایک اہم ترین وجہ یہ تھی کہ لوگ اسے بطور ایک احتیاطی تدبیر کے مذہبی رسم سمجھ کر کرتے تھے بالخصوص ایسے قبائل اور کلچر میں جہاں لوگ جنگلوں یا صحراؤں یا گرم علاقوں میں رہتے تھے۔ ایسے حالات میں گرد و غبار کی وجہ سے کسی قسم کے انفیکشن کے بہت قوی امکانات ہوتے تھے حتیٰ کہ اس کی وجہ سے بعض اوقات ایک بہت بڑی فوج بھی معطل ہو کر رہ جاتی تھی جہاں جنگوں کی وجہ سے عرصہ دراز تک صحت و صفائی کے تادیر مناسب انتظامات کا بندوبست نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لیے تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ فوجی سپاہیوں کی ختنہ کرا دی جاتی تھی تاکہ اس قسم کے مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

یہودیوں اور مسلمانوں میں ختنہ کرانے کی رسم کے آغاز کا مصری تہذیب و تمدن کے آثار سے پتہ چلتا ہے جہاں اس عمل کی تصاویر اور فراعنہ مصر کے عضو تناسل ختنہ کے بعد دکھائے گئے ہیں۔ یہ سلسلہ تین ہزار سال قبل مسیح سے جاری رہا۔ مردانہ جنسی اعضاء کے بہت سے امراض مثلاً Schistosomal (ایک کری مرض) انفیکشن اور پیشاب کی نالی کے بند ہونے اور پیشاب

میں خون آنے جیسے عارضے، وادی نیل کے علاقوں میں کثرت سے پائے جاتے تھے اور مصریوں نے ذاتی طور پر خود اور اپنے علاقوں کے لیے اسے بڑے پیمانے پر اختیار کیا تھا۔ قیاس کہتا ہے کہ بعد میں اس رسم کو بڑے پیمانے پر اختیار کرنے میں یہودیوں نے مٹی، گرد و غبار اور گرم خشک علاقوں میں صحت و صفائی کے نقطہ نظر سے بھی اختیار کیا ہو۔ شاید اسی وجہ سے اس رسم کو ہم دیر بہت سی ایسی اقوام اور تہذیبوں میں بھی جاری دیکھتے ہیں جو اس قسم کی آب و ہوا اور ماحول میں رہتے تھے۔ کچھ دیگر تہذیبوں میں بھی اس کا تعلق شادی کی تیاری سے متعلق تھا اور اسے مردانی کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔

مغربی ممالک میں ختنہ کرانے کا رواج گزشتہ صدی میں بڑے پیمانے پر رائج ہوا۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۷۰ء تک کے درمیانی عرصے میں امریکہ اور آسٹریلیا میں ۹۰ فی صد بچوں کے ختنہ پیدائش کے فوراً بعد کرائے گئے۔ یہ امر دلچسپی کا باعث ہے کہ جاپانی قوم میں جو بہت سی ایشیائی اقوام کی طرح ایک غیر مختون (Non-circumcizing) قوم ہے، ختنے کا رواج نوجوان لڑکوں میں مقبول ہو رہا ہے۔ اس وقت اس کے فوائد میں اہم ترین جنسی اعضاء کی صفائی اور تندرستی، سنو تناسل کے کینسر کی روک تھام سے تھا۔ تاہم ۱۹۷۰ کے نصف حصے کے بعد امریکہ میں ختنہ نہ کرانے کا رواج جڑ پکڑ گیا جبکہ امریکی اکیڈمی کے بچوں کی امراض کی کمیٹی نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ختنے کرانے کے ”کوئی مثبت نتائج و فوائد نہیں“۔ ۱۹۷۵ء میں اس رائے میں تبدیلی آئی اور ۱۹۸۹ء میں اس سوچ اور رائے میں اتنی بڑی تبدیلی آئی کہ ”جدید معلومات سے پتہ چلا ہے کہ طبعی نقطہ نظر سے ختنے کرانے کے بہت سے فوائد ہیں“ (Anon, 1995c) ختنے کرانے کے فوائد:

شوین نامی ڈاکٹر (Schoen, E.J ۱۹۹۳) نے جو امریکی اکیڈمی کی امراض اطفال آئینی کا چیئرمین تھا، اس بات کا اعتراف کیا کہ ولادت کے بعد ختنہ کرانے کے بہت سے فوائد ہیں بہ نسبت ان خطرات و خدشات کے جو اس ضمن میں پیش آسکتے ہیں۔ ۹۲-۱۹۸۵ کے دوران ایسے بچوں کی پیدائش میں اضافہ ہوا جن کے ولادت کے بعد ختنے کیے گئے اور اسی دوران شوین کے بقول ”پیشاب کی نالی کی تکالیف کی شرح میں بھی نمایاں کمی واقع ہوئی جس نے ختنے کرانے کے

لیے خیال کو حتمی انداز فکر دیا (Suggestive to conclusive) مزید برآں اس کی وجہ سے دیگر اقسام کے چھوت دار امراض جس میں HIV بھی شامل تھی، پر قابو پانے کے خیال نے تقویت پکڑی۔ درحقیقت ڈاکٹر شوین نے اعتراف کیا کہ ”ختنہ کرانے کے نئے رجحان کو صحت و تندرستی کے ایک اقدام کے طور پر سمجھا جانا چاہیے بالکل اسی طرح جس طرح کہ مختلف متعدی امراض کے خلاف ویکسین کرانے کی اہمیت تسلیم کی جاتی ہے جس کے نقصان دہ اثرات بہت محدود (مثلاً بخار ہونا) ہیں جب کہ اس کے فوائد سے انسان تمام عمر بہرہ مند ہوتا ہے۔“

برائن مورس (Brain J. Morris ۱۹۹۹) نے ختنہ کرانے کے میڈیکل فوائد کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر مثلاً جسمانی صحت کے مسائل، اطفال میں پیشاب کی نالی کے امراض، جنسی امراض، عضو تناسل کے کینسر، عورتوں میں غیر مختون (Uncircumscized) مرد کے ساتھ مباشرت کی وجہ سے رحم کے منہ کا کینسر ہو جانا، ایڈز کے وائرس کا خدشہ، اور دیگر سماجی و جنسی مسائل کے تحت گفتگو کی ہے۔ اگرچہ ان تمام پہلوؤں کی تفصیلات اس کتاب کے حیطہ اختیار میں نہیں آتیں کہ ہم ان پر گفتگو کریں تاہم اپنے قارئین کی معلومات کے لیے چند اہم پہلوؤں پر بہت اختصار کے ساتھ درج ذیل سطور میں گفتگو کریں گے۔

۴۴ ختنہ کرانے کے فوائد میں اہم ترین صحت جسمانی کے مسائل از قسم عضو تناسل کے نہ سکڑنے کا عارضہ (Phimosis)، عضو مخصوص کے سر/سپاری کی سوزش میں کمی (Balantitis)، پیشاب کی نالی کی سوزش، بلوغت کے وقت عضو مخصوص کے ایستادہ ہونے کی عدم صلاحیت، جنسی امراض مثلاً HIV کے وقوع میں کمی اور بوڑھے مردوں میں عضو مخصوص کے کینسر کا خاتمہ، اور پیشاب کی نالی کے متعدد عوارض میں کمی ہے۔

(Russel T, 1993, Lafferty etal 1991, Shoen E.J 1990, Anon 1989, Anon 1995a, Anon 1996.)

ٹام ویز ویل نامی (Tom Wieswell) نامی ایک ماہر امراض اطفال جو ختنہ کرانے کا سخت مخالف تھا، اپنی ذاتی تحقیق، مشاہدات نیز دیگر سائنس دانوں کی تحقیقات کے نتائج سے متاثر

ہوکر، اپنا کیمپ/موقف بدلنے پر تیار ہو گیا۔ وہ رقمطراز ہے کہ ”بطور ایک ماہر امراض اطفال اور بالخصوص نومولود بچوں کے امراض کے ماہر (Neonatologist) میں بچوں کے مفاد اور بھلائی کا موید ہوں اور ہر وہ اقدام کرتا ہوں جس میں ان کی بھلائی مضمر ہو۔ ایک طویل عرصے تک میں ختنے کرانے کی نہایت سختی کے ساتھ مخالفت کرتا رہا تاہم بتدریج میں اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔“ (Wieswell, 1988)

ویزویل نے ختنے کے بارے میں جمع شدہ اعداد و شمار کا بہت تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے ختنہ کرانے اور نہ کرانے والے ۳۶,۰۰۰ لڑکوں کی زندگیوں میں ہونے والے عوارض کا جائزہ لیا جو امریکہ کے فوجی ہسپتالوں ۸۵-۱۹۸۰ کے دوران پیدا ہوئے۔ لڑکوں کی اس بڑی تعداد میں ایک لاکھ لڑکوں میں جن کے ختنے ہوئے تھے، صرف ۱۹۳ (۱۹ فی صد) ایسے تھے جنہیں زندگی میں کسی قسم کے ایسے عوارض کا سامنا کرنا پڑا تھا جن کا تعلق درج بالا مختلف بیماریوں سے تھا اور ان میں سے کسی کی موت بھی واقع نہیں ہوئی تھی۔ لیکن ۳۶,۰۰۰ لڑکے جن کے ختنے نہیں ہوئے تھے، ان میں مختلف عوارض کی شرح ۵۲۲ فی صد تھی اور ان میں سے ۲ کی اموات بھی واقع ہوئی تھیں۔ (Wieswell and Geschke 1989)۔ اسی شرح دوسرے ماہرین نے بتایا کہ ۱۹۸۹ میں ۲۱,۰۰۰ بچوں/افراد کے ختنے نیویارک کے ایک ہسپتال میں کیے گئے جس میں سے صرف ۶ کو مختلف عوارض لاحق ہوئے جبکہ کسی ایک کی بھی موت واقع نہیں ہوئی۔

عضوتناسل کی صفائی:

ختنے کرانے کے مخالف ماہرین بھی اس امر پر زور دیتے ہیں کہ عضوتناسل کی صفائی کرانی بہت ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ عضوتناسل کے اوپر کھال (غلفہ) کے برقرار رہنے سے کچھ نقصان دہ جراثیم اور ناگوار بدبو پیدا ہو جاتی ہے جس کا تدارک اس عضو کی صفائی کے ذریعے ضروری ہے۔ برطانیہ کے سکولوں میں لڑکوں کے عضوتناسل اور رانوں کے درمیانی حصوں (چڈوں) کی صفائی کی حالت ناگفتہ بہ تھی (Russell, 1993)۔ ایسے گندے ماحول میں دھونے کے باوجود ان جگہوں پر جراثیم فوراً بہت تیزی سے

ساتھ دوبارہ پرورش پانے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ سے عضو تناسل کی جلد کے اوپر کی کھال (غلفہ) میں ایک سفید رنگ کا مادہ (میل) جمع ہو جاتا ہے جسے (Smegma) کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے جراثیم سے ناگوار بدبو پیدا ہوتی ہے جس کے لیے ان لوگوں کو متعدد بار نہانے یا کم از کم اس عضو کو دھونے کی ضرورت پیش آتی ہے (اس سے ختنے کے اسلامی طریقے کی پیروی کے علاوہ پیشاب/پاخانہ کرنے کے بعد پانی سے دھونے/استنجا کرنے کی حکمت کا بھی پتہ چلتا ہے)۔ اگر بچوں کا ختنہ کیا گیا ہو تو والدین کے لیے اپنے چھوٹے بچوں کے ان حصوں کی صفائی کرنے کا عمل بھی بہت آسان ہو جاتا ہے۔ ختنے کرانے کی وجوہات کے بارے میں سڈنی کے ہسپتال میں ایک سروے سے پتہ چلا کہ ختنے کرانے کی پابندی ۳ فی صد مذہبی نقطہ نظر سے (یہودیوں میں ختنہ کرانا ایک دینی روایت ہے) جبکہ ۲۱ فی صد صحت و تندرستی کے قیام کے لیے ہے، اسی طرح دیگر ماؤں نے کہا کہ اس کی وجہ ”بچوں کے والد کی طرح کے عضو تناسل کی ساخت کا ہونا ہے۔“ ("To be like dad") (Donovan et al 1994)

جسمانی عوارض اور مسائل:

غیر مختون لوگوں میں جسمانی عوارض میں سب سے بڑا مسئلہ عضو تناسل کا اندر نہ سکرنا ہے (Phimosis)۔ اس کی شرح ۲ تا ۱۰ فی صد ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا عارضہ جسے Paraphimosis کہتے ہیں۔ اس عارضے میں عضو تناسل کے اوپر کی کھال (غلفہ) دوبارہ عضو تناسل کے سر (سپاری) کو ڈھکنے کے قابل نہیں رہتی اور یہ ایک بہت تکلیف دہ عارضہ ہے۔ اس کے علاوہ عضو تناسل کے اوپر کی اس جلد کی سوزش بھی ایک اہم تکلیف ہے جسے Posthitis کہتے ہیں۔ ۱۹۸۲ میں ایک سائنس دان نے یہ دریافت کیا کہ ۵ روز سے ۸ ماہ تک کی عمر کے غیر مختون بچوں میں پیشاب کی نالی کی تکلیف ۹۵ فی صد تھیں (Ginslurg and McCracken, TR. 1982)۔ ان اعداد و شمار کی ویزویل اور اس کے ساتھی ڈاکٹروں نے بھی تائید کی (Wisewell & Roscelli 1982) اور اس کے چند سال بعد ویزویل اور اس کے ہمراہی سائنس دانوں نے معلوم کیا کہ امریکہ کے فوجی ہسپتالوں میں پیدا ہونے والے ۵۲۶۱ بچوں میں ۴ فی صد غیر مختون بچے پیشاب کی مختلف بیماریوں میں مبتلا

ہوئے جبکہ ختنہ شدہ بچوں میں ان امراض کی شرح ۲ فی صد تھی (Wieswell et.al 1985)۔ اس کے بعد ویزویل نے ۴ لاکھ سے زائد بچوں کے ریکارڈ کا جائزہ لیا جس میں ۷۵۵، ۷۱۹ لڑکے تھے جو امریکی فوج کے ہسپتالوں میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۹۷۵ سے ۱۹۷۹ کے دوران ان اعداد و شمار سے پتہ چلا کہ غیر مختون لڑکوں میں گیارہ گنا زائد پیشاب کی نالی کے عوارض ہوئے یہ نسبت ختنہ شدہ بچوں کے۔ اس امر کا جاننا شاید خالی از دلیلی نہ ہو کہ اس دہائی میں ختنہ کرانے والے بچوں کی تعداد میں کمی ہوئی جو ۸۴ فی صد کی نسبت ۷۲ فی صد تھی اور اس کمی کی وجوہات کے نتیجے میں پیشاب کی نالی کے مختلف عوارض کی شرح میں بھی اضافہ ہوا۔

(Wisewell et. al 1987)

پیشاب کی نالی کی تکالیف میں بعض اوقات اموات بھی واقع ہو جاتی ہیں جس میں گروہوں کا فیل ہونا، دماغ کی جھلیوں کی سوزش (Meningitis) اور ہڈیوں کے گودے کی سوزش جیسے امراض شامل ہیں۔ ان اعداد و شمار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ختنہ نہ کرانے کے نتیجے میں عضو تناسل کے سر پر موجود کھال (غلفہ) موجود رہتا ہے جس کی وجہ سے مختلف امراض لاحق ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

جنسی اختلاط سے پھیلنے والے امراض:

۱۹۸۸ میں امریکہ کے ایک شہر میں سٹڈی سے معلوم ہوا کہ ۲۸۰۰، ایسے افراد جو صرف عورتوں کے ساتھ جنسی اختلاط کرتے تھے اور غیر مختون تھے، ان میں سوزاک اور آتشک کے مرض میں مبتلا ہونے والے زیادہ تعداد میں تھے جبکہ دیگر بیماریوں مثلاً Herpes وغیرہ میں اس کی وجہ سے کوئی فرق نہیں پایا گیا۔ اسی طرح ایک اور سٹڈی سے جو ۱۹۹۴ میں امریکہ میں کی گئی تھی۔ اسی قسم کے نتائج حاصل ہوئے۔ (Gagcox 1995)

عضو تناسل کا کینسر:

امریکی لوگوں میں عضو تناسل کے کینسر کی شرح ایک فرد فی لاکھ سالانہ ہے (۷۵۰) سے ۱۰۰۰ (ایکس سالانہ) اور اس کی وجہ سے مرنے والوں کی شرح ۲۵ سے ۳۳ فی صد ہے۔ (۱۹۸۰ Kochen and McCurdy)۔ یوگنڈا میں مردوں میں پائے جانے والے امراض میں اس

کا تناسب سب سے زیادہ ہے جس کی وجہ سے اس ملک میں بہت زیادہ لوگ ختنہ کراتے ہیں (Dodge and Linsell 1963)۔ آسٹریلیا میں ۶۶-۱۹۶۰ کے درمیان ۷۸ اموات اس کی وجہ سے ہوئیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ طفولیت میں ختنہ کے ذریعے سے حفاظتی اقدامات ایک بہترین پالیسی ہے۔

غیر مخنث مردوں سے مباشرت کرنے والی عورتوں میں فیم رحم کا کینسر:

متعدد سٹڈیز سے پتہ چلا ہے کہ ایسی عورتوں میں فیم رحم (Cervical cancer) کے کینسر کی شرح بہت زیادہ تھی جن کے جنسی تعلقات کسی ایک یا دو غیر مخنث مردوں سے ہوتے تھے۔ مدراس (ہندوستان) میں ۹۰-۱۹۸۲ کے دوران ۵۰۰ مریض عورتوں/مردوں میں جنہیں بالترتیب فیم رحم اور عضو مخصوص کا کینسر تھا، پتہ چلا کہ اس کی شرح مسلمان عورتوں میں سب سے کم تھی بہ نسبت ہندوؤں اور عیسائیوں کے اور مسلمان مردوں میں عضو تناسل کا کینسر بالکل نہیں پایا گیا (Galalakshmi, and Shanta ۱۹۹۳)۔ اسی طرح کی ایک سٹڈی جو کشمیر کی وادی میں کی گئی، سے بھی پتہ چلا کہ مسلمانوں میں ختنے کرانے کے رواج کی وجہ سے ان کی عورتوں میں فیم رحم کے کینسر کی شرح بہت کم تھی بہ نسبت تمام ہندوؤں کے۔ (Dahr et. al 1993)

ایڈز:

امریکہ میں عورت و مرد کے اختلاط کی وجہ سے HIV کی شرح کا اندازہ ایک فی دس ہزار سے لے کر ایک فرد فی لاکھ ہے۔ اگر عورت اور مرد میں سے کسی ایک کو یہ عارضہ لاحق ہوتا ہے لیکن وہ صحت مند ہے تو اس فرد کا ایک مرتبہ مباشرت کرنا بغیر کنڈوم یا مانع حمل تدبیر کے، تو اس کی شرح ایک اور ۳۰۰ کی ہے عورتوں میں مردوں میں کم سے کم لاحق ہونے کی شرح ایک فی ہزار ہے۔ (Cadwell and Cadwell ۱۹۹۶)

افریقہ میں کے کچھ شہروں میں اس کی شرح ۱۰ فی صد تک ہے۔ نیروبی شہر میں پہلی مرتبہ معیوم ہوا کہ ۳۴۰ مریضوں میں جن کا علاج مختلف جنسی امراض کے لیے ہو رہا تھا، ان میں تین گنا زیادہ امکانات تھے HIV کے مریضوں کی اگر انھیں جنسی اعضا کا السر (زخم) تھا یا وہ غیر مخنث تھے (ان میں سے ۱۱ فی صد مردوں کو HIV کا عارضہ تھا) (Simonsen et.al 1988) اسی

طرح کی ایک دوسری رپورٹ سے پتہ چلا کہ ۲۰۹ افریقین قبائل سے تعلق رکھنے والے جو ۳۷ ممالک میں پھیلے ہوئے تھے، جغرافیائی علاقوں کی تقسیم کے لحاظ سے ایڈز کا مرض ان لوگوں میں نہ ہونے کے برابر تھا جو ختم شدہ تھے۔ (Bong aarts et al 1989)

Moses نامی سائنس دان نے ۱۹۹۰ میں ایک بین الاقوامی صحت کی کانفرنس سے متعلق رسالے میں انکشاف کیا کہ ۷۰۰ افریقین معاشروں/قبائل میں جس میں ۱۴۰ مختلف علاقے اور ۴۱ ممالک شامل تھے، وہاں HIV کا عارضہ ان علاقوں میں مقابلتاً بہت کم تھا جہاں لوگ ختم کراتے تھے (Moses et al 1990; 1994)۔ ٹرک چلانے والے ڈرائیور جن کے زیادہ تر تعلقات طوائفوں سے ہوتے ہیں، ان کے غیر مختون ہونے کی صورت میں HIV کے امراض کی شرح بہت زیادہ پائی گئی۔ یہ امر باعث دلچسپی ہے کہ مغربی افریقہ میں ایسے ختم شدہ مرد جن کے عضو تناسل کی کھال (غلفہ) کسی حد تک موجود تھی، ان میں HIV-2 کے امراض میں مبتلا ہونے کے امکانات تھے بہ نسبت ان مردوں کے جن کے ختم مکمل شدہ تھے (Pepin 1993 et. al)

درج بالا حقائق کی روشنی میں مختلف میڈیکل ماہرین کی یہ رائے کہ ایڈز کے وائرس (HIV) جو عورت کے جنسی اعضاء کی رطوبتوں میں موجود ہوتے ہیں، وہ مرد کے عضو تناسل کے اوپر کی جلد (غلفہ) میں زیادہ دیر تک زندہ رہ سکتے ہیں اور یوں وہ اس مرض میں مبتلا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ مزید برآں غلفے کی وجہ سے زیادہ تنگی سطح یا مباشرت کے وقت عضو تناسل پر کسی قسم کا زخم (چھلنے کی وجہ سے) ہو سکتا ہے اور عضو تناسل کے سر (سپاری) کی سوزش کی وجہ سے HIV وائرس جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔ تاہم ان صورتوں میں وائرس کے جسم میں داخل ہونے کا ذریعہ عضو مخصوص کا سر (سپاری) یا غلفے کی کوئی شکن یا پیشاب کی نالی ہوتے ہیں۔ ایک ختم شدہ مرد میں عضو مخصوص کی جلد بہت جلد خشک ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس قسم کے وائرس کے جسم میں داخل ہونے کے بہت کم امکانات ہوتے ہیں۔

تھامس کوئن (Thomas Quin 2000) نامی سائنس دان نے حالیہ تحقیقات سے معلوم کیا کہ لوگوں کو ایڈز کے وائرس سے بچانے والی دو چیزیں ہیں۔ ایک بڑھاپا اور دوسرا ختم

شدہ ہونا۔ اس امر کا انکشاف تھامس نے جان ہالکنز یونیورسٹی امریکہ میں منعقدہ ساتویں میڈیکل کانفرنس کے شرکاء کے سامنے کیا کہ ”HIV کسی ایسے آدمی کو نہیں ہو سکتی جو ختم شدہ ہو۔“ اس کے خیال کے مطابق لوگوں کو جنسی اعمال سے گریز کا درس دینا یا انھیں کنڈوم کے استعمال کی ترغیب و تلقین، ناکام ہو چکی ہے اور ترقی یافتہ ممالک میں ایسی ادویات جو کسی حد تک اس قسم کے وائرس سے بعض مریضوں کو بچا سکتی ہیں، وہ غریب اور ترقی پذیر ممالک میں میسر نہیں جہاں یہ مرض ایک وبا کی صورت میں پایا جاتا ہے!

حالیہ تجربات سے یہ ثابت ہوا کہ پیدائش کے فوراً بعد بچوں کے ختم کرانے سے دنیا بھر میں ایڈز کی وبا کی روک تھام کی جاسکتی ہے۔ اس مرض میں مبتلا ۵۰ ملین انسانوں اور ۱۴ ملین سے زائد اموات کی وجہ سے یہ مرض انسانی صحت کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ یہ بات (1999 Shortand Szabo) نے برائن اپیل یارڈ (Bryan Appleyard 1999) کے حوالے سے بھی۔ انھی ماہرین نے اس مرض کے حملے کی صورت میں بیمار ہونے والے افراد جو ”ایڈز بیلٹ“ والے ممالک میں ہیں، بہت فرق پایا۔ کچھ علاقوں میں اس مرض کا حملہ ۲۵ فی صد تک افراد کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے جبکہ چند ممالک میں اس کا وقوع ایک فی صد ہے اور کم وقوع والے علاقے وہ ہیں جہاں لوگ ختم شدہ ہوتے ہیں۔ اس کے نزدیک ”عضو تناسل پر غلغلہ/ کھنکھانے کی موجودگی، ایک امر واقعہ کے طور پر واحد فیکٹر ہے جس کی وجہ سے ایڈز بیلٹ کے ممالک کے لوگوں کی بڑی تعداد HIV سے متاثر ہے!

افریقہ سے باہر دیگر ممالک میں بھی یہی رجحان پایا جاتا ہے۔ جن ممالک میں ختم کرنے کی شرح کم ہے جیسے تھائی لینڈ، ہندوستان اور کیمبوڈیا، وہاں ۱۰ سے ۵۰ گنا زیادہ ایڈز کے مریض ہیں بہ نسبت ان ممالک (فلپائن، بنگلہ دیش، انڈونیشیا) کے جہاں ختم کرانے کی شرح زیادہ ہے۔ اگر یہ امر تجرباتی طور پر بھی ثابت ہو جاتا ہے تو اس کے مضمرات تمام دنیا کے لیے بہت حیرت انگیز ہوں گے کیونکہ تمام دنیا میں ۸۰ فی صد مردوں میں HIV کی انفیکشن، عضو مخصوص کی کدال (غلغلہ) کی موجودگی کی وجہ سے ہی ہوتی ہے۔ اس کی رائے میں ”ایڈز کی روک تھام کے لیے ناکافی اقدامات پر توجہ دی جا رہی ہے اور بہت زیادہ کوششیں کسی ویکسین کی دریافت پر ہی

مرکوز ہیں۔ تاہم کئی بلین ڈالرز اس کوشش میں صرف کرنے کے باوجود ابھی تک ایڈز کی روک تھام کے لیے کسی ویکسین کی تیاری کا علم دور دور تک نظر نہیں آتا۔ وہ مزید رقمطراز ہیں کہ ”میری تمام عمر ختنے کرانے کے مخالفت میں گزری ہے۔ میں نے اس کے خلاف مقالہ جات لکھے ہیں، میرا اس بات پر یقین نہیں تھا کہ اس کے فوائد اس قیمت سے زیادہ ہیں جو اس پر خرچ کی جاتی ہے کیونکہ جس طرح خدا نے ہمیں بنایا ہے، وہ بہتر ہے اس لیے ہم کیوں ایک عضو کو ضائع کریں۔ لیکن اب میں مکمل طور پر ختنہ کرانے کے حق میں ہو گیا ہوں۔“

ختنے کے چند سماجی و جنسی پہلو:

آسٹریلیا میں ایک سائنس دان نے محدود پیمانے پر ختنہ شدہ افراد اور ان کی بیویوں اور غیر مختون مردوں اور ان کی بیویوں کے تقابلی مطالعے پر مبنی ایک سروے کیا۔ (Badger Jame, 1989 1989 a)۔ اس نے ان دونوں گروپوں کے افراد کی جنسی کارکردگی اور افعال میں کوئی فرق نہیں پایا۔ اس طرح دونوں گروپس کے مردوں کے جنسی افعال، مباشرت کی فی ہفتہ تعداد میں کوئی فرق نہیں پایا گیا۔ تاہم یہ بات سامنے آئی کہ وہ عورتیں جن کے شوہر ختنہ شدہ تھے، وہ دونوں زیادہ تعداد میں ایک ہی وقت میں جنسی حظ سے لذت یا ب ہوئے بہ نسبت ان عورتوں کے جن کے شوہر غیر مختون تھے اور وہ پہلی عورتوں کی نسبت ۳ گن کم شرح سے جنسی حظ حاصل کر سکے۔ عورتوں نے عضو مخصوص کی صفائی اور خوبصورتی کی بنا پر ختنہ شدہ مردوں کو ترجیح دی کیونکہ بعض عورتوں کو غیر مختون مردوں کے عضو تناسل کی بدبو کی وجہ سے ابکائی/ تے کی شکایت ہوئی۔ اسی طرح ختنہ شدہ مردوں کے عضو مخصوص کے ذریعے جنسی لذت کا حصول مشت زنی کے ذریعے آسانی سے واقع ہوا اور اس قسم کے عضو مخصوص کو عورتوں نے منہ سے چوسنے پر ترجیح دی۔ جوان عورتیں جنھوں نے حال ہی میں بچے کو جنم دیا تھا، عضو مخصوص کی صفائی اور اس کی خوبصورت شکل کو ترجیحاً پسند کیا کہ ان کے نومولود لڑکوں کے ختنے کرائے جائیں۔

(Williamsons And Williamson, 1988)

اس کے علاوہ ایسے لڑکوں کے ختنہ کرانے اور عورتوں کے ختنہ شدہ آئیڈیل مرد کے عضو مخصوص کے بارے میں ایک منبھوط اور مثبت تعلق (Positive correlation) کا بھی

انکشاف ہوا۔

ختنہ کرانے میں خدشات و خطرات:

ختنہ کے فوائد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد آئیے اب اس کا دوسرا پہلو بھی دیکھتے ہیں کہ اس میں کن خدشات اور خطرات کی نشان دہی کی گئی ہے۔

ختنہ کرانے میں بداحتیاطی کی وجہ سے زائد خون کے اخراج کا مسئلہ ہے جو ۱۰۰۰ میں ایک کی نسبت سے ہو سکتا ہے۔ (Wisewell, 1995)۔ جنسی اعضاء کی لوکل انفیکشن جس کا وقوع ۱۰۰ تا ۱۰۰۰ میں ایک کی نسبت سے ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات دو بار سرجری کی نوبت بھی آ جاتی ہے جس کے وقوع کی شرح ۱۰۰۰ میں ایک ہے۔ اسی طرح غلغلے کے بہت بڑے حصے کا کٹ جانا یا بہت کم حصے کا کٹنا ہے۔ شاذ ہی ایسا ہوتا ہے کہ عضو تناسل یا اُس کے سر (ختنہ) کے زخمی ہونے کا واقعہ پیش آئے جس کی شرح بھی ۱۵۰۰۰ میں سے ایک ہو سکتی ہے! عضو تناسل کے مکمل طور پر کٹ جانے کی شرح ۱۰ ملین (ایک کروڑ) میں ایک کی نسبت سے ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر سرجن محتاط اور ماہر ہو تو اس امر کا وقوع بھی نہیں ہو سکتا۔

اموات:

ریکارڈز سے پتہ چلتا ہے کہ ۸۹-۱۹۵۳ کے دوران امریکہ میں ۵۰ ملین افراد کا ختنہ کیا گیا، اور اس سے وہاں صرف تین اموات واقع ہوئیں جبکہ عضو مخصوص کے کینسر کی وجہ ۱۱,۰۰۰ اموات واقع ہوئیں۔ (Wieswell, 1997)

ختنہ کے بارے میں تمام تر تفصیلات پڑھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ:

« ختنہ کرانے کا رواج زمانہ قدیم سے مختلف علاقوں، اقوام، مذاہب اور تہذیبوں میں رہا ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ اس کا تعلق کسی الہامی مذہب سے ہے۔ بائبل کے باب پیدائش (Genesis, ۱۷: ۲۲) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کے مردوں کے ختنہ کرانے کا ذکر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ختنہ شدہ تھے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات، دین موسوی، عیسوی اور ابراہیمی کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہیں (دراصل یہودیت/عیسائیت بھی اسلام ہی تھا

جنہیں ان کے پیروکاروں نے بعد میں یہ نام دے کر علیحدہ مذاہب کی بنیاد ڈالی

ایسی اقوام اور معاشروں میں جہاں ختنہ کا رواج نہیں تھا، لوگ مختلف اقسام کے تولید و تناسل کے اعضاء کے امراض میں مبتلا رہے اور یہ مردوں میں ایڈز کے وائرس لگنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نوع کی ریسرچ کے وہ مختلف ماہرین جو کبھی ختنہ کرانے کے مشہور و معروف مخالفین رہے تھے، وہ بھی بتدریج اپنی رائے سے رجوع کرنے پر مجبور ہو گئے اور آہستہ آہستہ ختنہ کرانے کے موید و حامی بن گئے۔

ختنہ کرانے کے فوائد کے پیش نظر، دنیا کے مختلف ممالک میں رہنے والے لوگ اس کے حامی ہو گئے ہیں اور وہ ذاتی طور پر اور اپنے بچوں کے ختنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ذیل کی سطور میں اب ہم ختنہ کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیں گے۔

ختنہ کرانے کا اسلامی پہلو:

اسلام کی رو سے ختنہ کرانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت ختنہ کرائے، جب ان کی عمر ۸۰ سال کی تھی اور انھوں نے خود اپنے ختنے ایک تیز دھار آلے سے کیے (بخاری و مسلم)۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہدایت فرمائی تھی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کریں اس لیے حضور ﷺ نے اس سنت کو اپنایا جو آج تک تمام دنیا کے مسلمانوں میں رائج ہے۔ یہ ان پانچ فطری امور میں سے ایک ہے جن میں ختنہ کرانا، زیر ناف بالوں کی صفائی، مونچھوں کا کاٹنا (کم کرنا) ناخنوں کا کاٹنا اور بگلوں کے بالوں کی صفائی شامل ہیں (بخاری۔ موطا امام مالک)۔ یہ فرض نہیں بلکہ سنت ہے جو امت محمدیہ ﷺ کے مردوں کے لیے لازم ہے اور اس کا ذکر تورات میں بھی آیا ہے جب کہ قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں ہے بلکہ اسے سابقہ الہامی تعلیمات کے تحت اختیار کیا گیا ہے اور حضور ﷺ کی تعلیمات میں دین ابراہیمی علیہ السلام کی پیروی میں ختنہ کرانا ضروری ہے۔ تورات میں اس کا ذکر یوں ہے ”کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمعیل علیہ السلام اور ان تمام کا جو ان کے گھر پیدا ہوئے تھے اور وہ تمام جو ان کے غلام تھے، خانوادہ ابراہیمی علیہ السلام کے تمام مرد افراد کا ختنہ کیا اسی دن جس دن اس کا حکم خداوند نے دیا تھا۔“ (باب پیدائش ۱۷: ۲۲ اور ۱۷: ۱۲)

اور عیسائیوں نے جو (یہودی اور مسلمانوں کے برعکس) ختنہ کرانا چھوڑ دیا، دراصل اس کا کوئی تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے نہیں بلکہ بعد میں سینٹ پال نے عیسائیوں کو اس پر عمل کرنے سے مستثنیٰ قرار دیا تھا اور انھیں سور کا گوشت کھانے کی اجازت دی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جیسا کہ بتایا گیا کہ وہ مختون تھے اور سور کا گوشت بھی نہیں کھاتے تھے۔ فقہاء کے ایک بڑے گروہ کا خیال ہے کہ ختنہ کرانا ہر مسلمان مرد کے لیے فرض ہے۔ جبکہ حنفی اور مالکی فقہ کے مطابق یہ فرض نہیں بلکہ سنت، موکدہ ہے لیکن اس کے باوجود اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ختنہ کرانے کی سختی سے ہدایت کرتے تھے کہ غیر مختون شخص کی نماز اور حج قبول نہیں۔

ایک اور حدیث سے مردوں کے لیے اس کی اہمیت پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ حضور ﷺ نے ایک نو مسلم آدمی کو ہدایت فرمائی کہ ”اپنے جسم سے حالت کفر کے ان بالوں کو دور کر دو اور اپنے ختنے بھی کراؤ۔“ (احمد، ابوداؤد، بیہقی) یاد رہے کہ کسی نو مسلم کے لیے ختنہ کرانا، اس کی اسلام پر پختہ یقین/ایمان کی نشانی ہے۔

فقہاء کا اس امر پر اختلاف ہے کہ ختنے کب کرائے جائیں؟ حضور ﷺ کے زمانے میں بچوں کے ختنے عقیقہ کے وقت کیے جاتے تھے یعنی پیدائش کے ساتویں دن۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ”حضور ﷺ نے حضرت حسین و حسین رضی اللہ عنہما کے ختنے اور عقیقہ ساتویں دن کیے تھے۔ (طبرانی، بیہقی) یہ امر یقیناً باعث دلچسپی ہوگا کہ جدید میڈیکل سائنس بھی یہ سفارش کرتی ہے کہ بچے کے ختنے جلد از جلد کرا دیے جائیں کہ یہ ختنہ کرنے کا بہترین وقت ہوتا ہے جو محفوظ، سستا اور آسان ترین ہوتا ہے۔ (Braun, J. Morris 1999) عورتوں ۱ میں ختنہ کرانا:

عرب میں اسلام کے ظہور سے بہت پہلے عورتوں کا ختنہ کیا جاتا تھا۔ اس رسم کا علاقہ اسلامی ریاست کے ممالک تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ روس کے کچھ حصوں اور ایشیا کے ممالک

۱ عورتوں کا ختنہ ان کی اندام نہانی (Clitoris) کے تھوڑے سے حصے کو کاٹنے سے ہوتا ہے، جو مرد کے عضو تناسل کی طرح کا بہت حساس چھوٹا سا عضو ہوتا ہے اور جو جنسی اشتعال کے وقت ایستادہ ہوتا ہے اور جس پر مباشرت کے دوران مردانہ عضو تناسل کی رگڑ سے عورت کو جنسی حظ (Orgasm) حاصل ہوتا ہے۔

(جن میں عرب قبائل بھی شامل تھے) تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ جنوبی امریکہ اور وادی نیل (مصر، سوڈان، ایتھوپیا) میں بھی یہ عمل عورتوں پر کیا جاتا تھا۔ عورتوں میں ختنہ کرانے کے عمل پر ابھی تک ان ممالک کے بعض مسلم اور غیر مسلم عمل پیرا ہیں۔ تاہم مصر اور سوڈان میں ابھی مسلمان ہی اس پر عمل کر رہے ہیں۔ مصر میں کم لیکن سوڈان میں زیادہ تعداد میں۔ (حسن ہفوات۔ ۲۰۰۰)

اگرچہ یہ رسم یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں میں یکساں رائج ہے لیکن ان تینوں آسمانی مذاہب میں سے کسی ایک نے بھی اس کا خاص طور پر نہ حکم دیا تھا اور نہ ہی مخالفت کی تھی۔

عورتوں کا ختنہ کرنا، اسلامی تعلیمات کا تقاضا نہیں۔ ایک حدیث کی رو سے ”مردوں کے

لیے ختنہ کرنا سنت ہے اور عورتوں کے لیے ایک ایسا کام جو ان کے لیے اچھا ہو۔“ ایک اور

حدیث کے مطابق جس کی راوی حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ہیں: آپؐ نے فرمایا ”کہ ایک عورت

مدینہ میں عورتوں کا ختنہ کیا کرتی تھی۔ حضور ﷺ نے اسے ہدایت فرمائی ”جب ختنہ کرو تو تمام

عضو کو مکمل طور پر مت کاٹنا کرو کہ وہ ایک عورت کے لیے مفید ہے اور خاوند کے لیے خوش آئند“۔

(ابوداؤد، بیہقی)۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کسی عورت کے ختنے کیے جائیں تو اس کی

وجہ سے وہ دورانِ مباشرت زیادہ حساس ہو جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اندامِ نہانی کو مکمل طور پر نہ

کاٹا جائے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے عورت کو جنسی حظ حاصل نہ ہونے سے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔

عورتوں میں ختنہ کرنے کا یہ مفہوم ہے کہ صرف اس کے اوپر کی جھلی یا پردے کو کاٹ دیا جائے نہ

کہ اندامِ نہانی کو جیسا کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں تاکہ اندامِ نہانی اس پردے میں چھپی نہ رہ سکے اور

مباشرت کے دوران رگڑ کی وجہ سے حظِ جنسی میں اضافے کا سبب بن سکے۔ علماء کا ایک بڑا ردہ

یہ کہتا ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ختنہ کرنا عورت کے لیے ضروری ہے بلکہ اس کا تعلق

اس سماجی رسم سے تھا جو مختلف قبائل/علاقوں میں رائج تھی بالخصوص جہاں لوگ اس امر پر بہت زور

دیتے تھے۔ اس لیے اسلام نے اس رسم کی ممانعت یا مخالفت نہیں کی۔ (حسن ہفوات ۲۰۰۰)

فقہاء کے درمیان عورتوں کا ختنہ کرنے کے عمل کی صحت کے بارے میں اختلاف رائے پایا

جاتا ہے۔ مزید برآں اس حدیث کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ایک ضعیف حدیث

ہے۔ ابوداؤد نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ”یہ ایک قوی حدیث نہیں ہے۔ اس کی روایت

مرسل طریق پر ہوئی ہے (جس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے)۔ خاص کر ایک راوی محمد بن حسن مستند نہیں ہے جس کی وجہ سے یہ ضعیف درجے کی روایت ہے۔“ تاہم امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے پیروکار سمجھتے ہیں کہ عورتوں کا ختنہ کرانا فرض ہے۔ البتہ حنبلی فقہ اور چند شافعی فقہاء کے نزدیک بھی عورتوں کا ختنہ فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔ جبکہ حنفی اور مالکی فقہ کے مطابق یہ کام مرد کے لیے عورت کی جانب سے ایک خوشدلانہ اقدام ہے (Courtesy to husband)۔ اکثر علماء کے نزدیک، گرم مرطوب آب و ہوا کے علاقوں میں عورتوں کا ختنہ کرانا ایک رسم کے طور پر رائج ہے۔ اسلامی ممالک میں سوائے مصر اور سوڈان شاید کسی اور علاقے میں کہیں اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ مکہ، مدینہ، نجد، آبنائے فارس (Persian Gulf)، ایران، شمالی افریقہ، ترکی، پاکستان، شام، لبنان، فلسطین وغیرہ میں عورتوں میں ختنہ کرانے کا رواج نہیں پایا جاتا۔ (حسن، نفوات ۲۰۰۰) شیخ شلتوت، مفتی اعظم الازہر (مصر) نے عورتوں کے ختنہ کو ممنوع قرار دیا ہے کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات کے اس اصول کی نفی ہے کہ کسی جاندار کو تکلیف/ایذا دی جائے کجا یہ کہ کسی انسان کو گزند پہنچائی جائے الا یہ کہ اس کے فوائد اس کے نقصانات سے زیادہ ہوں۔

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ آغاز اسلام سے پہلے عورتوں میں ختنے کا رواج چند عرب قبائل تک محدود تھا۔ حضور ﷺ نے اس ہدایت کے ساتھ کہ اسے کم تکلیف دہ اور آسانی کے ساتھ سرانجام دیا جائے اسے جاری رہنے دیا۔ تاہم موجودہ زمانے کا انسان اس عمل سے بہت فکر مند ہے بالخصوص اس وقت جبکہ اس کے کرنے والی غیر پیشہ در عورت ہو جسے ختنے کرنے کے دوران عورت کے درد اور تکلیف کا احساس نہ ہو۔ مارڈینہ ابوبکر (۱۹۹۴) نای خاتون اس رسم پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ ”ستمبر ۱۹۹۴ میں ایک ۱۰ سالہ مصری لڑکی کے ختنہ کی رسم کیبل نیٹ ورک (CNN) پر دکھائی گئی جس میں اس لڑکی کے جنسی اعضاء کو بہت بے رحمی کے ساتھ ایک حجام کے ہاتھوں کاٹتے ہوئے دکھایا گیا تھا جس کی وجہ سے بین الاقوامی طور پر بہت لے دے ہوئی۔“

اگرچہ اس رسم کے بارے میں ایک عمومی تاثر یہی ہے کہ یہ ایک اسلامی عمل ہے تاہم ایسا نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ تین فقہی مسالک کے نزدیک یہ کوئی فرض عمل نہیں ہے۔ اسلامی شریعت کی روح کسی عضو کو مسخ کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ مارڈینا ابوبکر نے مزید لکھا

کہ ”سنگاپور میں اس عمل میں اندام نہانی کا ایک بہت چھوٹا سا حصہ نوج لیا جاتا ہے یعنی قریباً ایک ملی میٹر تا ۳ ملی میٹر حصہ اندام نہانی کے اوپر کی جھلی سے نوج لیا جاتا ہے جس نے اسے مکمل طور پر ڈھانپ رکھا ہوتا ہے اور یوں اس جھلی کے نوچے جانے کی وجہ سے وہ واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے۔ اس عمل میں عورت کے دیگر جنسی و تولیدی اعضاء کو کسی قسم کی کوئی گزند نہیں پہنچتی اور اس طرح عورت کے جنسی جذبات بھی کسی طرح مجروح نہیں ہو پاتے جیسا کہ سنگاپور کے منتفی نے واضح کیا۔ ختنے کرنے کا عمل ایک عورت ڈاکٹر یا نرس ایک کمرے میں انتہائی رازداری کے ساتھ سرانجام دیتی ہے جبکہ اس نرکی یا عورت کی ماں/خالہ میں سے کسی ایک کی موجودگی بھی ضروری ہوتی ہے۔ ۳۱۹ ہجری کے ایک فقیہ ابن الجبر عسقلانی کے بقول عورتوں کا ختنہ پردہ میں کرنا چاہیے جبکہ مردوں کا ختنہ کھلے بندوں۔

اس بارے میں حسن ہفوات (۲۰۰۰) جو ایک مسلم ڈاکٹر ہیں، یوں رقمطراز ہیں کہ ”ختنہ اور عورت کے جنسی اعضا کا کاٹنا، طبی نقطہ نظر سے ایک ہی فعل ہے تاہم ان دونوں میں اس عمل کی وسعت (Degree) کے لحاظ سے بہت فرق پایا جاتا ہے۔ ایک عمومی صورت میں عورت کا ختنہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پیشاب گاہ کے اندرونی لب (Labia minora) کا ایک بہت چھوٹا سا حصہ نوج لیا جائے۔ اس سے بڑھ کر یہ عمل ہے کہ اندام نہانی کا ایک حصہ کاٹ دیا جائے جبکہ اس کی سخت تکلیف دہ صورت جس پر آج کل بھی سوڈان میں عمل کیا جاتا ہے (Infibulation) کا عمل ہے جس میں اندام نہانی اور اندرونی لبوں کو مکمل طور پر کاٹ دینا شامل ہے اور پیشاب گاہ کے دونوں لبوں کو کسی دیا جاتا ہے سوائے ایک معمولی سے سوراخ کے جس سے پیشاب اور ماہواری کی رطوبتوں کا اخراج عمل میں آسکے اور مباشرت کے وقت مردانہ عضو تناسل، اس میں بہت تکلیف کے ساتھ داخل ہو سکے اور بعض اوقات اس کے لیے سرجری کی ضرورت بھی محسوس ہوتا کہ مباشرت کے عمل کو آسان اور کم تکلیف دہ بنانے کے نقطہ نظر سے ان سلسلے ہوئے لبوں کو کسی قدر کھول کر بڑا کر دیا جائے۔ اس میں بہت سی جسمانی تکالیف اور پیچیدگیوں کا احتمال ہوتا ہے جس میں جریان خون، پیپ کا پڑ جانا، سخت کھرنڈ کا بن جانا، رپے کی پیدائش کے وقت سخت تکلیف کا سامنا کرنا، شامل ہیں جس کے لیے لازماً سرجری کا آپریشن

کرانا پڑتا ہے، نفسیاتی تکلیف اور دباؤ کے علاوہ ان وجوہات کی بنا پر یہ خیال قرین قیاس ہے کہ عورتوں میں ختنہ کرانے کی کوئی بنیاد اسلام میں نہیں کہ جس کی پابندی کو لازمی قرار دیا جائے یا کسی کو اس کا پابند بنایا جائے یا قبول اسلام سے پہلے کسی بھی غیر مسلم عورت کے لیے اس کی پابندی ضروری قرار دی جائے۔“ (Anon, ۱۹۹۸c; Hassan Hathout 1998)



ضبط ولادت

”ایک عمومی انداز فکر کی رو سے، انسان کی جنسی جبلت اس کی نوع کی بقا کے لیے ہے جو اس کا سلسلہ مستقبل کے ساتھ جوڑتی ہے۔ جب لوگوں کا اپنی ذات اور ترقی کرنے کے جذبے سے اعتماد اٹھ جاتا ہے تو وہ تولیدی صلاحیت کو ضائع کرنے لگتے ہیں۔ وہ ”دنیا میں بچے پیدا کرنے“ کے جذبے اور امنگ سے تہی دامن ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ بزم جنسی افعال میں بھرپور شرکت کرتے ہیں لیکن — یہ ایک بے مقصد جنسی ملاپ ہوتا ہے جس کا جنسیت اور محبت کے حقیقی اور گہرے مقصد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جس کے نتیجے میں کوئی معاشرہ مستقبل کی جانب رواں دواں ہوتا ہے۔“ (Gilder, F, 1975)

تعارف:

امریکی مصلح مارگریٹ سانگر (Margaret sanger) نے ۱۹۱۴ء میں ”ضبط ولادت“ کی اصطلاح کا استعمال کیا جس کے پیش نظر مقصد یہ تھا کہ ایسے طریقے اختیار کیے جائیں جن کی وجہ سے قیامِ حمل کی روک تھام ممکن ہو سکے۔ چاہے یہ طریقے مرد یا عورت میں سے کوئی ایک استعمال کرے۔ تاہم فی زمانہ اس میں تمام ایسے طریقے شامل ہیں جن سے پیدائش کے عمل کو روکا جاسکے اور اس میں اسقاطِ حمل اور بانجھ کرنے والے انتہائی اقدامات بھی شامل ہیں! — فیملی پلاننگ کی اصطلاح ۱۹۳۰ء میں استعمال کی جانے لگی اور اس کے بعد اس کا نام Planned Parenthood رہا گیا جس کا مطلب ان تمام کوششوں/طریقوں کو بروئے کار لانا تھا جس کے ذریعے بانجھ پن کا علاج کرنے سے لے کر خاندان کے سائز (بچوں کی تعداد) کو کم کرنا تھا۔

قدیم ترین زمانے سے ضبط ولادت کے مختلف طریقوں کی تفصیل ہمیں مصر کے قدیم

فرائیہ کے مقبروں میں لکھی ملتی ہے خاص کر Petri Payrus جو کہ ۱۸۵۰ قبل مسیح میں لکھی گئی تحریر ہے جس میں حمل روکنے کے مختلف طریقوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ قدیم یونان اور روم میں آبادی کی تحدید کے بارے میں بہت زیادہ تشویش پائی جاتی تھی۔ Soranus ایک یونانی گائینکولوجسٹ تھا جو روم میں کام کرتا تھا۔ اس نے ایک بہت مفصل اور مدلل تحریر میں ضبط ولادت کے ان تمام طریقوں کی توضیح و تشریح کی ہے جو دوسری صدی عیسوی میں رائج تھے۔ مسلمان اطباء نے ان قدیم معلومات سے اپنی تحریروں میں استفادہ کیا اور یوں یہ تمام معلومات یورپ کے مختلف ممالک تک پہنچیں جو سترہویں صدی عیسوی تک وہاں کے ضبط ولادت کے متعلق سائنسی لٹریچر کا حصہ بنیں۔ اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ اس قسم کی تمام معلومات سے استفادہ طبقہ اشرافیہ کے لوگوں تک ہی محدود تھا اور عام لوگوں کے لیے وسیع پیمانے پر ضبط ولادت کے طریقوں تک رسائی بیسویں صدی عیسوی ہی میں ممکن ہوئی (Anon, ۱۹۸۵)۔ آج کل ترقی یافتہ مغربی ممالک میں ضبط ولادت کے طریقوں کی اشاعت نو عمر لڑکیوں میں ناجائز عمل کی ردِ تھام کے نقطہ نظر سے بہت شد و مد کے ساتھ کی جا رہی ہے۔ نیز ان طریقوں کے ذریعے ویدہنسی امراض سے محفوظ رہنے کے لیے بھی کوشاں ہیں تاہم ترقی پذیر ممالک میں آبادی کی تحدید کے لیے Planned Parenthood کے جھنڈے تلے سرگرم کوششیں رو بہ عمل ہیں۔ ذیل کی سطور میں ہم ان تمام طریقوں کا جائزہ لیں گے جو ضبط ولادت کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ نیز ان طریقوں کی موزونیت اور اثر پذیری جو مانع حمل اور جنسی امراض سے حفاظت کے لیے استعمال کی جا رہی ہیں کا بھی مطالعہ خالصتاً پیشہ ورانہ اور سائنسی معلومات کی روشنی میں کریں گے تاہم اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ اب تک ضبط ولادت کا کوئی ایسا طریقہ دریافت نہیں ہوا جو سو فی صد موثر ہو۔ اگرچہ چند طریقوں کے صحیح طور پر استعمال کرنے سے بہتر نتائج حاصل ہوئے ہیں۔ یاد رہے کہ ضبط ولادت کے متعدد طریقے ہیں جن میں بغیر کسی ڈاکٹری نسخے کے چند اشیاء میڈیکل سنورز سے مل جاتی ہیں جبکہ چند دوسرے طریقوں کے لیے ڈاکٹری نسخے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بیشتر ممالک نے تحدید آبادی کے منصوبوں کے تحت اپنے اپنے ملکوں میں حکومتی سرپرستی میں کلینک کھولے ہوئے ہیں۔

برتھ کنٹرول کے لیے درج ذیل طریقے استعمال کیے جاتے ہیں:

کنڈوم اور مادہ منویہ کے حیوانی خلیات کو مارنے والی ادویات۔

ضبط ولادت کی گولیاں (عورتوں کے لیے)۔

ڈایا فرام یا جیلی (عورتوں کے لیے)۔

رحم میں رکھا جانے والا رنگ / چھلا (Intra Uterine Device, IUD)۔

ضبط ولادت کا فطری / قدرتی طریقہ۔

بانجھ کر دینا (Sterilization)، مردوں کو خفی کر دینا (Vasectomy) اور عورتوں میں

رحم کی نالیوں کو بند کر دینا (Ligation)۔

صبح کی گولیوں کا استعمال اور بعد از مباشرت IUD کا استعمال۔

ہارمونز کا استعمال (Norplant)۔

نم رحم کا غلاف (Cervical cap)۔

ضبط ولادت کا اسٹنچ۔

مختلف ادویات کا استعمال۔

عزل (Coitus interruptus)۔

مندرجہ بالا تمام طریقوں کے استعمال میں ہر طریقے کے فوائد اور نقصانات ہیں۔ ان میں سے کچھ طریقے حمل کو روکنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں جب کہ اس کے ساتھ ساتھ کنڈوم کے استعمال سے جنسی امراض سے بھی محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ ماہرین طب نے ہر طریقے کے متعلق بہت تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔ ماہرین ان طریقوں کی اثر پذیری (Effectiveness) کا مطالعہ کرنے میں یہ دیکھتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے ایک سال تک کوئی طریقہ استعمال کیا مثلاً میاں بیویوں کے ۱۰۰ جوڑوں نے ایک ہی طریقہ ایک سال تک استعمال کیا پھر بھی تین عورتوں کو حمل ٹھہر گیا تو وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ طریقہ تین فی صد ناکام رہا۔ بعض اوقات کچھ ماہرین کسی طریقے کے موثر ہونے کی شرح کی بات کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ۱۰۰ عورتوں میں سے ۳ عورتیں حاملہ ہو گئیں تو اس خاص طریقے کے موثر ہونے کی شرح ۹۷ فی صد ہے۔ ضبط

ولادت کے کسی بھی طریقے کے موثر ہونے کی شرح کا انحصار اس امر پر ہے کہ وہ طریقہ کس قدر احتیاط اور باقاعدگی کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر ہر مرتبہ ان طریقوں کا صحیح استعمال کیا جائے تو اکثر طریقے کافی موثر ہیں تاہم بہت سی عورتیں مانع حمل ادویات یا طریقوں کے استعمال کرنے پر برے اثرات (Side effects) کے طور پر مختلف تکالیف/عوارض کے لاحق ہونے کا اظہار کرتی ہیں۔ مثلاً کچھ عورتیں گولیوں (Pills) کے استعمال کی وجہ سے اپنے جسم میں نمایاں تبدیلیوں کا اظہار کرتی ہیں جیسے متلی ہونا، درد سر، پستانوں کا ڈھیلا پن، حساس ہونا، وزن میں اضافہ، ماہواری کے درمیان زیادہ خون کا آنا یا خون آمیز دھبوں کا بار بار لگنا اور طبیعت میں غصہ/اشتعال کا آنا، پڑمردگی وغیرہ۔

کچھ عورتوں میں گولیوں کے استعمال سے بہت سنگین نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ بالخصوص مغربی ممالک کی ان خواتین میں جو سگریٹ نوشی کرتی ہیں۔ انھیں ہائی بلڈ پریشر، خون کے جمنے (Blood clot)، ہارٹ اٹیک اور گرمی کے برے اثرات جیسی تکلیف لاحق ہو جاتی ہیں۔ جو عورتیں گولیوں کا مستقل استعمال کرتی ہیں، ان میں مختلف عوارض کے ہونے کی انتہائی علامات (Warning signs) میں پیٹ میں شدید درد کا ہونا، چھاتی/ سینے کا درد، درد کی لہروں کا اٹھنا (Pain tinglings)، ٹانگوں میں سوجن یا ان کا سوجنا اور بینائی کی مختلف تکالیف (بینائی کی کمی یا بینائی کا ختم ہو جانا) کا ہونا ہے۔ اس جگہ ہم ایک ماہر ڈاکٹر کی اس رائے کا اظہار کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ”مانع حمل ادویات کے کارخانوں کے اسلحہ خانے سے گذشتہ چند دہائیوں میں متعدد مانع حمل ادویات میں بہت زیادہ ترقی ہوئی ہے۔ تاہم یہ ایک امر واقعہ ہے کہ کسی موثر ترین دوائی/ طریقے کی دریافت کے لیے کوششیں جاری ہیں۔ چونکہ مانع حمل گولیوں کی بڑے پیمانے پر فروخت جو ۱۹۵۰ء میں شروع ہوئی تھی، سے لے کر اب تک ان ادویات/گولیوں میں کوالٹی اور مقدار کے لحاظ سے تبدیلیوں کا عمل بھی مسلسل جاری ہے، اس لیے ان ادویات/گولیوں کے مکمل طور پر محفوظ ہونے کے دعویٰ پر شبہ کی گنجائش ہے۔“

(حسن ہفوات ۲۰۰۰)

اپنے اس موقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر حسن ہفوات مزید رقمطراز ہیں کہ

”ایک اور اخلاقی ذہنی تحفظ جو مانع حمل ادویات/طریقوں کے استعمال کے بارے میں ہے وہ ان مشاہدات اور عملی واقعات کا نتیجہ ہے کہ دنیا کے کچھ ممالک کی حکومتوں (بالخصوص ترقی یافتہ ممالک) نے اپنے عوام کے لیے چند اقسام کی مانع حمل ادویات/طریقوں کے استعمال پر پابندی لگا رکھی ہے جبکہ اپنے ممالک کے کارخانوں کی اس قسم کی ادویات کی پیداوار بالخصوص ترقی پذیر ممالک کو برآمد کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس میں بہت سی ادویات اور کیمیائی اجزاء ایسے ہیں جو ترقی یافتہ ممالک کے لوگ استعمال نہیں کرتے لیکن یہ ادویات دوسرے غریب ممالک میں فروخت کے لیے تیار کی جاتی ہیں۔ اس ضمن میں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ کچھ نئی دریافت شدہ ادویات (مثلاً مانع حمل گولیاں) یا ٹیکنالوجی جو میڈیکل سائنس کے ماہرین تیار کرتے ہیں، ان پر تجربات کرنے کی اجازت اپنے ملک کے عوام کو نہیں دی جاتی تاہم ایسی تمام ادویات اور طریقے ترقی پذیر ممالک کے عوام کے استعمال کے لیے بطور تجربہ تیار کی جاتی ہیں اور جب تک ان کے استعمال سے ہونے والے فوائد/نقصانات کا اندازہ بہت بڑے پیمانے پر دوسرے ملکوں کے عوام کے تجربات کی روشنی میں نہیں ہو جاتا، اس وقت تک ان ادویات کو اپنے ملک کے عوام کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ جاسکتا ہے کہ دیگر ترقی پذیر ممالک کے لوگوں کو بطور ”ایک انسان نما چھوٹے سور“ (Human guinea pig) سمجھ کر ان پر تجربات کیے جاتے ہیں تاکہ اس امر کی تصدیق کر لی جائے کہ وہ ادویات/کیمیائی اجزاء، ترقی یافتہ ممالک کے ”مالکان“ (جن کی جان بہت قیمتی ہے) کے لیے ہر قسم کے مضر اثرات سے پاک ہیں۔ بیشتر سائنسی اداروں کے اس رویے پر اظہار مذمت ہی کیا جاسکتا ہے جو اس قسم کے طریقوں پر عمل درآمد کرانے میں اپنی خدمات پیش کرتے ہیں جو ترقی پذیر ممالک میں میڈیکل ریسرچ اور علمی تعاون کے خوشناموں کے تحت فنڈز کی فراہمی کے ذریعے بروئے کار لائی جاتی ہیں۔ ان اداروں کے تمام تر وضاحتی بیانات کے علی الرغم یہ بدنام حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ مختلف ممالک اور ان کے میڈیکل ادارے انسانی زندگی کے بارے میں ایک دہرے معیار پر قائم ہیں جس کے تحت وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تمام انسان ایک جیسے نہیں ہیں جیسا کہ ایک مغربی سائنس دان (George Orwell) کے بقول کہ ”تمام انسان

برابر ہیں لیکن کچھ انسان بہت زیادہ برابر ہیں بہ نسبت دوسروں کے!“

(They are equal, but some are more equal than the others!)

اس طریق پر عورتوں کے رحم میں رکھے جانے والا ایک طریقہ IUD بھی تمام عورتوں کے لیے ایک موثر مانع حمل طریقہ ثابت نہیں ہوا کیونکہ اس کی وجہ سے کچھ عورتوں کے جسمانی نظام میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جس میں ماہواری کے ایام میں طوالت، خون کا زیادہ اخراج، شدید درد کا ہونا، ماہواری کے دو وقفوں کے درمیان خونی دھبوں کا لگنا (Spotting) یا دیجائینہ سے زیادہ رطوبتوں کا اخراج وغیرہ اہم ترین ہیں۔ مزید برآں اگر IUD کے باوجود قرحل ہو جاتا ہے تو اس امر کے بہت زیادہ امکانات ہوتے ہیں کہ حمل کے نتیجے میں بچہ فیلوپین نیوب (رحم کی نالیوں میں) انک جائے (Tubular pregnancy)۔ تاہم اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ عارضہ پیڑو (جسم کے نچلے حصے) میں انفیکشن کا ہونا ہے۔

ضبط ولادت کی تحریک کا تاریخی پس منظر:

قبل ازیں کہ ہم ضبط ولادت کے بارے، میں اسلامی نقطہ نظر کا مطالعہ کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ضبط ولادت کی تحریک کے تاریخی پس منظر کا مطالعہ کریں۔ نیز مانع حمل/ضبط ولادت کے ان طریقوں سے حاصل شدہ نتائج و عواقب کا بھی جائزہ لیں جہاں ”امریکہ میں مانع حمل ادویات/طریقوں کا استعمال ایک روزمرہ کا معمول ہے اور جہاں ہر ۱۰ میں سے ۹ عورتیں ناجائز جنسی افعال میں ملوث ہوتی ہیں اور بچے کی پیدائش کے قابل ہوتی ہیں لیکن وہ قیام حمل کے لیے قطعاً راضی نہیں ہوتیں، ان کی رائے یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی مانع حمل طریقے پر عمل پیرا ہیں۔“ (Anon, 1999a)

موجودہ دور میں برتھ کنٹرول کی تحریک کا نعرہ Planned Parenthood ہے (جو دنیا میں مذہبی لوگوں کی مخالفت سے بچنے کے لیے اختراع کیا گیا ہے)۔ ترقی یافتہ ممالک اس طریق کار کو دنیا کے دیگر ترقی پذیر ممالک کے لیے ایک ”نسخہ کیما“ کے طور پر ان پر ٹھونسنے کے لیے کوشاں ہیں۔ پاکستان بھی گذشتہ ۵۰ سالوں سے ان ممالک میں شامل ہے جن پر مغرب اور امریکہ کی ایک ”خاص نظر کرم“ ہے۔ یہاں کے ارباب بست و کشاد یہ دلیل دیتے نہیں تھکتے کہ

آبادی کے بڑھتے ہوئے طوفان پر قابو پانا بہت ضروری ہے تاکہ خوراک کی کمی، اور زیادہ آبادی کے مسائل ان تمام کوششوں کو سبوتاژ نہ کر دیں جو عوام کی بھلائی اور ملک کی ترقی کے لیے کی جا رہی ہیں۔ انھوں نے قوم کو اس نعرے سے بہلانے کی کوشش کی ہے کہ ”تھوڑے بچے خوشحال پاکستان۔“ اس سوچ کے تحت حکومت پاکستان نے برتھ کنٹرول کو اپنی معاشی پالیسی کا ایک حصہ بنا رکھا ہے اور اسے بتدریج لیکن تیزی کے ساتھ پھیلانے میں کوشاں ہے۔ ملک بھر میں فیملی پلاننگ کے کلینکوں کے ذریعے گورنمنٹ سر توڑ کوشش کر رہی ہے کہ ملک میں ضبط ولادت کے طریقوں کو عام کیا جائے۔ اگرچہ امریکہ اور کینیڈا میں کی گئی تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ ان ترقی یافتہ ممالک میں ان مقاصد کے حصول کے لیے یہ تحریک ناکام ہو چکی ہے جن کے لیے اس پر عمل کیا گیا تھا اور جس کے لیے وہ ابھی تک کوشاں ہیں۔ سید مودودی نے اس موضوع پر اسلامی نقطہ نظر کی تشریح بہت تفصیل کے ساتھ کی ہے۔

مالٹھس (Malthus) نامی ایک انگریز ماہر معاشیات نے ۱۷۹۸ء میں، ضبط ولادت کا تصور پیش کیا۔ اس نے حساب لگا کر بتایا کہ چونکہ اس کرۂ ارض اور اس میں موجود وسائل رزق بہت محدود ہیں اس لیے وہ اس قابل نہ ہو سکیں گے کہ مستقبل میں انسان کی بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کو کا حقہ پورا کر سکیں۔ جو بے حساب طریق پر بڑھ سکتی ہے۔ اگر انسانی آبادی کو اس طریق پر بڑھنے دیا گیا تو ایک ایسا دن آ سکتا ہے جب انسانی رزق کے ذرائع کم پڑ جائیں گے جس کی وجہ سے انسان کی زندگی کا معیار متاثر ہوگا۔ اس بنا پر اس نے اس امر کی وکالت کی کہ جنسی تہجد کے ذریعے آبادی کو محدود کیا جائے۔ نیز شادی کرنے میں تاخیر سے کام لیا جائے! (یاد رہے کہ یہ دونوں امور عیسائی مذہب میں جائز ہیں جس کی وجہ سے دنیا کی عیسائی آبادی میں انھیں پذیرائی ملی)۔ ان دونوں امور سے بہت سے دیگر ماہرین مثلاً Jarmmy Banthan اور Francis Place نے ۱۹۳۰ء میں اختلاف کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ ”ایسی احتیاطی تدابیر کو اختیار کیا جائے، جو صحت کے لیے مضر نہ ہوں اور جن کے ذریعے عورتوں کی نزاکت و لطافت پر بھی کوئی برا اثر نہ پڑے اور یوں وہ ذرائع / طریقے قیامِ حمل کو روک سکیں تاکہ جلدی شادی کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پانے والے نوجوان مرد اور عورتیں

(جنسی اختلاط کے باوجود) ایک باعصمت زندگی بسر کر سکیں۔“ ۱

مغرب میں ضبط ولادت کی اس تحریک کو بہت سے عوامل نے مقبول کرنے میں مدد دی جس میں صنعتی انقلاب، سرمایہ دارانہ نظام معیشت، زندگی میں مادہ پرستانہ طرز فکر و عمل اور جدید مغربی ممالک کا حسی اور جنسی لذت کا وہ نظام اور وہ عام چلن اور رجحان ہے، جو وہاں پایا جاتا ہے۔ ان عوامل کے بارے میں مزید تفصیلی گفتگو ہمارے موضوع سے براہ راست تعلق نہیں رکھتی، اس لیے اس کی تفصیلات کو نظر انداز کرتے ہیں۔

امریکہ میں کنڈوم کے استعمال کی مخالفت انیسویں صدی سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ اس مخالفانہ فضا کے نتیجے میں پہلی جنگ عظیم میں امریکی فوج نے ۱۹۱۹ء کے ایک سال میں ایک ہزار میں سے ۷۶۵ سپاہی ہسپتال میں داخل ہوئے جنہیں مختلف اقسام کے جنسی امراض لاحق ہو گئے تھے۔ اگرچہ بظاہر اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اگر کنڈوم کا استعمال کیا جاتا تو اتنی زیادہ تعداد میں سپاہیوں کے بیمار ہونے پر قابو پایا جاسکتا تھا تاہم ہم اس معاملے کے ایک دوسرے پہلو یعنی اخلاقی انحطاط کی جانب اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں جس سے امریکہ جیسے بظاہر مہذب ملک کی فوج کے سپاہی اتنی بڑی تعداد میں زنا اور جنسی گراؤ جیسے مذموم افعال میں ملوث ہوئے اور وہ بھی بیسویں صدی کے دورِ جدید کے آغاز میں!

۲ قیاس کن زگلستان من بہار مرا!

کنڈوم کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ضبط ولادت کا ایک ”بہت موثر اور ارزاں طریقہ“ ہے کیونکہ ۱۰۰ عورتوں میں مردوں کے ساتھ زنا کاری کے نتیجے میں صرف ۱۴ کو قرارِ حمل ہوا جبکہ ان لوگوں نے پہلے سال میں کنڈوم کا استعمال مسلسل احتیاط سے کیا جبکہ سائنسی تجربات کی روشنی میں اس کے مناسب اور موثر استعمال سے صرف ۳ عورتوں کو حمل ٹھہرنا چاہیے۔

(Warner and Hatcher 1998)

۱. کون سے طریقے ہو سکتے ہیں جو آزادانہ جنسی معاشرت کے باوجود، ایک ”باعصمت زندگی“ بسر کرنے کا باعث بن سکتے ہیں، ان کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی کیونکہ ناجائز جنسی معاشرت کو مغربی سوسائٹی اور دانشوروں نے ایک امر لازم کے طور پر تسلیم کر لیا ہے۔

ان اعداد و شمار کے برعکس، اس امر کا اعتراف بھی کیا گیا کہ ”تیس لاکھ سے زائد امریکی جوڑوں کی خواتین ہر سال غیر ارادی طور پر حاملہ ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے اسقاطِ حمل اور ناجائز بچوں کی شرح میں اضافہ ہوتا ہے۔“ اس ناکامی کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ تسلیم کیا گیا کہ ”درج بالا حاملہ عورتوں کی تعداد بالخصوص جبکہ عورتیں غیر شادی شدہ تھیں یا غریب اور نو عمر تھیں، ان کے ساتھ زنا کرنے والے مردوں نے ضبطِ ولادت کے جن طریقوں پر عمل کیا تھا، انھوں نے کام نہ کیا جس طرح کہ انھیں (موثر طریق پر) کام کرنا تھا یا ان مردوں نے ان طریقوں پر تسلسل کے بغیر یا غلط طریقوں پر عمل کیا تھا۔ مزید برآں یہ سوال بھی بہت اہمیت کا حامل ہے کہ کیوں مردوں اور عورتوں کی ایک کثیر تعداد ضبطِ ولادت کے طریقوں پر عمل پیرا نہیں ہوتی؟ اس کی وجوہات کے طور پر یہ دلیل دی جاتی ہے کہ ”اس میں ضبطِ ولادت کے طریقوں کا لوگوں کی قوتِ خرید سے باہر ہونا، یا مشاورتی خدمات کی عدم فراہمی یا عدم رسائی، جیسے امور شامل ہیں۔ نیز اس میں شرم و حیا کا عنصر بھی شامل ہے کہ اس طرح کسی دوسرے شخص کو ان کے ناجائز تعلقات کا علم ہو جائے گا اور اس کے ساتھ انھیں اپنے والدین کا خوف اور معاشرے کی ناپسندیدگی کا خدشہ بھی لاحق ہوتا ہے۔ (Anon, 1999)۔ یہ صورت حال امریکہ جیسے ملک میں ہے جہاں کنڈوم اور دیگر مانعِ حمل اشیاء کا استعمال گذشتہ ایک صدی سے کیا جا رہا ہے اور جہاں کے عوام کا تعلیمی معیار بہت بلند ہے بہ نسبت غریب اور ترقی پذیر ممالک کے عوام کے۔ اس امر کا تعین کرنے کے لیے کہ ہمیں ضبطِ ولادت کے صحیح طریقوں کا استعمال سیکھنے میں کتنی ”صدیوں“ کا عرصہ درکار ہوگا، کسی تبصرے کی گنجائش نہیں۔

امریکہ اور کینیڈا میں برتھ کنٹرول کے بارے میں چند حقائق:

اس سے پہلے کہ ہم موضوعِ زیر بحث پر ایک تنقیدی نظر ڈالیں، یہ امر باعثِ دلچسپی ہوگا کہ ہم ان حقائق کا مطالعہ کریں کہ امریکہ، کینیڈا اور دیگر مغربی ممالک میں ضبطِ ولادت کی سروسز کی فراہمی اور ضبطِ ولادت کے ذرائع کی تمام ضروریات کو کس طرح پورا کیا جا رہا ہے، کا مطالعہ کریں۔ (Anon, 1999a)

چھ ملین (۶۰ لاکھ) عورتوں میں سے ۵۰ فی صد عورتیں ہر سال کسی حادثاتی اتفاق کے نتیجے

میں ناجائز طور پر حاملہ ہوتی ہیں۔ (جنسی تشدد، یا ضبط ولادت کے غلط طریقوں کی بنا پر)۔
یاد رہے کہ اس قسم کے تمام حمل نہ چاہتے ہوئے (Unwanted) اور غیر منضبط
(Unplanned) ہوتے ہیں۔ نو عمر لڑکیوں میں ہر ۱۰ لڑکیوں میں سے ۸ لڑکیوں کو
ناخواستہ حمل ہوتا ہے!

« ناخواستہ حمل کی وجہ سے سالانہ ۴۷ ملین (۱۴ لاکھ) اسقاط حمل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ
۱۱ لاکھ بچے ایسے پیدا ہوتے ہیں جو ناخواستہ ہوتے ہیں یا عورتوں کا خیال تھا کہ وہ تاخیر
سے پیدا ہوتے یا وہ بالکل نہیں چاہتی تھیں کہ ان کے بچے پیدا ہوں۔
« ہر سال ۱۵ سے ۱۹ سال کی عمر کی ہر دس میں سے ایک لڑکی (۱۰ فی صد) حاملہ ہوتی ہے جن
میں سے نصف کے بچے پیدا ہوتے ہیں۔

« امریکہ کو یہ ”شرف“ بھی حاصل ہے کہ ناخواستہ حمل اور نو عمر لڑکیوں کے حمل کی شرح وہاں
مغربی ممالک کی نسبت سب سے زیادہ ہے۔

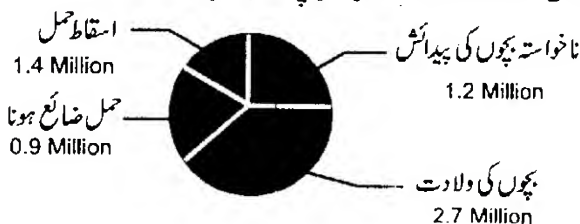
« امریکہ میں اسقاط حمل کی شرح، لاطینی امریکہ کے بہت سے ممالک (جو ترقی پذیر ممالک
کے زمرے میں آتے ہیں) کے برابر ہے جہاں ضبط ولادت کے طریقے ہمیشہ اور
بہ آسانی فراہم نہیں۔ ان تمام ممالک میں اسقاط حمل کی شرح بھی بہت زیادہ ہے اگرچہ
قانوناً اس کی مخالفت کی جاتی ہے۔

« ایک ایسی عورت جو صرف دو بچے پیدا کرنے کی خواہش مند ہو، اسے اپنی عمر کے بیس
سالوں تک ضبط ولادت کے طریقوں پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

« ۱۹۹۴ء میں امریکی عوام کے ٹیکس کے ذریعے ۱۵ ملین ڈالر ضبط ولادت کی اشیاء کی
فراہمی پر خرچ کیے گئے جو لاکھوں غریب عورتوں اور نو عمر لڑکیوں کو مفت فراہم کیے گئے
جس کی وجہ سے ۱۵ لاکھ ناخواستہ حمل کے قیام کو روکا جا سکا ورنہ بصورت دیگر وہ تمام بچے
بھی وجود میں آ جاتے۔

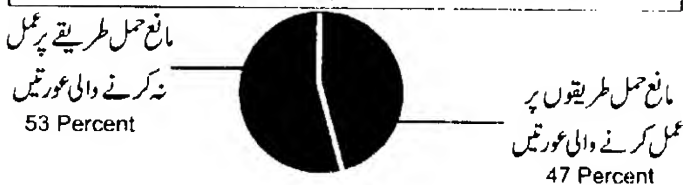
« ماہرین کی رائے میں امریکہ میں ضبط ولادت کو کامیاب کرنے کے لیے امریکی قوم کو ان
طریقوں اور ذرائع کی مسلسل فراہمی کو نہ صرف جاری رکھنا ہوگا بلکہ ان تمام کوششوں کو

بڑھانا بھی ہوگا (کیونکہ شاید وہ ناجائز حرام کاری اور آزاد جنسی افعال سے باز نہیں رہ سکتے اور شاید ان کے دانشور، حکومت بھی اس پر راضی نہیں!)



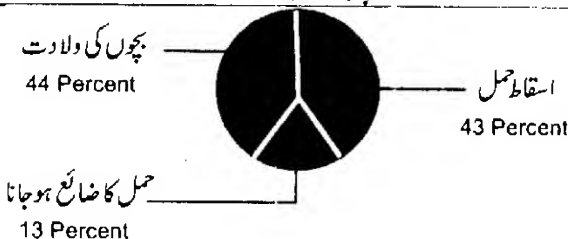
خاکہ نمبر ۷

خاکہ نمبر ۷: امریکہ میں ناخواستہ قرار حمل کا جائزہ — قریباً ۶.۳ ملین حمل سالانہ میں سے نصف کے قریب ناخواستہ حمل ہوتے ہیں۔



خاکہ نمبر ۸

خاکہ نمبر ۸: امریکہ میں ناخواستہ قرار حمل کا جائزہ — عورتوں کی قلیل تعداد جو ضبط ولادت کے طریقوں پر عمل نہیں کرتی لیکن ان میں تین ملین (۳۰ لاکھ) سے نصف تعداد میں حمل قرار پا جاتے ہیں۔



خاکہ نمبر ۹

خاکہ نمبر ۹: امریکہ میں ناخواستہ قرار حمل کا جائزہ — وہ تعداد جو ضبط ولادت پر عمل نہیں کرتی تاہم ان میں استقاط حمل اور بچوں کی پیدائش کی شرح ایک جیسی ہے۔

خاکہ نمبر ۱، ۷ میں ۶۳ لاکھ سالانہ (۶.۳ ملین) عورتوں کے اس حمل کی تقسیم دکھائی گئی ہے جو ناخواستہ ہوتے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ قریباً نصف کے قریب عورتوں میں حمل کا اسقاط ہوتا جاتا ہے جو ان ناخواستہ حمل کے نتیجے میں واقع ہوئے تھے (Henshaw, S.K., ۱۹۹۸)۔ اسی طرح خاکہ نمبر ۲، ۷ میں ان عورتوں کے اس معمولی تناسب کی وضاحت کی گئی ہے جو کسی ضبط ولادت کے لیے کسی قسم کا طریقہ استعمال نہیں کرتیں۔ ان کا تناسب کل ناخواستہ حملوں میں ۳۰ لاکھ (تین ملین) سالانہ ہے۔

خاکہ نمبر ۳، ۷ میں عورتوں میں ناخواستہ حمل کے اس تناسب کی وضاحت کی گئی ہے جو برتھ کنٹرول پر عمل نہیں کرتیں تاہم ان میں اسقاط کی تعداد بھی بچوں کی ولادت کے برابر ہے۔ ان تینوں خاکہ جات سے جن امور کی وضاحت ہو رہی ہے۔ اس پر مزید کسی تبصرے کی ضرورت نہیں تاہم یہ معاملہ بہت سنگین ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد (۹۳ فی صد) جو مانع حمل طریقوں پر عمل کرتی ہے لیکن ان میں بھی ناخواستہ حمل اور اسقاط حمل کی شرح بہت زیادہ ہے۔ یہ اعداد و شمار برتھ کنٹرول کے مختلف طریقوں کے موثر ہونے کے بلند بانگ دعوؤں کی نفی کرتے ہیں۔ باوجود اس امر کے کہ امریکہ جیسے ملک میں جہاں اربوں ڈالر مالانہ ضبط ولادت کے لیے خرچ کیے جا رہے ہیں۔

کینیڈا، جہاں فیملی پلاننگ کو انسانی بنیادی حقوق کا درجہ حاصل ہے، میں بھی حالات بہت زیادہ مختلف نہیں ہیں (Anon ۱۹۹۹a)۔ کینیڈا میں کی گئی تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ ۹۶ فی صد بالغ عورتیں، گولیوں کے بطور مانع حمل طریقے کے استعمال کے بارے میں آگاہ تھیں لیکن ان میں سے صرف ۲۸ فی صد اس وقت اس پر عمل پیرا تھیں جب یہ سڈی کی گئی۔ (Anon ۱۹۹۹e) اس سڈی سے درج ذیل حقائق مزید معلوم ہوئے۔

۳۵ فی صد مانع حمل گولی استعمال کرنے والی خواتین نے بتایا کہ گذشتہ دو سالوں میں انھوں نے ایک سے زیادہ مردوں سے جنسی اختلاط کیا جس کے معنی ہیں جنسی امراض HIV کے زیادہ امکانات۔ ان میں سے بہت سی عورتوں کو ان گولیوں کے موثر ہونے اور ان کے مضر اثرات کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں بھی تھیں۔

۴۴ اسی طرح کنڈوم کے استعمال برائے ضبط ولادت کے طریقوں کے بارے میں بھی تقریباً اسی طرح کے اعداد و شمار پائے جاتے ہیں۔ لوگوں کو کس بڑے پیمانے پر دھوکہ دیا جا رہا ہے، اس کی وضاحت درج ذیل مثال سے بخوبی ہوتی ہے اور شاید اسی وجہ سے اس قسم کے ماہرین/سائنس دانوں کے بارے میں امریکن دانشوروں کا یہ قول ہم نے نقل کیا ہے کہ ”وہ بے ضرر/محفوظ جنسیت کے علمبردار اور گرو ایسے لوگ ہیں جو کہ کنڈوم کے استعمال کو بطور ”ذریعہ معاش“ عام کرنے والے ہیں۔“ (Anon 1996)۔ یہ رپورٹ بتاتی ہے کہ:

۴۵ ۹۱ فی صد کینیڈین عورتیں ضبط ولادت کے طریقے کے طور پر کنڈوم سے آگاہ ہیں تاہم ان میں سے صرف ۲۱ فی صد نے بتایا کہ حالیہ دنوں میں وہ کنڈوم کا استعمال کرتی تھیں۔

۴۶ غیر شادی شدہ عورتوں (۶۳ فی صد) کی تعداد ایسی تھی جنہیں کنڈوم کے استعمال کے زیادہ مواقع میسر تھے بہ نسبت ان ۳۱ فی صد کے جنہوں نے گذشتہ ۶ ماہ میں کنڈوم کا استعمال کیا تھا۔ کنڈوم کے استعمال کے بارے میں یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ اس کا استعمال اکثر و بیشتر غیر متواتر (Inconsistent) ہوتا ہے اور ۲۵ فی صد عورتوں میں اس کے بارے میں غلط تصورات/غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں کہ کسی ایک شخص سے شادی (Monogamy) اور شادی سے باہر کسی پارٹنر پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے ساتھ شناسائی کے دوران (Getting to know each other) جنسی اختلاط کے وقت کنڈوم کی ضرورت نہیں رہتی کہ جنسی امراض سے محفوظ رہا جاسکے۔

ماہرین کے نزدیک اس ملک میں بھی کینیڈین عوام کو برتھ کنٹرول کے ”فیوض و برکات“ سے مکمل طور پر بہرہ مند ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ برتھ کنٹرول کو وسیع پیمانے پر پھیلا دیا جائے بلکہ ان کوششوں کو تیز کرنا چاہیے تاکہ عوام کو جنسی امراض (HIV) سے محفوظ رکھا جاسکے

۱ یاد رہے کہ مغرب میں اس اصطلاح کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مرد اور عورت ایک ساتھ ایک گھریا کمرے میں رہتے ہیں درآئیکہ ان کی شادی نہیں ہوئی ہوگی اور وہ ہر قسم کے جنسی افعال میں ملوث ہوتے ہیں تاکہ شادی سے پہلے ایک دوسرے کے ”مزاج شناس“ ہو سکیں۔

(Anon, 1999a)۔ درج بالا حقائق سے بہ آسانی یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ:

۹۱ فی صد کینیڈین عورتیں کنڈوم کی افادیت سے ”آگاہ“ ہیں جبکہ صرف ۲۱ فی صد عورتیں اس کا استعمال کرتی تھیں۔ کینیڈا جیسے ملک کے لیے یہ بہت ”بڑی کامیابی“ نہیں جہاں بے شمار فنڈز کے ساتھ ساتھ انسانی اور دیگر وسائل برتھ کنٹرول کے فروغ کے لیے خرچ کیے جا رہے ہیں۔ اگر ہم ترقی پذیر ممالک میں اس قسم کی تحریک/مہم کو کامیاب مہم کے طور پر چلانے کے امکانات کا جائزہ لیں، قطع نظر سماجی، تہذیبی اور مذہبی رجحانات کے، تو یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ امریکہ ۱۹۹۴ء میں اس مد میں خرچ کر رہا ہے یعنی (۱۵۷ ملین ڈالر Anon, ۱۹۹۹a)، تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کسی غریب ترقی پذیر ملک کے لیے اتنی خطرہ رقم کا برداشت کرنا ایک ایسی ”عیاشی“ ہے جس کا دنیا کا کوئی ملک بھی متحمل نہیں ہو سکتا، نہ صرف حال میں بالکل مستقبل بعید میں بھی۔

۹۲ اس رپورٹ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کنڈوم اور ضبط ولادت کے دیگر طریقے غیر شادی شدہ لڑکیوں کی ایک کثیر تعداد (۶۴ فی صد) استعمال کرتی ہے جس کا مطلب ہے کہ لڑکیوں کے ہاتھ میں یہ ایک ایسا ”سستا اور آسان ہتھیار“ ہے جس کے ذریعے وہ اس مادر پدر آزاد جنسیت کے ماحول میں ناجائز حمل اور دیگر جنسی امراض کے علاوہ متعدد دیگر سماجی و معاشی مسائل سے بھی اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتی ہیں جہاں برتھ کنٹرول کو ایک انسان کا ”بنیادی حق“ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے (Anon, ۱۹۹۸b)۔ اگر اسے ہماری بدگمانی پر محمول نہ کیا جائے تو اغلب خیال یہ ہے کہ بیجنگ کانفرنس پلس جو نیویارک (امریکہ) میں اقوام متحدہ کے ادارے کے تحت منعقد ہوئی تھی، کی سفارشات کا بھی یہی مقصد ہے کہ اس قسم کے مادر پدر آزاد جنسیت کے نظام کو دنیا کے ترقی پذیر ممالک بالخصوص مسلم ممالک میں رائج کیا جائے تاکہ امریکہ/مغرب کے کارخانوں کے کاروبار کو وسعت دی جاسکے جو دھڑا دھڑا مائع حمل ادویات کی تیاری اور کنڈوم جیسی غیر ضروری اشیاء کی تیاری میں مصروف ہیں اور یہ ممالک ان اشیاء کی فروخت کی ایک آسان منڈی بن جائیں!

امریکہ میں ناخواستہ بچوں کی پیدائش براہ راست ناجائز جنسی تعلقات کا نتیجہ ہے اور اس امر کا فہم و ادراک کرنے کے لیے کسی لمبے چوڑے علم کی بھی ضرورت نہیں کہ ضبط ولادت کے مختلف طریقوں کے استعمال کے بارے میں کوئی گارنٹی دی جاسکے کہ ان طریقوں کا استعمال صرف شادی شدہ عورتوں تک ہی محدود رہے گا۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں سنسنی خیز شہوانی ماحول ہر چہار طرف چھایا ہوا ہے، جہاں موسیقی اور عریاں فلموں / لٹریچر اور T.V، انٹرنیٹ / ڈش کے ذریعے اس امر پر کوئی قدغن نہیں کہ ناجائز حمل کو معاشرہ / والدین نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے، شاید حمل کا قیام ہی وہ ”آخری حربہ“ ہے جو ایک غیر شادی شدہ لڑکی کو کسی مرد کی جنسی ہوس اور پیش قدمی سے روک سکے۔ جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے، اسے صرف زبانی / مبنی / ذہنی مفروضہ ہی نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی تائید بہت سی تحقیقی رپورٹیں اور مغربی ممالک کے وہ تمام اعداد و شمار کرتے ہیں جن کا ذکر ہم نے سطور بالا میں کیا ہے اور یہ اعداد و شمار خود ان روشن خیال ممالک کے سائنس دانوں کے فراہم کردہ ہیں۔ نیز دنیا کے کسی بھی ملک کی ایسی مثال موجود نہیں جہاں ضبط ولادت کا طریقہ بڑے پیمانے پر رائج ہوا ہو اور وہاں مختلف ادویات اور اشیاء برائے ضبط ولادت بہ آسانی / سستے داموں فراہم بھی ہوں، وہاں ناجائز جنسی تعلقات نے ایک پلگ کی شکل اختیار نہ کی ہو اور وہاں ناخواستہ حمل کا قیام اور جنسی امراض کا طوفان برپا نہ ہوا ہو۔

درج بالا رپورٹ کی سفارشات اس بارے میں بہت واضح اور حتمی ہیں کہ کنڈوم کے استعمال سے جنسی امراض (HIV) پر قابو پانا ناممکن نہیں۔ اس لیے یہ ممالک ان امراض اور مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنی حکومتوں سے مزید فنڈز مختص کرنے کی سفارشات کرتے ہیں۔ ان سفارشات ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ امریکہ میں محکمہ صحت نے کنڈوم کے استعمال میں اضافے کے لیے ”صحت مند عوام ۲۰۰۰ء“ اور ”صحت مند عوام ۲۰۱۰ء“ (Healthy Police ۲۰۰۰/۲۰۱۰) جیسے پروگراموں کا اجراء کیا ہے جن کے ذریعے عوام کی صحت کے معیار کو بہتر بنانے اور جنسی امراض سے تحفظ کا لائحہ عمل تیار کیا گیا ہے۔ امریکہ کی وفاقی حکومت کا یہ منصوبہ ہے کہ آئندہ سالوں میں ایسے غیر شادی شدہ لڑکوں /

لڑکیوں کی تعداد میں جو جنسی افعال میں ملوث ہیں، اور جنہوں نے آخری مباشرت کے وقت کنڈوم کا استعمال کیا تھا ۵۰ فی صد اضافہ کیا جائے۔ اسی طرح ایک دوسرے منصوبے کے پیش نظر مقصد ہے کہ ”۱۵ سے ۱۹ سال کی عمر کے نو عمر غیر شادی لڑکیوں لڑکوں میں جو جنسی افعال میں ملوث ہیں ان کی تعداد میں ۶۰ فی صد تک اضافہ کیا جائے جن کے پارٹنر نے آخری مباشرت کے وقت کنڈوم کا استعمال کیا تھا۔ ۵۷ فی صد نو عمر نوجوانوں کے لیے کنڈوم کے استعمال کو مزید بڑھایا جائے گا۔ یہ توقع کی جا رہی ہے کہ اس طریق پر کنڈوم کے زیادہ استعمال کی وجہ سے آسمان پر چڑھتی ہوئی ناجائز حمل کی شرح کو کم کیا جاسکے گا جس کی وجہ سے نو عمر (۲۰ سال سے کم عمر لڑکے/لڑکیاں) جنسی امراض میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ (Anon, 1999i)

اس بات کی جانب اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ان مسائل کے ایک مستقل اور ذریعہ حل کے بارے میں مغربی اہل علم کی سوچ یک طرفہ ہے۔ جن کا تعلق نا خواستہ قیام حمل، نو عمر لڑکیوں میں بچوں کی پیدائش، جنسی امراض HIV کے پھیلنے، طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح اور خاندانی نظام کی تباہی سے ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی آنکھیں یکسر بند کر لی ہیں، مرد و عورت کے آزادانہ اختلاط (Intermingling of sexes) کے تلخ حقائق سے جو جنسی انارکی کے ایک ہمیشہ بڑھنے والے طوفان کو اپنی جلو میں لیے ہوئے ہیں اور اپنی اس بڑھتی ہوئی لذت کی اندھی خواہش کو پورا کرنے کے لیے وہ نت نئے ایسے طریقے اختیار کرتے رہتے ہیں جو کسی زمانے میں جنسی انحراف تصور کیے جاتے تھے اور جسے انہوں نے ایک خوش نما اصطلاح Paraphillia کے نام سے جائز قرار دے دیا ہے۔ انسانی عقل و فہم کی نارسائی اور کمی نے زمانہ قدیم سے ہی انسان کو کسی ایسے طریقے/طریقوں کو اختیار کرنے سے روکا ہوا ہے جن کے ذریعے وہ اپنے مسائل خود حل کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان تنہا ایسے عوامل تلاش کرنے میں کامیاب ہو ہی نہیں سکتا جن کے ذریعے وہ زندگی کے گونا گوں مسائل کو حل کر سکے۔ انسان صدیوں سے سرتوڑ کوشش کر رہا ہے کہ اپنے مسائل کا ایک متوازن اور منصفانہ حل تلاش کر سکے لیکن وہ اس میں ناکامیاب رہا ہے۔“ (سید مودودی)۔ یہ دنیا اخلاقی/الہامی ہدایت کی شدید منتظر ہے اور یہ طلب آج سے

پہلے کبھی اتنی زیادہ نہ تھی۔ مغرب کو ایک ایسے سوشل نظام کی ضرورت ہے جس میں دونوں صنفوں کے آزادانہ میل جول پر پابندی ہو اور ان تمام عوامل پر بھی سخت پابندی ہو جن کی وجہ سے ناجائز جنسی اتار کی کے طوفان نے اس دنیا کو تلپٹ کیا ہوا ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ آسمانی ہدایت سے بے نیاز ہو کر انسان کا بنایا ہوا کوئی بھی سوشل نظام، زندگی کے مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک، منصفانہ اور معتدل لائحہ عمل پیش نہیں کر سکتا۔ کسی ذہنی تحفظ اور لگی لپٹی رکھے بغیر ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ آج کے دور میں اسلام ہی وہ نظام حیات ہے جو درج بالا معیار کے مطابق انسان کے ان مسائل کا متوازن حل پیش کرتا ہے جس کا تعلق اس کی جنسی زندگی کے اعمال و افعال سے ہے۔ اسلام کا سوشل سسٹم ایک ایسے متوازن حل کا موجد ہے جس میں انسان کے نفسیاتی، اخلاقی اور روحانی، تمام تر داعیات اور ضروریات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس کائنات کا مالک اور خالق اپنی مخلوق سے بخوبی آگاہ ہے اور اس نے اس کی راہ نمائی کے لیے ایک ایسا ضابطہ دیا ہے تاکہ وہ اس دنیا میں ایک متوازن زندگی بسر کر سکے۔

درج بالا سطور میں ہم ضبط ولادت کے دو اہم ترین طریقوں (گولی اور کنڈوم) کے بارے میں اعداد و شمار کی روشنی میں مفصل جائزہ لے چکے ہیں۔ ذیل کی سطور میں اب ہم ضبط ولادت کے چند دوسرے اہم پہلوؤں پر گفتگو کریں گے۔

تحریک ضبط ولادت کے نتائج و عواقب:

اس سوال سے قطع نظر کہ ضبط ولادت کی تحریک آبادی میں اضافے کو کم کر سکتی ہے یا کامیاب ہوئی ہے یا نہیں، اس کی وجہ سے موجودہ زمانے کا انسان بہت سے سماجی، اخلاقی، تہذیبی، معاشی اور سیاسی مسائل سے بالواسطہ یا بلاواسطہ دو چار ہو گیا ہے جس کے مضمرات کا اسے آج سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اگرچہ یہ ممکن نہیں کہ ان تمام مضمرات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تاہم سطور ذیل میں اس بارے میں چند اہم پہلوؤں پر گفتگو کی جائے گی۔

ضبط ولادت کے طریقوں پر عمل کرنے سے مختلف معاشروں میں ایک عدم توازن پیدا ہو گیا ہے۔ انگلستان میں برتھ کنٹرول کے تصور نے طبقہ اشرافیہ اور متوسط / عام طبقے کو متاثر کیا ہے

جس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد، تجارت پیشہ لوگ، صنعت کار، اساتذہ، دانش ور اور منصوبہ بندی کے ماہرین شامل ہیں۔ اس کے برعکس معاشرے کے غریب اور مزدور طبقے ضبط ولادت پر عمل پیرا نہیں ہوئے۔ وہ اپنے قدیم طریقوں اور عقاید و اعمال پر ہی کاربند رہے جن میں مذہبی خیالات (نیسائیت) کی تعلیمات کو بہت حد تک دخل حاصل تھا۔ سید مودودی کے بقول ”امریکہ کے مشہور ماہر آبادی پروفیسر وارن تھامپسن (Warren S. Thompson) نے امریکہ، انگلینڈ، جرمنی، فرانس اور سوئیڈن جیسے ممالک کی انسانی آبادیوں کے ایک طویل تحقیقی مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ”اگر ہم انسانی آبادی کو دو گروہوں یعنی مزدور پیشہ کارکن اور اعلیٰ ملازمتوں پر کام کرنے والے ارکان میں تقسیم کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اول الذکر گروہ کے لوگوں میں شرح پیدائش (Fertility) بہت زیادہ ہے اور اگر اس گروہ کو مزید دو گروہوں میں تقسیم کریں یعنی کسان/ کاشت کار اور دیگر تمام کارکن تو کسان/ کاشت کاروں کے ہاں شرح پیدائش بہت زیادہ ہے۔ غیر کاشت کار گروہ میں بھی ہاتھ سے کام کرنے والے کارکنان جو کم تربیت یافتہ ہیں اور جن کا کام بہت سخت محنت کا طالب ہے اور بہت حد تک گندا بھی اور جن کی آمدنی کم اور معیار زندگی بہت پست ہے، ان کے افراد خانہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تاہم جب تعلیمی پس منظر کو ایک معیار سمجھ کر انسانی آبادی کے ان گروہوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ جن کی تعلیم کم ہے، ان کے خاندان زیادہ افراد پر مشتمل ہیں بہ نسبت ان کے جنھوں نے زیادہ تعلیم حاصل کی ہے۔“

وہ مزید رقمطراز ہیں کہ ”کسی سوسائٹی میں قابل افراد کی شدید کمی، دانشورانہ صلاحیتوں کا انحطاط اور ایسے عناصر کی شدید کمی جو اعلیٰ اور مضبوط لیڈر شپ کی صلاحیتوں سے بہرہ مند ہوں، درحقیقت وہ اصل خطرات ہیں جن سے مغربی معاشرہ آج دوچار ہے اور یہ فطری و منطقی نتیجہ ہے ضبط ولادت کی تحریک کو بہت وسیع پیمانے پر رائج کرنے کا۔“۔۔۔ ان ممالک کے دیگر دانش ور اور مفکرین نے اس صورت حال کا ادراک کر لیا ہے اور وہ اپنے لوگوں کو اس کے ممکنہ نقصانات سے آگاہ کرنے کے لیے مسلسل کوشش کر رہے ہیں۔

مغربی ممالک کے دو نمایاں ترین دانش ور اور مفکر ایڈلس ہکسلے (Aldous Huxley)

اور برٹریڈ رسل (Bertrand Russel) نے مغربی معاشرے ❶ میں اس سوشل ناہمواری کے مضمرات کا ذکر کیا ہے۔ یکسلے (۱۹۵۹) نے ایک رسالے میں متنبہ کیا کہ ”ضبط ولادت کے وجہ سے انسانی آبادی میں ذہنی طور پر کمزور افراد کا اضافہ ہوگا۔“ جبکہ برٹریڈ رسل (۱۹۵۹) یوں رقمطراز ہیں کہ ”فرانس میں آبادی قریباً ایک ہی جگہ پر قائم ہے (Static) اور انگلستان میں بھی آبادی میں کوئی اضافہ نہیں ہو رہا۔ اس کا مطلب ہوا کہ معاشرے کے افراد کے ایک گروہ کی تعداد میں کمی ہو رہی ہے جبکہ دوسرے گروہ کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر کوئی بڑی تبدیلی واقع نہیں ہوتی تو وہ طبقہ جو روبہ انحطاط ہے، نملماً ناپید ہو جائے گا اور آبادی میں بیشتر اضافہ ان لوگوں کی وجہ سے ہوگا جس کی آبادی بڑھ رہی ہے۔ معاشرے کا وہ طبقہ جو انحطاط پذیر ہے اس میں تمام متوسط لوگ اور ماہرین کا طبقہ شامل ہے جبکہ جس طبقے کے افراد میں اضافہ ہو رہا ہے، وہ بہت غریب لوگوں پر مشتمل ہے جو ذہنی طور پر پسماندہ، کم فہم اور شراب پیئے والے لوگوں کا طبقہ ہے۔ ذہنی طور پر پسماندہ عورتیں بالخصوص بہت زیادہ بچے پیدا کرتی ہیں (Prolific)۔ انحطاط پذیر طبقے میں سے بھی ایسے لوگ بہت تیزی کے ساتھ کم ہو رہے ہیں، جو بہت ذہین اور اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ہر نسل میں کام کرنے والے طبقے میں سے بہترین افراد مصنوعی طریقے (ضبط ولادت کے ذریعے) کام میں لا کر آہستہ آہستہ بانیجہ کیے جا رہے ہیں مقابلاً بتایا رہنے والے لوگوں کے۔“

درج بالا حقائق کی روشنی میں رسل اعلیٰ صلاحیتوں اور قابلیتوں کے حامل اس انحطاط پذیر طبقے کی وجہ سے پیدا ہونے والے نتائج و عواقب کا جائزہ لیتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں کہ ”مستقبل میں تین خطرات کے درپیش ہونے کا غالب امکان ہے۔ اولاً جرمن، انگلش اور فرانسیسی قومیں اعلیٰ دماغوں کی شدید کمی، ثانیاً اس انحطاط کے نتیجے کے طور پر ان اقوام پر ”کم مہذب اقوام“ ❷

❶ خورشید احمد اور مصباح الاسلام ناروٹی، جنھوں نے سید مودودی کی اردو کتاب ”ضبط ولادت (۱۹۹۳) کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، نے اس جانب یوں توجہ دلائی ہے کہ ”یہ امر باعث دلچسپی ہوگا کہ یہ دونوں دانشور، مفکر، ضبط ولادت کی تحریک کے بہت بڑے موید رہے ہیں اور حالیہ برسوں میں اس تحریک کو خصوصاً مشرق کے ممالک میں رائج کرنے کے لیے کوشاں رہے ہیں۔“

❷ دہشی کہنے کی بجائے ”کم مہذب“ کہا گیا ہے جو انگریز قوم کے اس قومی رویے اور مزاج کی غمازی کرتا ہے کہ وہ تلخ اور کڑوی بات کو مضماس میں لپیٹ کر کہنے کے عادی ہیں۔ (آفتاب)

کا غلبہ اور ”مہذب اقوام“ کی روایات کا خاتمہ اور ثالثا مہذب اور تعلیم یافتہ طبقے کا کم تر تہذیبی اقدار کے تحت احیاء جو نسلاً بعد نسل ایسے افراد آبادی کے انتخاب کی وجہ سے معرض وجود میں آئیں گے جو نہ صرف یہ کہ عقل و دانش ہی کے حامل نہیں ہوں گے بلکہ دور اندیشی کی صفت سے بھی عاری ہوں گے۔“

برٹریڈرسل نے انگریز، جرمن اور فرانسیسی قوموں کی آبادی میں انحطاط کے جن نتائج کی جانب اشارہ کیا ہے گویا کہ وہ ”دنیا کی بہترین حکمران قومیں“ ہیں۔ جن پر کم مہذب لوگ (وحشی اقوام طبقات) قابو پالیں گے اور یوں ان مہذب اور حکمران قوموں کی روایات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ برٹریڈرسل کے ان میٹھے بولوں (Sugar coated) میں جو پیغام پنہاں ہے وہ کسی تبصرے کا محتاج نہیں۔ تاہم ترقی پذیر ممالک کے، اصحاب علم و دانش اور پالیسی ساز اداروں کا یہ فرض ضرور بنتا ہے کہ وہ اس پر سنجیدگی سے غور کریں، بالخصوص امت مسلمہ کے اہل دانش کے لیے تو یقیناً یہ ایک لمحہ فکریہ ہے۔

درج بالا تصریحات کی روشنی میں، مغربی ممالک کے ان عزائم کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی بہت کم گنجائش ہے جو کہ وہ ترقی پذیر ممالک کے لیے ضبط ولادت کی تحریک کو کامیاب کرنے کے لیے رکھتے ہیں۔ درحقیقت اہل مغرب اور ان کے دانشور اور حکومتیں آبادی کے اس سیلاب کی تباہ کاریوں سے بہت زیادہ متفکر اور پریشان ہیں، جو ”وحشی اقوام“ کی وجہ سے ہو سکتی ہیں اور جن کا مقابلہ ”مہذب اقوام“ کی آبادی نہیں کر سکتی اور یوں ضبط ولادت کے طریقوں سے کچھ علاقوں / ممالک / ”وحشی اقوام“ کی زیادہ تعداد کو کسی میں تبدیل کرنے کا منصوبہ ان کے ذہنوں میں مستور ہے (Anon, ۲۰۰۰)۔ یہ ایک واضح امر ہے کہ بچوں کی پیدائش کے ذریعے ہی کوئی قوم اپنی آبادی میں اضافہ کر سکتی ہے، اور یہ مقصد صرف اور صرف شادی بیاہ کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے اور ایک طاقتور اور مضبوط قوم ہی دشمن قوم / مملکت کے سیاسی، سماجی اور معاشی میدانوں میں جارحانہ عزائم کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ اس تحریک کے اس تاریک پہلو کو مزید تسلیت حسن ہفوات (۲۰۰۰) کے ان خیالات سے ملتی ہے جن میں انھوں نے کہا ہے کہ بعض ملکوں میں ایک طویل منصوبہ بندی کے ذریعے یہ کوشش ہو رہی ہے کہ وہاں کی آبادی کے

تناسب کو اس طرح تبدیل کر دیا جائے کہ وقت گزرنے پر وہاں کی اقلیت کو اکثریت پر فوقیت حاصل ہو جائے اور یوں کسی ملک/علاقے (یا وحشی قوم) کی اکثریت کو ختم کر دیا جائے۔“ تحدید خاندان کی کوششیں کچھ ممالک میں بہت زور شور سے جاری ہیں جبکہ دوسرے ملکوں/علاقوں میں آبادی کے بڑھنے پر کوئی قدغن نہیں۔ مشرق وسطیٰ میں اسرائیل اور اس کے حمایتی ممالک کی جانب سے عرب ممالک میں بڑھتی ہوئی آبادی پر بہت شور اور واویلا ہے جب کہ اسرائیل میں یہودی آبادی کے بڑھنے پر کہیں صف ماتم نہیں بچھتی۔“

موجودہ زمانے میں مغرب کو دو خطرات کا سامنا ہے۔ اولاً اپنے ملکوں کی انحطاط پذیر آبادی سے اور ثانیاً وہاں کے لوگوں کی بڑی تعداد کا جنسی امراض (HIV) میں مبتلا ہونے کے بڑھتے ہوئے رجحان سے۔ ان دو خطرات نے انھیں خوف کی حالت سے دو چار کر دیا ہے کہ انھیں اپنی بقا اور قیام ہی کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے جس کی جانب برٹریڈرسل نے درج بالا صفحات میں اشارہ کیا۔ یہ واضح ہے کہ موجودہ زمانے کی جنگیں، زمانہ قدیم کی جنگوں کی طرح صرف تباہی سے ہی نہیں لڑی جاتیں بلکہ آج کی جنگوں میں ایٹم بم کا استعمال ہوتا ہے، حیاتیاتی اور کیمیائی طریقوں سے دشمن کو زیر کیا جاتا ہے جن کے ذریعے پلک جھپکنے میں لاکھوں افراد لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ برتھ کنٹرول کے ذریعے اس تحریک کو کامیاب کرنے کے لیے معاشی، مالی اور دیگر مختلف اقسام کی امداد جو ترقی یافتہ ممالک نیز اقوام متحدہ کی جانب سے ترقی پذیر ممالک بالخصوص مسلم ممالک کو دی جا رہی ہے، ان تمام کوششوں کو اس وسیع تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ضبط ولادت کے ذریعے ان مسلم ممالک کی بڑھتی ہوئی آبادی و کم کیا جاسکے تاکہ مستقبل میں کسی قسم کی نیوکلیئر یا کیمیائی جنگ کے ممکنہ برے اثرات سے مغربی اقوام کو بچایا جاسکے۔ ہماری گزارشات کی تائید اسی حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ بیشتر یورپین ممالک کی آبادی ۱۸۷۶ء سے مسلسل کم ہو رہی ہے (سید مودودی)۔ امریکہ میں بھی آبادی کے کم ہونے کا یہی رجحان موجود ہے جہاں انیسویں صدی کے اوائل میں بچوں کی شرح پیدائش ۴۰ بچے فی ہزار افراد تھی جو کہ ۱۹۳۵ء تک ۱۸۷۷ بچے فی ہزار افراد ہو گئی اور ۱۹۶۰ء میں ۲۳۶ بچے فی ہزار افراد۔ اس کی تائید مزید ان اہل فکر کے مشاہدات و بیانات سے بھی ہوتی ہے جنھوں نے

امریکہ کے ایک چوتھے درجے کی ریاست بن جانے کے خدشے کا اظہار کیا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک عالمی طاقت بھی نہیں رہے گا۔

درج بالا حقائق کی روشنی میں سید مودودی نے بجا طور پر ترقی پذیر ممالک کو قریباً نصف صدی قبل متنبہ کیا تھا کہ ”مشرق کی ابھرتی ہوئی قوموں (ترقی پذیر ممالک) کو یورپین ممالک کی اندھی تقلید ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ وہ ایک روشن مستقبل کے کنارے کھڑے ہیں۔ ان کے لیے ہرگز یہ مناسب نہیں کہ وہ تحدید نسل کے ان طریقوں پر عمل کریں جن کی وجہ سے مغرب اب منزل انحطاط کی جانب رواں دواں ہے۔ مزید برآں یہ (مشرقی) ممالک حال ہی میں مغرب کی نلامی سے آزاد ہوئے ہیں اور اپنی آزادانہ زندگی کا آغاز کر رہے ہیں۔ جب مغرب نے تحدید نسل پر عمل کیا تھا تو ان کی قوم کے لیے یہ وہ مرحلہ تھا جبکہ وہ اپنی تہذیب و تمدن کے بام عروج پر تھے اور وہ اس وقت اس قسم کی مہم کے برے اثرات کو برداشت کر سکتے تھے لیکن مشرق میں رہنے والی نئی آزاد ہونے والی قوموں اور ممالک کا کیا بنے گا؟ کیا وہ اپنے محدود وسائل کو ضبط ولادت پر خرچ کرنے کا سوچ سکتے ہیں؟ درحقیقت یہی دوحہ ہے کہ جب انھیں کوئی اقدام کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے۔ یہ امر بہت ضروری ہے کہ یہ ممالک مستقبل میں ترقی کے لیے اپنی راہوں کا تعین خود کریں اور پروپیگنڈے کے اس طوفان کی رو میں نہ بہہ جائیں جو ان پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ مغرب میں ضبط ولادت کے نتیجے میں حاصل ہونے والے ”کڑوے پھل“ اس امر کے لیے کافی ہیں کہ مشرقی ممالک اس مہم سے پرہیز کریں۔“

یہ امر بھی باعث دلچسپی ہوگا کہ ترقی یافتہ ممالک میں آبادی کی تیزی سے گرتی ہوئی شرح کی وجہ سے ان ممالک میں ضبط ولادت کی مخالف تحریکیں (Anti Birth Control Movements) پروان چڑھ رہی ہیں تاکہ آبادی کے اس گھٹتے ہوئے رجحان کو مخالف سمت (یعنی آبادی بڑھانے) میں موڑ دیا جائے۔ وہ اپنے عوام کو اس قسم کی سہولتیں فراہم کر رہے ہیں کہ ان کے ذریعے زیادہ بچے پیدا کیے جاسکیں۔ انھیں انکم ٹیکس میں چھوٹ دی جا رہی ہے (جرمنی میں یہ چھوٹ ۱۵ فی صد ایک بچے کی پیدائش پر اور ۹۵ فی صد تک ۵ بچوں کی پیدائش پر دی گئی تھی کہ اسے جوڑوں کو ہر قسم کی چھوٹ دی گئی جن کے چھ بچے تھے)۔ اسی طرح مکان کی تعمیر کا

پروگرام شروع کیا گیا جس میں تین بیڈز سے زائد کمروں کی گنجائش ہو اور اس کے ساتھ ساتھ صحت اور سماجی بہبود کے دیگر پروگراموں کا اجرا کیا گیا تاکہ ان کے ذریعے بڑے خاندانوں کی حوصلہ افزائی کی جاسکے۔ بہتر تنخواہیں اور ان کارکنوں کو زیادہ مالی مراعات کی ادائیگی اور فراخ دلانہ پنشن جیسے فوائد شامل ہیں۔ فرانس میں ریل کرایوں میں کمی کی حتیٰ کہ بڑے خاندانوں کو میڈلز بھی عطا کیے گئے۔ اس کے برعکس، ان افراد سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے جو شادی نہیں کرتے یا بغیر بچوں کے رہتے ہیں۔ جرمنی اور اٹلی میں برتھ کنٹرول کی تشہیر اور عمل پر قانون نافذ نہیں تھی۔ ان تمام اقدامات کے نتیجے میں آبادی کی شرح میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ (سید مودودی)

مختلف مذاہب کی نظر میں ضبط ولادت:

درج بالا صفحات میں برتھ کنٹرول، اس کے تاریخی پس منظر اور مغربی ممالک و امریکہ میں اس کے اثرات کا جائزہ لینے کے بعد ضروری محسوس ہوتا ہے کہ برتھ کنٹرول کی تحریک کا اس نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے کہ مختلف مذاہب اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

دنیا کے تمام موجودہ الہامی مذاہب اپنے زمانے کے حالات و واقعات کے نتیجے میں شادی بیاہ کرنے کے موید ہیں اور برتھ کنٹرول کے بارے میں اس خدشے کا اظہار کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے انھیں شادی بیاہ کے ادارے کا قیام اور بقا خطرے میں نظر آتے ہیں۔ ان کی نظر میں ضبط ولادت کا عمل بچوں کی پیدائش کو روکتا ہے اور یوں وہ اس مقصد سے متصادم ہے جس کے لیے شادی کی جاتی ہے۔ ذیل کے صفحات میں ہم مختصر انداز میں مختلف الہامی مذاہب کا برتھ کنٹرول کے بارے میں نقطہ نظر پیش کریں گے۔

(۱) یہودیت:

تاریخی طور پر شادی بیاہ اور بچوں کی پیدائش کے بارے میں یہودیوں کے خیالات و نظریات کا گہرا تعلق ان کے قومی تشخص کو برقرار رکھنے اور اپنی قوم کی بقا سے ہے۔ یہودی بقا کا انحصار بھی اس امر پر ہے کہ دنیا بھر کے تمام یہودی بچوں کی پیدائش کے ذریعے اپنی تعداد بڑھائیں، کیونکہ ان کی شناخت ان کے خاندان اور نام کی وجہ سے برقرار رہ سکتی ہے۔ یہودیت میں مجرد رہنے کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ ان پر فرض ہے کہ وہ بچے پیدا کریں۔ ان کے نزدیک مرد کا

مادہ منویہ ایک زندہ حقیقت سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے عزل (Coitus interruptus) کی قانونی طور پر مخالفت کی جاتی ہے۔ لیکن اس صورت میں کہ عورت کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق ہو تو اسقاط حمل کی گنجائش ہے۔ یہودیوں کے تشدد فرقے مرد کے لیے کنڈوم کے استعمال کی مذمت کرتے ہیں اور اس طرح ضبط ولادت کے دیگر طریقوں کو بھی معیوب سمجھتے ہیں تاہم عورت کی صحت و تندرستی کے قیام کے نقطہ نظر سے عورت ایسے طریقے استعمال کر سکتی ہے جو ڈاکٹر اور مذہبی علما (ربی) اس کے لیے تجویز کریں۔

(۲) رومن کیتھولک:

برتھ کنٹرول کے بارے میں رومن کیتھولک فرقے کے نظریات خاص کر سینٹ آگسٹائن، سینٹ تھامس اکیوانا کی تعلیمات کے زیر اثر یہ ہیں کہ بچوں کی پیدائش ایک فطری نتیجہ ہے میاں بیوی کے درمیان مباشرت کرنے کا جس کے ذریعے وہ دونوں شادی کے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں جب کہ مانع حمل ادویات/ طریقے، قانون قدرت کے خلاف ہیں۔ تاہم اس نظریے کے علی الرغم بچوں کی پیدائش کو غربت کی بنا پر روکنے کا عمل انیسویں صدی عیسوی میں عملاً اختیار کیا جا چکا تھا جبکہ یورپ امریکہ میں ضبط ولادت کے طریقوں کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی جا رہی تھی۔ (Anon, 1985)

انیسویں صدی کے دوران یہ نظریہ تقویت پکڑ گیا کہ ضبط ولادت کا فطری طریقہ (ماہواری) کے بعد ایک مخصوص وقت تک مباشرت سے پرہیز کرنا) ان تعلیمات کے منافی نہیں جو عیسائی مذہب میں جاری و ساری تھیں۔ اس لیے اس قسم کے طریقوں پر اگر مناسب طرح سے عمل کیا جائے تو اخلاقی/ مذہبی طور پر اس میں کوئی حرج نہیں۔ تاہم اس کی عملی منظوری ۱۹۳۰ میں لیا رہویس پوپ پائس نے دی۔ ۱۹۵۱ء میں بارہویس پوپ نے اس کی دوبارہ منظوری دی کہ کیتھولک فرقے کے لوگ ضبط ولادت کے مختلف طریقوں پر مختلف وجوہات کی بنا پر عمل کر سکتے ہیں۔ تاہم اسقاط حمل اور بانجھ کرنے (Sterilization) کو رد کر دیا گیا۔

(۳) ہندو مت:

ہندوؤں میں ایک لڑکے کی پیدائش اولین مذہبی فریضے کے علاوہ خاندان کی بقا کے ساتھ

ساتھ باپ اور دیگر بزرگوں کے مرنے کے بعد ان کی روح کی آسودگی کے لیے ایک فرض سمجھا جاتا ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق عورت کی تخلیق کا مقصد ہی دنیا میں بچوں کی پیدائش تھا اور شادی بیاہ کی رسومات میں اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ لڑکے زیادہ پیدا کیے جائیں۔

(Anon, 1985)

(۴) اسلام اور ضبط ولادت:

اس بارے میں مسلمانوں کے جدید، روشن خیال طبقے اور ٹھیٹ مسلمانوں کے نقطہ نظر میں بہت اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اسے ہم ان دو ضمنی سرخیوں کے تحت بیان کریں گے:

(الف) جدید نظریات کے حامل لوگوں کا نقطہ نظر:

اگرچہ برتھ کنٹرول کے حامی لوگ اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ بچوں کی پیدائش مسلمانوں کے لیے ضروری ہے تا کہ امت مسلمہ کی تعداد میں اضافہ ہو، تاہم وہ یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ہدایت کا مطالبہ یہ نہیں کہ صرف تعداد میں اضافہ کیا جائے بلکہ حدیث و فتناء ایسے افراد کی پیدائش سے ہے جو کو الٹی (صحت و تندرستی) کے لحاظ سے بھی بہتر ہوں۔ وہ مزید یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ اسلامی تاریخ کے طویل دور میں فقہانے مختلف وجوہات (صحت و تندرستی، معاشی اور سماجی) کی بنا پر ضبط ولادت کی اجازت دی تھی حتیٰ کہ ان کے نزدیک عورت کے حسن و برقرار رکھنے کے لیے بھی اس کی اجازت تھی۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے ضبط ولادت کے قدرتی طریقے اور ادویات کے استعمال کے ذریعے، اس پر عمل پیرا ہوا جاسکتا تھا۔ مزید برآں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسے ممالک جو ضبط ولادت کو رائج کرنے کے خواہاں ہوں، ان کے لیے یہ طرز عمل بھی غلط نہیں کہ وہ بڑے پیمانے پر تشہیر و اشاعت کے ساتھ برتھ کنٹرول کے مختلف طریقوں کے لیے جدید ٹیکنالوجی (کنڈوم/گولی) کے استعمال کو بھی اختیار کر لیں تاہم اس امر کے فیصلے کا انحصار کہ آیا ضبط ولادت پر عمل کرنا چاہیے یا نہیں میاں بیوی کی آزادانہ رائے اور مرضی پر ہے جس کے لیے ان پر کسی قسم کی ناروا پابندی عائد نہیں کرنی چاہیے۔ (Anon, 2000a)

نیو انسائیکلو پیڈیا بریٹینیکا میں ضبط ولادت کے مقالے کے مصنف (Anon, 1985) نے بقول جو اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ قرآن میں شادی کرنے اور بچوں کی پیدائش پر زور دیا گیا

ہے، چنانچہ وہ رقمطراز ہے کہ ”ضبط ولادت پر عمل کرنے کے بارے میں کوئی ٹھوس اعتراض نہیں ہے اور ایسے معاملات جن کے بارے میں قرآن میں کوئی واضح ہدایت موجود نہ ہو تو اس صورت میں عقل سے کام لیتے ہوئے ”آزادانہ تشریح“ (اجتہاد) سے کام لیا جاسکتا ہے۔“ وہ مزید کہتا ہے کہ ”ضبط ولادت کی اجازت پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے ایک دوست (صحابی رضی اللہ عنہ) ابن العاص رضی اللہ عنہ کو ان کی غربت کی بنا پر دی تھی۔ اگرچہ پیغمبر اسلام ﷺ کے دیگر ساتھیوں کے درمیان اس امر پر اختلاف رائے تھا لیکن عزل (Coitus interruptus) کے بارے میں اجازت بہت سے فقہاء اور علماء سے ثابت ہے۔ امام غزالی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عزل کے طریقے سے اپنی جائیداد کو محفوظ کیا جاسکتا ہے نیز عورتوں کی صحت و تندرستی اور اپنی بیوی کے حسن و جمال کے نقطہ نظر سے بھی اسی طریقے پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ مزید یہ کہ بڑے خاندان کی وجہ سے پریشانیوں سے بچنے کے لیے بھی عزل کیا جاسکتا ہے۔ مسلمان اطباء میں سے الرازی اور ابن سینا نے ۱۰ویں صدی میں ایسے بہت سے طریقوں کی وضاحت کی اور بچوں کی ولادت کو روکنے کے لیے بہت سی میڈیکل وجوہات کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہم نے اختصار کے ساتھ اس طرز فکر کے لوگوں کے اقوال و خیالات کو واضح کر دیا ہے جو برتھ کنٹرول کو جائز سمجھتے ہیں۔ تاہم ان کے خیالات کا خلاصہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ:

۱۱ امت میں اضافے سے حضور ﷺ کی حدیث کا مدعا تعداد میں اضافہ نہیں بلکہ بچوں کی صحت و تندرستی اور معیار ہے۔

۱۱ امام غزالی رضی اللہ عنہ نے مختلف وجوہات کی بنا پر ضبط ولادت کے مختلف طریقوں کی اجازت دی ہے۔

۱۱ ضبط ولادت کے فطری اور دیگر طریقے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

۱۱ ایسے ملک جو بڑے پیمانے پر ضبط ولادت اپنانا چاہتے ہوں، وہ اشاعت و تشہیر کے تمام طریقوں کو اختیار کر سکتے ہیں نیز عوام کے لیے اس قسم کے تمام طریقوں کی آسان فراہمی کا بھی بندوبست کیا جاسکتا ہے تاہم کسی کو اس کی پابندی کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

۱۱ ضبط ولادت کے معاشی پہلو کو دنیا بھر میں بہت اجاگر کیا گیا ہے۔ دنیا کے وسائل بڑھتی

ہوئی آبادی کا ساتھ نہیں دے سکتے تاہم برتھ کنٹرول کے ذریعے بچوں کی تعداد کو کنٹرول کر کے ان کے لیے دنیا میں اعلیٰ معیار فراہم کر سکتے ہیں۔

حالیہ زمانے میں مغرب میں ضبط ولادت کو نہ صرف ناخوастہ بچوں کی پیدائش کو روکنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے بلکہ اس کے ذریعے جنسی امراض بشمول ایڈز/ HIV کو بھی روکا جاسکتا ہے۔

ان وجوہات و دلائل کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لینے سے قبل ایک سرسری تبصرہ کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔

ماٹھس کے زمانے سے آج تک قریباً دو صدی کا عرصہ گزرا۔ اس دوران ضبط ولادت کی وجوہات اور مقاصد میں تبدیلی آتی رہی ہے۔ ان مقاصد میں کسی قسم کی کوئی ہم آہنگی نہیں پائی گئی۔ اٹھارویں صدی کے انتقام تک ماٹھس اور دیگر سائنس دانوں نے تحدید آبادی کے لیے اس کی وکالت کی۔ تاہم انیسویں صدی کے آخری عشرے میں نیو مالتھسین ماہرین (Neo-Malthusian) نے بتایا کہ ضبط ولادت نہ صرف فی نفسہ ضروری ہے بلکہ اخلاقی لحاظ سے بھی بہت پسندیدہ اور معاشی نقطہ نظر سے بہت نتیجہ خیز ہے۔ بیسویں صدی میں وسیع پیمانے پر یہ نظریات رائج کیے گئے تاکہ غیر شادی شدہ لڑکیوں/ نیز نو عمر لڑکیوں میں ناجائز حمل کے قیام کو روکا جاسکے اور اس کے ساتھ ساتھ مختلف جنسی عوارض HIV کی روک تھام کی جاسکے۔ بظاہر یہ تمام مقاصد بہت ”بے عیب“ نظر آتے ہیں لیکن جس تحریک کا مقصد تحدید آبادی بتایا گیا تھا اور وہ بھی شادی کی عمر میں اضافے/ زیادہ عرصہ تجرد کی زندگی گزار کر، وہ تحریک بالآخر منج ہوئی انسان کی شہوت رانی کے بڑھتے ہوئے طوفان کے برے اثرات کی پردہ پوشی پر۔

(ب) ضبط ولادت کے بارے میں ٹھیٹ اسلامی نقطہ نظر:

ذیل کی سطور میں ہم ضبط ولادت کے مویدین کے دلائل کا جائزہ ٹھیٹ اسلامی نقطہ نظر سے لیں گے۔

امت کی تعداد میں اضافے کی حدیث امام احمد رحمہ اللہ اور ابن ہبان رحمہ اللہ کے حوالے سے روایت کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”محبت کرنے اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت

سے شادی کرو تا کہ بروز قیامت دیگر امتوں کی نسبت میری امت تعداد میں زیادہ ہو۔“ درج بالا سطور میں اس حدیث سے لفظ ”کوالٹی/ معیار“ کا تصور نہ جانے کہاں سے اخذ کیا گیا ہے کیونکہ اس حدیث میں تو سرے سے کوئی ایسا لفظ ہے ہی نہیں جس کے معنی کوالٹی/ معیار کے لیے جاسکیں! تاہم لٹریچر میں زیادہ سے زیادہ جو معلومات ”کوالٹی“ کے تصور کی حمایت میں ملتی ہیں، ان کا تذکرہ انٹرنیشنل اسلامک کانفرنس منعقدہ رباط (مراکش) کی دسمبر ۱۹۷۱ء کی روداد میں ملتا ہے۔ اس کانفرنس میں پڑھے گئے مقالہ جات میں امینہ السید رقمطراز ہیں کہ ”واضح طور پر امت میں اضافے کا تعلق تعداد سے نہیں تھا کیونکہ یہ بے معنی بات ہے اور اس کی حیثیت اس جھاگ کی سی ہے جو لہروں کے ابھرنے سے پانی کی سطح پر آ جاتا ہے اور جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔“ حضور ﷺ کا منشا تعداد میں اضافے سے یہ نہیں تھا۔ اس کے برعکس حضور ﷺ کا منشا، امت میں پیدا ہونے والے افراد کا جسمانی طور پر تندرست و توانا اور عقلی طور پر بہت زیادہ انقلابی (Progressive) خیالات کا حامل ہونا تھا۔ اس کے برعکس اگر امت میں زیادہ تعداد ایسے افراد کی ہو جو اپنے خاندان اور سوسائٹی کے لیے مسائل پیدا کرنے والے ہوں اور جن کی وجہ سے ترقی و خوشحالی نیز خود کفالتی کے تمام منصوبے سبوتاژ ہو سکتے ہوں اور وہ لوگ جو ہر نوع کی مادی اور روحانی ترقی کے خلاف ہوں تو ایسے کم تر درجے کے افراد لازمی طور پر ترقی کی راہ میں ایک رکاوٹ (Hardship) ہوتے ہیں جو کہ پیغمبر ﷺ کو مطلوب نہ تھے اور جن کے بارے میں ہمیں حضور ﷺ نے آگاہ/ متنبہ کر دیا تھا۔“

ان دلائل کے بارے میں پہلی بات تو وہ ہے جو ہم نے درج بالا سطور میں بیان کی ہے کہ آخر اس حدیث میں لفظ معیار/ کوالٹی کہاں سے ”کشید“ کیا گیا ہے؟ تاہم ان دلائل کو درست فرض کرتے ہوئے ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کس طرح ایک میاں، بیوی یا دونوں اس قابل ہوں گے کہ امت میں صرف ایک ”اعلیٰ معیار کا فرد“ پیدا کر سکیں؟ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے سید مہدودی یوں رقمطراز ہیں کہ ”اس بات کو جان لینے کے لیے آخر کوئی دلیل ہونی چاہیے کہ انسان سے پاس اس قسم کا کوئی ذریعہ ہے جس سے وہ کسی پیدا ہونے والے بچے، اس کے کیریئر، ذاتی صفات، ذہنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا اندازہ کر سکے یا اس کی طوالت عمر کا اندازہ کر سکے

نیز اس بارے میں کوئی فیصلہ کر سکے کہ آیا وہ معاشرے کے لیے مفید فرد ثابت ہوگا یا اس کے برعکس۔

”در اصل اس مفروضے کی بنیاد اس دلیل پر رکھی گئی ہے کہ ضبط ولادت کی وجہ سے نسل انسانی کے معیار کو بہتر کیا جاسکتا ہے اور یہ دلیل بھی مزید ایک مفروضے کی محتاج ہے کہ کسی خاندان میں اگر صرف ایک یا دو بچے ہی ہوتے ہیں تو وہ بہت زیادہ ذہین اور عاقل ہوں گے اور جب بہت زیادہ بچے ہوں گے تو وہ تمام لازماً کمزور، ناتواں، بے کار اور غبی ہوں گے لیکن یہ واضح ہے کہ یہ دلیل از خود بہت کمزور اور بے بنیاد ہے کیونکہ اس قسم کی کوئی شہادت نہیں ہے اور نہ ہی اسے تجربے کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کے بارے میں انسان کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کوالٹی اور کیریئر کے دوسرے اوصاف، تخلیق خداوندی کا کرشمہ ہیں جن کے بارے میں ہماری معلومات بہت محدود ہیں۔ سورہ آل عمران (۶:۳) میں قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ

﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ﴾

”وہی تو ہے جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے، بناتا ہے۔“

جدید زمانے کا انسان بھی ایسے بچے پیدا کرنے پر کوئی قدرت نہیں رکھتا جو صحت مند، مضبوط، توانا اور عقلمند و دانا ہوں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ کمزور، لاغر اور ذہنی و عقلی طور پر پسماندہ بچوں کی پیدائش کو روک سکے۔ علم الجینیات (Genetics) نے اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ ”اچھے اور برے“ اوصاف کے حامل بچے پیدا کرنے کی صلاحیت ہر فرد میں برابر ہوتی ہے جس کا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ کس قسم کے جینز (دھاگہ نما ساخت کے خلیے جو انسانوں، جانوروں، پودوں میں صفات کا تعین کرتے ہیں) عورت کے بیضے اور مرد کے مادہ منویہ کے حیوانی خلیے ملنے سے بار آوری کے وقت ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جن پر انسان کو کسی قسم کی کوئی قدرت حاصل نہیں۔

یہ دلیل بھی دی گئی ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن قیمؒ جیسے فقہا نے عزل کی حمایت نہ کی ہے۔ ظہور اسلام سے پہلے کے ان تمام طریقوں کے بارے میں جہی اسلامی لٹریچر میں معلومات ملتی ہیں جن پر عرب، بچوں کی پیدائش کو روکنے کے لیے عمل کرتے تھے، اس میں

۷۔ بچوں کا قتل اور تجرد کے طریقے شامل تھے۔ تجرد کی مختلف صورتوں میں انفرادی طور پر جنسی جذبات پر قابو پانا، تاخیر سے شادی کرنا اور شادی کی صورت میں جنسی تعلقات سے پرہیز کرنا شامل تھا۔ ذیل کی سطور میں ہم ان تمام صورتوں کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے گفتگو کریں گے جس پر عرب اور دیگر لوگ / اقوام عمل کرتی تھیں۔

(الف) عزل:

درج ذیل حدیث سے عزل کی اجازت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی لونڈی سے مباشرت کرنے کا پوچھا جس کے بارے میں وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ حاملہ ہو۔ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ ”اگر تم چاہو تو عزل کر لو۔ لیکن جو کچھ اس لونڈی کی قسمت میں لکھا ہے وہ مل کر رہے گا۔“ (ابوداؤد)

اس اجازت جس میں بین السطور کراہت / انکار کا پہلو پوشیدہ ہے کے بارے میں جب حسن بصری رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا تو انھوں نے کہا ”واللہ یہ قرین انکار ہے“! ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ بچوں کے قتل (Infanticide) کے مترادف ہے۔“ (مسلم)

اس ضمن میں ایک اور حدیث جس کی امام بخاری اور امام مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس میں ہے کہ ”ہم حضور ﷺ کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے جبکہ ابھی قرآن نازل ہو رہا تھا“ بالفاظ دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر عزل دینی تعلیمات کے خلاف ہوتا تو اس کی مخالفت کے لیے کوئی آیت نازل ہو جاتی لیکن چونکہ ایسا نہیں ہوا تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ اس کی اجازت ہے۔ سنن ابوداؤد سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”کہ عزل کسی آزاد (شادی شدہ) عورت سے نہ کیا جائے بلا اس کی اجازت کے۔“ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک آزاد عورت سے عزل کی اجازت حاصل کی جائے۔

رفاعہ رضی اللہ عنہ بن رافع سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروپ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، عزل کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ اس دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”اس میں کوئی امر

مانع نہیں۔“ تاہم موجود لوگوں میں سے کسی نے کہا کہ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بچوں کے قتل کی ایک قسم (Infanticide) ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ایسا سمجھنا مناسب نہیں الا یہ کہ جنین کی نشوونما پر سات مراحل گزر چکے ہوں۔ پہلا مرحلہ یہ کہ یہ گیلی مٹی کا ایک دھبہ ہو، دوسری حالت جب یہ قطرے کی مانند ہو، تیسری حالت جمے ہوئے خون کے لوتھڑے کی سی ہو، چوتھی حالت ایک لوتھڑے جیسی ہو، پانچویں یہ کہ اس کی ہڈیاں بن گئی ہوں، چھٹی یہ کہ ہڈیوں پر گوشت چڑھ گیا ہو اور بالآخر ایک نئی مخلوق معرض وجود میں آگئی ہو۔“ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محبت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور کہا کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ خدا تمہاری عمر دراز کرے!“

اس جگہ یہ بتانا ضروری ہے کہ تمام مشہور فقہاء نے لوگوں کے لیے مختلف وجوہات اخذ ہیں کہ وہ عارضی طور پر ضبط ولادت پر عمل کر لیں کریں۔ ان وجوہات میں متعدی امراض کی موجودگی جس کی چھت بچے کو لگ سکتی ہو، یکے بعد دیگرے حمل ٹھہرنے کی وجہ سے بیوی کی صحت کی خرابی اور زندگی کا خطرے میں پڑنا اہم ترین ہیں۔ قدیم فقہاء میں صرف امام غزالی رحمہ اللہ نے ایسے فقہاء میں جن کی رائے ہے کہ چونکہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو عزل کی اجازت دی تھی چنانچہ عزل پر مستقل طور پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ ہم درج ذیل سطور میں دیکھیں گے کہ ان وجوہات کی بنا پر کسی فرد کے وقتی طور پر مباشرت سے پرہیز کرنے، یا عزل کرنے حتیٰ کہ کسی مانع حمل طریقے کو اپنانے کے بارے میں زمانہ حال کے مسلم اہل علم کا اتفاق ہے۔

(Ahmad Sharabarry, 1974)

تاہم اس ضمن میں سید مودودی کی اس رائے پر غور کرنا بھی بہت اہم ہے کہ ”بالعموم، بذمہ کنٹرول کے حامی لوگ اپنے دلائل میں حضور ﷺ کی احادیث کا حوالہ دیتے ہیں جو عزل سے بارے میں لٹریچر میں درج ہیں لیکن وہ (شاید جان بوجھ کر) بھول جاتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ احادیث چند اصحاب کرام کے مخصوص حالات کے بارے میں ہیں جو یہ جاننا چاہتے تھے کہ یا کسی طور پر یہ مسلمانوں کے لیے مناسب ہے کہ وہ عزل کر سکیں؟ بہت سے لوگ، جنہوں نے حضور ﷺ سے یہ سوال کیا، تو انہیں نفی میں جواب دیا گیا، کچھ لوگوں کو حضور ﷺ نے فرمایا

کہ یہ ناپسندیدہ ہے اور کچھ لوگوں کے سوال پر آپ ﷺ یا تو خاموش رہے یا پھر کچھ کو اجازت دے دی۔ ان تمام جوابات کا احاطہ کرنے کے لیے جو مختلف افراد کو ان کے مخصوص حالات کے تحت دیئے گئے، اگر صرف ان جوابات کا ہی جائزہ لیا جائے جو عزل کی اجازت پر مبنی ہیں تو اس حقیقت کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ یہ اجازت چند مخصوص افراد کے لیے تھی جس سے کسی صورت میں بھی اسے ایک قومی سطح کی اجازت پر محمول کرنا عقل اور قیاس کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اسلام کسی صورت بھی ضبط ولادت کو ایک قومی سطح کی مہم بنانے کی حمایت نہیں کرتا اور ہر شخص اس بات کا اندازہ کر سکتا ہے کہ انفرادی سطح پر عزل پر عمل کرنا اور برتھ کنٹرول کے مختلف طریقوں کو قومی سطح پر پھیلانے میں زمین آسمان کا فرق ہے! انفرادی اجازت کو قومی سطح پر پالیسی بنانے کا عمل خیال کرنا کسی صورت بھی قرین عقل نہیں قرار دیا جاسکتا!

یہ امر باعث دلچسپی ہے کہ عزل کے ذریعے ضبط ولادت کے عمل پر اس قدر زور دینے کے بعد فاضل مقالہ نگار (Ahmad Sharabassy) اپنی بات کو یوں سمیٹتے ہیں کہ ”ہمیں یہ بات جان لینی چاہیے اور ہمیشہ اسے اپنے ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ضبط ولادت کے طریقوں پر عمل کرنا، اول و آخر ہر شخص کا اپنا انفرادی معاملہ ہے۔ جس کا آزادانہ فیصلہ وہ اپنی مرضی اور ذہن کے اطمینان سے کرتا ہے۔ اگر ہم اس معاملے میں کسی فرد پر تخریص و ترغیب یا تخویف و سزا کی شکل میں دباؤ ڈالیں گے تو ہم ایک صریح غلطی کا ارتکاب کر رہے ہوں گے۔“

یہ ایک حسن اتفاق ہے کہ درج بالا رائے سید مودودی کی اس تحریر سے مطابقت رکھتی ہے جو انہوں نے ۱۹۴۳ء میں اپنی کتاب میں لکھی تھی جب وہ کتاب پہلی مرتبہ شائع ہوئی تھی۔ سید مودودی رقمطراز ہیں کہ ”برتھ کنٹرول کے بارے میں ہمیں دو مختلف نقطہ ہائے نظر کے درمیان فرق کرنا ہوگا۔ ایک یہ کہ برتھ کنٹرول کو قومی مہم کے طور پر تمام ملک میں نافذ کر دیا جائے اور دوسرا یہ کہ اسے چند افراد کے مخصوص حالات اور ان کی زندگی کے تقاضوں کے مطابق، انہیں اپنی ذاتی / انفرادی زندگی میں اس پر عمل کی اجازت دے دی جائے۔ وہ تمام سماجی برائیاں، جن کا ہم ذرا کرچکے ہیں، کسی صورت میں بھی حاشرے میں عام نہیں ہو سکتیں اگر ضبط ولادت کو ایک قومی سطح کی مہم نہ بنایا جائے بلکہ صرف انفرادی سطح پر ہی کچھ لوگوں کو اس کی اجازت ہو جہاں ایک

شادی شدہ جوڑا جو اللہ سے ڈرنے والا اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرنے کا خواہاں ہو وہ اپنے مخصوص حالات کے تحت اس پر عمل پیرا ہونا چاہتا ہو۔ ایسے عالم میں بھی ضروری ہے کہ کسی اہل علم سے مشورہ کر لیا جائے نیز ضبط ولادت کا وہ طریقہ بھی کسی ماہر ڈاکٹر کی نگرانی میں استعمال کیا جائے۔ واضح رہے کہ انفرادی سطح پر محدود پیمانے پر ضبط ولادت کا یہ طریقہ اس قوی سطح کی مہم سے بہت مختلف ہے جہاں ضبط ولادت کو بہت بڑے پیمانے پر متعارف کرایا جاتا ہے۔ ضبط ولادت کے لیے کنڈوم/گولیاں مفت یا کم قیمت پر فراہم کی جاتی ہیں تاکہ ایک عام آدمی بھی اسے خرید سکے۔ موخر الذکر صورت میں ان تمام برائیوں اور نقصانات سے کسی صورت بھی محفوظ نہیں رہا جاسکتا ہے جس کی جانب ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔“

اس جگہ اس تبصرے کو سامنے رکھنا بھی ضروری ہے جو موطا امام مالک رحمہ اللہ میں اس بارے میں کیا گیا ہے کہ ”اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد عزل کو خلاف شریعت نہیں سمجھتی تاہم ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے غیر مستحب (Disfavoured) سمجھتے ہیں۔ موخر الذکر اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے چند ایسے بھی ہیں جو عزل کو بچوں کے قتل کے برابر سمجھتے ہیں۔ تاہم اس ضمن میں فقہاء کے درمیان بہت ہی دلچسپ اور معنی خیز بحثیں کی گئی ہیں۔

(Muhammad El-Makki El Nagiri, 1971)

لڑکیوں کا قتل (Female infanticide):

عربوں میں لڑکیوں کو پیدائش کے فوراً بعد مار دینے کا رواج عام تھا کیونکہ ان کے ہاں لڑکیوں کی پیدائش کو باعث عار سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان میں بھی ایک عمومی تاثر یہ تھا کہ لڑکا ہی کسی فرد یا خاندان کا اصل وارث ہے جس سے اس فرد اور خاندان کا سلسلہ آگے چلتا ہے۔ پتر (لڑکے) کی ضرورت مختلف مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لیے ضروری خیال کی جاتی تھی تاکہ اس کے والدین کو مرنے کے بعد شکتی حاصل ہو سکے اور لڑکا نہ ہونے پر اس قسم کی رسومات اور مذہبی عبادات بھی ادا نہیں کی جاسکتی تھیں۔ رالہن (Ralhan, O.P 1997) نے ان تمام طریقوں کی تفصیل بیان کی ہے جو ہندوستان میں بچیوں کو مارنے کے لیے بروئے کار لائے جاتے تھے جن میں زیادہ مقدار میں افیون، دھتورا یا پوسٹ (Poppy) کھلانا یا بچے کو کسی ایسے

گڑھے/ برتن میں ڈبو دینا جس میں دودھ بھرا ہوتا تھا یا انھیں پانی کے گھڑے میں ڈبو دینا یا زمین میں ان کو دینا جیسے وحیاً نہ طریقے شامل تھے۔

اسی طرح عرب میں بھی لوگ اپنی بچیوں کو فاقہ کشی کے خوف سے مار دیا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے اس صورت حال کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرُبُوا
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطْنٌ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ
إِلَّا بِالْحَقِّ ۝﴾ (الانعام: ۱۵۱)

”اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔ اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔“

سورۃ بنی اسرائیل میں مزید فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ إِنَّ
قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً ۝﴾ (بنی اسرائیل: ۳۱)

”اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔“

ان آیات کی تفسیر میں سید مودودی رحمہ اللہ یوں رقمطراز ہیں:

”ان آیات میں ایک چیز کی نہیں بلکہ دو چیزوں کی ممانعت ہے: پہلی یہ کہ عرب اپنے بچوں کو مار دیا کرتے تھے جس کی ممانعت کی گئی۔ دوسرا وہ بچوں کو اپنی غربت کا سبب جانتے تھے۔ پس ان کی اس غلط فہمی کو یہ کہہ کر دور کیا گیا کہ وہ کیوں کر اپنے آپ کو بچوں کو رزق پہنچانے کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ جس طرح وہ پہلے آنے والوں کو روزی دیتا رہا ہے بعد کے آنے والوں کو بھی دے گا۔“

سورہ تلویر میں فرمایا:

﴿وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝﴾ (النکویر: ۸۱: ۸)

”اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی۔“

اس آیت کی تشریح میں سید مودودی یوں رقمطراز ہیں کہ ”اس آیت کے انداز بیان میں ایسی شدید غضب ناک پائی جاتی ہے جس سے زیادہ غضبناکی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بیٹی کو زندہ گاڑنے والے ماں باپ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایسے قابل نفرت ہوں گے کہ ان کو مخاطب کر کے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اس معصوم کو کیوں قتل کیا بلکہ ان سے نگاہ پھیر کر معصوم بچی سے پوچھا جائے گا کہ تو بے چاری آخر کس قصور میں ماری گئی اور وہ اپنی داستان سنائے گی۔ اس میں اہل عرب کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ جاہلیت نے ان کو اخلاقی پستی کی کس انتہا پر پہنچا دیا ہے کہ وہ اپنی ہی اولاد کو اپنے ہاتھوں زندہ درگور کرتے ہیں۔“

تجرد کی زندگی بسر کرنا:

عیسائیت میں مجرد رہنا ایک بہت بڑی اخلاقی نیکی اور نجات کا طریقہ سمجھا جاتا تھا۔ سینٹ پال اور سینٹ آگسٹائن نے عیسائیت میں تجرد کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی جس میں عورت (بیوی) سے کسی قسم کا تعلق رکھنے سے گریز کیا جاتا تھا حتیٰ کہ ماں، بہنوں سے بھی ملنے جلنے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن اسلام نے اس کے برعکس اس تصور کی مذمت کی۔ اللہ کے آخری پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ ”اسلام میں تجرد کو کوئی مقام حاصل نہیں۔“ قرآن نے نوح: ان مردوں اور عورتوں حتیٰ کہ غلام (لوٹہ/ غلام) کی شادی کرنے کی بھی ہدایت فرمائی۔ (سورہ النور ۳۲:۲۲)۔ اسلام میں اپنی منکوحہ عورتوں سے بھی جنسی تعلق پر کسی قدغن یا پابندی کو قابل مذمت سمجھا گیا۔ حضور ﷺ نے اپنی بیوی سے جنسی تعلق قائم رکھنے کو ایک نیکی کا عمل (صدقہ) قرار دیا۔ ایک دوسری حدیث کے مطابق ایک عورت نے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ وہ رات کو نفیس پڑھتے اور دن میں روزہ رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ نے شوہر کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ نفلی عبادت (نماز، روزہ) کی ادائیگی میں اعتدال سے کام لیں اور اپنی بیوی کے حقوق زوجیت بھی ادا کریں۔ یاد رہے کہ مجرد رہنے کی ممانعت صرف مردوں ہی کے لیے نہیں بلکہ عورتوں کو بھی غیر شادی شدہ حالت میں رہنے سے منع کیا گیا ہے۔ رضوی (۱۹۹۳) کے بقول امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”پیغمبر ﷺ نے عورتوں کو بھی متاہل (بغیر شادی کے رہنے) سے منع

فرمایا۔ (وصایا: ۱۳: ۱۱۷)۔ عبد اللہ بن بشر روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ ”خدا کی رحمتیں آپ پر، میں ایک متاہل کی زندگی بسر کرنے والی عورت ہوں۔ امام نے دریافت کیا کہ ”تم اس کا کیا مطلب سمجھتی ہو؟ اس عورت نے جواب دیا کہ ”اس کا یہ مطلب ہے کہ میں کبھی بھی شادی نہیں کروں گی۔“ امام نے پوچھا ”کیوں؟“ عورت نے کہا کہ ”میں متاہل رہ کر اللہ کی خوشنودی کی طالب ہوں۔“ اس پر امام نے فرمایا ”یہاں سے چلی جاؤ اگر متاہل زندگی گزارنے سے اللہ کی خوشنودی حاصل کی جاسکتی تو فاطمہ بنتیجہا اس کی زیادہ مستحق تھیں تمہاری نسبت کیونکہ اللہ کی نظر میں ان سے زیادہ خوشنودی کا حق ۱۰ اور کوئی نہیں!“ (وصایا: ۱۳: ۱۸ تا ۱۹)

احمد شرامیسی (۱۹۷۴) نے بھی امام غزالی رضی اللہ عنہ کا حوالہ دیا ہے۔ عزل کی اجازت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے دیگر وجوہات کے علاوہ، عورت کے حسن و جمال کو قائم رکھنے کے لیے بھی کہا تا کہ اس کا خاوند اس سے زیادہ لطف اندوز ہو سکے۔ اپنی کتاب احیائے علوم الدین میں انھوں نے لکھا ہے کہ ایک عورت کا خوبصورت چہرہ ان پسندیدہ اوصاف میں سے ہے جس کی بنا پر اس سے شادی کی جاتی ہے اور ایسی عورتوں کی شادی زیادہ دیر تک محبت کے ساتھ قائم رہتی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں کہ ”خوبصورت چہرہ ایک پسندیدہ چیز ہے۔ اس کی وجہ سے ایک مرد (خاوند) اپنی بیوی کے علاوہ کسی دوسری (عورت) کی خواہش سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ فطری طور پر ایک مرد، کسی بد صورت عورت سے دیر تک نباہ نہیں کر سکتا۔ ایک ایسا مرد جسے اس امر کا یقین نہ ہو کہ وہ اپنے دین کی تعلیمات پر کار بند رہ سکے گا اگر اس کے جنسی جذبات کی تسکین نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ کسی خوبصورت عورت کو تلاش کر کے اس سے شادی کے ذریعے اپنے جذبات کی تسکین کا سامان کرے کیونکہ ایک خوبصورت بیوی سے لطف اندوز ہو کر وہ دین کی تعلیمات پر بخوبی عمل کر سکے گا۔“ اس سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مسلم فقہانے شادی شدہ جوڑوں کو اپنی صحت و تندرستی قائم رکھنے کی اہمیت و ضرورت کا احساس دلایا ہے بلکہ انھیں چاہیے کہ وہ ہر قسم کے جسمانی عوارض اور نقائص سے بھی اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی تدابیر اختیار کریں۔ فقہانے خوبصورتی کو بد صورتی پر لازماً ترجیح دی ہے اور وہ کسی بد صورت اور بوڑھی عورت

سے شادی کی حمایت نہیں کرتے۔

جہاں تک عورتوں کی خوبصورتی اور جسمانی صحت کا تعلق ہے تو اسلام، مرد اور عورت دونوں کو تندرست و توانا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس طرح مسلمان عورتوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنے خاوندوں کے لیے بنا سنوار کر رکھا کریں۔ تاہم یہ خیال کہ بچوں کی پیدائش سے عورت کی صحت تباہ ہو جاتی ہے اور اس کا حسن، حمل کے قیام اور بچے کی پیدائش سے متاثر ہوتا ہے، اس لیے انھیں ضبط ولادت کے طریقے پر عمل کرنا چاہیے، ایک غلط خیال ہے۔ طبی نقطہ نظر سے بھی اس مفروضے کے حق میں کوئی اعداد و شمار موجود نہیں جن سے یہ ثابت ہو کہ ایک عورت تندرست اور صحت مند رہتی ہے اگر وہ شادی نہ کرے یا وہ بچوں کی پیدائش سے گریز کرے یا صرف ایک یا دو بچوں کو پیدا کرے۔ انسان (مرد اور عورت) کی صحت و تندرستی کا تعلق اس کی متوازن غذائی ضروریات کے پورا ہونے سے ہے نیز تندرست و توانا رہنے کے لیے ایک مناسب اور خوشگوار ماحول بے حد ضروری ہے تاکہ ان کے جسمانی، نفسیاتی اور جذباتی افعال نارمل طریق پر کام کرتے رہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی عورت کی شادی نہیں ہوتی تو اسے جسمانی، نفسیاتی اور جذباتی اطمینان اور سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک شادی شدہ عورت صحت مند ہے اور اسے مناسب غذا بھی میا ہو رہی ہے اور وہ اپنے خاوند کے ساتھ بھی جذباتی (جنسی) طور پر سکون و اطمینان کے ساتھ رہ رہی ہے تو اس بات سے اسے کسی قسم کی کوئی تکلیف لاحق نہیں ہو سکتی کہ اس کے کتنے بچے پیدا ہوئے ہیں۔ اس کا تمام تر انحصار ایک عورت کے ذاتی / انفرادی حالات پر ہے ”تاہم اگر کوئی میڈیکل ڈاکٹر کسی انفرادی عورت کے معاملے میں، اس کی صحت و تندرستی کا خیال کرتے ہوئے، یہ رائے دے کہ حمل یا اس کے نتیجے میں ہونے والی تکالیف سے اس کی جان کو خطرہ لاحق ہے تو وہ ڈاکٹر کی رائے / مشورے سے اور نگرانی سے کسی ایسے طریقے پر عمل کر سکتی ہے جو مانع حمل ہو۔ ایسے حالات میں اگر ضرورت محسوس ہو تو ڈاکٹر کی رائے سے اسقاط حمل بھی کرایا جاسکتا ہے تاکہ ماں کی زندگی کو بچایا جاسکے۔ لیکن صحت و تندرستی کی آڑ میں ضبط ولادت کو ایک عوامی تحریک بنانا اور اسے ملکی سطح پر نافذ کرنا کسی صورت بھی مناسب قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسلام اس قسم کے معاملات میں انفرادی سطح پر ماہر ڈاکٹر کے مشورے کی روشنی میں اجازت دیتا ہے لیکن منافع کے

کسی بھی پہلو سے اسے قومی سطح کی مہم بنانے کا سخت مخالف ہے۔ (سید مودودی)

یہ امر باعث دلچسپی ہوگا کہ سید مودودی کے درج بالا خیالات کی تائید ایک ریزولیوشن میں کی گئی، جو میڈیکل سائنس اور دینی علوم کے ماہرین پر مشتمل گروپ نے کی، جنہوں نے مجمع الفکر الاسلامی نامی کانفرنس میں شرکت کی۔ (Jamal Zarabozo, 1998)۔ اس کانفرنس میں فیملی پلاننگ اور برتھ کنٹرول کے موضوع پر اسلامی شریعت کے نقطہ نظر سے تفصیلاً بات چیت ہوئی۔ اس ریزولیوشن میں اس امر کا اظہار کیا گیا کہ:

”کسی شادی شدہ جوڑے کو ایک عمومی قانون اور پالیسی کے تحت، بچہ پیدا کرنے کی آزادی سے روک دینا، قطعاً ممنوع ہے۔“

”یہ امر بھی ممنوع ہے کہ کسی مرد یا عورت کو مستقلاً بانجھ کر دیا جائے اور اس طرح وہ ہمیشہ کے لیے بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھیں۔ اس میں عورتوں کے رحم کا نکال دینا (Hysterectomy) اور مردوں کی نس بندی (Vasectomy) جیسے آپریشن شامل ہیں الا یہ کہ ایسے حالات واقع ہو جائیں جن میں اسلامی نقطہ نظر سے ایسا کرنا جائز ہو مثلاً عورت کی زندگی بچانے کے لیے رحم کا نکال دینا۔“

”میاں بیوی کے درمیان باہمی صلاح و مشورے اور اتفاق رائے سے بچوں کی ولادت میں مناسب وقفہ ڈالنا تاکہ دو حملوں کے درمیان مناسب مدت گزر سکے یا حمل کے قیام کو کسی خاص مدت تک کے لیے موخر کرنا، بشرطیکہ اس کا جواز شریعت میں ہو، تو ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ تاہم اس اجازت کا انحصار بھی مشروط ہے کہ اس وجہ سے کسی قسم کا کوئی نقصان نہ ہو چاہے وہ کسی ایسے شرعی طریقے کے مطابق ہو جس کی اجازت ہے یا اس کا تعلق کسی عورت کے حالیہ حمل کے اسقاط سے ہو۔“

ہم نے گذشتہ صفحات میں اس جانب اشارہ کیا ہے کہ ضبط ولادت کے بہت سے طریقے ایسے ہیں جن سے عورت/مرد کی جسمانی و جنسی صحت، و تندرستی پر برے اثرات پڑتے ہیں اور ضبط ولادت کا کوئی طریقہ بھی ایسا نہیں جو ان برے اثرات سے قطعی طور پر پاک ہو۔ گولیاں کھانے سے عورتوں کو ہائی بلڈ پریشر، دل کے امراض، شدید درد وغیرہ جیسی شکایات ہو جاتی ہیں۔ رحم کے

اندر استعمال کرنے والے چھلے (IUD) سے عورتوں کا ماہواری کا نظام بری طرح سے متاثر ہوتا ہے جس میں ماہواری کا طویل دورانیہ، خون کی زیادتی اور ویجاہینہ میں شدید قسم کا درد ہونا شامل ہیں۔ اسی طرح صبح سویرے گولی کھانے (Morning after pill) یا کسی قسم کی دوائی کو زہر جلد رکھنے (Norplant) سے جسم کا ہارمونل نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ کنڈوم کے استعمال سے نوجوانوں کو یہ شکایت ہے کہ اس کے ذریعے مباشرت میں جنسی حظ حاصل نہیں ہوتا۔ اگرچہ ہم اس سلسلے میں طبی ماہرین کے حوالوں سے مزید گفتگو کرنا چاہتے ہیں کیونکہ درج بالا تمام امور ایک باشعور آدمی کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں۔ تاہم اس ضمن میں اوس ورڈ شوارظ (Oswald Schwarz 1957) کی رائے کا مطالعہ قارئین کے لیے باعث دلچسپی ہوگا۔ وہ رقمطراز ہیں کہ ”ایک تسلیم شدہ بائیولوجیکل حقیقت یہ ہے کہ ہمارے جسم کے تمام اعضاء اپنا طبعی فعل سرانجام دینا چاہتے ہیں اور اگر ان اعضاء/ نظاموں کو اپنے طبعی افعال کی ادائیگی سے روکا جائے تو پھر اس کا لازمی نتیجہ کسی تکلیف/ عارضے کی شکل میں نکلتا ہے۔ عورتوں کے جسم کے تمام حصے حمل کے قیام میں معاونت کرتے ہیں۔ اگر کسی عورت کو اس کے فطری، جی فعل کی سرانجام دہی (یعنی حمل کے قیام) سے روک دیا جائے جس سے اصل کی جسمانی اور جذباتی تسکین نہ ہو تو پھر ایسی عورت بکھر (Withers) کر رہ جاتی ہے۔ لیکن ماں کا روپ دھارنے پر ایک عورت ایسی روحانی مسرت سے ہم کنار ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کا جسم کسی قسم کے ممکنہ نقصان سے محفوظ ہو سکتا ہے اس لیے کہ وہ ایک حقیقی ماں ہے اور اس کا ایک ایسا محبت کرنے والا شوہر ہے جو اپنی بیوی کے جسمانی نظام میں ان تبدیلیوں کو خوشی کے ساتھ گوارا کرتا ہے۔“

میڈیکل سائنس کے ماہرین کی آراء و خیالات کے پیش نظر عقلی طور پر یہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ ضبط ولادت کے تمام طریقے عورت کے لیے نقصان دہ اور ضرر رساں ہیں۔ ہم نے اس کتاب کے چوتھے باب (جنسی صحت کی تعلیم) میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ بلوغت کے وقت انسان کے جسم میں ہارمونز ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان ہارمونز کی وجہ سے عورت/ مرد کو جسمانی طور پر خوبصورتی، حسن، طاقت و توانائی اور ایسی رعنائی حاصل ہوتی ہے جنہیں دوائی کی چند اہم ترین نشانیاں اور اوصاف قرار دیا جاسکتا ہے۔ نیز یہ ہارمون عورتوں میں ماہواری کا نظام

جاری کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ماہواری کی وجہ سے ہر ماہ عورت قیام حمل کے لیے تیار کی جاتی ہے۔ ان ہارمونز کے زیر اثر عورت کے تمام تولیدی اعضاء ایک نئی زندگی کو خوش آمدید کہنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ تاہم ایسے حالات میں کہ حمل کا قیام عمل میں نہ آئے تو ان تمام اعضاء کی فعالیت بہت حد تک درہم برہم (Frustrate) ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں عورت کو بہت سے عوارض اور تکالیف لاحق ہو جاتی ہیں اور اگر یہ صورت حال ایک طویل عرصے تک انی طرح جاری رہے تو پھر ماہواری کا نظام بے قاعدہ ہو جاتا ہے۔ عورت کو اس دوران زیادہ تلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کے پستان چھوٹے ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور اس کے چہرے کی رعنائی اور حسن ماند پڑ جاتا ہے۔ چونکہ یہ ہارمونز بہت سی دیگر نسوانی صفات کو بھی قائم کرنے کا سبب بنتے ہیں اور اگر ان غدودوں کی رطوبت اور افعال اپنے مقصد (قیام حمل) میں کامیاب نہیں ہوتے تو پھر وہ عورت کے حسن و جمال، رعنائی و نزاکت اور مزاج کے دھیمے پن پر بری طرح سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ عملی صورت حال جس کا تعلق عورت کے تولیدی اعضاء کے افعال سے ہے، ان خیالات کے برعکس ہیں جو امام غزالی رحمہ اللہ نے ضبط ولادت (عزل) کے بارے میں بیان کیے ہیں کہ اس کی وجہ سے عورت کی خوبصورتی اور حسن و جمال کو محفوظ کیا جاسکتا ہے۔

ہم یہ پڑھ چکے ہیں کہ گولیاں کھانے کو ضبط ولادت کے ایک بہت آسان طریقے کی اثبیت سے بہت مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ لیکن گولیوں کی وجہ سے عورت کے بیض دان سے اندروں کے اخراج کا عمل معطل ہو جاتا ہے اور یوں عورت کے ماہواری کے نظام میں تعطل پیدا ہو جاتا ہے اور اس بات کو تسلیم کرنا بہت مشکل ہے کہ انسان بغیر کسی قسم کے برے اثرات کے نلہور کے ان ادویات کے استعمال سے عورت کے اس اہم ترین ہارمونل سسٹم میں کوئی تبدیلی آسکتا ہے۔ ان گولیوں کے استعمال کے بارے میں برٹش انسٹیکو پیڈیا آف میڈیکل پریکٹس میں پندہامبر کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ سید مودودی نے ڈاکٹر جی آئی سوئیر (G.I. Swyer) کا یہ قول نقل کیا ہے:

”طویل المدت نقصان دہ اثرات کے امکان سے ہم اس وقت انکار نہیں کر سکتے۔“

اس طریقہ کی بڑی خرابیاں یہ ہیں کہ اس میں بیس دن تک گولیاں کامل تسلسل کے ساتھ اور مجوزہ پلان کے مطابق استعمال کرنی ہوتی ہیں۔ نیز گولیوں کی اونچی قیمت اور ناموافق اثرات کی بہتات مریض کے لیے اس طریق علاج کی مقبولیت کو بہت کم کر دیتی ہے۔“

حالیہ زمانے میں اسقاط حمل کے بارے میں بھی ایک بحث علمی حلقوں میں جاری ہے۔ عزل کی مناسبت سے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ رُم کی صفائی (Dialation and Curettage) (D and C) اگر ماہواری کے چند ایام گزرنے پر کی جائے یا قراصل کے ابتدائی دنوں میں پتہ چل جانے کی صورت میں، تو ایسی عورت میں یہ اسقاط حمل کی معروف تعریف میں نہیں آتا۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مرحلے پر جنین (Embryo) ایک ”زندہ جان“ نہیں ہوتا۔ اس لیے اس پر حمل کے اسقاط کا اطلاق نہیں ہوتا۔ یہاں اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ جیسے جید فقیہ جو عزل کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہیں، وہ بھی اس طریقے سے اسقاط حمل کو حرام قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ”جو نہی عورت کے رحم میں مادہ منویہ داخل ہوتا ہے اور (اندے سے مل کر) بارور ہو جاتا ہے تو اسی لحاظ سے وہ ایک جاندار حقیقت ہوتا ہے۔“ وہ مزید کہتے ہیں کہ ”جب جنین ایک خون کی پھسکی (مضغہ) بن جاتا ہے اور جو نہی اس کی حالت گوشت کے ٹوٹھڑے (علقہ) کی ہو جاتی ہے، اس کا اسقاط بہت سنجیدہ صورت اختیار کر لیتا ہے اور اس لیے اس کا اسقاط حرام ہے۔“ ان دونوں حالتوں کے بعد جب اس میں روح پھونک دی جاتی ہے اور ہڈیوں کے ڈھانچے کی تشکیل بھی ہونے لگتی ہے تو اس حالت میں اسقاط کرنا مزید گناہ کا باعث بن جاتا ہے جس کی انتہا وہ حالت ہے جب ایک مکمل زندہ بچے کو اسقاط کے ذریعے ختم کر دیا جاتا ہے۔“ امام غزالی رحمہ اللہ کے یہ دلائل قرآنی آیات (سورہ المومنون ۱۲: ۱۳) کے مطابق ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا

الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَّوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ﴿٥﴾

”ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا، پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اس بوند کو توہڑے کی شکل دی، پھر توہڑے کو بوٹی بنا دیا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اسے ایک دوسری مخلوق بنا کر کھڑا کیا۔“

اس سے قبل کہ ہم عزل کے بارے میں مرا کو میں منعقدہ کانفرنس کے شرکاء کے ان ”غیر ضروری“ طور پر تاکیدی بیانات کی بحث کو ختم کریں، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان قابل قدر اہل علم اور اس طرح کی سوچ رکھنے والے لوگوں کے لیے مزید ایک دو نکات کا ذکر کر دیں۔ ہمارے لیے یہ امر باعث حیرت ہے کہ اس کانفرنس میں شریک کسی ایک مقرر نے بھی ماتھس کے اس بنیادی مفروضے کے بارے میں ایک حرف بھی کہنا گوارا نہیں کیا جو برتھ کنٹرول کی بنیاد ہے۔ جیسا کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں اشارہ کیا کہ ضبط ولادت کی تحریک کے مقاصد، گذشتہ دو صدیوں میں بدلتے رہے ہیں۔ تاہم جدید زمانے میں نوجوانوں کے ہاتھ میں، اس کی وجہ سے ایک ایسا ”موثر اور آسان ہتھیار“ آ گیا ہے جس سے وہ اپنی جنسی ہوس کو پورا کر سکتے ہیں۔ مغرب میں اس تحریک کے بڑھنے اور کنڈوم اور گولیوں کی مفت فراہمی کے ذریعے کون مائی کا لعل اس امر کی ضمانت دے سکتا ہے کہ ”گرل/بوائے فرینڈ“ اس کا غلط استعمال نہیں کریں گے۔ یہ بات ۴۰ سال قبل ایک مفروضہ ہو سکتی تھی لیکن ۱۹۷۱ء میں جب یہ کانفرنس مرا کو میں منعقد ہوئی تھی، یہ امر کانفرنس کے اہل علم کی نظروں سے کیوں کر اوجھل رہ گیا؟ مزید برآں مسلم ممالک کو جس قسم کے سماجی اور معاشی حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور اس کے نتیجے میں ہونے والی غیر اخلاقی حرکات اور کسی حد تک الحادی نظریات کی بنا پر اس امر کا تقاضا تھا کہ یہ اہل علم ان حالات کا حروضی جائزہ لیتے اور اپنی سفارشات میں متفقہ طور پر بیک آواز عزل کو جائز ٹھہرانے کے ساتھ ساتھ اپنی اس سفارش پر بھی ٹھنڈے دل کے ساتھ غور کرتے کہ ”در اصل اس امر کو قبول کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ ضروری نہیں کہ ضبط ولادت کے مختلف طریقوں پر عمل

کرنے میں کیا کیا جائے کیونکہ یہ عزل کے نعم البدل (Substitute) کے طور پر استعمال کیے جاسکتے ہیں جن کا مقصد بھی وہی ہے جو عزل کرنے کا ہے۔ اس لیے ان تمام طریقوں پر جب ضرورت درپیش ہو، عمل کیا جاسکتا ہے۔ اس میں کسی قسم کے نقصان کا کوئی پہلو نہیں چاہے وہ کس قدر معمولی ہی کیوں نہ ہو۔“ (Muhammad El-Makki-Al-Nagri, 1971)

یہاں ہم نہایت ادب و احترام کے ساتھ ایک سادہ سوال پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا عزل کی آڑ میں کنڈوم اور گولیوں کے استعمال کے علاوہ ضبط ولادت کے مختلف طریقوں پر عمل کی اجازت کو کسی طرح قرین انصاف کہا جاسکتا ہے؟ جبکہ اس کے بارے میں ان محترم اہل علم کی یہ حتمی رائے بھی موجود ہے کہ ”اس میں نقصان کا کوئی پہلو نہیں چاہے وہ کس قدر معمولی کیوں نہ ہو؟“ — ہمیں یہ تسلیم کرنے میں تامل ہے کہ یہ تمام اہل علم ضبط ولادت کے ان ”بڑے بڑے نشانات“ سے آگاہ، نہیں جو میڈیکل سائنس کے لٹریچر میں مختلف ماہرین نے دیئے ہیں اور مزید یہ کہ ضبط ولادت کے وسیع استعمال کے نتیجے میں ہونے والے ان مفاسد کا بھی انھیں کوئی علم نہیں ہوگا جبکہ وہ اس قسم کی ”دو ٹوک“ سفارشات (Drastic Recommendations) پیش کر رہے تھے جن کے دور رس اثرات سے نہ صرف امت مسلمہ کو دوچار ہونا تھا بلکہ انسانیت بھی ان مفاسد کی وجہ سے کراہ رہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر ضبط ولادت کی اجازت ہے کہ بچے پیدا نہ کیے جائیں یا ان کی تعداد پر پابندی لگا دی جائے تاکہ کسی فرد کی ”ہوس جنسی“ کی تسکین ہو سکے تو پھر ان تمام اخلاقی تعلیمات و ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی کیا ضرورت ہے کہ ہم اپنے بوڑھے والدین کی دیکھ بھال کریں اور معاشرے میں غریبوں، یتیموں، بیواؤں کا خیال رکھیں۔ اگر کسی ایک فرد یا افراد کی ذاتی خواہشات نفس کی تسکین اس قدر اہمیت کی حامل ہے تو پھر ہر شخص چاہے گا کہ وہ اپنے ذاتی آرام اور عیش کو کیوں تاراج کرے؟ یہ کوئی منطق یا فلسفہ پر مبنی مفروضہ نہیں کہ ایک عام عقل کا آدمی اسے سمجھ نہ سکے کہ مغرب میں بوڑھے لوگوں کے گھر (Old people's homes) اور بچوں کے لیے ڈے کیئر سنٹرز کی موجودگی اس بات کا عملی ثبوت ہے جو اس ”ذاتی عیش و عشرت“ کے تصور کے نتیجے

میں وجود میں آئی ہے۔ ایسی زندگی میں کتوں اور بلیوں کے ساتھ اظہار محبت کیا جاتا ہے لیکن ایک ملین (۱۰ لاکھ) غیر شادی شدہ لڑکیوں کے ہاں ناخوастہ بچوں کی حالت زار جو امریکہ میں پائی جاتی ہے، اس سے کوئی دیدہ تر دکھائی نہیں دیتا۔ (Mary Rose McGeary, 1991)

اس جگہ ہم ایک مسلم گائنا کولو جسٹ (حسن بفوات ۲۰۰۰) کی رائے نقل کریں گے جو رقمطراز ہیں کہ ”ضبط ولادت کے مختلف طریقوں کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر اس کی اہمیت تک ہی محدود نہیں۔ بہت سے ملکوں نے آبادی کی تحدید کے لیے پالیسی اختیار کی ہے جس کا مقصد پیدائش کی شرح کو کم کرنا ہے اور یہ مسلم اہل علم کی متفقہ رائے ہے کہ آبادی کی تحدید کی کوئی بھی ایسی پالیسی مسلمان امہ پر لاگو نہیں کی جاسکتی جو اسلام کے عطا کردہ بنیادی حقوق کے خلاف ہو۔ تعلیم کو عام کرنے اور تہذیبی اقدار کو تقویت دینے سے بہت سے اچھے مقاصد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ تب یہ معاملہ میاں بیوی کے درمیان آزادانہ طرز عمل اختیار کرنے کے لیے چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ اپنے مخصوص حالات کے تحت کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ عملاً اس امر کا مسلسل مشاہدہ کیا جا چکا ہے کہ عورتوں کی تعلیم کے نظام کو مضبوط کرنے اور ان کی سوسائٹی کے مسائل حل کرنے میں شرکت کی وجہ سے خاندان کے افراد کی تعداد خود بخود کم ہو جاتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف معاشی مسائل کی وجہ سے ہی تحدید آبادی کے لیے لوگوں کو آمادہ نہیں کیا جاسکتا۔“

”اخلاقی انحطاط اور عورت و مرد کے درمیان ناجائز تعلقات شاخسانہ ہے ضبط ولادت کی تحریک کو ایک قومی پالیسی بنانے کا“ (سید مودودی)۔ یہ دو ایسے اسباق ہیں جن پر دنیا کے ہر باشندہ شعور آدمی کو غور کرنا چاہیے۔ ہماری یہ ایماندارانہ رائے ہے کہ اگر امام غزالیؒ نے انسانی تاریخ کے اس دور میں اس قسم کی جنسی اتار کی اور شہوانی لذت کے حصول کی اندھا دھند دوڑ کو اپنی چشم تصور سے دیکھ لیا ہوتا تو انھوں نے کبھی بھی عزل کی اجازت دینے کا حوصلہ نہ کیا ہوتا کہ جس کی وجہ سے آج کے مسلمان اہل علم ضبط ولادت کو قومی پالیسی کے طور پر اختیار کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

ان معروضات کے بعد درج ذیل امور کی جانب اشارہ کرنا بھی ضروری ہے۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ ماتھس اور اس کے ہم خیال دیگر اصحاب نے یہ تھیوری پیش کی تھی کہ انسانی آبادی جیومیٹریکل انداز میں بڑھتی ہے یعنی ۲،۱،۸،۱۶،۳۲ — ۲۵۶ جبکہ انسانی رزق کے وسائل حسابی طریق سے یعنی ۲،۳،۴،۵ — ۱۰ کی صورت میں بڑھتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر انسانی آبادی کو اس طریق پر بغیر کسی رکاوٹ کے بڑھنے دیا جائے تو یہ ہر ۲۵ سال کے بعد دوگنی ہو جایا کرے گی اور دو صدیوں کے بعد اس کی تعداد اسے ۲۵۶ ہو جائے گی جبکہ رزق کے وسائل صرف ۹ درجے تک ہی بڑھ پائیں گے۔ اس حساب سے ایک ایسا وقت آسکتا ہے جب زمین پر کھڑے ہونے کے لیے بھی کوئی جگہ باقی نہ بچے گی کجا کہ اتنی بڑی تعداد کو کھلایا پلایا جاسکے۔ اس سے یہ منطقی استدلال بھی کیا جاسکتا ہے کہ اگر آبادی کے اس بڑھنے ہوئے سیلاب کو روکنے کی کوئی ترکیب نہ کی گئی تو انسانی وسائل کی کوئی بھی کوشش یا سرمایہ کاری کے علمبردار ترقی پذیر ممالک میں کسی قسم کے ترقیاتی امور سرانجام دینے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اگرچہ ہم اسی معاشی خوشحالی کے ”خوش کن نعرے“ کی حقیقت پر بعد میں گفتگو کریں گے تاہم یہ کہنا شاید کافی ہو کہ اگر انسانی آبادی کا سیلاب اس طرح بڑھتا رہتا جیسا کہ حساب لگا کر ماتھس نے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی، تو اب تک اس تختہ زمین پر انسانی آبادی کا نام و نشان تک مٹ گیا ہوتا اور تمام وسائل رزق بھی ختم ہو چکے ہوتے۔ فطرت آبادی کے بڑھتے ہوئے بہاؤ کو کس طرح قابو میں لاتی ہے اس کا اندازہ ان قدرتی آفات و مصائب سے کیا جاسکتا ہے جیسا کہ زلزلے اور سیلاب وغیرہ جو پلک جھپکنے میں ہزاروں لوگوں کو لقمہ اجل بنا دیتے ہیں۔ انسانوں نے جنگوں کے ذریعے کس قدر جانوں کو اپنی ہوس ملک گیری کی بھینٹ چڑھایا، اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ سید مودودی نے اس ضمن میں جرمنی، یورپ اور روس کے اعداد و شمار دیئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کس قدر فوجی سپاہی اور سولین لوگ دو جنگ ہائے عظیم میں موت سے ہمکنار ہوئے۔ اس جگہ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ دوسری جنگ عظیم میں ہیروشیما اور ناگاساکی (جاپان) پر امریکی ایٹم بم گرانے کی وجہ سے کس قدر انسان پلک

جیننے میں لقمہ اجل بن گئے۔ ان مرنے والوں کے علاوہ جو آناً فاناً موت کے منہ میں چلے گئے، انسانیت آج بھی اس بمباری کے مہلک اثرات سے محفوظ نہیں اور جاپان میں تاب کاری کے اثرات کے نتیجے میں ہزاروں معذور بچے ہر سال پیدا ہوتے ہیں اور اگر اس طرح کا کوئی واقعہ آج رونما ہو جاتا ہے تو ہائیڈروجن بم، کیمیائی اور بائیولوجیکل مہلک ہتھیاروں/ طریقوں سے انسانی جانوں کا کس قدر نقصان ہو سکتا ہے، اس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا۔

• معاشی تنگی اور خوراک کی کمی:

اب ہم معاشی تنگی اور خوراک کی کمی کے موضوع پر کچھ اہم معروضات پیش کریں گے۔

اگرچہ ہم نے ماضی قریب میں دیکھا ہے کہ جرمنی، ہالینڈ (حالیہ دی نیدر لینڈ) اور انگلستان کی آبادی میں گزشتہ تین صدیوں میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا۔ لیکن ”جرمنی نے اپنے ملک کی پیداواری صلاحیتوں میں عظیم اضافے کی بنا پر دوسرے ملکوں سے انسانی وسائل (Immigrants) کی ایک بڑی تعداد کو اپنے ملک میں آنے کی اجازت دی جس کی تعداد ۵۵ء ۱۲ ملین (بارہ کروڑ سے زیادہ) تھی۔ اٹھارویں صدی میں نیدر لینڈ کی آبادی صرف ۱ ملین (۱۰ لاکھ) نفوس پر مشتمل تھی لیکن ۱۹۵۰ء میں ملکی ترقی اور معاشی امور میں اس قدر اضافہ ہوا کہ قریباً ۱۵۰ سالوں میں اس کی آبادی ۱۰ ملین (اکروڑ) ہو گئی۔ یہ بڑی آبادی ۱۲۸۵۰ مربع میل کے محدود رقبے پر رہ رہی ہے۔ یہاں انسانی آبادی کا تناسب ایک آدمی ایک ایکڑ سے کم قابل کاشت رقبہ پر رہتا ہے۔ تاہم تمام آبادی کو نہ صرف ہر وہ چیز مل رہی ہے جس کی اسے ضرورت ہے بلکہ وہ اپنی خوراک (دودھ اور اس کی مصنوعات) کا ایک بڑا حصہ برآمد بھی کر رہے ہیں۔ انھوں نے سمندر کے پانی کو پیچھے دھکیل کر انسانی آبادی کے لیے وافر زمین حاصل کر لی ہے۔ اس عمل میں انھوں نے پانی اور گیلی مٹی کے بہت بڑے ذخیرے کو قابل استعمال بنالیا ہے (۲ لاکھ ایکڑ) اور مزید ۳ لاکھ ایکڑ زمین کو انسانی استعمال کے قابل بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اس ملک کے ۱۰ ملین عوام کی دولت اور خوشحالی کا کوئی مقابلہ آج سے ۱۵۰ سال قبل کی ان کی حالت زار اور غربت سے نہیں کیا جاسکتا جبکہ اس وقت ان کی آبادی صرف ایک ملین تھی۔“ (سید مودودی)

اس کتاب کے آٹھویں باب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا صرف خالق ہی نہیں بلکہ اس کو قائم رکھنے والا اور رازق بھی ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو چلانے کے لیے جو عظیم الشان انتظامات کیے ہیں جن سے وہ اپنی مخلوق کو رزق بہم پہنچا رہا ہے اور جن کی وجہ سے اس کائنات میں زندگی کا وجود برقرار رہے، یہ تمام معاملات ہماری عقل و فہم سے بہت بلند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا اور مسلسل ایسی اشیاء کو ایک نظم کے تحت پیدا کر رہا ہے۔ اس نظام کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کبھی کسی چیز کی کمی واقع نہیں ہوتی۔ قرآن کریم نے سورہ القمر (۵۴: ۲۹) میں فرمایا:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۚ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝﴾

(القمر: ۵۴: ۴۹)

”ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے اور ہمارا حکم بس ایک ہی حکم آیا ہے اور پلک جھپکاتے وہ عمل میں آ جاتا ہے۔“

اگر ہم اس کائنات میں پائے جانے والے اس منظم انتظام پر غور کریں تو انسان کے لیے یہ مانے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ یہ تسلیم کرے کہ خالق نے اپنی مخلوق کے لیے جو انتظام کیا ہے اس کی منصوبہ بندی ہر نقص اور عیب سے پاک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان ان لامتناہی وسائل اور ذرائع کا ادراک ہی نہیں کر سکا جو اس کائنات میں مختلف جگہوں پر پائے جاتے ہیں۔ انسان تو اس حد تک مجبور محض ہے کہ وہ اپنی پشت کے پیچھے کی چیزوں کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن اس کے باوجود اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ اپنے مسائل خود حل کر سکتا ہے۔ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی مخلوق کی تمام تر ضروریات (از قسم خوراک) کا ذمہ لیا ہوا ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۝﴾ (ہود: ۱۱: ۶)

”زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور جس کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ کہاں وہ رہتا ہے اور کہاں وہ سونپا جاتا ہے۔“

آبادی کا دباؤ (Density of population):

قرآن کریم کے درج بالا بنیادی عقائد کو سمجھنے کے بعد اب ہم تازہ ترین اعداد و شمار کی روشنی میں معاشی ذرائع اور آبادی کے بارے میں کچھ معلومات پیش کریں گے۔

اس ضمن میں اہم ترین بات آبادی کا دباؤ یا اس کے بڑھنے کی شرح ہے جنہیں گوشوارہ نمبر ۷ میں مختلف ممالک کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے۔ (Anon, 2003) اور ان کا تقابلی مط ۱۹۵۹ میں مختلف ممالک کی آبادی سے کیا گیا ہے۔ (سید مودودی)

ان گوشواروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۳۳ سال کے دوران مختلف ممالک کی درجہ بندی بلحاظ آبادی کی شرح فی مربع کلومیٹر حسب ذیل چار اقسام میں کی جاسکتی ہے:

- ۱: وہ ممالک جہاں آبادی میں اضافہ برائے نام ہوا مثلاً آسٹریلیا، کینیڈا، امریکہ۔
- ۲: وہ ممالک جہاں آبادی کی شرح میں معمولی تبدیلی آئی مثلاً جرمنی اور برطانیہ۔
- ۳: ایسے ممالک جہاں آبادی کی شرح میں کافی اضافہ ہوا مثلاً پاکستان، مصر، ایران۔
- ۴: بنگلہ دیش، جنوبی کوریا، جاپان اور ہندوستان ایسے ممالک کی فہرست میں شامل ہیں جہاں آبادی کی شرح فی مربع کلومیٹر بالترتیب ۹۶۱، ۴۹۰، ۳۳۷ اور ۳۱۹ ہے۔

ان اعداد و شمار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ درج بالا فہرست میں نمبر ۱ اور نمبر ۲ ممالک میں آبادی کی شرح میں بہت زیادہ اضافے کی گنجائش موجود ہے۔ ۱۹۶۹ میں دنیا میں آبادی کی شرح فی مربع کلومیٹر ۲۱ افراد پر مشتمل تھی جبکہ براعظموں کی درجہ بندی کے حساب سے اس کی صورت حال حسب ذیل تھی:

گوشوارہ نمبر ۷: مختلف ممالک میں آبادی کی شرح کا تقابلی جائزہ

(۲۰۰۳ اور ۱۹۵۹)

ممالک	آبادی کی شرح فی کلومیٹر دوران ۲۰۰۳	آبادی کی شرح فی کلومیٹر دوران ۱۹۵۹
آسٹریلیا	۳	۱
امریکہ	۳۰	۱۹

۲	۳	کینیڈا
۲۱۰	۲۳۱	جرمنی
۲۱۳	۲۴۵	برطانیہ
۱۲	۴۱	ایران
۹۱	۱۸۹	پاکستان
۲۳	۷۵	مصر
—	۹۶۱	بنگلہ دیش
—	۱۳۳	چین
—	۱۱۰	فرانس
—	۳۱۹	ہندوستان
—	۳۳۷	جاپان
—	۴۹۰	جنوبی کوریا
—	۷۰	ملائیشیا
—	۸۷	ترکی
—	۱۲۲	انڈونیشیا

Oceania، افریقہ، اور امریکہ میں بالترتیب صرف ۲، ۸ اور ۹ افراد پائے جاتے تھے۔ تاہم ایشیہ اور یورپ میں بالترتیب ۵۹ اور ۸۵ افراد تھے۔ (سید مودودی)

خوراک کی فراہمی:

گوشتوارہ نمبر ۲، ۷ اور ۳، ۷ میں دنیا کے چند ممالک میں مختلف سالوں میں گندم، چاول کے زیر کاشت رقبے اور پیداوار کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

گوشوارہ نمبر ۲ء: مختلف ممالک میں گندم کا
زیر کاشت رقبہ، اوسط پیداوار اور کل پیداوار کا تقابلی جائزہ

(الف) رقبہ زیر کاشت ہیکٹر ز

۲۰۰۲	۲۰۰۰	۱۹۹۸	۱۹۹۶	
۲۳،۵۰۰،۰۶۰	۲۶،۶۵۳،۳۲۶	۲۹،۷۷۵،۱۶۷	۲۹،۶۱۱،۰۵۷	چین
۲۱۰،۵۹۸،۷۹۷	۲۱۵،۴۷۹،۲۰۴	۲۲۰،۱۰۸،۹۶۶	۲۲۶،۸۳۰،۵۳۳	تمام دنیا
۱۱،۰۳۱،۰۰۰	۱۲،۱۴۱،۰۰۰	۱۱،۵۴۳،۰۰۰	۱۰،۹۳۶،۰۰۰	آسٹریلیا
۲۵،۹۲۲،۵۰۰	۲۷،۴۸۶،۰۰۰	۲۶۶،۹۶،۱۰۰	۶،۳۲۷،۹۳۰	ہندوستان
۶،۳۰۰،۰۰۰	۵،۱۰۰،۷۱۷	۶،۱۷۹،۷۴۷	۸،۳۷۶،۵۰۰	ایران
۸،۰۵۷،۵۰۰	۸،۴۶۳،۰۰۰	۸،۳۵۴،۶۰۰	۲۲،۵۴۶،۰۰۰	پاکستان
۲۲،۴۰۰،۰۰۰	۲۱،۳۳۵،۰۴۸	۱۹،۸۵۸،۲۰۰	۲۲،۵۴۶،۰۰۰	روس (فیڈریشن)
۱۸،۵۴۱،۶۸۰	۲۱،۵۰۲،۳۹۰	۲۳،۸۷۰،۰۰۰	۲۵،۴۱۴،۰۰۰	امریکہ

(ب) کل پیداوار میٹرک ٹن

۳۸،۸۴۷	۳۷،۳۸۲	۳۶،۸۵۲	۳۷،۳۴۱	چین
۲۷،۲۰۲	۲۷،۱۹۳	۲۶،۹۵۷	۲۵،۷۹۵	تمام دنیا
۸،۵۰۸	۱۸،۲۰۹	۱۹،۱۵۳	۲۱،۶۷۳	آسٹریلیا
۲۷،۷۰۳	۲۷،۷۸۵	۲۴،۸۵۲	۲۴،۸۲۸	ہندوستان
۱۹،۰۴۸	۱۵،۸۵۶	۱۹،۳۴۶	۱۵،۸۲۷	ایران
۲۲،۶۲۰	۲۴،۹۰۷	۲۲،۳۷۶	۲۰،۱۸۴	پاکستان
۲۲،۵۷۰	۱۶،۱۷۱	۱۳،۶۰۲	۱۵،۴۸۷	روس (فیڈریشن)
۲۳،۷۲۶	۲۸،۲۵۶	۲۹،۰۳۴	۲۴،۳۸۹	امریکہ

(ج) کل پیداوار (میٹرک ٹن)				
۹۱،۲۹۰،۲۴۰	۹۹،۶۳۶،۱۲۷	۱۰۹،۷۲۶،۰۶۶	۱۱۰،۵۶۹،۱۹۳	چین
۵۷۲،۸۷۸،۹۰۲	۵۸۵،۹۳۹،۶۳۶	۵۹۳،۳۳۷،۱۰۳	۵۸۵،۱۳۲،۹۳۲	کل دنیا
۹،۳۸۵،۰۰۰	۲۲،۱۰۸،۰۰۰	۲۲،۱۰۸،۰۰۰	۲۳،۷۰۲،۰۰۰	آسٹریلیا
۷۱،۸۱۴،۳۰۴	۷۶،۳۶۸،۸۴۸	۶۶،۳۴۵،۰۰۰	۶۲،۰۹۷،۴۰۰	ہندوستان
۱۸،۲۲۶،۱۰۰	۲۱،۰۷۸،۶۰۰	۱۱،۹۵۵،۰۸۳	۱۰،۰۱۵،۱۸۳	ایران
۱۸،۲۲۶،۱۰۰	۲۱،۰۷۸،۶۰۰	۱۸،۶۹۴،۰۰۰	۱۶،۹۰۷،۴۰۰	پاکستان
۵۰،۵۵۷،۰۰۰	۳۳،۵۰۰،۰۰۰	۲۷،۰۱۱،۸۸۰	۳۴،۹۱۶،۶۸۰	روس (فیڈریشن)
۴۳،۹۹۲،۳۱۲	۶۰،۷۵۷،۴۸۸	۶۹،۳۲۷،۰۰۰	۶۱،۹۸۲،۰۰۰	امریکہ

گوشوارہ نمبر ۷۷: مختلف ممالک میں چاول کے
زیر کاشت رقبہ، اوسط پیداوار اور کل پیداوار کا تقابلی جائزہ

(الف) رقبہ زیر کاشت ملین ہیکٹر ز				
۲۰۰۲	۲۰۰۰	۱۹۹۸	۱۹۹۶	
۲۸،۶۱۷	۳۰،۶۳۰	۳۱،۵۷۱	۳۱،۷۵۶	چین
۱۱،۰۵۹	۱۰،۸۰۱	۱۰،۱۱۹	۱۰،۲۰۰	بنگلہ دیش
۱،۹۶۵	۱،۹۰۳	۱،۹۶۲	۱،۸۶۳	کمبوڈیا
۴۰،۰۰۰	۴۴،۷۱۲	۴۴،۸۰۲	۴۳،۴۰۰	ہندوستان
۱،۶۸۸	۱،۷۷۰	۱،۸۰۱	۱،۹۷۷	جاپان
۲،۲۰۱	۲،۳۷۶	۲،۴۲۳	۲،۴۵۱	پاکستان
۴،۰۴۶	۴،۰۳۸	۳،۱۷۰	۳،۹۵۱	فلپائن
۹،۹۹۰	۹،۷۶۱	۹،۵۱۱	۹،۲۶۷	تھائی لینڈ
۷،۴۸۹	۷،۶۶۶	۷،۳۶۲	۷،۰۰۳	ویت نام

(ب) اوسط پیداوار Hg / فی ہیکٹر

۶۲،۶۵۹	۶۲،۶۳۲	۶۳،۵۲۹	۶۲،۰۵۰	چین
۳۳،۶۸۲	۳۳،۸۳۶	۲۹،۵۰۳	۲۷،۶۳۱	بنگلہ دیش
۱۹،۰۲۳	۲۱،۱۵۵	۱۷،۸۸۳	۱۸،۲۶۲	کمبوڈیا
۲۹،۱۳۵	۳۲،۳۶۱	۲۸،۸۰۵	۲۸،۲۲۶	ہندوستان
۶۵،۸۲۳	۶۷،۰۲۳	۶۲،۱۸۸	۶۵،۴۰۲	جاپان
۲۸،۸۱۹	۳۰،۳۱۲	۲۸،۹۳۰	۲۸،۶۸۵	پاکستان
۳۲،۷۹۷	۳۰،۶۸۱	۲۶،۹۸۳	۲۸،۵۵۸	فلپائن
۲۵،۹۷۱	۲۶،۲۳۹	۲۳،۶۵۳	۲۳،۰۹۷	تھائی لینڈ
۲۵،۵۰۷	۲۲،۲۳۲	۳۹،۵۸۵	۳۷،۶۸۹	ویت نام

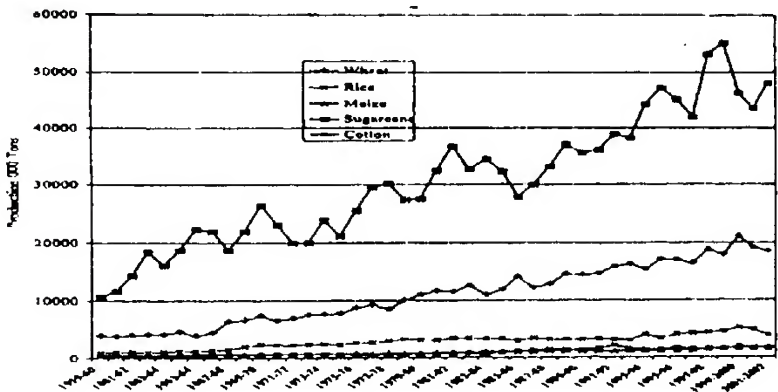
(ن) کل پیداوار (میٹرک ٹن)

۱۷۶،۵۵۳	۱۸۹،۸۱۳	۲۰۰،۵۷۱	۱۷۹،۰۳۲	چین
۲۸،۱۳۳	۳۷،۶۲۷	۲۹،۸۵۷	۲۸،۱۸۳	بنگلہ دیش
۳،۷۴۰	۴،۰۲۶	۳،۵۰۹	۳،۴۰۳	کمبوڈیا
۱۱۶،۵۸۰	۱۳۱،۶۱۳	۱۲۹،۰۵۵	۱۲۲،۵۰۰	ہندوستان
۱۱،۱۱۱	۱۱،۸۶۳	۱۱،۲۰۰	۱۲،۹۳۰	جاپان
۶،۳۳۳	۷،۲۰۳	۷،۰۱۱	۶،۴۵۷	پاکستان
۱۳،۲۷۰	۱۲،۲۸۹	۸،۵۵۳	۱۱،۲۸۳	فلپائن
۲۵،۹۳۵	۲۵،۶۰۸	۲۳،۴۵۰	۲۲،۳۳۱	تھائی لینڈ
۳۴،۰۶۳	۳۲،۵۲۹	۲۹،۱۳۵	۲۲،۳۹۶	ویت نام

گوشوارہ نمبر ۷۷ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دنیا، چین اور پاکستان میں ایک مثبت رجحان گندم کے زیر کاشت رقبے میں کمی کا ہوا لیکن اس کی فی ہیکٹر پیداوار میں اضافہ ہوا جبکہ

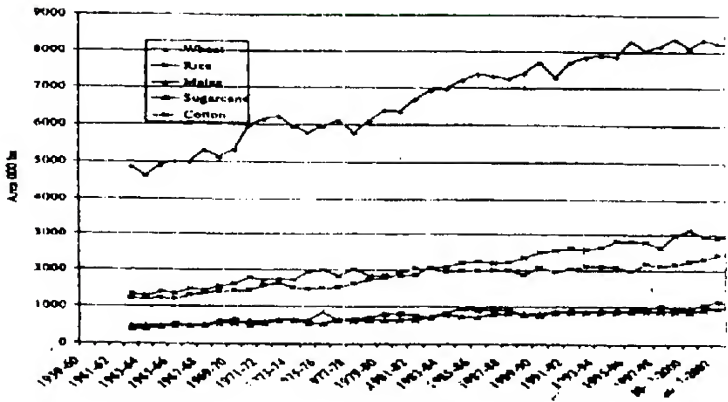
ہندوستان میں رقبہ اور فی ہیکٹر پیداوار دونوں میں اضافہ ہوا۔ پیداوار میں یہ اضافہ جدید ٹیکنالوجی (کیمیائی کھاد، بیج) کے استعمال کی وجہ سے ہوا اور اس طرح فالتو زمین پر دوسری فصلات کی کاشت کی گنجائش پیدا ہوئی۔ چاول کی پیداوار میں بھی ایک مثبت رجحان گندم کی طرح واقع ہوا یعنی زیر کاشت رقبہ میں کمی لیکن پیداوار میں اضافہ جو خاص طور پر چین، جاپان اور پاکستان میں بہت نمایاں ہے (گوشتوارہ نمبر ۳، ۷)۔ تاہم چند ممالک جیسے بنگلہ دیش، ہندوستان، فلپائن، تھائی لینڈ (جہاں چاول بطور اصل غذا Staple food استعمال ہوتے ہیں)، ان ممالک میں رقبہ اور پیداوار میں گذشتہ ۴۴ سالوں میں بہت اضافہ ہوا۔

مزید برآں جب ہم پاکستان میں پائے جانے والے اس تفاوت کو دیکھتے ہیں جو اس ملک کی گندم اور چاول کی پیداوار میں بمقابلہ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے ہے تو ہمیں بہت روشن امکانات نظر آتے ہیں کہ ہم جدید ٹیکنالوجی اور اپنے کسانوں کی ذہنی اور عملی تربیت کے ذریعے اس تفاوت کو دور کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ گذشتہ ۶۰ سالوں میں پاکستان میں گندم، چاول، گنا اور دیگر بہت سی فصلات بشمول پھلوں کی پیداوار میں بہت نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ جس سے اس میدان میں مزید کام کے ذریعے زیادہ پیداوار کا حصول ممکن ہے۔



خاکہ نمبر ۷

پاکستان میں مختلف فصلات کے لیے رقبہ میں اضافے کا جائزہ



خاکہ نمبر ۷

پاکستان میں مختلف فصلات کی پیداوار میں اضافے کا جائزہ

خاکہ ۷ اور ۷۵ء یہ واضح کرتی ہیں کہ پاکستان میں ۶۰-۱۹۵۹ء سے لے کر ۲۰۰۲ء کے درمیان مختلف بڑی فصلات (گندم، چاول، مکئی، گنا اور کپاس) کی پیداوار میں ایک نمایاں اضافہ ہوا، اگرچہ ان تمام فصلات کی پیداوار میں اس حد تک اضافہ نہیں ہوا جو ان سے حاصل کیا جاسکتا ہے، (بمقابلہ دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک کے)۔ ان اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف فصلات کے رقبے کے لیے مختص شدہ رقبہ اور اس میں پیداواری صلاحیت کے بڑھنے کے بہت روشن امکانات ہیں (Khan, et al 2003)۔ ہمیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اجناس کی پیداوار میں اضافہ کسانوں کی تربیت کے ذریعے بہ آسانی کیا جاسکتا ہے جو کہ اپنی جگہ ایک مثبت سرمایہ کاری ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنے قیمتی مالی ذرائع کو برتھ کنٹرول جیسی منفی تحریکوں کو پروان چڑھانے میں صرف کریں اور وہ بھی اس صورت میں کہ خود مغربی ممالک کے اعداد و شمار اس بات پر گواہ ہیں کہ وہاں یہ تحریک کوئی مثبت نتائج دکھانے میں کامیاب نہیں ہو سکی بلکہ ان کے برعکس ان ممالک میں اخلاقی انحطاط اور جنسی اتار کی کاسب سے بڑا سبب ضبط ولادت کی یہ تحریک ہے۔

خوراک کی فراہمی کے موضوع سے متعلقہ ایک اور پہلو زمین سے بہترین انداز میں استفادہ کرنے کی صلاحیت کا ہونا ہے جسے Land utilization کہتے ہیں۔ گوشوارہ نمبر ۷۷ میں پاکستان میں ۸۸-۱۹۸۷ء سے لے کر ۲۰۰۱-۲۰۰۰ء تک کے اعداد و شمار کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ (Anon, 2002)۔ ان اعداد و شمار میں دو پہلو بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ ہم پاکستان کے کل زمینی رقبے میں سے اس رقبے کو زیادہ زیر کاشت (Total reported area) لائیں بمقابلہ اس رقبے کے جو ابھی تک زیر کاشت نہیں لایا جاسکا۔ (Total uncultivated area) کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے اس کام کو بہ آسانی سرانجام دیا جاسکتا ہے لیکن گزشتہ ۶۰ سالوں میں جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے ہم نے زیادہ رقبے کو زیر کاشت لانے کی بہت کم کوشش کی ہے۔ رقبے کو زیر کاشت لانے کے اس مسئلے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ پاکستان کے کل رقبے کا بہت بڑا حصہ وہ ہے جسے Culturable waste کہتے ہیں اور یہ رقبہ جنگلات پر مشتمل ہے جو قومی سطح پر بہت زیادہ توجہ کا مستحق تھا، لیکن اس کی جانب بھی کما حقہ توجہ نہیں دی گئی۔ ۵۳.۱ ملین ہیکٹر اس رقبے میں سے گزشتہ ۵ سالوں میں جو معمولی رقبہ ہم زیر کاشت لاسکے ہیں وہ ہماری غفلت اور لاپرواہی کا ایک شاہکار ہے۔ اسی طرح کل رقبے کا ایک بڑا حصہ جو ناقابل کاشت (Not available for cultivation) ہے، اس رقبے میں بہت سا رقبہ پہاڑوں، پہاڑی سلسلوں یا دریا کے کنارے یا دریاؤں کی گزرگاہوں (کچے کا علاقہ) پر مشتمل ہے۔ اگرچہ یہ ایک بہت عظیم منصوبہ ہے کہ ہم اس میں سے کس قدر رقبے کو زیر کاشت لاسکتے ہیں یا لائیو سٹاک فارمنگ/ جنگلات لے سکتے ہیں استعمال کر سکتے ہیں اور اس پر اخراجات کا تخمینہ بھی بہت زیادہ ہو سکتا ہے لیکن بھوک اور فاقے سے لاکھوں افراد کو مرنے سے بچانے کے لیے اس پر جس قدر بھی محنت اور رقم خرچ کی جاسکتی ہو، اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

ایک اور اہم پہلو جس سے ہم اپنی زمین کی پیداواری صلاحیت میں بہت زیادہ اضافہ

کرتے ہیں وہ زیر کاشت رقبے کو بار بار استعمال کرنا (فصلات کا ہیر پھیر یا Cropping intensity) ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ایک خاص رقبے سے ایک سال میں کتنی مرتبہ کاشت کرے فصلات کی پیداوار حاصل کی جاسکتی ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں یہ شرح ۳۰۰ فی صد ہے جبکہ پاکستان میں اس کی شرح صرف ۱۲۰ فی صد ہے یعنی ہم اپنی زمین کو سالانہ صرف ۱۲ = ۱ بار فصلات کی کاشت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں جدید ترین ٹیکنالوجی اور زراعت کے ترقی دادہ طریقوں سے اس شرح کو اس حد تک بڑھالیا گیا ہے جبکہ ہمیں ابھی اس جہت میں بہت زیادہ محنت اور کام کرنے کی ضرورت ہے۔

درج بالا حقائق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

« دنیا میں زمین کی قلت کا کوئی مسئلہ نہیں۔

« دنیا میں بڑھتی ہوئی آبادی کو رزق مہیا کرنے کے بہت زیادہ امکانات ہیں۔

« پاکستان میں زمین کی فی ہیکٹر پیداوار میں اضافے کے بہت زیادہ اور روشن امکانات

ہیں۔ اس طرح ہم ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے میں ہم اپنی پیداواری صلاحیتوں میں

۳ سے ۴ گنا اضافہ بہ آسانی کر سکتے ہیں۔

« دنیا میں خوراک کی کمی کی وجہ سے کسی قسم کے قحط یا معاشی انحطاط کا مستقبل بعید تک کوئی حقیقی خطرہ نہیں۔

ن حقائق کی روشنی میں عقلی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ضبط ولادت کے مختلف

طریقوں پر عمل کرنے کا کوئی فائدہ سوائے اس کے نہیں کہ غیر شادی لوگوں کی آزادانہ شہوت رانی

اور جنسی ہوس کی تسکین کی جائے، جس کے نتیجے میں نوعمر اور غیر شادی شدہ لڑکیوں میں ناجائز

حمل کی شرح میں اضافہ ہو۔

Area in Million hectors

www.KitaboSunnat.com

Years	Cultivated Area				Cropped Area		Uncultivated Area			
	Total Reported Area (3+7)	Total Cultivated Area (4+5)	Net Shown	Current Fallow	Total Cropped Area (4+7)	Area Shown More than Once	Total Uncultivated Area (9+10+11)	Culturable Waste	Forest	Not Available for Cultivation
1	2	3	4	5	6	7	8	9	10	11
1987-88	57.78	20.66	14.72	5.94	19.52	4.80	37.12	9.62	3.46	24.40
1990-91	57.61	20.96	16.11	4.85	21.82	5.71	36.65	8.85	3.46	24.34
1993-94	58.13	21.51	16.22	5.29	21.87	5.65	36.62	8.74	3.45	24.43
1996-97	59.23	22.05	16.49	5.56	22.73	6.24	37.18	9.06	3.58	24.54
1999-00	59.28	21.96	16.29	5.67	22.74	6.45	37.32	9.09	3.78	24.45
2001-02	59.33	22.27	15.67	6.60	22.12	6.45	37.06	8.95	3.80	24.31

Area in Million hectares

گوشوارہ نمبر ۷۷

پاکستان میں زمین سے استفادے کے اعداد و شمار

۲۶۳

References

a. Arabic and other Islamic literature cited frequently.

- » Abu Abdullah, Shmas-uddin Azhabi 748 H. Tazkarat-ul-Huffaz. Dairi tul Maarif Uthmania, Hyderabad Daccan, India
- » Abu Daud, Sulayman Ibn Ashas 275 H. Sunnan-i-Abu Daud (English translation by Ahmed Hassan). Sheikh Muhammad Ashraf. Publishers Lahore (Pakistan)
- » Abu Hanifa, Nauman bin Thabat 150 H. Musnad-i-Abi Hanifa. Dar-ul-Kautab Ul-Ilmiah, Beirut (1985).
- » Abu Waleed Muhammad bin Ahmed bin Rashud-ul-Qurtabi 595 H. Bidayat-ul-Nihaya. Beirut
- » Ahmed bin al-Hussain, Al-Bahaqui, Abu Bakr 1352 AH. Sunan-al-Kubra, Hyderabad
- » Al-Bukhari, Abu Abdullah Muhammad bin Ismail 250 H. Sahih Bukhari, Vol-I & III (Urdu translation by Allama Wahid-uz-Zaman)
- » Al-Ghazali, Abu Hamid Muhammad 505 H. Ahaya-i-Aloom-ud-Din (Translation by Muhammad Siddique Hazarvi) Vol-I Progressive Books Lahore (Pakistan)
- » Al-Manawi, Abdul Rauf 1029 H. Faiz ul Qadeer Sharah al Jann al Sagheer. Dar-al-Marfah Beirut.
- » Al-Nisai, Abu Abdul Rehman Ahmed bin Shoaib 303 H. Sunnan-i-Nisai, Vol-III, (Translation by Maulana Dost Muhammad). Hamid & Company Lahore (Pakistan)
- » Aloosi, Abul Fazal Shahabuddin Syed Muhammad 1370 H. Rooh-ul-Maani (Tafseer) Idara-i-Tabat-ul-Munaria, Egypt
- » Al-Sayuti, Jalal ud din Abdur Rehman 911 H. Sharah Muwata Imam Malik
- » Al-Tabri, Abu Jaffar Muhammad Ibn Jarir 1310 H. Tareekh-al Tibri, Cairo (1955)
- » Al-Tabrizi, Wali ul-din Muhammad bin Abdullah 737 H. Mishkat Sharif Vol-II Maktaba Rahmina Lahore (Pakistan)
- » Al-Tirmidhi, Muhammad bin Isa 279 H. Al-Jami al-Tirmidhi Karachi (1984)
- » Ibn Hajr Asqalani, Shahabuddin Muhammad 852 H. Fateh ul Bari bib Sharah Sahih al-Bukhari. Makkah: al Maktaba al-Tijarayyah (1993).
- » Ibn Hanbal, Abu Abdullah Ahmed 241 H. Musnand-i- Ahmed bin Hanbal. Darul-Fikr, Mecca. (1991).

- » Ibn Kathir, Imaduddin Abu-al Fida Ismail 774 H. Al-Bidayatul-Nihaya fi Tareekh, Egypt
- » Ibn Maja, Abu Abdullah 273 H. Sunnan ibn Maja (Urdu/Arabic) 1983. Farid Book Stall Lahore (Pakistan)
- » Ibn-i-Qayyem al-Jauzia, Shamas ud Din Abu Abdullah Muhammad bin Abu Bakr 751 H. Zaad-ul-Muaad, Vol-III (Translation by Sayed Raees Ahmed Jafri, Nafees Academy, Karachi (1983)
- » Ibn-i-Tayammia, Taqi-uddin Ahmed 728 H. Fatawaii Ibn-i -Tayammia. Dar-e-Ilam-ul-Kutab, Riyadh, Saudi Arabia. (1991)
- » Ibn-Quddama, Abu Abdullah bin Muhammad 620 H. Al-Mughani. Maktabur-Riyadhul-Haditha, Riyadh, Saudi Arabia.
- » Imam Muslim, Abu al Hussayn 261 H. Sahih Muslim. Vol-I (English translation by Professor Abdul Hameed Siddiqui) Sheikh Muhammad Ashraf, Publishers Lahore (Pakistan)
- » Malik ibn Anas 179 H. Muwata Imam Malik. (English translation Rahim uddin) Sheikh Muhammad Ashraf, Publishers Lahore (Pakistan)
- » Maududi, S.A.A (1999a,b,c,d,e,f). Meaning of the Quran. Vol-I-VI. Islamic Publications (Pvt), Lahore. Pakistan.
- » Muhammad bin Ali-Shoukani 1250 H. Fateh-ul-Qadeer. Dara-ul-Maarifa, Beirut
- » Shah Wali Ullah Dehlvi 1176 H. Hujja-u-Allah Al-Balighah (Urdu translation by Abdul Rahim, Lahore (1983)
- » Shaikh Mohammad bin al-Hassanal-Hiralam. Wasail ul Shiat. Maktaba-ul-Islamia, Tehran, Iran. (19966)

b. English

- » Abu Mujahid, 1999. The girl friend - boy friend relationship. Part-II How to deal with G-B relationship. On line: <http://www.understandingislam.tripod.com/girlfriend.html>
- » Ahmed Sharabassy, 1974. Islam and Family Planning. A Faithful Translation of the Arabic edition of the proceedings of the International Islamic Conference held in Rabat (Morocco), December, 1971 Vol-II:1-21. The International Planned Parenthood Federation Middle East and North Africa Region. Beirut, Lebanon.
- » Albert Ellis, 1962. The American Sexual Territory. A Black Cat Book, Groveless Inc. Incorporated New York.
- » Aldous Huxley, 1959. Brave New World Revisited p. 27. Chetts and Windus, London,.
- » Alexander McKay, 2001, Common Question about Sexual Health Education. Sieccan Newsletter, 35 (1): 129-135.

- » Alexis Carrel 1948 Man, The Unknown. Hamish Hamilton London
- » Alison Hadley 1998. How to cut teenage pregnancy: The Moralists think that open talk about sex just encourages promiscuity. International evidence shows they are wrong. New Statesman July 3, 1998.
- » Amatullah Islam, 1999. The girl friend - boy friend relationship. Part I Preventing the girl friend - boy friend relationship. On line: http://www.understandingislam.tripod.com/gril_friend.html
- » Amina Al Said, 1974. Islam and Family Planning. A Faithful Translation of the Arabic edition of the proceedings of the International Islamic Conference held in Rabat (Morocco), December, 1971 Vol-II:100. The International Planned Parenthood Federation Middle East and North Africa Region. Beirut, Lebnon.
- » Anon, 1974 The Holy Bible (Old & New Testament). The Revised Berkeley Version from original language. The Gidons International, Zondervan Publishing House.
- » Anon, 1979 "Sexology" in Great Soviet Encyclopedia, a translation of the third edition, vol-23:409-410. The Macmillan, Inc, New York.
- » Anon, 1985. "Birth Control" New Encyclopedia Britannica, Vol 15,118,120 Encyclopedia Britannica Inc, Chicago".
- » Anon, 1986. Report on Sex Education. Times Magazine November 24, 1986.
- » Anon 1987. Sex Education at School. Circular 11/87 Department of Education and Science (DES), London.
- » Anon, 1989. American Academy of Pediatrics. Task Force on Circumcision. Report of the Task Force on Circumcision. Pediatrics; 84: 388-91.
- » Anon, 1990. Healthy People 2000: National Health Promotion and Disease Prevention Objectives. Department of Health and Human Services. DHHS. Pub. No.91-50212, U.S. Govt. Printing Office: Washington DC.
- » Anon, 1991. Sex Education in the School Curriculum. The Religious Perspective-An Agreed Statement. The Islamic Academy and Department of Education, University of Cambridge, UK.
- » Anon, 1993. The Macmillan Health Encyclopedia
- » Anon, 1993a. Condoms and their use in preventing HIV infection and other STD's. Centre for Disease Control and Prevention. July 30; p-3.
- » Anon, 1994. Sex and America's Teen-agers. The Alan Guttmacher Institute, New York.
- » Anon, 1994a. Health Canada:13

- » Anon, 1994b. To Mutilate in the Name of Jehova or Allah. Legitimization of Male and Female Circumcision. Institute of Comparative Law, Doregny, 1015 Laus Anne, Switzerland
- » Anon, 1995. Online: <http://www.lehigh.edu/~srp2/sexedu2.html>
- » Anon, 1995a. Youth Risk Behavior Surveillance-United State, 1993. Morbidity and Mortality Weekly Report 1995: 44: 1-56. Center for Diseases Control and Prevention
- » Anon, 1995b. HIV Aids Surveillance Report. Center for Disease Control Provention. 6:14.
- » Anon, 1995c. American Academy of Pediatrics Committee on Bioethics. Informed consent, parental permission, and assent in pediatric practice. Pediatrics; 95 (5 pt 1): 314-7.
- » Anon, 1995d. Policy statement on neonatal male circumcision. Australian College of Peadiatrics.
- » Anon, 1996. Teaching fear __ the Religious Right's Campaign Against Sexuality Education Focus on Faith. USA.
- » Anon, 1996a. Neonatal circumcision revisited. Fetus and Newborn Committee, Canadian Paediatric Society. Canadian Med Ass J; 156; 154: 769-780.
- » Anon, 1996b. Section 510, Title V of the Social Security Act (Public Law 104-193) Vide Towards a Sexually Healthy America.
- » Anon, 1997. Youth Risk Behavior Surveillance System-National College Health Risk Behavior Survey, 1995, Morbidity and Mortality Weekly Report Vol 46 (14).
- » Anon, 1997a. Sexual Health Education Does Lead to Safer Sexual Behavior. Press Release October 22, 1997. Joint United Nation Programmes HIV/Aids.
- » Anon, 1998. US Bureau of the Census, Statistical Abst. of the US. 1998 (118th Edition) Washington DC. Pp. 112.
- » Anon, 1998a. Drug facts: America's Future Depends on How You React. Kids Link, Fall 1998. Volume 1, No. 1: 1
- » Anon, 1998b. Society of Obstetricians and Gynecologists of Canada. The Canadian Journal of Human Sexuality Volume-III (Fall, 1999).
- » Anon, 1998c. An Islamic Perspective of Sexuality. Muslim Women's League (MWL) USA
- » Anon, 1998f. Single school education Woodberry Forest School. On Line: <http://www.woodberry.org/geninfo/singlesex.htm>
- » Anon, 1998g, Time Magazine, issue June 15, 1998.
- » Anon, 1998h. Eight tips for dealing with your child's teenage years. On line: <http://www.themodrenreligion.com/index2.html>

- » Anon, 1999. Mothers Against Drunk Driving (MADD). Research on youth: Drinking and other drugs.
- » Anon, 1999a. Report on the working group on sex education in Scottish schools. Online:
<http://www.Scotland.gov.uk/library2/doc16/Sces-oo.asp>
- » Anon, 1999b. The Newzland Help Network Sexual Health and Education.
- » Anon, 1999c. A study commissioned by the American Association of University Women, prepared by the Wellesly College Center for Research entitled "how schools shortchange girls".
- » Anon, 1999d. Contraception Counts: State By State Information. Alan Guttmacher Institute USA.
- » Anon, 1999e. Canadian Contraception Study. Part-I: Introduction, Methodology and Demographic Characteristics of Respondents the Canadian Journal of Human Sexuality Volume-VIII (Fall, 1999): 163.
- » Anon, 1999f. Canadian Contraception Study. Part-V: Condom use among Canadian women: Practices and Opinions. The Canadian Journal of Human Sexuality Volume-VIII (Fall, 1999): Pp 189.
- » Anon, 1999g. Canadian Contraception Study. Part-VI: Oral Contraceptive Use Among Canadian Women: Practices and Opinions. The Canadian Journal of Human Sexuality Volume-VIII (Fall, 1999): 183.
- » Anon, 1999h. Youth Risk Behavior Surveillance Systems - United State 1999, Morbidity and Mortality Weekly Report June 9, 2000 Vol 49, Number SS-5
- » Anon, 1999i. Study released by the Kaiser Family Foundation. Menlo Park CA 94025.
- » Anon, 1999j. Al-Jamait Publication. Jamait - U-Ulama, website jamait.org.za
- » Anon, 2000. Sex Education in America: A view from inside the Nation's Classrooms. The Kaiser Family Foundation. Menlo Park, CA.
- » Anon, 2000a. Answers to Today's Dilemma's and Problems Reproductive Issue. A-Fertility Regulation. Online:
<http://www.islamzine.com/current/>
- » Anon, 2000b. Sex and Relationship Education: Guidance. DFEI Publication. Department for Education and Employment, Nottingham NG UK.
- » Anon, 2000c. A Quote of Vera S. Paster in "What you should tell your child about sex and love. Abony, February.
- » Anon, 2001. Egypt: Controversy over sex education in school. Weekly

Akhbar "Al-Yom", February 11, 2001.

- » Anon, 2001a. On Issues and Answers: Fact Sheet on Sexuality Education - SIECUS Report Vol. 29 No. 6: August-September 2001.
- » Anon 2002. Agricultural Statistics of Pakistan, Govt of Pakistan Islamabad
- » Anon 2003. Census Bureau, International Database and the World Fact Book
- » Asdell A.S., 1969. Historical introduction in Reproduction of Domestic Animals 1st Chapter by Cole H.H and P.T. Cupps. Academic Press New York.
- » Augustine, St., 1948. Basic Writings, ed. Whitney Oates. Random House New York.
- » Badger J. 1989. Circumcision: What you think. Australian Forum; 2 (11):10-29
- » Badger J. 1989a. The great circumcision report part 2. Australian Forum; 2 (12): 4-13
- » Barbara Dafoe Whitehead, 1994. The Failure of Sex Education. The Atlantic Monthly, October. 33-80.
- » Bartels, C. et al. 1994. Federally Funded Abstinence - Only Sex Education Programmes: A Meta - Evaluation. A paper presented at the 5th Biennial Meeting of Society for Research on Adolescence, San Diego, CA, Feb. 11, 1994.
- » Baer, Richard A. Jr. 1982. Teaching Values in School. American Education Vol. 18, No. 9: 11-17, November 1982.
- » Bellanger M. 1998 Family Planning and Sex Education in France. Paper presented to the European Study Tour. Paris.
- » Bertrand Russell, 1954. Principles of Social Reconstruction. Allen & Unwin, London, p. 124.
- » Bertrand Russell, 1970. Marriage and Morals New York.
- » Beshavor Douglas and Karen Gardiner, 1993. Teen Sex, the American Enterprise Vol. 4, Issue 1; 52-59, January, 1993.
- » Bigelow, M.A. 1962. Sex education. Encyclopedia of Social Sciences. 4th printing volume 13:8-10 (Editor-in-Chief, Edwin RA Selgman). The Macmillan New York
- » Bongaarts J, P Peining, P Way and F Conont, 1989. The relationship between male circumcision and HIV infection in African populations AIDS; 3: 373-7.
- » Braken. D. 1998. Sex Education: the Dutch Approach. Paper presented to the European Study Tour by the Director of Education. Utrecht: Rutgers Stichting.

- » Brain J. Morris, 1999. Medical benefits of circumcision: a review. Online://www.physiol.usyd.edu.au/brianm/circumcision/htm
- » Bryan Appleyard, 1999. Circumcision hailed as way to curb AIDS. The Sunday Times, UK. Online: <http://www.sunday-times.co.uk>
- » Caldwell J.C, P Caldwell 1996. The African AIDS epidemic. Sci Am; 274: 40-46.
- » Carlton W. Veazey, 2000. Interfaith Religious Coalition for Reproductive Choices Black Church Initiative (Quoted by Lotus Palmer, 2001 in Sex Education in Church) Religious News Service
- » Caron S. L. 1998. Cross-Cultural Perspectives on Human Sexuality. Boston: Allyn & Bacon.
- » Christine B. Whelan, 1998. Singles (single sex classroom). National Review, Inc. September 14, 1998.
- » Cole H. H. and P. T. Cupps, 1969. Reproduction in domestic animals. Chapter-I Historical Introduction by A. S. Asdell. Academic Press, New York USA.
- » Coles, R. and F. Stokes, 1985. Sex and the American teen-agers., Harper and Row, New York
- » Colley, A., C., Comber and D.J. Hargreavs, 1994. School subject preferences of pupils in single sex and co-educational secondary schools. Educational Studies, 20 (3) 379-385.
- » Dahr GM, G.N Sah, B Nahees, Hafiza 1993. Epidemiological trend in the distribution of cancer in Kashmir Valley. J Epidemiol Comm Hlth;47: 290-2.
- » Dailard, C. 2000. Fueled by campaign promises, drive intensifies to boost Abstinence-only education funds. The Gutmatcher Report on Public Policy Vol.3(2) April 2000)
- » Darroch, Jacqueline, B. etal. 2000. Changing Emphasis in Sexuality Education in US Secondary Public School, 1988-1999. Family Planning Perspective 32 (5), 204-211 and 265.
- » Deborah, M. Roffman. 2001. Whose Values? What Values - Excerpts with Author's permission from "Sex and sensibility": The thinking parent's Guide to talking sense about sex. Perseus Publishing 2001 (in press).
- » Dennis Tucker 1998. Abstinence - based sex education under attack. Online: <http://free.prohosting.com/~tfactor/morality/...Abstinence-basedSexEducation-Tucker.html>
- » Diclement, R.J.; M. Durbin, and D. Sigel. 1992. Determinants of condom use among junior high school students in a minority, inner -

city school district. Pediatrics 89: 197-202.

- » Dodge O.G and CA Linsell 1963. Carcinoma of the penis in Uganda and Kenya. Africans Cancer; 18: 1255-63.
- » Dolores Ashcroft Nowicki, 1999. Sex in Ancient Cultures---- Sex in Modern Times. Online: <http://www.innernesself.com/magazine/sex-talk>.
- » Donovan. B., I. Basset and N.J Bodsworth, 1994. Male circumcision and common sexually transmissible diseases in a developed nation setting. Genitourin Med 70:317-20.
- » D, Oyem, F.M, 1996. The Miracle of Life: A Guide on Islamic Family Life and Sex Education for Young People. The Islamic Foundation, Leicester, UK.
- » Dryburg, H. 2000. Teen Age Pregnancy Health Reports 12; 9-19
- » Dryfoos, J 1985. What the United States can learn about prevention of teenage pregnancy from other developed countries. SIECUS Report 14:1-7.
- » Ellis, A., and A. Abarbanal 1963. The Encyclopedia of Sexual Behavior 2nd ed vol 1-2 New York
- » Emilio J.D. and E. Freedman, 1988. Intimate Matters: A History of Sexuality in America. Harper and Row, New York.
- » Ernest Jones, 1986 Article on Freud the Encyclopedia Americana Vol-12 83-87 Grolier Inc., Danbury Connecticut, USA
- » Fakjian N, S Hunter and GW Cole 1990. An argument for circumcision. Prevention of balanitis in the adult. Arch Dermatol; 126: 1046-7.
- » Fink A.J. 1990. Newborn circumcision: a long-term strategy for AIDS prevention. J Roy Soc Med; 83: 673.
- » Francis Place, 1930. Illustrations and Proofs of the Principles of Population, including an examination of the proposed remedies of Mr. Malthus, and a reply to the objections of Mr. Godwin and others, edited by Norman E. Himes Houghton Mifflin Company, Boston.
- » Fred Hellinger, 1992. Forecasting of the Cost of Medical Care for Persons with HIV: 1992-199. Inquiry Vol.29, No. 3: 356-365, Fall 1992.
- » Gag Cox G. 1995. De virginibus Puerisque: The function of the human foreskin considered from an evolutionary perspective Med Hypoth; 45: 617-621.
- » Galalakshmi C.K. and V. Shanta 1993. Association between cervical and penile cancers in Madras, India. Acta Oncol; 32: 617-20.
- » Geroge F. Gilder, 1975. Sexual Suicide. Bantom Books, New York
- » Gianotten W.L., 1995. Teenage Pregnancy and Abortion in the

Netherlands. Utrecht: Rutgers,.

- » Ginsburg C.M. and G.H. McCracken Jr., 1982. Urinary tract infections in young infants. Pediatrics; 69: 409-12.
- » Goldberg B.Z., 1930. The Sacred Fire. The Story of Sex in Religion. Horace Liver Igit, New York.
- » Green Blat, B.R. 1964. A Doctor's Marital Guide to Patient, USA
- » Gruseit, A., and S. Kippax, 1993. Effects of Sex Education on Young People's Sexual Behavior. World Health Organization, Geneva.
- » Greenblat, B.P 19964. A Doctors Marital Guide to patients. Bedlong Press, Company, Chicago, Illinois, USA.
- » Haeberle J. Erwit, 1983. The History and Concept of Sexology 4- 2: Online: <http://www.sexuality.org/1/sex/sexolist.html>
- » Hassan Hathout, 1998. Female circumcision is not required by Islam. Islamic Center of South California.
- » Hassan Hathout 2000 Obstetrics and Gynaecology Chapter 5. Sex. Islamic Organization for Medical Sciences (IOMS), State of Kuwait
- » Havelock Ellis, 1937. Studies in Psychology of Sex Volume-I. Random House New York.
- » Havelock Ellis, 1942. Studies in Psychology of Sex Volume-I. Random House New York.
- » Heape W 1900. Quart. J. Microscope. Sci. 44:1
- » Henshaw, S.K 1998. Unintended Pregnancy in United States. Family Planning Perspective 30:24-29 & 46.
- » Hodge, R. Lewis 1992. Myriad of Values: A brief history. Paper presented at the annual conference of the American Educational Research Association. March 27-31, 1989, [San Francisco, CA.
- » Huma Ahmed, 1999 . Muslim college life; dating, drinking and de n. On line: <http://www.jannah.org/articles/dating.html>
- » Hunter D.J. 1993. AIDS in sub-Saharan Africa: the epidemiology of heterosexual transmission and the prospects of prevention (Review). Epidemiology; 4: 63-72.
- » Ioan Petru Cullianu 1986 Sexual rites in Europe Encyclopedia of Religion vol-13: 186-189 Macmillan publishing company New York
- » Iqra Trust, 1993. Religions, Ethnicity, and Sex Education: Exploring the issues. Compiled by Rachel Thomson. Sex Education Forum.
- » Iqra Trust, 1997. Faith and Sexuality: A discussion paper on sexual for Health and Community worker from four faith perspective. North West Lancashire Health Promotion Unit UK.
- » Issy Cole-Hamilton, 1997. Sex Education in Scotland Presentation to Conference: Sex Education for Children and Young People with visual

- impairment including those with multiple disabilities. March 11, 1997. The Royal Blind School, Edingburgh.
- » Roy Davidson, 1998. Carnal Knowledge: Ten Things most college students already know about sex____ Ten things they should know (Sex on Campus). Men's Fitness September.
- » Jacquelin Kirby, 1999. Single-parent families in poverty. The Ohio State University USA.
- » Jamal Zarabozo 1998. Is Family Planning allowed in Islam. Proceeding of Majma-al-Fiqh al Islamia Majallat Majuna-al-Fiqh al Islam Part-I Vol-v 1998/140, AH
- » Jane Pauly, 1995. Sex, Teens and Public Schools-a PBS Production as quoted by Peggy Vaughan and James Vaughan in their Book (<http://www.askpeggy.com/sex.html>)
- » Jerome and Julia Rainer, 1969. Sexual Pleasure in Marriage. A Panther Book
- » Khan M. A.; I. Ahmed, N. I. Hashmi and M. A. Matin 2003. Environment Analysis & Strategy for National Agricultural Research Centre, Islamabad - Pakistan
- » Kalusner Samuel. Z. 1972 Article "Sexual Behavior: Social Aspects". International Encyclopedia of the Social Sciences The Macmillan, Company, and the Free Press New York.
- » Karen Pryer Sallahuddin, 1998. Conflicting, values in Muslim teenagers in high school. Courtesy Islamzine.
- » Karen S. Petersen, 2000. Parents wants specific in teen sex education. USA Today, Sep 26, 2000).
- » Kay Allen 2000.
- » Ketting E, A.P Visser. 1994. Contraception in the Netherlands: the low abortion rate explained. Patient Education and Counseling; 23:161-171.
- » Kinsey A., W.B. Pomeroy., and C.E. Martin. 1953. Sexual Behavior in the Human Male. W.B. Saunders Company Philadelphia and London.
- » Kinsey A., W.B. Pomeroy., and C.E. Martin. 1953a. Sexual Behavior in the Human Female. W.B. Saunders Company Philadelphia and London.
- » Kirby, D., R. Barth., and N. Leland 1991. Reducing the Risk: a new curriculum to prevent sexual risk - taking. Family Planning Perspective 23:253-263.
- » Kirby, D. 1994. School Based Programmes to Reduce Sexual Risk - taking Behaviors: Sexuality and HIV/Aids Education, Health Clinics and Condom Availability Programmes, March 21, 1994.
- » Kirby, D., L. Short, and J. Collins. 1994. School - Based Programmes

to reduce sexual Risk Behaviors: A Review of Effectiveness. Public Health Reports; 109: 339-360.

- » Kirby, D. 1997. No Easy Answers: Research Finding on Programmes to Reduce Teen Pregnancy. National Campaign to Prevent Teen Pregnancy. Washington DC. P-27.
- » Kirby, D., 1999. Sexuality and Sex Education at Home and School Adolescent Medicine: State of Art Review 10(2:195-209).
- » Kirby, D. 2000, What does the research say about sexuality education? Educational Leadership, October, 2000, p.74.
- » Kirby, D. 2000a. Effective Approach to Reducing Adolescent Unprotected Sex, Pregnancy, and Childbearing. Report to the Surgeon General USA.
- » Klug, N. 1994. Is Sex Education in the Family Better Than its Reputation? Paper presented to FCHE Ist European Conference on Sexuality Education for Adolescents. Cologne, Germany FCHE.
- » Kochen M. and S. McCurdy 1980. Circumcision and risk of cancer of the penis. A life-table analysis. American J Dis Child; 134: 484-6.
- » Kock F. 1995. Sex Education in Germany, Yesterday and Today FCHE's Ist European Conference on Sexuality Education for Adolescents Bonn: FCHE.
- » Laumann, E., et al. 1994. The Social Organization of Sexuality. Sexual Practices in the United State. The University of Chicago Press. Chicago.
- » Lautmann R. K. Starke. 1997. In: Francoeur RT, ed. International Encyclopedia of Sexuality. New York: Continuum,
- » Lecky, W.E.H., 1897. History of European Morals. Appleton, New York.
- » Linda Berni and B. Huberman 1999. European Approaches to Adolescents Sexual Behavior and Responsibility. Advocates for Youth. Washington, DC
- » Louise Palmer 2001. Sex Education in Church. Religious News Service Correspondent. Lumann, 1994.
- » Mallam, W.A., 1993. Impact of school-type and sex of the teacher on female student's attitudes towards mathematics in Nigerian secondary schools. Educational Studies in Mathematics, 24 (2), 223-229.
- » Malthus Thomas Roberts 1793. A Essay on Population Volume-II. J.M. Dent and Sons Limited, London.
- » Mardiana Abu Bakar 1994. Female circumcision: a viewpoint. The Straits Time (the Sunday Times), October 30th, 1994. Marx JL, 1989. Circumcision may protect against the AIDS virus. Science; 245: 471-1.

- » Marshal F., 1910. The Physiology of Reproduction.
- » Mary Rose McGeary (Sister) 1991. God's Lost Children ____ The Shocking Story of America's Homeless Kids. Covenant House, 346 West 17th Street, New York.
- » Masters W. H., and Virginia E. Johnson, 1966. Human Sexual Response. Bantam Books, New York.
- » Masters W. H., and Virginia E. Johnson, 1970. Human Sexual Inadequacy. Bantam Books, New York.
- » Maududi, 1993. Birth Control; its social, political, economic, moral and religious aspects. Islamic Publications (Pvt) Ltd Lahore, Pakistan.
- » Maududi S.A., 1998. Purdah and the Status of Woman in Islam. Islamic Publications (Pvt) Ltd Lahore, Pakistan.
- » Maurice Bucaille, 2000. The Bible, The Quran and the Science. American Trust Publication USA.
- » McDowell, J. 1990. Myths of sex education. San Bernadino, CA: Here's Life Publishers, P. 10.
- » McKay and Holowaly, 1997. Online:
<http://sexeducenr.cenhost.com/physio4.htm>
- » McLoyd, V. C., T.E., Jayaratne, R., Ceballo. & J. Borquez (1994). "Unemployment and work interruption among African American single mothers: Effects on parenting and adolescent socioemotional functioning". Child Development, 65, 562-589.
- » Mircea Eliade 1986. Sexuality in the Encyclopedia of Religion. Vol-13:183-186 Macmillan publishing company New York
- » Michael J. Reiss and S. Abdul Mabud 1998. Sex Education and Religion. The Islamic Academy Cambridge, UK
- » Monroe, County 2001. Not Me, Not Now. 39-West Main Street, Rochester New York 14614.
- » Moor, K. L. and Abdul Majeed Azandani, 1983. The Developing Human. 3rd ed with Islamic Addition. Correlation Studies with Quran and Sunnah. W. B. Saunders Company London.
- » Morris L. Ernst, 1942. Preface in "Studies in the Psychology of Sex" by Havelock Ellis Volume-I, 1942 Random House New York.
- » Moses S. J. Bradley, N.J. Nagelkerke, A.R. Ronald, J.O. Ndinya-Achola and F.A. Plummer 1990. Geographical patterns of male circumcision practices in Africa: Association with HIV seroprevalence. J Epidemiol; 19: 613-7.
- » Moses S, F.A. Plummer, J.F. Bradley, J.O. Ndinya-Achola, N.J. Nagelkerke and A.R. Ronald 1994. The Association between lack of male circumcision and risk for HIV infection: a review of the

epidemiological data. Sexually Transm Dis; 21: 201-9.

- » M. Tufail, 1999. Islamic Sex Education? Sex in our society, sex in Islam and the hypocrisy of our society. An article written in response to an article "sex every where at chowk.from"
- » Muhammad Abu Saud, 1992. Sex roles in Muslim families in the US. Origin of the family: biological factor. On line: [http://www.islamicresources.com/sexeducation/sex roles in muslim families in the US.html](http://www.islamicresources.com/sexeducation/sex%20roles%20in%20muslim%20families%20in%20the%20US.html)
- » Muhammad El-Mekii-i-Nageri 1971. A View of Family Planning in the light of Muslim Legislation: In Islam and Family Planning. A Faithful Translation of the Arabic edition of the proceedings of the International Islamic Conference held in Rabat (Morocco), December 1971 Vol-II:I-21. The International Planned Parenthood Federation Middle East and North Africa Region. Beirut, Lebnon.
- » Muhammad Shaltut, 1974. Al-Fatawa: 330-334, Beirut, Cairo.
- » Muazzam M. G., 1962. History of the discovery of the mechnas in of reproduction and Revelations in the Holy Quran. Pakistan J. Sci. 14- (6): 281-297.
- » Muhammad Aftab Khan, 1990. Quran-i-Hakeem and Embryology (Urdu) Idara Matboot-i-Sulamani, Lahore (Pakistan).
- » Nuzhat Afza K Ahmad 1982. The Position of Woman in Islam. Islamic Book Publishers, Safat, Kuwait
- » Ohitni H, K. Ogata, & T. Ohjinni 1995. A new method for the relief of adult phimosis. J Urol; 153: 1607-9.
- » Oswald, Schwarz. 1957. The Psychology of Sex. Pelican Book
- » Pam Bushnell, and Lee Lucas, 2001. Some facts to be known to children. Online: <http://kidshealth.org/parent/positive/talk/sex.html>
- » Pamela Haag, 2000. K-12 single sex education: what does the research say. EDO-PS-00-9, September 2000 (based on Pamela Haag, 1998. Single sex education in grades K-12: what does the research tell us. American Association of University Women Educational Foundation, Washington DC.
- » Patrica Cayosexton 1969. The Feminized Male, White Color and the Decline of Manliness: 125-132, Random House, New York
- » Paul Pearsall, 1988. Super Marital Sex. Loving for Life. Ballantine Books, a division of Random House, Inc. New York.
- » Pepin J, M. Quigby, J. Todd, I. Gage, M. Jenneh, E. Van Dyck, P. Rot and H. Whittle H 1993. Association between HIV-2 infection and genital ulcer disease among male sexually transmitted disease patients in The Gambia. AIDS; 6: 489-93.

- » Philip W. Goetz 1985 Freud. The New Encyclopedia Britannica 15th ed, vol 19 Encyclopedia Britannica Inc. London
- » Priscilla Pardini, 1998. Federal Law mandates abstinence-only sex education: Fundamentalists successfully pushed Stealth legislation. Rethinking Schools, 2(4):16-18.
- » Rachel Benson Gold and Elizabeth Nash. 2001. State Level Policies on Sexuality, STD Education . The Allan Gutmacher Report on Public Policy, August 2001, Allan Gutmacher Institute.
- » Rademakers J. 1998. Sex Education Research in the Netherlands. Paper presented European Study Tour. Leiden, Netherlands: NISSO,
- » Ralham, O.P, 1997 Social and Culture Life in Punjab: Female Infanacide. Encyclopedia of Sikhism Vol-II: 651-655. Anmol Publication (Pvt) Ltd New Dehli.
- » Randy Engel. 1998. Sex Education --- The Final Plague. Online: <http://www.catholictreasures.com/descrip/10690.html>.
- » Richad Johnson, 1996. Sexual Dissonances or the impossibility of sexuality education. Curriculum Studies Vol.4 (2): 163-189
- » Richard Dinah, 1990. Has sex education failed our teen-agers?. Colorado Springs. A research report, Focus on the Family Publishing: 59-60.
- » Rizvi S.M., 1993. Marriage and Morals in Islam. Toronto, Canada.
- » Rizvi S.S.A., 1980. The Family Life of Islam. World Organization for Islamic Service Tehran, Iran.
- » Rosenberg, P.S., and R.J. Goedert 1994. Declining age at HIV infection in United State (Letter) New England Journal of Medicine 330: 789-790.
- » Roy Ridgway, 1990. Caring for your Unborn Child. How to give your baby the best possible start in life. Thorsons Publishers Limited, Welling Borough, Northamptonshire, England.
- » Russel T., 1993. The case for circumcision. Med Observer (1 Oct Issue).
- » Sachs 1998. Family Planning and Sex Education in France. Paper presented to the European Study Tour Paris.
- » Sarwar, G. 1996. Sex Education: The Muslim Perspective. 3rd ed Muslim Education Trust London.
- » Samana Siddique, 1999. Muslim school Verses public school. Sound Vision
- » Saul R. 1998. Whatever Happened to the Adolescent Life Act Gutmacher Report on Public Policy Vol. 1(2) April 1998).
- » Schmittroth L. (Ed.) (1994). Statistical record of children. Detroit:

Gale Research Inc.

- » Schoen E.J., 1990. The status of circumcision of newborns. New England J. Med; 332:1308-12.
- » Schoen E.J., 1993. Circumcision updated-implicated? Pediatrics 92:860-861.
- » Shahid Athar, 1992. Sex education: and Islamic perspective. A lecture at Ohio State University USA.
- » Shibaeva, A.N. 1979. Sex education: in Great Soviet Encyclopedia. vol-20:
- » Short and Szabo, 1999. Vide Bryan Appleyard (1999).
- » Simonsen J.N.M., D.W. Cameron., N.M. Gakinya., J.O. Ndinya-achola., L.J. D'Costa and P. Karasira, 1988. HIV infection among men with STD's. New England J. Med; 319:274-278.
- » Simpson G. Marr 1936 Sex in Religion: An Historical Survey. George Allen and Unwin Limited London.
- » Sorokin, P.A. 1956. The American Sexual Revolution, Boston USA
- » Stamp Dudley 1960. Our Developing World. London
- » Taku Ikemato, 1995. Why the current sex education does not work" Contemporary problems I Education, 565, April 24, 1995.
- » Tamara Kreinin, and James Wagoner, 2001, Towards a sexually healthy America. A report by the Sexuality Information and Education Council of the United State (SIECUS) and Advocates for Youth. New York, U.S.A.
- » Thomas Quinn, 2000. Study finds circumcisions may protect men from HIV. Channel News Asia. 31 January, 2000.
- » Tom Coburn, 2000. Do abstinence - only sex education programmes work? Family Practice News, July 15, 2000.
- » Umm-i-Kalsoom, 2000. Training of Children in the Light of Islam (Urdu). Dawa Academy, International Islamic University Islamabad.
- » Valeric E. L. and S. Bryk Anthony, 1986. Benefits of visitations single sex education. J. Educational Psychology, October.
- » Vera S. Paster, 2000. How to talk with your child about sexuality. Planned Parenthood. Ebony, February 2000.
- » Wendy Kaminer, 1998. The trouble with Single Sex School. The Atlantic Monthly, Vol. 81 (4): 22-36 April 1998.
- » William, A. Marra, 1998. The Two Directions of Sex Education. Faith Newsletter Catholic United USA.
- » Williamson M.L. and P.S. Williamson 1988. Women's preferences for penile circumcision in sexual partners. J Sex Educ Hlth; 14: 8-12.
- » Wiswell T.E. and J.D. Roscelli 1982. Corroborative evidence for the

decreased incidence of urinary tract infections in circumcised male infants. Pediatrics; 69: 96-9.

- » Wiswell T.E., F.R. Smith and J.W. Bass 1985. Decreased incidence of urinary tract infections in circumcised male infants. Pediatrics; 75: 901-3.
- » Wiswell T.E., 1988. Do you favor routine neonatal circumcision? Yes. Postgrad Med; 84: 98-104.
- » Wiswell T.E., 1995. Neonatal circumcision: a current appraisal. Focus & Opinion Pediat; 1: 93-99.
- » Wiswell T.E., 1997. Circumcision circumspection. New England Med J; 336:1244-5.
- » Wiswell T.E., and D.W. Geschke 1989. Risks from circumcision during the first month of life compared with those for uncircumcised boys. Pediatrics; 83: 1011-5.
- » Wiswell T.E., R.W. Enzenauer and M.E. Holton 1987. Declining frequency of circumcision; Implications for changes in the absolute incidence and male to female sex ratio of urinary tract infections in early infancy. Pediatrics; 79: 338-41.
- » Yvonne Roberts, 1996. Lets Think of Sex as the Dutch do (Sex Education) ____ Brief article published in New Statesman, October 16, 1996.
- » Ziauddin Sardar 2000 How we have lost the joy of sex. New Statesman March 27, 2000



حصہ سوم: شادی اور اس کے موضوعات

پہلا باب:

مغرب میں شادی بیاہ

انسانی فطرت میں اس کی جنسی جبلت ایک بہت طاقتور جذبہ ہے جسے اپنی تسکین کے لیے کسی طریقے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان کو جنسی جذبہ، نسل انسانی کی بقا اور فروغ کے لیے دیا گیا ہے۔ انسانوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں اس جذبے کی تسکین کے لیے تین مختلف طریقوں پر عمل کیا ہے۔ ان میں سب سے پہلا طریقہ آزادانہ جنسی لذت کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک انسان اپنے جنسی جذبے کی تسکین کے لیے جب بھی چاہے اور جہاں بھی موقع ملے، اور جس کے ساتھ موقع ملے، آزاد ہے۔ اس جذبے کی تسکین کے لیے اس پر کسی قسم کی مذہبی، اخلاقی اور معاشرے کی جانب سے کوئی قدغن عائد نہیں۔ موجودہ زمانے میں آزادانہ جنسی لذت کا حصول، کوئی ایسا انوکھا تصور نہیں جس پر آج مغرب نازاں اور عمل پیرا ہے بلکہ تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتلاتا ہے کہ قدیم مصر میں اس پر عمل کیا جاتا تھا۔ قدیم مصری انفرادی اور اجتماعی طور جنسی لطف اندوزی (Group sex) کے تصور سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ ہزاروں سال قبل اس پر عمل پیرا بھی تھے۔ قرآن کریم نے قدیم مصری معاشرے کی ایک جھلک ہمیں سورہ یوسف (۱۲: ۳۰ تا ۳۳) میں دکھائی ہے۔

سید مودودی اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ”اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت مصر کے اونچے طبقے کی اخلاقی حالت کیا تھی۔ ظاہر ہے کہ عزیز کی بیوی نے جن عورتوں کو بلایا ہوگا وہ امراء و روساء اور بڑے عہدیداروں کے گھر کی بیگمات ہی ہوں گی۔ ان عالی مرتبت خواتین کے سامنے وہ اپنے محبوب نوجوان کو پیش کرتی ہے اور اس کی خوبصورت جوانی دکھا کر انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ ایسے جوان رعنا پر میں مرنہ مٹی تو آخر کیا کرتی۔ پھر یہ بڑے گھروں کی بہو بیٹیاں خود بھی اپنے عمل سے اس امر کی تصدیق فرماتی ہیں کہ واقعی ان میں

سے ہر ایک ایسے حالات میں وہی کچھ کرتی جو بیگم عزیز نے کیا۔ پھر شریف خواتین کی اس بھری مجلس میں میزبان کو علانیہ اپنے اس عزم کا اظہار کرتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ اگر اس کا خوبصورت غلام اس کی خواہش نفس کا کھلونا بننے پر راضی نہ ہوا تو وہ اسے جیل بھجوا دے گی۔ یہ سب کچھ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ یورپ اور امریکہ اور ان کے مشرقی مقلدین آن عورت کی جس آزادی و بے باکی کو بیسویں صدی کی ترقیات کا کرشمہ سمجھ رہے ہیں وہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، بہت پرانی چیز ہے۔“

آزادانہ جنسی مباشرت کے نتیجے میں انسان حیوانی سطح تک گر گیا ہے جیسا کہ مرد و عورت ہر ایک دوسرے کے جنسی اعضاء کو چاٹنے (Oral sex) کا عمل جو مغرب میں مباشرت کا ایک عام طریقہ ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ اگر آزادانہ جنسی مباشرت کا یہ طریقہ پوری دنیا میں رائج ہو گیا تو اس کے نتیجے میں خاندانی نظام اور معاشرے کی تباہی ایک لازمی امر ہے جیسا کہ مغربی ممالک میں ہمیں نظر آتا ہے۔

انسانی جنسی جبلت کی تسکین کا دوسرا طریقہ جنسی جذبات کو مکمل طور پر دبا دینے (Suppress) میں ہے جس کے لیے مختلف مذاہب اور فلاسفر تجرد (Celibacy) پر عمل کرنے، کہتے ہیں۔ تجرد کے طریقے پر عمل کرنے کا مطلب دنیاوی امور سے مکمل طور پر علیحدگی اختیار کرنا ہے۔ تجرد کا طریقہ بدھ مت میں بالخصوص اور ماضی میں عیسائیت و یہودیت میں بھی بالعموم رائج تھا اور یہ مذاہب اس پر عمل درآمد کو ایک بہت بڑی نیکی اور اخروی نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے جیسا کہ ہم گذشتہ ابواب میں مطالعہ کر چکے ہیں۔

جنسی جذبات کی تسکین کا تیسرا طریقہ جو دنیا کے تمام الہامی مذاہب نے نہ صرف جائز قرار دیا ہے بلکہ اس پر عمل کرنے کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے تاکہ انسان کی فطری جبلت اور جذبے کی تسکین ہو سکے چند حدود کے اندر رہتے ہوئے بلا کسی زیادتی (آزادانہ جنسی لذت کے حصول کے ذریعے) یا کمی (تجرد کے طریقے پر عمل کرنے سے) کے ان تمام الہامی مذاہب نے اس جذبے کی تسکین شادی کے ادارے کے ذریعے کرنے کی اجازت دی ہے۔ تمام الہامی مذاہب بالخصوص اسلام نے انسان کی جبلت اور داعیے کی اہمیت و ضرورت کو بجا طور پر تسلیم یا

ہے اور شادی کے جائز طریقے سے اس کی تکمیل کی اجازت دی ہے۔ اسلام نے نہ صرف نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ وہ شادی کریں بلکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ”شادی کرنا میری سنت ہے اور جو شخص اس سے گریز کرتا ہے، وہ ہم میں (یعنی امت مسلمہ) سے نہیں ہے“، (بخاری)۔ اس کے ساتھ ساتھ تجرد کی زندگی کی ممانعت فرمائی ہے اور شادی شدہ مردوں کو اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کرنے کی بھی مخالفت کی ہے بلکہ اسلام کی تعلیمات واضح کرتی ہیں کہ ”اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔“ (بخاری)

درج بالا امور کی روشنی میں یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ شادی انسانی جنسی جبلت اور داعیہ کی تسکین کا ایک متوازن اور صحیح طریقہ ہے۔ اگر شادی کی اجازت نہ دی گئی ہوتی تو جنسی مباشرت نے ذریعہ انسانی نسل کے قیام اور جاری رہنے کا عمل رک جاتا۔ بلاشبہ ایک مضبوط خاندان کے لیے تعلق ہی محبت، اخوت، بھائی چارے اور بنی نوع انسان کے لیے ایثار و قربانی کے جذبات انسانوں میں فروغ پاتے ہیں۔ یہ ایسے جذبات ہیں جن کے بغیر ایک مضبوط معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا (سورہ الاعراف ۱۸۹:۷)۔ پس اگر خاندانی نظام کا وجود نہ ہوتا تو کسی قسم کا کوئی بھی معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا تھا اور ایک خاندان کی بنیاد نہیں پرستی تھی اگر شادی کا نظام موجود نہ ہوتا جس کے ذریعے جنسی داعیہ کی تسکین ہو سکتی اور اسی دلیل کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر خاندانوں کی تشکیل نہ ہوتی تو پھر کسی معاشرے اور تہذیب کا معرض وجود میں آنا ممکن نہ ہوتا۔

دنیا کے ہر کچھر اور تہذیب میں، شادی کے نظام کی مختلف اشکال پائی جاتی ہیں۔ اکثر مذاہب اور تہذیبوں میں اگر شادی نہ ہو تو مرد اور عورت بالغ ہونے کے بعد مکمل نہیں سمجھے جاتے۔ بعض مذاہب نے شادی کو ایک مقدس ادارے کی شکل دی ہے جس کا آغاز دیوتاؤں سے ہوتا ہے یا اسے جسم اور روح کا اتصال کہا گیا ہے جس کا ناظر روح مقدس سے جاملتا ہے۔

(Mircea Eliade ۱۹۸۶)

قطع نظر اس طریقے کے کہ کس طرح شادی کے لیے فریقین (عورت اور مرد) کا انتخاب کیا جاتا ہے تقریباً تمام تہذیبوں میں مگنی اور شادی کے بعد کا وقفہ انسانی زندگی کا ایک بہت اہم مرحلہ مانا جاتا ہے اور جس کا اظہار مختلف رسومات اور مذہبی طریقوں سے کیا جاتا ہے۔

مکمل اور شادی کا اعلان عام اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ معاشرے کے افراد کو نہ صرف پتہ چل جائے بلکہ شادی شدہ جوڑے کی معاشرے میں بطور میاں بیوی کے شناخت بھی ہو جائے۔ شادی کی وجہ سے عورت اور مرد پر مختلف ذمہ داریوں، حقوق و فرائض کا بوجھ پڑ جاتا ہے (Anon, 1986)۔ ذیل میں ہم مختلف مذاہب میں پائی جانے والی مذہبی رسومات اور طریقہ طریقوں کا مطالعہ کریں گے۔

مختلف مذاہب میں شادی کی رسومات اور طریقے

(۱) یہودیت:

یہودیت میں شادی کا تصور حضرت آدم علیہ السلام و حوا علیہا السلام کی شادی سے جوڑا جاتا ہے جس کے ذریعے نہ صرف انسانی نسل کی پیدائش ممکن ہوئی بلکہ اس کو فروغ بھی ملا۔ ایک حکم خداوندی کے طور پر یہودی شادی کو نہ صرف انسانی نسل کے فروغ کا ذریعہ سمجھتے ہیں بلکہ اسے میاں بیوی کے لیے ذاتی / انفرادی روحانی ترقی و نشوونما کا ذریعہ بھی سمجھتے ہیں۔ (Mircea 1986) (Eliade

یہودی روایات کی رو سے شادی ایک الہامی معاہدہ (Covenant) ہے (Malachz: 14)۔ اسے ایک مقدس رسم کی حیثیت حاصل ہے۔ فریقین کے ملاپ کی یہ رسم ایک چھتری (Canopy) کے نیچے ادا کی جاتی ہے جو ایک گھر کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ دولہا اور دلہن دونوں ایک ہی گلاس سے شراب پیتے ہیں جو ان کے مشترکہ زندگی بسر کرنے کے عزم کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دولہا، یروشلم (بیت المقدس) میں عبادت گاہ کے ٹوٹنے کی یاد میں شیشے کا ایک برتن توڑتا ہے۔ دولہا، اپنی دلہن کی چھٹکی انگلی میں انگلی پھناتے ہوئے یہ الفاظ کہتا ہے کہ ”حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اسرائیل کے قانون کے مطابق اس انگلی کو میرے ہاتھ سے پکڑ لو۔“

(Anon, 1986)

(۲) عبرانی قانون کے تحت شادی کا طریقہ:

قدیم عبرانی قانون میں ایک سے زائد شادیوں کی اجازت تھی تاہم تعدد ازواج کا رواج بعد کے دور میں بہت کم تھا۔ شادی سے باہر جنسی تعلقات قائم کرنے کی سختی سے ممانعت تھی۔ زنا،

زن بالجر، کسی قریبی رشتے دار کی آبروریزی اور عورت کی ماہواری کے دوران اس کے ساتھ مجامعت ایسے جرائم خیال کیے جاتے تھے جن پر موت کی سزا دی جاتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعظیم تھی کہ ”لو کہ کی شادی، اس کے باپ کے خاندان میں کی جائے۔“ دلہن کا کنوارا پن ایک بہت بڑا انعام سمجھا جاتا تھا۔ دور اول میں جب قوانین بہت زیادہ سخت نہیں تھے، طلاق دینے کے لیے ”اگر اس کی بیوی شوہر کی نگاہوں میں نہ ماسکے“، تو شوہر صرف ایک کاغذی تحریر اسے تھما کہ کھر سے نکال دیتا تھا۔ جب کوئی شخص شادی رچاتا تھا تو پھر اسے کسی لڑائی/جنگ پر جانے کی اجازت نہ ہوتی تھی اور مزید اسے ایک سال کے لیے کسی نئے کاروبار کی اجازت بھی نہ تھی تاکہ ”وہ گھر پر فارغ رہے اور اپنی بیوی کو خوش و خرم رکھ سکے جس کو وہ بیاہ کر لایا تھا۔“

(۳) عیسائیت:

عیسائیت میں بھی شادی کا تعلق حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے مقدس ملاپ کا مظہر تھا جسے ایک مذہبی تقدس کا درجہ حاصل ہے۔ شادی کی رسم دلہا اور دلہن کو ایک سپرٹ (روح) کی شکل میں جوڑتی ہے جس کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خداوند سے ہوتا ہے۔ عیسائیت میں بھی اسے چرچ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک مقدس تعلق سمجھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے دلہا اور دلہن، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ”دلہا“ بن جاتے ہیں اور کرائسٹ کی روح کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث قرار پاتے ہیں۔ (Mircea Eliade 1986)

چرچ نے تاریخی طور پر شادی کے ادارے کو زندگی بھر نبھانے کا ایک مقدس ذریعہ سمجھا ہے جو کہ کسی فریق کے مرنے کی وجہ سے ہی ختم ہو سکتا ہے۔ اس نقطہ نظر کی بنا پر شادی کرنے والے میں بیوی کو جسم واحد (One flesh) خیال کیا جاتا ہے جو کہ خداوند کے حکم سے وجود میں آتا ہے۔ اسی طرح شادی کا ادارہ جو رومن قانون کے مطابق ٹوٹ جانے والا (Terminable) ہے۔ سو معاہدہ تھا، اس کی حیثیت روح اور جسم کے ملاپ کی وجہ سے ایک مقدس مذہبی تعلق کی ہو گئی جو کہ صورت بھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ سرکاری قانون میں فریقین کی آزادانہ اور باہمی رضامندی، شادی کے انعقاد کے لیے ضروری تھی جبکہ چرچ کے تحت پتسمہ لیے ہوئے دو افراد (عورت/مرد) کے درمیان شادی اس وقت مکمل ہوتی تھی جب وہ آزادی سے رضامندی کا اظہار کریں۔

قریبی خونی رشتے داروں کے درمیان شادی کرنا قانوناً جائز نہیں تھا تاہم جدید زمانے میں شادی کو ایک سماجی معاہدہ سمجھا جاتا ہے اور اس میں یک زوجگی (Monogamy) کی ہی اجازت ہے۔ (Phillip, W.Goetz 1985)

عیسائیت کے دور اول میں شادی کی رسم کو تقدس کا درجہ حاصل تھا۔ رومن کیتھولک تعلیمات کے مطابق، شادی ایک مقدس عمل کا نام تھا (Ephesians ۵:۳۲)۔ اور اسے طلاق نہ ذریعے توڑا نہیں جاسکتا۔ شادی کی رسم کے انعقاد کے لیے ایک راہب اور دو گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح جس طرح دونوں فریقین کی باہمی رضامندی بھی ضروری ہے۔ بہت سے پروٹسٹنٹ فرقے شادی کو ایک مقدس فرض سمجھتے ہیں۔ ان فرقوں میں عبادت کی روایتی کتاب شادی کے موقع پر پڑھی جاتی ہے جس کی وجہ سے اسے مذہبی تقریب کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ دہن کا باپ اکثر دہن کو چرچ کے نمائندے کے سامنے پیش کرتا ہے اور اس موقع پر باپنی وفاداری کا عہد، چرچ کے نمائندے کے رو برو لیا جاتا ہے۔ (Anon, 1986)

(۴) رومن قانون میں شادی:

رومن قانون کے مطابق شادی ایک پیچیدہ عمل تھا۔ تعدد ازواج کی مخالفت تھی۔ قدیم رومن قانون میں شادی کی تین اقسام تسلیم کی جاتی تھیں۔ اس کی سب سے اعلیٰ قسم Conferreatio تھی جو اس طرح سرانجام پاتی تھی کہ اس میں مذہبی اور ریاستی اعلیٰ عہدیدار اور کم از کم دس گواہوں کی موجودگی ضروری ہوتی تھی۔ یہ قسم سوسائٹی کے اعلیٰ اور اونچے گھرانوں تک محدود تھی۔ شادی کی دوسری قسم جسے Coemptio کہا جاتا تھا، وہ ہوتی تھی جو متوسط طبقے کے لوگوں میں منائی جاتی تھی اور دراصل یہ ایک خرید و فروخت کا طریقہ تھا جس کے ذریعے دہن اپنے رشتے داروں سے آزاد ہوتی تھی۔

رومن قانون کے تحت شادی کی تکمیل ایک سال تک اکٹھے رہنے کے بعد ہوتی تھی۔ پس ایک بیوی سال کے ایک دن کے لیے اپنے گھر سے باہر رہتی تھی تاکہ وہ شوہر کی مکمل سرپرستی و قبضے کو غیر معینہ عرصے کے لیے موخر رکھ سکے۔

قدیم عیسائی قانون میں شادی بیاہ کا طریقہ:

عیسائیت، روز اول سے ہی ان ڈھیلے ڈھالے طریقوں کی مخالف تھی جو شادی/ بیاہ اور طلاق کے بارے میں رومن قانون میں پائے جاتے تھے۔ اس لیے چرچ نے اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کے نقطہ نظر سے تمام عیسائی دنیا میں شادی کے قوانین کو نافذ کیا جس میں ایک زوجگی کو ہی شادی کے ذریعے ملاپ کو جائز طریقہ سمجھا گیا۔ یوں شادی کو ایک الہامی ہدایت کے تحت قائم ادارے کی حیثیت سے تقدس کا درجہ حاصل ہو گیا جسے کوئی شخص نسخ نہیں کر سکتا تھا سوائے موت کے!

چرچ کے قوانین کے تحت اس اصول کو تسلیم کیا گیا کہ شادی کے قانونی جواز کے لیے فریقین کی باہمی آزادانہ رضامندی ضروری ہے۔ انیسویں صدی سے پہلے تک انگلستان اور دیگر بہت سی مغربی تہذیبوں/ یورپی ممالک میں شادی کے کنٹریکٹ (معاہدے) موجود تھے۔ شادی کرنے والے فریقین، اپنے والدین کی مرضی کے خلاف شادی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اسی طرح اپنے سماجی دائرے سے باہر شادی کرنے کو ایک سکینڈل سمجھا جاتا تھا اور جہیز کو ایک بہت اعزاز والی بات سمجھا جاتا تھا (Albert Ellis 1962) تاہم حالیہ دور میں چرچ نے اس معاملے پر دوبارہ غور کیا اور اسمبلی آف دی گاڈ (Assembly of the God 1999) نے شادی کو ایک خدائی حکم قرار دیا۔ ان کے بقول ”خدا نے مرد اور عورت کی تخلیق کی اور فرمایا کہ اس وجہ سے ایک شخص اپنے والدین کو چھوڑ کر اپنی بیوی کے ساتھ رہنا شروع کرے گا اور دونوں ”یک جان (One flesh) ہو جائیں گے“ (Matthew, 19:4-5)۔ عیسائیت میں شادی کو ایک ایسے مستند تعلق کی حیثیت حاصل ہے جو وفادارانہ طور پر اپنے جیون ساتھی کے ساتھ زندگی گزارنے کا ایک معاہدہ ہے۔ ”جنہیں خدا نے جوڑ دیا ہے، کسی کو انھیں توڑنے کا اختیار نہیں“ (Matthew 19:6)۔ اگرچہ عہد نامہ قدیم میں تعدد ازواج کی حیثیت کو تسلیم کیا گیا ہے تاہم اس کے باوجود یک زوجگی کو ہی ایک معیار مطلوب (آئیڈیل) کہا گیا۔ (Proverbs ۵:۱۸; 31:10-29; Ecclesiastes, 9:9; Psalms 128:3)

درج بالا سطور میں ”زندگی بھر (Life long) کے معنی ایک بیوی کے ساتھ وفادارانہ جنسی

تعلقات کسی ایک فرد کی موت تک برقرار رکھنے کے ہیں۔ کسی شادی شدہ شخص کی زندگی میں اپنے جیون ساتھی کے علاوہ، زیادہ اشخاص سے جنسی تعلقات، بائبل کے مطابق انجام پانے والی شادی کے تقدس کو پامال کرنے والا عمل ہے جو اللہ کی نظر میں ایک سخت گناہ کا فعل ہے۔

بدھ مت:

ان ممالک میں جہاں بدھ مت کے پیرو پائے جاتے ہیں، شادی بیاہ مختلف علاقائی رسم، رواج کے مطابق سرانجام پاتے ہیں اور ان کا تعلق کسی مذہبی ادارے یا قانون سے نہیں ہے۔ بدھ مذہبی علماء، شادی کی تقریبات میں شامل ہوتے ہیں اور وہ میاں بیوی کو ایک مثالی زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے ہیں، بدھ کی تعلیمات کی پیروی کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور شادی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچوں کے سامنے ایک اعلیٰ مثال پیش کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ تھائی لینڈ اور جنوبی ایشیا کے ممالک میں جہاں بدھ مت کے پیروکار پائے جاتے ہیں، شادی کے بندھن میں بندھنے والے مرد و عورت ایک طرف سر جھکا کر بیٹھ جاتے ہیں اور ان دونوں کو ریشم کی ایک رسی سے باندھ دیا جاتا ہے جبکہ دوست، احباب اور رشتے دار، اُن دونوں کے جڑے ہوئے ہاتھوں پر متبرک پانی کا چھڑکاؤ کرتے ہیں۔ (Anon, 1986)

ہندو مت:

ہندو مت کی تعلیم کے مطابق انسانی زندگی چار ادوار میں منقسم ہے۔ پہلا مرحلہ زندگی طالب علمی کا ہوتا ہے جس میں ایک فرد گھر میں رہتا ہے اور پاکیزگی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ زندگی کا دوسرا مرحلہ جو شادی کی وجہ سے شروع ہوتا ہے، متعدد وجوہات کی بنا پر بہت اہم ہوتا ہے۔ یہ ایک با مقصد اور ذمہ دارانہ زندگی کا دور ہوتا ہے۔ جس کا مقصد میاں بیوی کے درمیان مکمل محبت اور ملاپ ہوتا ہے۔ نیز اس ملاپ کو ہندو مت کی تعلیمات پر مبنی معاشرت کے اصولوں کے مطابق بچوں کی پیدائش کے ذریعے مضبوط بنیادوں پر قائم رکھنا ہوتا ہے۔ اس لیے شادی کی رسومات کو ایک مذہبی فریضے کے طور پر ادا کیا جاتا ہے نہ یہ کہ کسی فرد کی ذاتی خواہشات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ شادی، ہندو مت کے قدیم ترین مذہبی کتب سے اخذ کردہ ایک ایسی رسم ہے جس کے تحت دلہن کو یہ اعزاز بخشا جاتا ہے کہ وہ ”مستقبل کے ہندو ہیروز کی ماں ہوگی“۔ ان تعلیمات

تے تحت شادی کو عمر بھر کا ایک بندھن سمجھا جاتا ہے جس کو فریقین کی عمر، وقت اور عقل میں انسانی کے ساتھ، مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے جانا چاہیے۔ دلہا اور دلہن سات چکر لگاتے ہیں جو عمر بھر وفا کرنے کے عہد کا مظہر ہوتا ہے اور دلہا اس موقع پر روایتی بول میں اپنی دلہن کے ساتھ پڑھتا ہے ”میں الفاظ ہوں اور تم میری موسیقی، میں موسیقی ہوں اور تم میرے الفاظ ہو۔“ اس موقع پر دلہن ایک پتھر پر اپنا پاؤں رکھتی ہے جس کا مطلب یہ عہد کرنا ہوتا ہے کہ وہ مضبوطی کے ساتھ عمر بھر اس تعلق کو استوار رکھے گی اور اس کا اختتام مزید منتروں کے ساتھ ہوتا ہے جو ایسے موقع پر پڑھے جاتے ہیں جس کے بعد بہت ہی پر تکلف رسومات کا آغاز ہوتا ہے۔

(Anon, 1986)

: مانہ حال میں شادی بیاہ کے قوانین:

مغربی دنیا میں شادی بیاہ کے موجودہ قوانین کا تعلق عبرانی اور رومن رسم و رواج سے ہے جو سیاسیت کی تعلیم نیز صنعتی انقلاب، رسل و رسائل کے جدید ترین ذرائع اور سماجی تبدیلیوں کے زیر اثر وجود میں آئے۔ اس قانون کے تحت شادی ایک سول معاہدہ ہے جس کے تحت صرف یک زوجگی لی ہی اجازت ہے۔ بیشتر یورپین ممالک میں سول میرج کا رواج ہے جسے حکومت کے ہاں جسر کرایا جانا ضروری ہے۔ ہنری ہشتم (۱۳۹۱ سے ۱۵۴۷ عیسوی) کے دور تک شادی کو ملکی قانون کے تحت صحیح یا غلط قرار دیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ بادشاہ کو پاپائے اعظم سے اختلاف ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں شادی کا ایک معاہدہ جو کہ سول عدالت کے تحت قائم ہوتا تھا، اسے کوئی سول عدالت ہی توڑ سکتی تھی (Anon, ۱۹۸۶) اور یوں چرچ کو زندگی کے اس اہم مرحلے سے دستبردار ہونا پڑا۔

: شادی کے قانونی مضمرات:

شادی بیاہ کے قوانین کو ان توقعات کے لحاظ سے اہمیت جاتی ہے جو کوئی بھی معاشرہ اس ادارے کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔ نو بیاہتا جوڑے نہ صرف معاشرے میں ایک تبدیلی سے دوچار ہوتے ہیں بلکہ ان تعلقات کے نتیجے میں وہ زندگی کی ایک انقلابی منزل کے راہی بنتے ہیں۔ شادی کی رسومات کے اختتام پر شادی شدہ افراد اور ریاست کے درمیان ایک مضبوط معاہدہ وجود

میں آتا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان حقوق و فرائض کا تعین ہو جاتا ہے جس کے وہ مکلف ہوتے ہیں۔ بیوی اپنے خاندن کی پسندیدہ جگہ (شہر/ملک) پر رہنے کی پابند ہوتی ہے مزید برآں اس سے یہ توقع بھی کی جاتی ہے کہ وہ گھریلو امور سرانجام دے گی جس میں گھر کی دیکھ بھال، بچوں کی پرورش و نگہداشت اور کھانا وغیرہ پکانا شامل ہیں۔ وہ صرف اپنے شوہر کے ساتھ ہی جنسی تعلقات استوار رکھ سکتی ہے۔ جائیداد کے حقوق بھی اسے شوہر کی جانب سے ملتے ہیں۔

ان تمام کے عوض، خاوند معاہدے کے تحت اس امر کا پابند ہوتا ہے کہ بیوی اور بچوں کی رہائش، خوراک اور دیگر ضروریات کو پورا کرے جو اس شادی کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ خاوند کو بھی اپنی بیوی کے ساتھ ہی جنسی تعلقات رکھنے کا حق حاصل ہے اور اسے بھی جائیداد وغیرہ کا حق، عورت کی طرف سے حاصل ہوتا ہے۔

شادی کی اقسام:

دنیا میں مرد و عورت کے تعلقات بہت مختلف شکلوں میں شادی کے نام سے پائے جاتے ہیں۔ اکثر شادی کی مختلف شکلوں کا تعلق کسی معاشرے کی ضروریات کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ کسی ایک مرد اور عورت کے درمیان شادی کو یک زدگی (Monogamy) کہتے ہیں۔ تین یا زائد افراد (ایک مرد اور باقی عورتیں) کی شادی کو تعدد ازواج (Polygamy) کہتے ہیں جب کہ Polygyny اس شادی کو کہتے ہیں جس میں ایک مرد، ایک سے زائد عورتوں سے شادی کر لیتا ہے۔ یہ دراصل تعدد ازواج ہی کی ایک شکل ہے۔ اسی طرح تعدد ازواج کی ایک دوسری شکل یہ ہے جس میں ایک عورت کے متعدد خاوند ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ شادی کی مختلف اقسام بھی امریکہ اور یورپ کے دیگر ممالک میں پائی جاتی ہیں جن کا اختصار کے ساتھ ذکر دلچسپی کا باعث ہوگا۔

(۱) یکے بعد دیگرے شادی کرنا (Alternative marriage):

گذشتہ ۴/۳ دہائیوں میں امریکہ میں شادی اور خاندان کے تصور میں بہت بڑی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ امریکی قوم جنسی رویوں اور اعمال کے بارے میں بہت تنوع پسند (ورائٹی پسند) واقع ہوئی ہیں اور وہ لوگ شادی کی مختلف اقسام پر عمل کرتے ہیں۔ باقاعدہ شادی کے بارے کے تنزل پذیر ہونے کی بنا پر بہت سے لوگ یکے بعد دیگرے شادیاں کرتے ہیں۔ اس طریقے

کے مطابق عورت اور مرد باقاعدہ شادی کرنے کی بجائے اکٹھے رہنا شروع کر دیتے ہیں اور مذہبی طریقے پر شادی کے لیے ایفائے عہد کو موخر کر دیتے ہیں جب تک کہ وہ ایک دوسرے کو ”اچھی طرح“ سے سمجھ نہیں پاتے (اور اس کی نوبت بہت ہی کم آتی ہے!) جدید صنعتی کلچر نے ماضی کے خاندانی نظام کی روایات کو تلیٹ کر کے رکھ دیا ہے اور شادی کا مقصد بھی اب وہ نہیں رہا جو کسی زمانے میں ہوا کرتا تھا یعنی ایک دوسرے کے ساتھ تمام عمر نباہ کرنا۔ عورتوں کی آزادی کے تصور نے بھی شادی سے باہر دائرے میں جنسی اختلاط کے مواقع عام کر دیئے ہیں جن کو مزید تقویت مانع حمل ادویات/اسقاط حمل اور ضبطِ ولادت کے مختلف طریقوں سے حاصل ہوئی ہے۔

نام نہاد شادی کا مقصد اب صرف انفرادی طور پر جنسی لذت کا حصول رہ گیا ہے یا جسے آزادی پسند لوگ ”انفرادی حظ جنسی کے حصول“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس تصور کی وجہ سے انفرادی طور پر ایک دوسرے سے حظ جنسی کے حصول کے ذریعے خوش و خرم رہنا ہی مقصد زندگی بن گیا ہے۔ اس وجہ سے شادی کے ایک نئے تصور نے جنم لیا ہے جس کی چار مختلف اشکال ”امریکے کے مہذب معاشرے“ میں رو بہ عمل ہیں۔

(الف) سیریل یک زوجگی (Serial monogamy):

یکے بعد دیگرے شادی کرنے کو سیریل یک زوجگی کی شادی کہتے ہیں۔ شادی کی یہ شکل آج کل امریکہ میں رائج ہے جہاں ۴۰ فی صد شادیاں طلاق کے نتیجے میں ٹوٹ جاتی ہیں اور ۵۷ فی صد مطلقہ عورتیں دوبارہ شادی کر لیتی ہیں۔ یہ اس ”دلیل“ کی بنا پر ردوار کھا جاتا ہے کہ ”کوئی کار خیر یہ نے سے پہلے آپ اس کی آزمائش کرتے ہیں، پس جس کے ساتھ آپ عمر بھر کا نباہ کرنا چاہتے ہوں، اس کی آزمائش کیوں نہ کی جائے؟“ اس کے علاوہ ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ ”جو خریدنے سے پہلے آپ اسے پہن کر دیکھتے ہیں کہ آیا وہ آپ کے پیر میں ٹھیک طرح سے آتا ہے یا نہیں؟ پھر ایک جیون ساتھی کے ساتھ ایسا کیوں نہ کیا جائے؟“ یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ جب کار یا جوتا تبدیل کرتے ہیں تو اس سے کسی کی دل شکنی نہیں ہوتی جب کہ مرد اور عورت ان جدائی کی شکل میں کم از کم ایک فرد کی دل شکنی ضرور ہوتی ہے اور بعض اوقات بہت سے دیگر اہل خاندان کی بھی۔ لیکن امریکی معاشرے میں ایسی منطق کون سنتا ہے؟ یہاں اس امر کی

تصریح ضروری ہے کہ تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ اس دلیل کے برعکس کہ کار چلا کر دیکھی جاتی ہے اور جوتا پہن کر دیکھنے سے پسندیدگی کی شرح میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ اور متعدد سٹڈیز سے معلوم ہوا ہے کہ ایسے جوڑے جو شادی سے پہلے اکٹھے رہنے کا تجربہ کرتے ہیں، ان میں بہت زیادہ اور جلدی اختلافات رونما ہوتے ہیں اور یہ اختلافات بہت معمولی نوعیت کی چیزوں اور واقعات کے نتیجے میں ہو جاتے ہیں مثلاً مختلف اقسام کی تفریح، گھریلو کام کاج اور مالی معاملات وغیرہ بہ نسبت ان جوڑوں کے جو بغیر جنسی اختلاط کیے اکٹھے رہتے ہیں۔ گذشتہ تین دہائیوں میں طلاق کی شرح میں جو اضافہ ہوا ہے، یہ وہی دور ہے جبکہ جوڑوں میں ”شادی کے بغیر رہنے“ کا رجحان بھی زیادہ تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ”آزمائشی شادی“ (Trial Marriage) کا یہ طریقہ ناکام رہا ہے۔

(ب) اوپن میرج (Open marriage):

شادی کے اس طریقے میں کسی ایک عورت یا مرد کا جنسی پارٹنر ہونے کی کوئی پابندی نہیں۔ جو لوگ اس طریق شادی کی حمایت کرتے ہیں وہ ”بیویوں کی شراکت“ (Wife swapping) یا ”ادلی بدلی کے طریقہ“ (Wife swinging) پر عمل کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے بقول اس طرح حسد و رقابت، ذہنی دباؤ اور انفرادی اختلافات (لڑائی جھگڑے) سے نجات مل جاتی ہے۔

(Curtis Bergstrand and Jennifer Blevins Williams, 2000)

۱۹۵۰ء کے درمیان، میڈیا میں Wife swapping کا تذکرہ ہونا شروع ہوا۔ تاہم آج کل اسے Swinging کہتے ہیں جو ۱۹۷۰ء میں اوپن میرج کے طریقے کے برعکس ہے۔ اس طریقے میں شادی شدہ جوڑے ”محبت کی غیر جانبدارانہ کھلی قسم (Non-possessive Love) کے قائل ہیں اور یوں وہ ایک دوسرے کے ہر جائی پن (Tolerance of Infidelity) کو برداشت کرتے ہیں۔ (O'Neill and O'Neill ۱۹۷۲)۔ اسے ”مشترکہ شادی“ یا بہت سے لوگوں کی مشترکہ شادی (Polymarry) بھی کہتے ہیں (Jennifer 1992)۔ اس میں بہت سے لوگ کسی ایک عورت کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ اس طریقے میں یک زوجگی کے برعکس، سب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ جنسی مباشرت کرنے کا حق

کہتے ہیں جس طرح کہ بہت سے لوگ کسی سماجی سرگرمی (کھیل وغیرہ) میں بیک وقت شریک ہو سکتے ہیں۔ اس طریقے میں میاں بیوی کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص (مرد/عورت) ان میں سے کسی ایک کے ساتھ آزادانہ مرضی سے جنسی مباشرت کر سکتا ہے۔

۱۹۵۰ میں کیلی فورنیا میں ملٹری آفیسرز میں شادی شدہ جوڑے ایک Key Club میں اکٹھے ہوتے تھے جہاں شوہر اپنی گاڑیوں کی چابیوں کو کمرے کے درمیان ایک جگہ جمع کر دیتے تھے۔ ان کی بیویاں اس ڈھیر میں سے بلا کسی تخصیص کے چابی کا ایک کچھا اٹھا لیتی تھیں اور جس مرد کی وہ چابی ہوتی تھی، وہ عورت اس رات کے لیے اس مرد کی جنسی پارٹنر بن جاتی تھی۔

(McGinley, ۱۹۹۵)

(ج) تعدد ازواج اور اجتماعی شادی

(Polygamy and group marriage)

اس طریقے میں بہت سے لوگوں (میاں/بیوی اور بچوں) کا ایک گروپ باہم مل کر رہتے تھے، ان کے درمیان کسی قسم کی کوئی رکاوٹ یا روک ٹوک نہیں ہوتی۔ اسے مشترکہ وفادارانہ شادی (Polyfidelity) کا نام دیا گیا۔ یہ بالغ اہل خاندان کا ایک ایسا نظام تھا جس میں عورتوں اور مردوں کے بہت سے گروپ ایک جگہ پر رہتے تھے جن کے درمیان سوچ، عمل، لچسپیں اور زندگی کے مقاصد کی مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی اور جو ایک دوسرے کے ساتھ خوش دلی سے تعاون کرتے تھے۔

اس قسم کے ایک (Best Friends Identity Cluster (BFIC) کے اندر تمام افراد ایک خاندان کی حیثیت سے رہتے تھے جس میں یک زوجگی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا تھا بلکہ تمام افراد جنسی اختلاط کے لیے ایک دوسرے کے ساتھی تسلیم کیے جاتے تھے۔ پس صنف مخالف کے اس قسم کے گروپ کی ہر ایک عورت دوسرے مرد کی بیوی ہوتی تھی اور اس گروپ کا کوئی بھی فرد اس گروپ کے علاوہ کسی سے جنسی اختلاط کرنے کا مجاز نہ تھا۔

اس قسم کے اجتماعی شادی کے نظام میں اس امر کا تعین کرنے کے مختلف طریقے تھے کہ کون سی عورت کس مرد کے ساتھ روزانہ رات گزارے گی۔ تاہم جو سسٹم کامیابی کے ساتھ چلا، وہ

باری باری ایک دوسرے کے ساتھ رات گزارنے کا شیڈول تھا۔ اس شیڈول کے تحت ہر رات کو گروپ کی عورتیں، کسی نئے مرد کے ساتھ ہم بستری کرتی تھیں اس ترتیب کے ساتھ جس طرح وہ گروپ کے ممبر بنے تھے۔ یہ طریقہ گروپ کے آخری ممبر تک جاری رہتا تھا جس کے بعد ہر عورت یا مرد کے لیے دوبارہ پہلے مرد یا عورت کے ساتھ رات گزارنے کی باری آ جاتی تھی۔

(Eve Furchgott, 1993)

یہاں یہ امر باعث دلچسپی ہوگا کہ سان فرانسسکو میں ۷۱ سال تک اس تجربے پر عمل ہونے کے بعد یہ طریقہ خود اپنی موت مر گیا اور ایو فرچگٹ (۱۹۹۳ a) کے بقول ”کرسٹا کیون کا یہ تجربہ سان فرانسسکو میں، دوسرے خیالی اور غیر عملی طریقوں (Utopian) اور تجربات کی طرح ایک خاص مدت تک چلتا رہا کہ اس کا ایک آغاز تھا، ایک انتہا اور بالآخر یہ اپنے انجام کو پہنچ کر اپنی موت مر گیا۔ ہمارے اس اشتراکی طریق کار نے لوگوں کی زندگی کو کٹھن بنا دیا تھا۔“

(د) ہم جنس پرستی (Homosexuality):

مغرب اور امریکہ میں ہم جنس پرستی بھی شادی کے متبادل طریقے کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے بایمسواں باب)

درج بالا طور میں شادی کے جن مختلف طریقوں کے بارے میں معلومات پیش کی گئی ہیں، ان کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام طریقے ایک خوشحال اور مطمئن خاندانی نظام کی تشکیل میں کسی طور پر بھی مدد و معاون نہیں ہو سکتے کیونکہ ان تمام طریقوں میں انسان کی حیاتیاتی اور روحانی اقدار کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ انسان ایک معاشرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور کسی سوسائٹی/معاشرے کا وجود خاندانوں کے قیام کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک فرد کی حیثیت سے تو ایس ہیولاک کی یہ رائے شاید درست ہو کہ ”محبت (جنسی افعال) کے لیے جیو اور زندہ رہنے کے لیے محبت کرو یعنی جنسی افعال میں بھرپور حصہ لو“ لیکن شادی کے درج بالا تمام طریقوں میں بشمول ہم جنس پرستی، ایک بنیادی اصول جو خاندانی نظام میں بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، موجود نہیں کیونکہ نوع انسانی ہی واحد ایسی نوع ہے جس کے بچے اپنے والدین کی مدد اور نگہداشت کے از حد محتاج ہوتے ہیں اور انھیں نہ صرف اپنی جسمانی نشوونما کے لیے بلکہ ان کی روحانی شخصیت کی تشکیل کے

لیے بھی یہ مدد اپنی پیدائش کے بعد ایک طویل عرصے تک درکار ہوتی ہے۔
شادی کے فوائد:

مغرب میں، شادی کے ادارے کی حفاظت و بقا کی خاطر بہت سی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔
(Anon, 2001) کیونکہ انسان نے محسوس کر لیا ہے کہ شادی کے ذریعے اسے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی لحاظ سے بھی۔

(Linda.J, Waite 1999 , Waite and Maggie,2000; Cheryl

Wesztejn 2000a)

ماہرین نے یہ واضح کیا ہے کہ شادی کے بہت زیادہ فوائد ہیں اور انھوں نے والدین،
مذہبی راہنماؤں، سیاست دانوں، قانون ساز اداروں، سب کو زور دے کر کہا ہے کہ شادی کے
ادارے کو قائم و دائم رکھنے کے لیے تمام ممکنہ کوششیں کی جائیں۔ ان کے مشاہدات کے مطابق
شادی شدہ لوگ، زندگی کے بے شمار امور میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں بہ نسبت غیر
شادی شدہ افراد کے۔ ان مختلف امور میں طوالت عمر، جسمانی و ذہنی صحت، جنسی سکون و اطمینان
ورمان معاملات اہم ترین ہیں۔ ذیل میں ہم ان کے بارے میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ گفتگو
کریں گے۔

(الف) جسمانی صحت و سلامتی کے لیے شادی کے فوائد:

« طوالت عمر اور بہت کم جسمانی امراض میں مبتلا ہونا بالخصوص خاوندوں کے لیے۔
« زندگی کو خطرات سے دوچار کرنے والے امور یعنی سگریٹ نوشی، شراب نوشی، منشیات سے
پرہیز۔

« میاں بیوی کا ایک دوسرے سے حد سے بڑھی ہوئی جنسی مباشرت کے ذریعے تسکین کا
حصول۔

(ب) شادی کے ذریعے جذباتی فوائد کا حصول:

« زندگی میں اضطراب، بلڈ پریشر اور دیگر نفسیاتی مایوسیوں سے دوچار ہونے کے بہت کم
مواقع۔

۴۴ خودکشی کی شرح میں کمی۔

۴۴ زندہ رہنے کی خواہش اور امنگ۔

(ج) شادی کے ذریعے مالی فوائد:

۴۴ خاندان کی آمدنی میں اضافہ بہ نسبت ایک مجرد انسان کے۔

۴۴ گھریلو اخراجات میں ایک فرد (مجرد) کی نسبت بہت کم اضافہ۔ شادی شدہ لوگوں میں

”شادی کے اس پریمیم“ میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے جتنی زیادہ عمر تک انسان، شادی شدہ

حالت میں رہتا ہے۔

۴۴ بیویوں کی جمع شدہ پونجی میں اضافہ بہ نسبت غیر شادی عورتوں کے۔

۴۴ خاندانی سطح پر جائیداد میں اضافہ جس میں روپے پیسے کی بچت بھی شامل ہے۔ شادی شدہ

جوڑوں کی پونجی (بچت) دوسرے لوگوں کی نسبت اڑھائی گنا زیادہ ہوتی ہے۔

درج بالا -طور میں شادی بیاہ کے قوانین، طریقوں اور شادی کے فوائد کا مطالعہ کرنے کے

بعد اب ہم ان عملی حالات کا بھی مطالعہ کریں گے جو مغرب میں آج کل رائج ہیں۔

امریکہ/یورپ میں شادی کی عملی صورت:

امریکہ اور مغربی ممالک میں شادی بحیثیت ایک ادارے کے بہت کمزور ہو گئی ہے۔ امریکہ

میں کی گئی ایک مطالعاتی رپورٹ:

"The State of Our Unions: The Social Health of Marriage

in America."

میں بتایا گیا ہے کہ ”قومی سطح پر شادی کی شرح میں گزشتہ چار دہائیوں کے مقابلے میں ۴۳

فی صد کمی واقع ہوئی ہے جو کبھی بھی اس حد تک کم نہیں ہوئی تھی۔ سائنس دانوں نے لوگوں کے

اس رجحان کو مورد الزام ٹھہرایا جس کے تحت وہ درج بالا طریقوں سے شادیاں کر رہے ہیں۔

امریکہ میں ۲۵ سے ۴۰ سال کی عمر کی آبادی کے نصف لوگ ایسے ہیں جنہوں نے صنف مخالف

کے دوسرے فرد کے ساتھ، کسی نہ کسی وقت، شادی کے بغیر اکٹھے زندگی بسر کی ہے۔ اس رجحان

کی وجہ سے بلوغت کی عمر کو پہنچنے کے بعد شادی کا ادارہ، اس قسم کے لوگوں کے لیے ایک روایتی

مریقہ میں رہا۔

(David Pepenoe and Barbra Dafoe Whitehead 1999)

ریاست نیو جرسی کی رٹجر یونیورسٹی میں کی گئی ایک مطالعاتی رپورٹ (National Marriage Project) کے ذریعے ان اعداد و شمار کا جائزہ لیا گیا کہ وہاں کے لوگوں میں شادی، بیاہ، طلاق کی شرح گذشتہ چار دہائیوں میں کیا تھی اور اس امر کا جائزہ لینے کے لیے تحقیق کی گئی کہ کتنے لوگ کس عمر میں شادیاں کرتے ہیں اور ان میں کتنی شادیاں قائم رہتی ہیں (۱۹۹۹ David Papenoe)۔ اس رپورٹ سے پتہ چلا کہ:

« گذشتہ چار دہائیوں میں شادی کے بارے میں لوگوں کے خیالات میں تبدیلی آئی ہے۔
 « نو عمر (۲۰ سال سے کم عمر) لڑکیاں بالخصوص شادی کرنے سے اتفاق نہیں کرتیں۔ ان کے خیال میں شادیاں تا دیر قائم نہیں رہیں۔ ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۰ء کے چار سالوں کے دوران ۶۸ فی صد نو عمر لڑکیوں کا یہ خیال تھا کہ شادی کی صورت میں وہ اپنے خاوند کے ساتھ تا عمر نباہ کر سکیں گی لیکن ۱۹۹۵ء میں یہ تعداد ۶۴ فی صد رہ گئی۔

« تاہم نو عمر لڑکوں (۲۰ سال سے کم عمر) میں مذکورہ بالا عرصے میں ایسے لڑکوں کی تعداد میں اضافہ ہوا (۵۷ کی بجائے ۵۹ فی صد) جو یہ خیال کرتے تھے کہ وہ صرف ایک لڑکی (بیوی) سے تمام عمر گزارا کر سکتے ہیں۔

« شادی بیاہ کی شرح میں کمی کی اہم ترین وجہ نو عمر لڑکے/لڑکیوں میں اس یقین و اعتماد کی کمی ہے کہ انھیں کوئی ایسا جوڑا مل سکتا ہے جو عمر بھر شادی کے رشتے کو نباہ سکے۔ ان میں سے بہت سے نوجوانوں کی نظر میں یہ ایک ناقابل حصول مقصد ہے۔ اس کے برعکس بہت سے نوجوان لڑکے/لڑکیاں بغیر شادی کے اکٹھے رہنے اور اس طرح بچوں کے والدین بننے کا کھلم کھلا اظہار کرتے ہیں۔

« سروے کے مطابق صرف ۳۰ فی صد لڑکیوں اور ۴۰ فی صد لڑکوں نے اس امر کا اقرار کیا کہ شادی شدہ جوڑے زیادہ بہتر اور خوش و خرم زندگی بسر کرتے ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جو تنہا زندگی بسر کرتے ہیں یا وہ لوگ جو صنف مخالف کے کسی فرد کے ساتھ شادی کے بغیر

اکٹھے رہتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء کے اواخر میں ۳۹ فی صد لڑکیوں اور ۳۸ فی صد لڑکوں نے اس بات سے اتفاق کیا تھا کہ:

آج کی نوجوان نسل ایک کامیاب شادی کی زندگی گزارنا چاہتی ہے لیکن وہ ایک کامیاب شادی کے حصول کے بارے میں ناامید ہیں۔

شادی بیاہ کے رجحان میں کمی کی ایک بہت بڑی وجہ، عورتوں کا معاشی طور پر خود کفیل ہونا ہے۔ چونکہ آج کل عورتیں زیادہ پڑھی لکھی ہیں اور گھر سے باہر نکل کر بہتر ملازمتیں حاصل کر سکتی ہیں بہ نسبت ماضی کے، اس لیے وہ شادی کے ذریعے اپنی معاشی حالت کو بہتر بنانے کی ضرورت مند نہیں۔ انھیں معاشی ضروریات کی بنا پر شادی کے بکھیڑے میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

درج بالا سطور میں تحقیقی نتائج کے مطابق، شادی شدہ لوگ زیادہ صحت مند ہوتے ہیں اور مسرت و خوشی سے ہمکنار ہوتے ہوئے، بچوں کی پرورش و کفالت بہتر طریق پر کر سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود، لوگوں کا خیال ہے کہ لڑکپن سے بلوغت کے دائرے میں قدم رکھنے کے لیے شادی کوئی بہتر راستہ یا طریقہ نہیں کیونکہ موجودہ دور میں نوجوانوں کے جنسی طور پر فعال ہونے اور ان کی شادی ہونے کی مدت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے (شاید یہی وجہ ہے کہ اسلام میں نوجوانوں کو جلد از جلد شادی کرنے کی ہدایت کی گئی ہے)۔ ۱۹۸۹ء سے اب تک برطانیہ میں پہلی مرتبہ شادی کی شرح سب سے کم ہے اور ۱۹۶۱ء سے ۱۹۹۱ء تک طلاق کی شرح میں چھ گنا اضافہ ہوا ہے جو کہ تمام یورپی ممالک میں سب سے زیادہ شرح ہے جبکہ ۵ میں سے ہر دو شادیاں ناکام ہوتی ہیں تو دوسری جانب نصف سے زائد طلاقیں، شادی کی دسویں سالگرہ منانے سے پہلے واقع ہو جاتی ہیں۔ (Helen Wilkinson 1997)

آج سے دوئسلیں قبل، امریکہ میں بیشتر شادیاں، عمر بھر قائم رہتی تھیں اور تمام تر بچے ایسے خاندانوں میں پیدا ہوتے تھے جن کے دونوں والدین ہوتے تھے۔ لیکن آج کل آبادی کے ماہرین کا یہ اندازہ ہے کہ نصف کے قریب شادیاں طلاق پر منتج ہوتی ہیں اور پیدا ہونے والے تمام بچوں میں قریباً ایک تہائی (جبکہ سفید فام امریکنوں میں ایک چوتھائی) ایسی ماؤں کے ہاں

جنم لیتے ہیں جن کی شادی نہیں ہوئی ہوتی۔ (Maggie Gallagher 1999)
امریکہ میں ہم جنس پرستی میں اضافہ اور شادی کی شرح میں کمی:

جیسا کہ سابقہ صفحات میں اشارہ کیا گیا ہے کہ امریکہ میں ہم جنس پرستی، شادی کے متبادل طے لیتے کے طور پر اپنائی جا رہی ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم اس کے بارے میں قدرے تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کریں گے۔

امریکہ کے دستور میں اس امر کو تسلیم کیا گیا تھا کہ شادی کے ذریعے عورت اور مرد کے قانونی ملاپ کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اور پرورش ایسے ماحول میں کی جائے جس کے ذریعے ان میں اخلاقی سچائی پیدا ہو سکے۔ وہ لوگ انسانیت کی ان قدروں پر یقین رکھتے تھے جن کے تحت دو مخالف صنفوں کے افراد کے درمیان شادی کے ذریعے جنسی تعلق قائم ہوتا تھا۔ امریکہ کا عام قانون، جو انگلستان کے قانون کی پیروی میں رائج تھا، اس بارے میں بہت واضح تھا کہ شادی ایک عورت اور مرد کے درمیان جنسی ملاپ کا نام تھا جس کے تحت میاں بیوی پر باہدگر ذمہ داریوں کا بوجھ پڑتا تھا۔

ہم جنس پرستوں کی عالمی تنظیم (International Lesbian And Gay Association - ILGA) جو ۱۹۷۸ء میں قائم ہوئی تھی، اس تحریک کے سوبدین نے ایک ہی صنف سے تعلق رکھنے والے افراد (یعنی مرد کی مرد کے ساتھ اور عورتوں کی عورتوں کے ساتھ) شادی کو قانونی طریق پر عدالتوں کے ذریعے منوانے کا طریقہ اختیار کیا تاکہ یہ عدالتیں اپنے اپنے ریاستی دستور/قانون کے تحت اس طریق کار کی اجازت دے دیں۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ جب ایک ریاست کی سپریم عدالتیں ایک مرتبہ کسی طور پر ہم جنس شادیوں کے حق کو تسلیم کر لیں تو پھر دوسری ریاستوں کو مجبور کیا جائے کہ اس بنیاد پر وہ بھی اس حق کو جائز اور قانونی تسلیم کریں کیونکہ امریکی دستور کے تحت یہ لازمی ہے کہ تمام ریاستیں دوسری ریاستوں کے قانونی فیصلوں، قوانین اور قانونی ریکارڈز کو تسلیم کرتے ہوئے ان کا احترام کریں گی۔ تاہم مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ۱۹۹۶ء میں کانگریس نے شادی بیاہ کا قانون (Defence of marriage Act) پاس کیا جس کی رو سے وفاقی سطح پر شادی کا مطلب عورت اور مرد کے درمیان جنسی تعلق

کی بنیاد پر ہوگا اور مزید یہ کہ کوئی ریاست کسی دوسری ریاست کے پاس کردہ ہم جنسی شادی کے قانون کو تسلیم نہیں کرے گی۔ اس کے تحت ۱۳ امریکی ریاستوں نے ایسے قوانین نافذ کر دیے جن کے تحت ہم جنس افراد کی شادی کے حق کو جو کسی دوسری ریاست میں دیا گیا ہو، تسلیم نہیں کریں گے۔ یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ ہم جنس شادیوں کے حامی لوگ، عوامی رائے کو بدلنے کے لیے عدالتی قانونی چارہ جوئی سے کام لینے میں کوشاں ہیں۔ انھیں جہاں بھی کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ قانونی چارہ جوئی کے ذریعے سے ہی ہوئی ہے لیکن جہاں بھی معاملہ رائے عامہ کے سامنے پیش ہوا، وہاں وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ اس سے یہ واضح سبق حاصل ہوتا ہے کہ اگر شادی کے ادارے کو بحال اور مضبوط کرنا ہے تو پھر اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اس موضوع کو جلد از جلد جمہوری سطح پر عوام کی رائے کے لیے پیش کیا جائے۔ (Robert P. George 2001)

شادی کے ادارے کی ہم جنس پرستی کے ذریعے از سر نو تشکیل جو درحقیقت اسے ختم کر دینے کے مترادف ہے، نے امریکہ کو اس وقت ایک دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے۔ شادی کی حمایت کرنے والے لوگ اس امر کے لیے کوشاں ہیں کہ ایسی ریزولوشن منظور کرائی جائے ”کہ امریکہ میں شادی کا مطلب صرف اور صرف مرد و عورت کا جنسی اختلاط ہے۔ امریکہ کا دستور اور قانون اور نہ ہی کسی ریاست کا دستور و قانون اس طرح بنایا جائے گا کہ ان کے تحت کسی غیر شادی شدہ جوڑے یا جوڑوں کو شادی شدہ کہا جائے گا۔“ حالیہ دنوں میں ہش انتظامیہ مردوں کی مردوں سے شادی کی مخالفت میں ایک دستوری ترمیم لانا چاہتی ہے۔ (Anon, 2004)

مغرب میں محبت کی شادی اور ڈیٹنگ کا تصور:

بیسویں صدی عیسوی میں امریکہ میں رائج، شادی سے پہلے عورت اور مرد کا ملاپ، بائبل کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے جس کے تحت عورت و مرد، شادی کے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تھے۔ قدیم زمانے میں ایسی ملاقات کا مقصد جنسی تعلقات کے لیے راہ ہموار کرنا نہیں ہوتا تھا۔ شادی بیاہ، والدین کی مرضی سے ہی سرانجام پاتے تھے اور اس کے لیے سب سے زیادہ اہمیت خاندانی پس منظر، خاندانی حالات اور دولت کو دی جاتی تھی۔ تاہم آج کے زمانے میں شادی ہی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو شادی کے اس قدیم طریقے کی طرف مراجعت کرنے

پر راضی ہوں۔ آج کے زمانے میں زیادہ یہی سمجھا جاتا ہے کہ دونوں اصناف کے افراد ایک دوسرے سے ملاقات کے دوران جنسی لذت سے بہرہ مند ہوں اور پھر اپنی زندگی کے لیے کسی ساتھی کا انتخاب کریں۔

آج کے دور میں بالعموم ملاقات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، کسی گھر، اپارٹمنٹ میں پلیس یا شراب خانے (Pubs) میں میل جول کریں اور پھر ایک دوسرے کو جوڑوں کی شکل میں ”پھانس لیں“ (Hooking Up)۔ یہ وہ اصطلاح ہے جس کے مفہوم میں ہر وہ فعل شامل ہے جو بوسہ بازی سے لے کر جنسی مباشرت پر منتج ہوتا ہو۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کو ”پھانسنے کے“ طریقے میں افراد ایک دوسرے سے علمی استفادہ کرنے یا صرف باتوں کے ذریعے متعارف ہونے تک محدود نہیں رہتے بلکہ ان کا مطمح نظر صرف اور صرف جنسی لذت (مباشرت) کا حصول ہوتا ہے۔ (Cheryl Wesszstein, 1999)

ڈیٹنگ کے طریقے ایک ایسی مادر پدر آزاد روش کی صورت اختیار کر چکے ہیں جہاں شادی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی بجائے کہ نوجوان طبقہ ان اقدار اور اقدامات کا خیال کرے جس کے ذریعے وہ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں، اس عمل میں بہت سے موڑ اور حادثات ہوتے ہیں جب کہ شادی کے امکانات بہت ہی کم ہوتے ہیں (Dan Cere, 1999)۔ بالغ لڑکے/ لڑکیاں دکانوں پر گھومتے پھرتے رہتے ہیں تاکہ کوئی مناسب پارٹنر مل جائے اور اس کوشش میں کامیاب ہونے کی صورت میں وہ اس امر کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ ایسے پارٹنر کے ساتھ مستقل طور پر تعلقات قائم کر لیے جائیں تاکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں جنسی افعال (مباشرت) سرانجام دے کر ایک دوسرے کو ”سمجھ سکیں۔“ دونوں فریق اس امر کا اختیار رکھتے ہیں کہ وہ ان تعلقات کو قائم رکھیں جس طرح شادی کی صورت میں ہوتا ہے یا پھر ان تعلقات کو ختم کر دیا جائے اور دوسرے کسی نئے پارٹنر کے ساتھ ”قریبی تعلقات (جنسی افعال)“ قائم کر لیے جائیں۔ یہاں اس امر کی صراحت بہت ضروری ہے کہ اس قسم کے تعلقات میں بے شمار لوگ ایک دوسرے کو چھوڑ کر کسی نئے شکار کی تلاش میں مصروف ہو جاتے ہیں تاکہ انھیں مستقل جنسی تسکین کا سامان فراہم ہوتا رہے۔ کورٹ شپ میں ہر دو فریقین کے درمیان، انسانی محبت کے گہرے

جذبات کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی اور نہ ہی اس امر کی کہ ایک دوسرے کی مدد کی جائے اپنی استطاعت کی حد تک!

آج سے قریباً چار دہائیاں قبل رابرٹ ایلس (Albert Ellis 1962) نے ایک متوط امریکی لڑکی کی جنسی زندگی کی بہت خوبصورت تصویر کشی کی تھی۔ وہ رقمطراز ہیں کہ ”جونہی میں امریکہ اپنی بیسویں سالگرہ کے قریب پہنچتی ہے تو وہ لڑکوں کے ساتھ باقاعدگی کے ساتھ ڈیننگ کرنے لگتی ہے۔ ڈیننگ کا یہ عمل نہ صرف اس کی جنسی خواہشات کی تکمیل کا سامان بہم پہنچاتا ہے بلکہ اسے معاشرے میں ایک نمایاں مقام بھی دلاتا ہے۔ جب کبھی اسے ہفتے کی شام کسی لڑکے کے ساتھ ڈیننگ پر نہیں جانا ہوتا تو وہ بہت پریشان اور مضطرب ہوتی ہے اور اکثر بہت ہی افسردہ اور غمگین دکھائی دیتی ہے۔ لیکن جب وہ ڈیننگ کر رہی ہوتی ہے تو پھر وہ غیر معمولی طور پر اپنی شخصیت، اپنے کپڑوں، اپنے بوائے فرینڈ کے ماحولی اور مالی حالات، وہ جگہ جہاں وہ ڈیننگ کے سلسلے میں رات کو قیام کرتے ہیں، اس کا بوائے فرینڈ کس حد تک اس معاشرے کے بارے میں سنجیدہ ہوگا اور وہ کس حد تک اس کے ساتھ جنسی مباشرت کے لیے اسے مجبور کرے گا، وہ اسے کتنے عرصے بعد دوبارہ ملنے کا خواہش مند ہوگا، اور اس کے والدین و دیگر سہیلیاں اس بوائے فرینڈ کے بارے میں کیا سوچتے ہیں وغیرہ جیسے امور سے متعلق متفکر رہتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ جب ڈیننگ نہیں کر رہی ہوتی تو وہ اس وجہ سے پریشان رہتی ہے اور یوں زندگی کو ہنسی خوشی بسر نہیں کر سکتی لیکن جب وہ ڈیننگ کر رہی ہوتی ہے تو وہ دو انتہاؤں کے درمیان بیچ و تاب کھاتی رہتی ہے۔ ایک انتہا امید و بیم کی اور دوسری انتہا اضطراب کی۔ بہت ہی کم مواقع ایسے آتے ہیں جب وہ دل جمعی اور اطمینان سے رہ سکے۔ جب اسے مسلسل ڈیننگ کا موقع مل رہا ہو تو وہ اپنے آپ کو بہتر اور محفوظ سمجھتی ہے اور فکر مند صرف اس لیے رہتی ہے۔ ان دونوں کو جنسی طور پر کس حد تک آگے جانا چاہیے اور وہ دونوں اس کام میں کس قدر سنجیدہ ہوں گے۔“

اس لڑکی کی حالت کے بارے میں وہ مزید رقمطراز ہے کہ ”اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ جنسی مباشرت کرنے کی گوگو کی کیفیت سے دو چار یہ لڑکی ان مسائل اور نتائج کے بارے میں بھی

پریشان رہتی ہے جو مباشرت کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ مس امریکہ اس بارے میں پریشان رہتی ہے کہ مباشرت کے نتیجے میں اگر شادی سے پہلے اس کو ناجائز حمل ٹھہر گیا تو ایسی حالت میں وہ کیا کرے گی؟ وہ برتھ کنٹرول کے بارے میں بھی متوحش رہتی ہے بالخصوص اگر اس کا تعلق کسی ایسے مذہبی فرقے سے ہو جو برتھ کنٹرول پر عمل کرنے کے مخالف ہیں۔ اسے یہ پریشانی بھی لاحق رہتی ہے کہ وہ ضبط ولادت کے کون سے طریقے پر عمل کرے کہ حاملہ نہ ہو سکے اور کس طرح وہ اس پر عامل ہو؟^❶ وہ اسقاط حمل کی پیچیدگیوں کے بارے میں بھی پریشان ہوتی ہے کہ وہ اس مسئلے سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکے گی اسے متعدد جنسی امراض کے لاحق ہونے کا بھی خدشہ لاحق رہتا ہے کہ وہ اس کی صحت و تندرستی نیز جان کی سلامتی پر کیسے اثر انداز ہوں گے؟

ہم البرٹ ایلس کی کتاب سے اس قدر طویل اقتباسات نقل کرنے پر معذرت خواہ ہیں۔ واضح رہے کہ مس امریکہ کی زندگی کی جو تصویر کشی ان اقتباسات میں کی گئی ہے (اور اس سے بھی زیادہ اصل کتاب میں) وہ کسی تبصرے کی محتاج نہیں! تاہم یہ معلومات ایک ایسے مستند ماخذ سے حاصل کی گئی ہیں جس کا تعلق خود امریکہ سے ہے کہ امریکی معاشرے کا جس سے زیادہ کوئی اور مزاج شناس نہیں ہو سکتا۔ مزید برآں یہ معلومات، قارئین کو اسلام کا نقطہ نظر سمجھنے میں بھی مدد دیں گی جن کا ہم ذیل کی سطور میں ذکر کر رہے ہیں۔

ڈینیٹنگ/محبت کی شادی کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر:

مغربی ممالک اور دیگر مسلم ممالک میں بھی ایک سوال کثرت سے پوچھا جاتا ہے کہ ڈینیٹنگ اور محبت کی شادی کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے؟ ڈینیٹنگ کا وہ چلن جو مغربی معاشرے میں رائج ہے اور جس میں لڑکا/لڑکی براہ راست ایک دوسرے کے ساتھ جنسی طور پر قربت میں رہتے ہیں یا ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں ملتے جلتے ہیں بغیر اس امر کا فیصلہ کیے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ شادی بھی کریں گے یا نہیں (اور جس کی ایک عام جھلک ہم نے گذشتہ صفحات میں دکھائی ہے) تو واضح رہے کہ اسلام اس قسم کے کسی چلن کی اجازت نہیں دیتا بلکہ شادی سے

❶ نو یا اس عمر کو پہنچ کر بھی امریکہ جیسے ملک میں رہتے ہوئے وہ اس حد تک لاعلم ہوتی ہے۔

قبل لڑکے اور لڑکی کا اس طریق پر حالت تنہائی میں ملنا اور کسی قسم کے جنسی افعال میں ملوث ہونا، حرام ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے لڑکے/ لڑکی کو اس امر کی اجازت نہیں کہ وہ کسی کمرے میں حالت تنہائی میں ملیں یا کسی جگہ باہر گھومیں پھریں جیسا کہ ایک حدیث میں بتایا گیا کہ ”جب کوئی مرد اور عورت تنہائی میں ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ ایک تیسرا فریق شیطان ہوتا ہے۔“ (بخاری مسلم)

اسی طرح اسلام میں کسی کورٹ شپ کا بھی کوئی تصور نہیں جیسا کہ مس امریکہ کے درج بالا حالات میں ہم نے پڑھا۔ کسی قسم کے رومانوی خیالات جن میں نوجوان لوگ مبتلا ہوتے ہیں، وہ بیشتر حالات میں غیر حقیقی اور نقصان دہ ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں ہمارے لیے مغرب اور امریکہ میں طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح پر نظر ڈال لینی ہی کافی ہونی چاہیے کیونکہ وہاں لڑکا اور لڑکی سالوں ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے رہتے ہیں، جنسی افعال میں ملوث ہوتے ہیں تاکہ ”ایک دوسرے کو اچھی طرح سے جان سکیں“ تاہم اس تمام کے باوجود اس امر کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی کہ ان کے یہ تعلقات مستقبل میں شادی کے لیے بھی مفید ہوں گے؟ رومانس اور محبت کے جذباتی خیالات، کسی صورت بھی شادی کی شکل میں ہونے والے مضبوط تعلقات اور دیرپا محبت کا متبادل نہیں ہو سکتے۔

اسلام کی نظر میں ”محبت کی شادی (Love marriage)“ نامی چیز، کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ محبت ایک جذباتی کیفیت کا نام ہے جبکہ شادی ایک مقدس تعلق ہے اور یہ مقدس رشتہ اس وقت قائم ہوتا ہے جب کوئی مرد اور عورت، دو گواہوں اور والدین/ سرپرست کی موجودگی میں باہمی ایجاب و قبول کریں۔ جب یہ تمام شرائط پوری ہو جاتی ہیں تو ان کے نتیجے میں ایک ایسا رشتہ اور تعلق قائم ہو جاتا ہے جو جائز، مفید اور مستقل بنیادوں پر استوار رہ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی قسم کا کوئی بھی تعلق مرد اور عورت کے لیے، اسلامی نقطہ نظر سے جائز نہیں۔ اسلام اس محبت اور مودت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو شادی کے نتیجے میں معرض وجود میں آتی ہے۔ اس قسم کی محبت زیادہ مضبوط، گہری اور جائز ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کی سورہ الروم میں وضاحت کی گئی ہے۔ (دیکھیے بارہواں باب)

یہاں اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ اگر ڈیننگ کو مباشرت کے ہم معنی سمجھا جاتا ہے جس میں مخالف صنفوں کے دو افراد اکٹھے ایک مکان/ کمرے/ ایک بستر پر سوتے ہیں بغیر درج بالا شرائط کو پورا کیے، تو ان کے اس قسم کے تعلقات قطعاً حرام ہیں کیونکہ یہ زنا ہے جس کی سزا سنسار کرنا یا کوڑوں کی سزا دینا ہے۔ (دیکھیے اٹھارواں باب)

اسلامی نقطہ نظر سے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو تنہا/ اکٹھے ہو کر باہر سیر و تفریح کے لیے جانے کی ممانعت ہے حتیٰ کہ متغنی کے بعد بھی انہیں بغیر کسی رشتے دار کی موجودگی کے ملاقات نہیں کرنی چاہیے۔ تاہم وہ کبھی کبھار ایک دوسرے سے ٹیلی فون پر بات چیت کر سکتے ہیں یا ایک دوسرے کو خطوط لکھ سکتے ہیں لیکن ان کے لیے شرم و حیا کے جذبات کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اس امر کا بھی خیال کرنا چاہیے کہ وہ ابھی تک غیر شادی شدہ ہیں اور جو کچھ شادی شدہ میاں بیوی کے لیے جائز ہے، وہ اس متغنی کی حالت میں ان سہولتوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے! یہاں اس امر کی صراحت شاید ضروری ہو کہ مسلمانوں میں کچھ لوگ اس بارے میں بہت قشیدہ خیالات رکھتے ہیں۔ وہ اپنے لڑکے یا لڑکی کو، ایک دوسرے کو دیکھنے کی اجازت دینے کے بھی روادار نہیں ہوتے۔ یہ ایک معاشرتی دستور اور روایت ہے جس کا اسلامی تعلیمات سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ تاہم آج کل ایک دوسرا رجحان بھی جڑ پکڑ رہا ہے جو کسی طرح بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے مسلمان بلکہ مذہبی والدین بھی اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ آزادانہ میل جول رکھنے اور ایک دوسرے کے ساتھ بغیر کسی رشتے دار مرد/ عورت کی ہتھ باہر جانے پر بھی کوئی قدغن نہیں لگاتے۔ یہ حرام ہے اور اس کو سختی سے روکنا چاہیے۔ اس قسم کے اعمال کو جاری رکھنے سے مسلم معاشرے میں بہت سی غلط باتیں جنم لے سکتی ہیں جس کا نتیجہ خاندانوں کی تباہی و بربادی ہے اور جس کا مشاہدہ ہم مغرب میں کر رہے ہیں!

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضور ﷺ نے نوجوان لوگوں کو نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے کہ متغنی/ شادی سے پہلے وہ ایک دوسرے کو ایک نظر دیکھ سکیں۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے شادی کی خواہش رکھتا ہو تو اگر وہ اسے دیکھ سکتا ہو اور اگر اس طرح اسے کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے

میں مدد حاصل ہونے کی توقع ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ اسے دیکھ لے۔“ جب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسی عورت سے شادی کی تجویز دی تو حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ”کیا تم نے اسے دیکھ لیا ہے؟“ انھوں نے جواب دیا ”نہیں۔“ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”اسے دیکھ لو کیونکہ اس طرح تمہارے تعلقات زیادہ دیر پا ہوں گے۔“ (نسائی، ابن ماجہ، ترمذی) ان احادیث نیز دیگر احادیث کی روشنی میں، فقہاء کی یہ رائے ہے کہ کسی لڑکے/لڑکی کے لیے، جو ایک دوسرے سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں، اس امر کی اجازت ہے کہ وہ کسی بالغ رشتے دار کی موجودگی میں ایک دوسرے سے مل لیں۔ تاہم یہ ملاقات کسی کی نگرانی میں اسلام کے بتائے ہوئے ستر/لباس کی حدود کی پابندی کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا ایسے لڑکے/لڑکیاں (جن کی ممکنہ ہو گئی ہو) ایک دوسرے کے ساتھ اکثر اور بلا روک ٹوک ٹیلی فون پر بات چیت کر سکتے ہیں؟ اس امر کو ہمیشہ کے لیے جان لینا چاہیے کہ اس طرح کے اکثر اور طویں ٹیلی فونک رابطے جائز نہیں ہیں۔

شادی کے صحیح اسلامی طریق کار کے بارے میں بھی اکثر سوال کیا جاتا ہے۔ جب کوئی نوجوان شادی کا ارادہ کرتا ہے تو پھر اس کے والدین/سرپرست، اس لڑکی کے خاندان وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔ متعدد مرتبہ لڑکی کے خاندان اور اس لڑکی سے ملنے کے نتیجے میں دونوں اطراف کے والدین، لڑکے اور لڑکی کی موجودگی میں ایک دوسرے سے ملنے کا بندوبست کرتے ہیں۔ خاندان میں اس بارے میں بالتفصیل بات چیت کے بعد، اہل خانہ شادی کرنے پر رضامند ہو جاتے ہیں یا اُس جگہ شادی کرنے کا خیال چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کوششوں کا آغاز کرتے ہیں۔ اسلام نے لڑکے اور لڑکی دونوں کو انتخاب کی اجازت دی ہے۔ ان کی مرضی کے بغیر انھیں کسی جگہ شادی کرنے پر کوئی بھی مجبور نہیں کر سکتا۔

اس طرح، والدین اور بڑوں کی نگرانی میں، لڑکے اور لڑکی کی ملاقات کے نتیجے میں جو فیصلہ کیا جاتا ہے، وہ مستقبل میں شادی کی کامیابی کے لیے ایک اہم قدم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اہل خاندان کی معاونت سے کیا گیا فیصلہ اس امر کی دلیل ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ کسی طرح کے جذبات یا رومانوی خیالات کے نتیجے میں نہیں کیا گیا بلکہ یہ فیصلہ بہت احتیاط اور معروضی جانچ پرکھ کا بنا ہے۔

کیا گیا ہے جس میں لڑکے اور لڑکی کی باہمی رضا مندی اور جوڑ کو اہمیت دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی شادیاں اکثر و بیشتر کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہیں۔

والدین کا اپنے لڑکے یا لڑکی کے لیے شریک حیات کا انتخاب ایک مشورے/ نصیحت تک محدود ہوتا ہے، انھیں اپنی رائے ٹھونسنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اللہ کریم نے انھیں اس امر کا اختیار نہیں دیا کہ وہ اپنی مرضی/ پسند کی لڑکی سے اپنے بیٹے کا بیاہ کر دیں، اگرچہ ان کے پاس اپنے بیٹے کی بیوی کا انتخاب کرنے کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن انھیں اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی لڑکی کے ساتھ زندگی بھر نباہ ان کے بیٹے نے کرنا ہے اور انھیں اس کی خوشی اور پسند کو کسی طور پر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ پس لڑکے کی پسند اور خواہش کو ہی اولیت دینی چاہیے۔

اگر کوئی لڑکا، کسی لڑکی کو پسند کرتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ لڑکی مذہبی ذہن اور مضبوط ارادے کی حامل ہے تو لڑکا اپنے والدین کی مرضی کے برخلاف اپنے فیصلے پر عمل درآمد کر سکتا ہے بشرطیکہ لڑکی کے والدین ان حالات میں اس کی تجویز اور فیصلے سے اتفاق کریں۔ لڑکے کے لیے اس میں کسی گناہ کا کوئی اندیشہ نہیں۔ ان حالات میں وہ حضور ﷺ کی ہدایت پر عمل کر رہا ہے جبکہ اس کے والدین اس کی مخالفت۔ ان وجوہات کی بنا پر اس نوجوان کے والدین کی رائے، لڑکے کی رائے سے بہتر نہیں بشرطیکہ لڑکا ایک باکردار، درست عقیدے اور ارادے کی حامل لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہو۔ اس ضمن میں والدین کی حکم عدولی، ان کی نافرمانی کے زمرے میں نہیں آتی۔

اگرچہ ایک کنواری بالغ لڑکی کے لیے بھی اپنے ہم سفر کا انتخاب، اس کے والدین/ سرپرست کی اجازت کے ساتھ مشروط ہے تاہم اس کا ارادہ و اختیار بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اسلام، عورت اور مرد کی بحیثیت انسان، عزت و احترام کا قائل ہے اور وہ اپنے جیون ساتھی کے انتخاب کے لیے دونوں اصناف کے افراد کی رائے اور فیصلے کو اہمیت دیتا ہے۔ کسی شخص کے لیے بھی چاہے وہ کوئی بھی ہو، یہ مناسب نہیں کہ کسی لڑکی کو کسی ایسے مرد کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کرے، جسے وہ دل سے نہیں چاہتی۔ اس ضمن میں بریرہ رضی اللہ عنہا نامی ایک حبشی لونڈی کا واقعہ نقل کرنا کافی ہے۔ یہ عتبہ بن ابولہب کی لونڈی تھی جس نے اسے مجبور کر کے مغیث نامی ایک حبشی غلام کے

ساتھ اس شادی کردی۔ وہ اس رشتے کو کبھی بھی قبول نہ کرتی اگر وہ اپنے معاملات کی خود ذمہ دار ہوتی (کیونکہ وہ کسی کی لونڈی تھی)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر رحم کھاتے ہوئے، اُسے خرید کر آزاد کر دیا۔ تب اس نوجوان لڑکی نے محسوس کیا کہ اب وہ آزاد ہے اور اپنی مرضی سے اپنی شادی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کی مجاز بھی! اس نے اپنے خاوند سے کہا کہ وہ اسے طلاق دے دے۔ اس کا خاوند روتے ہوئے اس کے پیچھے چلتا اور اس کی منت سماجت کرتا لیکن اس لڑکی نے اس کو انکار کر دیا۔ بخاری کی روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس لڑکی کے اپنے خاوند سے طلاق لینے پر اصرار کے بارے میں حضور ﷺ کو آگاہ کیا۔ حضور ﷺ اس واقعے سے بہت متاثر ہوئے اور اس معاملے کو حل کرانا چاہا۔ حضور نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا ”اے عباس، کیا یہ امر تمہارے لیے باعث تعجب نہیں کہ مغیث اپنی بیوی بریرہ سے کس قدر محبت کرتا ہے اور بریرہ کس قدر مغیث سے نفرت کا اظہار کرتی ہے؟ حضور ﷺ نے بریرہ سے فرمایا کہ ”تم دوبارہ اس کے ساتھ کیوں نہیں چلی جاتیں؟ (یعنی مفاہمت کر لیتیں)۔ اس نے کہا کہ ”اے اللہ کے پیغمبر ﷺ! کیا آپ مجھے ایسا کرنے کا حکم دے رہے ہیں؟“ حضور ﷺ نے فرمایا ”میں اس کی طرف سے صرف سفارش کر رہا ہوں۔“ اس نے کہا کہ ”مجھے اس کی ضرورت نہیں!“ حضور ﷺ، انسانی جذبات و نفسیات کے اس واقعے سے بہت متاثر ہوئے۔ ایک طرف محبت کے اس قدر فواہل جذبات اور دوسری جانب اس شدت کے ساتھ اس سے نفرت اور بیزاری کا اظہار۔ اس کے بعد حضور ﷺ کے کہنے پر مغیث نے اسے طلاق دے دی۔

ایک مسلمان عورت جو دین کی تعلیمات سے آگاہ ہے، اپنے جیون ساتھی کے انتخاب کے لیے صحیح فیصلہ کر سکتی ہے۔ وہ اپنی پسند کو صرف ظاہری خوبصورتی، اونچے معیار، ایک پر تعیش زندگی یا اسی قسم کے دیگر امور جو عام طور پر عورتوں کے لیے دلچسپی اور دلکشی کا باعث ہوتے ہیں، تک محدود نہیں کرتی۔ وہ لڑکے کا دین کے ساتھ تعلق اور اس کے رجحان اور عملی رویے پر بھی نظر رکھتی ہے کیونکہ وہ سمجھتی ہے یہ خوبی کسی سے شادی کرنے کے لیے ایک مضبوط بنیاد ہے اور یہی ایک اچھے اور مثالی خاوند کی بہترین صفات بھی ہیں۔ (دیکھیے چودھواں باب)

مغرب میں، شادی کے اس اسلامی طریقے کا مذاق اڑایا جاتا ہے تاہم یہ امر واقعہ ہے کہ اس

قسم کی شادیاں جو والدین اور فریقین (لڑکا/لڑکی) کی باہمی رضامندی سے طے پائیں، وہ زیادہ دیر پا اور خوشی و اطمینان کا باعث ہوتی ہیں بہ نسبت ان رومانوی اور جذباتی شادیوں کے جو کورٹ شپ یا ڈیٹنگ کی بنیاد پر کی جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ جوان لڑکے اور لڑکیاں، اکثر و بیشتر اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر صرف ظاہری خوبصورتی پر انحصار کرتے ہیں جبکہ ان دونوں کے مزاج اور عادات و اطوار ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے۔ لیکن جب زندگی کے تنگ حقائق سامنے آتے ہیں تو شادی سے قبل کا رومانس اور محبت کے جذبات دیر تک قائم نہیں رہتے جبکہ والدین کی مرضی اور لڑکے/لڑکی کی باہمی رضامندی سے جو شادیاں ہوتی ہیں اور جن میں وہ نہ صرف ظاہری خوبصورتی اور جذبات کا لحاظ کرتے ہیں بلکہ ان کا فیصلہ، ناقدانہ انداز میں ایک دورے کے ساتھ نباہ کرنے کے نقطہ نظر سے ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایسی شادیاں کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہیں۔

مغرب میں شادی بیاہ کے طریقے اور اس کے سنجیدہ مہلک اثرات کا جائزہ لینے کے بعد یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ہم ایک ایسے موضوع کا مطالعہ کریں جو شادی کے برعکس ہے یعنی تجرد کی زندگی۔

تجرد (Celibacy):

تجرد کی تعریف ایک ایسی زندگی سے کی جاسکتی ہے جس میں کوئی فرد (مرد اور عورت) شادی نہیں کرتا اور جنسی افعال (مباشرت) سے بچتے ہوئے زندگی بسر کرتا ہے۔ لیونارڈ وابر (Leonard Waber 1975) اس بارے میں یوں رقمطراز ہے کہ ”تجرد کی زندگی بسر کرنے سے مراد صرف شادی کا نہ کرنا ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص عیسائیت کی تعلیم کی روشنی میں شادی نہ کرے اور بالخصوص لاطینی چرچ کی تعلیمات کے اتباع میں مذہبی لیڈر (راہبوں) کی حیثیت سے زندگی گزارے جنہیں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اور جو مکمل طور پر (بظاہر) لنگوٹ بند زندگی گزارتے ہیں۔

تجرد کا تاریخی پس منظر:

یہودی روایات میں مجرد رہنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ عہد نامہ قدیم کی تعلیم کہ ”بچوں کی

پیدائش کے ذریعے آبادی بڑھاؤ“ (Genesis; 1:128 ; Psalm 127:3-4) پر یہودی سنجیدگی سے عملاً کار بند تھے۔ اسرائیلی روایات میں کسی خاندان کا بڑا ہونا یعنی عددی کثرت ایک الہامی انعام تصور کیا جاتا تھا (Genesis 22:17)۔ بانجھ پن کو ایک لعنت سمجھا جاتا تھا (Genesis 30:1 ; Samuel 1:6-8)، کنوار پن کو افسوس اور غم کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ (Judges 11:32) ربیوں (مذہبی راہ نمائوں) کو بالخصوص ”بچے پیدا کرو اور آبادی بڑھاؤ“ کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر خدائی احکامات کی پیروی کا ایک نمونہ بننا پڑتا تھا۔ تاہم اس کے باوجود ان کے ہاں بہت سے ایسے فرقے، فلسطین میں پائے جاتے تھے اور کچھ فرقے مصر میں بھی جو شادی سے محترز اور ہر قسم کے جنسی اختلاط سے پرہیز کرتے تھے۔ ان فرقوں کے ماننے والے لوگ، عام یہودیوں سے الگ تھلگ بحیرہ مردار کے نزدیک رہتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تجرد کو فروغ نہیں دیا۔ ان کے ۲۰۰ سال بعد تک عیسائیت میں مجرد رہنے کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا تھا۔ تاہم عیسائیت میں تجرد کو فروغ اس نقطہ نظر سے حاصل ہوا کہ انسان اپنی جنسی قوت پر قابو پاسکے اور جسمانی / نفسانی (جنسی) خواہشات سے بالاتر ہونے۔ اس کتاب کے پہلے باب میں ہم نے تفصیلاً اس امر کا جائزہ لیا ہے کہ عیسائیت میں تجرد کا تصور کیسے داخل ہوا اور کون کون سے طریقوں پر راہب (Fathers of Church) عمل پیرا ہوتے تھے، عیسائی چرچ میں تجرد کی زندگی گزارنے کا تصور سینٹ جیروم (St. Jerome) اور سینٹ آگسٹائن (St. Augustine) کا دیا ہوا ہے جن کے خیال میں آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلے جانے والے بدقسمت واقعہ کا تعلق جنسی خواہشات سے تھا۔

سینٹ جیروم، تجرد کی زندگی بسر کرنے کا اولین اور متشدد داعی تھا۔ وہ بدھ مت کی تعلیمات سے بھی آگاہی رکھتا تھا بالخصوص ان کہانیوں سے جن کا تعلق مایا (Maya) اور اس کے خاوند سے تھا جنہوں نے پاک و صاف رہنے (جنسی تعلقات سے پرہیز کرنے سے) کی قسم کھائی تھی اور جس کے نتیجے میں ان کے ہاں بدھا کی پیدائش ہوئی۔ جیروم کے نزدیک شادی کا تصور شیطان کا دیا ہوا تھا اور اس کی وجہ سے متعدد ایسے سینٹ (مثلاً سینٹ پیٹر) جو شادی شدہ تھے، کو ان سینٹس (Saints) مثلاً سینٹ جان کی نسبت کم تر سمجھا جاتا تھا جن کی شادی نہیں ہوئی تھی۔

اسی طرح سینٹ آگسٹائن بھرپور جنسی زندگی گزارنے کے بعد، مجرد رہنے کا داعی بن گیا۔ اس کا خیال تھا کہ جنسی افعال میں ملوث ہونا چاہے وہ شادی کے نتیجے ہی میں کیوں نہ ہو، ایک گناہ کا فعل ہے کیونکہ اس کے خیال میں حضرت آدم علیہ السلام، جنسی مباشرت کی وجہ سے گناہ سے آشنا ہوئے تھے جس کا نتیجہ بچوں کی پیدائش کی شکل میں ظاہر ہوا اور جو جنت سے نکالے جانے/سزا کا سبب بنا۔ اس کی نظر میں اس گم کردہ مقام کو حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ انسان تجرد کی زندگی بسر کرے۔ وہ انسان کے عضو تاسل (Penis) کی خیزش (Erection) جو جنسی اشتعال کی وجہ سے ہوتی ہے، کو خدا کے مقابلے میں بغاوت کا نشان سمجھتا تھا جبکہ ایک انسان کی یہ حیثیت ہے کہ وہ اللہ کے سامنے ہمیشہ عاجزی اور انکسار کے ساتھ کھڑا رہے۔ (Harry. A. Walsh, 1999)

سینٹ بنی ڈکٹ (St. Benedict 480-543) نے راہبوں کے لیے ایک قانون بنایا کہ دو افراد کسی ایک بستر پر سو نہیں سکتے اور کمروں کی بجلی ساری رات جلتی رہنی چاہیے۔ بوسویل (Bosowell 180) نے بقول ہیری ویلش (۱۹۹۹) اس پر حیرت کا اظہار کیا کہ بنی ڈکٹ کے اس ”معالجاتی نسخے“ (Prescription) کی وجہ سے کیا ہمیں اس امر کا پتہ نہیں چلتا کہ اس طرح قانوناً مجرد رہنے کی بنا پر راہبوں میں ہم جنسی پرستی کی وبا پھوٹ پڑی۔ اس کے مطابق قانوناً مجرد رہنے کے اس حکم کے ایک صدی بعد تک (۱۱۵۰-۱۰۵۰) راہبوں میں ہم جنس پرستی کا رجحان اس قدر زور پکڑ گیا جس کا مشاہدہ، عیسائیت کی تاریخ میں کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔ دیگر اہل علم نے بھی ان مشاہدات اور خیالات کی تائید کی ہے کہ دنیا کے مذاہب کی تاریخ میں آنھویں صدی عیسوی سے گیارہویں صدی عیسوی کے دوران، چرچ اور نتوں کی رہائش گاہوں (Nunneries) کی حالت بہت شرمناک تھی۔ (Lecky, 1897; Maududi 1999a)۔ تاہم سینٹ جیروم اور سینٹ آگسٹائن کی تعلیمات کے عام ہونے سے قانوناً مجرد رہنے کے اصول کو متعارف کرانے اور اسے مقبول بنانے کو ایک بنیاد مل گئی۔

تجرد کی زندگی گزارنے کے دو اہم ترین اثرات اور نتائج نکلے۔ اولاً اس کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کی زندگی تباہ ہوئی اور ثانیاً اسے عیسائی تعلیمات کے دور رس اثرات دیگر تمام

الہامی مذاہب کی تعلیمات پر پڑے جس کے نتیجے میں انسانیت الحاد (Secularism) کی گود میں جا پڑی۔ موجودہ زمانے میں مادر پدر آزاد شہوت رانی کا یہ رجحان دراصل ایک رد عمل ہے ان غیر فطری رکاوٹوں پر مبنی تعلیمات کا جو عیسوی مذہب کی تعلیمات نے انسان کی جنسی جبلت پر شادی کی صورت میں بھی عائد کر رکھی تھیں۔

ایک تہذیبی روایت کے طور پر تجرد کا آغاز پانچویں صدی قبل مسیح، ہندوستان میں بدھ مت اور جین مت کی وجہ سے ہوا۔ ہندو لٹریچر میں برہمچاریہ/تجرد ایک مقدس الہامی تصور سمجھا جاتا تھا۔ یہ دو الفاظ پر مشتمل ہے ”چار“ بمعنی طرز عمل جس کے ذریعے ایک انسان ”براہما“ (خدا) تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ ”برہمچاریہ“ کا مطلب مطلقاً ہر قسم کے جنسی خیالات، اعمال اور خواہشات سے پرہیز ہے۔ یہ مجرد رہنے کا ایک عہد ہے۔ اس میں ایک انسان اپنے خیالات، حرکات و سکنات، بول چال اور اعمال میں ہر قسم کی جنسیت سے دور رہتا ہے۔ وہ صرف شادی کے بغیر ہی نہیں رہتا کہ اس میں نہ صرف مباشرت سے پرہیز لازم ہے بلکہ دیگر اقسام کے سفلی اور جنسی جذبات اور اعمال یعنی مشت زنی، ہم جنس پرستی اور ہر طرح کے جنسی انحرافات سے بھی پرہیز کرتا ہے۔ اس کے تحت کسی فرد کا ذہنی طور پر جنسی خیالات کے ذریعے جنسی لذت کا حصول اور جنسی گفتگو کرنا بھی منع ہے۔ ان اصولوں پر مرد اور عورت دونوں یکساں حیثیت سے عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ہندو لٹریچر کے مطابق بشما (Bhishma)، ہنومان، لکشمی وغیرہ تمام تجرد کی زندگی بسر کرنے والے اصحاب تھے۔ آئزک نیوٹن (ایک بہت بڑا سائنس دان ۱۷۲۷-۱۶۴۲) بھی اس حد تک تجرد کا قائل تھا کہ اس نے نصف عمر تک شادی کے ہر قسم کے بکھیروں سے پرہیز کیا اور بہت سے مورخین کا اس کے بارے میں یہ بھی خیال ہے کہ وہ جنسی لذت/مباشرت سے لطف اندوز ہوئے بغیر ہی ۸۵ سال کی عمر میں کنوار پن کی حالت میں مر گیا!

تجرد کا حامل طرزِ زیست مکمل طور پر اپنانے کے لیے ہندو اہل علم نے مختلف طریقوں کی سفارش کی ہے۔ ان کے مطابق ”صنف مخالف کے متعلق کوئی خیال بھی ذہن میں پیدا نہ ہونے دیا جائے، صنف مخالف کی جانب دیکھنا بھی چاہیے کہ اس کے ذریعے ان سے بات کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے جس سے جنسی خواہش پیدا ہوتی ہے۔“ ہر عورت کی شکل میں تمہیں اپنی

ماں کی تصویر نظر آنی چاہیے۔“ عورتوں سے گفتگو کے ذریعے ان کے جسم کو چھونے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور یوں جنسی خواہش بیدار ہوتی ہے جس کے نتیجے میں انسانی ذہن گناہ پر آمادہ ہوتا ہے۔ دیکھنے اور سوچنے کی بنا پر احتلام ہوتا ہے اور یہ تمام اعمال مجرد زندگی کے اصولوں کے خلاف ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے اندر عبادت کی روح پیدا کرے اور الہامی خیالات پر سوچ بچار کرے۔ ایثار کے نام کی مالا چھنی چاہیے اور باقاعدگی سے عبادت بھی کرنی چاہیے۔“

تجرد کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر:

اس کتاب میں کسی جگہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام، انسان کی جبلتی اور فطری خواہشات پر کوئی تدغین نہیں لگاتا بلکہ وہ ان تمام خواہشات اور داعیات کو اس طریق پر منظم کرتا ہے کہ اس سے انسان کے فطری تقاضوں کی تکمیل ہو سکے۔ قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کی ایک بلیغ انداز میں تحسین کرتے ہوئے، تجرد کی زندگی کے بارے میں سورہ الحدید (۵۷: ۲۷) میں یوں فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَافَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾

”اور جن لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی ان کے دلوں میں ہم نے ترس اور رحم ڈال دیا اور رہبانیت انھوں نے خود ایجاد کر لی ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انھوں نے آپ ہی یہ بدعت نکالی اور پھر اس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا اسے ادا نہ کیا۔“

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تجرد کی زندگی ایک غیر اسلامی عقیدہ ہے اور یہ کبھی بھی کسی صحیح الہامی دین کا حصہ نہیں رہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”اسلام میں مجرد رہنے کی گنجائش نہیں“ (مسند احمد)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ ”اگر میری زندگی کے صرف دس دن باقی ہوں تو میں شادی کرنا چاہوں گا تاکہ میں اللہ سے مجرد حالت میں نہ ملوں۔“ حضرت معا، بن جبل رضی اللہ عنہ کی دو بیویوں کا انتقال طاعون کی وجہ سے ہوا۔ جس کی وجہ سے وہ خود بھی متاثر ہوئے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ”میرے لیے کوئی بیوی لا دو کیونکہ میں اللہ سے اس حال میں نہیں ملنا

چاہتا کہ حالت مجرد میں ہوں۔“ ایک حدیث کی رو سے جو بخاری اور مسلم دونوں کتب احادیث میں نقل ہوئی ہے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ رات بھر نماز ادا کریں گے، ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ مسلسل روزے بغیر افطار کیے رکھیں گے اور ایک تیسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ کبھی شادی نہ کریں گے اور عورتوں سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے، جب آنحضور ﷺ کو اس بات کا پتہ چلا کہ انھوں نے کیا طے کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((انی لا خشکم والقاکم له لکنی اصوم و افطر اصلی وارقد واتزوج

النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی))

”کہ خدا کی قسم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، اور ہر وقت اس کی ذات کے تصور سے آگاہ رہنے والا ہوں، لیکن اس کے باوجود میرا طریقہ یہ ہے کہ میں روزے رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور میں عورتوں سے شادی کرتا ہوں۔ ہر وہ شخص جو میرا اتباع نہیں کرتا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ فرماتے تھے ”اپنے اوپر سختی اور شدت نہ کرو۔ مبادا اللہ تعالیٰ تم سے سختی اور شدت برتیں۔ ایک فرقے نے اپنے لیے جب اس قسم کی سختی کو روا کر لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں سختی میں مبتلا کر دیا۔ دیکھو ان کے اخلاف (بچ جانے والے لوگ) گر جا گھروں اور عیسائیوں کی عبادت گاہوں میں رہتے ہیں۔ (ابوداؤد)

درج بالا تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم، ان آیات کے ذریعے عیسائیت کے کمزور پہلو کی جانب توجہ دلا رہا ہے۔



اسلام میں شادی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ ”شادی پر خوشی کا اظہار کرو اور اس کا اعلان مسجد میں کرو نیز اس موقع پر دف بھی بجاؤ۔“ (ترمذی)

اسلام میں شادی کی اہمیت:

گذشتہ باب میں ہم نے مغربی دنیا میں عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں شادی کے رسم و رواج کا جائزہ لیا اور دیگر مذاہب (ہندومت/ بدھ مت) میں بھی اس موضوع پر متعلق تعلیمات کا مطالعہ کیا۔ اس باب میں ہم اسلام میں شادی کے نقطہ نظر کا مطالعہ کریں گے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ مسلم معاشرے میں خاندان کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے اور اس ادارے کی تشکیل کا واحد ذریعہ شادی ہے۔ اس امر کی جانب بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم کے تصور ازواج کو (جو تمام ذی حیات اجسام میں پایا جاتا ہے) کو انسانوں میں مرد و عورت کے ملاپ کے ذریعے (شادی کی صورت میں) کس طرح خاندانی نظام کی بنیاد بنایا گیا ہے اور اس کے ذریعے بنی نوع انسان کو دنیا کے وسیع و عریض خطوں میں پھیلا دیا گیا ہے (سورہ النساء: ۴، سورہ الفرقان: ۲۵-۵۴)۔ اس طریق پر خاندانوں کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا جس کے نتیجے میں قبائل اور اقوام وجود میں آئیں۔ اس امر کی جانب بھی اشارہ کرنا ضروری ہے کہ اسلام میں شادی کو ایک حیاتیاتی ضرورت کے تحت جائز قرار دیا گیا ہے جس کے نتیجے میں ایک انسان کی جنسی خواہش کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسلام میں شادی کو کسی فرد یا افراد کے درمیان محض باہمی رضا مندی سے خفیہ طور پر اکٹھے رہنے کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا اور نہ ہی اسے صرف ایک کاغذ کا ٹکڑا سمجھا گیا ہے (ایسا معاہدہ جس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی) تاکہ اس کے ذریعے دو

مخالف صنفوں کے افراد اپنی جنسی تسکین کا سامان کر سکیں اور یوں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو سکیں جیسا کہ مغرب میں سمجھا گیا ہے۔

اسلام میں ہر دو اصناف کے درمیان شادی کے ذریعے روحانی، جسمانی، جذباتی اور نفسی تسکین اور ایک دوسرے کا جیون ساتھی بننے کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔ جیون کے اس ساتھ کی وجہ سے دونوں میں باہمی محبت، مہربانی، اعتماد اور مودت و رحمت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں جسے سکینت کے نام سے پکارا گیا ہے! اس کی وجہ سے قانونی طور پر ایک خاندان کی بنیاد پڑتی ہے۔ دونوں میاں بیوی کے درمیان تعلقات کی بنا پر جو بچے پیدا ہوتے ہیں، وہ ایک دوسرے کے جائز اور قانونی وارث ہوتے ہیں۔

دیگر ادیان و مذاہب کے برعکس، اسلام شادی کا سب سے بڑا وکیل (ایڈووکیٹ) ہے۔ اسلام کی نظر میں یہ ایک دینی فریضہ ہے اور اس بنا پر اخلاقی حفاظت کا ذریعہ اور ایک معاشرتی ضرورت بھی۔ اسلام تجربہ کی زندگی کو کسی صورت بھی تقویٰ یا ایمان کی علامت نہیں سمجھتا۔ اس کے برعکس، اسلام ایک وسط کی راہ نکالتا ہے جس کے ذریعے انسان اپنی جنسی جبلت کی تسکین کر سکتا ہے۔ اسلام، دیگر مذاہب کی طرح نہ تو اس کی مذمت کرتا ہے اور نہ ہی اسے مادر پدر آزاد چھوڑ دیتا ہے جس طرح کہ مغرب اور امریکہ میں ہو رہا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہم اس جبلت کو منظم اور منضبط کریں تاکہ اس دنیا میں ایک معتدل طریق پر رہا جاسکے۔ سورہ الرعد (۱۳: ۲۸) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾

پھر سورہ النور (۲۴: ۳۲) میں یوں فرمایا:

﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ﴾

سورہ نور کی اس آیت میں ”ایک لفظ ”ایامی“ آیا ہے جو کہ جمع کا صیغہ ہے ”ایم“ کا جس کے معنی ایک فرد کے ہیں اور اس کا اطلاق ہر اس مرد پر ہوتا ہے جو غیر شادی شدہ ہے اور اسی طرح ہر عورت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جس کا کوئی شوہر نہ ہو (غیر شادی شدہ)۔ غلاموں اور لونڈیوں کے مالکان کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے غلاموں/ لونڈیوں کی شادیاں کر دیں جو اپنے رویے

ت بہتر عمل کا مظاہرہ کریں اور جن کے بارے میں تمہیں یقین ہو کہ وہ شادی کے حقوق و فرائض بہ اسن پورا کر سکیں گے۔ ان آیات کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے معاشرے میں کسی فرد کو غیر شادی شدہ حالت میں نہیں رکھنا چاہیے۔ (سید مودودی)

قرآن حکیم کی ان آیات اور حضور ﷺ کی احادیث کے بغور مطالعے سے فقہائے کرام نے استنباط کر کے شادی کے عمل کی تعریف بایں الفاظ کی ہے ”شادی میری سنت ہے اور جو شخص میری سنت سے منہ موڑتا ہے، وہ مجھ سے منہ موڑتا ہے“ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے زور دیا کہ ”اے جوان مرد و عورت! تم میں سے جو کوئی شادی کا بوجھ برداشت کر سکتے ہوں، انھیں چاہیے کہ وہ شادی کر لیں۔ لازماً یہ آنکھ کی حفاظت کرنے والی چیز ہے اور انسان کے جنسی اعضاء کی حفاظت کرتی ہے۔ تاہم جو کوئی ایسا نہ کر سکیں تو انھیں چاہیے کہ وہ روزے رکھیں کہ یہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

حضور ﷺ نے ایسے لوگوں کے لیے اللہ کریم کے فضل و کرم کی یقین دہانی کرائی ہے جو شادی کے خواہش مند ہوں اور پاکیزہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہوں۔“

((ثلاثة حق على الله عونهم المجاهد في سبيل الله، والمكاتب

الذي يريد الاداء، والنامح الذي يريد العفاف))

”لوگوں کے تین گروہ ایسے ہیں جن کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ مجاہد، جو

اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، ایک مزدور، جو اپنا قرض اتارنا چاہتا ہو اور تیسرا وہ شخص، جو

شادی کے ذریعے باعفت زندگی بسر کرنے کا خواہش مند ہو۔“ (ترمذی)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے مطابق شادی کی حیثیت صرف سفارش کی نہیں۔ کچھ افراد کے لیے یہ واجب/فرض ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اسے مستحب یا مباح سمجھتے ہیں۔ تاہم اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی مرد (عورت یا مرد) اس امر سے ڈرتا ہو کہ شادی نہ کرنے سے وہ گناہ (زنا) میں مبتلا ہو جائے گا تو پھر اس کے لیے شادی واجب کا حکم رکھتی ہے۔ اگر کسی شخص میں جنسی داعیہ بہت زور دار ہو تو ایسے شخص کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ شادی کرے۔ تاہم شادی کو کسی صورت بھی موخر نہیں کرنا چاہیے بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو

اس کی استطاعت رکھتے ہوں۔

نوجوانوں کے لیے شادی کرنے کی حوصلہ افزائی کرنے کی حکمت کو جدید ریسرچ نے ثابت کر دیا ہے۔ جارج گلڈر (George F. Gilder 1975) رقمطراز ہیں کہ ”سماجی طور پر بیمار لوگوں کی ۸۰ سے ۹۰ فی صد تعداد ان لوگوں پر مشتمل ہے جو غیر شادی شدہ ہوتے ہیں، اور وہ سوسائٹی کے دیگر افراد کی نسبت اوسطاً کم آمدنی کماتے ہیں۔ ہاں کسی ایک سنگل عورت یا کام کرنے والی عورت سے بھی کم! جیسا کہ کسی انشورنس کمپنی کے اعداد و شمار کا جائزہ لینے سے پتہ چلا کہ غیر شادی شدہ لوگ اپنے بلوں کی ادائیگی میں بہت کم محتاط ہوتے ہیں، وہ ڈرائیونگ کرتے وقت بھی بہت کم احتیاط برتتے ہیں اور دیگر ذاتی و انفرادی معاملات میں بھی تساہل پسند ہوتے ہیں۔ اس طرح کنوارے مرد ۲۱ گنا زیادہ تعداد میں جیل یا تارا کرتے ہیں یا وہ دماغی امراض سے ہسپتالوں میں داخل ہوتے ہیں بہ نسبت شادی شدہ لوگوں کے۔“

(Hugh Carter and Paul.G. Glick, 1970)

شادی کی اسی اہمیت کے پیش نظر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امت کے دیگر صلحاء و اہل خیر لوگوں نے بیوی کی وفات کی صورت میں دوسری شادی کرنے میں کبھی تاخیر گوارا نہیں کی، مثال کے طور پر:

- ۴۴ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو حضور ﷺ کے بھتیجے اور داماد تھے اور چوتھے خلیفہ بھی، نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے ساتویں دن بعد شادی کر لی۔
- ۴۴ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مثال پہلے گزر چکی ہے کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملیں کہ وہ غیر شادی شدہ ہوں۔
- ۴۴ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر شادی کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں اس لیے شادیاں کرتا ہوں کہ میری اولاد زیادہ ہو۔

- ۴۴ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک آدمی میرے والد صاحب کے پاس آیا میرے والد صاحب نے پوچھا کہ ”کیا تم شادی شدہ ہو؟“ اس نے نفی میں جواب دیا۔ میرے والد نے فرمایا کہ ”میں دنیا کی تمام تر نعمتوں پر اپنی بیوی کے ساتھ ہر رات شب

باشی کرنے کو ترجیح دوں گا۔“ (وصایا؟ جلد ۱۲: ۷)

زمانہ جاہلیت میں شادی کی اقسام:

اسلام سے قبل جاہلیت کے زمانے میں شادی بیاہ کے جو طریقے رائج تھے، ان کا مطالعہ مفید رہے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ قبل از اسلام عربوں میں نکاح کی چار اقسام رائج تھیں۔

« پہلی وہ قسم جو آج کل مقبول ہے۔

« دوسری قسم میں خاوند اپنی بیوی کو ہدایت کرتا تھا کہ وہ اپنی ماہواری ختم ہونے پر کسی خاص مرد کے ساتھ مباشرت کرے۔ جب تک اس عورت کو حمل نہیں ٹھہر جاتا وہ شوہر اپنی بیوی سے مجامعت نہیں کرتا تھا۔ تاہم حمل کی شناخت ہونے پر وہ اپنی بیوی سے مقاربت کرتا تھا۔ یہ اس لیے کیا جاتا تھا کہ کسی اعلیٰ نسب کا عمدہ اوصاف کا حامل لڑکا حاصل کیا جائے۔ جنسی تعلق کی اس ناجائز شکل کو ”نکاح استبازہ“ کہا جاتا تھا۔

« نکاح کی ایک تیسری شکل یہ تھی کہ متعدد مرد (۱۰ سے کم) کسی عورت کے ساتھ مباشرت کرتے تھے۔ بچے کی ولادت کے چند دنوں بعد وہ عورت ان تمام گاہک مردوں کو بلا بھیجتی اور کسی کی مجال نہ ہوتی تھی کہ وہ وہاں جانے سے انکار کر سکے۔ ان تمام مردوں کی موجودگی میں وہ عورت اس بچے کا انتساب کسی ایک مرد کے ساتھ کر دیتی تھی اور اسے کہتی تھی کہ اپنے بچے کا نام رکھے۔ بچہ اس شخص کی اولاد کہلاتا تھا جس کو وہ عورت نامزد کرتی تھی اور وہ اس سے انکار کا حوصلہ نہ رکھتا تھا۔

« شادی کی چوتھی قسم یہ تھی کہ کچھ عورتیں اپنے گھروں پر جھنڈے لگا چھوڑتی تھیں۔ لوگ اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کے لیے ان کے پاس جاتے تھے جب اس عورت کے ہاں بچے کی ولادت ہوتی تھی وہ تمام گاہک اس کے گھر جمع ہوتے اور کسی ماہرِ انساب کو بلایا جاتا تھا جو کسی شخص کے ساتھ بچے کی مشابہت کا اعلان کرتا تھا جو اس کی ولایت سے انکار نہیں کر سکتا تھا اور بچے کی پرورش کی ذمہ داری قبول کرتا تھا۔

حضور ﷺ نے شادی کی ان تمام اقسام کی ممانعت فرمادی ماسوا اول الذکر طریقے کے

جو آج بھی رائج ہے۔ (بخاری)

اسلام میں شادی کے مقاصد:

جیسا کہ بتایا گیا کہ اسلام میں خاندان ایک بنیادی اکائی ہے جس کے ذریعے دو افراد (عورت/مرد) میاں بیوی کی شکل میں اکٹھے ہوتے ہیں اور زندگی بھر ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ یہ بہت ضروری ہے کہ ان کے درمیان باہمی محبت اور رحمت کا تعلق ہو۔ امام غزالی (۵۰۵ ہجری) اور دیگر بہت سے اہل علم و فقہا نے شادی کے مقاصد کے بارے میں تفصیلاً گفتگو کی ہے۔ جس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

(۱) بچوں کی پیدائش:

اسلام میں بچوں کی پیدائش، شادی کا اہم ترین مقصد ہے جس کے ذریعے جائز طریق پر نوع انسانی کی مسلسل بقا ممکن ہے۔ میاں بیوی کے درمیان جنسی خواہش اور لذت، ایک دوسرے کو اس مقصد کے پورا کرنے کے لیے باہم اکٹھے رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ سورہ النساء (۴:۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔“

تمام مذہبی راہ نما، بیک زبان شادی کا مقصد بچوں کی پیدائش بتاتے ہیں جس کے ذریعے نوع انسانی کا تسلسل برقرار رہتا ہے، شادی کے لیے قانونی اصطلاح نکاح ہے جس کے لغوی معنی جنسی مباشرت کے ہیں۔

اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ حضور ﷺ، نکاح کے ہر خطبے میں یہ اور دوسری آیات تلاوت فرماتے تھے تاکہ شادی کرنے والے دونوں فریقوں کو بالخصوص اور دوسرے شرکاء، مجلس کو بالعموم یاد دلایا جائے۔ اس طرح سورہ البقرہ (۲:۲۲۳) میں شادی کا مقصد، بچوں کی پیدائش قرار دیا گیا ہے۔

”تمھاری عورتیں، تمھارے لیے کھیتیاں ہیں۔ پس تم جس طرح چاہو اپنی کھیتوں میں جاؤ اور اپنے لیے آئندہ کا بندوبست کرو۔“

بچوں کی پیدائش کا مقصد بھی مختلف احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ سنن ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے کہ کسی شخص نے کسی بہت ہی خوبصورت اور بڑے قبیلے کی مالدار عورت سے جو بانجھ تھی، شادی کی اجازت طلب کی۔ حضور ﷺ نے اس کی اجازت نہ دی اور دوسری مرتبہ بھی اس کی درخواست پر انکار کر دیا۔ تیسری مرتبہ اصرار کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”ایک محبت کرنے والی اور زیادہ بچے دینے والی عورت سے شادی کرو کیونکہ میں روز قیامت اپنی امت کی زیادہ تعداد پر فخر کر سکوں۔“

اس حدیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے عورت کی خوبصورتی، دولت اور اعلیٰ نسب کے باوجود بانجھ پن کی وجہ سے اس مرد کو شادی کی خواہش ہوتے ہوئے بھی شادی کرنے کی اجازت نہ دی۔ درحقیقت یہ شادی کے بعد مباشرت کرنے کا وہ روحانی پہلو ہے جو اس جنسی فعل کو محض جبلت/ حیوانی خواہش کی تکمیل کی بجائے اسے نیکی (حسنہ) کا درجہ قرار دیتا ہے!

درج بالا حدیث سے یہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مسلم امت کی تعداد میں اضافے کے لیے اسباب، مسلمانوں کو شادی کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے حتیٰ کہ وہ چاہتا ہے کہ کوئی غلام اور لونڈی بھی شادی کرنے سے محروم نہ رہیں (اور آج کل کے زمانے میں کوئی غریب مرد/ عورت)۔ سورہ النور (۲۴:۳۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کسی فرد (عورت/ مرد) کی غربت اسے شادی کرنے سے محروم نہ کرنے پائے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ایسے ضرورت مندوں کی حاجت وہ خود اپنے فضل سے پوری کرے گا۔

یہ پہلو تشنہ رہے گا اگر ہم شادی کے بارے میں اصحاب رسول ﷺ کے طرز عمل کا مطالعہ نہ کریں (اگرچہ اس بارے میں ہم چند مثالیں گزشتہ باب میں بھی بیان کر چکے ہیں) حضرت علی رضی اللہ عنہ، کی تمام تر تقویٰ اور دین کے فہم کے باوجود چار بیویاں اور ۷ لونڈیاں تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک سے زائد عورتوں سے شادیاں کیں اور آپ کہا کرتے تھے کہ ”میں شادی

کرتا ہوں تاکہ میرے ہاں زیادہ اولاد ہو۔“ (امام غزالی ۵۰۵ھ)۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”اس امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے متعدد شادیاں کیں۔“ (بخاری)

(۲) فطری اور جنسی خواہش کی تکمیل:

انسانوں میں جنسی خواہش شاید دیگر جہتوں کی نسبت سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس کا اصل مقصد صرف جنسی لذت کا حصول ہی نہیں بلکہ اس کے ذریعے میاں بیوی کو مباشرت کے ذریعے بچوں کی پیدائش کے لیے بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہنے پر قائم رکھنا ہے اور یہ واضح ہے کہ انسانی زندگی میں اس کے ذریعے حقیقت کا حصول اور لذت یاب ہونا بھی ایک اہم تجربہ ہے۔

سورہ الروم (۲۱:۳۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾

”اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنا دیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کر دی۔“

ان آیات میں محبت اور رحمت کو زوجین کے درمیان، شادی کے مقصد کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اسی امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ ”تمام انواع حیوانی کے برعکس نوع انسانی میں تہذیب و تمدن کے رونما ہونے کا بنیادی سبب یہی ہے کہ خالق نے اپنی حکمت سے مرد اور عورت میں ایک دوسرے کے لیے وہ مانگ، وہ پیاس، وہ اضطراب کی کیفیت رکھ دی ہے جسے تسکین میسر نہیں آتی جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جڑ کر نہ رہیں۔ یہی سکون کی طلب ہے جس نے انہیں مل کر گھر بنانے پر مجبور کیا، اس کی بدولت خاندان اور قبیلے وجود میں آئے اور اس کی بدولت انسان کی زندگی میں تمدن کا نشوونما ہوا (سید مودودیؒ)۔ سید مودودی مزید رقمطراز ہیں کہ ”نسبت سے مراد یہاں جنسی محبت (Sexual love) ہے جو مرد اور عورت کے اندر جذب و کشش کا ابتدائی محرک بنتی ہے اور پھر انہیں ایک دوسرے سے چسپاں کیے رکھتی ہے اور رحمت سے مراد وہ

روحانی تعلق ہے جو ازدواجی زندگی میں بتدریج ابھرتا ہے، جس کی بدولت وہ ایک دوسرے کے خیر خواہ، ہمدرد و غم خوار اور شریک رنج و راحت بن جاتے ہیں، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے جب جنسی محبت پیچھے جا پڑتی ہے اور بڑھاپے میں یہ جیون ساتھی کچھ جوانی سے بھی بڑھ کر ایک دوسرے کے حق میں رحیم و شفیع ثابت ہوتے ہیں۔ یہ دو مثبت طاقتیں ہیں جو خالق نے اس ابتدائی اضطراب کی مدد کے لیے انسان کے اندر پیدا کی ہیں۔ وہ اضطراب تو صرف سکون چاہتا ہے اور اس کی تلاش میں مرد و عورت کو ایک دوسرے کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ طاقتیں آگے بڑھ کر ان کے درمیان مستقل رفاقت کا ایسا رشتہ جوڑ دیتی ہیں جو دو الگ ماحولوں میں پرورش پائے ہوئے اجنبیوں کو ملا کر اس طرح پیوستہ کر دیتا ہے کہ عمر بھر وہ زندگی کے منجھار میں اپنی کشتی ایک ساتھ کھیتے رہتے ہیں۔“

اسلام میں شادی کے ذریعے جنسی خواہش کی تکمیل ایک بہت اہم پہلو ہے۔ (مسلم) بروز قیامت جنت میں نیکوکار لوگوں کو نہ صرف ان کی بیویاں عطا ہوں گی بلکہ اللہ تعالیٰ انھیں حوریں بھی عطا فرمائیں گے، ان کی اس نیکی کے سبب جو وہ موجودہ دنیا میں کرتے رہے تھے۔ مزید برآں ایک مسلمان وہاں خود کو جنسی طور پر زیادہ طاقتور محسوس کرے گا۔ (ترمذی) تاہم وہ جنسی حظ (Orgasm) سے لذت یاب ہوگا بغیر انزال کے (ابن قیم ۵۷۱ھ) جس کی وجہ سے انھیں مادہ منویہ کی مخصوص بو اور لیسیدار نوعیت سے کراہت بھی محسوس نہ ہوگی۔

شادی کے ذریعے جنسی لذت کے حصول کو جو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے ایک مسلمان باعفت اور پاک باز رہتا ہے جو اسے زنا سے محفوظ رکھتی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ شادی کا ایک اہم ترین مقصد امت مسلمہ کی تعداد میں بچوں کی پیدائش کے ذریعے اضافہ کرنا بھی ہے۔ تاہم شادی کی صورت میں اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت سے جنسی حظ کا حصول بھی کوئی غلط یا گناہ کا کام نہیں جیسا کہ سینٹ آگسٹائن نے عیسائیت میں اسے قرار دیا تھا۔ (دیکھیے پہلا باب)۔ مسلمانوں کو باعصمت و عفت رکھنے کے لیے اسلام میں میاں بیوی کے درمیان مباشرت سے حظ اور لذت حاصل کرنے پر کسی قسم کی کوئی قدغن نہیں۔ چاہے اس کا مقصد بچوں کی پیدائش ہو یا صرف جنسی حظ کا حصول! یہ واضح رہے کہ اگر مباشرت کا

مقصد صرف بچوں کی پیدائش ہی ہوتا تو ایک دفعہ قیام حمل کے بعد مباشرت کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جنسی حظ کے حصول کے لیے میاں بیوی کا مباشرت کرنا از خود ایک جائز اور صحیح مقصد ہے۔

متعدد دیگر احادیث میں، مسلمان مردوں اور عورتوں کو پاک باز رہنے کے لیے مباشرت کو ایک اہم اور از خود مقصد قرار دیا گیا ہے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی)۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس طرح اسلام، معاشرے کو ”خدا خوفی اور پاک بازی“ سے بہرہ مند کرنا چاہتا ہے جہاں کسی فرد کے لیے اپنی بیوی سے حصول لذت کی راہ میں کسی نوع کی کوئی رکاوٹ درپیش نہ ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر اسلام، مسلمانوں کی اس بات کے لیے حوصلہ افزائی کرتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”اپنی بیوی سے مباشرت کے ذریعے تسکین کا حصول ایک صدقہ ہے۔“ (مسلم) اس بات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حیرت کا اظہار کیا اور استفسار کیا کہ یہ کس طرح ایک صدقہ ہو سکتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا ”تم کیا سمجھتے ہو اگر کوئی آدمی اپنی خواہش کی تسکین کسی غیر اخلاقی/ ناجائز ذریعے سے کرے تو اس صورت میں کیا وہ سزا کا مستحق نہ ہوگا اور جب وہ اس کا حصول ایک حلال/ جائز طریقے پر کرتا ہے تو کیا اسے انعام سے نہیں نوازا جانا چاہیے؟“

امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ”کہ بیوی کے ساتھ مباشرت ایک عبادت بن جاتی ہے اگر اس کا مقصد بیوی کے جنسی جذبات کی تسکین ہو اور اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ اچھے طریق پر نباہ کرنا ہو یا اگر کسی کی خواہش ہو کہ اسے اولاد حاصل ہو یا وہ خود کو اور اپنی بیوی کو پاک باز رکھنا چاہتا ہو جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اسی طرح کچھ دیگر نیک خواہشات اور وجوہات بھی اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کے ذریعے تسکین حاصل کرنے کے مقصد کے لیے دی جاسکتی ہیں۔“

اسلام نے مسلمانوں کو پاک باز اور باعفت رکھنے کے لیے بہت سے اقدامات تجویز کیے ہیں تاکہ معاشرے میں نیکی کی ایک فضا قائم ہو جو ہر قسم کے شہوانی جذبات سے پاک ہو۔ یعنی اپنی بیوی سے جنسی لذت حاصل کرنے پر اس نے کوئی پابندی نہیں لگائی۔ ذیل میں چند ایسے امور کے بارے میں گفتگو کی جائے گی جو اس مقصد کے لیے اسلام نے تجویز کیے ہیں:

﴿کنواری لڑکی سے شادی کرنا:﴾

جیسا کہ صفحات بالا میں تفصیلاً واضح کیا گیا کہ بیوی کے ساتھ جنسی لذت کا حصول از خود ایک پسندیدہ فعل ہے اور جس کی حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے۔ اس لیے ایک کنواری لڑکی سے شادی کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق حضور ﷺ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ انھوں نے کسی کنواری عورت سے شادی کی ہے یا بیوہ سے؟ جب انھوں نے بتایا کہ انھوں نے ایک بیوہ عورت سے شادی کی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ”ایک کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہ کی؟ تم اس سے لطف اندوز ہوتے اور وہ تم سے۔ تم اس سے ہنسی مذاق کرتے اور وہ تم سے ہنسی مذاق کرتی۔“ (بخاری، مسلم)

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے کنواری لڑکی سے شادی کرنے پر زور دیا کہ ایک کنواری لڑکی بہت جوش اور جذبے کے ساتھ محبت کرنے والی ہوتی ہے اور اس میں کسی غلط روی اور بہکنے کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں۔ (مسلم)۔ جنت میں حوروں کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں جن کے بارے میں قرآن نے ہمیں بتایا کہ وہ کنواری ہوں گی (سورہ الصافات ۳۷: ۴۹، سورہ الرحمن ۵۵: ۵۵ اور ۷۷، سورہ الواقعة ۵۶: ۳۵)

﴿بیویوں کے درمیان برابری:﴾

شادی شدہ زندگی میں زیادہ سے زیادہ حظ اور لطف اٹھانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے ہم عمر ہوں، خوبصورت ہوں، ان کا خاندانی پس منظر، تعلیم اور سماجی حیثیت بھی ایک جیسی ہو۔ اسلام، اگرچہ انسان کے بنائے ہوئے معیارات اور اقدار کو پسند نہیں کرتا اور تمام انسانوں کو برابری کی سطح پر دیکھتا ہے بلا تمیز رنگ و نسل، ذات و برادری، مذہبی فرقہ بندی کے تاہم میاں بیوی کے درمیان ہم پلہ / برابر ہونے کو بہت اہمیت دیتا ہے جسے اصطلاحاً ”کفو“ کہتے ہیں۔ یہ معاملہ اس قدر اہم ہے کہ لونڈیاں یا عورتیں جو جہاد میں پکڑی جاتی تھیں اور جن کے والد، شوہر یا بھائی جہاد میں قتل ہو جاتے تھے، انھیں بھی ایسے مسلم افراد میں تقسیم کیا جاتا تھا جو ان کے ہم پلہ ہوں۔ اس کی وضاحت جویریہ بنت الحارث کی شادی کے واقعے سے ہوتی ہے جو تقسیم کے بعد ایک انصاری کے حصے میں آئیں۔ حضور ﷺ نے اس انصاری رضی اللہ عنہ کو

معاوضہ دے کر اسے خرید کر آزاد کر دیا اور بعد ازاں اس کے ساتھ شادی کر لی۔ (یاد رہے کہ یہ خاتون یہودی سردار کی بیٹی تھیں)۔ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پیش آیا جب ایران فتح ہوا تو یزدگرد شاہ ایران کی بیٹی گرفتار ہو کر لونڈی بن گئی اور اسے اس کے ہم پلہ مسلمانوں کے سپہ سالار کو دے دیا گیا۔

شادی/ بیاہ میں میاں بیوی کا ہم پلہ اور برابر ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ انھوں نے تمام عمر ایک دوسرے کے ساتھ محبت کے ساتھ گزارنی ہوتی ہے اور یہ اس وقت ہی ممکن ہو سکتا ہے جب کہ دونوں فریق ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ جنسی لطف اٹھا سکیں اور یہ بھی اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ ایک دوسرے کے ہم پلہ ہوں۔ یہی حکمت پوشیدہ ہے پیغمبر ﷺ کے اس فرمان میں کہ شادی سے پہلے عورت اور مرد ایک دوسرے کو دیکھ لیں تاکہ وہ ایک دوسرے کی خوبصورتی اور دیگر امور کے بارے میں کوئی اندازہ کر سکیں۔ قرآن کریم میں جنت میں حوروں کے بارے میں بتایا گیا ہے جو من جملہ دیگر امور کے، اپنے خاوندوں کی ہم سن ہوں گی (سورہ ص ۳۸: ۵۲، سورہ الواقعة ۵۶: ۳۶، سورہ النباء ۷۸: ۳۳)۔ سورہ الواقعة (۵۶: ۳۶) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ۖ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۖ عُرُبًا أَتْرَابًا﴾

”ان کی بیویوں کو ہم خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کریں گے اور انھیں باکرہ بنا دیں گے، اپنے شوہروں کی عاشق اور عمر میں ہم سن۔“

اس کتاب کی کسی دوسری جگہ ہم نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کا ذکر کیا ہے جو خود بہت خوبصورت تھی لیکن اس کا خاوند ایک سیاہ رنگ، پستہ قد، حبشی تھا جسے اس کی بیوی دل سے پسند نہ کرتی تھی۔ حضور ﷺ نے اس عورت کی درخواست اور رضا مندی سے کہ وہ اپنے مہر میں دیا گیا باغ خاوند کو واپس کر دے گی، ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو کہا کہ وہ اسے طلاق دے دیں (یہ خلع کا واقعہ ہے)۔

(۳) شادی بطور ایک صحت مند اور پر لطف زندگی:

شادی کی بنا پر ایک روحانی اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے میاں بیوی کو

ایک بہت خوبصورت اور پرسکون ماحول ملتا ہے جس میں وہ دونوں ایک دوسرے سے نہی مذاق، اور کھیل کود کے ذریعے ذہنی آسودگی حاصل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے دل و دماغ دنیاوی رنج و غم اور تکالیف کے بوجھ سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور جنسی لطف اٹھانا ایک صحت مند حالت ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لیے آرام و آسائش کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ سورہ الاعراف (۱۸۹:۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾

”وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔“
حضور ﷺ فرماتے تھے کہ:

((حُبَّ إِلَى الطَّيِّبِ وَالنِّسَاءِ)) (احمد، نسائی)

”یعنی پاکیزہ چیزوں میں سے مجھے عورت (بیوی) محبوب ہے۔“

عیسائیت (سینٹ آگسٹائن) کی تعلیمات کے برعکس مسلم فقہا نے میاں بیوی کے درمیان مباشرت کو ایک صحت مند علامت قرار دیا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) نے فرمایا کہ اپنی بیوی/بیویوں کے ساتھ مباشرت ایک ایسا فعل ہے جسے ایک مرد کو کبھی بھی ترک نہیں کرنا چاہیے۔ دلیل کے طور پر انھوں نے کہا کہ ایک کنواں جس سے مسلسل پانی نہ نکالا جائے، وہ جلد ہی خشک ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ شادی کی حدود میں رہتے ہوئے اور دیگر شرعی احکامات کی پابندی کرتے ہوئے، ایک خاوند کو اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرتے رہنا چاہیے۔ اسلام نے کبھی بھی اس صحت مند فعل سے منع نہیں کیا بلکہ اس امت میں بہت سے اہل علم و فضل گزرے ہیں جنہوں نے اپنی شادی شدہ زندگی سے بھرپور لطف اٹھایا۔ حضرت امام نسائی رحمہ اللہ (۳۰۳ھ) کے بطور محدث نام سے کون آگاہ نہیں۔ آپ صحاح ستہ میں سے ایک مستند ترین کتاب حدیث (نسائی) کے مصنف ہیں۔ امام نسائی اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے جو جہاد

اور حج میں شرکت کے علاوہ اکثر نفعی عبادات میں مصروف رہتے تھے۔ ان کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے ساتھ اکثر مباشرت کیا کرتے تھے (کثیر الجماع)۔ یہاں اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ ان کی چار بیویاں تھیں اور دو لونڈیاں بھی۔ اپنی بیویوں کی طرح جن کی ان کے ساتھ سونے کی باری ہوتی تھی، ان لونڈیوں کی بھی ان کے ساتھ سونے کی باری مقرر تھی۔ اپنی جنسی قوت و طاقت کو بحال اور قائم رکھنے کے لیے وہ اپنی خوراک کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور مرغ کا گوشت استعمال کرتے تھے جو خاص طور پر ان کے کھانے کے لیے خرید کر پالے جاتے تھے (شمس الدین الذہبی ۷۴۸ھ)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو کہ بہت متقی اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرنے والے صحابی رضی اللہ عنہ تھے، کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ روزہ افطار کرنے کے لیے مباشرت کیا کرتے تھے۔ رمضان کے مہینے میں عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے وہ اپنی تین لونڈیوں سے مباشرت کرتے تھے، (امام غزالی ۵۰۵ھ) — شاید کسی شخص کو ان حضرات کا انفرادی عمل کسی حد تک حالت اعتدال سے ہٹ کر لگے تاہم اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے ساتھ مباشرت کوئی غیر پسندیدہ فعل نہیں بلکہ احسن ہے کیونکہ اس کی وجہ سے ایک مسلمان کے خیالات پاکیزہ رہتے ہیں، اس کی نظر کی حفاظت ہوتی ہے اور عبادات میں دل جمعی کے ساتھ انہماک رہتا ہے۔ (امام نووی رحمہ اللہ ۶۷۶ھ، امام غزالی رحمہ اللہ ۵۰۵ھ)

قرآن و حدیث سے ہمیں ایک اور حقیقت کا بھی علم ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کی جنسی قوت و طاقت اور جنسی زندگی میں طوالت ہو۔ قرآن کریم میں سورہ ہود (۱۱:۷۱) اور سورہ الذاریات (۵۱:۲۸) میں بہت واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت اس وقت دی گئی جب کہ دونوں میاں بیوی بوڑھے ہو چکے تھے۔ اسلامی لٹریچر میں اس امر کی کہیں بھی یہ صراحت نہیں کہ آپ کے ہاں بیٹے کی ولادت کسی معجزے کے تحت ہوئی بلکہ ولادت میاں بیوی کے درمیان تعلقات کے نتیجے میں ہوئی جس سے بڑھاپے کی عمر میں مباشرت کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ حضرت زکریا علیہ السلام کا ہے جنہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی گئی

(سورہ آل عمران ۳: ۳۸) اور سورہ مریم (۱۹: ۱۹ تا ۱۹) میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ ان کے ہاں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی جب کہ دونوں میاں بیوی بوڑھے تھے۔ اس جگہ بھی لڑکے کی ولادت، میاں بیوی کے درمیان تعلقات ہی کا نتیجہ تھی جبکہ ان کی بیوی کو جو بڑھاپے کی وجہ سے بانجھ ہو گئی تھیں، دوبارہ بچہ دینے کی صلاحیت دی گئی۔

یہ گفتگو تشنہ رہے گی اگر ہم اس پہلو سے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ نہ کریں۔ سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”حضور ﷺ کے اس دنیا سے وصال کے وقت آپ ﷺ کی ۹ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن حیات تھیں جن کے ساتھ آپ محبت و الفت کے تعلقات نبھاتے تھے سوائے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے جنہوں نے اپنا حق اپنی مرضی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے رکھا تھا۔“

یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ کو ۳۰ مردوں کے برابر جنسی قوت عطا کی گئی تھی (ابن القیم برائشہ الجوزی (۷۵۱ھ) اور ایک دوسری روایت کے مطابق ۴۰ مردوں کے برابر (عبدالرؤف المناوی ۱۰۲۹ھ))

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ۶۲ سال کی عمر میں ہوا۔ انھوں نے یکے بعد دیگرے چار عورتوں سے شادی کی جن میں سے دو شادیاں قبول اسلام سے پہلے اور دو قبولیت اسلام کے بعد۔ تاریخ طبری کے مطابق ان کی آخری شادی حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہ بنت خارجہ انصاری رضی اللہ عنہا سے ہوئی اور وہ ان کی وفات کے وقت حاملہ تھیں۔ اسی حمل سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے ہاں ایک لڑکی کی ولادت ہوئی جس کا نام ام کلثوم رکھا گیا۔ (ابو جعفر محمد بن جریر طبری ۱۳۱۰ھ)

(۴) ایک آرام دہ زندگی / گھرانہ:

شادی کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان باہمی اعتماد اور محبت سے گھر ایک بہت خوش گوار زندگی کا نمونہ پیش کرتا ہے جہاں وہ دونوں تفکرات سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں۔ دونوں میاں بیوی گھریلو انتظام چلانے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں جس کی وجہ سے گھر میں ایک خوشگوار ماحول بن جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْءَةُ الصَّالِحَةُ.))

”دنیا کی زندگی ایک متاع ہے اور اس میں بہترین متاع ایک صالح بیوی ہے۔“

امام محمد باقر علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں کسی مسلمان کے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کو جمع کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے ایک دل دے دیتا ہوں جو میرے سامنے اکتساری کرتا ہے، ایک زبان دے دیتا ہوں جو میری تعریف میں رطب اللسان رہتی ہے اور ایک ایسا جسم دیتا ہوں جو دنیاوی تکالیف کا مقابلہ کر سکے اور ایک ایسی مسلمان بیوی دے دیتا ہوں جو اس کے لیے خوشی و مسرت کا نسب ہوتی ہے جب وہ اُسے دیکھتا ہے اور وہ (بیوی) اس کی غیر حاضری کے دوران اپنی اور اس کے مال کی حفاظت کرتی ہے (وصایا، جلد ۱۲: ۲۳ بحوالہ ۱۹۹۳ (Rizvi, S.M)۔

(۵) سماجی اہمیت:

شادی کے نتیجے میں، عورت اور مرد پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اس کی وجہ سے ان دونوں کا معاشرے میں وقار بڑھ جاتا ہے اور ان دونوں کو موقع ملتا ہے کہ وہ زندگی کے مسائل حل کر سکیں اور اس راہ میں آنے والے معاملات کو خوش اسلوبی سے چلا سکیں۔ مختلف دلچسپیوں اور عادات و پس منظر کے حامل افراد (عورت اور مرد) کے ساتھ زندگی گزارنے کی وجہ سے دونوں ایک نئے تجربے سے روشناس ہوتے ہیں۔ شادی کے نتیجے میں گھریلو اخراجات پورا کرنے میں نیز بچوں کی دیکھ بھال، پرورش اور تربیت چند ایسے پہلو ہیں جن سے کوئی فرد شادی کے نتیجے میں روشناس ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ایک شوہر کو اگر ملے گا اس مال پر جو وہ اپنی بیوی پر خرچ کرتا ہے چاہے وہ کھانے کا ایک لقمہ ہی کیوں نہ ہو جو بیوی کے منہ میں ڈالا جائے۔“
اسلام میں شادی کے قانونی پہلو:

قانونی نقطہ نگاہ سے اسلام کی نظر میں شادی ایک معاہدہ/عقد ہے۔ شادی کو ایک میثاق بھی کہا گیا ہے جس کے معنی ایک سنجیدہ اور باوقار معاہدے کے ہیں۔ اس لیے اسے کسی صورت بھی کم اہمیت کا حامل نہیں سمجھنا چاہیے۔ شادی کے جائز ہونے کے لیے چند شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے۔
فریقین کی باہمی رضا مندی (ایجاب و قبول) اور اس سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھنا۔

۴۴ مہر، جو ایک تحفہ کی حیثیت رکھتا ہے دلہا کی جانب سے دلہن کے لیے۔
۴۴ دو مردوں یا عورتوں کی گواہی۔

۴۴ شادی / نکاح کی تشہیر / اعلان عام

ذیل کی طور میں ان شرائط کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔
(۱) فریقین کی باہمی رضا مندی اور ایک دوسرے کو دیکھنا:

ایک مسلمان کنواری لڑکے کے لیے جیون ساتھی کا انتخاب، لڑکی کے والدین (سرپرست / ولی) کی اجازت کے ساتھ مشروط ہے۔ اگرچہ دونوں فریقین کے والدین / سرپرست / ولی، اپنے بچوں کو نصیحت کر سکتے ہیں، مشورہ دے سکتے ہیں، وہ ان کے لیے جیون ساتھی کا انتخاب بھی کر سکتے ہیں تاہم شادی کرنے کا حتمی فیصلہ لڑکا اور لڑکی کے آزادانہ انتخاب اور رائے سے ہی ہوتا ہے۔ اس طرح لڑکی کے حقوق اور بہتری کا تحفظ مقصود ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ”بیوہ اور مطلقہ کی شادی ان کی مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتی اور کنواری لڑکی کی شادی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی مرضی معلوم نہ کر لی جائے۔“

اسلام، عورت پر کسی قسم کا ناقابل برداشت بوجھ ڈالنے کا مخالف ہے کہ عورتوں کو کسی ایسے مرد کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کیا جائے جسے وہ پسند نہیں کرتیں کیونکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ شادیاں کامیابی سے ہمکنار ہوں جس میں سب سے زیادہ اہمیت دونوں فریقوں کا ہمسر اور برابر ہونا ہے، ان دونوں کے درمیان حسن و سیرت، عادات و اخلاق، ذہنی رجحانات اور تہذورات کے لحاظ سے بھی برابری ہونی چاہیے۔ شادی کے بعد اگر کوئی ایسا امر واقعہ ہو جاتا ہے کہ عورت محسوس کرے کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ اخلاص و محبت کا رشتہ استوار نہیں رکھ سکتی یا اسے ڈر ہو کہ اس کی حکم عدولی کی بنا پر وہ گناہ گار ٹھہرے گی اور اسے اپنے خاوند کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے وہ محبت کا رشتہ نہیں نباہ سکتی تو ایسی صورت میں اسلام اسے مرد سے خلع حاصل کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ ایک صحابی حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی حبیلہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے اللہ کے پیغمبر ﷺ، میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں کہتی کہ

اس کے دین و عقیدے میں کمی ہے یا اس کا رویہ خراب ہے تاہم میں ایک مسلمان عورت کی حیثیت سے کفر میں مبتلا ہونا نہیں چاہتی۔“ حضور ﷺ نے پوچھا ”کیا تم اس کا باغ اُسے واپس کر دو گی؟“ (جو اسے مہر میں ملا تھا)۔ اس نے جواب دیا کہ ”ہاں“ تب حضور ﷺ نے ثابت بن النضر بن قیس کو پیغام بھیجا کہ ”اپنا باغ واپس لے کر اسے ایک مرتبہ طلاق دے دو۔“

درحقیقت، میاں بیوی کے درمیان تمام عمر محبت اور حسن سلوک کو برقرار رکھنے میں خوبصورتی کا اپنا ایک مقام اور کردار ہے تاکہ دونوں فریق گناہ میں ملوث ہونے سے بچ سکیں۔ اس مقصد کے حصول کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ دونوں کے درمیان محبت کا مضبوط رشتہ قائم ہو۔ اگرچہ میاں بیوی کے درمیان، شادی کی مدت گزرنے کے ساتھ ساتھ، محبت کا رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے تاہم ان دونوں کے درمیان پہلی نظر دیکھنے سے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ بعض حالات میں کسی شادی کی کامیابی میں مزاحم ہو جاتے ہیں۔ درج بالا مثال میں ہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے شوہر سے اس کی بیوی کو علیحدہ کر دیا کیونکہ خاوند کی شخصیت بہت ہی ناپسندیدہ تھی (بد صورتی کی بنا پر)۔ اس لیے اسلام نے شادی سے قبل عورت اور مرد کو ایک دوسرے کو دیکھنے کی اجازت دی ہے قبل اس کے کہ اس کو حتمی شکل دی جائے۔ ایک حدیث کے تحت حضور ﷺ نے اپنے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ ”جاؤ اور اسے ایک مرتبہ دیکھ لو کیونکہ اس طرح تمہارے درمیان محبت کا رشتہ قائم ہونے کے زیادہ امکانات ہیں۔“ (احمد، دیگر کتب حدیث)

تاہم اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شادی سے قبل دیکھنے کی اجازت اس امر سے مشروط ہے کہ مرد اس عورت سے شادی کا ارادہ رکھتا ہے لیکن ابھی تک اس نے شادی کا عندیہ نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح عورت کے جذبات کو ٹھیس نہیں لگتی یعنی اگر کوئی مرد ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد شادی کرنے سے انکار کر دے۔

اسی طرح عورتوں کو بھی اس امر کی اجازت ہے کہ وہ بھی ہونے والے جیون ساتھی کو دیکھ لیں۔ بلکہ کچھ اہل علم یہ رائے رکھتے ہیں کہ عورت کے لیے مستقبل کے جیون ساتھی کو دیکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ ایک مرد کو اگر وہ اپنی بیوی کو ناپسند کرتا ہے طلاق دینے کا حق حاصل ہے لیکن عورت کے لیے یہ آسان نہیں کہ وہ شادی کے بندھن سے باہر جاسکے (سوائے طلع حاصل کرنے

کے) اس لیے اسے ترجیحاً مرد کو دیکھ لینا چاہیے۔

اس بارے میں متعدد احادیث ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی فرد اپنی ہونے والی بیوی کو دیکھنے کی کس حد تک جاسکتا ہے؟ ابوداؤد (۲۷۵ھ) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ”میں نے ایک لڑکی سے شادی کا عندیہ دیا اور میں اُسے دیکھنے کے لیے رازدارانہ طور پر بیٹھا کرتا تھا حتیٰ کہ میں نے اُسے دیکھ لیا جس کے نتیجے میں میں نے اس کے ساتھ شادی کرنے کا حتمی ارادہ کر لیا۔“ ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ (حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ) نے بھی اس طرح اپنی ہونے والی بیوی کو دیکھا جس پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ ”تم صحابی رسول ﷺ ہونے کے باوجود ایسا کرتے ہو؟“ ان کے اعتراض کو رفع کرنے کے لیے انھوں نے حدیث کا حوالہ دیا کہ ”جب اللہ تعالیٰ کسی مرد کے دل میں کسی عورت سے شادی کرنے کی خواہش پیدا کر دیتے ہیں تو پھر اُسے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔“ (ابن ماجہ)

فقہائے کرام نے اس موضوع پر بہت ہی پر مغز، جامع اور دلچسپ بحثیں کی ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے شادی کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لیے عورت کے جسم کے کن حصوں/اعضاء کو دیکھنا جائز ہے؟ اس بات کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ ایک مرد، عورت کے چہرے، ہاتھ، پیرو اور سینے تک کو (کپڑوں کی موجودگی میں) دیکھ سکتا ہے سوائے اس کے نسوانی اعضا اور کمر کے۔ تاہم تمام فقہاء اس کا چہرہ دیکھنے پر متفق الرائے ہیں۔ اس ضمن میں فقہی لٹریچر میں مزید تفصیلات دی گئی ہیں۔ (قرطبی ۵۹۵ھ، ابن قدامہ ۶۲۰ھ، ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ)۔

ایک حرفِ انتباہ:

اگرچہ شریعت نے عورت اور مرد کو شادی سے قبل ایک دوسرے کو دیکھنے کی اجازت دی ہے تاہم اس کا قطعاً یہ مقصد نہیں کہ وہ ایک دوسرے سے حالتِ تنہائی میں ملاقات بھی کر سکتے ہیں جیسا کہ امریکہ اور دیگر یورپین ممالک میں رواج ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ ایسی ہرجگہ پر جہاں ایک مرد اور عورت تنہائی میں ملیں، وہاں تیسرا فریق شیطان کا ہوتا ہے جو غلط کام کرنے پر کساتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا لَا يَخْلُو رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ.))

”کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی ایسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کرے جو اس کے لیے حرام نہیں۔ ایسی جگہ ہر شیطان ایک تیسری پارٹی کے طور پر وہاں موجود ہوتا ہے (الایہ کہ وہاں کوئی محرم موجود ہو۔) (ترمذی)

مزید برآں اس امر کی بھی تائید کی گئی ہے کہ عورت کو دیکھنے میں کسی قسم کی شہوانی لذت کا حصول نہیں ہونا چاہیے۔

اس طرح متعدد احادیث میں اس امر کی سفارش کی گئی ہے کہ مرد کو کسی کنواری عورت سے شادی کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر ”کنواری لڑکی سے شادی کرو کہ وہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور یہ کہ کم شے پر بھی قناعت کرنے والی ہوتی ہے۔“ (الطبرانی) علماء نے اس امر کی بھی تاکید کی ہے کہ درج بالا اوصاف مرد (خاوند) کے لیے بھی اسی طرح ضروری ہیں جس طرح عورتوں کے لیے۔ اس لیے کسی شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ اگر اس کی لڑکی کی پہلے شادی نہیں تو وہ اس کی شادی کسی کنوارے لڑکے سے ہی کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ پتہ چلا کہ کسی عورت کی شادی ایک بوڑھے مرد سے کر دی گئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور کسی بھی مرد کی شادی اس کی ہم عمر عورت سے کرو۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ ”اپنی نوجوان لڑکیوں کو کسی بد صورت لڑکے سے شادی کرنے پر مجبور نہ کرو کیونکہ انھیں بھی وہ چیز (خوبصورتی) پسند ہے جو تم پسند کرتے ہو۔“

فقہ حنفی کے مطابق کفو (ہم سری / برابری) کے اصول کے مطابق لڑکی کے والدین / سرپرست کو چاہیے کہ وہ اپنی لڑکی کی شادی کسی ایسے شخص کے ساتھ کرنے سے انکار کر دیں جو اس لڑکی کے برابر نہ ہو۔ اس اصول کا اطلاق بالخصوص مردوں پر بھی ہوتا ہے جنھیں خاندان، دینی نعم، تقویٰ اور مالی لحاظ سے ہونے والی بیوی کے ہم پلہ ہونا چاہیے۔“

قرآن کریم میں سورہ النساء (۲۱:۴) میں شادی کو ایک میثاق کہا گیا ہے جس کے معنی ایک باوقار معاہدے کے ہیں جو میاں اور بیوی کے درمیان قرار پاتا ہے۔

﴿وَآخِذْنَ مِنْكُمْ مِّيثَاقًا غَلِيظًا﴾

”اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔“

شادی کا یہ معاہدہ ایک ایسے عزم کا اظہار ہے جو دونوں فریق اس امر کے لیے کرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی زندگی کو خوش گوار بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ ایک دوسرے کو جذباتی، نفسیاتی اور روحانی مسرت سے ہمکنار کریں گے۔ تاہم بیوی اور ہونے والے بچوں کی مالی ضروریات، خوراک، رہائش، تعلیم وغیرہ جیسے تمام امور کی ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے۔ ابن علم نے اس امر کی بھی تاکید کی ہے کہ شادی کے وقت فریقین کی خواہش اور مضبوط ارادہ ہونا چاہیے کہ وہ شادی کے اس معاہدے کو عمر بھر نبھائیں گے۔ (انیس احمد، ۱۹۹۶ء)

(۲) مہر:

مہر کی ادائیگی ایک ضروری شرط ہے۔ اگرچہ مہر کا لفظ قرآن میں کہیں مذکور نہیں تاہم اس کے متبادل بہت سے الفاظ ہیں جو قرآن میں مختلف مواقع پر استعمال ہوئے ہیں اور فقہانے اپنی کتابوں میں ان کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ذیل سے واضح ہے:

معنی

اصطلاحات

تحفہ	النحلہ
طے شدہ رقم (البقرہ ۲: ۲۳۷)	الفریضہ
تحفہ	الحجاء
ادائیگی یا معاوضہ (سورہ النساء ۴: ۲۳)	الاجر
قیمتی اشیاء کی فراہمی	علائق
مخلصانہ تحفہ (سورہ النساء ۴: ۴)	الصدقہ
شادی	النکاح

اسلامی قانون کی رو سے، مہر اس رقم کو کہتے ہیں جو خاوند (دولہا) اپنے بیوی (دلہن) کو تنزی کی شکل میں یا کسی دوسری چیز کی شکل میں یا دونوں صورتوں میں شادی کے موقع پر دیتا ہے۔ اس کی ادائیگی مغل (فوراً ادا شدہ) یا سوجل (تاخیر سے بعد میں دینا) ہوتی ہے۔ اس مہر کی حالت اس رقم کی سی نہیں جو ایک باپ اپنی بیٹی کو دیتا تھا، اس کی شادی کے موقع پر اور وہ اس کے خاوند کی ملکیت سمجھی جاتی تھی اور نہ ہی اس کی مثال افریقہ میں دی جانے والی ”دلہن کی

قیمت“ کی سی ہے جو دولہا کی جانب سے دلہن کے باپ کو ادا کی جاتی تھی بطور معاوضہ/ قیمت۔ ان ہر دو صورتوں میں عورت کی تذلیل کا پہلو ہے اور یہ اسلام کی روح کے منافی ہے۔ اسلامی مہر، دراصل ایک تحفہ ہے جو دولہا کی طرف سے دلہن کو دیا جاتا ہے۔ یہ صرف بیوی کو ہی دیا جاتا ہے اس عزت و احترام کے نقطہ نظر سے اور اس نیت کے ساتھ کہ مرد، اس عورت سے شادی کرنے کا خواہش مند ہے۔ مزید برآں یہ کہ وہ اس شادی کے معاہدے میں غیر ذمہ دار نہ طور پر یا بغیر کسی کوشش کے شامل نہیں ہو رہا۔ اس طرح مہر کی رقم، بیوی کی ملکیت بن جاتی ہے اور اس کی ملکیت ہی میں رہتی ہے اگرچہ اسے بعد میں طلاق ہی کیوں نہ ہو جائے تاہم اس صورت میں کہ عورت/ بیوی خلع کا مطالبہ کرے (طلاق جو عورت کی درخواست پر ہوتی ہے، اسے خلع کہتے ہیں، تفصیلات آگے درج ہیں) تو اس صورت میں اس مہر کا کل یا کچھ حصہ خاوند کو واپس کرنا ہوتا ہے۔

مہر کے بارے میں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ نَحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيئًا مَّرِيَّتًا﴾ (النساء: ۴)

”اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو، البتہ اگر وہ خود

اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کر دیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔“

سید مودودی رقمطراز ہیں کہ ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر بیوی مہر کی کل رقم یا اس کا کچھ حصہ معاف کر دے لیکن بعد میں وہ اس کا مطالبہ کرے، تو خاوند کے لیے یہ لازم ہے کہ (بلکہ اسے مجبور کیا جائے گا) کہ وہ اسے بیوی کو واپس دے کیونکہ عورت کا اس مہر کا مطالبہ کرنا اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ اس نے، وہ مہر اپنی آزادانہ رائے سے بخوشی معاف نہیں کیا تھا۔“

شادی کی تقریب کو آسان بنانے کے نقطہ نظر سے یہ ضروری نہیں کہ مہر ہمیشہ نقد، رقم کی صورت ہی میں ادا کیا جائے۔ مہر کی رقم کی بھی کوئی حد مقرر نہیں۔ اس کا انحصار مرد کی مالی حالت اور استطاعت پر ہے۔ ایک کیس میں حضور ﷺ نے خاوند کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنی بیوی کو قرآن کا کچھ حصہ سکھا دے بطور مہر کے جبکہ ایک دوسرے کیس میں ایک خاوند کا مہر، اس کا ایم

قبول کرنا ہی ٹھہرا جیسا کہ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ”ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کر لیا تھا جبکہ ابو طلحہؓ نے ان سے شادی کی درخواست کی۔ انھوں نے جواب دیا کہ ”میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور ان دونوں کے درمیان یہی مہر طے پایا۔“ (نسائی)۔ تاہم اس ضمن میں ایک بہت بڑے مغالطے کو دور کرنا بہت ضروری ہے جو کہ ”شرعی حق مہر“ کے نام سے ہمارے معاشرے میں مشہور ہے۔ اس کا یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ اس کے تحت بہت ہی کم رقم مثلاً ۴۰ روپے یا کم و بیش مقرر کیے جانے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ اسلام میں شرعی حق مہر نام کی کسی چیز کا کوئی وجود نہیں بلکہ مہر انحصار (جیسا کہ اوپر بتایا گیا) دولہا کی مالی حیثیت اور سماجی مرتبے سے ہے۔ اپنی خلافت کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ مہر کی رقم کو محدود کر دیا جائے تاکہ غریب مردوں کو شادی کرنے میں آسانی رہے۔ لیکن ایک بوڑھی صحابیہ رضی اللہ عنہا نے اس کی سختی کے ساتھ مخالفت کی اس بنا پر کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مہر پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں لگائی تو ایسے عالم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیسے یہ اختیار ہے کہ وہ مہر کی رقم پر کوئی پابندی لگائیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو نہایت خوش دلی سے قبول کیا یہ کہتے ہوئے کہ ”مدینہ کی عورتیں تو عموماً سے زیادہ قرآن کا فہم رکھتی ہیں!“ تاہم متعدد احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ مہر کی رقم مقرر کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام لینا بھی مناسب نہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اپنی خشکی کا اظہار کیا جب انھوں نے اپنی بیوی کو ۱۶۰ درہم مہر دیا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ”اپنی بیویوں کو مہر کی رقم طے کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام مت لیا کرو۔ اگر یہ امر اس دنیا میں باعث افتخار ہوتا اور آخرت میں کسی نیکی کے حصول کا ذریعہ تو حضور ﷺ نے نہ صرف اسے اختیار کیا ہوتا۔“ حضور ﷺ نے اپنی ازواج کو ۱۲ اوقیہ سے زیادہ سونا ادا نہیں کیا اور مہر کی یہی رقم اپنی بیٹیوں کے لیے مقرر کی۔

اس جگہ اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ مسلم معاشروں میں (بالخصوص ہندو پاکستان میں) مہر کی رقم ہزاروں/ لاکھوں روپے بطور مہر موجد مقرر کی جاتی ہے جبکہ خاوند کے مالی ذرائع سے نہیں ہوتے اور ان کی نیت بھی یہ ہوتی ہے کہ اس کی ادائیگی بھی نہیں کرنی (مہر موجد رکھنے میں ان کی یہی نیت کارفرما ہوتی ہے)۔ حضور ﷺ، مہر کی رقم کی ادائیگی کے بارے میں اس

حد تک محتاط تھے کہ آپ ﷺ نے ایسے شخص کو ”زانی“ کے نام سے یاد کیا جس کا ارادہ/ نیت مہر کی ادائیگی کی نہیں ہوتی۔ درحقیقت مہر کی بہت بڑی رقم (لڑکی والوں کی طرف سے بالعموم) اس لیے لکھوائی جاتی ہے تاکہ خاوند لڑکی کو طلاق نہ دے سکے۔ لیکن میاں بیوی کے درمیان کسی قسم کی ناچاقی کی صورت میں جب یہ پتہ چلتا ہے کہ اب ان دونوں کے درمیان مفاہمت ممکن نہیں تو پھر ایسے حالات میں مہر کی یہ بڑی رقم عورت کو طلاق نہ دینے کی ایک بہت بڑی وجہ بن جاتی ہے کیونکہ خاوند یہ سمجھتا ہے کہ طلاق کی صورت میں بیوی، حق مہر کی وصولی کے لیے عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔ پس یہ امر عورت کے لیے سوہان روح بن جاتا ہے اور اس طرح اس کی زندگی معلق ہو کر رہ جاتی ہے۔

سید مودودیؒ نے اس جاہل نہ رسم کی مذمت کرتے ہوئے یہ تجویز دی ہے کہ ایسی صورت میں کہ مہر کی ادائیگی فوری طور/ موقع پر کی جائے (یعنی مہر معجل) تو اس صورت میں فریقین جو کچھ بھی کرنا چاہیں کر لیں لیکن ایسی صورت میں کہ مہر کی رقم غیر معینہ مدت کے لیے موخر کرنی ہو (یعنی مہر موجل) تو پھر عورت کے حقوق کی حفاظت کے لیے یہ ضروری ہے کہ کل قیمت کے نصف رقم (۵۰ فی صد) کا سٹامپ پیپر لکھا جائے۔ توقع کی جاسکتی ہے کہ اس طرح اس بری رسم کا خاتمہ ہو سکے گا یا کم از کم بڑی رقم کا مہر لکھوانے اور اسے تاخیر سے ادا کرنے میں کسی حد تک کمی واقع ہوگی جس کی وجہ سے عورتوں کو بہت سے ناجائز اور ناروا مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسلام میں شادی کے چند دیگر اہم پہلو

(۱) ایک لڑکی سے شادی کے بیک وقت دو امیدوار:

حضور ﷺ نے اس امر کی ممانعت فرمائی ہے کہ کسی لڑکی کے رشتے کے لیے دو مختلف امیدوار بیک وقت کوشش کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام دو مسلمان بھائیوں کے درمیان دشمنی/ مناصبت پیدا کرنے کے خلاف ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”ایک مسلمان، دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اس لیے اس کے لیے یہ غیر قانونی اور غیر اخلاقی بات ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کسی قسم کا تجارتی مقابلہ/ مسابقت کرے اور کسی ایک ہی لڑکی کے ساتھ نکاح کے لیے دو مسلمان بیک وقت کوشاں ہوں حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک نے رجوع کر لیا ہو۔“

(۲) شادی پر بے تحاشہ اخراجات:

اسلام میں لڑکے اور لڑکیوں کی جلد شادی کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس لیے یہ امر اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے کہ شادی کو مشکل بنایا جائے، گاڑیوں یا فرنیچر کے ناجائز مطالبات کے ذریعے۔ اس امر میں اعتدال کی ضرورت ہے تاکہ نوجوان لڑکے/لڑکیوں کی جلد از جلد شادی کو یقینی اور آسان بنایا جاسکے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”بہترین شادی وہ ہے جس میں کم سے کم اخراجات اور دقت ہو۔“ (مشکوٰۃ)

بد قسمتی سے کچھ مسلمان ملکوں میں یہ رجحان پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو ۲۵/۳۰ سال کی عمر تک شادی موخر کرنی پڑتی ہے اور بعض حالات میں لوگ ۴۰ سال تک شادی کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔ ان حالات کی بنا پر بہت سی خرابیوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ یہ امر باعث افسوس ہے کہ مسلمان لڑکے/لڑکیاں، معاشرے کے غلط رسم و رواج کی بھیڑ چڑھتے ہوئے، جلد اور آسان شادی کرنے سے محروم رہیں۔ کچھ والدین یا نوجوان (لڑکے/لڑکیاں) اپنے جیون ساتھی کے بارے میں اپنے ذہن میں بہت زیادہ توقعات اور معیار رکھتے ہیں۔ ان کے پیش نظر اعلیٰ تعلیم، پیشہ، دولت اور حسن و جمال کا بہت اونچا معیار ہوتا ہے۔ اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے لوگ دیر تک غیر شادی شدہ رہتے ہیں کیونکہ انھیں اپنے معیار کا رشتہ نہیں ملتا۔ مسلمانوں کو اس امر کا خیال کرنا چاہیے کہ شادی کے لیے بہترین معیار کسی کا اچھا چال چلن ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر کوئی ایسا فرد جس کے ایمان اور اخلاق کے بارے میں تمہیں اطمینان ہو، شادی کی درخواست کرے تو اس کی شادی کر دو ورنہ دنیا میں بہت سے مسائل اور خرابیاں در آئیں گی۔“

ان عوامل کے علاوہ، ہمارے زمانے میں ”نام نہاد“ مسلمان خاندانوں میں طلاق واقع ہونے کی ایک نہایت اہم وجہ جہیز کا ناروا مطالبہ بھی ہے۔ جب کوئی لڑکی جہیز کا بہت سا ساڑ و سامان لیے بغیر جاتی ہے تو نہ صرف اسے ذہنی طور پر تکلیف دی جاتی ہے بلکہ جسمانی تشدد بھی لیا جاتا ہے جس کا نتیجہ اکثر اوقات طلاق کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

مدینے میں ایک دفعہ ایک شخص مشت زنی کرتے ہوئے پکڑا گیا۔ اس کا معاملہ حضرت

علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھوں پر بید سے ضرب لگوائی حتیٰ کہ وہ سرخ ہو گئے اس کے بعد، اس کی شادی بیت المال کے پیسوں سے کردی (وصایا جلد ۱۴: ۲۶ اور جلد ۱۸: ۵۷)۔ اس طریق پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مثال قائم کی کہ حکومت/ معاشرے کو کس طرح نوجوان نسل کی مدد کرنی چاہیے۔ شادی کرنے کے بارے میں۔ رضوی (۱۹۹۴) نے یہ تجویز دی ہے کہ مسلمان تنظیمیں، مغرب میں طویل میعاد بلا سود قرضوں کی فراہمی کا بندوبست کریں (مسلم ممالک میں بھی ایسا کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہیے تاکہ نوجوان وگ جلد از جلد شادی کر سکیں۔ اضافہ از مصنف)

(۳) شادی کے لیے ممنوعہ/ حرام رشتے:

اسلامی شریعت کی رو سے مرد اور عورت کے درمیان چند رشتے حرام ہیں۔ حرمت کے یہ رشتے مستقل نوعیت کے بھی ہیں اور عارضی بھی۔ مستقل طور پر جو رشتے حرام ہیں، ان کی تفصیل سورہ النساء (۴: ۲۲ تا ۲۴) میں دی گئی ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ۚ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّائِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّائِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّائِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾

”اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے ہرگز نکاح نہ کرو، مگر جو پہلے ہو چکا ہو چکا۔ درحقیقت یہ ایک بے حیائی کا فعل ہے، ناپسندیدہ ہے اور ہر چلن ہے۔ تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں بہتجیاں، بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں

نے تمھاری گودوں میں پرورش پائی ہے۔ ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمھارا تعلق زن و شو ہو چکا ہو ورنہ اگر (صرف نکاح ہوا ہو اور) تعلق زن و شو نہ ہوا ہو تو انھیں چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمھارے صلب سے ہوں اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو مگر جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا۔‘

ان آیات کی رو سے واضح ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان مرد حسب ذیل عورتوں سے شادی نہیں کر سکتا۔

- « ماں « سوتیلی ماں
- « دادی/ پردادی وغیرہ « لڑکی بشمول پوتی/ نواسی
- « ہمیشہ « والدہ کی بہنیں
- « ماں کی بہنیں « بھائی کی بیٹیاں (بھتیجی)
- « رضاعی ماں « رضاعی ماں کی بہنیں
- « بہن کی بیٹیاں (بھانجی) « رضاعی بہنیں
- « بیوی کی والدہ (ساس) « سوتیلی بہنیں
- « سگے بیٹے کی بیوی

درج بالا رشتوں کی حرمت میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں جن کی اساس خونی رشتے، تعلق و رشتاعت پر استوار ہے۔ شادی کرتے وقت ان حرام رشتوں کا خیال نہ کرنے سے خاندانی نظام اور معاشرتی نظام احسن طریق پر نہیں چل سکتے۔ قریبی رشتے داروں کی شادیاں اگر طلاق کی وجہ سے ٹوٹ جائیں تو ان کی وجہ سے رشتے داروں میں تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں جن کی اسلام مخالفت کرتا ہے۔

خونی اور نزدیک ترین رشتے داروں سے شادی کی ممانعت کی ایک ممکن وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے بچوں میں جسمانی صحت، دماغی صلاحیت کے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں اور مستقبل میں ان کے بانجھ پن میں مبتلا ہونے کے امکانات بہت بڑھ جاتے

ہیں۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے بہت قریبی رشتے داروں کی باہمی شادی کو منع فرمایا (الطبرانی)۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی وضاحت میں فرمایا کہ ایک مرد عام طور پر کسی اجنبی عورت کی جانب زیادہ محبت کے جذبات رکھتا ہے جسے اس نے دیکھا نہیں ہوتا بہ نسبت ایسی عورت کے جس کے ساتھ رشتے کی بنا پر اُسے دیکھنے/ بات چیت کرنے میں کوئی وقت نہ ہو۔ چونکہ رشتے دار عورتوں سے میل جول کے مواقع اکثر ملتے رہتے ہیں جس وجہ سے اُسے اُن میں کم کشش محسوس ہوتی ہے۔ اس کے برعکس، کسی اجنبی عورت کو دیکھنے سے اس کی جنسی شہوت زیادہ بھڑکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ انھوں نے عرب کے ایک قبیلے (بنو سائب) کے لوگوں کو دیکھا جو پستہ قد اور بہت کمزور جسم کے تھے کیونکہ اس قبیلے میں قریبی رشتے داروں میں شادیاں کی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ہدایت کی کہ وہ غیروں میں شادیاں کیا کریں۔ موجودہ زمانے میں علم الحسنیات (Genetics) نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قریبی رشتے داروں میں شادیاں کرنے سے ماں/ باپ کی جانب سے ایسے ناقص موروثی اوصاف اکٹھے ہو جاتے ہیں جو اگرچہ تمام انسانوں میں پائے جاتے ہیں لیکن نزدیکی رشتے داروں کی باہمی شادی کی بنا پر جوڑوں کی شکل میں اکٹھے ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور یوں ان کا اثر بچوں کی صحت و سلامتی، جسمانی عارضوں اور بچے پیدا کرنے کی صلاحیت (Fertility) پر پڑتا ہے جیسا کہ درج بالا قبیلے میں پایا جاتا تھا۔

(۴) یہودیت میں شادی بیاہ کے لیے رشتوں کی ممانعت:

یہودیت میں بھی چند ایسے رشتے داروں کے درمیان شادی کی ممانعت ہے جن کا تعلق نزدیکی/خونی رشتے کی بناء پر ہوتا ہے۔

(الف) Arayos:

تورات کی رو سے ایک انسان اور اس کے ذیل کے رشتے داروں میں جنسی تعلقات حرام ہیں۔

- « ماں یا سوتیلی ماں » « خالہ یا چچی »
- « بہن، سوتیلی بہن یا ساس » « بیٹی، بہو، پوتی/نواسی »
- « ساس، دادی/نانی »

اس کے ساتھ ساتھ یہودی علماء نے درج ذیل رشتے بھی حرام قرار دیئے ہیں۔

« دادی/ نانی/ پڑدادی/ پڑنانی یا سوتیلی دادی/ نانی

« ماں/ باپ کے سوتیلے بھائی کی بیوی

« پڑپوتی یا پڑپوتے کی ساس

« بیوی کی دادی/ نانی اور دیگر رشتے دار از قسم ماں۔

« دادی اور کوئی عورت جس کے ساتھ آدمی کے جنسی تعلقات قائم ہوئے ہوں۔

تورات میں یہ بھی مذکور ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی بیوی کے ساتھ جنسی تعلقات برقرار نہ رکھے۔ نیز کسی ایسی عورت کے ساتھ جنسی اختلاط نہ کرے جسے ماہواری آرہی ہو الا یہ کہ سات دن گزر گئے ہوں اور وہ نہا چکی ہو۔ اس طرح بچے کی پیدائش کے بعد بھی یا اسقاط حمل کی صورت میں بھی الا یہ کہ اُسے صاف ہوئے سات دن گزر گئے ہوں لیکن کسی صورت بھی ۱۴ دن سے مکمل مدت گزرنے پر اگر لڑکی پیدا ہوئی ہو اور وہ عورت نہا کر پاک ہو چکی ہو کسی مرد اور عورت اور جانور کے درمیان جنسی تعلق کی بھی ممانعت ہے۔ تورات کے ان تمام ممنوعہ تعلقات کو Arayos (ننگا پن) کہتے ہیں۔

ان رشتے داروں کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ ان میں سے بیشتر وہ ہیں جن کے ساتھ شادی کی ممانعت قرآن کریم میں بھی آئی ہے۔

مغرب میں مسلمانوں کو شادی کے ضمن میں درپیش مسائل:

ذیل کے صفحات میں ہم ان مسائل کا ذکر کریں گے جو شادی بیاہ کے سلسلے میں مسلمانوں کو مغربی ممالک/ امریکہ یا دیگر غیر مسلم ممالک میں رہتے ہوئے پیش آتے ہیں۔ لوگ، شادی بیاہ کے سلسلے میں بہت سے سوالات پوچھتے ہیں جن کے جوابات بہت سے اہل علم نے دیئے ہیں۔ اس طرح کے چند معاملات کو ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

(Ali-Al-Tamimi, 1998; A.S. Khan 1999)

مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان شادی

(الف) عیسائی/ یہودی (اہل کتاب) سے شادی:

ایک مسلم عورت کسی دوسرے مذہب کے مرد سے شادی نہیں کر سکتی سوائے مسلمان۔ تاہم ایک مسلمان مرد، کسی عیسائی، یہودی (اہل کتاب) عورت سے شادی کر سکتا ہے۔ اس فرق کی دو وجوہات ہیں۔ اسلام اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ عیسائیت اور یہودیت کے ساتھ اس کے بہت سے امور مشترک ہیں اور سی لیے اس نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی ہے کہ وہ ان دونوں مذاہب کی تعلیمات کا ادب و احترام ملحوظ رکھیں۔ پس اگر کوئی مسلمان، کسی یہودیہ/ عیسائی عورت سے شادی کرتا ہے تو اس امر کے امکانات ہیں کہ وہ اُسے اسلام لانے پر مجبور نہیں کرے گا۔ بلاشبہ اُسے چاہیے کہ اپنی بیوی کو مذہبی عبادات اپنے مذہب کے مطابق ادا کرنے کی اجازت دے اور اس کے مذہبی معاملات کا احترام کرے لیکن اس امر کی کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی کہ کسی دوسرے مذہب کا مرد، کسی مسلمان عورت کے ساتھ شادی کرے، اور اسے اپنے مذہب یعنی اسلام کے مطابق عمل کرنے کی اجازت دے۔

بین المذاہب شادیوں میں چند سماجی/ معاشرتی مسائل:

قبل ازیں کہ کوئی مسلمان مرد کسی کتابیہ عورت سے شادی کرے، اُسے چاہیے کہ وہ بہت سے ایسے مسائل کو بھی سمجھ لے جو اس ضمن میں ضروری ہوں اور اپنی ہونے والی بیوی سے بھی گفتگو کرے۔ ان مسائل کا تعلق مذہبی ہم آہنگی، غیر مسلم رشتے داروں کے ساتھ تعلقات اور نیل جول، دوستوں کا حلقہ، مذہبی تہوار اور رسومات کی ادائیگی، کھانا، سماجی تقریبات کا شعور، مذہبی رواداری، خیرات اور اس قسم کے بہت سے مسائل اور اعمال سے ہے۔

اس ضمن میں اہم ترین بات جو ہمیں سمجھنی چاہیے یہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگوں نے چونکہ اسلام کی گود میں آنکھیں کھولیں اس لیے ایک مسلم سوسائٹی نے ہماری پرورش اور اسلامی تعلیم و تربیت میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ آغاز سے لے کر ہم نے اسلام کے بارے میں معلومات تھوڑی تھوڑی، گھر، مدرسہ، سکول، مسجد، ریڈیو حتیٰ کہ دینی و سیاسی جماعتوں کے اجتماعات میں شریک ہو کر حاصل کیں۔ ایک مشترکہ خاندان کی شکل میں خاندان کے بزرگوں،

دادی، دادی، نانا/ نانی اور دیگر رشتے داروں سے بھی ہمیں اسلامی معلومات حاصل ہوتی رہیں۔

مغرب میں صورت حال اس سے یکسر مختلف ہے۔ وہاں اکثر و بیشتر صرف والدین ہی بچوں اور اسلام کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر صرف خاوند مسلمان ہے تو یہ وسیع مزید کمزور ہو جاتا ہے اور اگر خاوند کو خود بھی دین کا علم نہیں اور وہ نماز، روزے کی پابندی بھی نہیں کرتا اور مسلمانوں کی دیگر سماجی و دینی تقریبات میں شریک بھی نہیں ہوتا تو پھر بچے اسلام سے عملاً نابلد رہیں گے۔ ان کے لیے اسلام ایک غیر مذہب کی حیثیت سے ہی متعارف ہوگا۔ اگر بچوں کو ماں اور باپ علیحدہ علیحدہ اپنی عبادت گاہوں میں لے جاتے ہیں اور وہ علیحدہ علیحدہ مذہبی تقریبات میں شرکت کرتے ہیں تو پھر وہ دونوں میں سے کسی بھی مذہب کے بارے میں معلومات حاصل نہ کر پائیں گے۔ بچوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ انھیں کسی ایک مذہب کی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے اور والدین مل کر انھیں اس کی تعلیم دیں اور اس پر عمل کرائیں۔

علی التیمی (۱۹۹۸) نے بین المذاہب شادیوں کے بارے میں ایک اور اہم پہلو کی جانب اشارہ کیا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں کہ ”میں ایک آخری بات ان خطرات کے بارے میں کرنا چاہتا ہوں جو ایسی عیسائی عورت سے شادی کے نتیجے میں واقع ہوتے ہیں۔ اگر یہ شادی طلاق پر منتج ہو تو پھر عدالت لازمی طور پر بچوں کی پرورش کا اختیار عورت کو دے گی۔ اگر خاوند اپنے بچوں کے ہمراہ امریکہ پہنچنے کا ارادہ کرتا ہے اور کوئی عدالت بچوں کے اغوا کی کوشش میں اس کی گرفتاری کے احکامات صادر کر دیتی ہے تو پھر امریکہ کا محکمہ انصاف/ فیڈرل پولیس خاوند کو گرفتار کر کے بچوں کی بازیابی رائے گی چاہے وہ امریکہ سے باہر ہی کیوں نہ چلا گیا ہو۔“

جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ ایک مسلمان عورت کسی غیر مسلم مرد سے شادی نہیں کر سکتی۔ تاہم اگر کسی دوسرے مذہب کا مرد، کسی مسلم عورت سے شادی کا خواہش مند ہو تو اسے پہلے اسلام قبول کرنا ہوگا۔ انھیں اس امر کا خیال کرنا چاہیے کہ اسلام قبول کرنا بہت آسان ہے کہ اس میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنا ہوتا ہے اور حضور ﷺ کو اللہ کا آخری اور سچا نبی تسلیم کرنا ہوتا ہے۔ لوگ جو اس امر کا اعلان بغیر سوچے سمجھے کر دیتے ہیں ان کا یہ عمل، اسلام کو قبول کرنے کے مترادف نہیں۔ یہ ایک غیر شعوری عمل ہے۔ انھیں اسلام اور اس کے اصولوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر وہ اس

بارے میں مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اسلام ایک سچا دین ہے اور اس صورت میں اگر وہ اسلام کا اقرار کریں تو پھر وہ مسلمان کہلائیں گے۔

غیر مسلم بیوی کے والدین / رشتے داروں کے ساتھ تعلقات:

ایک غیر مسلم عورت جو اسلام قبول کر لیتی ہے، وہ اپنے ماں باپ اور دیگر رشتے داروں کے ساتھ اچھے تعلقات برقرار رکھ سکتی ہے۔ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کیا اُسے اپنی ماں کے ساتھ محبت اور پیار کا سلوک کرنا چاہیے جو اس سے ملنے کے لیے آئی ہوئی تھی لیکن جس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ تمہیں اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔

عیسائیت میں تثلیث کا عقیدہ اور کسی عیسائی عورت سے شادی کا مسئلہ اکثر زیر بحث آتا ہے۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ چونکہ عیسائیت نے تثلیث کا عقیدہ اختیار کر لیا ہے اس لیے اب وہ خدا کی وحدانیت کے قائل نہیں رہے اس لیے انھیں ”اہل کتاب“ نہیں کہا جاسکتا یا بہتر ہے کہ انھیں ”پہلے زمانے کے الہامی مذہب کے لوگ“ کہا جائے۔ یہ بات صحیح نہیں کیونکہ تثلیث کا عقیدہ عیسائیوں میں ماقبل اسلام بھی پایا جاتا تھا۔ جس وقت قرآن کریم نازل ہو رہا تھا، اس وقت بھی عیسائی اس عقیدے پر قائم تھے جس طرح آج کل ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ عیسائیت کی صحیح اور بنیادی تعلیمات سے انحراف کی ایک شکل ہے۔

حضور ﷺ نے کعب بن مالک کو ایک کتابیہ عورت سے شادی کرنے سے منع فرماتے ہوئے کہا تھا ”یہ ”محسن“ نہیں بنائے گی یعنی دونوں میاں بیوی کے درمیان جو محبت اور رحم کے جذبات ہوتے ہیں، وہ اس شادی سے پیدا نہیں ہو سکیں گے۔ اس طرح کا واقعہ ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کا ہے جسے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن الایمن نے روایت کیا ہے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک اسلامی فوج کے کمانڈر تھے جو ایران کی فتح کے لیے بھیجی گئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ انھوں نے کسی یہودی عورت سے شادی کر لی ہے۔ انھوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ اس یہودی عورت کو طلاق دے دیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انکار کرتے ہوئے اس امر کا مطالبہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ واضح فرمائیں کہ کیا

اس طرح کی شادی کی اجازت ہے یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس کی اجازت ہے، تاہم انھوں نے اس یہودی عورت کو طلاق دینے کے لیے اصرار کرتے ہوئے دو دلائل دیئے۔ اولاً یہ کہ اگر مسلمان غیر مسلم عورتوں سے شادی کرنے لگ جائیں تو مسلمان عورتیں کہاں جائیں گی اور ان سے کون شادی کرے گا؟ ثانیاً آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غیر مذہب کی عورتوں میں کشش کا ایک پہلو ہوتا ہے جو مسلمانوں کو دین سے دور لے جاسکتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں دلائل سے اتفاق کرتے ہوئے اس عورت کو طلاق دے دی۔ یہ دونوں دلائل آج بھی موثر ہیں بلکہ کسی حد تک زیادہ!

اس ضمن میں ایک بحث کا اضافہ مزید کیا جاسکتا ہے۔ اگر ایک مسلمان جو کسی غیر مسلم ملک میں رہ رہا ہے، کسی مقامی عیسائی عورت سے شادی کر لیتا ہے تو وہ عیسائی معاشرے میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو زبردست پریشر میں محسوس کرے گا۔ اس کی بیوی اپنے لوگوں کے درمیان اور اپنی تہذیبی اقدار کے ساتھ آرام سے رہ رہی ہوگی۔ اسے اپنے طرز عمل اور سماجی و معاشرتی طور طریقوں کو بدلنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ وہ اپنے آپ کو اسلامی اصولوں اور طرز زندگی کے مطابق بدل سکے لیکن وہ محسوس کرتی ہے کہ اس کے شوہر کو بدلنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ مغربی معاشرے میں رہنے کے قابل ہو سکے۔ دراصل وہ تمام تر مصالحت جو مغربی معاشرے میں رہنے کے لیے ضروری ہے، وہ اس کے خاوند کو کرنی پڑے گی۔ تاہم یہ معاملہ مختلف نوعیت اختیار کر جاتا ہے اگر وہ عورت خاوند کے ساتھ اس کے مسلم ملک میں چلی جاتی ہے۔ یہاں وہ اپنے طور طریقوں کو بدلنے پر مجبور ہوگی تاکہ وہ اپنے آپ کو اس معاشرے کے مطابق ڈھال سکے۔

(ب) اہل کتاب عورت کے علاوہ کسی مذہب کی عورت سے شادی:

اہل کتاب عورت سے شادی کے سوال پر گفتگو کرنے کے بعد یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اب ہم اس سوال پر گفتگو کریں کہ کیا کسی مسلمان عورت کی شادی کسی ہندو مرد کے ساتھ ہو سکتی ہے یا کسی ایسے مذہب کے آدمی سے جو مشرک ہو، اس شرط کے ساتھ کہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے مذہبی عقیدے، اعمال اور افعال سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہیں کریں گے۔

یہ واضح ہے کہ کوئی مسلمان عورت، کسی عیسائی، یہودی، ہندو یا کسی غیر الہامی مذہب کے

آدی سے شادی نہیں کر سکتی۔ تاہم ایک مسلمان مرد اگر ان مذاہب کی عورت سے شادی کرنا چاہے تو اس عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام قبول کرے اور ایک مخلص مسلمان عورت بن جائے۔ پس کسی مسلمان عورت کا کسی غیر مسلم مرد سے شادی کرنا اس مفروضہ وعدے کی بنا پر کہ شادی کے بعد وہ اپنی مسلمان بیوی کے مذہبی اعمال سے کوئی تعرض نہیں کرے گا، ایک بے بنیاد بات ہے۔ ایک مسلمان کی شادی کسی دوسرے مذہب کی عورت/مرد سے نہیں ہو سکتی جو مشرکانہ خیالات و عقائد کے حامل ہوں۔

چرچ/مندر میں شادی:

یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا مسلمانوں کی شادی کسی چرچ میں ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ ایک مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس کی شادی چرچ یا مندر میں ہو جہاں غیر اللہ کی عبادت ہوتی ہے۔ تاہم شادی کی تقریب کسی میونسپل کمیٹی کی عمارت میں ہو سکتی ہے۔



متعہ یا عارضی نکاح

متعہ (جو عربی زبان کی ایک اصطلاح ہے) کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ جو فائدہ پہنچاتی ہو مگر تھوڑی مدت کے لیے یا اس کا مطلب لطف اور حظ اٹھانے سے ہے۔ اس کا مادہ متاع ہے جس کے معنی قابل فروخت اشیاء اور مال کے ہیں تاہم بطور ایک اسلامی اصطلاح، اس کے معنی لطف و حظ اٹھانے کے لیے شادی کے ہیں۔ یہ طریقہ زمانہ جاہلیت سے عربوں میں رائج تھا جو کہ اب بھی اثناء عشری شیعہ کے نزدیک جائز ہے بالخصوص اس کا تعلق مذہبی عبادات کے لیے اختیار کردہ سفر یا طویل مسافت کے دوران عارضی شادی کے نتیجے میں جنسی حظ اٹھانے سے ہے جو بہت کثرت کے ساتھ مذہبی مقبروں، مزارات مقدسہ کی زیارت کے دوران رو بہ عمل آتی ہے۔

(Shahla Haeri, 1989)

عارضی شادی کی نوعیت ایک معاہدے کی سی ہے جو ایک عورت اور مرد کے درمیان طے پاتا ہے چاہے وہ کنواری عورت ہو یا مطلقہ یا بیوہ تاہم جس میں اس مدت کی صراحت ضرور کی جاتی ہے جتنے عرصے کے لیے یہ معاہدہ برقرار رہے گا اور اس معاہدے کا تعین بھی جو اس کے بدلے کے طور پر ادا کیا جائے گا۔ متعہ کے معاہدے میں کسی گواہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی جگہ اندراج (رجسٹریشن) ضروری ہوتا ہے۔ اس معاہدے کی مدت زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم اتنی ہوتی ہے جو عورت اور مرد کے درمیان طے پاتی ہے جو کہ ایک گھنٹے سے لے کر ۹۹ سال تک ہو سکتی ہے۔ معاہدے کی مدت کے اختتام پر دونوں فریق ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں بغیر کسی طلاق کی رسم ادا کیے۔ نظریاتی طور پر شیعہ فقہی قوانین کے مطابق عارضی شادی (متعہ) کو مستقل شادی (نکاح) سے اس طرح ممیز کیا جاتا ہے کہ متعہ کا مقصد صرف جنسی لذت کا حصول ہے جسے استماع کہا جاتا ہے جبکہ مستقل شادی/نکاح میں تولید نسل کا مقصد پیش

نظر ہوتا ہے۔ (طوسی، ۱۹۶۳: آیت اللہ مرتضیٰ طاہری: ۱۹۷۴۔ آیت اللہ روح اللہ خمینی ۱۹۷۷) شہلا حارّی ایک ایرانی خاتون ہیں جو ایک امریکی یونیورسٹی میں پڑھاتی ہیں۔ وہ اور کسی آیت اللہ کی نواسی/پوتی ہیں۔ انھوں نے ایک کتاب (جس کا حوالہ اگلے صفحات میں دیا جا رہا ہے۔ کسی۔ اس مضمون کی تیاری میں ہم نے بہت سا مواد اس کتاب سے لیا ہے۔ ایک دوسری اصطلاح جو متعہ یا ”ازدواج موقت“ کی بجائے استعمال کی جاتی ہے وہ سگائی (Sigheh) ہے جس کے معنی قسم یا ٹائپ کے ہیں۔ یہ ایک اہم بات ہے کہ ”بیوی“ کے لیے بہت سی دوسری اصطلاحیں ہیں جو ان دونوں اقسام کی شادیوں کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ ایک مستقل شادی میں بیوی کے لیے زوج/زوجہ کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے جبکہ متعہ یا عارضی شادی میں عورت کو سگائی کہتے ہیں۔

”ایک شیعہ عورت کو چاہے وہ کنواری ہو یا مطلقہ اجازت ہے کہ ایک وقت میں کسی ایک مرد سے عارضی شادی کرے بشرطیکہ ہر عارضی جنسی تعلق کے ختم ہونے پر، چاہے وہ کسی قدر مختصر ہی کیوں نہ ہو، اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ”کچھ عرصے کے لیے جنسی تعلق سے اجتناب“ (Sexual abstinence) کرے تاکہ حاملہ ہونے کی صورت میں بچے کے جائز والد کا پتہ چل سکے۔ جو بچے اس طرح کے جنسی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں وہ جائز اولاد سمجھے جاتے ہیں اور نظری طور پر ان بچوں کے مساوی حقوق رکھتے ہیں جو مستقل شادی کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں“ یہ وہ نکتہ ہے جو قانوناً متعہ کو ایک انفرادی خصوصیت کا حامل بناتا ہے جس کی بنا پر وہ نظریاتی طور پر فحشہ گری (Prostitution) سے ممتاز اور ممیز کہلاتا ہے درآنحالیکہ دونوں میں بہت حد تک مشابہت پائی جاتی ہے۔ (امام علی بن ابی طالب ۱۹۳۹ بحوالہ شہلا حارّی ۱۹۸۹)

شیعہ قانون کے خیالات کے برعکس ”ایک شیعہ مسلم مرد بیک وقت جتنی عارضی شادیاں (متعہ) وہ کرنا چاہے کرنے کا مجاز ہے۔ یہ ان چار بیویوں کے علاوہ ہیں جو مسلمان مردوں کے لیے شرعی طور پر جائز ہیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا ”کیا متعہ کے تحت بیوی ان چار (قانونی طور پر جائز بیویوں میں سے ہے)؟ بتایا جاتا ہے کہ اس پر امام نے جواب دیا ”ایسی ہزار عورتوں سے شادی/متعہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ آجر یعنی خدمت کے ذریعے مانے

والی ہیں۔“

”ایک مزید روایت جو ہر دو امام صاحبان (امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے والد محترم امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ) سے منسوب کی جاتی ہے، وہ ایک شخص کے بارے میں ہے جس نے امام سے استفسار کیا کہ کیا عارضی شادی / متعہ سے ثواب بھی ملتا ہے؟“ امام صاحب کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ انھوں نے جواب دیا کہ ”ہر وہ شخص جو کسی عورت سے متعہ کرتا ہے، اللہ کی رضا کی خاطر یا مذہب کی تعلیمات پر عمل کرنے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر عمل کرنے کے لیے یا اُس شخص کی حکم عدولی کرنے کے نقطہ نظر سے جس نے متعہ کو حرام قرار دیا تھا (یہ اشارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب ہے) تو اس عورت سے گفتگو کرتے ہوئے اس کے ہر لفظ کے عوض جو بات کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ثواب لکھتا ہے۔ جب وہ شخص اُس عورت کی جانب ہاتھ بڑھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ثواب لکھتا ہے۔ جو نبی وہ اس عورت کے ساتھ مباشرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور جب وہ غسل کرتا ہے تو خداوند کریم کی رحمت اور معافی اس شخص کے لیے لکھ دی جاتی ہے ہر اُس بال کے گیلا ہونے کے سبب جو غسل کے پانی سے گیلا ہو جاتا ہے۔“ (Shahla Haerri, 1989)

عارضی شادی (متعہ یا سگائی کی مختلف اقسام:

شہلا حارّی (۱۹۸۹) نے سگائی / متعہ کی مختلف اقسام کی کا ذکر بھی کیا ہے جنہیں دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ متعہ کی ایک قسم ایسی ہے جس میں مباشرت کی جاتی ہے (Sexual sigheh) اور دوسری قسم وہ جسے غیر جنسی متعہ (Non-sexual sigheh) کہتے ہیں۔

(الف) متعہ جنسی (Sexual sigheh):

اس میں درج ذیل مختلف اقسام ہیں:

(۱) جنسی متعہ:

جو مذہبی زیارتوں کے موقع پر کیا جاتا ہے۔

(۲) سگائی نذری:

جو کسی نذر، منت کو پورا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

(۳) متعہ جنسی وہ متعہ جو طویل سفر کے دوران، جنسی تسکین یا بے راہ روی سے بچنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ شیعہ علماء کے نقطہ نظر سے، متعہ جنسی کا ایک اہم مقصد کسی مرد کو ایک بیوی کا بہم پہنچانا ہے جب وہ اپنے گھر سے دور ہو، جنگ میں مصروف ہو، ملٹری سروس میں ہو یا کسی تجارتی دورے پر گیا ہو یا وہ کسی تفریحی سفر (Trip) پر گیا ہو۔ بقول کاشف الغیۃ (Kashif-al- Ghita 1968) اور وہ اپنی بیوی اور بچوں کو اپنے ساتھ نہ رکھ سکتا ہو۔ مزید نہ ہی وہ اس قابل ہو کہ وہاں کوئی دوسری شادی کر سکے۔ کیونکہ مستقل شادیاں رچانے کے لیے بہت سی تیاریاں کرنی ہوتی ہیں۔

(۴) کسی لونڈی سے متعہ کرنا:

یہ متعہ کا ایک ایسا معاہدہ ہے جو کسی لونڈی سے کیا جاسکتا ہے اس کے مالک کی مرضی اور

اجازت سے۔

(۵) مذہبی سگائی (Sigheh Aqai): سگائی آقائی

(۶) بچوں کی پیدائش کے لیے سگائی:

(۷) مالی حالت بہتر بنانے کے لیے سگائی/ متعہ کرنا:

(ب) غیر جنسی متعہ/ سگائی (Non-sexual sigheh):

یہ متعہ/ سگائی کی ایک ایسی نادر قسم ہے جو عارضی میاں/ بیوی ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے

لمحات/ وقت گزارنے کے لیے کرتے ہیں۔ جس میں وہ جنسی مباشرت سے پرہیز کرتے ہیں۔

اسے شہلا حارّی نے ”دو صنفوں کے تعلقات کی قانونی شکل“ کا نام دیا ہے۔

امام خمینی (ر) نے (۱۹۷۷) کے نزدیک متعہ کی یہ اشکال آج بھی جائز اور حلال ہیں۔

۱: متعہ/ سگائی جو دوران سفر جگہ، اخراجات کی بچت کے لیے کیا جائے۔

(Sigheh for sharing space/expenses in travel)

۲: سگائی/ متعہ جو کسی کی مدد سے فیصلہ کرنے کے لیے کیا جائے۔

(Sigheh to facilitate decision making)

۳: سگائی/ متعہ جو سہولت اور کسی عورت کی کمپنی کی خاطر کیا جائے۔

(Sigheh for convenience of association)

۴: باہمی امداد کے لیے متعہ/سگائی۔

(Sigheh for cooperation)

۵: مذہبی زیارات کے لیے متعہ/سگائی (سگائی بالاسرائے آقا)

(the shrine sigheh.sigheh bala sarai aqa)

متعہ/سگائی کی چند نئی توجیہات:

موجودہ ایرانی حکومت نے متعہ/سگائی کے تصور کے احیاء اور فروغ کے لیے بہت زبردست مہم کا آغاز کیا۔ شہلا حائری کے بقول اسلامی حکومت متعہ/سگائی کو قبول عام دینے کے لیے اپنی پالیسی میں تبدیلی لائی جس کے تحت متعہ کے جواز کو ایک جائز شادی ثابت کرنے کے برعکس اسے ایک ایسے انقلابی اقدام یعنی ”اسلام کے ایک بہت سنہرے قانون“ کے طور پر متعارف کرایا جا رہا ہے۔ (آیت اللہ مرعشی مطاہری ۱۹۸۱) جو کہ جدید زمانے کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایران کی حکومت، عوام کی تربیت کر رہی ہے تاکہ اس کی مختلف اقسام، طریق کار اور اس کے اخلاقی فوائد سے انھیں آگاہ کیا جاسکے اور اس کی فوقیت اور بہتری کو ثابت کیا جاسکے، آزادانہ شہوت رانی اور جنسی تلذذ کے حصول کے اُن مختلف طریقوں پر جو مغرب میں پائے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں درج ذیل چار اقسام کی تشہیر کی جارہی ہے۔

(۱) ٹرائل سگائی/شادی (Trial sigheh):

اسے ازدواج آزمائشی بھی کہا جاتا ہے۔

(۲) گروپ متعہ (Group sigheh)

(۳) تادیبی متعہ (Penance sigheh)

(۴) متعہ برائے سزا (Penal sigheh)

اب ہم ان چار اقسام کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے معلومات پیش کریں گے۔

(۱) آزمائشی متعہ/سگائی:

اسے ازدواج آزمائشی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ امر باعث دلچسپی ہو کہ آزمائشی شادی کا تصور

آیت اللہ مرتضیٰ مطاہری (۱۹۸۱؛ ۱۹۷۴) نے دیا۔ ان کے بقول ”اصولی طور پر یہ ممکن ہے کہ ایک مرد اور عورت جو مستقل شادی کرنے کے متمنی ہوں لیکن انھیں ”ایک دوسرے کو جاننے کا کافی موقع نہ ملا ہو“ تو وہ عارضی اور تجرباتی طور پر ایک مخصوص مدت کے لیے شادی کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں۔ اگر وہ ایک دوسرے سے مطمئن ہوں اور ایک دوسرے پر اعتماد کرنے لگیں تو پھر وہ اس بندھن کو مستقل شکل دے سکتے ہیں بصورت دیگر وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔“

درج بالا استدلال سے تقویت حاصل کرتے ہوئے، ڈاکٹر بہونر (Bohunar) (ایرانی وزیراعظم) نے آیت اللہ مطاہری کے بتائے ہوئے درج بالا طریقے کو کسی حد تک بدلتے ہوئے یہ تجویز کیا کہ ”ایک مرد اور عورت اس طرح کے متعہ کے دوران یہ طے کر سکتے ہیں کہ وہ اس دوران جنسی اختلاط/مباشرت کو ایک حد کے اندر رکھیں گے۔ مثال کے طور پر وہ طے کرتے ہیں کہ مباشرت نہیں کریں گے تو ایسی صورت میں مرد کو اُس عورت کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اُس معاہدے کا احترام کرنا ہوگا۔ پس ایک ایسا معاہدہ جس میں جنسی مباشرت سے پرہیز کیا جائے وہ فریقین کے لیے اس دوران میں ایک دلچسپ تجربہ بن جاتا ہے۔ درحقیقت اس طرح یہ ایک ازدواج آزمائشی کی شکل ہوتی ہے جس میں فریقین (میاں/بیوی) کو ایک دوسرے کو ”سمجھنے اور عادات و اطوار کو پرکھنے“ کا تجربہ ہو جاتا ہے بغیر کسی احساس گناہ کے! (Bohunar, et.al 1981)

شہلا حارثی (۱۹۸۹) نے اس پر بہت خوبصورت تبصرہ کیا ہے کہ ”اس بات کو جاننے کے لیے کہ نوجوان مرد اور عورتیں کس قدر خفیہ یا کھلے عام اس معالجاتی تجویز (Prescription) پر عمل کرتے ہیں، کچھ وقت درکار ہوگا!“

(۲) گروپ سیکس/متعہ:

متعہ/سگائی کے اس جدید طریقے کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ”یہ متعہ کا ایک ایسا اصلاح شدہ طریقہ ہے جسے جنسی اور غیر جنسی متعہ/سگائی کا بہترین امتزاج کہا جاسکتا ہے۔“ ایک ملا (مذہبی راہ نما) نے اس تصور کی وضاحت کرتے ہوئے نوجوان لڑکوں کو بتایا کہ ”اگر تم میں سے کوئی ایک کسی عورت سے ایک غیر جنسی سگائی کا معاہدہ کرے تو تم اس عورت سے جس

طرح بھی چاہو، لطف اندوز ہو سکتے ہو سوائے مباشرت کرنے کے۔

اس صورت میں اس عورت پر عدت گزارنے کا کوئی اطلاق نہ ہوگا اور جو نبی تمہارے ساتھ کیے گئے معاہدے کی مدت ختم ہوتی ہے تو وہ فوراً دوبارہ کسی دوسرے لڑکے کے ساتھ متعاہدہ/سگائی کا معاہدہ کر سکتی ہے۔ اس کے بعد دوسرا لڑکا/آدمی بھی اس کے ساتھ اس قسم کا غیر جنسی معاہدہ سگائی کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہر طریقے سے لطف اندوز ہو سکتا ہے بغیر جنسی مباشرت کے۔ اسی کے بعد تیسرا اور چوتھا آدمی بھی اس عورت کے ساتھ لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ آخر میں تم اپنے درمیان لاٹری کے ذریعے فیصلہ کر سکتے ہو اور جیتنے والا شخص خوش قسمت ہوگا۔ تب وہ اس عورت کے ساتھ جنسی مباشرت کر سکتا ہے تاہم اس صورت میں وہ آخری مرد ہوگا اور اس مدت کے اختتام پر عورت کو عدت گزارنی لازم ہوگی کیونکہ جنسی مباشرت ہو چکی ہوگی۔“ شہلا حارّی (۱۹۸۹ء) نے اس قسم کی سگائی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ”سگائی کی یہ قسم شاید اس رسم کی ایک بہت ہی انوکھی (Novel) توجیہ ہے تاہم“ وہ مزید رقمطراز ہیں کہ ”سگائی/متعاہدہ کی اس قسم کو ایک ایسی قسم تسلیم نہیں کرنا چاہیے جو عام طور پر مروج ہیں کیونکہ یہ ایک واحد شخص تھا جس نے مجھے اس قسم کے بارے میں اپنے خیالات سے آگاہ کیا۔“ اس قسم کی ایک دوسری عجیب حالت کے بارے میں وہ لکھتی ہیں کہ بقول (Yafatabadi, ۱۹۷۴) ”فلموں میں کام کرنے والے مرد اور عورت ایکٹروں اور ایکٹریوں کو ہدایت کرتے ہیں جنہیں فلموں میں محبت کے مختلف مناظر میں کام کرنا ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے اُن کے جنسی جذبات مشتعل ہو سکتے ہیں، اُن کے لیے مناسب ہے کہ وہ متعاہدہ/سگائی کا معاہدہ کر لیں۔“ اس معاہدے کے بعد، اُن کا استدلال یہ ہے کہ ”وہ ایک دوسرے سے جنسی لطف اٹھانے کے قانونی طور پر مجاز ہو جاتے ہیں جب تک کہ وہ فلم بندی میں مصروف رہیں اور اگر وہ چاہیں تو جنسی مباشرت بھی کر سکتے ہیں یہ اُن کا حق ہے اور اس پر کسی قسم کی کوئی قانونی قدغن نہیں!“

(۳) تادیبی سگائی/متعاہدہ:

انقلاب ایران کے بعد، ایران سے مغربی تصورات و اعمال کو ختم کرنے اور ایرانی عوام کی ذہنی و عملی تطہیر کے نقطہ نظر سے، انقلابی حکومت نے بہت سی ایسی عورتوں کو گرفتار کر کے جیل میں

ڈال دیا جن کا تعلق قبہ خانوں سے تھا۔ جسے ایران میں ”شاہراہ نو“ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ان طوائفوں کو وہاں رہائش اور خوراک فراہم کی گئی اور ان سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ وہاں کپڑے دھوئے، استری کرنے نیز کپڑے سینے کی خدمات سرانجام دیں گی۔ تاہم ان کی مستقل بحالی کے لیے یہ ضروری تھا کہ اس سزا کے عمل سے گزرنے کے بعد وہ انقلابی فوج کے کسی ایسے سپاہی یا کارڈ سے شادی / متعہ کریں گی جو ایران، عراق جنگ لڑ کر واپس آیا ہو۔ اس بارے میں عورتوں کو ان کی مرضی کے خلاف بھی مجبور کیا گیا اور یہ طریق کار عورتوں کے ماہواری نظام کے خاتمہ (Menopause) تک جاری رہا۔

(۴) سزا کے طور پر متعہ / سگائی:

انقلاب ایران کے مخالف عناصر کو ختم کرنے کے لیے بہت سی ۲۰ سال سے کم عمر کی لڑکیوں کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ شیعہ مذہبی قوانین کے مطابق ان لڑکیوں کو سزا دینے کے نتیجے میں وہ جنت میں جگہ پائیں گی۔ اس لیے اس قسم کی لڑکیوں کو ”جنت میں جانے سے روکنے کے لیے“ مجبور کیا گیا کہ وہ جیل کے عملے سے سگائی / متعہ کر لیں۔

(Woman's Commission, 1982; Musavi-Isfahani, 1985; Arnensty International, 1986)

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ شیعہ قانون کے مطابق ”ان میں سے بہت سی عورتوں / لڑکیوں پر ”فساد فی الارض“ اور ”کفر“ کے ارتکاب کا الزام لگایا گیا اور انھیں ریاست کی ملکیت (غلام / لونڈیاں) سمجھتے ہوئے ان کی زبردستی سگائی / متعہ کی شادی کی گئی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ ”ان نو عمر لڑکیوں کے کنوار پن (Virginity) کو مباشرت کے ذریعے ختم کیا جائے اور انھیں نہ صرف جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جائے بلکہ نفسیاتی طور پر بھی سزا دی جائے اور یہ سب کچھ اس لیے روا رکھا گیا کہ ”وہ جنت میں نہ جاسکیں“۔ ہمارے لیے مذہبی لوگوں کی ”ذاتی خواہشات“ (Wishful thinking) اور سوچ پر یہ رونے کا مقام ہے جو تاریخ انسانیت میں اس قسم کے بودے اور بعید از عقل دلائل کے ذریعے اپنی باتوں کو منواتے رہے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اپنے مخالفین (صنف نازک / کم سن لڑکیوں) کے کنوار پن کو داغدار کرنے، انھیں سزا دینے اور قتل

کرنے کے طریقوں سے وہ خداوند کریم کو ”مجبور“ کر دیں گے کہ وہ انھیں اپنی جنت میں جگہ نہ دیں۔ — تاریخ میں چرچ نے لوگوں کو اسی قسم کی وحشیانہ سزائیں دی تھیں جس کا نتیجہ مغرب اور یورپ کے دیگر ممالک میں انقلاب فرانس کی شکل میں عیسائیت کے خلاف عام بغاوت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ انسانیت آج بھی اس قسم کے مظالم سے کراہ رہی ہے اور نہیں معلوم کب تک، وہ اس قسم کے ظالمانہ افعال اور فیصلوں کا مغرب میں شکار ہوتی رہے گی۔ کیا ہم تاریخ سے کوئی سبق لینے کے لیے تیار نہیں؟ اور کیا ہم بھی اس راہ اور تجربے کو امت مسلمہ پر آزمانا چاہتے ہیں جس کی بحیثیت انسانیت آج بھی جڑھی ہوئی نظر آتی ہے؟

متحہ کی مقبولیت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے شہلا حارثی (۱۹۸۹) رقمطراز ہیں کہ ”متحہ/ عارضی شادی کی سماجی مقبولیت اور عوامی پسندیدگی کا تعلق کم و بیش حکومت وقت کی پالیسیوں کے ساتھ رہتا ہے۔ نیز ان تعلقات سے بھی جو حکومت وقت اور مذہبی راہنماؤں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ ۱۹۷۹ء میں نئی ایرانی حکومت کی بنیاد پڑنے پر حکومتی پالیسیوں میں ایک بڑی تبدیلی آئی جس کا تمام تر زور متحہ کے تصور کو عوام کی نظر میں پسندیدہ بنانا اور اس پر عمل درآمد کرانا تھا۔ اس سے پہلے متحہ کے بارے میں عوامی رائے میں ابہام اور شکوک پائے جاتے تھے اور ان کا طرز عمل بھی ملا جلا تھا۔ شاہ ایران کے دور میں اگرچہ متحہ/ عارضی شادی کو مکمل طور پر غیر قانونی قرار نہیں دیا گیا تھا تاہم یہ بہت محدود پیمانے پر رائج تھا اور وہ مرد اور عورت جو متحہ کی شادی کیا کرتے تھے، وہ اس کو مکمل طور پر خفیہ اور خاموشی سے کرتے تھے۔ اس کے برعکس، نئی ایرانی حکومت نے متحہ کی کامیابی کے لیے کھلے بندوں اعلان عام کی پالیسی پر عمل درآمد شروع کیا۔ عوام کو اس کی مذہبی حیثیت، موجودہ زمانے میں اس کی ضرورت و اہمیت اور انفرادی طور پر لوگوں کے لیے اس کے سماجی، اخلاقی اور صحت و تندرستی کے نقطہ نظر سے تعلیم و تربیت کا وسیع پروگرام شروع کیا۔ سکولوں، مساجد، مذہبی اجتماعات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن نیز اخبارات کے ذریعے حکومت نے عارضی/ متحہ کی شادی کے نبوض و برکات کی وکالت شروع کی تاکہ عوام الناس کو اس کا علم ہو سکے اور وہ اس پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ متحہ کے بارے میں عوامی تعلیم و تربیت کی مہم بہت شد و مد کے ساتھ جاری کی گئی کیونکہ ایران/ عراق جنگ میں ہزار ہا آدمی

مارے گئے تھے (آیت اللہ علی اکبر رفسنجانی ۱۹۸۵)

جیسا کہ ہم نے اس موضوع کے آغاز میں واضح کیا کہ شہلا حائری (۱۹۸۹) خود ایک ایرانی خاتون ہیں اور کسی آیت اللہ کی نواسی/ پوتی بھی۔ انھوں نے اپنی کتاب ”خواہشات کا قانون“ شیعی ایران میں عارضی شادی (Law of Desire: Temporary Marriage) میں لکھی۔ اس مقدمہ کے لیے انھوں نے ایران کا دو مرتبہ دورہ کیا اور بہت سے محترم ایرانی لوگوں جن میں آیت اللہ نجفی اور آیت اللہ شریعت مداری جیسے لوگ بھی شامل تھے ملاقاتیں کیں۔ انھوں نے بہت سے ایرانی مردوں اور عورتوں کی آپ بیتیاں اور ان کا نقطہ نظر بھی بیان کیا جو وہ عارضی شادی کے اس نظام کے بارے میں رکھتے تھے اور جنھوں نے از خود اس سے استفادہ کیا تھا۔ ان کی گفتگو بہت سی عورتوں سے بھی ہوئی جن کی مختلف عمریں تھیں اور جو معاشرے کے مختلف طبقوں اور پس منظر سے تعلق رکھتی تھیں۔ انھوں نے انٹرویو اس طریق پر حاصل کیے جسے ایرانی عوام ”درد دل یا ”دلی درد“ کی کہانیاں کہتے ہیں۔ انٹرویو کیے جانے والے مردوں میں بہت سے مختلف سطحوں اور درجات کے ملا (مذہبی خدمات سرانجام دینے والے لوگ) بھی شامل تھے جن سے انھوں نے قم اور مشہد کے مقدس مزارات پر ملاقات کی۔ وہ رقمطراز ہیں کہ ”مجھے بہت سے لوگوں نے ملاؤں سے بات کرنے کو کہا کیوں کہ ایک عوامی تاثر یہ بھی پایا جاتا ہے کہ متعہ کے عمل سے بہت سے ”مذہبی لوگ“ زیادہ استفادہ کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو ”روحانیوں یا مذہبی لیڈرز“ کہا جاتا ہے۔ متعہ کرنے میں دوسرے لوگوں کی نسبت یہ از خود پیش پیش ہوتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کی کتاب سے ایک اہم اہل علم شیعہ کے انٹرویو کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔

(الف) آیت اللہ شریعت مداری کا انٹرویو:

اُن کی رائے میں متعہ/ عارضی شادی کی اجازت متعدد وجوہات کی بنا پر تھی۔

اولاً: جب مرد کسی جنگ کی وجہ سے باہر گئے ہوئے ہوں تو پیغمبر ﷺ نے آسان شرائط کے ساتھ متعہ/ عارضی شادی کی اجازت دی تھی تاکہ سپاہیوں میں جنسی برائیاں پیدا نہ ہوں۔

ثانیاً: اس طرح کی شادیوں سے کسی گروہ کے اخلاق اور اصولوں کو نقصان پہنچنے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

ثالثاً: اس کی وجہ سے بیمار یوں کا تدارک کیا جاسکتا تھا اور
 رابعاً: اس کی وجہ سے مردوں کی جنسی خواہشات کی تسکین کی جاسکتی تھی۔ انھوں نے حضرت
 عمر رضی اللہ عنہ کی تردید کی جنھوں نے اس رسم کو غیر شرعی قرار دیا تھا اور یہ دلیل دی کہ خلیفہ ثانی
 کا یہ اقدام غیر قانونی اور ناقابل عمل ہے۔

بیت اللہ شریعت مداری نے لوگوں کی ان حرکات پر اعتراض کیا جو متعہ کا غلط استعمال کر
 رہے ہیں اور اُس پر ایک معمول کی حیثیت سے روزمرہ زندگی میں عمل پیرا ہیں یا وہ لوگ جو اپنے
 مال و دولت یا معاشرتی مقام کی بنا پر لڑکیوں کے ساتھ متعہ کر کے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں اور
 چند روزہ جنسی لطف اٹھانے کے بعد ایسی لڑکیوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہیں۔ انھوں نے
 متعدد مرتبہ متعہ کی ایمر جنسی نوعیت کا اظہار کیا اور کہا کہ اس سے استفادہ بطور ”دوائی/ علاج“
 (میڈیسن) کیا جائے جب کہ کوئی شخص ”بیمار“ ہو اور اس کا ضرور تمند بھی۔

ذیل میں ہم چند دیگر انٹرویوز کے اقتباسات پیش کر رہے ہیں جو شہلا مہاری (۱۹۸۹ء)
 نے اپنی کتاب میں مختلف مردوں اور عورتوں کے درج کیے ہیں۔ ان تمام انٹرویوز کے مطالعے
 سے پتہ چلتا ہے کہ بطور ”علاج یا دوا استعمال کرنے کی بجائے“ مرد اور عورتیں دونوں اصناف کے
 افراد اس پر بے دریغ اور وسیع پیمانے پر عمل کر رہے ہیں۔

(ب) عورتوں کی کہانیوں کے چند اقتباسات:

«مہوش خانم:

تم میں معصومہ کے مزار پر ایک عورت نے واضح طور پر تسلیم کیا کہ وہ متعہ کا معاہدہ اپنی جنسی
 تسکین کے لیے کرتی ہے اور اس کی خواہش ہے کہ ”وہ ہر رات سگائی کر سکے“ تاکہ اسے مستقل
 شادی کے لیے کوئی جیون ساتھی مل جائے۔ اس نے مزید کہا کہ ”عدت کی شرط، قرین انصاف
 نہیں، یہ عورتوں کے ساتھ بے ”انصافی“ ہے۔“ عورتوں کے ساتھ یہ نا انصافی ہے کہ وہ دو گھنٹے
 کی عارضی شادی سے لطف اندوز ہوں اور اُس کے بعد دو ماہ تک عدت کی وجہ سے انتظار کریں!“
 «طوبی:

اس سے پوچھا گیا کہ کیا تم دوبارہ متعہ کرو گی؟ طوبی نے جواب دیا کہ ”میں مرتے دم تک

اب اس کے قریب بھی نہ جاؤں گی۔ دونوں مرتبہ میں نے گمان کیا کہ وہ میرے ساتھ مستقل شادی کریں گے اور دونوں مردوں نے قرآن پر حلف دیا کہ وہ اس کے ساتھ تمام عمر نباہ کریں گے لیکن دونوں نے مجھ سے دھوکہ کیا!“

(ج) مردوں کی کہانیوں سے اقتباسات:

« ملا ہاشم:

ملا ہاشم کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی حجاب محسوس نہیں ہوا کہ جب سے وہ مشہد آیا ہے اس وقت سے ”وہ جلدی جلدی، باقاعدگی سے لیکن خفیہ طور پر“ عارضی شادی/ متعہ کا معاہدہ کرتا ہے۔ اس نے مزید کہا ”وہ خدا کے اس انعام کا انکار نہیں کرے گا یعنی کسی عورت کی جانب سے عارضی شادی کی دعوت کا!“ — اس کی تمام عارضی شادیوں کی مدت صرف ۲ سے ۳ گھنٹے تک تھی!

تاہم جب اس سے پوچھا گیا کہ کیا وہ اپنی سولہ سالہ لڑکی کو اجازت دے گا کہ وہ کسی کے ساتھ عارضی شادی/ متعہ کا معاہدہ کرے؟ اس نے زور دیتے ہوئے نفی میں جواب دیا ”بھی نہیں“۔ سگائی کا رواج زیادہ تر مذہبی راہنماؤں (روحانیوں) میں ہے۔ تاہم اس نے گفتگو کو بیٹے ہوئے کہا کہ ”تمام لوگ مشہد کے مزارات پر عارضی شادی/ متعہ کے لیے ہی آتے ہیں!“

”یہ مذہبی رہنما اپنے انٹرویو میں کہتے ہیں کہ ہائی سکولوں میں اپنی نوجوان نسل کے جنسی مسائل/ معاملات کا عارضی شادی یا سگائی کے ذریعے حل پیش کرنے میں ہم سویڈن کے لوگوں سے بہت آگے ہیں۔“ اس کا خیال تھا کہ پہلے دور میں ہر لڑکی جو حصول تعلیم کے لیے کالج جاتی تھی، اس کے ناجائز تعلقات اپنے کسی دوست/ لڑکے سے ہوتے تھے کیونکہ یہ طرز عمل کالج کے ماحول کا لازمی اور منطقی نتیجہ تھا۔ ایسے عالم میں، میں اپنے طلباء/ طالبات کو تلقین کیا کرتا تھا کہ وہ متعہ/ سگائی کر لیا کریں کیونکہ یہ شرعاً جائز ہے، اخلاقی طور پر قابل قبول، اور اس کی وجہ سے کسی فرد کو احساسِ جرم اور گناہ کا تصور بھی نہیں ہوتا۔“

ملاں × (نا معلوم):

(یہ شخص) قم کے کسی مدرسے میں ۸۲-۱۹۸۱ء میں بطور ایک سٹوڈنٹ کونسلر تھا۔ اس نے

بتایا کہ وہاں قریباً ۵۰۰ لڑکیاں تعلیم حاصل کر رہی تھیں اور وہ کسی نہ کسی آیت اللہ کے زیر تعلیم و تربیت رہتی تھیں۔ ان سے کچھ لڑکیاں متعدد مرتبہ اپنی تعلیم اور مذہبی تربیت کے دوران عارضی شادی کے معاہدے (سگائی) کرتی تھیں۔ ۵۰۰ طالبات میں سے ۲۰۰ سے زائد طالبات اپنے کسی استاد یا کلاس فیلو کے ساتھ سگائی کرتی تھیں۔

اس نے مزید بتایا کہ اس قسم کے تعلقات کے لیے پہل ہمیشہ کسی عورت کی جانب سے کی جاتی تھی۔ ایک دفعہ کسی ایک مزار پر کسی عورت نے اس سے رابطہ کیا اور قرآنی دعاؤں کے پڑھنے کی درخواست کی۔ اس کے بعد اس عورت نے اس کے ساتھ سگائی (متعہ) کرنے کی درخواست کی کیونکہ اس عبادت میں اسے خوشخبری کا پہلو نظر آیا تھا بالخصوص اس امر کا اشارہ کہ اسے چاہیے کہ وہ عارضی شادی (سگائی) کا معاہدہ کرے۔ ملانے اس کی تعمیل کی اور ان کے درمیان ایک گھنٹے کی سگائی کا معاہدہ ۲۰ تومان کے عوض طے پایا۔ ایک اور موقع پر ایک عورت نے اس کے ساتھ رابطہ کیا اور اپنی کنواری لڑکی کے ساتھ ایک رات کے لیے ۵۰ تومان کے عوض سگائی کرنے کی درخواست کی۔

محسن:

محسن نامی شخص کے بقول ”ایک خاتون مجھے اپنے ہوٹل میں لے گئی اور اپنی ماں سے میرا تعارف اپنے بھائی کے ایک دوست کی حیثیت سے کرایا۔ اس ہوٹل میں اُن کے پاس ایک بینڈ روم کا بڑا کمرہ (Suite) تھا۔ رات کے وقت جب اس کی ماں گہری نیند سو گئی تو وہ میرے پاس بیٹھنے کے کمرے میں اس صوفے پر آگئی جہاں میں لیٹا ہوا تھا۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اس کی ماں گہری نیند سو رہی ہے۔ اس نے اسے ہلا کر دیکھا“ اس نے مجھے بتایا کہ گزشتہ چند دنوں سے وہ مباشرت کرنے کی شدید خواہش مند تھی اور اس وجہ سے اسے خدشہ تھا کہ مبادا وہ کسی گناہ کے فعل میں مبتلا ہو جائے۔ اُس نے بتایا کہ وہ اس حد تک جنسی جذبات سے مغلوب تھی کہ وہ ہوٹل کی بس کے لڑکے کو بلانے کا سوچ رہی تھی۔ ہم تین دن تک ایک دوسرے کے ساتھ رہے!“

اس آدمی (محسن) نے مزید بتایا کہ ”ایک دفعہ اس نے تم سے تعلق رکھنے والی ایک برقعہ

پوش عورت کو کار پر لفٹ دی اور اس عورت میں دلچسپی کا اظہار کیا تو ان کے درمیان عارضی شادی کا معاہدہ طے پا گیا۔ تب وہ اُسی عورت سے ملنے تم گیا اور وہاں ایک دن کی مدت میں اُس نے نہ صرف اُس عورت کے ساتھ مباشرت کی بلکہ اُس کی ماں اور اس کی ایک رشتے کی بہن سے بھی جنسی تعلقات قائم کیے۔“

اُس مرد نے مزید بتایا کہ ”پہلوی حکومت میں بہت سے سگائی کرانے والے لوگ ملاں ہوتے تھے۔ اب وہ لوگوں کے ساتھ عارضی معاہدہ کرانے کی بجائے، خود ہی ایسے معاہدہ کرنے لگ گئے ہیں۔“

”طوائفوں کے لیے قانوناً ضروری تھا کہ وہ صحت کا سرٹیفکیٹ رکھیں جس کی چیکنگ ہفتہ وار یا ماہانہ ہوتی تھی۔ اس کام کے لیے انسپکٹرز ہوتے تھے جو انھیں اور ان کے گھروں کو چیک کرتے تھے۔ خلاف ورزی کی صورت میں اُن کے کارڈوں کا دوبارہ اجراء نہ ہوتا تھا اور ان پر جرمانہ بھی عائد کیا جاتا تھا یا انھیں گرفتار کر لیا جاتا تھا لیکن اب اس قسم کا کوئی کنٹرول نہیں۔“ — ”یہ امر باعث دلچسپی ہے کہ کس طرح آسانی لیکن شاید غیر ارادی طور پر محسن نے سگائی/متعہ کو طوائفوں کے ساتھ جوڑ دیا۔“

شہلا حاضری نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا! بہت سے لوگ مذہبی مقامات پر دو امور لے لیے جاتے ہیں۔ کسی سے سگائی/متعہ کرنے اور عارضی شادی کا معاہدہ کرنے کے بعد چند دن قیام کرنے کے لیے۔ اس مقصد کے لیے رہائشی مکانات اور کوارٹرز ایران، عراق، شام اور مصر میں موجود ہیں۔ ایسی عورتیں جو اس قسم کے مکانات کا علم رکھتی ہیں، وہاں چلی جاتی ہیں اور وہاں اپنے ”مہمانوں“ کا استقبال کرتی ہیں۔“

ملا افشاگر:

ملا افشاگر نے بتایا کہ ”ایک ایسی سوسائٹی میں جیسی کہ ہمارے ہاں ہے دو اقسام کی متعہ/عارضی شادیاں کی جاتی ہیں ایک وہ جو طوائف گیری/فتنہ گیری سے قریبی مماثلت رکھتی ہیں اور دوسری عورتیں جو یہ کام کرتی ہیں، وہ مالی مدد کی ضرورت مند ہوتی ہیں۔ لیکن متعہ کی دوسری قسم وہ ہے جو ہمارے ہاں سکولوں کے طلباء و طالبات میں پائی جاتی ہے اور وہ متعہ کی صحیح صورت ہے حتیٰ کہ اس

”میں اساتذہ اور طلباء بھی شامل ہوتے ہیں۔ متعہ کی شادی کرنے والوں میں ۹۹ فی صد ایسے لڑکے ہوتے ہیں جو اس کے ذریعے اپنی جنسی تسکین کا حصول کرتے ہیں۔“

”چونکہ مدارس میں پڑھنے والی طالبات کا پس منظر مذہبی ہوتا ہے اس لیے وہ اس قسم کے اساتذہ/ طلباء کے دام میں پھنس جاتی ہیں۔ پہلے اس قسم کے ملا لوگ، لڑکیوں کی سگائی/ متعہ کی شادی اپنے دوستوں اور بیٹوں کے ساتھ کراتے ہیں اور اس کے بعد وہ خود زیادہ ماہر ہو جاتے ہیں اور وہ خود اُن امور کو کرنے لگتے ہیں۔“

ملا افشاگر نے مزید انکشاف کیا کہ ”متعہ ایک زیر زمین مافیا تنظیم کی طرح ہے۔ ہر شخص کو اس کا علم ہے لیکن کوئی بھی اس کے بارے میں زبان نہیں کھولتا۔ یہ ایک دیمک کے جال کی طرح ہے۔ کسی کو دیمک دکھائی نہیں دیتی لیکن عمارت کی بنیاد کو کھاتے ہوئے تمام لوگ اس کی آواز سن سکتے ہیں۔“ اس نے مزید کہا کہ ”آج کل ملا اوگ بہت زیادہ متعہ کی شادیاں کرنے لگے ہیں بہ نسبت اُس اجازت کے جو پیغمبر ﷺ نے دی تھی اور یہ کہ غیر مذہبی لوگ اس پر کم عمل کرتے ہیں۔ ہر اس جگہ جہاں کوئی ملا (مذہبی راہ نما) ہے، وہاں یہ جنسی کاروبار موجود ہے!“

ہم نے شہلا حارّی کی کتاب سے یہ تفصیلی اقتباسات اس لیے دیئے ہیں کہ متعہ کے بارے میں ایران میں موجودہ صورت حال کا واضح طور پر اندازہ کیا جاسکے۔ متعہ کے بارے میں شہلا حارّی کا یہ تبصرہ بھی شاید قارئین کے لیے باعث دلچسپی ہو۔ وہ رقمطراز ہیں کہ ”تہذیبی سطح پر متعہ اور طوائفوں کے پیشے میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ ایران میں، متعہ کی شادی کے بارے میں ایک عام خیال دو ڈرامائی طور پر مختلف انتہاؤں اور خیالات و نظریات کی درمیانی شکل میں پایا جاتا ہے۔ اس میں ایک مستقل شادی کا تصور ہے اور دوسری انتہا طوائفوں/ قحبہ گری کی ہے۔ اس میں سے ایک کو پاکیزہ عمل اور دوسرے کو گندگی (Pollution) سمجھا جاتا ہے۔ ایک کو جائز اور دوسرے کو ناجائز سمجھا جاتا ہے۔ متعہ کی شادی کی مذہبی اور قانونی اجازت کے باوجود اس کو عام لوگوں میں کبھی بھی بہت زیادہ پذیرائی حاصل نہیں ہوئی۔ کم از کم ۱۹۷۹ء کے انقلاب تک ایسا نہیں ہوا تھا۔ مذہبی طبقے کے باہر، متعہ کی شادی کو ایک گالی (Stigmatization) غیر اہم اور ہم (Marginal status) مقام ہی حاصل رہا جبکہ پڑھے لکھے شہری لوگ جو ایران میں مدلل

کلاس سے تعلق رکھتے ہیں، متعہ کی شادی کو طوائفوں کی ایک قانونی شکل ہی سمجھتے ہیں۔ تاہم مذہبی طبقے کے لوگوں کا رجحان یہ ہے کہ وہ اسے الہامی طور پر عطا ہونے والا ایک انعام سمجھتے ہیں جسے وہ مغرب میں پائے جانے والے مرد و عورت کے درمیان ناجائز جنسی تعلقات اور آزادانہ شہوت رانی پر ترجیح دیتے ہیں۔ (Ardihali, M.H)

”متعہ/عارضی شادی کے بارے میں پائے جانے والے شکوک و شبہات (Ambiguities) کو واضح کرتے ہوئے“ بخلاف اس رائے کے جو موجودہ ایرانی علماء اس کے بارے میں مثبت انداز میں رکھتے ہیں، شہلا حارّی مزید رقمطراز ہیں کہ ”شادی کی دونوں اقسام (عارضی/متعہ اور مستقل شادی) دراصل ایک معاہدے کی حیثیت رکھتی ہیں ان کا معاہدے کی کس قسم سے تعین ہے؟ اس معاملے کو اس موضوع پر موجود شیعہ لٹریچر میں اکثر و بیشتر بغیر کسی واضح جواب دیئے (Vague) چھوڑ دیا گیا ہے۔ بالخصوص موجودہ زمانے کے ایرانی علماء اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔ وہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان دونوں اقسام کی شادیوں کے درمیان پائے جانے والے اس عظیم فرق کو کم سے کم کر کے دکھایا جائے اور اس ضمن میں وہ جان بوجھ کر مسلسل ان دونوں اقسام کے جنسی تعلق کے درمیان پائے جانے والے فرق/بعد سے صرف نظر کرتے ہیں اور اس امر پر زور دیتے ہیں کہ جنسی تلذذ کے حصول کے لیے ان دونوں اقسام کی شادیوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ ایک میں وقت کی حد کا تعین ہے جبکہ دوسرے میں وقت کا تعین نہیں۔ —متعہ/عارضی شادی کے بارے میں یہ ایک غلط توجیہ ہے جس کی وجہ سے بہت سی عورتیں اس غلط توقع کی بنا پر اس میں ملوث ہو جاتی ہیں کہ اس طرح وہ مستقل شادی کا مقصد حاصل کر پائیں گی“ شہلا حارّی کا مزید خیال ہے کہ ”شادی کی ان دونوں اقسام (متعہ اور مستقل نکاح) کا تعلق دو مختلف اقسام کے معاہدوں سے ہے جیسا کہ لیز کا معاہدہ اور خرید و فروخت کا معاہدہ (Lease & sale contracts)۔ اس ضمن میں چند اہم اور موضوع سے متعلق سوالات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے جن پر شہلا حارّی مزید تحقیق کرنا چاہتی ہیں، وہ رقمطراز ہیں کہ ”اکثر چالاکی کے ساتھ اور کبھی کبھار واضح انداز میں ان مشابہتی امور کو تسلیم کرتے ہیں جو طوائفیت/قبحہ گری اور متعہ/عارضی شادی میں پائے جاتے ہیں، شیعہ علماء پہلی صورت کو دوسری صورت سے ان مضمرات کی بنا

پر جبہ خیال کرتے ہیں جن کا تعلق انفرادی طور پر اور ایک سوشل آرڈر کی فلاح و بہبود سے ہے۔ نظریاتی طور پر، ایک ایسے معاشرے میں جو مردوں کی برتری اور اختیارات کے حاکمانہ تصور پر مبنی ہو، اور بظاہر ایک ایسی سوسائٹی میں جہاں مرد اور عورت علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں، جیسا کہ ایران میں ہے۔ طوائفوں کے وجود کو معصیت/گناہ سے متعلق سمجھا جاتا ہے۔ فحشہ گری، ایک منظم سوشل آرڈر کی لٹی ہے اور منضبط قائم شدہ قوانین و اقدار کے خلاف ایک چیلنج۔ یہ زنا ہے جس کی قرآن نے واضح انداز میں مذمت کی ہے۔ اسے معاشرے میں صحت عامہ کے خلاف سمجھا جاتا ہے اور یہ معاشرے کے اصولوں اور اخلاق و اقدار کے خلاف ہے۔ اس کے برعکس علماء کو اس امر پر اصرار ہے کہ عارضی شادی/متعہ جس میں ایک فرد، اس جنسی فعل (مباشرت) میں ملوث ہوتا ہے، اس سوشل آرڈر کا مظہر ہے جسے وہ معاشرے کے لیے ایک ہم آہنگ صورت (Harmonious niche) خیال کرتا ہے اور وہ لوگ جو اس رسم و رواج پر عمل درآمد کرتے ہیں، ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی فطری/جنسی احتیاج کی تکمیل کے لیے وہ ایک الہامی ہدایت کی پیروی کر رہے ہیں۔ نہ صرف متعہ/عارضی شادی کو اخلاقی طور پر، مذہب اور قانون کے خلاف نہیں سمجھا جاتا ہے بلکہ اسے بد معاشی، جنسی کرپشن اور غیر اخلاقی اقدار کو روکنے والا بھی سمجھا جاتا ہے۔“ (Tabatabai, et.al. 1985)

اس موضوع کو سمیٹتے ہوئے وہ مزید رقمطراز ہیں کہ ”عارضی شادی/متعہ کے مذہبی طور پر تقسیم کیے جانے اور اس کی تہذیبی نامقبولیت (کیونکہ اسے فحشہ گری کے مشابہ سمجھا جاتا ہے) کی وجہ سے جو کشمکش پائی جاتی ہے، اس کی وجہ سے اور عورتوں کے مسائل کے بارے میں بہت سے نزاعی مسائل (Ambivalences) پائے جاتے ہیں تاہم مرد اس سے کسی طور پر بھی متاثر نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ سے جو لوگ اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں وہ اپنی ان حرکات کو راز ہی میں رکھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ فحشہ گری اور عارضی شادی/متعہ میں بظاہر مشابہت کی بنا پر کوئی ایک فرد بھی اس سے نہیں بچ پاتا جبکہ اس کی وجہ سے بہت سے لوگ شک و شبہ میں اور مغالطے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حکومتی اصرار/ضد (Rhetoric) کی وجہ سے اس مغالطے کا شکار ہو کر بہت سی مظلّمہ/بیوہ عورتیں متعہ اور عارضی شادی کے چکر میں پھنس جاتی ہیں کہ یہ مستقل شادی کی طرح ہی

ہوگا اور گمان کرتی ہیں کہ یہ ایک پائیدار اور محفوظ طریقہ ہوگا۔ متعہ/ عارضی شادی کی اس قسم کی غلط فہمیوں سے مایوس ہو کر بہت سی عورتیں یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ ”یہ ایک بے کار چیز ہے کیونکہ کوئی شخص بھی حتمی وعدہ نہیں کرتا۔“

”متعہ اور عارضی شادی کے طریقے میں پائی جانے والی ان تمام خامیوں (Ambivalences) کا احساس کرتے ہوئے، زمانہ حال کے علماء اس ادارے کا دفاع کرنے کے لیے بہت عجیب و غریب اور انوکھے دلائل دیتے ہیں۔ وہ ایک ایسی اصطلاحی زبان استعمال کرتے ہیں جو اس ادارے کے مقاصد کو کھل کر بیان نہیں کرتی۔ وہ ایسی اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں جو مستقل شادی سے مماثلت رکھتی ہیں مثلاً متعہ یا سگائی کی بجائے ازدواج موقت“ (Azdawj-i-Mawaqqat) ”عارضی شادی“ کی اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح ”مہر اور لہن کی قیمت/ تحفہ کی بجائے“ ”اجر اور معاوضہ“ استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح کرنے سے ان کا مقصد جہاں بہت سے لوگوں کو متعہ/ عارضی شادی کے بارے میں مغالطے میں مبتلا کرنا ہوتا ہے وہاں ان اصطلاحوں کے ذریعے وہ ان منفی اثرات کا بھی ازالہ کرنا چاہتے ہیں جو متعہ/ عارضی شادی کی اصطلاحیں استعمال کرنے سے کسی کے ذہن پر پڑ سکتے ہیں۔ ۱۹۷۹ء کے انقلاب ایران کے بعد ایرانی حکومت کے برسر اقتدار آنے پر، علماء کے حربوں (Tactics) میں تبدیلی آ گئی ہے۔ اب وہ اس کا دفاع کرنے کی بجائے جارحانہ انداز میں اس کی تبلیغ و اشاعت کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ مغرب میں پائے جانے والے جنسی رویوں اور مرد و عورت کے درمیان آزادانہ شہوت رانی کے مختلف طریقوں پر تنقید کرتے ہیں تاہم وہ متعہ/ عارضی شادی کو آزاد شہوت رانی اور جنسی رویوں کے متبادل کے طور پر تجویز کرتے ہیں اس فرق کے ساتھ کہ مؤخر الذکر (متعہ/ عارضی شادی) کا طریقہ جائز اور اخلاقی طور پر بہتر ہے۔ آیت اللہ مرتضیٰ مطاہری (۱۹۸۱ء) کے بقول ”اسلامی قانون نے ۱۳۰۰ سال قبل اس امر کا اندازہ لگالیا تھا کہ نوجوان نسل کی جنسی شہوت کی تسکین کے لیے ایک قانونی اور جائز حل پیش کر دیا جائے تاکہ وہ تجرد کی زندگی گزارنے پر مجبور نہ ہوں یا انھیں ”جنسی کیونزم“ کی مایوسی میں بھٹکنے سے بچالیا جائے۔“ غیر جنسی متعہ/ عارضی شادی کے طریقے کے ذریعے ان علماء نے بزعم خود ایک ایسی انقلابی توضیح اس رواج کو عام

کرنے کے لیے آزمائشی شادی (Trial marriage) کی شکل میں پیش کر دی ہے جو ان کے مطابق بہت موزوں ہے اور جس پر جدید زمانے کے تقاضوں کے مطابق عملدرآمد کیا جاسکتا ہے۔ نیز عملی طور پر اس کے ذریعے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو عارضی طور پر مل بیٹھنے کا موقع مل جاتا ہے جبکہ لڑکی کا کنوار پن اور عصمت بھی اس طرح داغدار نہیں ہوتی۔“
اب ہم اس موضوع کے چند دوسرے پہلوؤں کا مطالعہ کریں گے۔
متعہ کے بارے میں سنی علماء کا نقطہ نظر:

متعہ کے بارے میں شیعہ اور سنی اہل علم کے درمیان بہت زیادہ اختلافات پائے جاتے ہیں۔ سنی علماء، سورہ المومنون (۲۳: ۷۵) کے مطابق متعہ کی حرمت کے قائل ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ يَفْرُوهُمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝﴾

”اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک بیمن میں ہوں کہ ان پر (محفوظ نہ رکھنے میں) وہ قابل ملامت نہیں، البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔“

سید مودودی ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ”بعض مفسرین نے متعہ کی حرمت بھی اس آیت سے ثابت کی ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ مسو عورت نہ تو بیوی کے حکم میں داخل ہے اور نہ لونڈی کے حکم میں۔ لونڈی تو وہ ظاہر ہے کہ نہیں ہے اور بیوی اس لیے نہیں ہے کہ زوجیت کے لیے جتنے قانونی احکام ہیں ان میں سے کسی کا بھی اس پر اطلاق نہیں ہوتا۔ نہ وہ مرد کی وارث ہوتی ہے، نہ مرد اس کا وارث ہوتا ہے۔ نہ اس کے لیے عدت ہے، نہ طلاق۔ نہ نفقہ نہ ایلاء اور ظہار اور لعان وغیرہ۔ بلکہ چار بیویوں کی مقررہ حد سے بھی وہ مستثنیٰ ہے۔ پس جب وہ ”بیوی“ اور ”لونڈی“ دونوں کی تعریف میں نہیں آتی تو لامحالہ وہ ”ان کے علاوہ کچھ اور“ میں شمار ہوگی جس کے طالب کو قرآن حد سے گزرنے والا قرار دیتا ہے۔ یہ استدلال بہت قوی ہے،

مگر اس میں کمزوری کا ایک پہلو ایسا ہے جس کی بنا پر یہ کہنا مشکل ہے کہ متعہ کی حرمت کے بارے میں یہ آیت ناطق ہے۔ وہ پہلو یہ ہے کہ نبی ﷺ نے متعہ کی حرمت کا آخری اور قطعی حکم فتح مکہ کے سال دیا ہے اور اس سے پہلے اجازت کے ثبوت صحیح احادیث میں پائے جاتے ہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حرمت متعہ کا حکم قرآن کی اس آیت ہی میں آچکا تھا جو بالاتفاق مکی ہے اور ہجرت سے کئی سال پہلے نازل ہوئی تھی، تو کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ نبی ﷺ اسے مکہ تک جائز رکھتے۔ لہذا یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ متعہ کی حرمت قرآن مجید کے کسی صریح حکم پر نہیں بلکہ نبی ﷺ کی سنت پر مبنی ہے۔ سنت میں اس کی صراحت نہ ہوتی تو محض اس آیت کی بنا پر تحریم کا فیصلہ کر دینا مشکل تھا۔“

وہ مزید رقمطراز ہیں کہ ”متعہ کا جب ذکر آ گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دو باتوں کی اور توضیح کر دی جائے۔ اول یہ کہ اس کی حرمت خود نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حرام کیا، درست نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حکم کے موجد نہیں تھے بلکہ صرف اسے شائع اور نافذ کرنے والے تھے۔ چونکہ یہ حکم حضور ﷺ نے آخری زمانے میں دیا تھا اور عام لوگوں تک نہ پہنچا تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی عام اشاعت کی اور بذریعہ قانون اسے نافذ کیا۔ دوم یہ کہ شیعہ حضرات نے متعہ کو مطلقاً مباح ٹھہرانے کا جو مسلک اختیار کیا ہے اس کے لیے تو بہر حال نصوص کتاب و سنت میں سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ صدر اول میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور فقہاء میں سے چند بزرگ جو اس کے جواز کے قائل تھے وہ اسے صرف اضطرار اور شدید ضرورت کی حالت میں جائز رکھتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اسے نکاح کی طرح مباح مطلق اور عام حالات میں معمول بہ بنالینے کا قائل نہ تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، جن کا نام قائلین جواز میں سب سے زیادہ نمایاں کر کے پیش کیا جاتا ہے، اپنے مسلک کی توضیح خود ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ مَا هِيَ إِلَّا كَالْمَيْتَةِ لَا يَحِلُّ إِلَّا الْمُضْطَرُّ (یہ تو مردار کی طرح ہے کہ مضطر کے سوا کسی کے لیے حلال نہیں) اور اس فتویٰ سے بھی وہ اس وقت باز آ گئے تھے جب انھوں نے دیکھا کہ لوگ اباحت کی گنجائش سے ناجائز فائدہ اٹھا کر آزادانہ متعہ کرنے لگے ہیں اور ضرورت تک اسے موقوف نہیں رکھتے۔ اس سوال کو اگر نظر انداز بھی کر دیا

جائے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے ہم خیال چند گئے چنے اصحاب نے اس مسلک سے رجوع کر لیا تھا یا نہیں، تو ان کے مسلک کو اختیار کرنے والا زیادہ سے زیادہ جواز بحالت اضطراب کی حد تک جاسکتا ہے۔ مطلق اباحت، اور بلا ضرورت تمتع، حتیٰ کہ منکوحہ بیویوں کی موجودگی میں بھی مصوعات سے استفادہ کرنا تو ایک ایسی آزادی ہے جسے ذوق سلیم بھی گوارا نہیں کرتا کجا کہ اسے شریعت محمدیہ ﷺ کی طرف منسوب کیا جائے اور ائمہ اہل بیت کو اس سے متہم کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ خود شیعہ حضرات میں سے بھی کوئی شریف آدمی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص اس کی بیٹی یا بہن کے لیے نکاح کے بجائے متعہ کا پیغام دے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جواز متعہ کے لیے معاشرے میں زنانہ بازاری کی طرح عورتوں کا ایک ایسا ادنیٰ طبقہ موجود رہنا چاہیے جن سے تمتع کرنے کا دروازہ کھلا رہے یا پھر یہ کہ متعہ صرف غریب لوگوں کی بیٹیوں اور بہنوں کے لیے ہو اور اس سے فائدہ اٹھانا خوشحال طبقے کے مردوں کا حق ہو۔ کیا خدا اور رسول ﷺ کی شریعت سے اس طرح کے غیر منصفانہ قوانین کی توقع کی جاسکتی ہے؟ اور کیا خدا اور اس کے رسول ﷺ سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی ایسے فعل کو مباح کر دیں گے جسے ہر شریف عورت اپنے لیے بے عزتی بھی سمجھے اور بے حیائی بھی؟

شیعہ علماء کے متعہ کے جواز سے قطع نظر، یہ امر باعث دلچسپی ہے کہ شیعہ فرقے کے لوگوں میں اس کے بارے میں رد عمل پایا جاتا ہے جس کا اظہار ان بہت سی لڑکیوں کی زندگی کو تباہ کرنے کی صورت میں نظر آتا ہے جن کی عصمت کو کچھ چالاک نوجوان شیعہ مرد داغدار کر دیتے ہیں۔ تاہم جب ان لڑکیوں کو اس امر کا احساس ہوتا ہے تو اس وقت ان کی عزت ختم ہو چکی ہوتی ہے اور ان کے لیے افسوس کرنے کے سوا کوئی اور بات نہیں رہ جاتی۔ اگرچہ ہم نے درج بالا صفحات میں کچھ عورتوں کی آپ بیتی دی ہے جن کی عزت کو دھبہ لگا اور مختلف ملاؤں ("روحانیوں") یا دیگر مردوں کے ہاتھوں ان کی عزت نفس مجروح ہوئی۔ اس امر کا تذکرہ باعث دلچسپی ہو گا کہ ملا ہاشم اور ملا (نامعلوم) کے اعتراف حقیقت سے جو متعہ پر "بار بار، قاعدگی کے ساتھ لیکن خفیہ طور پر عمل کرتے رہے" اور جن کا خیال ہے کہ "انھیں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا انکار نہیں کرنا چاہیے"۔ یہ امر کس قدر مضحکہ خیز لگتا ہے کہ وہ اس "خدائی نعمت" سے

بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس پر ”تسلسل کے ساتھ لیکن خفیہ طور پر“ خدائی نعمت کا انکار نہ کرتے ہوئے باقاعدہ عمل کرتے ہیں! جبکہ اپنی بیویوں/ بیٹیوں/ بہنوں کو اس انعام سے بہرہ مند نہیں ہونے دیتے! ذیل کے صفحات میں ہم ان دونوں پہلوؤں کے بارے میں مزید تفصیلات درج کر رہے ہیں۔

دارالسلام (افریقہ) میں اثناء عشری خاندانوں میں متعہ پر بحث:

رائچہ نگار (Richa Nagar, 2000) نے اپنے مقالے میں اس بحث و تمحیص کا ذکر کیا ہے جو دارالسلام (افریقہ) میں اثناء عشری فرقے کے خاندانوں میں، مذہب اور نسل (Religion and Race) کے نقطہ نظر سے جاری رہی۔ وہ رقمطراز ہے کہ ”اگرچہ شیعہ فرقے میں متعہ کو جائز سمجھا جاتا ہے تاہم ایرانی انقلاب سے پہلے متعہ پر عمل بہت محدود پیمانے پر ہوتا تھا اور شیعہ لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس کے بارے میں مبہم سا خیال رکھتی تھی۔ وہ اس کے بارے میں تذبذب کا شکار تھے لیکن ۱۹۷۹ء کے بعد ”انقلابی حکومت کی جانب سے“ متعہ کی ”برکات“ کی وکالت ہائی سکولوں، مساجد، مذہبی اجتماعات، ریڈیو، ٹیلی ویژن پر ہونے لگی۔“

افریقہ میں رہنے والی اثناء عشری شیعہ خواتین ”متعہ کو فتنہ گری کی ایک ایسی صورت قرار دیتی ہیں جسے مذہبی طور پر جائز قرار دیا گیا ہے۔“ مزید یہ کہ ”مذہبی لوگوں نے اپنے ذاتی فائدے کی خاطر مذہب کی نئی توجیہ و تشریح کی ہے“ (Richa Nagar, 2000)

اگر ہم چشم تصور سے سواہریں اور سترہویں صدی عیسوی کے یورپ کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کے حالات یورپ میں پائے جاتے تھے جہاں مذہبی لوگوں نے مذہب کے نام پر ایسے غیر عقلی اور غیر معقول دلائل دینے شروع کیے تھے کہ ہمیں شیعہ علماء اور ان کے درمیان بہت مشابہت محسوس ہوتی ہے، اور وہ اس حد تک جا چکے ہیں کہ انھیں متعہ عارضی شادی اور ”گروپ سکس“ یا ”آزادانہ شہرت رانی“ جو عورت و مرد کے درمیان یورپ میں پائی جاتی ہے، کا ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے میں کسی قسم کا حجاب محسوس نہیں ہوتا۔ کوئی فرد آئرسور کا گوشت سینکڑوں مرتبہ آیات قرآنی پڑھنے کے بعد کھانا شروع کرے تو کیا وہ جائز ہو جائے گا؟ یہ ایک ایسی صورت حال ہے جس پر شیعہ علماء کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ دور جدید میں متعہ/

عارضی شادی کی کون سی فوری ضرورت پڑ گئی ہے کہ وہ اس ”کار خیر کی تبلیغ و اشاعت“ ایرانی نوجوان نسل کو ریڈیو، ٹیلی ویژن اور سکولوں میں کر کے انھیں بھی یورپ اور امریکہ کے نوجوان لڑکوں لڑکیوں کے ”برابر“ کرنا چاہتے ہیں اور عالم اسلام کی ”اس ابھرتی ہوئی طاقت“ کو بھی انہی مسائل سے دوپ ر کر کے ”زوال انسانیت“ میں اپنا حصہ ڈالنا چاہتے ہیں، جس سے آج کا امریکہ اور مغربی ممالک دو چار ہیں؟ رانچہ نگار کی رائے میں اس دور کی تعلیم یافتہ اور روشن خیال شیعہ عورتیں مذہب سے نام پر متعہ/عارضی شادی کو ”زنا کی جائز صورت“ کے طور پر ماننے کو تیار نہیں ہیں۔

رانچہ نگار مزید لکھتی ہیں کہ ”دارالسلام (افریقہ) میں اثناء عشری شیعہ لوگوں میں عارضی شادی کے تصور کو ایسے وقت میں اجاگر کرنا شروع کیا گیا جبکہ ایرانی مذہبی لیڈروں کے اثرات بام عروج پر تھے۔ مذہبی عقیدے کے احیاء کے جذبے اور شیعہ جماعت کے سوشل کنٹرول کی بنا پر جو انھیں عورتوں بالخصوص غریب اور بے سہارا عورتوں پر حاصل تھا، عورتیں متعہ کے بارے میں کھلے بندوں سوال نہیں کر سکتی تھیں۔ جعفری نامی ایک عورت نے کہا کہ ”اثناء عشری شیعہ کے متحول مرد اس پر عمل کر رہے ہیں اور ان کے گھر ایک حالت جنگ اور میدان کارزار کا نقشہ پیش کر رہے ہیں لیکن ان کی بیویاں کس سے داد اور انصاف طلب کریں؟ کیونکہ مذہبی لوگ خود یہ کہتے ہیں کہ ”متعہ/عارضی شادیاں کرنا ٹھیک ہے“ (حتیٰ کہ ایک ہزار عورتوں سے بھی متعہ کرنا جائز ہے بقول امام جعفر صادق) جبکہ ان کے گھروں میں بیویاں موجود ہوں۔“ درکنگ کلاس کی عورتیں جس میں کہ جعفری خود ہے، نے محسوس کر لیا ہے کہ وہ کھلے عام متعہ کی مخالفت نہیں کر سکتیں کیونکہ وہ اپنی نوکری کی وجہ سے شیعہ جماعت کے اہم عہدیداروں کی دست نگر ہیں۔ اسی طرح کے خوف میں ایک دوسری عورت رخصانہ بانو (۱۹۹۲) بھی مبتلا تھی جو کہ شیعہ جماعت کے ہوٹل میں رہتی تھی جو انھوں نے مطلقہ اور نادار عورتوں کے لیے کھولا ہوا تھا۔ بانو کے پہلے خاوند نے اُسے چھوڑ دیا تھا اور خفیہ طور پر ملک سے باہر چلا گیا اور اس کے بیٹے کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ جبکہ دوسرا خاوند اس پر جسمانی تشدد کیا کرتا تھا اور دوسری عورتوں کے ساتھ متعہ/عارضی شادی رچاتا تھا اور بالآخر اس نے بھی طلاق دے دی اور غیر قانونی طور پر اس کی قیمتی اشیاء بھی چھین کر لے گیا۔ بانو نے سوچا کہ ایک ایسے فرد کی حیثیت سے جو شیعہ جماعت کی خیرات پر

انحصار کرنے پر مجبور ہے، اس کے لیے بہترین طرز عمل یہ ہے کہ وہ متعہ کے خلاف کوئی دے دے کراپنے آپ کو کسی خطرے سے دوچار نہ کرے۔“

صرف ایسے افراد ہی نے متعہ کے بارے میں احتجاج کیا جن میں چند مطلقہ عورتیں تھیں اور جن کی گزر اوقات اور سماجی زندگی کا انحصار شیعہ جماعت کی مالی امداد پر نہیں تھا اور جو کہ پہلے ہی سے اس کے خلاف جذبات رکھتی تھیں۔ ایسی ہی ایک مثال نرگس آدم (۱۹۹۳) نامی عورت کی ہے جس کا تعلق معاشرے کے متمول طبقے سے تھا اور جس نے لازمی طور پر متعہ کی مخالفت کی۔ اس نے کہا کہ ”مجھے معلوم ہے کہ شیعہ جماعت کے لیڈران مجھے پسند نہیں کرتے۔ بہت سے اثناء عشری یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ میرا کوئی خاوند نہیں ہے اس لیے معاشرے میں میرا کوئی مقام نہیں اور یہ کہ میں کسی امیر آدمی کے ساتھ متعہ کرنے کے لیے بے تاب ہوں گی۔ ان کا یہ خیال فضول وہم ہے۔ ہم عورتوں کو کسی مرد کی ضرورت نہیں کہ اس کی وجہ سے ہمیں معاشرے میں کوئی باعزت مقام حاصل ہو اس طرح کہ ہم مردوں کی جنسی تسکین کا ذریعہ بنیں۔ نہیں، نہیں، شکریہ!“

”مجھے اپنے معاشرے میں پہلے ہی سے ایک باعزت مقام حاصل ہے!“

فریدہ جعفر (۱۹۹۲ء) ایک مطلقہ اور حقوق نسواں کی حامی جرنلسٹ ہے اور جس نے اثناء عشری فرقے سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور اپنی شناخت زنجبیار کی رہنے والی کی حیثیت سے کراتی ہے، وہ بھی متعہ کی مخالف ہے۔ وہ متعہ کو فحشہ گری کی ایک شکل قرار دیتی ہے اور کہتی ہے کہ متعہ کی وکالت کرنے والے مذہبی لیڈروں نے اپنی جنسی ہوس کی تسکین کے لیے متعہ کو مذہبی شکل دی ہے۔ نرگس آدم اور فریدہ جعفر دونوں کا یہ خیال ہے کہ وہ حالات اور وجوہات جن میں وہ سے تاریخ میں کبھی متعہ کو جائز قرار دیا تھا، وہ اب موجودہ دور میں کسی طور بھی مناسب نہیں رہے۔

(No more relevant)

اگرچہ متعہ کے بارے میں کھلے بندوں بحث مباحثہ ممکن نہیں کیونکہ اسے مذہبی لیڈروں کی بھرپور حمایت حاصل تھی تاہم گھریلو سطح پر ممکن تھا اور متعدد عورتوں نے کھل کر متعہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار، اپنے شوہروں کے سامنے کیا۔ مثلاً شہناز دیوچی (۱۹۹۳) جس کا تعلق مڈل کلاس سے تھا، اس امر پر پختہ یقین رکھتی تھی کہ مرد حضرات متعہ کو اس صورت میں جائز قرار

دے سکتے ہیں جبکہ وہ اپنی تمام ذمہ داریاں جو ان پر ان کی بیویوں اور خاندان کی جانب سے عائد ہوتی ہیں، کما حقہ پورا کریں۔ سلطانہ نے کہا ”میرے خاوند نے ایک دفعہ مذاقاً کہا کہ اب میں متعہ کر سکتا ہوں کیونکہ یہ حلال ہے“ میں نے کہا ”دیکھو یہ صرف اسی صورت میں حلال (جائز) ہے اگر تم اپنی مستقل بیوی کے لیے بیک وقت ہر چیز مہیا کر سکو، مالی، جنسی اور جذباتی طور پر نیز اپنے بچوں کے لیے بھی۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے (ایک حدیث کے مطابق) تو مجھ پر تمہاری عزت کرنی لازم نہیں۔ پس تم متعہ کر لو لیکن یہ مت خیال کرنا کہ میں بعد میں تمہارے ساتھ نہتی رہوں گی اور تمہارے لیے کھانا پکاؤں گی اور تمہارے ساتھ ہمبستری کروں گی اور پھر تم سے اتفاق کروں گی کہ یہ جائز ہے۔ جس دن تم متعہ کرو گے، میرا اس گھر میں وہ آخری دن ہوگا!“

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اثنا عشری مرد اکثر متعہ کا دفاع ان بنیادوں پر بھی کرتے ہیں کہ لوگوں کو یہ بتانے کی بجائے کہ میری چار بیویاں ہیں، یہ بہتر ہے کہ وہ متعہ سے استفادہ کر لیں۔ تاہم عورتیں عام طور پر یہ کہتی ہیں کہ ”فرض کریں اگر متعہ کی اجازت ہو بھی تو جماعت (شیعہ) کے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ اس کی یوں عام تشہیر کرے۔ کیونکہ اب ہر شخص اس پر عمل کرنا چاہتا ہے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے خاندانی حالات خوشگوار رہیں تو بہتر یہی ہے کہ ایسی باتوں کی تشہیر نہ کی جائے۔ غیر عورتوں کے ساتھ متعہ کی عام اجازت دینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ مردوں کو اس امر کا کھلا لائسنس دے رہے ہیں کہ وہ کسی وقت بھی، کسی فرد (عورت) کے ساتھ جب چاہیں، جنسی تسکین حاصل کرنے میں آزاد ہیں۔ عورتوں کی جانب سے اس شدید مخالفت کے نتیجے میں، بمعہ کچھ لوکل مذہب کی تبلیغ کرنے والی خواتین کے، اب کم مرد، متعہ کے بارے میں اپنی بیویوں یا اہل خاندان سے ذکر کرتے ہیں۔ اس طریق پر خفیہ تعلقات رکھنے میں اس نیت سے مدد ملتی تھی کہ مرد لوگ، اثنا عشری فرقتے سے ماورا، باہر کی دیگر نوجوان، نو عمر لڑکیوں سے تعلقات قائم کرتے تھے۔“ آپ کسی معمول عورت کو کسی مالدار مرد سے متعہ کرتے نہیں دیکھیں گے۔ پس اس طرح یہ ایک طبقاتی تقسیم ہے جو صنف نازک کے خلاف ہے!“^۵

اس لیے میں سمجھتی ہوں کہ متعہ، دراصل فتنہ گری کو ایک باعزت حیثیت دینے کی کوشش کے مترادف ہے اور میں اسے بہت ہی مضحکہ خیز بات سمجھتی ہوں۔ یہ کسی طور پر بھی اسلام کے

اصولوں کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ اس چنگل میں پھنسنے والی لڑکیاں بالعموم غریب سرب خاندانوں کی ہوتی ہیں اور یہ کام خفیہ طور پر سرانجام پاتا ہے اور یہ استحصال کی ایک بری قسم ہے“ (فریدہ جعفر، ۱۹۹۲)۔ ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ایران میں شہلا حائری (۱۹۸۹ء) کے مطابق متعہ کے جال میں پھنس جانے والی عورتوں کی بڑی تعداد نو جوان، غریب مطلقہ یا بیوہ عورتوں کی تھی جن کا تعلق معاشرے کے غریب/پسماندہ طبقے سے تھا۔ یہ عورتیں کم تعلیم یافتہ اور مالی طور پر تنگدست ہوتی تھیں اور وہ اپنے خاندانوں اور معاشرے میں بہت کمزور حیثیت کی حامل تھیں۔“

متعہ کے بارے میں پائے جانے والے اسی ابہام کی جانب اشارہ کرتے ہوئے، شہلا حائری مزید رقمطراز ہیں کہ ”متعہ کے بارے میں عام طور پر پائے جانے والے ابہام کی وجہ سے کنواری اور نو جوان لڑکیاں اپنے آپ کو ایک دہرے کلچرل دباؤ کے دو پائوں کے درمیان پتہ ہوا محسوس کرتی ہیں۔ اگر وہ عارضی طور پر متعہ/شادی کرتی ہیں یا غیر جنسی متعہ کے تحت آزمائشی شادی کرتی ہیں تو نہ صرف ان کی شہرت خراب ہوتی ہے بلکہ مستقل شادی کے امکانات بھی معدوم ہو جاتے ہیں اور اس طرح اس بات کے امکانات بڑھ جاتے ہیں کہ وہ ایک غیر تسلی بخش شادی سے دو چار ہوں۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں کنوار پن کو ایک قابل قدر اخلاقی صفت سمجھا جاتا ہے، تو ایسے حالات میں کوئی عورت اپنی اس متاع بے بہا (Symbolic capital) یعنی عصمت و عفت کو لٹانے کا جو انہیں کھیل سکتی، اس سے نہ صرف ان کی شہرت داغدار ہوتی ہے بلکہ اس وجہ سے مستقل شادی کے امکانات بھی معدوم ہو جاتے ہیں۔“

فریدہ جعفر (۱۹۹۲ء) اس امر کی تائید کرتے ہوئے مزید رقمطراز ہیں کہ ”چونکہ افریقہ میں اثنا عشری معاشرے میں متعہ یا عارضی شادی کے ساتھ ابہام اور بدنامی کا داغ لگنے کا امکان ہوتا ہے، اس لیے بہت سی نو جوان لڑکیاں جو اثنا عشری مردوں کے ساتھ متعہ کے جال میں پھنس جاتی ہیں، ان کا تعلق سنی فرقے کی عربی النسل قوموں/قبائل سے ہوتا ہے جن کے ہاں متعہ حلال نہیں سمجھا جاتا۔ دراصل، اس صورت میں متعہ، تجربہ گری کی ایک شکل اختیار کر لیتا ہے کیونکہ مذہبی طور پر متعہ کی اجازت سے صرف اثنا عشری مرد ہی فائدہ اٹھاتے ہیں جبکہ متعہ کے جال میں

❶ اس سے سید مودودی کے اس موقف کی تائید ہوتی ہے جو ہم نے درج بالا صفحات میں درج کیا ہے!

پھنسے والی لڑکیوں کو غیر اخلاقی اور غیر مذہبی سمجھا جاتا ہے لیکن اس مذہبی تفاوت کو اثنا عشری لوگ
استحسان یا مسائل کی جڑ نہیں سمجھتے کیونکہ عام طور پر یہ مشہور کیا گیا ہے کہ عرب عورتیں آزادانہ
شہوت رانی کو پسند کرتی ہیں۔“
ایک سنی لڑکی کی روداد:

درج بالا سطور میں شیعہ خواتین نے متعہ کے بارے میں جو کچھ کہا یا لکھا، اس کے علاوہ
ایک بنی العقیدہ لڑکی کی کہانی بہت دردناک اور الم ناک ہے (Anon, 1997) جس نے BIC
نیوز کے نشری پروگرام میں بتایا کہ ”اس (لڑکے/مرد) نے مجھے بتایا کہ متعہ دراصل عارضی شادی
کی یہ قسم ہے جو کہ سنی فرقے کی کتابوں (بخاری، مسلم) کی رو سے حلال ہے۔ وقت گزرنے
کے ساتھ مجھے احساس ہوا کہ میں نے اپنی عزت اور وقار ایک ایسے شخص بچے ہاتھوں داغ دار کر لیا
ہے جس نے اس قسم کی حرکت دوسری بہت سے لڑکیوں کے ساتھ کی تھی۔“ اس لڑکی نے مزید یہ
بتایا: ”بعض شیعہ مردوں کا یہ مقصد ہے کہ وہ ایسی معصوم نو عمر لڑکیوں کو متعہ کے جال میں پھانس
لیں انھیں مذہبی معلومات اور زندگی کا تجربہ نہیں ہوتا۔“ اپنی دردناک کہانی کو ختم کرنے سے پہلے
اس نے ”اپنی بہن، بھائی، والد اور والدہ اور دوستوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی پیاری بچیوں پر
نظر رکھا کریں اور اس امر کا پورا خیال رکھیں کہ وہ متعہ کے جال میں نہ پھنس جائیں!“

درج بالا صفحات میں افریقہ میں اثنا عشری مردوں کے بارے میں جو تفصیلات دی گئی
ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ متعہ کی اس سہولت سے اس قسم کے لوگ ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں
جو شہوت کی تسکین کے لیے اپنے مالی وسائل کی مدد سے ایران، عراق اور دیگر مسلم ممالک میں
غریب عرب لڑکیوں کو نشانہ ستم بناتے ہیں یا دیگر مذاہب / طبقات کی لڑکیوں کو بلکہ غریب
شیعہ لڑکیوں کو نشانہ مشق بنا رہے ہیں۔ اس لحاظ سے عورتوں نے اپنے مذہبی راہ نمائوں اور اپنے
شرعی حاکموں سے ایک جائز مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس ”سہولت“ سے ناجائز فائدہ مت اٹھائیں کیونکہ
اس سے نہ صرف خاندانی نظام کے انہدام کے امکانات ہیں بلکہ اس وجہ سے بے شمار
مذہبی لڑکیوں / عورتوں کی زندگی بھی تباہ ہو جاتی ہے!

جیون ساتھی کا انتخاب

جب آدم علیہ السلام کو جنت میں پیدا کیا گیا تو وہ وہاں حالت تنہائی میں اکیلے جنت کی متون قسم کی خوبصورتی سے لطف اندوز نہ ہو سکے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فراہم کی تھی۔ ان کا اس پریشانی کو دیکھتے ہوئے اللہ کریم نے ان کے لیے ایک جیون ساتھی (حضرت حوا علیہا السلام) کی تخلیق کی اور دیکھتے ہی دیکھتے حضرت آدم علیہ السلام کو محسوس ہوا جیسے کہ ان کی ذات کی تکمیل ہو گئی ہے لیونکہ ان کی تخلیق سے پہلے وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے تھے اس لیے جیون ساتھی کی وجہ سے ان کی زندگی میں جو ایک خلا تھا وہ اب پُر ہو گیا اور اس بنا پر ان کی فطرت کی اس پیاس کی بھی تسکین ہو گئی جو وہ جنت میں رہنے کے باوجود تنہائی کی وجہ سے محسوس کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کریم نے اس دنیا کی زندگی میں جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے، ان میں عورت سرفہرست ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

”لوگوں کے لیے مرغوبات نفس یعنی عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چنیدہ گھوڑے، موسیقی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں۔ مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں، حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔“ (سورہ آل عمران: ۱۴:۳)

آدم و حوا علیہما السلام دونوں کو جنت میں رہنے سہنے کی مکمل آزادی تھی (سورہ البقرہ ۲: ۳۵)۔ شاید اس کی یہ وجہ تھی کہ اولاد آدم کو اس کا تجربہ کرادیا جائے کہ اس خاکدانِ ارضی میں (جہاں انہیں بھیجا جانا ہی مقصود تھا) جب وہ اللہ تعالیٰ کے ارسال کردہ انبیاء کی پیروی کریں گے تو پھر دوبارہ اس جنت میں لایا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ رہتے ہوئے نہ صرف اپنی بیویوں سے بلکہ حوروں سے بھی مختلف جنسی افعال کے ذریعے حصولِ لذت کر سکیں گے۔ اس موضوع پر قرآن کریم میں بہت

تفصیل کے ساتھ متعدد مقامات پر گفتگو کی گئی ہے (سورہ البقرہ ۲: ۲۵، سورہ یٰسین ۳۶: ۵۶، سورہ الصافات ۳۷: ۴۹-۴۸، سورہ الرحمن ۵۵: ۷۰، سورہ الواقعة ۵۶: ۳۷-۳۵، سورہ النبأ ۷۸: ۳۲)۔ اس وجہ سے انسان کے لیے کسی حیوان ساتھی کی ضرورت و اہمیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ قرآن کریم سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آدم کے حیوان ساتھی (حواء علیہا السلام) کی تخلیق کے بعد، ان کی بے شمار اور ان گنت اولاد اس کرۂ ارض میں پھیلا دی گئی۔

حیوان ساتھی کے انتخاب میں چند اہم خصوصیات:

ایک خوشحال خاندان کے قیام کے لیے مناسب حیوان ساتھی کا انتخاب سب سے پہلا اور اہم ترین قدم ہے۔ تاہم اس حقیقت کے باوجود یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ فی زمانہ مسلم معاشرے میں مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد کا انتخاب اور جوڑ تلاش کرنا بھی جوئے شیر لانے سے کس طرح کم نہیں۔ یہ انسان کی زندگی کا ایک بہت ہی سنجیدہ اور اہم مرحلہ ہوتا ہے بلکہ ایک ایسا سنجیدہ فیصلہ ہوتا ہے جو ہر شخص کو اپنی زندگی میں کرنا پڑتا ہے کیونکہ حیوان ساتھی آپ کو کامیابی یا ناکامیابی سے ہمکنار کر سکتا ہے نہ صرف اس دنیا میں بلکہ اخروی زندگی میں بھی۔ اس لیے بے حد ضروری ہے کہ یہ فیصلہ کرتے وقت انسان بہت زیادہ سوچ بچار سے کام لے اور اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کرے۔ اس ضمن میں کسی قسم کی جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ بہت سی شادیاں اس لیے ناکام ہو جاتی ہیں کہ والدین اس معاملے کی جانچ پڑتال کرنے کے لیے زیادہ وقت اور دقت نظر سے کام نہیں لیتے اور جلد بازی میں فیصلہ کر لیتے ہیں۔ یہ امر بہت اہم ہے کہ ایک بیوی یا خاوند کے انتخاب میں ان اوصاف اور خصوصیات کا واضح تصور کیا جائے جو ہونے والے حیوان ساتھی میں ہونی چاہئیں۔ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اسے شادی کے ان مقاصد اور تقاضوں کا واضح علم ہو جو اسلام نے اس کے لیے تجویز کیے ہیں کیونکہ ان کے واضح علم اور شعور کی وجہ سے ہی وہ (لڑکا یا لڑکی) اس قابل ہو سکیں گے کہ وہ اس حکمت و دانائی کو بہتر طور پر سمجھ اور برت سکیں جو شادی کے مقاصد متعین کرتے ہوئے اسلام نے بتائے ہیں اور پھر ان کی روشنی ہی میں وہ اس قابل بھی ہو سکیں گے کہ ان صفات اور خصوصیات کا صحیح ادراک کر سکیں جو ان کے حیوان ساتھی میں ہونے چاہئیں۔

عام طور پر شادی کے لیے جیون ساتھی کے انتخاب میں بہت سے عوامل کام کرتے ہیں جن میں حسن و خوبصورتی، دوست، معاشرے میں قدر و منزلت کا معیار، چال چلن/اخلاق، رجحان اور ایک دوسرے کے ساتھ نباہ کرنے کی خصوصیات اہم ہیں۔ تاہم قرآن کریم مسلمانوں کو تاکید کرتا ہے کہ وہ اپنے جیون ساتھی کے انتخاب میں اچھے چال چلن اور سیرت کو ہی ترجیحا پیش نظر رکھیں۔ (سورہ النور ۲۴:۲۶)

حدیث میں، ایک ہونے والی بیوی میں پائے جانے والے اوصاف اور خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے ”ایک عورت کے ساتھ شادی اس کی دولت، حسن و خوبصورتی یا اس کے دینی تعلق/لگاؤ/عمل کی بناؤ پر کی جاتی ہے۔ (مسلمانوں) تمہیں چاہیے کہ تم صرف اس کے دین کا خیال رکھو۔“ (مسلم۔ بخاری) اس حدیث کی روشنی میں بیوی کے انتخاب میں دینی علم و عمل کو ہی ملحوظ رکھنا اور ترجیح دینا بہت ضروری ہے۔ درحقیقت مسلمانوں کے لیے ان کے نبی کا یہ حکم ہے اور ایک مخلص مسلمان کے لیے یہ کسی طور بھی مناسب نہیں کہ وہ کسی ایسی چیز کا متلاشی ہو جس کی ممانعت کے بارے میں بارے میں حضورؐ نے پہلے ہی سے فیصلہ صادر فرما دیا ہو۔

مسلم معاشرے میں ایک لڑکے کے مذہبی رجحان کے بارے میں یہ عمومی تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ متقی ہے، اس کی داڑھی ہے، اکثر مسجد میں نماز پڑھتا ہے اور اسلام کے بارے میں معلومات رکھتا ہے۔ اس طرح ایک لڑکی کے بارے میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ وہ پردہ کرتی ہے، غیر لوگوں سے گفتگو نہیں کرتی لیکن یہ تمام امور (لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے) ایک اچھے جیون ساتھی کے انتخاب کے لیے کافی نہیں کہ یہ کل کا ایک بہت ہی مختصر سا حصہ ہے۔ کیونکہ جو شخص عبادات کے لیے سنت کی پیروی کرتا ہے ضروری نہیں کہ اس نے لازماً اسلام کے بارے میں کچھ ضروری علم بھی حاصل کر رکھا ہو۔

شادی کے بعد مسائل سے بچنے کے لیے حضور ﷺ نے جیون ساتھی کے انتخاب کے سلسلے میں اس امر پر زور دیا کہ شادی کرنے والا لڑکا، متعلیٰ سے پہلے لڑکی کو دیکھ لے مبادا کوئی ایسی بات رہ جائے جس سے شادی کا مقصد ہی فوت ہو جائے لیکن ایک دوسرے کو ”دیکھنے“ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس عمل کو ”کورٹ شپ“ (علیحدگی میں طویل ملاقاتوں) کے مترادف سمجھایا

جائے جیسا کہ مغرب میں ہوتا ہے یا جس کی کچھ مذاہب نے اجازت دی ہے۔ مرد کو ہونے والی دین کو بہت دیر تک گہری نظر سے گھورنا نہیں چاہیے بلکہ ایک اچھٹی سی نظر اس کے چہرے اور ہاتھوں پر ڈال لینی چاہیے تاکہ اس کی شخصیت کا اندازہ کیا جاسکے اور کچھ آئیڈیا اس کے حسن و نہ بصورتی کا بھی ہو جائے۔ اس طرح ایک لڑکی کو بھی اپنے ہونے والے شوہر کو اسی انداز میں دیکھ لینا چاہیے۔ اس کتاب میں کسی دوسری جگہ پر ہم نے ان متعدد احادیث کا ذکر کیا ہے جو شادی کرنے والے دونوں فریقوں کو تاکید کرتی ہیں کہ وہ شادی سے قبل ایک دوسرے کو ایک نظر دیکھ لیں۔

دینی و اسلامی اخلاقیات کے علاوہ بھی چند اوصاف اور خصوصیات کا پیغمبر ﷺ نے ذکر فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک اہم ترین وصف محبت، حسن سلوک اور ایک دوسرے کے لیے رحم سے جذبات ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”ایسی لڑکی سے شادی کرو جو محبت کرنے والی، حسن سلوک والی اور زیادہ بچوں کو پال سکتی ہو کیونکہ میں قیامت کے روز اپنی امت کی عددی اکثریت پر فخر کروں گا۔“ (احمد، ابوداؤد)۔ شادی کا ایک اہم ترین مقصد بچوں کی پیدائش ہے۔ لڑکی/عورت کا زیادہ بچے پیدا کرنے کی صلاحیت سے (Fertile) بہرہ مند ہونا ایک بہت اہم صفت ہے۔ معقل رضی اللہ عنہ ابن یسار نے بتایا کہ ”ایک آدمی حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک اونچے خاندان کی بہت خوبصورت عورت کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہوں لیکن وہ بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں۔ کیا میں اس کے ساتھ شادی کر لوں؟“ حضور ﷺ نے جواب دیا ”نہیں۔“ وہ آدمی آپ ﷺ کے پاس دوبارہ آیا تب بھی حضور ﷺ نے اسے منع کیا۔ وہ تیسری بار آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”ایسی عورت سے شادی کرو جو زیادہ بچے دینے والی ہو کیونکہ میں تمام امتوں میں اپنی امت کی زیادہ تعداد کی بناء پر فخر کروں گا۔“ (ابوداؤد، نسائی، بیہقی)

اسلامی نقطہ نظر سے شادی کا اولین مقصد بچوں کی پیدائش ہے۔ جس سے اس دنیا میں نسل انسانی کا فروغ ممکن ہے۔ تاہم جنسی لذت اس مقصد کے حصول کے لیے بطور ایک محرک بتائی گئی ہے۔ اس مقصد کے لیے کوئی لڑکی/عورت بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں، تو اس کی ماں کو دیکھنے سے پتہ چل جاتا ہے کیونکہ اگر ماں کے بچے ہوں گے تو قیاس کیا جاسکتا

ہے کہ اس کی لڑکیوں سے بھی اولاد ہوگی۔

شادی کے لیے لڑکی کا کنوارا ہونا بھی ایک ضروری اور اہم صفت ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ ”کنواری لڑکیوں سے شادی کرو کیونکہ وہ محبت کرنے والی ہوتی ہیں، زیادہ بچے پیدا کر سکتی ہیں اور تھوڑی چیز سے بھی خوش ہو جانے والی ہوتی ہیں۔“ (الطبرانی) ایک دفعہ جب جابر رضی اللہ عنہ نے ایک ادھیڑ عمر کی عورت سے شادی کی تو حضور ﷺ نے کہا ”تم نے کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہ کی، تاکہ تم اس کے ساتھ اپنا دل بہلا تے اور وہ تمہارے ساتھ۔“ (بخاری۔ مسلم)

اہل علم نے اس امر کی بھی تائید کی ہے کہ اس صفت (کنوار پن) کا اطلاق لڑکوں/مردوں پر بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح عورت/لڑکی پر۔ ایک شخص کے لیے یہ ایک اچھی بات ہے کہ وہ اپنی کنواری لڑکی کی شادی سوائے کنوارے لڑکے/مرد کے کسی اور سے نہ کرے۔ ایک مرتبہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ کسی عورت/لڑکی کی شادی ایک بوڑھے آدمی سے کر دی گئی ہے تو آپؐ نے فرمایا ”اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور کسی شخص کی شادی اس کی طرح کی عورت سے نہ کرو اور اسی طرح کسی عورت کی شادی بھی اس طرح کے مرد کے ساتھ کرو۔“ آپ رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا کہ ”اپنی نوجوان/کنواری لڑکیوں کی شادی کسی بد صورت لڑکے/مرد سے نہ کرو کیونکہ وہ بھی وہی کچھ پسند (خوبصورتی) کرتی ہے جو تم پسند کرتے ہو۔“

خوبصورتی ایک اور وصف ہے جس کا شادی کے وقت خیال رکھنا ضروری ہے کیونکہ شادی کا مقصد زوجین کو گناہ سے بچانا اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ عمر بھر ساتھ نباہنا ہے۔ اس کے حصول کا یہ ایک بہترین ذریعہ ہے کہ ان کے درمیان محبت اور ایک دوسرے کے لیے کشش موجود ہو۔ حضور ﷺ نے ایک مروقیں رضی اللہ عنہ ابن ثابت سے اس کی بیوی کو خلع دلائی تھی (جس کا ذکر گذشتہ ابواب میں کیا جا چکا ہے) اور خلع کی وجہ یہ تھی کہ قیس رضی اللہ عنہ بہت زیادہ بد صورت تھے۔“

زوجین کے حقوق:

اس امر کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ایک فریق کے حقوق، دوسرے کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں جنہیں پورا کرنا ضروری ہے۔ دونوں فریقوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تکمیل

میں انھیں خوش دلی کے ساتھ ادا کریں جیسا کہ سورہ النساء (۱:۴) میں فرمایا:

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“

اسی طرح سورہ البقرہ (۲:۲۲۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، وہ تین مرتبہ ایام ماہواری آنے تک اپنے آپ کو روک رکھیں اور ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ خلق فرمایا ہے اسے چھپائیں انھیں ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے اگر وہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتی ہیں۔ ان کے شوہر تعلقات درست کر لینے پر آمادہ ہوں تو وہ اس عدت کے دوران میں انھیں پھر اپنی زوجیت میں واپس لے لینے کے حق دار ہیں۔“

میاں بیوی کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین اس معاہدے کی رو سے ہوتا ہے جو ان دونوں کے درمیان نکاح کے نتیجے میں ہوتا ہے اور جس کی بناء پر وہ ایک دوسرے کے ساتھ جیون بھر رہنے کا عہد کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے بالخصوص مردوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ بہترین طرز عمل اختیار کریں۔ شاید اس لیے کہ انھیں خاندانی امور میں زیادہ اختیارات حاصل ہیں اور جس کے لیے انھیں زیادہ قوت و طاقت بھی عطا کی گئی ہے۔ اس کی وضاحت ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ”تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہترین ہے اور تم سب سے میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والا ہوں۔“

میاں بیوی کے درمیان حقوق و فرائض اور ذمہ داریوں کو درج ذیل طریقے پر تقسیم کیا جاتا ہے:

الف: بیوی کے حقوق جو خاوندوں کی ذمہ داریاں/فرائض ہیں۔

- ب: خاوند کے حقوق جو بیوی کی ذمہ داریاں / فرائض ہیں۔
 ج: زوجین کے مشترک حقوق و فرائض۔
 اب ہم ان کے بارے میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے۔
 (الف) بیوی کے حقوق:

خاوند پر بیوی کے حقوق درج ذیل ہیں:

- « مہر کی ادائیگی
 - « نان و نفقہ
 - « بیوی کے ساتھ محبت اور مہربانی کا سلوک
 - « جنسی تعلقات
 - « دین کی تعلیم دینا
 - « مار پیٹ سے پرہیز کرنا
 - « بیوی کے ساتھ تعلقات / دیگر امور کی رازداری
 - « تعدد ازواج کی صورت میں تمام بیویوں کے درمیان انصاف کرنا
- اب ہم ان تمام کے بارے میں یکے بعد دیگرے کسی قدر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

۱: مہر:

مہر کی ادائیگی کا تفصیلاً ذکر ہم نے اس کتاب کے بارہویں باب میں کیا ہے۔ مہر ادا کر دینے کے بعد عورت کا اہم ترین حق جو خاوند پر عائد ہوتا ہے وہ نان و نفقہ کی فراہمی ہے۔

۲: نان و نفقہ:

خاوند کے اہم ترین فرائض میں، اپنی بیوی کے نان و نفقہ کی ادائیگی اول نمبر پر آتی ہے۔ مرد کے لیے اس کی ادائیگی اس کی ”مردانگی“ کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

”مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پس جو صالح

عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں اور جن عورتیں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ، خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہو، اور مارو، پھر وہ اگر تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر دست درازی کے لیے بہانے تلاش نہ کرو، یقین رکھو کہ

اوپر اللہ موجود ہے جو بڑا اور بالا تر ہے۔“ (سورہ النساء: ۳۴)

عورت کو نان نفقہ کی فراہمی، خاوند کے اہم ترین فرائض میں شامل ہے۔ خاوند کو چاہیے کہ وہ ان حقوق کو اپنی استطاعت، معاشرے میں اپنے مقام و حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے ادا کرے۔ جب حضور ﷺ سے ایک آدمی نے پوچھا کہ ”ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟“ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اسے وہ کچھ کھلائے جو خاوند خود کھائے اور اس کو بھی کپڑے پہنائے جب خود کپڑے پہنے، اس کے چہرے پر نہ مارے، بد صورتی کا طعنہ نہ دے اور اس کے ساتھ تعلق کو نہ توڑے سوائے گھر کے اندر۔“ (ابن ماجہ)

اس حدیث کی رو سے ایک خاوند اپنی بیوی کی خوراک، لباس اور رہائش کا ذمہ دار ہے۔ اگرچہ کھانا پکانے کا کام بیوی سرانجام دیتی ہے تاہم اشیائے خورد و نوش اور باورچی خانے میں دیگر سہولیات کی فراہمی، بقدر ضرورت، خاوند کی ذمہ داری ہے۔ ایک بیوی کو ایک علیحدہ اور آرام دہ رہائش کی فراہمی، جس میں دیگر لوازمات زندگی (مثلاً غسل خانہ وغیرہ) موجود ہوں، بھی بیوی کے حقوق میں شامل ہے۔ بیوی کو شوہر کے والدین یا دیگر رشتے داروں کے ساتھ اکٹھے/ ایک جگہ پر رہنے کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا جس طرح خاوند کو بھی بیوی کے ماں باپ/ رشتے داروں کے ساتھ اکٹھے/ ایک جگہ پر آرام دہ، پرسکون ماحول میں زندگی سے لطف اٹھانے کا حق ہے جہاں وہ آزادانہ طور پر، کسی دوسرے کی مداخلت کے بغیر زندگی گزار سکے، اسی طرح عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے۔ (محمد عبدالرؤف ۱۹۹۵)۔ بقول ایک ماہر نثرانیات (Miracra Eliade 1986) ”خاوند اپنی بیوی کی تمام ضروریات کی کفالت کا ذمہ دار ہو جاتا ہے جو نبی وہ اس کے ساتھ مباشرت کر لیتا ہے۔ اگر وہ عورت اپنے خاوند کے ساتھ بھی تعلق قائم کرنے سے گریز کرے یا انکار کرے تو پھر خاوند اپنی اس ذمہ داری (کفالت) سے سبکدوش ہو جاتا ہے الا یہ کہ

اس کی بیوی کا انکار یا اگر یہ کسی قانونی اور معقول وجہ کی بناء پر ہو جیسے خاوند کا مہر کی ادائیگی نہ کرنا یا بیوی کا اپنے سے کم تر حیثیت کے شوہر سے نباہ سے انکار۔ ایسے حالات میں خاوند، بیوی کی کفالت کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا اگر بیوی اس کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے سے انکار کرے۔“..... بہت سے فقہاء کے نزدیک ایک بیوی اس قسم کی کفالت کی حقدار ہے جو خاوند کی معاشی، مالی اور سماجی حیثیت کے مطابق ہو قطع نظر اس کے وہ (عورت) شادی سے پہلے خود کس حیثیت کی حامل تھی۔“

ایک بیوی کو اس حد تک اجازت ہے کہ وہ اپنے خاوند کے مال سے بغیر اُس کی اجازت کے اس قدر مال حاصل کر لے جو اُس کی بنیادی ذاتی اور گھریلو ضروریات کو پورا کر سکے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے ہند بنت عتبہ کو اس شکایت پر کہ اس کا خاوند ابوسفیان رضی اللہ عنہ کنجوس ہے اور اسے لوازمات کے مطابق اخراجات نہیں دیتا اس بنا پر اس نے پوچھا کہ کیا وہ اس کے مال سے اُس کی اجازت کے بغیر کچھ لے سکتی ہے، آپ ﷺ نے جواب دیا ”اپنی اور بچوں کی ضرورت اور دستور زمانہ کے مطابق اُس کے مال سے اجازت کے بغیر لے لیا کرو۔“ (مسلم، بخاری) بہت سے مسلمان میاں بیوی ایک دوسرے کو مخاصم اور دشمن کے طور پر لیتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ ایک دوسرے کے جیون ساتھی بنیں۔ خاوند یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک حاکم ہے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل ہونی چاہیے جبکہ بیوی یہ خیال کرتی ہے کہ وہ خاوند کے مال سے جس قدر زیادہ حاصل کر سکتی ہے، اسے حاصل کر لینا چاہیے۔ کچھ عورتیں زندگی بھر خاوند کو یہ نہیں بتاتیں کہ جو کچھ وہ اس کے لیے کر رہا ہے یا اس کو لا کر دیتا ہے، وہ اس سے مطمئن اور خوش ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی بہانے سے وہ خاوند سے زیادہ سے زیادہ اپنی فرمائشیں پوری کر اسکے۔ اس کے برعکس ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو اپنے خاوند کے ساتھ ہر قسم کے تنگی و ترش کے حالات میں گزارا کرتی ہیں۔ خاوند کے حالات کو سنجیدگی کے ساتھ سمجھتی ہیں اور اس سے اس کی استطاعت سے بڑھ کر مطالبات نہیں کرتیں اور نہ ہی اس بات کا خیال کرتی ہیں کہ دوسری عورتوں کے پاس کیا کچھ ہے، جن کے حالات اس کے حالات سے مختلف ہوتے ہیں اور یوں وہ اپنے خاوند کو ان تمام اشیاء کی فراہمی کے لیے تنگ نہیں کرتی ہیں۔

۳. عورت کے ساتھ حسن سلوک:

عورت کی مادی ضروریات کی فراہمی کے علاوہ ایک خاندان کو اپنی بیوی کے ساتھ مہربانی اور محبت کا سلوک کرنا چاہیے۔ اس کو اپنی بیوی کے خیالات کو سمجھنے، اور اس کی کوتاہی پر درگزر کرنے والا ہونا چاہیے اور ہر حال میں اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک اور پیار و محبت کا رویہ رکھنا چاہیے۔ انسانی زندگی کے گونا گوں تعلقات میں میاں بیوی کا تعلق ایک ایسا انوکھا اور محبت بھرا تعلق ہے جس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت، قربت (ذہنی و جسمانی) مودت و رحمت اور جیون بھر کے ساتھی ہونے کی وجہ سے ایک ایسا تجربہ ہوتا ہے جسے الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ ان تمام انسانی احساسات و جذبات کی معقول توجیہ صرف یہی کی جاسکتی ہے کہ ان تمام تر صفات کو اللہ کریم کی جانب منسوب کیا جائے جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا:

”اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے تمہاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور اسی نے ان بیویوں سے تمہیں بیٹے اور پوتے دیے اور اچھی اچھی چیزیں تمہیں کھانے کو دیں۔ پھر کیا یہ لوگ (یہ سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی) باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کے احسان کا انکار کرتے ہیں۔“ (سورہ النحل ۱۶: ۷۲)

بیوی کے ساتھ لطف و محبت اور حسن سلوک کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو۔ اور نہ یہ حلال ہے کہ انہیں تنگ کر کے اس مہر کا کچھ حصہ اڑا لینے کی کوشش کرو جو تم انہیں دے چکے ہو۔ ہاں اگر وہ کسی صریح بدچلتی کی مرتکب ہوں (تو ضرور تمہیں تنگ کرنے کا حق ہے) ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔“ (سورہ النساء ۱۴: ۱۹)

ازواج کے ساتھ لطف و محبت اور نرمی کا سلوک حضور ﷺ کی عادت تھی اگرچہ ان میں سے کوئی کسی نہ کسی وقت آپ ﷺ کو کوئی ناگوار بات بھی کہہ دیتی تھیں (بطور بیوی اپنا حق سمجھتے ہوئے) ایک دفعہ حضور ﷺ کی ساس نے دیکھا کہ ان کی لڑکی نے حضور ﷺ کے

سینہ مبارک پر اپنی مٹھی سے ٹھوکا دیا۔ جب غصے سے بھری ہوئی ماں اپنی بیٹی کو مارنے کے لیے آگے بڑھیں تو حضور ﷺ نے ہنستے ہوئے فرمایا ”اے تنہا چھوڑ دیں۔ یہ تو اس سے بھی زیادہ کرتی ہیں“..... ایک دفعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ (جو کہ حضور ﷺ کے سر سے تھے) کو دعوت دی گئی کہ وہ حضور ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کسی معاملے کو طے کرادیں۔ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہا کہ ”کیا تم پہلے بات کرو گی یا میں کروں؟“ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ”آپ مجھ سے پہلے بات کریں لیکن صبح کے سوا مزید کچھ نہ کہیں۔“ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر غصے میں آگئے اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زور سے مارنے کی کوشش کی جس سے وہ ڈرتے ہوئے حضور ﷺ کی پشت کے پیچھے چھپ گئیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس اپنی جان کی دشمن! کیا پیغمبر خدا ﷺ صبح کے علاوہ بھی کچھ بات کرتے ہیں؟“ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو بکر رضی اللہ عنہ، ہم نے تمہیں اس لیے نہیں بلایا تھا کہ تم ایسا کرو یعنی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سخت گیری کرو) اور نہ ہی ہمیں اس امر کا اندازہ تھا کہ ایسا ہوگا۔“ (محمد عبدالرؤف ۱۹۹۵ء)

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ”تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک کرے اور میں اپنی بیویوں کے ساتھ تم سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہوں۔“

پیغمبر ﷺ اسلام، اپنی تمام تر گونا گوں مصروفیات کے باوجود، اپنی بیوی کے ساتھ کھیل کود میں بھی حصہ لیتے تھے۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑنے میں بھی حصہ لیتے تھے۔ کبھی وہ جیت جاتی تھیں اور کبھی حضور ﷺ جیت جاتے تھے۔ ایک دفعہ پتہ چلا کہ کچھ حبشی بزرگ گھر کے باہر کرتب دکھا رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ”کیا تم وہ کرتب دیکھنا پسند کرو گی؟“ جب وہ تیار ہو گئیں تو آپ ﷺ نے انھیں بلایا اور انھوں نے اپنے کرتب آپ ﷺ کے گھر کے سامنے دکھانے شروع کیے۔ حضور ﷺ نے اپنا بازو پھیلا دیا اور اپنی ہتھیلی دروازے پر رکھ دی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ٹھوڑی آپ ﷺ کے بازو پر نہایت سکون سے رکھ لی تاکہ وہ آرام اور اطمینان کے ساتھ کرتب دیکھ سکیں۔ کچھ دیر بعد

حضور ﷺ نے پوچھا ”عائشہ رضی اللہ عنہا بس کافی ہے۔“ انھوں نے جواب دیا کہ ”خاموش۔“
تیسویں دیر بعد آپ ﷺ نے پھر پوچھا ”بس کافی ہے“ جواب دیا کہ ”خاموش۔“ لیکن جب
آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ”ہاں“ اور حبشیوں کی ٹیم حضور ﷺ کے
اشارے پر چلی گئی۔ تب آپ نے فرمایا کہ ”لوگوں میں ایمان کی پختگی کی یہ علامت ہے کہ وہ
اپنی بیویوں کے ساتھ بہترین حسن سلوک کرتے ہیں اور بہت زیادہ محبت کرنے والے ہوتے
ہیں۔“ حضور ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ لازماً کسی بدخو شخص کو پسند نہیں کرتے جو
لاف زنی کرتا ہو اور اپنی بیوی کے ساتھ تند خو ہو۔“ ہر رات وہ اپنی تمام ازواج کو اس بیوی کے
گھر بلا کر ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، اس ڈنر، کھانے کو اپنے روزمرہ کے ڈنر/کھانوں پر محمول
نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بمشکل روٹی کے ایک ٹکڑے (جو ضروری نہیں کہ تازہ پکائی گئی ہو) اور چند
کھجوروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ جہاں آپ ﷺ نے رات بسر کرنی ہوتی تھی عشاء کی نماز کی
ادائیگی کے بعد، آپ گھر میں داخل ہوتے تھے، سونے سے پہلے کچھ دیر اپنی بیوی سے بات
چیت فرماتے اور اس طرح انھیں سکون و اطمینان دلاتے۔

بہت سے خاوند اپنی بیویوں کے ساتھ بہت تلخی اور غصے کے ساتھ بولتے ہیں، ان کی
بے عزتی کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ انھیں مارنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ان کی بیویوں کو ان کے
خاندان میں بولنے کی اجازت نہیں ہوتی اور کوئی بھی شنوائی نہیں کرتا۔ یہ بات حضور ﷺ کی
تعلیمات اور ہدایات کے مطابق نہیں جو کبھی بھی اپنی بیویوں سے تلخی/غصے سے نہیں بولتے تھے۔
مسلمان خاوندوں کے لیے یہ کسی طور پر جائز نہیں کہ وہ گھروں میں ایک ڈکٹیٹر کی سی زندگی بسر
کریں کہ ان کی وجہ سے گھر میں دہشت ہو۔ ہمیں اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اور محبت کے
ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ مسلمانی خاوندوں کو اپنی بیویوں کے ساتھ مشاورت کے حکم کی
پیروی کرنا چاہیے یعنی باہمی طور پر مشورہ کرنا اور معاملات کا خاندان کی سطح پر حل کر فیصلہ کرنا
چاہیے۔ خاندان کے دیگر افراد میں ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ یگانگت کو فروغ دیا جاسکتا ہے
اگر تمام معاملات کو یکطرفہ طور پر طے نہ کیا جائے بلکہ خاندان کے ہر چھوٹے بڑے کو یہ احساس
ہو کہ گھریلو معاملات میں اُس کا کوئی کردار ہے۔ ایک خاوند کو اپنی بیوی کے ساتھ محبت کا سلوک

کرنا چاہیے۔ ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی، محبت اور نرمی کا سلوک کرنا بھی اُن چند امور سے تعلق ہے جو ہمیشہ یاد رکھے جائیں اور جن پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ حضرت الاسودؓ نے بتایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے استفسار کیا کہ ”حضور ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے؟“ انھوں نے جواب دیا ”وہ اپنے اہل خانہ کے لیے کام کرتے تھے اور اذان کی آواز سننے پر باہر تشریف لے جاتے تھے!“

گھریلو تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لیے، خاوند کو چاہیے کہ اپنی بیوی کی کچھ کمزوریوں/ غلطیوں کو نظر انداز کرے الا یہ کہ وہ گناہ کے امور ہوں۔ حضور ﷺ کو اس امر کا یقین تھا کہ عورتوں کی عادات اور رویوں کو بدلنا ایک بہت مشکل کام ہے۔ بہت سے خاوند اپنی بیویوں کو کامل دیکھنا چاہتے ہیں۔ انسان میں درجہ کاملیت کا حصول ممکن نہیں۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ وہ اپنے خاندان (شادی) کی حفاظت کریں، اپنی بیویوں کے غلط سلوک سے درگزر کریں اور انھیں ایسے معاملات کو تبدیل کرنے پر مجبور نہ کریں جن کا تعلق گناہ سے نہیں۔

شادی کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ فریقین صبر اور حوصلے، لطف و محبت، ایثار و قربانی، ایک دوسرے کو سمجھنے، غلطیوں کو نظر انداز کرنے اور محنت و استقلال کے ساتھ کام کرنے والے ہوں، ہمیشہ ایک دوسرے کے ایسے کاموں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے جو وہ اہل خانہ/ خاندان کے لیے کرتے ہیں۔ اپنے خاوند کو بھول کر بھی اس امر کا احساس نہ دلائیں کہ وہ اپنے خاندان کے لیے مقدور بھر کوشش نہیں کر رہا ہے یا آپ خود اس کے کام اور کوششوں سے مطمئن نہیں ہیں۔ حضور ﷺ سے روایات مروی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”بروز قیامت اللہ تعالیٰ اس عورت کی طرف نظر کرم نہیں فرمائے گا جو اپنے خاوند کی ناشکر گزار ہوگی۔“ اسی طرح خاوندوں کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے گھریلو امور میں دلچسپی لیں اور دیگر کاموں کو بہ نظر تحسین دیکھیں۔ ان کے گھریلو کاموں کو سرانجام دینے کو معمولی یا حقیر نہ سمجھا جائے۔ یہ ایک سخت محنت طلب کام ہوتا ہے اور کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ اس کی تحسین نہ کی جائے۔

خاوند کو اپنی بیوی کو کسی خوبصورت ترین مختصر نام سے پکارنا چاہیے (جو شادی سے قبل اس نے اس کے لیے سوچا ہوا ہو)۔ حضور ﷺ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ”محبت سے“ عائشہ کے

نام سے پکارتے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنی ازدواج کے مختصر نام رکھے ہوئے تھے جو انھیں بھی پسند تھے۔ اس لیے حضور ﷺ کے اتباع میں ہمیں بھی اپنی بیویوں کے ایسے ہی محبت بھرے ناموں سے پکارنا چاہیے جنھیں وہ پسند کرتی ہوں۔ اسی طرح اپنی بیوی کو دیکھنے پر ہمیشہ مسکرانا چاہیے اور اکثر اس کے ساتھ بغل گیر ہونا چاہیے، کسی کو دیکھ کر مسکرانا بھی ایک صدقہ (نیکی) ہے اور آپ کی بیوی، امت مسلمہ کا حصہ ہونے کے سبب اس کی مستحق ہے کہ اس کے ساتھ مسکرا کر ملا جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ہمیشہ گھر میں داخل ہوتے وقت مسرت اور خوشی کا اظہار فرماتے تھے اور آپ ﷺ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔ مسلمان خاوندوں کو ہمیشہ حضور ﷺ کی وہ ادا (حدیث) یاد رکھنی چاہیے جب آپ نماز کے لیے گھر سے باہر جاتے ہوئے، اظہار محبت کے طور پر اپنی ازدواج کا بوسہ لیتے تھے اگرچہ آپ روزے سے بھی ہوتے تھے۔

ایک خاوند کو اپنی بیویوں کی جائز خواہشات کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ بعض اوقات خاوند اپنی بیوی کی ضروریات اور خواہشات کو نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن حضور ﷺ نے ہمارے لیے یہ اسوۂ حسنہ چھوڑا ہے کہ جب ایک دفعہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو آپ کی بیوی تھیں، تکلیف کی وجہ سے پریشان تھیں کیونکہ ان کے بقول حضور ﷺ نے انھیں ایک ست رفتار اونٹ پر سوار کر دیا تھا تو آپ ﷺ نے ان کے آنسو پونچھے، انھیں تسلی دی اور ان کی سواری کے لیے ایک اور اونٹ منگوایا۔

ایک خوشگوار شادی شدہ زندگی کے لیے یہ ضروری ہے کہ فریقین ایک دوسرے کو تحائف دیتے رہا کریں۔ اپنے جیون ساتھی کے موڈ اور طبیعت کے بارے میں بہت حساس رہنے کی ضرورت ہے۔ ایک کامیاب شادی شدہ زندگی خود بخود واقع نہیں ہو جاتی اور نہ ہی یہ قسمت کی بات ہے کہ کوئی محبت کرنے والا جیون ساتھی مل جائے۔ زوجین کو اس کے حصول کے لیے نہایت مخلصانہ طور پر سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔

زوجین کو چاہیے کہ کبھی کبھار وقت نکال کر اکتھے عبادت بھی کیا کریں۔ اللہ کریم اور انسان کے درمیان تعلق کو مضبوط کرنا ایک ایسا اہم اور لازمی طریقہ ہے جس کے ذریعے انسانوں کے

درمیان محبت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے زوجین کے باہمی تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ حضور ﷺ نے ان زوجین کو خوشخبری دی ہے جو رات کو اٹھ کر دونوں نماز پڑھتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اجازت دی ہے کہ میاں بیوی میں سے جو بھی پہلے جاگ جائے، وہ دوسرے کو جگائے حتیٰ کہ اگر ضرورت پڑے تو اس کے منہ پر پانی کی چھینٹے بھی مارے تاکہ وہ جاگ جائے۔ اگرچہ نکاح کی وجہ سے دونوں فریق تمام زندگی ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا عہد کرتے ہیں لیکن اتنا ہی کافی نہیں۔ یہ کافی نہیں کہ آپ اپنی بیوی سے محبت کرتے ہیں۔ آپ کو ہر اس چیز سے بھی محبت کرنی چاہیے جو بیوی کو پسند ہو۔ یہ ضروری ہے کہ بیوی کے اہل خاندان، اور دیگر لوگ جن سے وہ محبت کرتی ہے، کے ساتھ بھی آپ محبت کا سلوک کریں اور وہ بھی آپ کے محبوب بن جائیں۔ اس ضمن میں بہترین مثال حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی ہے، آپ اپنی بیوی (حضرت خدیجہ بنتیہ الکبریٰ) کے ساتھ اس قدر محبت کرتے تھے کہ اس محبت کا دائرہ ان تمام لوگوں تک وسیع ہو گیا تھا جنہیں حضرت خدیجہ بنتیہ پسند فرماتی تھیں۔ بلکہ رشتوں کی پاسداری کا یہ سلسلہ ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔ حضرت خدیجہ بنتیہ کے انتقال کے بہت سال بعد تک وہ انھیں ہمیشہ یاد کرتے رہے اور جب کبھی بھی کوئی بکری گھر میں ذبح ہوتی تھی تو آپ اس میں سے کچھ حصہ حضرت خدیجہ بنتیہ کے اہل خاندان اور سہیلیوں کو بھی بھیجا کرتے تھے اور جب بھی آپ ﷺ کو محسوس ہوتا تھا گھر آنے والا مہمان جو دروازے پر دستک دے رہا ہے، وہ حضرت خدیجہ بنتیہ کی بہن حضرت ہالہ بنتیہ ہو سکتی ہیں تو آپ فرط شوق سے پکار اٹھتے تھے کہ اے خدایا! کاش یہ ہالہ ہوں۔“

۴: جسمانی و جنسی تعلقات:

میاں بیوی کے جسمانی/جنسی تعلقات کے تسلسل سے دونوں کے باہمی تعلقات میں پختگی اور پائیداری پیدا ہوتی ہے جب کہ ایک طویل عرصے تک اس تعلق کے تعطل کی وجہ سے باہمی محبت و مودت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ ایک شادی شدہ زندگی کو دوام بخشنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جنسی/جسمانی تعلقات کو جاری رکھا جائے کیونکہ نفسیاتی اور روحانی طور پر، ایک مرد کو عورت کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح ایک عورت کو مرد کی تاکہ دونوں میں یکسانیت اور مکمل ہونے کا

احساس نہ صرف جاگزیں ہو بلکہ برقرار رہے۔ ایک دوسرے کی تکمیل کرنے کا احساس برقرار رہے۔ یہ مقصد وحید شادی کے ذریعے حاصل ہوتا جب دو چاہنے والے ایک دوسرے کے ساتھ باہم ملتے ہیں اور یوں ایک خاندان کی بنیاد پڑتی ہے۔ یہ امر خوش قسمتی کا باعث ہے کہ انسانوں (عورت/مرد دونوں) میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے کا نہ صرف جذبہ پایا جاتا ہے بلکہ وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ ایک انسان کے لیے اس سے بڑھ کر بد قسمتی کی کوئی اور بات نہیں ہو سکتی کہ ایک خاندان محبت اور حسن سلوک کے ساتھ نہ رہ سکے۔ تاہم یہ ایک امر واقعہ ہے جس کا مشاہدہ ہمارے معاشرے میں روزانہ کیا جاسکتا ہے کہ جب میاں بیوی کسی قدر بوڑھے ہونے لگتے ہیں تو ان کے تعلقات میں جمود اور ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی بنیادی وجہ میاں بیوی کے درمیان جنسی تعلقات کا مکمل طور پر منقطع ہو جانا ہے۔ ایک ماہر کے مطابق ”جب میاں بیوی کے درمیان بستر پر سونے (جنسی تعلق) کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے تو پھر ان کے درمیان سے محبت کھڑکی کے ذریعے باہر چلی جاتی ہے۔“

(Robert Chartam 1969)

ایک حدیث کے مطابق ”حضرت عثمانؓ ابن معاذ کی بیوی نے حضور ﷺ کو شکایت کی کہ اُن کے خاوند کو کسی عورت کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ دن کے وقت مسلسل روزہ رکھتے ہیں اور رات کے وقت نماز پڑھتے رہتے ہیں۔“ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا میں تمہارے لیے بہترین مثال نہیں ہوں جس کا اتباع کیا جائے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ”یقیناً میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔“ تب حضور ﷺ نے انھیں بتایا کہ ”تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم رات کو نماز پڑھو اور دن کو روزہ بھی رکھو لیکن لازماً تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ پس عبادت کے ساتھ آرام بھی کرو اور روزہ رکھنے کے ساتھ ساتھ چھوڑ بھی دیا کرو۔“

۵: بیوی کو دین سکھانا:

دین کا بنیادی علم حاصل کرنا ایک مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ عورت کے لیے خاص کر اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ نہ صرف دین سیکھنے کی کوشش کرے بلکہ دنیاوی تعلیم کے حصول

کے لیے بھی سکول/کالج/یونیورسٹی جائے تاکہ وہ اپنے بچوں کی بھی تعلیم و تربیت کر سکے کیونکہ بچوں کے لیے ماں کی گود ہی سب سے پہلا سکول اور تربیت گاہ ہوتی ہے۔

دونوں زوجین پر یہ فرض ہے کہ وہ پاک ہونے اور طہارت حاصل کرنے کے طریقوں سے بھی آگاہ ہوں تاکہ عورت ایامِ ہواہری، مباشرت اور اسی قسم کے دیگر روزمرہ مسائل کو جان سکے۔ اسی طرح مرد کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ان تمام ضروری امور کے بارے میں بتائے اور اسے ان تمام معلومات کو حاصل کرنے کے مواقع بہم پہنچائے جن کا جاننا اُس کے لیے بہت ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے کتب/آڈیو/ویڈیو ٹیپ خریدنے کے لیے کچھ اخراجات بھی کرنے پڑیں تو اُسے ضرور کرنے چاہئیں۔ اہل علم نے عورت کے اس حق کے بارے میں بہت تاکید کی ہے حتیٰ کہ انھوں نے عورت کو اجازت دی ہے کہ وہ خاوند کی مرضی کے بغیر بھی، گسروں سے باہر جا کر مساجد میں دین کا علم حاصل کر سکتی ہیں۔

۶: مارپیٹ سے اجتناب:

حضور ﷺ نے ہمیشہ اپنی ازواج کے ساتھ مارپیٹ سے اجتناب برتا۔ اس لیے ایک مسلمان خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کو کسی شکل میں بھی (جسمانی، ذہنی، نفسیاتی) کوئی ایذا نہ پہنچائے۔ حضور ﷺ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا ”یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ دن کے وقت اپنی بیوی کو مارے پیٹے جس طرح غلاموں کو مارتے ہیں اور رات کے وقت اس کے ساتھ ہم بستری کرے؟“ (بخاری)۔ اسی موضوع پر ذیل کے صفحات میں ازدواجی زندگی میں لڑائی جھگڑے (نشوز) کے ضمن میں مزید گفتگو کی گئی ہے۔

۷: میاں بیوی کے راز دارانہ تعلقات:

اس کتاب کے تیرہویں باب میں اس پر تفصیلاً بحث کی گئی ہے۔ اس لیے اس باب سے رجوع فرمائیں۔

۸: تعدد ازواج کی صورت میں انصاف کرنا:

اگر کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان کے درمیان انصاف کرے یعنی انھیں خوراک لباس اور رہائش مہیا کرنے کے علاوہ ان کے ساتھ

شب باشی کرنے میں بھی برابری کا سلوک کرے۔ سورہ النساء (۱۲۹:۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔ لہذا (قانون الہی کا مشا پورا کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ) ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا چھوڑ دو۔ اگر تم اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

حضور ﷺ نے بتایا کہ چند امور ایسے ہیں جن میں یکساں سلوک اور انصاف کیا جاسکتا ہے جبکہ چند امور ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں انسان انصاف نہیں کر سکتا۔ وہ امور جو انسان کے بس میں ہیں، ان میں نان نفقہ، رہائش، لباس کی فراہمی اور شب باشی میں انصاف اور یکساں سلوک کرنا ہے۔ لیکن جن کا تعلق انسان کے دلی جذبات و احساسات سے ہے، وہ انسان کے بس سے باہر ہیں کہ ان کے بارے میں انصاف اور مساوی سلوک ممکن ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس پر مجھے قدرت حاصل ہے پس مجھے معاف فرما دیجیے ان کے بارے میں جو آپ کے قبضہ قدرت میں ہیں اور میرا ان پر کوئی کنٹرول نہیں۔“ (ابوداؤد)

ب: خاوند کے حقوق:

خاوند کے حقوق درج ذیل ہیں:

- ۴۴ قوام ہونے کی حیثیت سے خاوند کی تابعداری
- ۴۴ جنسی/جسمانی تعلقات
- ۴۴ کسی شخص کے گھر میں داخلے کے لیے خاوند کی واضح اجازت
- ۴۴ گھر سے باہر نکلنے پر خاوند کی اجازت
- ۴۴ گھریلو امور یعنی خانہ داری کے کاموں کا انتظام و انصرام
- ۴۴ خاوند کا شکر گزار ہونا
- اب ہم ان کے بارے میں قدرے تفصیل سے گفتگو کریں گے۔
- ۱: خاوند کی تابعداری:

ایک اسلامی معاشرے میں، خاندان ایک بنیادی اکائی ہے اور خاوند اس کا سربراہ، تمام خاندانی امور جیسے خوراک، رہائش، بچوں کی تعلیم وغیرہ خاوند کی ذمہ داری میں شامل ہیں۔ اگرچہ اُسے گائیڈ لائن ہی دینی ہوتی ہے تاہم یہ ضروری ہے کہ ایسے تمام معاملات میں وہ اپنی بیوی سے مشورہ کرے تاکہ وہ دونوں اس ذمہ داری سے یکساں طور پر عہدہ برآ ہو سکیں۔ مرد کو قوام بناتے وقت قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اور اس بنا کر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔“

(سورہ النساء: ۳۴)

ایک صحیح مسلمان عورت اپنے خاوند کی تمام امور میں ہمیشہ تابعداری کرتی ہے بشرطیکہ اُس کے احکامات گناہ پر مبنی نہ ہوں۔ وہ خاوند کی عزت و احترام کرتی ہے اور ہر وقت کوشاں رہتی ہے کہ اُسے خوش و خرم رکھ سکے۔ اگر وہ نادار ہے، تو وہ شکوہ نہیں کرتی کہ وہ اس کے لیے بہت زیادہ خرچ نہیں کر سکتا۔

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، اپنے خاوند زبیر رضی اللہ عنہ کی خدمت بجالاتی تھیں اور گھریلو امور سر انجام دیتی تھیں۔ ان کے خاوند کا ایک گھوڑا تھا جس کی خوراک اور اُسے ورزش کرانے کا کام بھی اُن کے ذمے تھا۔ وہ پانی کی مشک وغیرہ بھی سی لیتی تھیں، روٹی پکاتی تھیں اور دور دراز سے کھجوریں اپنے سر پر اٹھا کر لایا کرتی تھیں۔ بخاری اور مسلم کی کتابوں میں یہ باتیں خود اُن کی زبان سے مروی ہیں: ”زبیر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے شادی کی جبکہ اُن کے پاس کوئی دولت نہ تھی، نلام نہ تھا اور سوائے ایک گھوڑے کے کوئی اور چیز نہیں تھی۔ میں اس کے گھوڑے کو خوراک ڈالتی تھی، اور اس کی دیکھ بھال کرتی تھی اور ورزش کراتی تھی۔ میں کھجوروں کی گٹھلیاں توڑ کر اونٹ کو کھلاتی تھی، میں پانی لایا کرتی تھی اور پانی کی مشک کی مرمت بھی کر لیا کرتی تھی۔ میں ان کا کھانا بھی پکایا کرتی تھی لیکن مجھے روٹی پکانی نہیں آتی تھی پس یہ کام میری ایک انصاری ہمسائی جو ایک مہربان عورت تھی میرے لیے سر انجام دیتی تھیں۔ حضور ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک باغ عنایت کیا تھا جہاں سے میں کھجوریں اپنے سر پر اٹھا کر لاتی تھی اور یہ باغ مدینے سے دو

تہائی فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ ایک دن میں کھجوریں اپنے سر پر رکھے آرہی تھی کہ راستے میں حضور ﷺ سے ملاقات ہوگئی جن کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت بھی تھی۔ حضور ﷺ نے مجھے آواز دی اور اپنے اونٹ کو بیٹھنے کا حکم دیا تاکہ میں حضور ﷺ کے پیچھے بیٹھ جاؤں۔ میں نے (زیرِ رضی اللہ عنہ کو) بتایا کہ مجھے شرم محسوس ہوئی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم ایک بانیرت شخص ہو۔ اس پر زیرِ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے لیے یہ بات زیادہ باعثِ عار ہے کہ تمہیں اپنے سر پر کھجوریں لادے دیکھوں بہ نسبت حضور ﷺ کے پیچھے اونٹ پر بیٹھنے سے۔ بعد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک نوکر دے دیا جس نے مجھے گھوڑے کی دیکھ بھال کے کام سے نجات دے دی اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کہ مجھے غلامی سے نجات مل گئی ہو۔“

ایک اور اہم طریقہ جس سے ایک مسلمان عورت اپنے خاوند کی تابعداری کرتی ہے یہ ہے کہ وہ اس کی اُن خواہشات کا احترام کرتی ہے جن کا تعلق انسانی زندگی کے روزمرہ معاملات سے لطف اندوز ہونے سے ہے جیسے سماجی تقریبات میں شمولیت، خوراک، لباس اور بول چال وغیرہ۔ وہ جس قدر ان امور میں اپنے خاوند کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتی ہے تو ان کی زندگی ان قدر زیادہ پر لطف ہوتی چلی جاتی ہے اور اسی قدر اسلام کی تعلیمات کے قریب تر بھی۔ ایک مسلمان عورت اس امر کو کبھی بھی فراموش نہیں کرتی کہ اُس کا خاوند کی اطاعت کرنا، خوشنودی باری تعالیٰ کا سبب ہے اور جس کا نتیجہ جنت میں داخلہ ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ جنت میں تمہاری کون سی بیویاں ہوں گی؟“ ہم نے کہا کہ اے رسول خدا ﷺ! ضرور بتائیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ ایسی عورتیں ہیں جو زیادہ بچے پیدا کر سکتی ہیں اور محبت کرنے والی ہیں۔ اگر ایسی عورت غصے ہو جاتی ہے یا اس کے ساتھ کوئی زیادتی کی جاتی ہے یا اُس کا خاوند اس سے ناراض ہو جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ ”میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے اور میں بالکل نہ سوؤں گی حتیٰ جب تک کہ تم مجھ سے خوش نہیں ہو جاتے۔“

اسلام میں شادی کا ایک مقصد، عورت اور مرد و زن کو باعصمت اور پاک باز رکھنا ہے۔ پس یہ عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خاوند کی جنسی خواہشات کی تکمیل کرے چاہے وہ کتنی ہی ”سرفروغ“ کیوں نہ ہو یا اُس کے راستے میں کتنی ہی مشکلات کیوں نہ حائل ہوں۔ ایک حدیث میں

حضور ﷺ نے فرمایا ”کہ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کو بلائے تو اُسے چاہیے کہ وہ آجائے چاہے وہ تنور پر روٹیاں ہی کیوں نہ پکا رہی ہو۔“ بیوی کی تابعداری کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ رمضان کے علاوہ روزہ نہ رکھے جب تک وہ خاوند سے اجازت نہ حاصل کر لے۔

ایک صحیح مسلمان عورت، ہمیشہ اپنے بچوں کی پرورش و نگہداشت کا خیال رکھتی ہے اور اپنے خاوند کی دیگر ضروریات کی فراہمی کے لیے گھریلو امور سرانجام دیتی ہے۔ حضور ﷺ نے ان دو صفات کی تعریف فرمائی جن سے قریش کی عورتیں متصف تھیں کہ وہ اپنے بچوں کے لیے دوران طفولیت میں شفیق اور محبت کرنے والی ہوتی ہیں اور اپنے خاوندوں کی دولت/ مال کا بھی بہت خیال رکھتی ہیں۔

مسلمان عورتوں کے لیے بہترین مثال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہے جو حضور ﷺ کے ساتھ حج پر جاتی تھیں، آپ ﷺ کی دیکھ بھال کرتی تھیں، احرام باندھنے سے پہلے اپنے ہاتھوں سے حضور ﷺ کو عطر لگاتی تھیں۔ اور اس طرح احرام سے فراغت کے بعد اور طواف وداع سے پہلے بھی خوشبو لگایا کرتی تھیں۔ وہ حضور ﷺ کے لیے بہترین خوشبو کا انتخاب کرتی تھیں جو کہ فراہم ہو سکتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بہت زیادہ خوش و خرم اور مطمئن رکھتی تھیں اور ہر موقع پر حضور ﷺ کا شکریہ ادا کرتی تھیں جب آپ ﷺ انھیں کوئی چیز تحفہ کے طور پر عنایت فرماتے تھے۔

ایک اور اہم مثال جس کے ذریعے عورتیں اپنے خاوند کو خوش رکھ سکتی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس پہلو کی ہے جس طرح انھوں نے حضور ﷺ سے بات کی جب آپ ﷺ ایک ماہ کی علیحدگی کے بعد اپنی ازدواجی مطہرات رضی اللہ عنہا سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے عہد کیا تھا کہ ”میں اپنی بیویوں سے ایک ماہ تک ملاقات نہ کروں گا۔“ کیوں کہ آپ ﷺ ان سے کسی حد تک کبیدہ خاطر تھے۔ جب ۲۹ دن گزر گئے تو آپ ﷺ سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ نے تو ہم سے جانی کا ایک ماہ کا عہد کیا تھا اور آج تو صرف ۲۹ دن ہی گزرے ہیں؟ میں روزانہ دنوں کی گفتنی کرتی رہی ہوں۔ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ ”اس مہینے کے ۲۹ ہی دن ہیں۔“ اس قمری ماہ کے

واقعی ۲۹ دن تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ کو بتانا کہ وہ دنوں کا باقاعدہ حساب رکھتی رہی ہیں ان کی حضور ﷺ کے ساتھ غایت محبت کا پتہ دیتا ہے اور اس امر کا کہ کس طرح دن گن گن کر آپ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کا انتظار کیا کہ آپ رضی اللہ عنہم کب اُن کے پاس دوبارہ لوٹ کر آتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آپ رضی اللہ عنہم سے کس قدر شدید محبت کرتی تھیں اور حضور ﷺ کی جدائی کو کس طرح شدت سے محسوس کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ حضور ﷺ کی بہت زیادہ چیمٹی بن گئی تھیں، چنانچہ حضور ﷺ جب بھی کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آتے۔

ایک مسلمان عورت، اپنے خاوند کے لیے بناؤ سنگھار بھی کرتی ہے، خوبصورت لباس زیب تن کرتی ہے تاکہ وہ زیادہ خوبصورت اور پرکشش لگے جس کو دیکھ کر اُس کا خاوند اس سے خوش ہو کر لطف اندوز ہو سکے۔ ایسے تمام امور میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواجِ مطہرات ایک دوسری سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتی تھیں۔ وہ گھر پر عمدہ لباس اور زیور استعمال کرتیں اور جب حالت سفر میں حضور ﷺ کی معیت میں ہوتی تھیں اس وقت بھی زیب و زینت فرمایا کرتی تھیں تاکہ وہ اپنے آپ کو حضور ﷺ کی نظروں میں زیادہ خوبصورت اور دلکش بنا سکیں۔ ایک اور طریقہ جس سے ایک مسلمان بیوی اپنے خاوند کو خوش و خرم اور اپنے آپ کو دلکش رکھ سکتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو مطمئن اور مسکراتا ہوا رکھتی ہے۔ محبت کرنے اور حسن سلوک کرنے والی، پس اس طرح وہ اپنے خاوند کی زندگی کو مسرور اور شادمان بنانے کا سبب بنتی ہے۔ وہ جب بھی گھر میں تھکا ماندہ واپس آتا ہے تو وہ اس کا استقبال ایک مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ اور میٹھے بول سے کرتی ہے۔

ایک اور طریقہ جس سے ایک مسلمان عورت اپنے خاوند کو مسرور کر سکتی ہے یہ ہے کہ وہ اس کی خوشیوں اور غموں یا پریشانیوں میں برابر شریک ہوتی ہے۔ وہ اُس کے ساتھ وقت گزارنے میں اس کا ساتھ دیتی ہے۔ اس کے روزمرہ کے امور میں اس کی مدد کرتی ہے جیسے مطالعہ، ورزش اور مفید معلوماتی لیکچرز سننے کے لیے اس کے ساتھ جاتی ہے تاکہ اس کا خاوند یہ بات محسوس کر پائے کہ زندگی کے ان امور سے لطف اندوز ہونے میں وہ تنہا نہیں بلکہ ان خوش گوار لمحات

میں اس کی محبت کرنے والی، فرمانبردار اور ذہین شریک حیات بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔ جس طرح وہ اس کے ساتھ خوشی اور مسرت کے لمحات میں شریک ہوتی ہے، اسی طرح وہ اپنے خاوند کی پریشانیوں اور تفکرات میں بھی اس کا ساتھ دیتی ہے اور تسلی دینے کے علاوہ مفید، کارآمد اور مناسب مشوروں کے ساتھ ساتھ اس کو جذباتی طور پر بھی حوصلہ دیتی ہے۔

ایک مسلمان عورت نہ صرف اپنے خاوند کے لیے بناؤ سنگھار کرتی ہے اور اس کے دیگر کاموں اور دلچسپیوں میں حصہ لیتی ہے بلکہ وہ گھر میں ایک اطمینان بخش اور پرسکون ماحول فراہم کرنے میں کوشاں رہتی ہے۔ وہ اپنے گھر کو صاف ستھرا، خوبصورت اور جاذب نظر بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی جہاں ہر چیز قرینے اور سلیقے سے رکھی نظر آتی ہے اور گھر میں مہذب اور نرم خو بچے رہتے ہیں اور جہاں عمدہ قسم کا کھانا باقاعدگی سے تیار کیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان تمام صفات کی ایک جامع اور بہترین مثال ہیں جسے ہر مسلمان عورت کو حرز جان بنالینا چاہیے۔ وہ جس لمحے حضور ﷺ سے خوش ہوتی تھیں تو ایک عیب انداز میں پیغمبر ﷺ کے ساتھ قسم اٹھانے کا عہد کرتی تھیں اور جب وہ کسی بات پر حضور ﷺ سے خفگی کا اظہار کرنا چاہتی تھیں تو آپ کا قسم کھانے کا انداز بالکل مختلف ہوتا تھا جسے حضور ﷺ ہمیشہ پہچان جایا کرتے تھے۔ وہ خود اس بات کی راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں جان لیتا ہوں کہ تم کس وقت مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کس وقت مجھ سے خفا۔ انھوں نے پوچھا کہ ”آپ کو کس طرح معلوم ہوتا ہے؟“ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو کہ نہیں، محمد ﷺ کے خدا کے نام پر“ اور جب میرے ساتھ خفگی کا اظہار کرنا ہوتا ہے تو کہتی ہو ”نہیں خدائے ابراہیم ﷺ کے نام سے۔“ انھوں نے تسلیم کیا کہ ”ہاں یہ صحیح ہے لیکن خدا کی قسم اے پیغمبر خدا ﷺ میں صرف آپ ﷺ کا نام نہیں لیتی۔“

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے جو خاص کر ایسے مخلوط خاندانوں (Extended families) میں درپیش آیا کرتا ہے جہاں خاوند یا بیوی کے ماں باپ/بھائی بہن بھی اُن کے ساتھ ہی رہ رہے ہوں۔ اس سوال کا تعلق اس امر سے ہے کہ اگر خاوند کی تابعداری اور ماں باپ کی فرمانبرداری میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا درپیش ہو تو کیا کیا جائے؟ ایسی صورت میں کہ جب

والدین اور خاوند ایک دوسرے کے مد مقابل ہوں تو بیوی کا فرض ہے کہ وہ اپنے خاوند کا ساتھ دے اس لیے کہ اس موقع پر والدین کے حقوق پس پشت ڈالے جاسکتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”مردی یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ“ میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ ایک عورت پر کسے فائق حق حاصل ہے؟“ حضور ﷺ نے جواب ”خاوند کو“ اور میں نے دریافت کیا کہ ایک آدمی پر کس کا سب سے زیادہ حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُس کی ”ماں کا۔“

۲ جنسی/جسمانی تعلقات:

میاں بیوی کے درمیان جنسی تعلقات کے بارے میں فقہائے کرام میں اتفاق رائے ہے کہ خاوند جب بھی اپنی بیوی کو جنسی تعلقات کے لیے بلائے تو اُسے اُس کی تعمیل کرنی چاہیے الا یہ کہ وہ کسی شدید بیماری کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ بیوی کی جانب سے انکار کی صورت میں خاوند کو ذہنی پریشانی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اور جس کی وجہ سے زوجین میں باہمی اختلاف رائے/ پیدا ہو سکتا ہے اور بعض حالات میں خاوند کو اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے ناجائز ذریعے کا بھی سہارا لینا پڑ سکتا ہے۔

۳ کسی شخص کے گھر میں آنے کے لیے خاوند کی اجازت:

یہ امر بھی نبی کریم ﷺ کی احادیث سے ثابت ہے کہ بیوی کو کسی ایسے شخص کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دینی چاہیے جس کے بارے میں اُسے معلوم ہو کہ اس کا خاوند اس فرد کو پسند نہیں کرتا کہ وہ اس کے گھر میں آئے قطع نظر اس کے کہ وہ مرد ہو یا عورت۔ یہ بھی مرد کا عورت پر ایک حق ہے جب کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”کہ عورت کو کسی فرد کو اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل نہیں ہونے دینا چاہیے۔“ (بخاری، مسلم)

حضور ﷺ نے ایک دفعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ”ایک عورت کے لیے سب سے بہترین چیز کیا ہے؟“ انھوں نے جواب دیا کہ ”وہ دوسرے مردوں کے ساتھ میل جول نہ رکھے اور مرد اس کے ساتھ میل جول نہ رکھیں۔“ حضور ﷺ اس جواب پر اس قدر خوش ہوئے کہ آپ ﷺ نے فرط محبت سے انھیں گلے سے لگالیا اور فرمایا کہ ”فاطمہ! ایک ایسا بچہ ہے جو اپنی بنیادوں (جڑوں) سے مشابہ ہے“ (یعنی باپ کی تعلیمات کا صحیح نمونہ!) اس حدیث سے

والدین کے اس تربیتی کردار پر روشنی پڑتی ہے جو ان پر اپنی اولاد (لڑکیوں) کی طرف سے عائد ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اولاد میں ان دنوں میں کس حد تک سمجھ بوجھ ہوتی تھی اور شادی شدہ زندگی کی ذمہ داریوں اور حقوق کی ادائیگی کا کس قدر فہم ہوتا تھا۔ اسلام نے حدود کے اندر رہتے ہوئے خاندان کے بڑے لوگوں کو بچوں کو جنسی امور کے بارے میں تعلیم دینے کی حوصلہ افزائی کی ہے جس کی واضح مثال خود حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔

۴: گھریلو امور سرانجام دینا اور گھر سے باہر نکلنے کے لیے اجازت کا حصول:

قرآن کریم نے امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو مخاطب کرتے ہوئے حکم دیا (اور ان کی وساطت سے تمام مسلمان عورتوں کو) کہ وہ بنیادی طور پر اپنے گھروں میں ٹک کر رہیں۔ سورہ الاحزاب (۳۳:۳۳) میں اللہ کریم نے فرمایا:

”اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سبج دھج نہ دکھاتی

پھرو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔“

اس امر کے بارے میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ ان آیات میں مسلمان عورتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں سوائے کسی ضروری اور لازمی کام کے جیسے مسجد میں نماز کے لیے جانا، دین کا علم حاصل کرنے کے لیے جانا، گھریلو اشیاء کی خریداری کے لیے باہر نکلنا وغیرہ۔ شادی شدہ عورتوں کو خاص کر اشیاء کی ضرورت کی خریداری اپنے خاوندوں کے ساتھ جا کر کرنی چاہیے کہ یہ از خود ایک دلچسپ کام ہے۔ اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو پھر اپنے خاوند کی اجازت سے خود اس کو کر لینا چاہیے۔ خاوندوں کو چاہیے کہ اس قسم کے تمام جائز امور کو سرانجام دینے میں اپنی بیویوں کو اجازت دے، دیا کریں۔ حدیث کے مطابق ”اگر تم میں سے کسی کی بیوی، مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو خاوند کو اُسے روکنا نہیں چاہیے۔“ (مسلم۔ بخاری)

اس ضمن میں اس امر کی جانب اشارہ کرنا ضروری ہے کہ خاوند اپنے اس حق کا استعمال حسن و خوبی اور کھلے دل سے کریں۔ انھیں کسی صورت بھی اپنی بیویوں کے ذہن میں یہ احساس پیدا نہیں ہونے دینا چاہیے کہ وہ گھر میں قید کر دی گئی ہیں۔ گھریلو امور کی سرانجام دہی کا ہرگز یہ

مطلب نہیں کہ عورتیں گھر کی چوکیدار بنا کر رکھ دی گئی ہیں اور بچوں کی تعلیم و تربیت اور پرورش کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ دوسرا کوئی کام سرانجام نہیں دے سکیں۔ اسلام عورتوں کی صلاحیتوں کا معترف ہے اور چاہتا ہے کہ ان کو نشوونما دی جائے اور انھیں انسانیت کی خدمت کے لیے بہترین طریق پر استعمال کیا جائے۔ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ ہمیں واضح انداز میں بتاتی ہے کہ حضور ﷺ اپنی بیوی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے ساتھ باہر نکلا کرتے تھے اور ان کے ساتھ دوڑ لگانے میں حصہ لیتے تھے۔ اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ ”حضور ﷺ نے میرے ساتھ دوڑ لگائی اور میں جیت گئی۔ کچھ عرصے بعد جب میں کسی قدر فرہ ہو گئی تو آپ ﷺ نے پھر دوڑ کا مقابلہ کیا اور حضور ﷺ جیت گئے اور فرمایا کہ ”یہ اس کا بدلہ ہے“ (یہ اُس واقعے کی جانب اشارہ ہے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیت گئی تھیں)۔ پس وہ تمام مسلمان جو اپنی عورتوں کو ہر وقت گھروں میں رکھنا چاہتے ہیں، وہ اپنے نبی ﷺ کی سنت کا اتباع نہیں کر رہے بلکہ یہ عمل ان کی ذہنی اختراع ہے جس کے نتیجے میں اس بات کا امکان ہے کہ عورتیں اور بچے اسلام سے دوری اختیار کر لیں۔ (محمد عبدالرؤف ۱۹۹۵ء ص ۴۹۰)

گھریلو امور کی سرانجام دہی بھی اسی تناظر میں دیکھنی چاہیے بالعموم حضور ﷺ کے زمانے میں، عورتیں گھریلو امور خود سرانجام دیتی تھیں۔ تمام امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن بھی خاص کر تمام گھریلو کام مثلاً کھانا پکانا، صفائی کرنا اور کپڑے وغیرہ دھونا خود اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتی تھیں۔ اگر ان میں سے کسی کے پاس کوئی غلام یا لونڈی ہوتی تھی تو وہ اسے اللہ کریم کا انعام سمجھا کرتی تھیں، اور اگر نہیں تو پھر وہ سارے کام خود ہی کیا کرتی تھیں۔ حضور ﷺ خود بھی اپنے اہل نانہ کی گھریلو امور میں مدد فرمایا کرتے تھے، یہ احسان (زری اور محبت بھرے سلوک) کا ایک حصہ ہے جس کا میاں بیوی کے درمیان تبادلہ ہوتے رہنا چاہیے۔

(ب) زوجین کے مشترکہ حقوق و فرائض:

میاں بیوی کے علیحدہ علیحدہ درج بالا حقوق و فرائض کے بعد، چند ایسے مشترکہ حقوق اور فرائض بھی ہیں جو دونوں کے لیے برابر ہیں۔ اور وہ درج ذیل ہیں:

« ایک دوسرے سے حظ اور لذت اٹھانا

۴۴ ایک دوسرے سے وراثت کا حصول

۴۴ بچوں کا صحیح النسب ہونا

خاوند کو اپنی بیوی کو ذہنی آسودگی سے ہمکنار کرنے کے لیے اپنی ظاہری شکل و صورت، صحت اور تندرستی کا خیال رکھنا چاہیے۔ حضور ﷺ سے زیادہ کوئی دوسرا فرد اس امر میں آپؐ سے بڑھ کر حساس نہیں تھا۔ آپؐ کی سنتوں (اعمال) کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اپنی شخصیت زندگی میں آپؐ بہت زیادہ صحت و صفائی کا اہتمام فرماتے تھے اور اپنے جسم و جان کو چاق و چوبند رکھنے کی انتہائی کوشش فرماتے تھے۔ جس طرح خاوند چاہتے ہیں کہ ان کی بیویاں اُن کے لیے بنی سنوری رہیں، اسی طرح عورتوں کی بھی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ ان کے خاوند بھی جسمانی اور صحت کے اعتبار سے تندرست و توانا اور خوبصورت نظر آئیں، لہذا خاوندوں کو چاہیے کہ وہ خوشنما لباس پہنیں جو اُن کی بیویوں کو بھلا لگے۔ یاد رکھیے کہ حضور ﷺ گھر میں تشریف آوری کے فوراً بعد مسواک (درخت کی گیلی نرم و نازک شاخ) سے دانتوں اور منہ کی صفائی کرتے تھے اور آپؐ کو ہمیشہ عمدہ قسم کی خوشبو بہت مرغوب تھی!



میاں بیوی کے درمیان جنسی تعلقات

زوجین کے درمیان جنسی تعلقات کی اہمیت:

گذشتہ صفحات میں ہم نے چند ایسے اہم موضوعات پر گفتگو کی تھی جن کا تعلق شادی اور اس کے نتیجے میں خاندانی نظام کے بخیر و خوبی چلنے سے تھا۔ شادی، اللہ کریم کا بنایا ہوا وہ مضبوط ترین تعلق / رشتہ ہے جس میں دو مسلمان جیون ساتھی محبت، باہمی تعاون اور ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک مسلمان خاندان اس بنیاد پر قائم ہوتا ہے کہ اس میں بچے پرورش پائیں گے، ان کی نشوونما (جسمانی، ذہنی، دینی، نفسیاتی) ہوگی تاکہ وہ ایک مضبوط کریکٹر اور حسن کردار کا نمونہ بن سکیں ان تعلیمات کی وجہ سے جو اسلام نے ہمیں سکھائی ہیں۔

مسلمان اہل علم نے شادی بیاہ کے نتیجے میں جنسی اخلاقیات جیسے اہم موضوع پر بھی ایسے تمام لوگوں کے لیے معلومات بہم پہنچائی ہیں جو رشتہ ازدواج میں بندھ رہے ہیں کہ وہ شادی کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کے ذریعے لطف اندوز ہو سکیں۔ تاہم یہ ایک افسوسناک امر ہے کہ آج کل بہت سے مسلمان ایسے ہیں جنہوں نے اس اہم پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے یا وہ ان اسلامی اخلاقیات سے بالکل بے بہرہ ہیں جو اس ضمن میں دی گئی ہیں۔ اگرچہ نو عمری اور جوانی کی حدود میں قدم رکھنے والے بچے ان امور کو جاننے میں دلچسپی رکھتے ہیں تاہم یہ معلومات انہیں کسی مستند ذریعے (جہاندیدہ بزرگ، والدین، اساتذہ) سے نہیں ملتیں کیونکہ ان موضوعات پر بات کرتے ہوئے انہیں جھجک محسوس ہوتی ہے۔ ان حالات میں نو جوان ایسے ذرائع سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو غیر مستند اور غلط معلومات بہم پہنچاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ فائدے کی بجائے نقصان کا سبب بن سکتی ہیں۔

عام مشاہدے کی بات ہے کہ تعلیم یافتہ مسلم نوجوان ان امور کے بارے میں بہت کم معلومات رکھتے ہیں۔ اگرچہ وہ اپنی سی کوشش کرتے ہیں کہ یہ معلومات انھیں مغربی ممالک کے جنسی لٹریچر، دوستوں یا انٹرنیٹ یا ٹی وی سے حاصل ہو جائیں لیکن ظاہر ہے کہ ان ممالک میں تمام ذرائع، اس موضوع پر، انھیں سنسنی خیز اور شہوت رانی کا سبق تو دے سکتے ہیں لیکن سلام میں زوجین کے درمیان صحیح تعلقات کے بارے میں مستند معلومات نہیں دے سکتے۔ دیگر مذہب کے برعکس، اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے انسانی زندگی کے اس اہم پرائیویٹ پہلو (جنسی تعلقات) کے بارے میں بھی تفصیلی ہدایات دی ہیں جو تمام انسانوں کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص راہ نمائی اور ہدایت کا باعث ہیں۔ مختلف احادیث کا مطالعہ کرتے ہوئے پیغمبر اسلام ﷺ کی ان حکیمانہ ہدایات کے بارے میں پڑھ کر ایک انسان حیران رہ جاتا ہے جو آپ ﷺ نے انسانی زندگی گزارنے کے لیے دیں، بالخصوص اس کی جنسی زندگی کے بارے میں۔ ان موضوعات کا تعلق مباشرت سے لے کر، ماہواری، غسل جنابت اور جنس حفظ (Orgasm) جیسے مختلف النوع پہلوؤں سے ہے۔ حضور ﷺ، اس قسم کے سوالات کا جواب دینے میں کسی قسم کی جھجک یا شرم و حیا کو روانہ سمجھتے تھے بلکہ اس امر کے لیے کوشاں رہتے تھے کہ جو مسلمان مرد یا عورت ان امور پر راہ نمائی کے لیے سوالات کرے، اسے صحیح ترین معلومات دے کر مطمئن کیا جائے۔ قرآن اور حدیث دونوں نے اس امر کی از حد کوشش کی ہے کہ انسانی زندگی میں جنسی تعلقات پر اس طرح عمل کیا جائے کہ میاں بیوی کا ازدواجی تعلق سکون و اطمینان، قربت اور رحمت و مودت کا ذریعہ بن جائے۔ اگرچہ ان موضوعات کا تعلق بظاہر بہت ناز و سادہ اور غیر اہم کیوں نہ دکھائی دے (جیسے پاکیزگی کے حصول کے لیے نہانا وغیرہ) لیکن یہ بالکل ملحوظ خاطر رہے کہ ان تمام موضوعات کا ایک مسلمان کی زندگی بالخصوص اس کی زندگی کے جنسی پہلو سے بہت گہرا تعلق ہے کیونکہ مباشرت، ماہواری/احتلام وغیرہ کے بعد اگر وہ پاکیزگی سے عمل نہیں کرتا اور وہ بھی اس خاص طریقے کے مطابق جس کی تفصیل بتائی گئی ہے تو وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں عبادات (نماز، تلاوت قرآن کریم) بجا نہیں لاسکتا۔

یہاں اس امر کو بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اسلامی تعلیمات اور ہدایات اس قدر

اور غیر جذباتی انداز میں بیان کی گئی ہیں کہ ان کی وجہ سے کسی قسم کی شہوت کے جذبات برائے حق نہیں ہو پاتے اور ان میں کسی قسم کی عریانی کا بھی کوئی پہلو نہیں ہوتا۔ مسلمان فقہانے مباشرت اور اس سے متعلقہ پہلوؤں پر بہت ہی مفید معلومات فراہم کی ہیں جن کا ذکر ذیل کے صفحات میں کیا جا رہا ہے۔

زوجین کے درمیان مباشرت کے لیے چند عمومی ہدایات (الف) مباشرت کیوں کی جائے؟

میاں بیوی کے درمیان اگر حدود کے اندر رہتے ہوئے مباشرت کی جائے تو اس کی وجہ سے ان کی زندگی میں ایک امنگ اور قوت و طاقت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے میاں بیوی لطف اندوز ہوتے ہیں، بھوک لگتی ہے اور یہ عمل رنج و غم کے جذبات کو دور کرنے کا سبب بنتا ہے۔ نیز یہ فعل زوجین کو خفقان اور پشیمانی کے جذبات سے بھی نجات دلانے کا سبب بنتا ہے۔ تجربہ کی زندگی میں جنسی تعلقات سے پرہیز کی وجہ سے مختلف بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ مباشرت سے انسان کی صحت بحال رہتی ہے۔ تاہم مباشرت میں زیادتی سے رعب، یا فالج ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کی دماغی صلاحیتیں بھی ماند پڑ جاتی ہیں اور اس کی نظر بھی متاثر ہو سکتی ہے۔ تاہم ایک شادی شدہ مسلمان کو عفت اور پرہیزگاری سے زندگی بسر کرنے کے نقطہ نظر سے حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ کسی شخص کی نگاہ اگر کسی خوبصورت عورت پر پڑے جس سے اس میں جنسی جذبات اور خواہش پیدا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی بیوی سے مباشرت کرے کیونکہ اس طرح کرنے سے اس کے اندر پیدا ہونے والی جنسی خواہش کی تسکین ہو جائے گی۔

(مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

اسلام نے میاں بیوی کے درمیان مباشرت کا تعلق نیکی اور عفت و پاکیزگی کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ مسلم فقہانے اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ معلومات فراہم کی ہیں۔ ایک حدیث کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”تمہاری زبان اور دل کو ہر وقت اللہ کی تعریف اور شکر ادا کرنا چاہیے، اور تمہیں ایک ایسی بیوی کا قرب حاصل ہونا چاہیے جو تمہاری آخرت کو سنوارنے میں تمہاری مددگار ہو“ (ابن ماجہ، ترمذی، مسند احمد)

اس حدیث کی رو سے اللہ کی یاد اور شکر کو ایک بیوی کے ہم پلہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک انسان ہر وقت جنسی خواہش کا شکار ہو سکتا ہے جو اُسے جادہ مستقیم سے دور کر سکتی ہے۔ سورہ النساء کی آیت نمبر ۲۸ میں ارشاد ہوا ہے کہ ”انسان کو فطری طور پر کمزور پیدا کیا گیا ہے“ امام غزالی رحمہ اللہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ کسی آدمی کو عورت کی جانب راغب ہونے (مباشرت کرنے) سے روکنا ممکن نہیں۔ مزید برآں، انسان میں جنسی خواہش اور جبلت اس قدر شدید ہوتی ہے کہ یہ جذبات اگر ایک دفعہ پیدا ہو جائیں تو انہیں کسی حکمت کی بات اور مذہبی تعلیم سے نہیں روکا جاسکتا۔ جنسی شہوت اس قدر طاقتور جذبہ ہے جو انسان کو اس دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی سے ہمکنار کر سکتا ہے، تاہم وہ شیطان کی اکساہٹ کے نتیجے میں اسے تباہ بھی کر سکتا ہے۔ شادی کی صورت میں ایک مسلمان مرد اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کے ذریعے ان جذبات پر قابو پا سکتا ہے اور یوں وہ شیطان کے دوسوں سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے جنید بغدادی رحمہ اللہ (ایک متقی بزرگ) کا ایک قول بھی نقل کیا ہے جو کہا کرتے تھے کہ ”میں اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت اس طریق پر کرنا چاہتا ہوں جس طرح مجھے بھوک کی وجہ سے کھانے کی احتیاج ہوتی ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ ایک بیوی موثر ذریعہ ہے دل کو خیالاتِ فاسدہ (جنسی خواہشات) سے پاک کرنے کا۔“ اس سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اگر کسی انسان کی جنسی شہوت کی تسکین جائز طریقے پر نہیں ہوتی تو پھر یہ چیز اللہ کا قرب حاصل کرنے کی راہ میں اس کے لیے ایک رکاوٹ بن جاتی ہے اور اُسے اللہ کی یاد سے بھی روک سکتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے انسان کی جنسی خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ایک اور پہلو کی جانب اشارہ کیا ہے کہ اس دنیا میں جنسی تسکین کی وجہ سے انسان کو آخرت میں اس کے حصول اور مستقل طور پر لذت یاب ہونے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کتاب کے بارہویں باب میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ جنت کے باسیوں کو نہ صرف ان کی بیویاں دی جائیں گی بلکہ حوریں بھی دی جائیں گی جن کے ساتھ وہ جنسی لذت سے بھی لطف اندوز ہو سکیں گے۔ پس اس دنیا میں جنسی لذت سے ایک مسلمان کو آخرت میں اس کے حصول کی تمنا پیدا ہوتی ہے اور یوں وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر مکمل طور پر کاربند رہتا ہے۔

(ب) مباشرت کب کی جائے؟

جب میاں بیوی دونوں یا ان میں سے کوئی ایک تھکاوٹ کا شکار ہو، مغموم ہو یا کسی ایک فریق پر مایوسی کی حالت طاری ہو تو انھیں مباشرت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اسی طرح ادویات کا استعمال کرنے کے بعد بھی اس فعل سے گریز کرنا چاہیے۔ مباشرت اس وقت کرنی چاہیے جب اس کی شدید خواہش ہو اور یہ کہ جنسی خواہش کسی ذاتی کوشش یا شہوانی خیالات اور عریاں تصاویر کے دیکھنے کی وجہ سے پیدا نہ کی گئی ہو۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہو کہ چند دن تک مباشرت نہ کرنے سے مادہ مذہبیہ کے زیادہ ہونے کی وجہ سے انسان کو اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہو۔

بہتر ہے کہ مباشرت کا فعل اس وقت سرانجام دیا جائے جب کہ کھانا ہضم ہو گیا ہو اور جب انسانی جسم کے تمام افعال اپنا نارمل فریضہ سرانجام دے رہے ہوں۔ سردی اور گرمی کی شدت کا بھی خیال رکھا جائے اور اس امر کا بھی کہ پیٹ بہت بھرا ہوا ہو یا معدہ بالکل خالی نہ ہو۔ ابن القیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) کے مطابق مباشرت کا بہترین وقت وہ ہے جبکہ رات کا ایک تہائی حصہ گزر چکا ہو۔ رات کے پہلے حصے میں مباشرت کی وجہ سے میاں بیوی کو رات بھر ناپاکی کی حالت میں گزارنی پڑتی ہے جو کہ پسندیدہ نہیں۔ تاہم اگر کوئی شخص رات کا کھانا جلد کھا لینے کا عادی ہو اور وہ اوائل شب مباشرت کے بعد نہانے کا بندوبست کر سکتا ہو تو پھر اس صورت میں وہ رات یا دن کے کسی وقت بھی مباشرت کر سکتا ہے۔ دن کے وقت اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کی اجازت ہے کیونکہ ایک حدیث کی رو سے حضور ﷺ نے سخ کے مقام پر دن کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خلوت کی تھی۔ (ابن کثیر)

اس امر کی سفارش کی گئی ہے کہ کسی مرد کو ایسی عورت کے ساتھ مباشرت نہیں کرنی چاہیے جو ایک سویل عرصے سے اس تجربے سے نہ گزری ہو اور نہ ہی کسی بیمار عورت سے مباشرت کرنی چاہیے اور نہ ہی کسی ایسی عورت سے جس کی شکل و صورت اسے پسند نہ ہو کیونکہ من پسند محبوبہ (بیوی) کے ساتھ ہم بستری کرنے سے ہی انسانی دل فرحت و انبساط حاصل کرتا ہے۔

قرآن کریم میں میاں بیوی کے تعلقات کو ایک بہت خوبصورت انداز میں مختصراً بیان کیا گیا ہے جسے ہمارے لیے مشعل راہ ہونا چاہیے (سورہ البقرہ ۲: ۱۸۷)

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ ”وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے۔“

اس آیت میں لفظ ”لباس“ کیوں استعمال کیا گیا ہے، ”اس کی حکمت تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ ہم تو صرف اس بارے میں خیال آرائی کر سکتے ہیں۔ لباس، جسم انسانی کے بہت قریب ہوتا ہے پس میاں بیوی کو بھی ایک دوسرے کے بہت قریب ہونا چاہیے۔ لباس، انسانی جسم کی بیرونی اثرات سے حفاظت کرتا ہے پس دونوں میاں بیوی کو بھی ہر قسم کے بیرونی جنسی حملوں سے بچنا چاہیے۔ لباس انسان کی خوبصورتی کے لیے پہنا جاتا ہے، اسی طرح میاں بیوی کو بھی ایک دوسرے کے لیے خوبصورتی کا سبب بننا چاہیے نہ کہ ایک دوسرے کو حقیر سمجھا جائے۔ لباس، ہمارے جسم کے ساتھ ہر وقت موجود رہتا ہے پس میاں بیوی کو بھی ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح وابستہ رہنا چاہیے۔“ (یوسف القرضاوی ۱۹۹۹)

میاں بیوی کے مابین، شادی ان مضبوط ترین تعلقات میں سے ہے جن کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے ساتھ سکون و اطمینان، خلوص و محبت کے ساتھ مستقلاً جائز طور پر لذت حاصل کرتے ہیں۔ بیوی، مرد کے لیے ایک ایسی پناہ گاہ کی حیثیت رکھتی ہے جہاں وہ اپنے خاوند کے لیے آرام و سکون اور حفاظت کا سامان بہم پہنچاتی ہے اس طرح کہ وہ گھرانہ اخلاص و محبت اور مودت و رحمت کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ ایک صحیح العقیدہ اور عملی طور پر اسلامی تعلیمات پر کاربند بیوی اس اعلیٰ معیار اور قدر کے معنی کو جانتی ہے اور اسے عملاً خوش دلی کے ساتھ معرض وجود میں لانے کے لیے کوشاں رہتی ہے۔

اسلام شادی کے ذریعے میاں بیوی کو یکساں عصمت و عفت کی زندگی بسر کرنے کے لیے تیار کرنا چاہتا ہے پس ایک بیوی کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی دیگر مصروفیات کا خیال یکے بغیر اپنے خاوند کی جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے ہمہ وقت تیار رہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر خاوند اپنی بیوی کو بلائے تو اسے اس کی تعمیل کرنی چاہیے اگرچہ وہ تنور پر روئیاں ہی کیوں نہ پکا رہی ہو!“

ایک بیوی فطری طور پر اپنے آپ کو خاوند کی نظروں میں خوبصورت بنانے کی خواہش مند ہوتی ہے۔ اس طرح وہ نہ صرف اپنی نسوانیت اور نسوانی جذبات کی تکمیل کرتی ہے بلکہ اپنے آپ

کو اپنے خاوند کی نظر میں بھی محبوب بنانا چاہتی ہے۔ تاہم ایک مسلمان عورت کے لیے یہ معاملہ اس سے بڑھ کر اہمیت کا حامل ہے کہ اپنے خاوند کی نظروں میں پسندیدگی کے ساتھ ساتھ وہ اس طریق پر اللہ کی خوشنودی بھی حاصل کرتی ہے جس نے اُسے ایک بیوی کی حیثیت دے کر اسے مذہبی طور پر پابند کیا اور جس کے بارے میں اُس سے بروز قیامت پوچھا جائے گا۔ پس وہ اپنے خاوند کو خوش کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتی۔ وہ اس کے سامنے خوبصورت انداز اختیار کرتی ہے، بہترین طریق پر محبت کے ساتھ گفتگو کرتی ہے اور ایک پسندیدہ ترین بیون ساتھی کا کردار ادا کرتی ہے۔ ایک حساس مسلمان عورت کو ہمیشہ اس امر کا استحضار رہتا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانے کے بعد، اس کا اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کو خوش کرنے کے لیے ہر ممکن طور پر کوشاں رہے تاکہ اس کا دل مسرت کے جذبات سے بھر جائے اور اس کے ساتھ شادی کرنے سے وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں خوشی محسوس کرے۔ اس کے ساتھ زندگی گزارنے سے نہ صرف شوہر لطف اندوز ہو بلکہ بطور بیون ساتھی اس کی خدمات اور کارکردگی کا معترف بھی!

شباب زفاف (پہلی رات) میں جنسی تعلقات:

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ مسلمان عورت اور مرد کے درمیان جنسی تعلقات صرف شادی کی صورت ہی میں جائز ہیں۔ اس لحاظ سے شادی کی پہلی رات (شب زفاف) میں صحت مند جنسی تعلقات کا کردار بہت اہمیت رکھتا ہے۔

ایک صحت مند جنسی تعلق کے اجزائے ترکیبی:

میاں بیوی کے درمیان جنسی تعلق مختلف اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ بحیثیت مجموعی، شادی کی پہلی رات میں مباشرت کی وجہ سے ایک ایسا قریبی تعلق قائم ہو جاتا ہے جس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ شادی شدہ زوجین ایک دوسرے کو اچھی طرح سے جان سکیں اور بہت زیادہ تبادلہ خیالات کے ذریعے ایک دوسرے سے آگاہ ہو سکیں۔ اس ضمن میں یہ بنانا ضروری ہے کہ اگرچہ سطور ذیل میں پیش کردہ معلومات بہت سے میڈیکل ذرائع اور اسلامی لٹریچر سے اخذ کردہ ہیں اور ان سطور میں درج معلومات کی کوئی حتمی نوعیت کی نہیں تاہم ان پر محبت، نرمی اور احتیاط کے ساتھ عمل

کرنے کے نتیجے میں اس امر کے غالب امکانات ہیں کہ پہلی مرتبہ مباشرت کرنے سے یہ عمل دونوں فریقوں کے لیے لذت بخش اور یادگار لمحات کی حقیقت اختیار کر سکتا ہے۔ اس امر کی جانب اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ اگرچہ مغربی ممالک اور امریکہ میں جنسی اعمال کو سرانجام دینے کے بارے میں بہت سائٹریچر پایا جاتا ہے تاہم اس کے علی الرغم وہاں اس کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں اور مغالطے بھی نو جوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ذہنوں میں پائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے شادی سے پہلے مشاورت (Pre-marital counseling)، جنسی تعلیم کا ایک بہت اہم حصہ بن گئی ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر اس کم علمی اور عدم آگہی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو ترقی پذیر ممالک بشمول مسلم ممالک کے نو جوان طبقے میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ جنسی عمل سے وہ کس طرح لذت یاب ہو سکتا ہے لیکن ایک معتد بہ تعداد ایسے نو جوان لوگوں کی بھی ہوتی ہے خصوصاً وہ نو جوان جن کی پہلی مرتبہ شادی ہو رہی ہو اور وہ اس وجہ سے نا تجربہ کاری کا شکار ہوں جو اس امر کا شعور نہیں رکھتے کہ وہ خود لذت یاب ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی کو بھی جنسی لذت سے بہرہ یاب کر سکیں۔ اس کی ایک بدترین حالت یہ بھی ہوتی ہے کہ بعض مردوں کو اس کا علم ہوتا ہے لیکن وہ اس کا خیال تک بھی نہیں کرتے کہ اپنی شریک حیات کو بھی اس عملی تجربے سے آگاہ کریں۔ تاہم اگر شادی کو کامیابی سے ہمکنار کرنا مقصود ہو تو یہ ایک بہت ضروری امر ہے جبکہ اکثر لوگ نہیں چاہتے کہ وہ مباشرت کے فعل کو اپنی بیوی کے لیے ایک مایوس کن بوجھ کی حیثیت سے پیش کریں تاہم خاوند کے لیے یہ ایک اسلامی ہدایت بھی ہے جسے پورا کرنا اس کا فریضہ ہے کہ اس کی شریک حیات بھی اس سے جنسی حظ حاصل کرے۔

اگرچہ مباشرت کرنے کا طریقہ، انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے اور اس لحاظ سے اس کی یہ جہلت ہے۔ تاہم اس بات کو اکثر اوقات نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ مباشرت کے عمل سے بہتر طور پر عہدہ برآ ہونے اور اس فطری خواہش کی تکمیل کا اصل مقصد میاں بیوی کے مابین جائز اور حلال طور پر محبت اور مودت کے جذبات کو فروغ دینا ہے تا کہ خاندان کے ادارے کو استحکام میسر آئے۔ اس طرح اس پہلو کے نظر انداز کیے جانے سے مباشرت کی وجہ سے وہ محبت، الفت اور مودت و رحمت جو میاں بیوی کے درمیان پیدا ہونی چاہیے، وہ حاصل نہیں

ہوتی اور قرآن کریم کا وہ تصور جو سورہ الروم (۲۹:۳۰) میں بیان ہوا ہے، حاصل نہیں ہو پاتا اگر مباشرت مناسب طریق پر سرانجام نہ پائے۔ چنانچہ اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾

”اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔“

اس آیت کی تشریح میں سید مودودی رقمطراز ہیں ”محبت کا مقصد یہ ہے کہ مرد اپنی فطرت کے تقاضے عورت کے پاس، اور عورت اپنی فطرت کی مانگ مرد کے پاس پائے، اور دونوں ایک دوسرے سے وابستہ ہو کر ہی سکون و اطمینان حاصل کریں، یہی وہ حکیمانہ تدبیر ہے جسے خالق نے ایک طرف انسانی نسل کے برقرار رہنے کا اور دوسری طرف انسانی تہذیب و تمدن کو وجود میں لانے کا ذریعہ بنایا ہے۔ سکون کی یہی طلب ہے جس نے انھیں مل کر گھر بنانے پر مجبور کیا۔ اسی کی بدولت خاندان اور قبیلے وجود میں آئے اور اسی کی بدولت انسان کی زندگی میں تمدن کا نشوونما ہوا۔ محبت سے مراد یہاں جنسی محبت (Sexual love) ہے جو مرد اور عورت کے اندر جذب و کشش کا ابتدائی محرک بنتی ہے اور پھر انھیں ایک دوسرے سے چسپاں کیے رکھتی ہے اور رحمت سے مراد وہ روحانی تعلق ہے جو ازدواجی زندگی میں بتدریج ابھرتا ہے، جس کی بدولت وہ ایک دوسرے کے خیر خواہ، ہمدرد و غم خوار اور شریک رنج و راحت بن جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے جب جنسی محبت پیچھے جا پڑتی ہے اور بڑھاپے میں یہ جیون ساتھی کچھ جوانی سے بھی بڑھ کر ایک دوسرے کے حق میں رحیم و شفیق ثابت ہوتے ہیں۔“

ایک مسلمان مرد کے لیے یہ کسی طور پر بھی مناسب نہیں کہ وہ مباشرت سے خود تو جنسی حظ حاصل کرے لیکن اپنی شریک حیات کے جنسی حظ کی خواہش اور ضرورت کو نظر انداز کر دے۔ ماہرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ایک مرد کی بنیادی نفسیاتی ضرورت اس کا احترام کرنا ہے جبکہ عورت (بیوی) کو محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ احترام اور محبت کے جذبات خود اختیاری ہوتے

ہیں اور یہ ٹھونسنے نہیں جاسکتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”مباشرت کا عمل ایک دوسرے کے لیے صدقہ (نیکی) ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استفسار کیا ”اے خدا کے فرستادہ پیغمبر ﷺ کیا جب ہم میں سے کوئی شخص اپنی جنسی احتیاج کو پورا کرتا ہے تو اسے ثواب ملے گا؟“ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ ”تم خیال نہیں کرتے کہ اگر وہ ناجائز طریق پر اپنی احتیاج کو پورا کرے تو کیا وہ گناہ کا مرتکب نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ جائز طریق پر عمل کرتا ہے تو اسے انعام سے نوازا جائے گا۔“ (مسلم)۔ یہ امر عورت (بیوی) کے لیے بھی اسی طرح باعث اجر و ثواب ہے۔ یہ حدیث اس امر کی تاکید کرتی ہے کہ اگر جنسی عمل (مباشرت) کو جانوروں کی سطح سے بلند ہو کر سر انجام دیا جائے تو اس میں نیکی/ صدقہ کا پہلو شامل ہے۔ وہ کون سی حکمت ہے جو مباشرت کو صدقہ (نیکی) میں تبدیل کرنے والی ہے اور جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر انعام عطا فرماتے ہیں؟ ہم جب اس امر پر غور کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اگر یہ عمل اس سوچ کے ساتھ سر انجام دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل سے خوشنودی باری تعالیٰ مقصود ہو کیونکہ اس عمل سے انسان اپنے جیون ساتھی کو بھی بے غرض محبت سے ہمکنار کرتا ہے بجائے اس کے کہ وہ مباشرت کو صرف جسمانی لذت کے حصول کا ایک سادہ ذریعہ بنا لے، تو یہ عمل اس صورت میں ایک نیکی ہے۔ ایسے شوہر جو اس امر کا خیال نہیں رکھتے، ان کی بیویاں کبھی بھی انھیں احترام نہیں دے سکتیں!

اس باب میں ہم اختصار کے ساتھ ایسی معلومات درج کریں گے جو نوجوان (لڑکوں/ لڑکیوں) کے لیے قبل از شادی مشورے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا تعلق شب زفاف پہلی مرتبہ مباشرت کرنے کے بارے میں اہم ترین معلومات سے ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر معاملات جن کا تعلق بھی جنسی افعال کے ذریعے رحمت و محبت کے حصول سے ہے جو کہ شادی کا ایک اہم ترین مقصد ہے۔ یہ ہماری سوچی سمجھی رائے ہے کہ شب زفاف میں میاں بیوی کے پہلی مرتبہ مباشرت کے دوران اخلاص اور کامیاب عمل کی بنا پر وہ محبت اور رحمت لازمی طور پر حاصل کی جاسکتی ہے جس کی وجہ سے شادی کا بندھن ہمیشہ رہنے والا اور پائیدار بن جاتا ہے۔ دونوں میاں بیوی کے درمیان کھل کر باہمی گفتگو اور بات چیت سے ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے، جس سے مستقبل میں پیش آمدہ بہت سے مسائل کو حل کرنے میں ایک مدد ملتی ہے۔ جب

دونوں جیون ساتھی محبت کے جذبات سے پُر اس روحانی تعلق (Mystic Union) کی وجہ سے ایک دوسرے سے جنسی حظ اٹھاتے ہیں اور یوں ان کی جسمانی، نفسیاتی اور جذباتی احتیاجات کی تسکین ہو جاتی ہے تو پھر ایک جان دو قالب کا منظر عملاً پیش آتا ہے۔ (عبداللہ یوسف علی ۱۹۷۹)

شب زفاف میں بیوی سے پہلی ملاقات:

یہ امر بہت اہمیت کا حامل ہے کہ شب زفاف میں مرد پہلی مرتبہ اپنی بیوی سے بہت احتیاط اور سمجھ بوجھ کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے کی حتی الامکان کوشش کرے۔ ایک مسلمان عورت گوشت پوست کا ایک ڈھیر نہیں ہوتی کہ جس کے کوئی جذبات و احساسات نہیں ہوتے اور نہ عورت کو محض مرد کے جنسی جذبات کی تسکین کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس وہ ایک ذی روح ہستی ہے، جو اللہ کریم کی نظر میں مرد سے کسی صورت میں کم تر نہیں۔ اُس کا دل بہت نرم و نازک ہوتا ہے اور کسی قسم کے سخت رویے سے اس کے دلی جذبات کو ٹھیس لگ سکتی ہے اور مرد، اگر خود غرضی کا مظاہر کرے گا تو اُس صورت میں وہ اپنی شریک حیات کی تسکین کا اہتمام نہیں کر پائے گا۔

(Muhammad Abdul Rauf, 1995; Hussain Khalid Al-Hussain, 1999)

خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنی پہلی ملاقات میں نرمی، محبت اور حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرے۔ اوائل شادی میں اور بالخصوص شادی کی پہلی رات، اسے بہت زیادہ نرمی اور محبت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اسے اپنی شریک حیات کے جذبات و احساسات کا خیال کرنا چاہیے اور جنسی لذت کے حصول میں ہر ممکن اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ بھی اس سے بھرپور طریق پر استفادہ کر سکے۔ انھی وجوہات کی بنا پر دور اول کے مسلمان اہل علم نے بہت سے ایسے پہلوؤں جیسے محبت سے کھیلنا، ہنسی مذاق اور وہ طریقے جس سے جنسی جذبات کو براہِ یختہ کیا جاسکے اور جنسی حظ کے حصول وغیرہ کے بارے میں تفصیلاً گفتگو کی ہے۔

اسلام کی جنسی اخلاقیات کے اصولوں اور طریقوں کے متعلق غالباً بہترین اختصار کے ساتھ امام غزالیؒ نے حضور ﷺ کی جانب یہ الفاظ منسوب کیے ہیں کہ ”تم میں سے کسی فرد کو

اپنی شریک حیات پر اس طرح نہیں جھپٹنا چاہیے جس طرح ایک نر جانور، اپنی مادہ پر اچانک چھلاگ لگا کر اس پر چڑھتا ہے۔ بہتر ہے کہ اُن کے درمیان محبت بھری پیغام رسانی ہو۔“ جب حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ ”اے اللہ کے پیغمبر ﷺ، وہ محبت کے پیغام رسان کون ہوتے ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”بوسہ بازی اور محبت سے بات چیت کرنا“! ایک اور حدیث میں کسی انسان کی تین کمزوریوں کے متعلق بتایا گیا ہے جس کے مطابق ”کسی فرد میں پائی جانے والی خصوصیات میں تین کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ کسی شخص سے ملاقات کی اور اس سے وہ تعارف بھی کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کا نام اور قبیلہ معلوم کرنے سے پہلے اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ کسی شخص کی فراخ دلانہ پیش کش کا مثبت جواب نہ دینا اور تیسرا یہ کہ اپنی بیوی سے ہم بستری کرنا اور کسی بات چیت اور اس کی دلجوئی کیے بغیر اس سے اپنی جنسی تسکین حاصل کر لینا جبکہ بیوی نے ابھی اپنے خاوند سے جنسی حظ حاصل نہ کیا ہو۔“ (Daylami)

اپنی بیوی سے پہلی مرتبہ علیحدگی میں ملاقات کے موقع پر بہت سے دیگر اہم امور سرانجام دینے بھی ضروری ہیں۔ چنانچہ اس سے ملاقات اور ہم بستری سے پہلے، اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھ کر برکت کے لیے اللہ کا نام لینا چاہیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی سی عورت سے شادی کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کی پیشانی کے بالوں کی ایک لٹ اپنے ہاتھ میں لے کر اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام لے لے اور اس سے برکتوں کی استدعا کرتے ہوئے یوں کہے ”اے اللہ میں اس عورت میں موجود خیر اور بھلائی کے لیے آپ سے دعا کرتا ہوں جو آپ نے اس میں پیدا فرمائی ہے اور میں اس برائی سے آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں جو اس میں ہے“ اور جو آپ نے اس میں پیدا کی ہے۔“ (ابوداؤد، بخاری)

یہ بھی مناسب ہے کہ دونوں میاں بیوی شادی کی پہلی رات میں دو رکعت نماز اکٹھے ادا کریں۔ خاوند کو اپنی بیوی کے ساتھ محبت اور گرمجوشی لیکن نرمی کے ساتھ ہاتھ ملانا چاہیے اس کا نام لیتے ہوئے یا کسی اور مختصر سے محبت کے نام کے ساتھ (Nick name) جو اس نے پہلے سے اس کے لیے ہی سوچ رکھا ہو۔ اس کے اہل خاندان کا حال چال معلوم کرے (اگرچہ وہ ان تمام کو پہلے سے ہی جانتا ہوتا ہے) اس کی تعلیمی و دیگر دلچسپیاں معلوم کرے، اس کے پسندیدہ

مشاغل، سہیلیوں، پسند اور ناپسند کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ شادی کی پہلی رات، چند گھنٹے لازمی طور پر اس امر کے لیے مخصوص کرنے چاہئیں کہ دونوں جیون ساتھی ایک دوسرے سے اچھی طرح سے متعارف ہو جائیں اور ان کے درمیان پایا جانے والا حجاب اور فطری شرم دور ہو سکے۔ اس دوران میں اپنی بیوی کو کچھ پینے کے لیے (دودھ/ شربت) اور کچھ پھل (تازہ یا خشک موسم کے لحاظ سے) دیئے جائیں تاکہ بے تکلف ماحول پیدا ہو جائے۔ اس امر کی نشان دہی ایک حدیث سے ہوتی ہے جو اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابی سکن نے روایت کی ہے کہ ”میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے بناؤ سنگھار کیا اور پھر انھیں دعوت دی کہ وہ آکر انھیں بغیر نقاب کے دیکھیں۔ حضور ﷺ تشریف لائے اور ان کے نزدیک تشریف فرما ہوئے اور دودھ کا ایک بڑا پیالہ بھی لائے جس میں سے آپ ﷺ نے دودھ نوش جان کیا۔ تب آپ ﷺ نے وہ پیالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیا لیکن انھوں نے شرم سے اپنا سر جھکا لیا۔ میں نے اپنی کہنی سے انھیں دباتے ہوئے کہا کہ ”حضور ﷺ کے دست مبارک سے لے لو“۔ انھوں نے وہ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور اس میں سے کچھ دودھ پیا۔ تب حضور ﷺ نے انھیں فرمایا کہ ”اپنی سہیلی کو بھی پینے دو“۔ اُس موقع پر میں نے عرض کیا کہ ”اے اللہ کے پیغمبر ﷺ بلکہ آپ ﷺ لے کر اس میں سے کچھ پئیں اور پھر مجھے اپنے دست مبارک سے پینے کے لیے عنایت فرمائیں۔“ حضور ﷺ نے پیالہ لے کر پیا اور پھر مجھے عنایت فرمایا۔ میں بیٹھ گئی اور پیالے کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا۔ تب میں نے اُسے گھمانا شروع کیا اور پھر اُسے اپنے ہونٹوں سے لگایا کہ شاید کہ اس طرح اس جگہ کو چھو بسکوں جس جگہ سے حضور ﷺ نے پیالے سے پیا تھا۔“ (مسند احمد)

ابتدائی جنسی چھیڑ چھاڑ:

عام طور پر شادی کی پہلی رات کو بیوی کو محبت کی نشانی اور پہلی مرتبہ اس کا چہرہ دیکھنے کی بنا پر کوئی تحفہ بھی دیا جاتا ہے مثلاً: انگٹھی یا گھڑی وغیرہ۔ جب آپ اپنی بیوی سے کسی قدر بے تکلف ہو کر مزید چھیڑ چھاڑ/ ہنسی مذاق کے لیے تیار ہو جائیں تو بہتر ہے کہ دونوں جیون ساتھی بہت حد تک سکون اور اطمینان سے ہوں۔ شاید اس وقت تک آپ اپنی ذہنی طور پر ایک دوسرے کے قریب

آگئے ہوں گے لیکن بہتر ہے کہ ان لمحات کو مزید طویل کیا جائے اور گفتگو کو مختلف موضوعات سے آگے تک بڑھایا جائے (کہ یہ لمحات زندگی میں دوبارہ لوٹ کر نہیں آ سکتے!)۔ اسی طریق پر ایک دو گھنٹے کی گفتگو اور کبھی کبھار غیر جنسی انداز میں جسم کے کسی حصے کو محبت کے ساتھ چھونے مثلاً اس کے ہاتھوں یا انگلیوں کو ہلکا سا دبانا، نرمی سے پشت پر ہاتھ پھیرنا، یہ چند ایسے طریقے ہیں جن کے ذریعے حجاب اور گھبراہٹ کو کسی حد تک کم کیا جاسکتا ہے تاکہ جنسی طور پر زیادہ قریب ہوا جاسکے۔ سلف میں اہل علم نے شادی کی پہلی رات کو ابتدائی چھیڑ چھاڑ مثلاً بغل گیر ہونا، گدگدانا، بوسہ لینا، محبت کے الفاظ بولنا وغیرہ کی اہمیت پر زور دیا ہے تاکہ بیوی میں اندرونی جنسی جذبات کو ابھارا جاسکے تاکہ اس کے نتیجے میں کامیاب جنسی ملاپ کے عمل کو آگے بڑھایا جاسکے۔

(Sheikh Muhammad Nasir-ud-Din Albani, 1999)

الفت و محبت کے اس نرم رویے کے بعد، آپ بیوی کے پستانوں پر بھی کپڑوں کے اوپر سے ہاتھ پھیر سکتے ہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”جنسی عمل کا آغاز محبت کے الفاظ اور بوسہ لینے سے ہونا چاہیے۔ بوسہ نہ صرف گالوں، ہونٹوں کا لیا جائے بلکہ اس کے بعد پستان اور ان کی بھنٹی پر بھی پیار کرنا چاہیے بلکہ جسم کے دیگر اعضاء کو بھی بوسہ بازی سے محروم نہیں کرنا چاہیے۔ بہت سے مردوں کو شاید بتانے کی ضرورت نہیں لیکن ان امور کو نظر انداز کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس انداز اور فطرت کی نفی کر رہے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے عورت کی بنیاد رکھی ہے یعنی پیار اور محبت۔

پہلی رات میں جنسی انداز کی چھیڑ چھاڑ یا مباشرت کے بارے میں کوئی اصول وضع نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم اس بارے میں اصل بات یہ ہے کہ دونوں جیون ساتھی بغیر بات چیت کیے باہمی رضا مندی سے کسی دلکش اور مسرت افزا مرحلے تک پہنچیں۔ میاں بیوی دونوں کے لیے جو بات خوش گوار اور اطمینان بخش ہو وہی ان کے لیے صحیح اور مناسب ہے اور جو بات انھیں پسند نہ آئے، وہ غلط ہے۔

اس مرحلے کو پہنچنے تک دونوں جیون ساتھی ایک دوسرے کے قرب اور رابطے کی وجہ سے اب بہت حد تک جنسی طور پر بیدار اور تیار ہو جاتے ہیں اور اب وہ اس نکتے پر پہنچ چکے ہوتے ہیں

جب کہ اس سے اگلے مرحلے کو شروع کیا جاسکے۔ لیکن اس مرحلے پر بھی کسی جلد بازی کی یا ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب دونوں میاں بیوی جنسی طور پر براہِ یختہ ہو جائیں تو آپ محسوس کریں گے کہ جسمانی اور جذباتی طور پر جنسی عمل کے مختلف مراحل فطری طور پر واقع ہوتے چلے جائیں گے اس طرح کہ آپ نے کبھی ان کا تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ مباشرت سے جنسی حظ کے حصول کا اولین قدم یہ ہے کہ تمام مراحل فطری طور پر واقع ہوں اور فطری طور پر ہی انھیں آئے بڑھانا چاہیے اور اس کی کتنی اس حقیقت میں پوشیدہ ہے کہ آپ جنسی حظ کے ہر مرحلے پر اپنی بیوی کے ساتھ بات چیت کے ذریعے مسلسل رابطے میں رہیں۔

جیسا کہ اشارہ کیا گیا کہ جنسی امور کے بارے میں نوجوانوں میں بہت سے مغالطے اور غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں بالخصوص جوان لڑکیاں اُن ذمہ داریوں سے بالکل آگاہ نہیں ہوتیں جو کہ بطور بیوی اُن پر عائد ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے خاوند پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ان معاملات پر بتدریج بات چیت کرے اور ایسے طریقے سے کہ یہ امور اس کو آسانی سے سمجھ آسکیں۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ہم ایک ایسی بات کہہ رہے ہیں جو بہت پرانے زمانے میں تو شاید درست سمجھی جاتی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں دونوں میں ایسے مشاہدات دیکھنے میں آتے ہیں کہ آج کل کے جنسی معاملات سے آگہی کے دور میں بھی دونوں حیوانِ ساتھی اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ نہیں ہوتے۔

اگرچہ اس وقت تک بیوی میں جنسی بیداری پیدا ہوگئی ہوگی لیکن صرف جسمانی طور پر جنسی بیداری کا پیدا ہونا عورت کے لیے کافی نہیں اور نہ ہی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ مباشرت کے لیے بھی تیار ہے۔ اس کا ردِ عمل زبانی (اگرچہ دلی آواز میں ہی) اور جذباتی طور پر آپ کو آگاہ کرے گا کہ اب وہ مزید قرب کی خواہش مند ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر آپ کو تنہا آنے کے بڑھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ دونوں اگلے مرحلے میں ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے لیکن اس امر کو ملحوظ رکھیں کہ بیوی کو ہر وقت عزت نفس اور محبت کا بھرپور حساس دیا جائے کیونکہ اس موقع پر وہ جو قیمتی متاع آپ کی نذر کر رہی ہے (عصمت و کنوار پن) کہ اپنی عمر کے کئی برسوں تک اُس نے جس کی حفاظت کی ہے۔ اس امر کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ ایک

کنواری لڑکی کے لیے اس کی عصمت اور کنوار پن کی کیا اہمیت ہے۔ اس موقع پر وہ کس قسم کے شدید ذہنی و نفسیاتی جذبات سے دو چار ہو رہی ہوتی ہے جو ایک معصوم لڑکی کو شادی شدہ ہونے کی وجہ سے پیش آتے ہیں کیونکہ وہ اپنی جوانی کے اوائل میں کسی قسم کے جنسی اعمال میں ملوث ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی جیسا کہ اس کے والدین اور معاشرے نے اُسے بجا طور پر سکھایا تھا۔

لڑکی کے کنوار پن کے بارے میں ہمارا بہت زیادہ اصرار اور آپ کو اس کے بارے میں شعوری طور پر آگاہ کرنا، جبکہ آپ مباشرت کے عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کسی حد تک جلدی کرنا چاہتے ہوں، ایک بہت ہی سنجیدہ اور اہم معاملہ ہے جو آپ دونوں کی مستقبل کی زندگی کی کامیابی کے لیے بہت سے مضمرات اور دوز اثرات کا حامل ہے۔ خاوند کے اس مرحلے کو آسانی اور عقلمندی کے ساتھ طے کرنے میں کامیاب ہونے کی صورت میں روحانی اور جنسی تعلقات کے آغاز کے لیے ایک مناسب سٹیج کا افتتاح ہو جاتا ہے، نہ صرف شادی کی پہلی رات کے لیے بلکہ زندگی کے آنے والے ادوار کے لیے بھی!

خاوند کو اس امر کا جائزہ لینے کی بھی کوشش کرنی چاہیے کہ اُس کی بیوی اپنے جسمانی حسن کے بارے میں کیا خیالات رکھتی ہے؟ اور کیا میاں بیوی کے درمیان جنسی تعلقات کے متعلق کسی قسم کے ذہنی تحفظات تو نہیں؟ لڑکیوں کی پرورش اس طریق پر ہوئی ہوتی ہے کہ وہ اپنے جسمانی حسن کے بارے میں بہت زیادہ حساس اور کسی حد تک شرم و حیا کے جذبات سے مغلوب ہوتی ہیں۔ تاہم بیشتر لڑکیوں کے اس قسم کے جذبات و خیالات نہیں ہوتے، وہ اس موقع پر بہت زیادہ گھبرائی ہوئی ہوتی ہیں جبکہ جنسی مباشرت کے لیے ان کے جسم کے مختلف حصوں کو گدگدایا جا رہا ہو۔ اپنی بیوی کے جسمانی حسن کی تعریف کرنا بالخصوص جبکہ آپ نے اُسے پہلی بار دیکھا ہو، ایک بہترین طریقہ ہے۔ چونکہ ہمارے معاشرے میں لازماً اس امر کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے کہ لڑکیاں اپنے جسم کو عریاں کریں بالخصوص شادی کی پہلی رات کو اور ایسے وقت میں وہ اپنے خاوند کے سامنے جسم کے تمام حصوں کو کھولنے کی وجہ سے سخت پریشانی اور گھبراہٹ میں مبتلا ہوتی ہیں۔ کچھ لڑکیاں بہت زیادہ اضطراب کی حالت میں مبتلا ہوتی ہیں اور جسمانی طور پر بہت زیادہ تھک (Tight) کی حالت میں ہوتی ہیں جس وجہ سے مباشرت کے عمل میں کافی تکلیف اور وقت

محسوس ہوتی ہے۔ بہت سی لڑکیاں اپنے کنوار پن اور عصمت کے خاتمہ کے بارے میں کس حد تک حساس ہوتی ہیں اس امر کا انحصار اس بات پر ہے کہ ان کی تربیت کس انداز اور منہج پر ہوئی ہے۔؟ خاوند کو یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ اُس کی بیوی اپنے کنوار پن کے کھوئے جانے پر بہت زیادہ پریشان اور مضطرب نہ ہو چنانچہ اس کے لیے بیوی کو یہ باور کرایا جائے کہ خاوند اس کی حالت اور سوچ کے بارے میں بہت حد تک اس کا ہمنوا ہے اور اس جذبے کی قدر کرتا ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ اس عمل میں شرکت کر رہی ہے۔

ایک روایت کے مطابق کسی نے پوچھا کہ ”اے اللہ کے پیغمبر ﷺ، ہمارا کس حد تک عریں ہونا جائز ہے جس کا خیال کرنا ضروری ہے؟“ حضور ﷺ نے جواب دیا ”اپنے جسم کی عریں کا خیال کرو سوائے اپنی بیوی یا لونڈی کے“ (پس دونوں میاں بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ ایک دوسرے کے جسم کے تمام حصوں بشمول جنسی اعضاء کو دیکھ اور ہاتھ سے چھولیں لیکن ضروری نہیں کہ شادی کی پہلی رات کو ہی ایسا ہو)۔ فقہاء کا قول ہے کہ اپنی بیوی کے جنسی اعضاء کی حفاظت اور تعریف کرنی چاہیے۔ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ ایک مسلمان خاوند کے لیے یہ بات اہم ہے کہ وہ اپنی بیوی کی جنسی خواہشات کی تسکین کا سامان کرے تاکہ وہ زنا کی طرف مائل نہ ہو سکے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے جس کے مطابق ”کسی مرد کو اپنی بیوی یا لونڈی سے مباشرت کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے الا یہ کہ بات چیت کے ذریعے اُس کو مانوس کرے ورنہ آدمی تو مباشرت سے لذت حاصل کر لے گا لیکن عورت جنسی حظ سے محروم رہ جائے گی۔

اس لیے ضروری ہے کہ مباشرت سے پہلے بیوی کے ساتھ چٹ کر اسے پیار کیا جائے اور بوسے لیے جائیں۔ ایک مرسل حدیث کے مطابق جس کی روایت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ہے کہ حضور ﷺ کے بارے میں بتایا گیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اپنی بیوی سے اُس وقت تک مباشرت نہ کرو جب تک کہ وہ بھی شہوت کے اس درجہ کو حاصل نہ کر لے جیسا کہ تمہارے اندر ہوتی ہے مبادا تم اس سے پہلے انزال کر جاؤ۔“ اس پر کسی نے پوچھا کہ ”کیا یہ اُس

کے لیے ضروری ہے؟“ حضور ﷺ نے جواب دیا ”ہاں، تمہیں چاہیے کہ اس کا بوسہ لو (تَقَبَّلْهَا)، اس کی طرف جذبہ شہوت کے ساتھ دیکھو (تَعَمَّدْهَا) اور اس کے ساتھ شہوانی جذبات کو براہِ غیبت کرنے والی بات کرو (تَلَمَّزْهَا) اور جب تمہیں محسوس ہو کہ وہ بھی اس حد تک تیار ہو گئی ہے جتنے کہ تم خود تو پھر اس کے ساتھ مباشرت کرو۔“ (ابن قدامہ رحمہ اللہ)۔ اس تمام کے باوجود بھی اگر خاوند کا انزال جلد ہو جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی سے جدا نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ اسی حالت میں لیٹا رہے اور اس کے جسم کو محبت سے سہلاتا اور بوسے لیتا رہے حتیٰ کہ کچھ دیر بعد خاوند دوبارہ مباشرت کرنے کے قابل ہو جائے اور وہ اپنی بیوی کو جنسی حظ سے سرشار کر سکے۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ بعض عورتیں اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتیں جب تک کہ وہ اپنے خاوندوں کے ساتھ بیک وقت ہی جنسی حظ سے ہم کنار نہ ہوں۔ یہ امر بھی پایہ شہوت کو پہنچ چکا ہے کہ اگر یہ حالت (عورت کے غیر مطمئن ہونے اور جنسی نا آسودگی کی) لمبے عرصے تک برقرار رہتی ہے تو عورت پر اس کے بہت برے نفسیاتی اور جذباتی اثرات پڑ سکتے ہیں۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ ابتدائی جنسی چھیڑ چھاڑ میں، عورت کے جنسی اعضاء کے ان غدودوں سے رطوبت کا اخراج ہوتا ہے جو جنسی اعضاء کے اندر واقع ہوتے ہیں۔ اگر جنسی چھیڑ چھاڑ اور مباشرت سے پہلے گفتگو پر عمل پیرا نہیں ہوا جاتا تو ان غدودوں سے رطوبت کا اخراج نہیں ہوتا یا اس قدر کم ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے دخول (مردانہ جنسی عضو کا مباشرت کے وقت ویجاہ میں داخل کرنا) بہت زیادہ تکلیف دہ ہو جاتا ہے اور بیوی کو لذت بھی حاصل نہیں ہوتی۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ میاں بیوی کے درمیان کوئی امر مانع حجاب نہیں ہوتا اور وہ ایک دوسرے کے سامنے کپڑے بھی اتار سکتے ہیں۔ تاہم اسلام، مسلمانوں سے اس امر کا خواہاں ہے کہ وہ حیا کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”حیا ایمان کا حصہ ہے“ پس کسی شخص کو غیر ضروری طور پر بالکل عریاں نہیں ہونا چاہیے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے سامنے کپڑے اتار سکتے ہیں تاکہ وہ مباشرت کے وقت جنسی حظ سے لطف اندوز ہو سکیں۔ لیکن اُس کے بعد انھیں اپنا جسم ڈھانپ لینا چاہیے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے

ساتھ اکٹھے نہا بھی سکتے ہیں۔

اس ضمن میں رضوی (۱۹۹۴) رقمطراز ہیں کہ ”امام صاحبان (امام باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ) اس بیوی کی تعریف کرتے ہیں جو اپنے شوہر کے ساتھ (مباشرت کے وقت) شرم و حیا کو چھوڑ دے۔ حضرت علیؑ سے منسوب ایک روایت میں آتا ہے کہ ”ایک عورت کو دس میں سے ۹ درجے جنسی شہوت دی گئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسے دس میں ۹ حصے شرم و حیا کے بھی دیئے ہیں۔ اس میں بظاہر ایک تعارض نظر آتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ عورتوں کو شرم و حیا اور شہوانی جذبات کا اظہار کرنا چاہیے۔ ہاں اظہار کرنا چاہیے جب کہ ایک عورت اپنے خاوند کے ساتھ ہو لیکن اپنے شہوانی جذبات کو شرم و حیا سے ڈھانپ لینا چاہیے جب دوسرے لوگ اس کے پاس ہوں۔“ اس امر کو امام محمد باقرؑ نے مزید واضح کیا جب آپ نے فرمایا کہ ”تم میں سے بہترین عورت وہ ہے جو اپنے شرم و حیا کے لباس کو اتار کر رکھ دے جب وہ اپنے خاوند کے سامنے کپڑے اتار رہی ہو اور اُسے شرم و حیا کا لبادہ اوڑھ لینا چاہیے جب وہ دوبارہ کپڑے پہن رہی ہو“ (وصایا، جلد ۱۴: ۱۵ تا ۱۶)..... بہر حال شرم و حیا اور پاکبازی کے ساتھ زندگی گزارنا ایک مسلمان خاتون کا شیوہ خاص ہے!

ان اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ میاں بیوی کو مکمل طور پر ہر قسم کی شرم و حیا اور ذہنی دباؤ سے آزاد ہونا چاہیے جب وہ باہمی محبت اور جنسی جذبات کو براہیختہ کرنے میں مصروف ہوں جسے ہم نے ابتدائی جنسی چھیڑ چھاڑ کا عمل کہا ہے۔ اس میں اسلامی نقطہ نظر سے قطعاً کوئی حرج نہیں کہ کوئی عورت اپنے خاوند کے ساتھ مباشرت کے وقت جذباتی انداز میں حصہ لے۔ آج کل شوہر ایسی بیویوں کو پسند نہیں کرتے جو جوش و جذبے کے ساتھ بستر میں اُن کے ساتھ شریک نہ ہوں بلکہ وہ ایسی بیویوں کو زیادہ چاہتے ہیں جو جنسی افعال میں برابر کی شریک ہوں بلکہ بعض اوقات وہ اپنی بیویوں کو ایک ایسی محبوبہ کی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں جو جنسی معاملات میں پہل کر سکے۔ کم از کم وہ اپنی بیویوں میں جنسی تلذذ کے لیے زیادہ تندی اور دلچسپی سے حصہ لینے والی شریک حیات کو پسند کرتے ہیں جو بغیر کسی جھجک یا رکاوٹ یا گناہ کے تصور کے اُن کے ساتھ مباشرت کے عمل میں شریک ہو سکے۔

حضور ﷺ نے میاں بیوی کے درمیان مباشرت سے قبل جنسی طور پر براہیختہ کرنے کے لیے چند اعمال کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ ایک حدیث کی رو سے آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ مناسب نہیں ہے کہ تم اپنی بیوی پر ایک جانور کی طرح ٹوٹ پڑو بلکہ یہ ضروری ہے کہ مباشرت سے پہلے تم اُسے محبت کا پیغام بھیجو“ عورت اور مرد دونوں میں فزیالوجیکل اور جذباتی جنسی خواہشات ہوتی ہیں۔ ان جنسی خواہشات کو پیار و محبت، بوسہ لینے، پستانوں اور اُن کی بھٹنی کو چومنے، کان کی لوؤں کو چومنے سے بڑھایا جاسکتا ہے۔ اس طرح جنسی اعضاء بالخصوص پیشاب گاہ کے بیرونی لب اور بالآخر اندام نہانی (Clitoris) کو بھی انگلی سے آہستہ آہستہ سہلانا بہت ضروری ہے جس سے جلد ہی جنسی جذبات اپنے عروج کو پہنچ جاتے ہیں اور عورت مباشرت کے لیے تیار ہو جاتی ہے!

پہلی رات کو خاوند بالخصوص، اس بات کے خواہاں ہوتے ہیں کہ وہ مباشرت کر لیں لیکن مباشرت کے عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچانے سے پہلے ضروری ہے کہ باہمی چھیڑ چھاڑ/ہنسی مذاق کے درج ذیل طریقوں پر عمل کیا جائے:

- « بوسہ لینا، محبت سے بغل گیر ہونا اور جسم کو گدگدانا
- « ہاتھوں سے جسم کے مختلف حصوں کو چھونا، سہلانا، مالش کرنا
- « شہوت انگیز گفتگو کرنا

مباشرت کے عمل میں بوسہ بازی اور بغل گیر ہونا بہت ضروری ہے۔ ان کی وجہ سے فریقین میں قربت، یگانگت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو دیگر بہت سے جنسی معاملات سے مختلف ہوتے ہیں۔ عام طور پر عورتیں یہ شکایت کرتی ہیں کہ مرد لوگ جسمانی محبت (بوسہ بازی، بغل گیر ہونا وغیرہ) کا بہت زیادہ اظہار نہیں کرتے۔

بالعموم مباشرت سے قبل چھیڑ چھاڑ/جنسی اشتعال انگیزی کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ مرد کچھ ایسے افعال/اعمال کرے جس سے عورت مباشرت کرنے کے لیے ذہنی اور جسمانی و جذباتی طور پر تیار ہو جائے۔ ایک دفعہ اگر آپ اس قسم کے افعال کو مباشرت کا ایک اہم حصہ سمجھ لیتے ہیں تو

پھر فریقین کو اس بات کا تجربہ بھی ہو جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مختلف اقدامات کر سکتے ہیں جس سے دونوں کو لذت اندوز ہونے کا موقع ملتا ہے۔ حضور ﷺ ایک بہت محبت کرنے والے شوہر کے طور پر مشہور ہیں جو اپنی بیویوں کی تمام تر جسمانی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ بہت سی احادیث میں آپ ﷺ نے مباشرت سے قبل پیار و محبت کے مختلف طریقوں اور گفتگو کی اہمیت و ضرورت کا اظہار فرمایا ہے!

اس بات کا جاننا بہت ضروری ہے کہ اسلام مباشرت سے قبل چند اعمال پر زور دیتا ہے (رضوی ۱۹۹۴)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ”جب تم اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کا ارادہ کرو تو جلد بازی سے کام مت لو کیونکہ عورتوں کی بھی ضروریات (جنسی طور پر براہیختہ کرنا) ہوتی ہیں جنہیں پورا کرنا ضروری ہوتا ہے (وصایا، جلد ۱۳: ۴۰)۔ مباشرت، چند دوسرے افعال کو سر انجام دیے بغیر ایک ظلم ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”تین قسم کے آدمی ظالم ہوتے ہیں۔ ایک ایسا شخص جو اپنی بیوی سے بغیر اس کو تیار کیے مباشرت کرے (وصایا: ۱۴: ۴۰)۔ ایک دوسری حدیث میں عورت سے چھیڑ چھاڑ کیے بغیر مباشرت کرنے کو جانوروں کے ملاپ کرنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔“ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے لگے تو اسے پرندوں کی طرح نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بتدریج اور آہستہ آہستہ اقدامات کرے۔ (وصایا: ۱۴: ۸۲)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ قول منقول ہے کہ ”میاں بیوی کے درمیان باہمی محبت کا کھیل ہونا چاہیے کیونکہ اس طرح جنسی لذت کا حصول بہتر طور پر ہوتا ہے۔“ (وصایا ۸۲: ۱۴) حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”ایک مسلمان کے لیے تین کے سوا کھیل کود کے تمام اشغال فضول ہیں۔ جن میں گھوڑ سواری، اور بیوی کے ساتھ مباشرت سے قبل محبت سے چھیڑ چھاڑ کرنا ہے جو کہ حق ہیں۔“ (وصایا: ۱۴: ۸۳)۔ رضوی مزید رقمطراز ہیں کہ ”تمام مجتہدین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مباشرت سے قبل میاں بیوی کا ایک دوسرے کو چھیڑ چھاڑ کے ذریعے جنسی طور پر براہیختہ کرنا مستحب ہے۔ اسی طرح اس امر کی بھی تلقین کی گئی ہے کہ مباشرت میں غلبت سے کام نہ لیا جائے۔ اصل بات باہمی لذت اور اطمینان کا حصول ہے۔

اگرچہ شادی کی پہلی رات دونوں جیون ساتھی کسی حد تک مضطرب اور گھبراہٹ میں مبتلا ہوتے ہیں تاہم دونوں کو اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دینا (Relaxed) چاہیے کیونکہ جب جسم سکون کی حالت میں ہوتا ہے تو تمام جسمانی عضلات بھی ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ سانس کی رفتار میں بھی کمی آ جاتی ہے جو گھبراہٹ کے عالم میں اکثر تیز ہو جاتی ہے۔ اس طرح دونوں فریق جلد ہی جنسی طور پر بیدار ہو جاتے ہیں اور جنسی جذبات کے براہیختہ ہونے کی صورت میں مرد کے عضو تناسل اور عورت کی پیشاب گاہ (Vulva) سے رطوبتوں کا اخراج شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح دھڑ کے نچلے حصے (Pelvic region) کے تمام عضلات بھی ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور چھوٹنے پر ذکی الحس (Sensitive) ہو جاتے ہیں۔ اس عالم میں بیوی بھی جنسی طور پر اس قدر براہیختہ ہو جاتی ہے جس قدر خاوند ہوتا ہے۔ اگرچہ اسے اس حالت تک پہنچنے میں کسی قدر تاخیر ہوتی ہے۔ اس لیے پیار محبت، بوسہ بازی اور جسم کے مختلف حصوں (پستانوں پر ہاتھ پھیرنا) کو سہلانا نہایت ضروری ہے تاکہ وہ بھی خاوند کی طرح مباشرت کے لیے تیار ہو جائے۔ ایک خاوند کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کو پیار محبت کے رویہ سے اس امر کا اطمینان دلائے کہ وہ اس کو بہت چاہتا ہے۔ یہ کام محبت بھرے بولوں سے بھی کیا جاسکتا ہے (بلکہ بار بار تکرار سے)، اس کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھنے اور اس کے جسم کو سہلانے/چھونے/دبانے کے ذریعے سے بھی اس کو ذہنی طور پر مباشرت کے لیے تیار کیا جاسکتا ہے۔ (۱۹۹۹ Ruqqaiyyah Waris) اس امر کا اندازہ درج بالا سطور میں ایک حدیث کی روایت سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ انسان کی نظر (آنکھوں سے دیکھنا) بھی اس کے اندرونی جذبات اور دل و جان سے محبت کرنے کی غمازی کرتی ہے۔ یقیناً ایک محبوب کی محبت بھری نگاہ ایک محبوبہ بیوی کے لیے بہت بڑا تحفہ اور خراج تحسین ہوتی ہے۔ بہت سی عورتیں اپنے خاوندوں کی پر از محبت نگاہ کو شادی کے بعد برسوں ترستی رہتی ہیں، اگر آپ اپنی بیوی کو محبت سے دیکھنے کے عادی نہیں تو آپ کی اس عادت کو وہ آپ کے عدم محبت کے طرز عمل پر محمول کر سکتی ہے اگرچہ آپ کے لیے یہ ایک پریشانی اور غصہ دلانے والی بات ہو، تاہم یہ ایک امر واقعہ ہے کہ

جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو یہ بتاتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ ٹوٹ کر محبت کرتا ہے تو بیوی اس کی اس بات سے بہت ہی متاثر ہوتی ہے۔
جنسی بیداری پیدا کرنے کے طریقے:

قبل از مباشرت عورتوں میں جنسی بیداری پیدا کرنے کے طریقوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ محبت سے بات چیت کرنے (ملاعت)، محبت سے سہلانے/جسم پر ہاتھ پھیرنے یعنی ملائفت (Carass) اور بوسے لینے (تقبیل Kissing) پر مشتمل ہوتے ہیں اور یہ کہ خاوند کو اپنی سی کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی بیوی ان تمام امور سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہو سکے۔

جہاں تک قبل از مباشرت زوجین کا مختلف باہمی جنسی افعال میں شرکت کا تعلق ہے تاکہ وہ دونوں جنسی طور پر براہِ یغینتہ ہو جائیں تو شریعت نے میاں بیوی دونوں کو اس امر کی اجازت دی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے جسم کو دیکھیں، بوسہ لیں، چھوئیں، سونگھیں اور ایک دوسرے کے جسم کے مختلف حصوں پر محبت سے ہاتھ پھیریں/سہلائیں۔ پس مسلمان اہل علم نے مغرب میں پائے جانے والے زبان کے ساتھ جنسی لذت کے حصول (Oral sex) کی اجازت دی ہے (یوسف انقراضاوی ۱۹۹۹ء)۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک دفعہ کسی نے پوچھا ”کیا کوئی شخص اپنی بیوی کی شرمگاہ کا بوسہ لے سکتا ہے؟“ امام نے جواب دیا: ”اس میں کوئی حرج نہیں“ (وصایا ۱۴: ۷)۔

بتول رضوی (۱۹۹۴) ”اس میں جو احتیاط لازم ہے وہ صرف اس حد تک کہ عورت کی شرمگاہ میں کوئی بیرونی چیز داخل نہ کی جائے“ رضوی مزید رقمطراز ہیں کہ ”کسی بیرونی چیز کی عورت کی شرمگاہ میں داخل کرنے کی جو پابندی میں لگا رہا ہوں، وہ ایک حدیث کے مطابق ہے۔ عبید اللہ رضی اللہ عنہ بن نرارہ نے کہا کہ اس کا ایک ہمسایہ بوڑھا آدمی تھا جس کی ایک نوجوان لونڈی تھی۔ چونکہ وہ بوڑھا تھا اس لیے مباشرت کی وجہ سے وہ اس نوجوان لونڈی کی جنسی تسکین نہیں کر سکتا تھا۔ اس پر وہ لونڈی اسے کہا کرتی تھی کہ وہ اپنی انگلیاں اس کی شرمگاہ میں داخل کر دیا کرے۔ اس طرح اُسے لذت حاصل ہو جاتی تھی۔ بوڑھا آدمی اس کی خواہش کے پیش نظر ایسا کر دیا کرتا تھا اگرچہ وہ ذاتی طور پر اس عمل سے اتفاق نہیں کرتا تھا۔ پس اس نے عبید اللہ سے درخواست کی کہ وہ امام علی رضا علیہ السلام سے اس کے بارے میں استفسار کرے۔ جب عبید اللہ نے امام سے پوچھا تو امام

نے جواب دیا ”اس میں کوئی مضائقہ نہیں جب تک کہ وہ اپنے جسم کا کوئی حصہ اس کی شرمگاہ میں داخل کرتا ہے۔ البتہ اسے اپنے جسم کے کسی حصے کے علاوہ کوئی اور چیز اس کی شرمگاہ میں داخل نہیں کرنی چاہیے“ (وصایا: ۱۳: ۷۷)۔ رضوی کے بقول یہ امر سمجھ میں آنے والا ہے کیونکہ ہمارے جسم میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کوئی دوسری چیز اس کا متبادل نہیں ہو سکتی۔ شادی شدہ جوڑوں میں، اگر بیوی اپنے خاوند کے عضو خاص کو سہلائے حتیٰ کہ اس کو انزال ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس طرح اگر خاوند، اپنی بیوی کے جنسی اعضاء کو تحریک دے تاکہ وہ جنسی حظ سے بہرہ مند ہو سکے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

اکثر عورتوں کے لیے بوسہ بازی ایک ایسا حساس اور جنسی جذبات کو بیدار کرنے والا عمل ہے جو کہ خاوند اپنی بیوی کے ساتھ بہ آسانی کر سکتا ہے۔ پس خاوند کو چاہیے کہ اپنی بیوی کے لیے ایک اچھا بوسہ لینے والا ثابت ہو۔ اس کے نتیجے میں وہ نہ صرف جنسی طور پر براہیختہ ہو جائے گی بلکہ جسمانی اور جذباتی طور پر بھی اس سے اگلے اقدام کے لیے تیار ہو جائے گی۔

خاوند کو اس امر کا علم ہونا چاہیے کہ اپنی بیوی کے جسم کو کس طرح ہلکے ہلکے سہلانا (باش کرنا) چاہیے۔ مزید انھیں اس امر کا بھی احساس کرنا چاہیے کہ پیار و محبت کے ساتھ بیوی کو چھونا اور آہستہ آہستہ اس کے جسم کے مختلف حصوں پر ہاتھ پھیرنا، ایک عورت کے لیے کس قدر زیادہ ہیجان انگیز ہوتا ہے بہ نسبت بہت جذباتی طور پر اس کو گود میں لینے یا بغل گیر ہونے کے۔ جنسی طور پر اپنی بیوی کو ہیجان میں لانے کے ضروری ہے کہ اس کے جسم کے مختلف حصوں کو انگلیوں سے سہلایا جائے بالخصوص پستانوں، پیشاب گاہ اور ویجاٹینہ کو سہلانے سے جنسی ہیجان اپنی معراج تک پہنچ جاتا ہے اور اس طرح فریقین بہت لذت حاصل کرتے ہیں۔

پہلی مرتبہ مباشرت کرنا:

شادی کی حالت میں پہلی مرتبہ مباشرت کرنے میں اہم ترین پہلو (جذباتی، نفسیاتی بنا پر) جنسی براہیختگی کی وجہ سے بہت جلد انزال کا واقع ہونا ہے۔ یہ ایک اہم ترین مسئلہ ہے جس سے نوجوان لوگ (جنہیں پہلے سے جنسی مباشرت کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا) دوچار ہوتے ہیں جب وہ پہلی رات کو اپنی بیوی سے مباشرت کرنے لگتے ہیں۔ اسے قبل از وقت انزال

(Pre-mature ejaculation) یا ”جلد ہی فارغ ہونے“ کا نام دیا جاتا ہے۔ جو اکثر بہت زیادہ پریشانی کا موجب بنتا ہے۔ اگرچہ نوجوان لوگ جلد ہی دوبارہ مباشرت کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں کہ ان کا عضو تناسل جلد ہی دوبارہ ایستادہ ہو جاتا ہے جسے (Spring back) کہتے ہیں لیکن اس کے باوجود انھیں اس وجہ سے کسی حد تک ندامت محسوس ہوتی ہے اور یہ ان کے لیے خجالت کا باعث بھی ہوتا ہے۔ اکثر لوگوں کو اس صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ وہ اس موقع پر جنسی طور پر کسی قدر برا بیچتے ہوتے ہی بہت جلد فارغ ہو جاتے ہیں۔

نوجوان لڑکوں کے درمیان یہ ایک مسلسل پایا جانے والا مذاق بھی ہے کہ نوبیاہتا خاوند دو تین منٹ کے جنسی اظہارِ محبت کے فوراً ہی بعد خلاص (فارغ) ہو جاتا ہے اور پھر تمام رات کر دٹیں بدلتے گزرنی پڑتی ہے۔ (اگرچہ یہ مذاق کسی حد تک ہی کیا جاتا ہے کیونکہ ایک نوجوان آدمی جلد ہی دوبارہ مباشرت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور دوسری مرتبہ اسے اس قدر جلد انزال نہیں ہوتا) تاہم اس کی وجہ سے نوبیاہتا لڑکی کو بہت زیادہ مایوسی ہوتی ہے (کہ اسے اس امر کا کوئی علم نہیں ہوتا) اور اس کا مباشرت کے اس پہلے تجربے سے خاوند کے بارے میں کسی حد تک اعتماد مجروح ہوتا ہے۔ عورتوں کے لیے پہلی مرتبہ مباشرت کے ذریعے اعتماد و اطمینان پیدا کرنے پر، بہت سے نوجوان اکثر و بیشتر غور ہی نہیں کرتے۔ تاہم اگر آپ ایک محبوب خاوند بنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنی ذات سے پہلے اپنی بیوی کی جنسی تسکین کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔

ایک بیوی کے لیے پہلی مرتبہ مباشرت کو اطمینان بخش اور جنسی لذت کے حصول کا ذریعہ بنانے کے لیے اہم ترین بات یہ ہے کہ آپ کسی صورت میں بھی جلد بازی سے کام نہ لیں۔ ایک خاوند کو یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ وہ انزال کو کس حد تک موخر کر سکتا ہے۔ مباشرت کا موقع آنے پر، جب آپ پہلی مرتبہ اس فعل سے دو چار ہو رہے ہوں تو بہت ضروری ہے کہ آپ بہت نرم روی اور سکون و اطمینان کے ساتھ آغاز کریں۔ اپنے عضو تناسل کو عورت کی شرمگاہ میں داخل کرنے اور اسے اندر باہر کرنے (Thursting) کے عمل میں اپنے آپ کو قابو میں رکھیں اور کسی قسم کی عجلت اور جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ اس طریق پر آپ پہلی مرتبہ بہت دیر تک جنسی حظ حصول کے لیے اس عمل میں مشغول رہ سکتے ہیں۔ مباشرت میں جلد بازی کرنے سے بیوی یہ

تاثر لیتی ہے کہ آپ کے نزدیک اس فعل کے ذریعے جنسی حظ کا حصول کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور جلد بازی کا مظاہرہ کرنے سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کو صرف اپنی ذاتی لذت و جنسی حظ کا ہی خیال ہے جبکہ بیوی کو حصول لذت سے ہمکنار کرنا آپ کو ایک کارِ بیکار محسوس ہوتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ عورت کو جنسی حظ کے حصول میں کافی دیر لگتی ہے کیونکہ وہ آہستہ آہستہ جنسی ہیجان سے دو چار ہوتی ہے بہ نسبت خاوند کے جو جلد ہی جنسی مباشرت کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ واضح ہے کہ آپ کو اپنی بیوی کی جنسی احتیاج اور جنسی ہیجان کی خاطر آہستہ روی کا بھی خیال رکھنا چاہیے تاکہ وہ بھی آپ ہی کی طرح انزال کے ذریعے جنسی حظ حاصل کر سکے۔ پس خاوند کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس عمل کو میانہ روی اور بتدریج جاری رکھے اور اسے زیادہ دیر تک طوالت دینے کی کوشش کرے۔ اسے چاہیے کہ بیوی کے ساتھ کسی حد تک چھیڑ چھاڑ (Teasing) کرتا رہے۔ خاوند اس عمل کو جس قدر طویل کر سکتے ہوں، انھیں ایسا کرنا چاہیے کہ یہ عمل فریقین کے لیے اطمینان اور آسودگی کا سبب بن سکتا ہے۔

شب زفاف میں جب ایک خاوند اپنی بیوی کے ساتھ پہلی مرتبہ مباشرت کرنے لگتا ہے تو اس امر کی احتیاط ضروری ہے کہ پہلی مرتبہ دخول کرتے وقت اسے کسی حد تک درد کا احساس ہوگا اور اس کی وجہ سے خون بھی نکل سکتا ہے! یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ عورت کی شرمگاہ (Vulva) اور ویجائینہ کے ساتھ پہلی مرتبہ یہ عمل ہو رہا ہوتا ہے، اور مرد کے عضو تناسل کو جو جنسی ہیجان کی وجہ سے بہت سخت ہو چکا ہوتا ہے اس سے پہلے دخول کا تجربہ نہیں ہوتا اس وجہ سے ویجائینہ کو کھنسنے میں بہت حد تک دقت اور مشکل پیش آتی ہے (کیونکہ اکثر بیویاں ایسی حالت میں شدید جذباتی اور خوف Stress کا شکار ہوتی ہیں)۔ اس امر کا بھی اکثر امکان ہوتا ہے کہ پہلی مرتبہ دخول کی وجہ سے بیوی کا پردہ بکارت (Hymen) بھی پھٹ جائے تاہم اگر اس موقع پر خون کا اخراج نہیں ہوتا تو یہ اس امر کی نشانی نہیں کہ وہ عورت پاکباز یا باعفت نہیں تھی جیسا کہ بہت سے لوگوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ اس امر کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے کہ مباشرت کے وقت عورت کے نیچے کوئی صاف کپڑا/تولیہ رکھ لیا جائے تاکہ بستر پر کوئی خون یا مادہ منویہ کا دھبہ نہ لگے۔ خاوند کو اپنی بیوی کے درد کا احساس ہونا چاہیے اور اگر وہ اس وقت درد کی وجہ سے مباشرت

کو جاری رکھنے کی خواہش مند نہیں تو خاوند کو بھی چاہیے کہ وہ فی الوقت اسے ملتوی کر دے اس وقت تک جب تک کہ اسے کسی قسم کا درد یا تکلیف محسوس نہ ہو (یہ حالت عورت کو بہت حد تک جنسی طور پر برا بیچنے کیے جانے پر اکثر حاصل کی جاسکتی ہے)۔ دراصل خاوند کو بھی چاہیے کہ وہ پہلی مرتبہ ہی تمام عضو مخصوص کو (جس کی لمبائی ۶/۷ انچ اور موٹائی ۳ انچ ہوتی ہے) اندر داخل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اس میں بھی بتدریج اور آہستگی سے پیش رفت کرنا ایک مناسب اقدام ہے! یاد رہے کہ جنسی مباشرت کوئی ایسی ”مہم“ نہیں کہ اسے صرف ایک مرتبہ پہلی دفعہ ہی سر کر لیا جائے یہ ایک تاحیات جاری رہنے والے عمل کا نام ہے اور وہ شخص جسے جلد بازی میں پہلی مرتبہ ہی اسے سر کرنے کی خواہش ہوتی ہے، اس کی کشتی اس سے چھوٹ جاتی ہے یعنی وہ اپنی جنسی زندگی میں کامیاب نہیں ہوتا۔

یہ امر بھی ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ عورتوں میں درد برداشت کرنے کی اہلیت اور صلاحیت مختلف درجوں کی ہوتی ہے۔ اگر اس کی وجہ سے کسی عورت کو بہت درد/ تکلیف محسوس ہوتی ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ عورت کمزور یا بہت نازک اندام ہے اور اگر کسی عورت کو زیادہ درد/ تکلیف محسوس نہیں ہوتی تو اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ وہ عورت کنواری نہیں یا اس میں کوئی نقص پایا جاتا ہے۔ پہلی مرتبہ مباشرت کے عمل سے درد کا احساس ضرور ہوتا ہے لیکن یہ اس قدر شدید نہیں ہوتا کہ برداشت نہ کیا جاسکے۔ اگر بیوی کو مباشرت سے پہلے پیار محبت سے تیار کر لیا گیا ہو اور وہ گھبراہٹ یا پریشانی میں مبتلا نہ ہو تو اس کا دورانیہ بھی بہت مختصر ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ پیار محبت کی گفتگو اور ہنسی مذاق سے جنسی اعضاء سے رطوبتوں کا اخراج شروع ہو گیا ہو اور یوں وہ مباشرت کے وقت دخول کے لیے ذہنی طور پر بہت حد تک تیار ہو گئی ہو۔ بہت سی عورتوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ درد اور تکلیف کا احساس ان کے پردہ بکارت کے پھٹنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن یہ بیوی کو محسوس ہونے والے درد/ تکلیف کا صرف ایک حصہ ہوتا ہے۔ پہلی مرتبہ مجامعت کے وقت درد اس لیے بھی محسوس ہوتا ہے کہ عورت یا مرد کے اعضاء جنسی مناسب انداز میں تیار نہیں ہوئے ہوتے جس کی وجہ سے کسی قسم کی کوئی رطوبت نہیں نکلتی اور یوں خشک حالت میں عضو تناسل کو داخل کرنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ اس طرح جنسی انتشار نہ

ہونے کی وجہ سے، پیشاب گاہ کے بیرونی لب اور ویجائینہ کا اندرونی حصہ بہت حد تک کشادہ نہیں ہو پاتا اور بالآخر پردہ بکارت کے پھٹنے سے بھی کسی قدر درد محسوس ہوتا ہے۔ بہت سی لڑکیوں کے لیے مردانہ عضو مخصوص کا دخول اور پیشاب گاہ کے بیرونی لبوں کے نہ کھلنے کی وجہ سے بھی زیادہ تکلیف محسوس ہوتی ہے بہ نسبت پردہ بکارت کے پھٹنے کے جو کبھی کبھی محسوس بھی نہیں ہوتا (کیونکہ یہ ایک بہت باریک جھلی نما ساخت کا بنا ہوتا ہے)۔ اس امر کا جاننا بہت ضروری ہے کہ اس وقت تک ایک لڑکی کا ویجائینہ بہت حد تک ایک تنگ ٹیوب کی مانند ہوتا ہے جس سے سوراخ (منہ) کا کل حصہ قریباً ۵.۱۱ انچ کھلا ہوتا ہے اور عموماً اس میں کسی چیز کو داخل بھی نہیں کیا گیا ہوتا (بالخصوص مسلمان لڑکیوں میں) سوائے ٹیپون داخل کرنے والی پتلی سی پلاسٹک کی ٹیوب کے (Tampoon applicator) جو متمول طبقے کی لڑکیاں ماہواری کے دنوں میں از خود ویجائینہ میں رکھ لیتی ہیں تاکہ خون اور رطوبتوں کے اخراج سے ان کے کپڑے خراب نہ ہوں۔ یہ ٹیپون داخل کرنے والا پلاسٹک بشکل ایک انگلی کی موٹائی جتنا ہوتا ہے اور ویجائینہ میں بہت اندر تک داخل نہیں کیا جاتا۔ عورتوں کے ویجائینہ میں عضلات کے کھل جانے کی صلاحیت (Elasticity) ہوتی ہے جو عضو مخصوص کے دخول پر بہت حد تک کھل جاتا ہے لیکن پیشاب گاہ (Vulva) کا منہ بہت حد تک تنگ ہوتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ جلد کی کھال بھی جڑی ہوتی ہے اور وہ بہت حد تک کھلنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی بلکہ کسی حد تک سخت اور تنگ ہوتی ہے۔

مرد کا عضو مخصوص 5 سے 7 انچ لمبا اور 3 انچ موٹا ہوتا ہے۔ پیشاب گاہ کے سوراخ سے 5 تا 12 انچ اندرونی طرف پردہ بکارت ہوتا ہے جو عورتوں کے ویجائینہ میں ایک باریک جھلی نما مانند پھیلا ہوتا ہے اور جس میں سوراخ ہوتے ہیں۔ پہلی مرتبہ مباشرت کے وقت اگر پردہ بکارت موجود بھی ہو تو خاوند کے عضو مخصوص کے داخل کرنے سے وہ بہ آسانی پھٹ جاتا ہے تاہم کسی تکلیف کی صورت میں کسی ماہر لیڈی گائینکولوجسٹ سے مشورہ کرنا چاہیے۔

ایک عورت کے ویجائینہ سے پہلی مرتبہ مباشرت کے نتیجے میں خون کا اخراج ہو سکتا ہے بہت آئندہ بھی 2-3 مرتبہ۔ تاہم اگر مباشرت نے پہلے جنسی اعضا سے رطوبتوں کا اخراج مکمل طور پر واقع ہوا ہو یا کسی چکنائی والی چیز (مثلاً جیلی) کا استعمال کر لیا گیا ہو اور خاوند آہستگی کے ساتھ

مجاہدت کا عمل جاری رکھے تو درد/خون کا اخراج بہت کم ہوتا ہے۔ تاہم پہلی مرتبہ مباشرت کے بعد یہ کافی ہے کہ پہلے 24 گھنٹوں کے لیے بیوی ماہواری کے لیے استعمال ہونے والا پیڈ یا کپڑا/روئی باندھ لے تاکہ خون/رطوبت اس میں جذب ہوتی رہے۔ تاہم خون کے اخراج کا بہتر یہ مطلب نہیں کہ کوئی اندرونی عضو زخمی ہو گیا ہے بلکہ اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اندر کی کوئی جنبلی پھٹ گئی ہے اور دیگر جنسی اعضاء کی طرح اس میں بھی خون کی گردش ہوتی ہے جس سے خون کا اخراج ہوتا ہے تاہم یہ جلد ہی خود بخود ٹھیک ہو جاتا ہے اور خون بھی بند ہو جاتا ہے۔

پہلی مرتبہ مباشرت کے عمل کو بہ آسانی کرنے کے بہت سے طریقے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر اس عمل کو بہتر اور لطف و انبساط کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔ خاوند کو اس امر کا مکمل احساس ہونا چاہیے کہ بیوی کو اچھی طرح سے جنسی طور پر بیدار کیے بغیر مباشرت کرنے سے اس کے جنسی اعضاء کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ سادہ الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ مباشرت کرنے سے پہلے عورت کے جنسی اعضاء کا اُن میں سے نکلنے والی رطوبت کی وجہ سے بہت حد تک تر (Wet) ہونا ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے جنسی اعضاء میں ایسے غدود بنائے ہیں جن سے خارج ہونے والی رطوبتیں، پہلی مرتبہ عضو مخصوص کے دخول کے عمل کو آسان بناتی ہیں بلکہ بعد میں بھی عورت کے اندرونی جنسی حصوں کو تر رکھتی ہیں۔

پہلی مرتبہ مباشرت کے وقت، مصنوعی چکنی اشیاء کا استعمال بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے پانی میں حل پذیر جیلی کے مرکبات موزوں رہتے ہیں۔ اس عمل کو پہلی مرتبہ بہت اطف اندوز بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس موقع پر اس قسم کی اشیاء مرد اور عورت اپنے جنسی اعضاء پر لگالیں تاکہ عضو مخصوص کو داخل کرنے کا عمل بہ آسانی پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔ جیسا کہ بتایا گیا کہ فریقین کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جنسی ہیجان کی کیفیت سے دو چار ہونے کی وجہ سے عورت اور مرد دونوں کے جنسی اعضاء سے بہت سی رطوبتوں کا اخراج ہوتا ہے۔ مرد کے عضو مخصوص سے جب وہ تن کر کھڑا ہو جاتا ہے ایک رطوبت نکلتی ہے جو صاف شفاف لیکن بہت چکنی/لیسدار ہوتی ہے۔ اسے انزال سے پہلے نکلنے والی رطوبت ندی (Pre-cum) بھی کہتے ہیں، یہ دراصل مادہ منویہ کا ہی حصہ ہوتا ہے جو مرد میں ایک غدود پراسٹیٹ (Prostate gland) سے

نکلتے والی رطوبت ہوتی ہے جس میں بعد از انزال حیوانی خلیے (Sperms) بھی پائے جاتے ہیں۔ اس طرح عورت کے جنسی اعضاء (ویجائینہ وغیرہ) سے بھی ایک رطوبت خارج ہوتی ہے جس سے ویجائینہ کا اندرونی حصہ اس حد تک چکنا ہو جاتا ہے کہ مرد کا عضو مخصوص، اس میں بہ آسانی داخل ہو سکے۔ بعض لڑکیوں میں (جنسی اشتعال کی وجہ سے) بہت زیادہ رطوبتوں کا اخراج ہوتا ہے جسے گیلاپن (Wet) ہونا کہتے ہیں جبکہ بعض میں ایسا نہیں ہوتا الا یہ کہ وہ جنسی طور پر بہت زیادہ اشتعال میں آئی ہوں۔

عام حالات میں میاں بیوی کے درمیان دورانِ مباشرت اس قدر رطوبتوں کا اخراج ہوتا ہے کہ انھیں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ چونکہ عورتوں کے جنسی اعضاء کی رطوبتوں کے اخراج کا انحصار بہت سے عوامل (مثلاً لگھراہٹ، جنسی اشتعال کی کمی وغیرہ) پر ہوتا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس موقع پر بیرونی طور پر چکنائی والی اشیاء (جیلی) کا استعمال کر لیا جائے۔ ہم اس امر پر بہت زیادہ اصرار اس لیے کر رہے ہیں تاکہ پہلی مرتبہ مباشرت کو آسان اور پر لطف بنایا جاسکے۔ جب خاوند اپنی بیوی میں دخول کے لیے تیار ہو تو اسے چاہیے کہ وہ عضو مخصوص کو ویجائینہ میں داخل کرے اور اس کے بعد کمر کی حرکات، عضو تاسل کو اندر اور باہر کرنے کے طریقے سے انسان کی فطری جبلت کے تحت خود بخود یہ عمل شروع ہو جاتا ہے۔ جو بہت پر لطف ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے دونوں فریق یکساں طور پر بہت زیادہ جنسی حظ سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ بعض اوقات یہ عمل اس قدر پر لطف ہوتا ہے کہ ایک خاوند جلد ہی انزال کی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ بھی ایک فطری عمل ہے جو تشویش ناک نہیں کیونکہ بعد میں پریکٹس کے نتیجے میں انزال کے عمل کو کافی دیر تک موخر کیا جاسکتا ہے۔ اس حالت میں ضروری ہے کہ عورت بھی جنسی حظ سے لطف اندوز ہو، اسے حظ جنسی کے بغیر مت چھوڑیں۔ ایسی صورت میں خاوند کو کچھ دیر انتظار کرنا چاہیے تاکہ اس کا عضو مخصوص دوبارہ ایستادہ ہو جائے تاکہ یہ عمل دہرایا جاسکے۔ بیوی کو حظ جنسی سے محظوظ کرنے کے لیے ایک عالم کی رائے میں ”اس امر کے حصول کے لیے کہ پہلی رات بیوی کے ساتھ مباشرت سے دونوں کو فرحت و انبساط اور لطف حاصل ہو تو خاوند کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ بیوی سے جماعت کے ذریعے انزال کے بعد، عورت کو غیر مطمئن چھوڑ دے۔ اس طریق پر

عورت کو جو نقصان ہونے کا امکان ہے وہ ناقابل تلافی ہوتا ہے کیونکہ ایک عورت بہت حساس ہوتی ہے اور اس میں جنسی خواہشات، احساسات ہوتے ہیں جن کا تقاضا ہوتا ہے کہ ان کی تسکین کا سامان کیا جائے اور ان پر بھی ایک مہذب انداز میں توجہ دی جائے۔

(Afzalur-Rehman, 1981)

ایسے حالات میں کہ اگر عورت کی جنسی تسکین کا خیال نہیں رکھا جاتا اور بیوی، اکثر حالات میں مباشرت کرنے کے بعد غیر مطمئن رہتی ہے تو اس کے بہت سے نفسیاتی، جذباتی اور جسمانی افعال (فزیالوجیکل) پر بہت برے اثرات پڑتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے خاوند اسی طریق پر اپنی بیویوں سے مایوس ہو جاتے ہیں اور ان کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں کہ وہ ”خندی“ یا بانجھ پن کا شکار ہیں کیونکہ وہ (ان کے ذہن کے مطابق) ان کا ساتھ جنسی جوش و جذبے کے ساتھ نہیں دے پاتیں۔ تاہم اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کی ان ضروریات اور جنسی تقاضوں کا شعور نہیں رکھتا تو وہ اپنے طور پر ایک گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اس لطف و لذت سے محروم رکھ رہا ہے جو اس کی جنسی زندگی میں اس کا حق ہے۔ کچھ فقہاء کے نزدیک ایک شوہر پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کے جنسی حظ اٹھانے اور اسے خوش کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرے۔

اس موضوع پر گفتگو کو سمیٹتے ہوئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مباشرت کے دوران، میاں بیوی کی راہ نمائی کے لیے ایک بہت اہم پہلو کی جانب بھی ان کی توجہ مبذول کرائیں۔ زونبین کی ایک معتد بہ تعداد یہ محسوس کرتی ہے کہ مباشرت کے دوران مکمل خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ تاہم اگر مباشرت کا عمل بغیر بات چیت کیے احسن طریق پر پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے تو پھر پریشانی کی کوئی بات نہیں لیکن اگر باہمی بات چیت اور اپنے جذبات لطف و انبساط / حوصلہ افزائی / تکلیف یا درد کا اظہار کرنے سے جنسی مباشرت کے عمل کو بہتر بنایا جاسکتا ہو تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ محبت کرنے والا شوہر اپنی بیوی سے کیوں معلوم نہ کرے اور بیوی اسے کیوں اپنی رائے سے آگاہ نہ کرے کہ اس فعل سے لذت حاصل ہو رہی ہے یا نہیں؟ لازماً یہ شوہر کا بھی حق ہے کہ وہ اپنی بیوی سے معلومات حاصل کرے بالخصوص ایسے وقت میں جبکہ وہ جلد ہی انزال کے قریب ہو اور وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ آیا اُس کی بیوی بھی جنسی حظ کی اس منزل کے قریب تر پہنچ گئی

ہے یا نہیں؟ مباشرت کوئی ایسا خفیہ فعل نہیں کہ اس میں مکمل خاموشی اختیار کی جائے بلکہ دونوں میاں بیوی کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں اور بات چیت کے ذریعے اپنی پسند، ناپسند اور لطف و انبساط سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہیں۔

مباشرت کی مختلف حالتیں:

مباشرت کے طریقوں سے مراد یہ ہے کہ شادی شدہ جوڑے کس طرح مجامعت کرتے ہیں؟ علمی طور پر ان طریقوں کی سینکڑوں اقسام بتائی جاتی ہیں لیکن دراصل یہ طریقے بنیادی طور پر ایک درجن سے زائد نہیں البتہ ان کی مختلف حالتوں کی وجہ سے ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے۔

شادی شدہ جوڑے، مجامعت کے وقت کیا صورت اختیار کرتے ہیں، یہ موضوع مسلمان اہل علم کے درمیان بھی بہت حد تک گفتگو کا محور رہا ہے۔ انھوں نے پندرہ بنیادی حالتوں کا ذکر کیا ہے اور ان حالتوں کے درمیان مختلف طریقوں کی وضاحت کی ہے۔ میاں بیوی، ان حالتوں اور طریقوں میں سے اپنے لیے آسانی، حفاظت اور حصول لذت کے لحاظ سے کوئی سا بھی طریقہ اختیار کر سکتے ہیں۔ مسلم اہل علم نے اس پر توجہ دلائی ہے کہ خاوند کو حظ جنسی کے حصول میں اپنی بیوی کو بھی برابر کا شریک کرنا چاہیے۔ اگر وہ جلد انزال کی وجہ سے اپنے آپ کو اپنی شریک حیات کے جنسی حظ کے حصول تک نہیں روک سکتا تو اسے چاہیے کہ وہ بعد میں کوشاں رہے تاکہ اس کی بیوی اس مرحلے سے دو چار ہو اور اسے بھی جنسی تسکین حاصل ہو۔ مباشرت کے فوراً بعد بیوی سے علیحدہ ہونا، نقصان دہ ہو سکتا ہے۔

اس امر کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ خاوند مباشرت کی حالتوں کو بدلتا ہوئے اور فریقین کے لیے زیادہ لذت کے حصول کے لیے کوشاں رہے تاکہ ایک ہی طریقے سے مباشرت کرنے کی وجہ سے وہ کسی قسم کی یکسانیت کی وجہ سے عدم دلچسپی کا شکار نہ ہوں۔ مباشرت کی مختلف حالتوں میں تغیر و تبدل کے ذریعے اس عمل میں نیاپن/ ندرت (Novelty) پیدا کی جاسکتی ہے اور اس ناولٹی کی وجہ سے دلچسپی اور شوق میں اضافہ کر کے دونوں جیون ساتھی مجامعت سے زیادہ بہتر طور پر لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

یاد رہے کہ مباشرت کے لیے کسی ایک طریقے کی از خود کوئی اہمیت نہیں۔ بلکہ اس کا مقصد

حظ جنسی کا حصول ہے۔ میاں بیوی جو بھی طریقہ پسند کریں، وہ اس کے ذریعے جذباتی اور جنسی لذت کے حصول کو یقینی بنا سکتے ہیں۔ اس موضوع پر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں سے ہر کتاب میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ان کتابوں میں بتائے گئے نئے طریقوں سے جنسی حظ کے حصول میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ دنیا کی ہر قوم میں ایسی علمی کتب پائی جاتی ہیں جن میں جنسی لذت کے حصول طریقوں کی وضاحت کی گئی ہے اور ہر ملک میں اس موضوع پر مختلف انداز اور نقطہ ہائے نظر سے گفتگو کی گئی ہے۔ برصغیر ہندو پاکستان میں سنسکرت زبان میں بہت مستند تحریر کردہ کتاب ”کاماسترا“ ہے۔ یہ کتاب پہلی صدی اور چھٹی صدی عیسوی کے درمیانی عرصے میں لکھی گئی تھی۔ اس کے بعد ایک ہندو شاعر کوکلا نے ”محبت کے راز“ کے عنوان سے ایک کتاب مرتب کی جس کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اس کتاب کو قبول عام حاصل ہوا اور اس کا نام ”کوکا کے نظریات“ رکھا گیا جو کہ ”کاماسترا“ سے بھی بہت مشابہت رکھتی تھی۔ اس طرح ایک کتاب The Perfumed Gardens بھی ہے جو سولہویں صدی عیسوی میں تیونس میں لکھی گئی اور اس کے مصنف شیخ عمر بن سعدی النفرازی نامی، مسلمان صاحب علم تھے۔ یہ دراصل ایک قسم کا شادی کا مینوٹیل ہے۔ مغربی ممالک اور امریکہ میں ہزاروں (بلکہ لاکھوں کتب) اس موضوع پر لکھی گئیں۔ حالیہ دور میں ویڈیو کیسٹس کے ذریعے اس موضوع پر علمی اور عملی معلومات پیش کی گئی ہیں۔ ٹی وی، انٹرنیٹ کے ذریعے جنسی تلمذ کے حصول کے لیے مباشرت کی ان تمام مختلف حالتوں کی عملی اشکال/ تصاویر مسلسل دکھائی جا رہی ہیں جن پر کسی زمانے میں میاں بیوی تنہائی کی حالت میں دنیا بھر میں عمل پیرا ہوتے تھے۔ موجودہ زمانے میں آزاد شہوت رانی کے نظریے کی وجہ سے مغربی ممالک اور امریکہ میں عورت اور مرد کو گویا لائسنس مل گیا ہے کہ وہ اس قسم کے تمام جنسی افعال کا شیخ پر آ کر مظاہرہ کریں اور انھیں انٹرنیٹ کے ذریعے تمام دنیا میں پھیلا دیا جائے۔

مباشرت کے لیے بالعموم جو حالتیں اختیار کی جاتی ہیں، ان میں مرد کا عورت کے اوپر چٹ لینا (Man on top)، عورت کا مرد کے اوپر چٹ لینا (Woman on top)، ایک دوسرے سے سائیڈ پر لینا (Side position) اور پیچھے سے مجامعت کرنا (Doggy style) کے

طریقے اہم ترین ہیں۔ ان بنیادی پوزیشنوں میں مختلف طریقوں سے کسی قدر تبدیلی کی جاسکتی ہے جیسے لیٹے ہوئے، بیٹھنے کی حالت میں، کھڑے ہو کر، گھٹنوں کے بل بیٹھ کر، یا ان میں سے کوئی سی دو مختلف حالتوں کو اکٹھا کرنے کی صورت میں۔ میاں بیوی کے لیے لذت کے حصول اور آسانی کے نقطہ نظر سے جو بھی صورت حال مناسب لگے اسے اختیار کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ ذیل میں ہم ان مختلف طریقوں کے بارے میں مختصراً معلومات درج کریں گے۔

(۱) مرد کا عورت کے اوپر لیٹنا: (Missionary style)

مغربی ممالک میں، مرد کا عورت کے اوپر لیٹنا کہ دونوں کے سینے اور پیٹ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں، ایسی حالت ہے جو بالعموم استعمال ہوتی ہے۔ اسے مشنری پوزیشن بھی کہتے ہیں جس کی وجہ تسمیہ انیسویں صدی میں عیسائی مشنریز کا وہ طرز عمل ہے جو یہ سمجھتے تھے کہ عورت کے اوپر مرد کے لیٹنے کی حالت وہ فطری اور مناسب حالت ہے جسے مباشرت کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ وہ عیسائی ہونے والے لوگوں (افریقہ و دیگر ممالک کے قبائل) کو تلقین کرتے تھے کہ وہ عورت کے ساتھ پیچھے سے کھڑے ہو کر (جانوروں کی طرح) مجامعت کے طریقے کو چھوڑ دیں اور ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق مباشرت کریں۔ پس اس طریقے کا نام مشنری طریقہ پڑ گیا۔

شاید یہ دنیا میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والی پوزیشن ہے جس سے مباشرت کی جاتی ہے۔ تاہم اس کے بارے میں یہ خیال بھی کیا جاتا ہے کہ یہ نہ صرف سب سے کم ایڈونچر کی حامل ہوتی ہے بلکہ اسے کسی حد تک بچکانہ تصور کیا جاتا ہے۔ تاہم اس آرام دہ اور جسمانی قرب کی حالت میں مرد، عورت کے اوپر لیٹتا ہے اور اس کا منہ عورت کے منہ پر ہوتا ہے۔ جبکہ عورت اپنی رانیں کھلی رکھتی ہے۔ مرد یا عورت، دونوں میں سے کوئی ایک، عضو تناسل کو ویجاٹینہ میں داخل کرتے ہیں۔ مرد، عورت پر تمام بوجھ بھی ڈال سکتا ہے اگر وہ بوجھ عورت کے لیے تکلیف دہ

① حالیہ سالوں میں مغرب میں یہود نے اور ایشیا میں ہندوستان نے جھوٹی جنسی کہانیاں تصنیف کر کے بہت بڑے پیمانے پر ہیمیا نے کے کام کو بطور ایک صنعت (انڈسٹری) اختیار کر لیا ہے جس سے جلب منفعت کے علاوہ ۱۰۰۰ نیاں میں فاشی کے مختلف طریقوں کی اشاعت کے ذریعے خاندانی نظام کو تباہ کیا جا رہا ہے!

باعث نہ ہو۔ عورت اپنی ٹانگوں کو مرد کی ٹانگوں یا پشت پر لپیٹ سکتی ہے یا پھر اپنی ٹانگوں کو مرد کے کندھوں پر رکھ سکتی ہے۔ یہ ایک بہترین صورت ہے جس میں میاں بیوی ایک دوسرے کو مباشرت کی حالت میں دیکھ بھی سکتے ہیں اور بوسہ بازی بھی کر سکتے ہیں۔ میاں بیوی کے ایک دوسرے کے ساتھ لپٹ جانے کی وجہ سے اس طریقے میں بہت زیادہ قربت پیدا ہو جاتی ہے۔ تاہم اس طریقے کی سب سے بڑی کمزوری کا تعلق عورت کی پوزیشن سے ہے جو نیچے لیٹنے کی وجہ سے مباشرت کے دیگر افعال میں بہت زیادہ شریک نہیں ہو سکتی۔ وہ اپنی کمر کے نچلے حصوں (ران اور چوڑ) کو کوئی حرکت نہیں دے سکتی جس کی وجہ سے مباشرت میں اس کا حصہ ایک Passive شریک کا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود، اس حالت میں مرد کے عضو مخصوص کو زیادہ اندر تک داخل رکھنے، بار بار اس کے اندر باہر نکالنے (To and fro thrusting) سے فریقین کو بہت زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے۔ بعض اوقات عورت کے جنسی اعضاء سے کافی مقدار میں رزوبتوں کا اخراج نہیں ہو پاتا تو ایسی حالت میں کسی چکنی شے (Lubricant) کے استعمال سے دخول میں آسانی رہتی ہے جو حصول لذت کے لیے بہت ضروری امر ہے۔ بعض اوقات زیادہ دیر تک مباشرت کرنے کی وجہ سے بھی فطری رطوبتیں خشک ہو جاتی ہیں تو اس صورت میں کریم/جیلی کے استعمال سے لطف اندوز ہونے کے اس صورت میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

مشنری حالت میں مختلف طریقوں کا اضافہ

(الف) ٹانگوں کا اٹھانا (Lifting legs):

مشنری پوزیشن کے بعد میاں بیوی مختلف طریقوں سے جنسی حظ کے حصول کو دوبالا کر سکتے ہیں۔ اس میں ایک طریقہ یہ ہے کہ عورت اپنی ٹانگیں کسی قدر اٹھائے اور ٹانگوں کو تھوڑا سا ہٹا کر اور پیر پلنگ کے میٹرز/گدے پر سیدھی حالت میں رکھ لے۔ اس میں ایک مزید اضافہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ بیوی اپنے پیر خاوند کی کمر کے گرد رکھ لے۔ اس طرح خاوند کے جسم کے نیچے حصے کا دباؤ، بیوی کی اندام نہانی پر ہونے کی وجہ سے اسے زیادہ لطف حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ بہت معمولی سی تبدیلیاں ہیں جو معروف مشنری طریقے میں استعمال کی جاسکتی ہیں تاہم ان کی وجہ سے فریقین کی لذت و حظ میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

(ب) ٹانگوں کو لپیٹنا (Locking legs):

اس طریقے میں بیوی اپنی ٹانگوں کو اونچا اٹھا کر اپنے خاوند کی کمر کے گرد لپیٹ کر اُسے کسی حد تک جکڑ لیتی ہے۔ وہ اپنی ٹانگوں کو جس قدر اونچا کر سکتی ہے، اسی قدر عضو تناسل کا دخول زیادہ اندر تک ہوگا کیونکہ اسی طرح ویجاٹینہ میں عضو تناسل داخل ہونے کے راستے میں کشاکش کی پیدا ہو جاتی ہے۔

(ج) ٹانگوں کا کندھوں پر رکھنا:

مباشرت کے مختلف طریقوں میں سے ایک بہترین حالت یہ ہے کہ بیوی، اپنی ٹانگیں مرد کے کندھوں پر رکھ لے۔ اس طریق سے فریقین عضو مخصوص کو زیادہ سے زیادہ اندر داخل کر سکتے ہیں۔ تاہم اس کی وجہ سے عورت کو کسی قدر تکلیف ہوتی ہے اور اس حالت میں خاوند کو مباشرت کا عمل آہستگی سے سرانجام دینا چاہیے۔

(۲) عورت کا مرد کے اوپر سوار ہونا (Woman on top):

اس طریقے میں مرد بستر پر چت لیٹ جاتا ہے اور بیوی مرد کے ایستادہ عضو تناسل کو ویجاٹینہ میں داخل کر کے اس پر لیٹ جاتی ہے یا اپنے گھٹنوں کو کسی قدر بند کرتے ہوئے، مرد کی جانب منہ کر کے بیٹھ جاتی ہے۔ اس طریقے میں وہ اپنی ٹانگوں کو سیدھی حالت میں بھی لاسکتی ہے اور ایک دوسری حالت میں وہ اپنا منہ خاوند کے پیروں کی جانب بھی کر سکتی ہے۔ میاں بیوی اس حالت میں آنے کے لیے، جبکہ خاوند بیوی کے اوپر لیٹا ہو قلابازی کھا کر بھی آ سکتے ہیں۔ جبکہ وہ ایک دوسرے کی جانب منہ کر کے اپنی سائڈوں پر بھی لیٹے ہوں، تب بھی وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ اس حالت میں کہ بیوی خاوند پر بیٹھی یا لیٹی ہو تو اس کے اختیار میں ہوتا ہے کہ وہ خاوند کے عضو تناسل کے دخول اور اس کے اندر/باہر جانے کو حسب منشاء کر سکے۔ اس طریقے سے اندام نہانی کو بھی عضو تناسل کے ذریعے بلا واسطہ تحریک دی جاسکتی ہے۔ اس حالت میں بعض عورتیں بہت جلد اور زیادہ سے زیادہ جنسی حظ حاصل کر پاتی ہیں بہ نسبت اس طریقے کے جس میں مرد عورت کے اوپر لیٹا ہو۔ زوجین کے ہاتھ اس طریقے میں آزاد ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو سہلا سکتے ہیں بہ نسبت مباشرت کے دوسرے طریقوں کے۔ وہ ایک دوسرے کو بہ آسانی دیکھ بھی

نکتے ہیں اور یوں ایک دوسرے کی جذباتی کیفیت اور نشاط خیز حالت سے بھی محفوظ ہو سکتے ہیں۔ یہ حالت اکثر حاملہ عورتوں کے لیے بہت مفید اور آسان ہوتی ہے بالخصوص حمل کے آخری ایام میں جب رحم میں بچے کی مکمل نشوونما کی وجہ سے عورت کا پیٹ بہت حد تک باہر کی طرف نکلا ہوا ہوتا ہے۔

(۳) ایک دوسرے کے ساتھ منہ در منہ حالت (Side by side)

میاں بیوی ایک دوسرے کی جانب منہ کر کے سائڈ پر لیٹتے ہیں۔ یہ مباشرت کرنے کا ایک آسان طریقہ ہے اور اس کی وجہ سے دونوں میں سے کوئی ایک پانز بھی ایک دوسرے کے اوپر بہ آسانی لیٹ سکتا ہے۔ اس پوزیشن میں بیوی اپنی ٹانگوں سے مرد کے جسم کے گرد گھیرا ڈال لیتی ہے اور خاوند کو اپنی جانب دھکیل سکتی ہے تاکہ عضو تناسل کا زیادہ سے زیادہ دخول ہو سکے۔ نیز میاں بیوی اس حالت میں ایک دوسرے کے ساتھ بوسہ بازی بھی کر سکتے ہیں۔

چونکہ اس طریقے میں بہت زیادہ طاقت اور قوت کے ساتھ عضو تناسل کا دخول نہیں کیا جاسکتا اس لیے خاص طور پر یہ طریقہ ان لوگوں کے لیے مفید اور آسان ہے جو بہت زیادہ محنت اور طاقت کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہتے ہوں۔ حمل کے دوران بھی یہ ایک آسان طریقہ ہے کیونکہ اس طرح عورت کا پیٹ درمیان میں حائل نہیں ہوتا۔

(۴) پیچھے سے مباشرت کرنا (Rear entry position):

مباشرت کے اس طریقے میں مرد اپنے عضو تناسل کو اس حالت میں داخل کرتا ہے کہ بیوی کی پشت مرد کی جانب ہو۔ اس طریقے میں عورت کھڑی رہ سکتی ہے لیکن کسی قدر آگے جھکنے سے اور اپنے ہاتھوں سے کسی چیز کا سہارا لینے سے یا عورت کا اپنے ہاتھوں اور کہنیوں کو زمین یا بستر پر رکھنے سے اور خاوند کے اس کے پیچھے گھٹنوں کے بل کھڑے ہونے سے دخول میں آسانی رہتی ہے۔ مغربی لٹریچر میں اسے کتے کی طرح مباشرت کرنا یا Doggy style کہتے ہیں۔ پشت کی جانب سے دخول اس طرح بھی کیا جاسکتا ہے کہ میاں بیوی سائڈ پر لیٹے ہوں کہ بیوی کی پشت خاوند کی چھاتی کی طرف ہو۔ اس طریقے سے عضو تناسل کا دخول گہرا اور زیادہ طاقت کے ساتھ ہوتا ہے بشرطیکہ میاں بیوی دونوں راضی ہوں۔ اس طریقے میں مرد کے ہاتھ آزاد ہوتے ہیں

تاکہ وہ بیوی کے جسمانی حصوں (پستانوں/ اندام نہانی) کو سہلا سکے۔

بعض میاں بیوی اس طریقے کو پسند نہیں کرتے۔ انھیں یہ شکایت ہوتی ہے کہ اس طریقے میں قربت کا احساس نہیں ہوتا کہ دونوں کا منہ ایک دوسرے سے مخالف سمت میں ہوتا ہے جس وجہ سے وہ ایک دوسرے کو اُن جذباتی لمحات میں نہیں دیکھ سکتے جس سے وہ دورانِ مباشرت لُزر رہے ہوتے ہیں۔ اس حالت میں مرد، اپنی بیوی کے جسم کے پچھلے حصے ہی کو دیکھ پاتا ہے جبکہ عورت کمرے کی دیواروں، فرش یا بستر کی جانب ہی دیکھ سکتی ہے۔ تاہم اس طریقے سے میاں بیوی، مباشرت کے ایک نئے طریقے سے ضرور آشنا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے کسی قدر زیادہ لطف اندوز بھی ہوا جاسکتا ہے کیونکہ اس طریقے میں عضو تناسل کا دخول زیادہ اندر کی طرف ہوتا ہے اور ویجاہینہ میں دخول کا یہ طریقہ بھی کسی قدر مختلف انداز کا ہوتا ہے۔

اس طریقے کی ایک اور یہ حالت ہو سکتی ہے کہ خاوند اگر کسی وجہ (حادثے/ بیماری) سے بہت زیادہ ہلنے جلنے سے معذور ہو تو اس حالت میں وہ کرسی پر آرام سے بیٹھ جاتا ہے اور عورت اس کی گود میں یوں بیٹھ جاتی ہے گویا کہ وہ بھی اس کرسی پر بیٹھی ہے۔ بیوی کی پشت، خاوند کے سینے سے جڑی ہوتی ہے اور عضو تناسل کے دخول کے بعد، ہلنے کا تمام دار و مدار عورت پر ہوتا ہے جبکہ اسے آسانی سے حرکت کرنے کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ اپنے بازوؤں کی مدد سے عورت، اپنے پاؤں کے سہارے کھڑی ہو کر یا آہستگی کے ساتھ حرکت کر سکتی ہے جس کا انحصار ان دونوں کی مرضی پر ہوتا ہے۔

اس طریقے میں مزید ایک تبدیلی یوں بھی لائی جاسکتی ہے کہ کسی مضبوط مگر بغیر ہاتھوں کی کرسی پر عورت مرد کی گود میں بیٹھ جاتی ہے اور اس حالت میں بھی وہ مرضی سے حرکت کر سکتی ہے۔ اس صورت میں دونوں کا منہ ایک دوسرے کی جانب ہونے کی بنا پر مرد کا بیوی کے پستانوں کو چوسنا، یا کمر پر ہاتھ ڈال کر سہلانا آسان ہو جاتا ہے۔

ایک مسلمان مرد کے لیے اس امر کی اجازت ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ویجاہینہ میں دخول جس طرح بھی چاہے کرے (سامنے کی طرف سے یا پیچھے کی طرف سے درج بالا طریقوں کے مطابق) اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ البقرہ (۲: ۲۲۳) میں فرمایا:

﴿نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأَتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَقَدْ مَوَّالًا نَفْسَكُمْ﴾

”تمہاری عورتیں تمہاری کھیتاں ہیں۔ تمہیں اختیار ہے، جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ مگر اپنے مستقبل کی فکر کرو۔“

اس موضوع پر بہت سی احادیث بھی ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت ہے کہ ”یہودی یہ خیال کرتے تھے کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے ساتھ جامعہ، پیچھے کی طرف سے کرتا ہے تو اس کے بچوں میں بھیگنا پن پایا جاتا ہے“ تب اللہ کریم نے یہ آیات نازل فرمائیں اور حضور ﷺ نے فرمایا ”آگے یا پیچھے (جس طرف سے بھی چاہو مباشرت کی جاسکتی ہے) جب تک دخول و بیجاہنہ میں ہو“ (بخاری و مسلم)

بحوالہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جنہوں نے کہا کہ ”انصار جو (قبول اسلام سے قبل) مشرکین میں سے تھے لیکن یہودیوں کے ساتھ رہتے تھے جو اہل کتاب تھے اور انصار علم کی بنا پر یہودیوں کو اپنے سے بہتر سمجھتے تھے اور بہت سے امور زندگی میں ان کی پیروی کرتے تھے۔ اہل کتاب اپنی عورتوں سے مباشرت سائیڈ پر لیٹ کر کرتے تھے کہ یوں یہ عمل عورت کے لیے زیادہ حیا کا پہلو رکھتا تھا اور انصار بھی اسی طریقے کی پیروی کرتے تھے۔ جبکہ قریش کے لوگ ان کے برعکس، اپنی عورتوں کے ساتھ مباشرت غیر معمولی طریقوں سے کیا کرتے تھے یعنی آگے سے، پیچھے سے یا لیٹ کر۔ جب اہل مکہ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ان میں سے کسی ایک نے انصاری عورت سے شادی کی اور اپنے طریقے سے مباشرت کرنا چاہی۔ اس عورت نے اس کی اجازت نہ دی اور کہا ”ہم مباشرت سائیڈ پر لیٹ کر ہی کرتے ہیں، آپ بھی اسی طرح سے کرو یا مجھ سے علیحدہ رہو۔ یہ حاملہ اس حد تک سنجیدہ ہو گیا کہ حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کیا (جو اوپر درج ہو چکی ہے) اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ آگے، پیچھے یا لیٹے ہوئے (سائیڈ سے) مباشرت جائز ہے تاہم اس جگہ جس احتیاط کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ دخول بچے کی پیدائش کے لیے کیا جائے“ (یعنی و بیجاہنہ میں) (ابوداؤد)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت ہے کہ ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ”اے اللہ کے پیغمبر ﷺ میں تباہ ہو گیا“ حضور ﷺ نے استفسار فرمایا

”اے عمر بن الخطابؓ تمہیں کس چیز نے تباہ کیا؟“ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ”میں نے گزشتہ شب اپنی سواری کو تبدیل کر لیا“ (جس کا یہ مطلب تھا کہ انہوں نے اپنی بیوی سے مباشرت و بجاہینہ میں پیچھے کی طرف سے کی تھی)۔ حضور ﷺ نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ جب ان آیات کا نزول ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا ”(مباشرت) آگے یا پیچھے کسی طرف سے کرو لیکن مقعد اور عورتوں کے ایام ماہواری میں پرہیز کرو۔“ (نسائی، ترمذی)

اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مباشرت کے وقت عضو تناسل کو مکمل طور پر داخل کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ عورت کے جنسی اعضاء کو سہلا کر اسے تحریک دی جائے تاکہ وہ بھی مکمل طور پر جنسی حظ حاصل کر سکے۔ ہمیں اس جگہ اس امر کی نشاندہی کرنی ہے کہ جنسی جذبات کی اس حالت عروج میں بھی صفائی اور احتیاط کا برتنا لازم ہے۔ اگر ایک جانب دونوں فریق جنسی حظ کے اس عروج کی حالت میں ایک دوسرے کے لیے تعریفی کلمات کا اظہار کریں اور انزال کے مرحلے پر لطف اندوز ہوں اور اس کا زبانی طور پر اظہار بھی کریں تو دوسری جانب ان میں سے کوئی بھی ایسا شور وغل (برے کلمات) نہ کرے جس سے مباشرت کے عمل کی پرائیویسی میں خلل پڑے۔ (محمد عبدالرؤف ۱۹۹۵ء)

جب ایک مسلمان مرد اپنی بیوی سے مباشرت کرنے لگے تو اسے ہمیشہ کہنا چاہیے ”اللہ نے نام سے، اے اللہ ہم دونوں سے شیطان کو دور رکھیں اور اس چیز کو بھی جو آپ ہمیں عطا فرمائیں۔“ اس بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کے بعد، اگر اللہ نے انہیں کوئی بچہ دینا چاہا تو شیطان اس بچے کو کبھی بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا“ (بخاری)

جیسا کہ بتایا گیا کہ اسلامی لٹریچر میں مسلم فقہانے مباشرت کے مختلف طریقوں کے بارے میں بہت ہی پر مغز گفتگو کی ہے اور ان حالتوں کے بارے میں قرآنی آیات سے استشہاد دیا ہے۔ مثلاً سورہ النساء کی حسب ذیل آیت

﴿الزَّجَالُ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾

(النساء ۴: ۳۴)

”مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر

فضیلت دی ہے۔“

اسی طرح سورہ الاعراف کی آیت

﴿فَلَمَّا تَغَشَّهَا حَمَلٌ خَفِيًّا﴾ (الاعراف، ۷: ۱۸۹)

”پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا تو اسے ایک خفیف ساحل رہ گیا۔“

اور سورہ القیامہ کی حسب ذیل آیت:

﴿الْحَمْدُ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّيْنِي يُمْنِي﴾ (القیامہ ۲۵: ۳۷)

”کیا وہ ایک حقیر پانی کا نطفہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) پٹکایا جاتا ہے۔“

ان تمام آیات سے فقہانے مباشرت کی مختلف حالتوں کے بارے میں اخذ کیا ہے (ابن قیم رحمہ اللہ ۷۵۱ھ، امام بخاری رحمہ اللہ ۲۵۶ھ، ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ۸۵۲ھ، امام نووی رحمہ اللہ ۶۷۶ھ، ابن کثیر رحمہ اللہ ۷۷۴ھ، ابن قدامہ ۶۳۰ھ، امام غزالی رحمہ اللہ ۵۰۵ھ، السیوطی رحمہ اللہ ۹۱۱ھ، احمد بن حنبل رحمہ اللہ ۲۴۱ھ۔ امام ترمذی ۲۷۹ھ، ابوداؤد ۲۷۵ھ، امام مسلم ۲۶۱ھ اور امام ابویوسف ۱۵۰ھ) یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان وجوہات اور حکمتوں کا جائزہ لیا جائے جو ان تمام اہل علم و اصحاب دانش نے اس موضوع کے بارے میں قرآنی تعلیمات سے اخذ کی ہیں اور استخراجی منطق (Deductive logic) کی رو سے استنباد کرتے ہوئے، مختلف آیات سے ان طریقوں کا استنباط کیا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) نے سورہ النساء (۴: ۳۴) کی درج بالا آیت سے استنباط کرتے ہوئے یہ کہا کہ مرد کو مباشرت کرتے وقت عورت کے اوپر لیٹنا چاہیے کیونکہ اسے بطور فیجر ترجیح دی گئی ہے۔ اسی طرح سورہ البقرہ (۲: ۱۸۷) کی آیت کہ:

”وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے۔“ سے اخذ کیا ہے کہ چونکہ مباشرت کے وقت عورت، مرد سے بغل گیر ہو جاتی ہے پس مرد کو اس کے اوپر لیٹنا چاہیے کہ یہ مباشرت کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ مزید برآں انھوں نے ایک حدیث بیان کی جو بخاری میں ہے کہ ”بچی (لڑکا) اس کا جس کے بستر پر اس کی پیدائش ہوئی“ اس سے استدلال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ چونکہ عورت بمنزلہ بستر کے ہوتی ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مباشرت کے وقت

مرد کے نیچے لیٹنا چاہیے۔

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۲ھ) نے سورہ القیامہ (۷۵:۳۷) کی درج بالا آیت ”کیا وہ ایک حقیر پانی کا نطفہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے“ سے یہ اخذ کیا کہ مادہ منویہ عورت کے رحم میں ٹپکایا جاتا ہے جبکہ مرد، مباشرت کے وقت، عورت کے اوپر لیٹا ہو اور رحم میں مادہ منویہ کو بطور ایک برتن میں ٹپکایا جاتا ہے۔ ایک حدیث سے جو بخاری اور مسلم میں روایت کی گئی ہے کہا گیا ہے کہ ”جب مرد مباشرت کے وقت عورت کے چاروں کونوں پر بیٹھ جاتا ہے اور جب وہ مکمل طور پر تھک جاتا ہے، تب اس پر غسل کرنا واجب ہو جاتا ہے“۔ اس سے ان کا یہ استدلال ہے کہ اس حدیث کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد، عورت کے اوپر لیٹا ہوا ہے اور ”عورت کے چار کونوں“ سے مراد عورت کے دونوں پاؤں اور دونوں ہاتھ ہیں یا اس کی دونوں رانیں اور ٹانگیں ہیں۔“

درج بالا کے برعکس، یہ بھی کہا گیا ہے کہ مباشرت کے وقت بری ترین حالت وہ ہے جس میں مرد نیچے لیٹتا ہے اور عورت اس کے اوپر۔ اس موقف کے لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ یہ طریقہ قرآن کریم کی درج بالا آیت کے خلاف ہے۔ مزید یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس طریقے سے مرد کو مختلف اقسام کی تکالیف/عوارض بھی لاحق ہو سکتے ہیں تاہم ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اس طریقے سے قراصل کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں۔ یہ اس طریقہ مباشرت پر قوی ترین اعتراض ہے۔

قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ البقرہ کی درج بالا آیت (۲:۲۲۳) ”تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، تمہیں اختیار ہے۔“ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ”خاوند اپنی بیوی کے ساتھ اس کی پشت کی جانب سے بھی مباشرت کر سکتا ہے جبکہ بیوی کا منہ بستر کی جانب ہو یا وہ جھکی ہوئی (حالت رکوع میں) ہو تاہم مباشرت و بیجا نہ ہی میں کرنی چاہیے۔“ یاد رہے کہ یہ طریقہ مباشرت بھی وہی ہے جس میں مرد، اپنی بیوی کے اوپر ہوتا ہے۔

یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ مباشرت کے وقت جنسی اشتعال کی وجہ سے عورت اور مرد کے جنسی اعضا سے نکلنے والی رطوبتیں اسلامی نقطہ نظر سے ناپاک ہوتی ہیں اور کسی مسلمان کے لیے

یہ مناسب نہیں کہ وہ ان رطوبتوں کو بلاوجہ اپنے یا بیوی کے جسم پر ملے۔ اس بنا پر مغرب میں پایا جانے والا طریقہ جس میں عورت / مرد ایک دوسرے کے جنسی اعضا کو زبان سے چاٹنے / چوستے ہیں، نہ صرف یہ کہ غیر صحت مندانہ ہے بلکہ اس کی ممانعت بھی ہے۔ تاہم اس بات کی جانب اشارہ کیا جا چکا ہے کہ یوسف القرضاوی (۱۹۹۹) نے مرد اور عورت کے جنسی اعضاء کے اشتعال پذیر حصوں کو چومنے چاٹنے کی مخالفت نہیں کی لیکن اگر چوسنے کے نتیجے میں مادہ منویہ کا اخراج ہوتا ہے تو پھر یہ مکروہ ہے

بہت سی عورتوں کو جب وہ پہلی مرتبہ مباشرت کرتی ہیں تو انھیں اس میں کوئی زیادہ لطف حاصل نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ مباشرت سے پہلے کیے جانے والے محبت کے کھیل اور چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے بہت لطف حاصل کرتی ہیں اور اس طرح وہ جنسی اشتعال میں آتی ہیں۔ تاہم مباشرت کے نفل کے بارے میں وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہتی ہیں کہ آخر اس عمل میں از خود کیا ندرت (Novelty) ہے؟ ایسا اکثر اس لیے ہوتا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو مباشرت کے لیے اچھی طرح سے تیار نہیں کر پاتا۔ بلکہ قابل افسوس پہلو یہ ہے کہ بعض اوقات اسے اس امر کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ اس نے اپنی بیوی کو بھی اس لطف و مسرت سے ہمکنار کرنا ہے جس جنسی حظ سے وہ خود لطف اندوز ہو رہا ہے۔ اسی طرح اکثر مردوں میں یہ کمزوری پائی جاتی ہے کہ وہ اپنی شریک حیات پر شادی کی پہلی رات میں یہ تاثر ڈالنا چاہتے ہیں کہ وہ بہت ”طاقور“ ہیں۔ بہت سے مرد حضرات کو یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ جنسی مباشرت ان کی شریک حیات کے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے۔ وہ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ چونکہ انھیں لذت حاصل ہو رہی ہے، اس لیے بیوی بھی اسی طرح لذت سے ہمکنار ہو رہی ہوگی۔ ایسی بیویاں مباشرت کے عمل سے چند مرتبہ گزرنے کے بعد یہ خیال کرتی ہیں کہ شاید آئندہ انھیں کوئی تکلیف نہ ہو یا شاید یہ عمل انھیں بھی اسی لذت و مسرت سے ہمکنار کر سکے جیسا کہ اس کے بارے میں بتایا جاتا ہے لیکن اگر آئندہ بھی یہ عمل صحیح طور پر احتیاط اور محبت کے ساتھ سرانجام نہ دیا جائے تو پھر بھی وہ اس جنسی حظ سے لطف اندوز نہیں ہوسکتیں جس کی انھیں توقع ہوتی ہے۔ ہمارے اس موضوع پر زور دینے کی وجہ یہی ہے کہ نوجوان (لڑے / لڑکیوں) کو شادی سے قبل اس بات سے آگاہ کر دیا جائے۔

شادی کے ابتدائی ایام میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک خاوند انزال کے فوراً بعد سو جاتا ہے۔ جبکہ بیوی ایسے حالات میں جنسی طور پر غیر آسودہ رہتی ہے اور اسے اپنے شوہر کی جانب سے مزید پیار محبت کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ طرز عمل اگر بار بار دہرایا جائے (جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا) تو اس وجہ سے بیوی، مباشرت کے عمل میں شریک ہونے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی بلکہ انٹر اوقات کتراتے ہے جس کی وجہ سے ان کی زندگی پر نہ صرف برے اثرات مرتب ہوتے ہیں بلکہ اس وجہ سے عورت میں بہت سے نفسیاتی مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس امر پر وجہ دلانے کی ضرورت ہے کہ مباشرت سے قبل چھیڑ چھاڑ کے مختلف طریقوں کی طرح مباشرت کے بعد بھی اس قسم کا طرز عمل اختیار کیا جائے کیوں کہ شادی شدہ زندگی میں اور بالخصوص ابتدائی ایام میں اس کا بھی ایک اہم کردار ہے۔

تمام دنیا میں مباشرت کے بعد، پیار محبت کا اظہار بہت حد تک نظر انداز کیا جاتا ہے۔ انٹر مرد، اپنی بیوی کو پیار محبت سے انگلیں کرنے یا محبت کے اظہار کا کوئی بھی طریقہ زبانی یا نسل استعمال نہیں کرتے جبکہ وہ خود جنسی حظ سے بہرہ یاب ہو چکے ہوں۔ ایک ایسی ہی بات کے بارے میں ماسٹرز اور جانسن (Masters and Johnson, 1986) نے مشاہدہ کیا کہ عورتیں، جسمانی طور پر جنسی ہیجان میں آنے کے بعد بہت آہستہ آہستہ نارمل حالت میں آتی ہیں بہ نسبت مردوں کے۔ مردوں کی نبض اور تنفس بہت جلد معتدل حالت پر آ جاتا ہے۔ جب مباشرت کے بعد ان کا عضو متاثر ڈھیلا پڑنے لگے۔ اس کے برعکس، عورتوں کا جسمانی نظام حظ جنسی کے بعد بھی، ہیجان کے اس عروج پر بہت دیر تک رہتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ مرد عورت کو جذباتی کیفیت اور جنسی ہیجان سے نکالنے کے لیے بیوی کے ساتھ پیار و محبت کا اظہار اور گفتگو کرے۔ خاوند کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ انزال کے بعد جب وہ خود جنسی حظ سے لذت یاب ہو چکا ہو تو بیوی کے ساتھ لپٹ کر اس کو پیار محبت سے سہلائے۔ گرم جوش سے بوسے لے۔ تاہم اگر کبھی خاوند ایسا نہ کر سکے تو بیوی کو چاہیے کہ کسی وقت اپنے خاوند سے اس پہلو کے بارے میں بات کرے کہ مباشرت کے بعد بیوی سے جسمانی طور پر دور

ہونے کا عمل وہ بتدریج، آہستگی، خوش دلی اور پیار محبت سے کرے نہ کہ فوری طور پر اور وہ بھی پیار محبت کے چند بولوں کے بغیر۔

مباشرت کے بعد اپنی بیوی کے ضمن میں اہم ترین امر یہ ہے کہ یہ ایسا وقت ہوتا ہے جبکہ بیوی کے ساتھ گرم جوشی سے لپٹنے، پیار کرنے، سہلانے اور جنسی معاملات یا دیگر موضوعات پر بات کرنے کی ضرورت ہوتی ہے بالخصوص اس صورت میں کہ بیوی کو کسی وجہ سے مباشرت میں درد، تکلیف محسوس ہو تو وہ جاننا چاہتی ہے کہ آیا آئندہ بھی یہ عمل تکلیف کا باعث بن سکتا ہے؟ یا چند مرتبہ کے بعد اس حالت میں کمی ہو جائے گی اور تکلیف رفع ہونے کی صورت میں یہ فعل پر لطف ہو جائے گا؟ درحقیقت اگر پہلی مرتبہ مباشرت میں تکلیف محسوس ہوئی ہو تو یہ بہت ضروری ہے کہ بیوی سے بہت زیادہ پیار محبت کی باتیں کی جائیں تاکہ آئندہ اس کے لیے یہ تجربہ تکلیف کا باعث نہ ہو سکے۔ خاوند کو یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ مباشرت کے بعد جبکہ دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ جنسی حظ اٹھانے کی کوشش کی ہو تو اس کی وجہ سے بیوی کے ساتھ بہت زیادہ انسیت اور ذہنی قربت کا تعلق استوار کرنا بہت اہم ہے۔ ایک محبت کرنے والا خاوند مباشرت کے بعد کبھی بھی، دوسری طرف کروٹ بدل کر سو نہیں جاتا اس لیے کہ شادی کی بہت سی راتیں سونے کے لیے نہیں ہوتیں بلکہ رات بھر جاگنے، بات چیت کرنے اور محبت سے ایک دوسرے کے ساتھ بار بار لپٹنے اور پیار محبت سے لطف اندوز ہونے کی راتیں ہوتی ہیں۔ چاہے انہیں پہلی چند راتیں جاگ کر ہی کیوں نہ گزاریں پڑیں۔

یہ امر بہت سی احادیث میں زور دے کر بیان کیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”یہ بہت ضروری ہے کہ ایک خاوند اپنی بیوی کے پاس بہت احتیاط اور پیار سے جائے اور جب اس نے حظ جنسی حاصل کر لیا ہو (مباشرت کے نتیجے میں) تو اسے جلدی سے اس سے عائدگی اختیار نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس کے ساتھ جنسی فعل کرتے رہنا چاہیے تاکہ وہ بھی حظ جنسی سے بہرہ مند ہو سکے۔“ (ابن قدامہ رحمہ اللہ ۲۲۰ھ)

مباشرت کے بعد کا وقت بھی اسی طرح پیچیدہ اور مشکل ہوتا ہے جس طرح کہ وہ لمحات : شب و ہر اپنی بیوی کے ساتھ پہلی مرتبہ ہم بستری کرتا ہے۔ مباشرت کے بعد فریقین ملے جلے

جذبات و احساسات سے دو چار ہوتے ہیں۔ مسلمان میاں بیوی کو چاہیے کہ انھیں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بہترین انعام سے نوازا ہے جس پر انھیں شکر ادا کرنا چاہیے۔ ایک بیوی کی وجہ سے مرد کو جسمانی، جذباتی اور نفسیاتی سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے جس کا کسی دوسرے طریقے سے حاصل ہونا ناممکن ہے۔ ایک خاوند کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ اس کی زندگی کا ایک بہت بڑا مرحلہ (Threshold) بہ احسن تکمیل کو پہنچ گیا جبکہ ایک بیوی کو بھی اس امر کا یقین ہونا چاہیے کہ پہلی مرتبہ مباشرت کا عمل بخیر و خوبی احسن طریق پر سرانجام پا گیا۔ اسے یہ بھی احساس ہونا چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کے ایک بہتر دور سے نکل کر جسے واپس نہیں لایا جاسکتا، دوسرے بہترین دور میں داخل ہو گئی ہے۔ ایک عقلمند اور محبت کرنے والے خاوند کو بھی اُسے یہ یقین دلانا چاہیے کہ اس کے لیے ذاتی طور پر یہ تجربہ بہت معنی خیز تھا اور اس کے ساتھ شادی کر کے گویا اُسے ایک اعزاز حاصل ہوا ہے۔

ایک دوسرے کے جذبات، خیالات اور احساسات کے بارے میں جاننے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مباشرت کے بعد خوب پیار محبت سے بات چیت کی جائے۔ جس طرح دورانِ مباشرت، میاں بیوی کے درمیان ایک دوسرے کو اپنے جذبات سے آگاہ کرنا ضروری ہے، اسی طرح مباشرت کے بعد بھی یہ بہت ضروری ہے۔ ہر شخص اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں جنسوں میں، ایک بڑا فرق اس بنا پر ہوتا ہے کہ عورتیں اپنے جذبات و احساسات کا زبانی اظہار کرتی ہیں (جسے بعض لوگ ان کے ”باتونی“ ہونے پر محمول کرتے ہیں) تاہم مرد لوگ بالعموم اس قسم کے گہرے جذبات رکھتے ہیں لیکن وہ انھیں بیان کرنا ضروری نہیں سمجھتے بلکہ کسی نہ تک اسے ”مردانگی“ کے خلاف بھی سمجھتے ہیں۔ اگر ایک خاوند اپنی بیوی کو اپنی زندگی کے اس پہلے تجربے کے بارے میں مثبت انداز میں بتا سکے تو یوں سمجھیں کہ اپنی بیوی کے ساتھ اس نے آئندہ کے لیے ایسے موضوعات پر بات چیت کرنے کے لیے راہیں کھول لی ہیں۔ بیوی نے ساتھ قریبی لمس اور قرب کے ساتھ جڑے رہنا اس بات کی علامت ہے کہ بیوی کو یہ احساس دیا جائے کہ خاوند کو اس تجربے سے کامیابی کے ساتھ گزرنے پر بہت مسرت ہوئی ہے اور یہ دونوں کے لیے بہترین نقطہ آغاز ہے نہ صرف اس موقع پر بلکہ آئندہ آنے والی تمام زندگی میں بھی۔

بیوی سے مباشرت کتنی مرتبہ کی جائے؟ کیا مردوں میں جنسی شہوت زیادہ ہوتی ہے؟
عام طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا عورت میں مرد کی نسبت جنسی شہوت زیادہ ہوتی ہے؟
ایک سروے میں ۳۰۰۰ عورتوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ۵۴ فی صد عورتوں کے خیال میں
مردوں میں جنسی شہوت زیادہ ہوتی ہے۔ (Anon، ۱۹۹۱)

یہ حقیقت ہے کہ عام طور پر مردوں میں جنسی خواہش زیادہ ہوتی ہے۔ اور مرد بھی جنسی
ذاتی اور جنسی افعال میں ملوث ہونے کے موڈ یا ادوار سے گزرتے ہیں۔ جنسی خواہش تکمیل کی
سیرتیں جس طرح ان کا اظہار ہوتا ہے، دونوں اصناف میں سائنسی اور حیاتیاتی نقطہ نظر سے
تکلف ہوتی ہیں۔ مردوں کے جنسی جذبات کے براہیختہ ہونے میں آنکھ سے دیکھنا ایک بہت
ہم کردار ادا کرتا ہے۔ وہ جنسی طور پر ”نظر بازی“ کے ذریعے مشتعل ہوتے ہیں، اس کے
بیس عورتیں جنسی طور پر بات چیت اور گفتگو کے ذریعے جلد مشتعل ہوتی ہیں بہ نسبت کسی چیز کو
دیکھنے یا چھونے کے۔ یہ ایک ایسا فرق ہے جو بالخصوص عورتوں میں ان کی جنس (Gender) کی
وجہ سے ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک خاوند اپنی بیوی کی کسی جھلک سے ہی جبکہ وہ
پیرے تبدیل کر رہی ہو، فوراً ہی (سیکندوں میں) اس قدر شدید جنسی اشتعال میں آ جاتا ہے
۔ اس میں بیوی کے ساتھ مباشرت کی شدید طلب اور خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اس وجہ سے
نہیں ہوتا کہ اس میں زیادہ شہوت پائی جاتی ہے بلکہ اس کی وجہ نظر سے ملنے والی جنسی تحریک
ہے جو اسے بیوی کے جسم کو دیکھنے سے ملتی ہے اور یوں وہ بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے پر تیار
ہو جاتا ہے۔

اس حقیقت کی تائید سائنس دانوں نے بھی کی ہے Jerome and Rainer, 1969
طراز ہیں کہ ”چونکہ خاوند شہوانی خیالات سے بہت زیادہ اور جلد متاثر ہوتے ہیں اس لیے وہ
اپنی بیوی سے جلدی جلدی اور بار بار مباشرت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہر وقت جنسی اشتعال کے
نارے (Brink of arousal) پر کھڑا ہوتا ہے۔ وہ جنسی اشتعال کے مختلف طریقوں سے

① شاید غصہ بصر کے حکم میں یہی مصلحت پوشیدہ ہے کہ غیر عورتوں کے لیے نظروں کو نیچا رکھا جائے۔ (سورہ النور ۳۰:۲۴)
شر دو چار رہتا ہے کیونکہ گھر سے باہر وہ بہت سے ایسے مواقع سے دو چار ہوتا ہے جو اسے جنسی

تحریک دلاتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس، عورتوں کو جنسی اشتعال کے بہت کم مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ اس لیے انھیں کم جنسی تحریک ملتی ہے۔ وہ عام طور پر بہت سے ایسے نفسیاتی محرکات سے دو چار ہوتی ہے جس کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ عورت شہوانی جذبات میں کم مبتلا ہونے والی مخلوق ہے۔ نفسیاتی محرکات کے یہ حقائق بہت کم میاں بیوی کو معلوم ہوتے ہیں اور بالخصوص بہت کم خاوندوں کو۔ عام طور پر جو خاوند اپنی بیویوں میں شہوت کی کمی کا شکوہ کرتے ہیں، وہ از خود بے صبرے عاشق (Impatient wooers) ہوتے ہیں اور جنسی جذبے سے معمور! وہ اس امر کے ادراک میں یکسر ناکام ہو جاتے ہیں کہ محبت کی گفتگو اور محبت سے بیویوں کو پیار کرنا، ان میں شہوانی جذبات کو تحریک دینے کے ایسے موثر ترین ذرائع ہیں کہ پیار بھرے الفاظ کی مدد سے عورت کے دل تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے اور یہ عورت کو جنسی طور پر برا بیچھتہ کرنے کا واحد راستہ ہے۔ ایک بیوی جذباتی طور پر بہت زیادہ آسودگی کی خواہش مند ہوتی ہے اور مباشرت کے لیے فوری کوشش یا مطالبہ، بعض اوقات اس کے جنسی جذبات کو سرد کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ شادی کی طویل زندگی میں میاں بیوی کے درمیان نرم و نازک، پر مزاح اور گرجوش کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کے ذریعے عورت میں مباشرت کی خواہش بغیر کسی قسم کے اہتمام کے خود بخود لیکن آہستہ آہستہ پیدا ہو جاتی ہے۔ ان مختلف طریقوں سے جنسی جذبات فطری انداز میں خود بخود پیدا ہوتے ہیں جن کے ذریعے میاں بیوی ایک دوسرے کو جانتے، پہچانتے اور پیار محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

جیسا کہ بتایا گیا کہ مردوں کو جنسی اشتعال میں آنے میں آنکھ سے دیکھنا ایک اہم ذریعہ ہے۔ مرد جنسی معاملات کے بارے میں سوچتے ہیں اور جنس میں ملوث ہونے کو خیالات میں (Fantasize) روبہ عمل لاتے ہیں۔ ایک سنڈی سے معلوم ہوا کہ ایک اوسط امریکی مرد جنس کے بارے میں ہر دس منٹ میں ایک مرتبہ سوچتا ہے (Anon, ۱۹۹۱)۔ ایک دوسری سنڈی سے معلوم ہوا کہ مرد عورتوں کی نسبت تین گنا زیادہ سوچتے ہیں۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مردوں کی اس جنسی سوچ کے محرکات میں عریانی کو بہت زیادہ دخل حاصل ہے۔ وہ معاذرہ جس میں وہ رہتے ہیں، جہاں ٹی وی، ڈش، انٹرنیٹ، ریڈیو، فلمیں اور اشتہارات جنسی خواہش

اشتعال پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تاہم اس سے بھی اہم تر وہ آزادانہ صنفی تعلق ہے جو مرد و عورت کو زندگی کے ہر موڑ پر جنسی تحریک میں جتلا کرنے کا ایک بہت اہم ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں دونوں صنفوں کی علیحدگی اور شادی کو آسان بنانے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے تاکہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں کسی بے راہ روی کا شکار نہ ہو جائیں، یہ چند ایسے اہم اقدامات ہیں جن کے ذریعے جنسی اشتعال کے اس بڑھتے ہوئے طوفان کو روکا جاسکتا ہے جس سے مغرب میں مرد و چار ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ مرد اور عورت میں جنسی خواہش اور قوت و طاقت (انرجی) کے حوالے سے ایک اور فرق بھی ہوتا ہے۔ مرد لوگ مشینوں کے ساتھ کام کرنے اور طویل سفر میں ڈرائیونگ کرنے کے بعد بھی جنسی مباشرت کرنے کے لیے قوت و طاقت (انرجی) رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح بیوی کے ساتھ مجامعت کے ذریعے وہ اپنی کھوئی طاقت (کام کاج کے ذریعے) کو بحال کر سکتے ہیں۔ اس طرح بیماری کے دوران بھی ان کے اندر شدید جنسی خواہش پیدا ہو جاتی ہے (Havelock Ellis 1927) جبکہ اس کے برعکس، اگرچہ گھروں میں عورتوں کے کام کاج، (بچوں کی پرورش، دیکھ بھال اور دیگر امور کی سرانجام دہی) بھی بہت محنت طلب کام ہیں جس کی وجہ سے وہ جلد ہی تھکاوٹ سے چور ہو جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نرم و نازک بنایا ہے (یہ عورت کی کمزوری نہیں بلکہ ان کا ایک قدرتی اور ضروری وصف ہے)۔ اس بنا پر ان کی جنسی خواہش بھی پس پشت چلی جاتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد اور عورت کا دماغ مختلف انداز میں سوچتا ہے۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک عورت کی جنسی خواہش (Libido) کا تعلق اس کے دماغ کے جذباتی فیصلوں کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ ایک مرد کی جنسی خواہش کا اس کے جذبات کے ساتھ تعلق کسی حد تک کم ہوتا ہے اور اس فرق کی وجہ سے ان کے درمیان جنسی خواہش کا فرق پایا جاتا ہے جو کہ صنفی اختلاف (Gender differences) ہی کا نتیجہ ہے۔ البتہ ایک پہلو سے مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ وہ یہ کہ دونوں اصناف، جسمانی ہارمونز (ماء الحیات) سے یکساں طور پر متاثر ہوتے ہیں، بہت سی عورتوں میں ماہواری کا دور ۲۸ دن ہوتا ہے جس کی

وجہ سے ان کا موڈ میں ان جنسی خواہش کی بیداری پیدا کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے جنسی اعضاء سے مختلف رطوبتوں کا اخراج ہوتا ہے۔ مردوں میں بھی اسی قسم کا ایک دور آتا ہے لیکن وہ بہت محدود مدت کا ہوتا ہے۔ مردوں میں مردانہ جنسی ہارمون (Testosterone) کا دور تین روز پر مشتمل ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان پر خاص قسم کا موڈ طاری ہوتا ہے، جنسی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس امر کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس کا اخراج عمل میں آجائے جو مردانہ ہارمون کے جمع ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک اوسط مرد میں حیاتیاتی نقطہ نظر سے اپنی بیوی سے قربت کی خواہش ہر تین روز بعد پیدا ہوتی ہے اور اگر وہ اس دوران میں اپنی بیوی سے مباشرت نہ کر سکے تو پھر اسے چند دنوں میں احتلام ہو سکتا ہے۔ تاہم اس خواہش کا انحصار عمر کے ساتھ ہے نیز انفرادی طور پر بھی دو مردوں میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح عورتوں میں PMS (ایک ہارمون جو عورتوں میں پایا جاتا ہے) کی سطح ہر عورت میں مختلف ہوتی ہے۔ (Anon, 1999)

یہ ایک حسن اتفاق ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ ہر تین دن بعد مباشرت کرنے کی یہ خواہش (جس کو حالیہ دور میں سائنس دانوں نے دریافت کیا) بھی مسلمان اہل علم کی اس سفارش کے عین مطابق ہے جو انھوں نے بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے کے لیے کی تھی اور جس کا ذکر ہم درج بالا صفحات میں کر آئے ہیں۔

ایک اکثر پوچھا جانے والا سوال یہ ہے کہ آیا جنسی خواہش مرد میں زیادہ ہوتی ہے یا عورت میں اور یہ اس لحاظ سے کوئی نیا سوال نہیں جو آج ہی پوچھا جا رہا ہو۔ مسلمان فقہانے اس پہلو پر بھی بہت تفصیل کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی رائے کے مطابق، مرد میں جنسی خواہش کے زیادہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انھیں چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد ایک سے زائد بیویوں کی جنسی خواہش کی تسکین کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ تاہم یہ امر ذہن میں رہے کہ خاوند، اپنی بیوی کی جنسی تسکین کرنے کا ذمہ دار ہے اور اس پر یہ بات فرض کی گئی ہے۔ اس سے اس پہلو پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ایک مرد میں خواہش کی نسبت زیادہ جنسی خواہش اور طمانت ہوتی ہے۔

مغرب اور دوسرے ممالک میں ایک عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ ایک عورت ایک سے زائد مردوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے جنسی لذت حاصل کر سکتی ہے جبکہ ایک مرد کو ایک مرتبہ کے انزال کے بعد عضو تناسل کے دوبارہ استیادہ ہونے اور جنسی ہیجان میں آنے کے لیے کچھ دیر لگتی ہے اور یہ امر اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ عورتیں مردوں سے زیادہ جنسی خواہش / طاقت رکھتی ہیں۔ ایک نارمل عورت کے لیے یہ صورت حال صحیح نہیں۔ یہ چند استثنائی صورتوں میں بالخصوص بیماری کی حالت میں ہو سکتا ہے جیسے جنسی خواہش کا شدید غلبہ (جسے (Nymphomania) کہتے ہیں) جو زنانہ ہارمونز کی زیادہ اور مسلسل پیدائش یا ان کے نظام میں خلل پڑ جانے کی وجہ سے کچھ عورتوں (بلکہ دیگر مادہ جانوروں میں بھی) ہو جاتا ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”اعلام الموقعین“ میں لکھا ہے کہ امر واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ مباشرت کے نتیجے میں ایک عورت اس حد تک مطمئن ہو جاتی ہے کہ وہ کسی اور مرد سے دوبارہ مباشرت کرنے کی متحمل نہیں ہو سکتی (اسے مباشرت کی خواہش / ضرورت نہیں رہتی) الا یہ کہ اس کا خاوند دوبارہ مباشرت کرنے کا خواہش مند ہو۔ اس بات سے اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ ایک عورت کیوں، ایک سے زائد مردوں سے شادی نہیں کر سکتی؟ (جس طرح کہ مرد کو تعدد ازواج کی اجازت ہے) اس امر کی جانب اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ایسی حالت میں کہ اگر ایک عورت کے بہت سے خاوند ہوں تو اس کے لیے ایسے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں جب کہ اس کے تمام خاوند (یا محبت کرنے والے) بیک وقت اس کے ساتھ مباشرت کرنے کے خواہاں ہوں۔

نہ امر کی تردید کرتے ہوئے کہ ایک عورت کو مرد کی نسبت سات گنا جنسی قوت دی گئی ہے، ابن قیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ ”اگر مرد کو جنسی خواہش اور طاقت کم تر دی گئی ہوتی تو پھر اللہ تعالیٰ نے مرد کو چار بیویوں اور ان کے علاوہ لونڈیوں سے بھی مباشرت کرنے کی اجازت کبھی نہ دی ہوتی۔ مزید برآں یہ مفروضہ بھی سچ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت پر کوئی ناروا قدغن ایک سے زائد مردوں سے شادی نہ کرنے کی صورت میں لگائی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ سے یہ بھی بعید ہے کہ اس نے ایک مرد کو زیادہ عورتوں سے شادی کی اجازت دی جبکہ یہ ان کی ضرورت نہ تھی یا کسی (عورت) کو اس سے محروم رکھا جسے کہ زیادہ خاوندوں کی ضرورت تھی۔

اس امر کی تردید کے لیے مزید دلائل دیتے ہوئے، یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ چار عورتوں سے شادی کرنے کے عوض میں ایک مرد پر بار بھی ڈالا گیا ہے کہ وہ ان تمام عورتوں کے نان نفقہ کا بندوبست بھی کرے گا۔ اسی لیے مردوں کو وراثت میں بھی زیادہ حصے کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔

عام طور پر پوچھا جانے والا ایک عملی سوال یہ بھی ہے کہ ایک نئے شادی شدہ جوڑے کو کتنی مرتبہ مباشرت کرنی چاہیے؟ اس پہلو سے کوئی خاص ہدایت دینا مشکل ہے کیونکہ انسانی زندگی میں اس کی جنسی خواہش کے علاوہ، کوئی ایسا پہلو نہیں جس میں جنسی خواہشات اور قوت کار (Sexual potential) میں زیادہ تفاوت پایا جاتا ہو۔ زیادہ سے زیادہ مشورے کے طالب کسی شخص کو، یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ہفتے میں سات مرتبہ بھی مباشرت کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ اس قدر جنسی لذت حاصل کرنے کا متنی ہو۔ ہفتے میں دو سے پانچ مرتبہ بھی مباشرت کی جاسکتی ہے جو اس قدر کے متحمل ہوں۔ تاہم یہ امر کسی شخص کے لیے بھی ممکن نہیں، قطع نظر اس کی جنسی قوت و طاقت کے، کہ وہ اس قدر مباشرت کرے کہ اس کی صحت و تندرستی متاثر ہو۔ فطرت نے انسانی جسم میں حفاظتی تدابیر اور طریقے پیدا کر دیے ہیں جو کسی زیادتی کی حالت میں فوراً خود بخود رد بہ عمل ہو جاتے ہیں جس وجہ سے انسان ایسے اقدامات کرنے سے باز آ جاتا ہے۔ تاہم کسی معقول اور معتدل طبیعت کے مرد یا عورت کو اکثر مباشرت کرنے سے بہت زیادہ ڈرنے یا احتیاط کرنے کی ضرورت نہیں۔ (Robert Chartham, 1969)

اس جگہ ایک دلچسپ نتیجہ جو ماسٹرز اینڈ جونسن (۱۹۸۶) نے اخذ کیا ہے، درج کرنے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے اپنی سنڈی میں ایک بڑی عمر کے گروپ کے مردوں اور عورتوں کے جنسی رویے اور اعمال کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا کہ کوئی شخص ۳۵ سال تک جس قدر زیادہ مباشرت کرتا ہے تو ایسا شخص آئندہ زندگی میں بھی اسی قدر زیادہ اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ ان کے بقول یہ کسی مرد کا وہ خوف ہے جو اسے دامن گیر رہتا ہے کہ اس کا عضو تناسل ایستادہ بھی ہو سکے گا یا نہیں؟ اور اسی فکر کی وجہ سے وہ اپنی زندگی کے آخری ادوار میں مباشرت سے گریز کرنے لگتا ہے۔

دور اول کے مسلمان اہل علم نے بھی میاں بیوی کے درمیان مباشرت کرنے کے بارے

میں گفتگو کی ہے اور بتایا ہے کہ کسی جوڑے کے لیے کس قدر اور کتنی مرتبہ مباشرت کرنی مناسب ہے۔ فقہانے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ ہر چار روز بعد مباشرت کرنی چاہیے۔ تاہم یہ مناسب ہے کہ مباشرت کی عادت کو دونوں میاں بیوی کو اپنے موڈ اور ذاتی رجحان پر چھوڑ دینا چاہیے جس کا لازمی طور پر انحصار بہت سے عوامل پر ہوتا ہے جس میں عمر اور ان کی صحت کا معیار نیز غذائی حالت بہت اہم خیال کیے جاتے ہیں۔ (محمد عبدالرؤف ۱۹۹۵)

اس جگہ جولیا اور جیروم (Julia and Jerome, 1969) نے جن مشاہدات کو قلم بند کیا ہے ان کا جاننا بہت دلچسپ ہوگا۔ وہ رقمطراز ہیں کہ ”الہامی اور غیر الہامی تعلیمات نے قدیم یہودیوں سے لے کر آج تک ”مباشرت کتنی مرتبہ کرنی چاہیے“ کے سوال کا جواب دیا ہے۔ تلمود میں طلباء کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ہر شب مباشرت کیا کریں تاکہ دن کے وقت زیادہ علمی انہماک اور توجہ سے پڑھائی کر سکیں۔ اس کے برعکس بعد میں آنے والے اہل علم (Medieval scholars) کا خیال تھا کہ مباشرت کی وجہ سے علمی انہماک پر برا اثر پڑتا ہے۔“

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ میاں بیوی کے درمیان، مباشرت کرنے کے سوال کا جواب مسلم اہل علم نے بھی کافی شرح و بسط کے ساتھ دیا ہے۔ وہ ایک حقیقت کے طور پر سمجھتے تھے کہ جنسی قوت اور خواہش، اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت اور عطیہ ہے جس سے انسان کو لطف اندوز ہونا چاہیے بغیر کسی افراط و تفریط میں مبتلا ہوئے۔ اس لیے جب اور جس وقت کوئی شخص جنسی طور پر ضرورت مند ہو مباشرت کرنی چاہیے اور یہ خواہش بھی خود اس کے اندر سے اٹھتی ہو نہ کہ جنسی خیالات/عریاں فلمیں دیکھنے سے پیدا کی گئی ہو۔ ایسے عالم میں مباشرت کرنے میں تاخیر کسی صورت بھی مناسب نہیں۔ (ابن قیمؒ ۵۱ھ)

امام غزالی رحمہ اللہ نے کہا کہ ایک خاوند کو اپنی بیوی کے ساتھ ہر چوتھے دن مباشرت کرنی چاہیے۔ انھوں نے چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ ایک مرد اپنی جنسی خواہش کو چار یوم سے زیادہ موخر نہیں کر سکتا۔

ایک حدیث کی رو سے جو ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی میں بیان ہوئی ہے کہ ”ہر وہ شخص جو بیوی کے لیے جمعہ کی رات کو نہانے کے فرض حکم کی تعمیل کرنا چاہتا ہو تو اسے ایک سال کا

ثواب ملے گا جیسے کہ وہ سال بھر روزہ رکھتا رہا ہو اور جس نے سال بھر رات کے وقت نماز پڑھی۔“ ابن قدامہ رحمہ اللہ کا یہ خیال ہے کہ ایک خاوند کو اپنی بیوی کے ساتھ جمعہ کی رات کو مباشرت کرنے اور جمعہ کی صبح کو اپنے اور بیوی کے نہانے کا بندوبست کرنا چاہیے۔ امام احمد اور دیگر تابعین کی بڑی اکثریت اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت کرنے کی وجہ سے جمعہ کے دن نہایا کرتی تھی۔ (ابن حجر رحمہ اللہ عسقلانی ۸۵۲ھ)

امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کا وقفہ چار دن قرار دیا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ایک خاوند اپنی بیوی کو جنسی حظ سے بہرہ مند کرنے کا ذمہ دار ہے اور اُسے اپنی بیوی کو جنسی لطف سے تسکین حاصل کرنے سے کسی صورت بھی محروم نہیں رکھنا چاہیے۔ چونکہ عورتیں اپنی فطری شرم و حیا کی بنا پر اپنے خاوندوں سے جنسی تعلقات کا تقاضا نہیں کر سکتیں پس خاوند کو از خود پہل کر کے ان کی جنسی ضرورت اور تقاضوں کو پورا کرنا چاہیے تاہم انھوں نے متنبہ کیا کہ مباشرت میں اس قدر انہماک اور توجہ کسی صورت بھی مناسب نہیں جس کی وجہ سے دیگر امور زندگی مثلاً روزی کمانا، خاندان اور سوسائٹی کی ذمہ داریاں متاثر ہوں۔

دورانِ حمل مباشرت کرنا:

حمل کے دوران اپنی بیوی سے مباشرت میں کوئی حرج نہیں الا یہ کہ ڈاکٹر نے اس کی ممانعت کی ہو۔ تاہم حمل کے آخری ایام میں پیٹ کے بڑھنے اور باہر کی طرف نکلنے کی وجہ سے میاں بیوی کو کسی قدر دقت محسوس ہو سکتی ہے۔ البتہ ایسی حالت میں خاوند بیوی کی پشت کی جانب لیٹ کر دخول کر سکتا ہے اس دوران میں بہت زیادہ تکلیف دہ طریقوں سے مباشرت نہیں کرنی چاہیے تاہم رحم میں پلنے والے بچے کو کسی قسم کی کوئی گزند نہیں پہنچتی۔

اگر حمل نارمل ہے تو اس تمام دوران میں مباشرت کا عمل نقصان دہ نہیں ہوتا۔ بہت سی عورتیں محسوس کرتی ہیں کہ حمل کے مختلف مراحل میں ان کی جنسی خواہش میں ان پر اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے جبکہ اس کے برعکس بہت سی عورتیں، پیٹ کے بڑھنے کی بنا پر تکلیف محسوس کرتی ہیں تاہم متعدد دوسرے طریقوں سے یعنی بوسے لینے اور محبت سے ایک دوسرے کے ساتھ لپٹنے سے جنسی خواہش کی کسی حد تک تسکین کی جاسکتی ہے۔

اگر ڈاکٹر نے حمل میں کسی تکلیف یا پیچیدگی کا شبہ ظاہر کیا ہے تو پھر بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ اس قسم کی پیچیدگیوں میں درج ذیل امور اہم ہیں:

« اسقاط حمل کا امکان

« حمل کی مدت پوری ہونے سے پہلے رحم کا سکڑنا/ دردِ زہ کی علامت

« ویجائنہ سے خون یا رطوبتوں کا اخراج۔

« رحم میں بچے کے گرو لپٹنے والے پردوں سے پانی کا اخراج۔

کچھ ڈاکٹر بطور احتیاط بیویوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ حمل کے آخری ایام میں مباشرت سے پرہیز کریں۔ جیسا کہ بتایا گیا کہ حمل کے دوران، مباشرت سے بچے کو کسی قسم کی کوئی تکلیف یا خدشہ نہیں ہوتا۔ اللہ کریم نے بچے کو ایک ایسی محفوظ جگہ اور حالت میں (رحم میں) رکھا ہوتا ہے جس کے گرد تین باریک پردوں کا ایک حصار ہوتا ہے جس میں بہت سی مانع رطوبتیں جمع ہوتی ہیں اور بچہ ان پردوں کی رطوبتوں کے اندر تیرتی ہوئی حالت میں رہتا ہے اور ہر قسم کے جھکوں سے محفوظ رہتا ہے۔ رحم کا منہ (Cervix) بھی آنول نما رطوبتوں کی بنا پر اچھی طرح سے بند ہوتا ہے جس کی وجہ سے جراثیم وغیرہ اندر نہیں جاسکتے۔ مباشرت کے دوران، مرد کا عضو تناسل بھی کسی صورت میں بچے کے ساتھ مس نہیں کرتا۔ اس طرح جنسی حظ کی انتہا پر بھی رحم کے اندر سکڑنے کا جو عمل واقع ہوتا ہے اس سے بھی بچے پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔ احتیاطاً عورت کو مناسب وقفوں کے ساتھ کسی ڈاکٹر سے میڈیکل چیک اپ کراتے رہنا چاہیے۔

قرار حمل کا طریقہ:

کچھ عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو شادی کے ایک دو سال بعد بھی قرار حمل نہیں ہوتا۔ ایسے عالم میں میاں بیوی اکثر بہت پریشان ہو جاتے ہیں اور بچے کی پیدائش کے لیے قرار حمل کے طریقوں کو معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے زوجین کے لیے یہ امر بہت ضروری ہے کہ قرار حمل نہ ہونے سے وہ بالکل پریشان نہ ہوں کہ یہ خالص اللہ تعالیٰ کے ارادہ و اختیار پر منحصر ہوتا ہے تاہم ذیل میں چند ایسے مفید عمومی مشورے درج کیے جا رہے ہیں جن پر عمل کیا جاسکتا ہے:

(Alexix Robby, 2000)

ماہواری آنے سے قریباً ۱۴ دن قبل مباشرت کرنا جبکہ عورت کی بیضہ دانی سے اخراج بیضہ کا عمل واقع ہوتا ہے۔

اڑتالیس (۲۸) گھنٹے کے بعد مباشرت کرنا کہ مادہ منویہ کے حیوانی خلیے اسی مدت میں مکمل طور پر بن جاتے ہیں۔

مباشرت کے وقت اگر مرد، عورت کے اوپر لیٹتا ہے تو اس میں قرار حمل کے امکانات بڑھ جاتے ہیں کہ مرد کا تمام تر مادہ منویہ عورت کے ویجاہینہ / رحم ہی میں رہتا ہے۔ مباشرت کے بعد کچھ دیر کے لیے لیٹے رہنے سے بھی یا خاص کر اپنے نیچے کوئی ٹکیہ رکھ لینے سے بھی مادہ منویہ کو باہر نکلنے کا موقع نہیں ملتا۔

قرار حمل نہ ہونے کی وجہ سے میاں بیوی بالکل پریشان نہ ہوں کہ اس قسم کے ذہنی دباؤ سے بھی قرار حمل میں تاخیر ہو سکتی ہے۔

ایسے عالم میں کہ شادی کے بعد بہت زیادہ عرصہ گزر گیا ہو تو پھر کسی ماہر لیڈی گائونکولو جسٹ سے مشورہ کرنا چاہیے۔

شادی کی پہلی رات کے بعد چند مزید اہم پہلو:

مغرب میں جنسی مباشرت کا عمل اس قدر عام اور جلدی میں واقع ہونے والا عمل بن گیا ہے کہ کوئی عورت یا مرد بدنی صفائی اور ذاتی ہائی جین کے بارے میں متردد نہیں ہوتا۔ عام طور پر مباشرت کے بعد وہی لباس پہن لیا جاتا ہے خاص کر زیر جامہ وغیرہ جن پر مادہ منویہ اور خون کے دھبے بھی لگے ہوتے ہیں جو جسم پر بھی لگ جاتے ہیں، ان کی صفائی کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا۔ اسلام صفائی اور پاکیزگی کا ایک بہت اونچا تصور دیتا ہے (طہارت / پاکیزگی کا تصور اس قدر اچھوتا ہے کہ انگریزی زبان میں اس کے لیے کوئی مترادف لفظ تک نہیں ہے!) اور اسے فرض قرار دیتا ہے کہ میاں بیوی مباشرت کے بعد ضرور نہائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہدایت فرمائی کہ ایک عظیمند عورت کو اپنے بستر کے قریب ایک صاف کپڑا رکھنا چاہیے جو اسے مباشرت کے بعد اپنے خاوند کو دینا چاہیے تاکہ وہ اپنی صفائی کر سکے۔ پہلے خاوند اور بعد میں بیوی کو اپنا جسم اور کپڑے خشک / صاف کر لینے چاہئیں۔ ہر مرتبہ

مباشرت کے بعد یہ مناسب ہے کہ پیشاب کر لیا جائے بلکہ اسے عادت بنالینا چاہیے کہ بیوی سے مقاربت کے بعد پیشاب کے ذریعے، اپنی پیشاب کی نالی کو صاف کر لیا کرے۔
وضو، تیمم اور غسل:

میاں بیوی کے لیے بہترین بات یہ ہے کہ وہ دونوں اس وقت تک مت سونیں جب تک کہ وضو نہ کر لیں۔ اس ضمن میں بہت سی احادیث ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ”جب کبھی حضور ﷺ جنابت (مباشرت کے بعد نہانے سے پہلی حالت کو جنابت کہتے ہیں) کی حالت میں سونا یا کھانا چاہتے تھے تو آپ ﷺ اپنے اعضاء کو دھو کر وضو کر لیا کرتے تھے جس طرح نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے (بخاری، مسلم)۔ تاہم سونے سے قبل نہالینا بہت اچھا ہے (موطا امام مالک)۔ اس امر کی بھی اجازت ہے کہ مباشرت کے بعد سونے سے قبل تیمم کر لیا جائے (پاک خاک سے وضو کرنا)۔ اس کا انحصار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ ایک حدیث پر ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ ”جب کبھی پیغمبر ﷺ جنابت کی حالت میں ہوتے تھے اور سونا چاہتے تھے تو وہ وضو یا تیمم کر لیا کرتے تھے۔“ (البیہقی)

اس امر کی نشان دہی بھی ضروری ہے کہ اگر ایک دفعہ مباشرت کے بعد، میاں بیوی دوبارہ مباشرت کرنا چاہیں تو بہتر ہے کہ وضو کر لیا جائے (مسلم، ابن ماجہ، ابوداؤد)۔ ایک حدیث حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ جو حضور ﷺ کے غلام تھے، سے مروی ہے کہ ”ایک دفعہ حضور ﷺ نے اپنی تمام ازواج رضی اللہ عنہن سے ایک دوسرے کے بعد خلوت کی اور ہر دفعہ غسل کیا۔“ جب ابورافع رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ ”کیا ایک دفعہ ہی غسل کرنا ٹھیک نہیں تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”یہ زیادہ صاف ستھرا اور فرحت کا باعث ہے۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

درج بالا امور کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ملہارت اور پاکیزگی کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور اس کے چند دیگر پہلو بھی ہیں۔ صحت و تندرستی کے قیام کے نقطہ نظر سے کہا جاتا ہے کہ مباشرت کے بعد وضو کرنا یا نہانا، فریقین کے لیے بہت فرحت بخش اور مرد کو چاق و چوبند بنا دیتا ہے۔ مزید یہ کہ جنسی فعل کی وجہ سے جو انزجی/ طاقت خرچ ہوتی ہے، وہ نہانے سے کسی حد تک بحال ہو جاتی ہے اور پیشاب وغیرہ کرنے سے دیگر جنسی امراض سے محفوظ رہا جاسکتا ہے (ابن قیم رحمہ اللہ)

۵۷ھ، شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۱۷۶ھ)

پاکیزگی کا تصور قرآن مجید کی درج ذیل دو آیات سے اخذ کیا گیا ہے اور یہ تصور سورہ النساء (۴: ۴۳) اور سورہ المائدہ (۵: ۶) میں بیان ہوا ہے۔ سورہ النساء میں اللہ کریم نے فرمایا:

﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَآيْدِيكُمْ﴾

”اور اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ غسل نہ کرلو، الا یہ کہ راستہ سے گزرتے ہو اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے لمس کیا ہو اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔“

ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے سید مودودی رقمطراز ہیں کہ ”عربی لفظ ”جنابت“ کے اصل معنی دوری اور بیگانگی کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں جنابت سے مراد وہ نجاست ہے جو قضاء شہوت سے یا خواب میں مادہ خارج ہونے سے لاحق ہوتی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے آدمی طہارت سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔“ ”اگرچہ اس امر پر قریب قریب سب کا اتفاق ہے کہ اگر آدمی حالت سفر میں ہو اور جنابت لاحق ہو جائے اور نہانا ممکن نہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔“ اسی طرح اگر مریض ہے اور غسل یا وضو کرنے سے اس کو نقصان کا اندیشہ ہے تو پانی موجود ہونے کے باوجود تیمم کی اجازت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔“

”تیمم کے معنی قصد کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب پانی نہ ملے یا پانی ہو اور اس کا استعمال ممکن نہ ہو تو پاک مٹی استعمال کرو۔“ ”اکثر فقہاء کی یہ رائے ہے کہ ایک دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر منہ پر پھیر لیا جائے، پھر دوسری دفعہ ہاتھ مار کر انھیں کہنیوں تک ہاتھوں پر پھیر لیا جائے۔“ تیمم کے لیے یہ ضروری نہیں کہ زمین ہی پر ہاتھ مارے جائیں۔ اس غرض کے لیے ہر گرد آلود چیز اور ہر وہ چیز جو خشک اجزا پر مشتمل ہو، کافی ہے۔“

”بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس طرح مٹی پر ہاتھ مار کر منہ اور ہاتھوں پر پھیر لینے

نے آخر طہارت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے لیکن درحقیقت یہ آدمی میں طہارت کی حس اور نماز کا احترام قائم رکھنے کے لیے ایک اہم تدبیر ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی خواہ کتنی ہی مدت تک پانی استعمال کرنے پر قادر نہ بہر حال اس کے اندر طہارت کا احساس برقرار رہے گا۔“ پاکیزگی کے جو قوانین شریعت میں مقرر کر دیے گئے ہیں ان کی پابندی وہ برابر کرتا رہے گا اور اس کے ذہن سے قابل نماز ہونے کی حالت اور قابل نماز نہ ہونے کی حالت کا فرق و امتیاز کبھی محو نہ ہو سکے گا۔“

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ مباشرت کے بعد یا احتلام کی صورت میں یا مشیت زنی سے ماہِ منویہ کے اخراج کی صورت میں ایک شخص کے لیے فرض ہے کہ وہ نہالے۔ غسل سے پہلے اسے چاہیے کہ نیت کرے اور غسل کسی تنہا جگہ میں کیا جائے اور نہاتے وقت قبلے کی طرف رخ نہ کیا جائے۔ غسل کھڑے یا بیٹھ کر کیا جاسکتا ہے تاہم بیٹھ کر نہانا بہتر ہے۔ غسل کا طریقہ درج ذیل ہے۔ (Anon, ۱۹۹۹a)

۴۴ کلائی تک دونوں ہاتھوں کا دھونا۔

۴۵ جنسی اعضاء کو دھونا جنابت کی حالت کے بغیر بھی ہاتھوں اور جنسی اعضاء کو دھونا چاہیے۔

۴۶ اگر جسم کے کسی حصے پر نجاست/گندگی (خون، پاخانہ وغیرہ) لگا ہو تو اسے صاف کرنا چاہیے۔

۴۷ اس کے بعد وضو کیا جائے اور پھر سر پر تین مرتبہ پانی ڈالا جائے۔ اسی طرح تین مرتبہ

پانی دائیں اور بائیں کندھے پر ڈالیں۔ اس کے بعد تمام جسم پر پانی ڈالا جائے اور اسے مل

کر صاف کریں۔ اگر سر کے بال گندھے ہوئے ہوں (جیسا کہ عورتوں میں ہوتے ہیں) تو

یہ ضروری ہے کہ بالوں کو ان کی جڑوں تک گیلیا کیا جائے۔ ایک بال کے خشک رہ جانے پر

بھی غسل صحیح نہیں ہوگا۔ تاہم عورتوں کے بال گندھے ہونے کی صورت میں یہ ضروری نہیں

کہ انھیں کھولا جائے لیکن ہر بال کو جڑ تک گیلیا کرنا ضروری ہے۔

غسل کے تین فرائض ہیں۔ منہ میں کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور تمام جسم کو گیلیا کرنا جس

کے بغیر غسل مکمل نہیں ہوتا۔ (Anon, ۱۹۹۹a)

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مباشرت کرے اور اس کے عضو تناسل کا اگلا حصہ (سپارن) ختنہ کیے ہوئے حصے تک عورت کی پیشاب گاہ میں داخل ہو جائے تو وہ دونوں جنابت کی حالت میں ہو جاتے ہیں بلا اس امر کے کہ وہ بالغ ہیں یا بچے اور چاہے انزال ہوا ہو یا نہیں؟ اگر کسی شخص کو یہ شک ہو کہ اس کا عضو تناسل ختنہ کی حد سے آگے عورت کے اندر داخل نہیں ہوا تو اس پر غسل واجب نہیں۔

میاں بیوی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ دونوں ایک ہی جگہ پر غسل کر لیں جہاں مرد اپنی بیوی کے جنسی اعضاء کو دیکھ سکتا ہو اور عورت اپنے خاوند کے۔ یہ امر بہت سی احادیث سے ثابت ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے یہ کہا گیا ہے کہ ”میں حضور ﷺ کے ساتھ ایک ہی برتن کے پانی سے نہایا کرتی تھی جو ہمارے درمیان میں ہوتا تھا اور پانی لیتے وقت ہمارے ہاتھ ایک دوسرے سے مس کرتے تھے۔ حضور ﷺ جلدی سے نہانے کی کوشش فرماتے تھے کہ مجھے کہنا پڑتا تھا کہ ”میرے لیے بھی کچھ پانی چھوڑ دیں۔“ میرے لیے بھی کچھ پانی چھوڑ دیں۔“ انھوں نے مزید بتایا کہ ”ہم دونوں اس وقت جنابت کی حالت میں ہوتے تھے۔“ (بخاری، مسلم)

یہ ضروری ہے کہ شادی شدہ لوگوں کے لیے گھروں میں غسل خانہ ہو اور خاوندوں کو چاہیے کہ وہ بیوی کو پبلک غسل خانوں میں جانے سے روکیں۔ اس کی ممانعت میں متعدد احادیث ہیں۔ ام دردا رضی اللہ عنہا کے حوالے سے منقول ہے کہ ”میں پبلک غسل خانے سے باہر نکلی اور راستے میں حضور ﷺ سے ملاقات ہو گئی، جنھوں نے مجھ سے پوچھا کہ ”اے ام دردا تم کہاں سے آ رہی ہو؟“ میں نے جواب دیا کہ ”میں نہا کر آ رہی ہوں۔“ تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، کوئی عورت جو اپنے کپڑے کسی جگہ پر اتارتی ہے ماسوائے اپنی ماں کے گھر کے، تو اس نے رخصت کے بنائے ہوئے تمام پردوں کو چاک کر دیا۔“ (احمد)

شادی کی پہلی رات کے بعد صبح کو رشتے داروں کو مبارک باد دینا:

شب زفاف کے بعد، خاوند کو چاہیے کہ وہ ان رشتے داروں اور دوست احباب سے مل کر انھیں مبارک باد اور دعائیں دے اور انھیں چاہیے کہ وہ بھی اسے مبارک اور دعائیں دیں جیسا

کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ”اللہ کے پیغمبر ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کے اگلے دن دعوت کی جس میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو پیٹ بھر کھانے کو گوشت اور روٹی دی۔ اس کے بعد وہ دیگر امہات المؤمنین رضی اللہ عنہا کی طرف گئے اور انھیں مبارک دی اور دعائیں دیں اور انھوں نے بھی اسی طرح مبارک دی اور دعائیں دیں۔“ شادی کی رات گزرنے کے بعد حضور ﷺ کا طرز عمل اس طرح کا تھا۔ (نسائی)

ولیمے کی دعوت:

شادی کی تقریب کے بعد خاوند کو چاہیے کہ وہ ولیمہ کی دعوت کرے۔ اس کا ثبوت حضور ﷺ کا وہ حکم ہے جو آپ نے عبد الرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف کو کیا تھا کہ وہ ایسا کریں اور مزید ایسی ہی روایت بریدہ رضی اللہ عنہ ابن الحسیب سے بھی مروی ہے جنھوں نے بتایا کہ ”جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تو پیغمبر ﷺ نے فرمایا ”کہ شادی (اور ایک دوسرا قول ہے کہ ایک لہن) کو دعوت دی جانی چاہیے۔“ راوی کہتا ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا (ایک دعوت) بھیڑ کی۔“ کسی اور نے کہا کہ ”کئی کی کچھ مقدار پر دعوت دی جائے“، حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کے روایت کے مطابق انھوں نے کہا کہ ”میں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی پر دی گئی دعوت سے بہتر کوئی دعوت نہیں دیکھی جو حضور ﷺ نے دی۔ آپ ﷺ نے ایک بھیڑ ذبح کی اور اس کا گوشت اور روٹی ہر شخص کو کھلائی حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے۔“ (بخاری)

جنسی زندگی کے چند دیگر پہلو:

ایک مسلمان شوہر کے لیے دورانِ ماہواری اپنی بیوی سے مباشرت کرنا حرام ہے۔ اس کی ہدایت قرآن کریم میں سورہ البقرہ (۲: ۲۲۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمائی:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَأَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾

”پوچھتے ہیں: حیض کا کیا حکم ہے؟ کہو: وہ ایک گندگی کی حالت ہے۔ اس میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ وہ پاک صاف نہ

ہو جائیں۔ پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ اس طرح جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔“

سید مودودی رقمطراز ہیں کہ ”اس آیت میں عربی لفظ ”اذی“ استعمال ہوا ہے جس کے معنی گندگی کے بھی ہیں اور بیماری کے بھی۔ حیض صرف ایک گندگی ہی نہیں ہے، بلکہ طبی حیثیت سے وہ ایک ایسی حالت ہے جس میں عورت تندرستی کی بہ نسبت بیماری سے قریب تر ہوتی ہے۔“

وہ مزید رقمطراز ہیں کہ ”قرآن مجید اس قسم کے معاملات کو استعارات اور کنایوں میں بیان کرتا ہے۔ اس لیے اس نے ”الگ رہو“ اور ”قریب نہ جاؤ“ کے الفاظ استعمال کیے ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ حائضہ عورت کے ساتھ ایک فرش پر بیٹھنے یا ایک جگہ کھانے سے بھی احتراز کیا جائے اور اسے بالکل اچھوت بنا کر رکھ دیا جائے جیسا کہ یہود و ہنود اور بعض دوسری قوموں کا دستور ہے۔ حضور ﷺ نے اس حکم کی جو توضیح فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں صرف مباشرت سے پرہیز کرنا چاہیے، باقی تمام تعلقات بدستور برقرار رکھے جائیں۔“

چند دیگر احادیث میں اس صحیح طرز عمل کی وضاحت کی گئی ہے جو خاوند کو اپنی بیوی سے روا رکھنا چاہیے جو ایام ماہواری سے گزر رہی ہو۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ”یہودیوں کی کسی عورت پر جب ایام ماہواری آتے تھے تو وہ اُسے گھر سے باہر نکال دیتے تھے اور اس کے ساتھ کھانے پینے، اور گھر میں سونے سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ پیغمبر ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ حضور ﷺ نے مزید فرمایا ”ان کے ساتھ گھروں میں رہو اور ہر وہ کام کرو جو کرتے تھے سوائے مباشرت کے“! اس پر یہودیوں نے منہ کیا کہ ”یہ شخص تو ہماری مخالفت میں ہر وہ کام کرتا ہے جو ہم کرتے ہیں۔“

ایک مسلمان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی سے جو ایام گزار رہی ہو، ہر قسم کے پیار محبت کا تعلق رکھے سوائے مباشرت کے۔ اس بارے میں متعدد احادیث ہیں جیسا کہ فرمایا ”ایسی عورتوں سے سب کچھ کرو سوائے مباشرت کے۔“ (مسلم۔ ابوداؤد)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا ”جب ہم لوگ ایام ماہواری میں ہوتے تھے تو حضور ﷺ ہمیں تاکید فرماتے تھے کہ ہم لوگ اپنی کمر پر ایک کپڑا باندھ لیں اور حضور ﷺ ہمارے ساتھ

لیٹ جایا کرتے تھے۔“ ایک دوسرے مقام پر انھوں نے فرمایا کہ ”حالت حیض میں خاوند اس کو گدھا لدا سکتا ہے اور محبت کے ساتھ سہلا سکتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)۔ مزید فرمایا ”جب حضور ﷺ اپنی بیوی سے کوئی مطالبہ فرماتے تو وہ اپنی کمر کے گرد اپنے مخصوص اعضاء پر کپڑا باندھ لیا کرتی تھیں اور پھر آپ ﷺ ان کے ساتھ جو چاہتے کرتے تھے۔“ (ابوداؤد)

ایام ماہواری کے بعد، بیوی سے مباشرت کرنے کے بارے میں بھی راہ نمائی درج بالا آیت میں دی گئی ہے۔ اس ضمن میں ضروری ہے کہ عورت کے خون کے اخراج کے اختتام تک انتظار کیا جائے تاکہ ہر قسم کی رطوبت مکمل طور پر ختم ہو جائے۔ اس کے بعد خاوند کو مباشرت کرنے کی اجازت ہے جب عورت نے ان جگہوں کو دھویا ہو جہاں خون لگا تھا یا وضو کر لیا ہو یا غسل طور پر نہا کر پاک ہو چکی ہو۔ ان تینوں افعال میں سے اگر کوئی عورت کسی ایک پر بھی عمل کرے تو اس کے بعد اس کے ساتھ مباشرت کی جاسکتی ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص شدت ثبوت سے مباشرت کر بیٹھے اس حالت میں کہ عورت ابھی ایام ہی میں ہو اور ابھی تک اس کی صفائی نہ ہوئی ہو تو اسے چاہیے کہ فدیہ میں ایک دینار سونا یعنی ۲۵ گرام یا اس کا نصف دے۔ یہ ایک حدیث سے مروی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک ایسے شخص کے بارے میں فرمایا جو اباً ایام ماہواری میں اپنی بیوی سے مباشرت کر لے کہ ”اسے چاہیے ایک دینار خیرات کرے یا نصف دینار۔“ (ترمذی۔ ابوداؤد)

اس امر کے بارے میں بہت عمدہ بحثیں فقہاء کے درمیان ہوئی ہیں کہ ایام ماہواری کب ختم ہوتے ہیں اور ایک خاوند اپنی بیوی سے کب مباشرت کر سکتا ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ، امام ترمذی رحمہ اللہ اور بہت سے دیگر حضرات یہ رائے رکھتے ہیں کہ جب تک عورت غسل نہ کر لے، اس کے ساتھ مباشرت جائز نہیں۔ تاہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی یہ رائے ہے کہ ایام ماہواری کی زیادہ سے زیادہ مدت ۱۰ دن ہے اور اس کے بعد ایک خاوند مباشرت کر سکتا ہے بغیر بیوی کے نہانے لے بھی (امام قرطبی رحمہ اللہ: ابن کثیر)

یہ اسلام کی ایک اعتدال کی راہ ہے کہ جس کی رو سے بیوی کے ساتھ ہر قسم کا تعلق ممنوع قرار پاتا ہے جب کہ وہ ایام میں ہو جیسا کہ دیگر مذاہب میں بھی ہے اور نہ ہی اس دوران

مباشرت کی اجازت ہے کیونکہ یہ گندگی کی حالت ہوتی ہے۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب کوئی عورت ایام سے گزر رہی ہو تو اس کے ساتھ ہر قسم کا پیار محبت کا سلوک کیا جاسکتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے سامنے کپڑے اتار سکتے ہیں سوائے عورت کے مخصوص اعضاء کے۔
 رمضان اور اعتکاف کے دوران مباشرت:

نو (۹) افعال جو روزہ توڑنے کا سبب بنتے ہیں، ان میں مباشرت، مشیت زنی، جنابت کی حالت یا حیض اور نفاس (بچے کی پیدائش کے بعد چند دنوں تک جاری رہے والا خون) بھی ہیں۔ ذیل میں ان امور کے بارے میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ معلومات درج کی جاتی ہیں تاکہ ایک مسلمان شریعت کے احکامات کے مطابق روزے کو مکمل کر سکے۔ (Anon, ۱۹۹۹)

مباشرت کا عمل ناقص روزہ ہے چاہے مرد کے عضو تناسل کا صرف اگلا حصہ ہی داخل ہو اور چاہے انزال بھی نہ ہو۔ تاہم اگر عضو تناسل کا اگلا سرا اندر داخل نہیں ہوا اور انزال بھی نہیں ہوا تو پھر روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس میں عضو مخصوص کی دونوں حالتیں ختم شدہ اور غیر ختم شامل ہیں۔

اگر کسی کو یاد نہیں رہا کہ وہ روزہ سے تھا اور اس نے مباشرت کر لی یا اسے مباشرت کرنے پر اس حد تک مجبور کر دیا گیا کہ اس کے لیے اب اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ تھا تو ایسی حالت میں اس کا روزہ برقرار رہتا ہے، تاہم جو نبی اسے یاد آ جائے کہ وہ روزہ سے ہے یا مجبوری کا عالم ختم ہو جائے تو اگر وہ مباشرت بھی کر رہا ہو تو اسے چاہیے فوراً مباشرت سے باز آ جائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

روزہ رکھنے کے بعد اگر کوئی شخص مشیت زنی کرتا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے تاہم دن کے وقت احتلام کی صورت میں مادہ منویہ کا غیر ارادی اخراج ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

اگر کوئی شخص ایسی حالت میں بیدار ہو کہ اس کا انزال ہو رہا ہو تو اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ انزال کو روکے۔

اگر کسی شخص کو روزے کی حالت میں دن کے وقت سوتے ہوئے احتلام ہو جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ فوراً نہالے۔

﴿ رمضان میں جب کوئی شخص فجر کی نماز کے بعد اٹھے اور اسے پتہ چلے کہ اسے احتلام ہو گیا ہے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا چاہے اسے یہ بھی معلوم ہو کہ اسے احتلام فجر سے پہلے ہوا تھا۔ ﴿ اگر کسی عورت کو حیض یا نفاس کی وجہ سے غسل کرنا بھول جائے اور اسے ایک دن یا زائد عرصہ گزر جانے پر یاد آئے تو اس کا روزہ برقرار رہے گا۔

بیوی کے پستانوں کا دودھ پینا:

بیوی کا دودھ پینا مکروہ ہے۔ یہ دودھ بچوں کے لیے ہوتا ہے اور اسے ان کے لیے ہی چھوڑنا چاہیے تاہم اگر غیر ارادی طور پر کچھ دودھ حلق میں چلا جائے تو اس کی ممانعت نہیں۔ جان بوجھ کر دودھ نہیں پینا چاہیے۔ تاہم بچے کی پیدائش سے پہلے جبکہ پستانوں میں دودھ نہ ہو تو خاوند اپنی بیوی کے پستانوں اور ان کی بھٹنی (Nipples) کو چوس سکتا ہے تاکہ بیوی حظ جنسی سے دوچار ہو سکے۔ رضاعت کا رشتہ اور اس کے قوانین کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب دو سال سے کم عمر کا بچہ متعدد مرتبہ کسی عورت کا دودھ پئے۔ اگر ایک بالغ شخص (خاوند) اپنی بیوی کا دودھ پی لے تو اس کی وجہ سے وہ اس کی رضاعی ماں نہیں بنتی اور اس حالت میں رضاعت کے قوانین کا بھی اطلاق نہیں ہوتا (امام غزالی رحمہ اللہ)

بیوی کے ساتھ منہ کے ذریعے جنسی تلمذ کا حصول اور عزل کے بارے میں معلومات اس کتاب کے پانچویں اور ساتویں ابواب میں دی گئی ہیں۔
تخلیہ:

میاں بیوی اپنے سونے کے کمرے میں ایک دوسرے کے ساتھ کیا کچھ کرتے ہیں، یہ ایک ذاتی امر ہے جس کے بارے میں کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں الا یہ کہ صحت و تندرستی کے نقطہ نظر سے اس کی ضرورت ہو۔ خاوند اور بیوی دونوں کے لیے یہ امر ممنوع ہے کہ وہ اس قسم کی راز کن باتیں دوسرے افراد سے کریں۔ ایک حدیث کے مطابق ”بروز قیامت اللہ کریم کی نظر میں: زمانہ شخص بدترین ہوگا جو اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرے اور وہ اس کا ساتھ دے، پھر وہ اس راز کو دوسروں کے سامنے بیان کرے۔“ (مسلم)

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ”میں حضور ﷺ کی معیت میں تھی جبکہ بہت

سے دوسرے صحابہ و صحابیات بھی بیٹھی تھیں۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا ”کہ شاید ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ تعلقات کا ذکر کرتا ہے یا شاید کوئی عورت اپنے خاوند کے ساتھ تعلقات کا ذکر کسی اور سے کرتی ہے؟“ اس بات کو سن کر تمام لوگ خاموش ہو گئے۔ تب میں نے کہا کہ ”اے اللہ کے پیغمبر ﷺ، یہ بالکل ٹھیک ہے کہ مرد اور عورتیں دونوں ہی ایسا کرتے ہیں۔“ اس پر پیغمبر ﷺ نے فرمایا ”ایسا مت کیا کرو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شیطان مرد راستے میں کسی شیطان عورت سے ملتا ہے اور اس کے ساتھ مباشرت کرتا ہے جبکہ لوگ انھیں دیکھ رہے ہوں۔“ (مسند احمد)

معاشی مجبوری کی بنا پر جب کہ لوگ کسی بڑے شہر میں رہ رہے ہوں بالخصوص مغربی ممالک میں ایک مسئلہ پیش آ سکتا ہے کہ کسی شخص کی دو بیویاں ہوں جو ایک فلیٹ کے ایک ہی بیڈ روم میں رہتی ہوں۔ بالعموم کہا جاتا ہے کہ لازماً یہ ایک بری بات ہے کہ دونوں بیویوں کے ساتھ مباشرت ایک جگہ (کمرے) یا بستر پر ایک ہی وقت میں کی جائے کیونکہ میاں بیوی کے درمیان یہ تعلق بہت قربت کا ہوتا ہے جو وہ خود چاہیں گے کہ ان تک ہی محدود رہے۔ جب اسی قسم کے قریبی تعلقات کا کسی دوسرے فرد کو علم ہوتا ہے چاہے وہ اس کی دوسری بیوی ہی کیوں نہ ہو تو شرم و حیا جو کہ اسلام میں ایک مطلوبہ صفت اور خوبی ہے، متاثر ہوتی ہے۔ یہ بہت ضروری ہے کہ وہ شخص اپنے گھر میں کمروں کی نوعیت میں تبدیلی کرے تاکہ دونوں بیویاں علیحدہ کمرے میں رہ سکیں۔ اگر اس کا گھر بہت ہی چھوٹا ہو اور اس کے لیے ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو پھر اسے چاہیے کہ وہ رات کے وقت بیٹھک (ڈرائینگ روم) کو بھی سونے کا کمرہ بنالیں جس میں دوسری بیوی رات گزار سکے (Anon, 1996)۔ تاہم اگر ایک ہی وقت میں دونوں بیویاں اپنے خاوند کے ساتھ لیٹنے پر راضی ہوں تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (ابن قدامہ رحمہ اللہ) لیکن اگر ان دونوں کی یہ خواہش ہو کہ خاوند ایک کے ساتھ مباشرت کرے جبکہ دوسری بیوی اسے دیکھے تو یہ جائز نہیں ہے۔

اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ اصولی طور پر اسلام یہ چاہتا ہے کہ شادی کے بعد ایک بیوی کو ایک علیحدہ گھر میں رکھے جب کہ دوسری بیویوں کو علیحدہ رکھے اور اس کی اس حد تک تاکید

ہے کہ اگر اس مقصد کے لیے خاوند کو علیحدہ خیمہ ہی کھڑا کرنا پڑے تو ایسا کرنا چاہیے۔ اس طرح یہ بھی مناسب نہیں کہ تمام بیویوں کو ایک گھر میں بغیر ان کی رضامندی کے رکھا جائے۔ اس کی وجہ سے بہت مسائل کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے جو اکثر اوقات لڑائی جھگڑے اور اختلافات کی وجہ سے پیش آسکتے ہیں اور جو خاوند کے لیے مستقل پریشانی کا باعث بن سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنی تمام ازواج کو علیحدہ علیحدہ گھروں میں رکھا تھا۔

میاں بیوی کے تعلقات کے حوالے سے ایک انسان کی جنسی زندگی کا اسلامی نقطہ نظر سے تفصیلاً مطالعہ کرنے کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت اور یہودیت کا اس بارے میں جو نقطہ نظر ہے اس کا بھی مطالعہ کیا جائے۔

یہودیت اور عیسائیت میں میاں بیوی کے تعلقات

(الف) عیسائیت کا نقطہ نظر:

میاں بیوی کے درمیان تعلقات کا ذکر بائبل کے پہلے پیراگراف میں ہے کہ ”ایک دوسرے کے ساتھ مسیح کے لیے محبت کرو۔“ (Ephesians 55:21)۔ الہامی کتب کی بعض دیگر جگہوں میں ایک عمومی ہدایت دی گئی ہے جو شادی کے ضمن میں بہت اہمیت کی حامل ہے یعنی یہ کہ ”ایک دوسرے کے ساتھ مخلص اور وفادار ہو“، ایک دوسرے کی عزت و احترام اپنی ذات سے زیادہ رو“ (Romans 12:10)۔ جب ہم ان تعلیمات کا جو بائبل میں آئی ہیں، احاطہ کرتے ہیں تو ہمیں میاں بیوی کے مابین پائے جانے والے آئیڈیل (معیاری) تعلقات سے آگاہی ہوتی ہے۔ ان کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ گھریلو امور دونوں میاں بیوی کے درمیان باہمی مشاورت سے طے ہوں بقول عیسائی مبلغین کے کہ ”تمام فیصلے آزادانہ گفتگو کے ذریعے عبادت کے جذبے کے ساتھ اور بائبل کے انداز میں ہوں جن میں دونوں کی یہ خواہش ہو کہ وہ ایک دوسرے کو خوش کریں اور باہمی طور پر یہ طے کریں کہ ان کے خاندان کے لیے کون سی چیز بہتر ہے۔“

یہ بات قابل غور ہے کہ عیسائیت میں میاں بیوی کے درمیان جنسی تعلقات کے بارے میں بہت کم معلومات پائی جاتی ہیں تاہم یہ سوال کہ جو کچھ مغربی ممالک یا امریکہ میں جنس کے نام

پر اور آزادانہ شہوت رانی کے تصور کے تحت ہو رہا ہے، اس کا ان ممالک کی غالب عیسائی اکثریت کے مذہب (عیسائیت) سے کیا تعلق ہے؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو تعلیمات دی تھیں، کیا ان پر عمل کیا جا رہا ہے؟ یہ سوالات جواب طلب ہیں۔ ہم نہایت ایمانداری کے ساتھ اس آزاد شہوت رانی کے موجودہ طرز عمل کو عیسائیت کی اصل تعلیم اور الہامی ہدایات کے مطابق نہیں سمجھتے۔ اگرچہ کچھ لوگوں کا خیال کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ خود مجرد تھے، تو ان کی زندگی کا یہ پہلو مکمل رہا۔ اس دلیل کی موجودگی میں اس امر کی صداقت کا یقین کرنا کسی قدر ضروری ہے کہ اسلام نے انسان کی زندگی کے اس پہلو پر کس قدر تفصیل کے ساتھ معلومات دی ہیں کہ اس نے اس کے بہت معمولی پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

(ب) کٹر یہودیت کا نقطہ نظر:

ذیل کی سطور میں ہم یہودیوں کے کٹر فرقوں کے نقطہ نظر کا مطالعہ کریں گے جو وہ انسان کی جنسی زندگی کے بارے میں رکھتے ہیں۔ (Micheal Gold, 2000)

« یہودی تعلیمات کے مطابق شادی کی وجہ سے باقاعدہ جنسی تعلقات میں بیوی کی چند ذمہ داریاں ہیں، اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خاوند کی جنسی ضروریات پر لپیک رہے۔
« یہودی تعلیمات نہ صرف مباشرت کے وقفے کے بارے میں راہ نمائی فراہم کرتی ہیں بلکہ اسے کس طریق پر سرانجام دینا چاہیے، اس بارے میں ہدایات دیتی ہیں۔ تلمود، عریائیت کی اجازت دیتی ہے۔ ربی جوزف (R. Joseph) نے بتایا کہ ”عورت کا جسم تقاضہ کرتا ہے کہ اس کے ساتھ قریبی تعلق استوار کیا جائے۔ خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرے جیسا کہ ایرانی اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کے وقت کپڑے پہنے ہوئے کرتے ہیں (یعنی تمام کپڑے اتار کر مباشرت کی جائے)۔ اس کی تاکید ربی حنا (R. Huna) کے اس قول سے ہوتی ہے جس نے بتایا کہ ”ایک خاوند جو یہ کہتا ہے کہ میں مباشرت نہ کروں گا جب تک کہ اس کی بیوی اپنے کپڑے نہیں اتارتی“ اور میں اسے طلاق کی چٹھی بھی دے دوں گا۔“ (KettUbot, 48a)

یہ غلط فہمی کہ کٹر یہودی اپنی بیوی سے مباشرت چادر میں کیے گئے سوراخ کی مدد سے کرتے

ہیں، ایک فضول بات ہے۔ مباشرت سے جنسی تلامذہ کے حصول پر ربی حضرات نے بہت زور دیا ہے۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ میاں بیوی کے بالکل عریاں ہونے کی وجہ سے جنسی لذت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ درحقیقت اگر دونوں میں سے کوئی ایک بھی عریاں ہو کر مباشرت کرنے سے انکار کرتا ہے تو یہ امر اطلاق دینے کے لیے مضبوط بنیاد ہے۔

(Shulchan Arukh Even-Haezer 76:13)

۴۴ اسرائیلی روایات کے مطابق مباشرت رات کے وقت اندھیرے میں کرنی چاہیے۔ تلمود میں دن کے وقت مباشرت ممنوع قرار دی گئی ہے اسی طرح کسی یسپ یا بجلی کی روشنی میں بھی۔ (Niddah 17)۔ ایک فرقہ Maimonides کی تعلیمات یہ ہیں کہ اگرچہ سبت کے روز مباشرت ایک خاص بات ہے اور اگر سبت کے دن کی روشنی ابھی تک ختم نہ ہوئی ہو اور کوئی دوسری جگہ ایسی نہ ہو جہاں میاں بیوی مباشرت کر سکتے ہوں تو میاں بیوی کو انتظار کرنا چاہیے۔ (Mishnah Torah Issurei Biah 2:10)

۴۵ نصف رات کو مباشرت کرنا ایک آئیڈیل وقت ہے! اگرچہ مباشرت کو رات کے وقت سے محدود کر دیا گیا تھا لیکن اگر کوئی شخص اپنی عادت کے تحت رات کو جلد سونے کا عادی ہو اور رات کو اسے جنسی خواہش نہ ہوتی ہو یا عورت کی بھی ایسی ہی عادت ہو کہ وہ رات کے وقت نیند سے بے حال ہو جاتی ہو اور جنسی طور پر گرم جوشی سے شریک نہ ہو سکتی ہو تو پھر ایسی صورت میں وہ دونوں دن کے وقت بھی مباشرت کر سکتے ہیں۔

(Meiri Nidbah 17a)

۴۶ اگرچہ ان ہدایات و قوانین کے علاوہ تورات کے ربی حضرات اس امر کے داعی ہیں کہ یہودیوں کو مباشرت کے ذریعے زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کرنی چاہیے۔ روایات کی رو سے اکثر یہودی شرم و حیا کی وجہ سے رات کے وقت مباشرت کرتے ہیں لیکن اگر میاں بیوی محسوس کریں کہ روشنی میں مباشرت کرنے سے ان کی جنسی زندگی میں زیادہ لذت و تسکین حاصل ہوتی ہے تو پھر وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

۴۷ اس طرح یہودیت میں اس امر پر اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ میاں بیوی مباشرت کے

مختلف طریقوں پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور کیا وہ مباشرت کے مختلف طریقوں پر عمل کرنے کا تجربہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک گروہ مباشرت کے مشنری طریقے کی سفارش کرتا ہے کہ ”عورت اوپر اور مرد نیچے لیٹا ہو“ جب کہ دوسرا گروہ ”مرد کے عورت کے اوپر لیٹنے کی حمایت کرتا ہے۔“ ایک ربی (Johanan Dahabai) کی رائے کے مطابق اس کی ممانعت ہے کہ ”میز کو الٹا لیا جائے“ (غیر فطری طریقے یا غیر معمولی طریقے سے مباشرت کرنا) لیکن دوسرے ربی اس سے اختلاف کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ”ایک خاوند اپنی بیوی کے ساتھ جس طریق پر چاہے مباشرت کر سکتا ہے۔ ایک ضرب المثل کے مطابق ”حلال گوشت کو نمک لگا کر، بھون کر، پکا کر یا سیخ لگا کر کھایا جاسکتا ہے اور یہی طریقہ اس مچھلی کے کھانے کا بھی ہے جسے ماہی گیر نے پکڑا ہو“ ایک ربی کے پاس ایک عورت آئی اور شکوہ کیا کہ ”ربی محترم! میں اپنے خاوند کے سامنے میز ٹھیک کر کے رکھتی ہوں لیکن وہ اسے الٹا دیتا ہے۔“ ربی نے جواب دیا ”میری بیٹی، تورات کی رو سے تم اپنے خاوند کے لیے جائز کی گئی ہو۔ اس معاملے میں، میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔“ (Nedarin 20a)

یہودیوں کا ایک طبقہ (Maimonides) جنسی معاملات میں بہت حد تک سختی کا قائل ہے یعنی اس بارے میں وہ خصوصاً بہت حد تک آزاد خیالات کے حامل ہیں۔ ”ایک خاوند کے لیے اس کی اپنی بیوی جائز ہے پس وہ اس کے ساتھ جو سلوک کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ جب بھی چاہے مباشرت کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ فطری یا غیر فطری طریقے سے مباشرت کر سکتا ہے الا یہ کہ وہ مادہ منویہ کو اس جگہ پر ضائع نہیں کرتا جہاں سے بچہ کی پیدائش نہیں ہو سکتی۔“ (Mishnahtarah Isseuri Biah 21:9)

غیر فطری مباشرت کا تعلق بالخصوص یہودیت کے پس منظر میں بہت مختلف ہے۔ ان کے نزدیک ایک غیر فطری جنسی طریقے کا اطلاق ہر اس جنسی عمل پر ہوتا ہے جس میں مادہ منویہ کا اخراج اس کی فطری جگہ (وہجائینہ) میں نہیں ہوتا۔

(Rahhi On Yevamoth, 34)

جیسے منہ کے ذریعے جنسی عمل، عمل قوم لوط اور جسے ربی لوگ ”انزال باہر یا اندر کی جانب

(یعنی انزال سے پہلے عضو تناسل کا باہر نکال لینا یا عزل کا طریقہ) کہتے ہیں۔ تالمود میں جنسی افعال کے بارے میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں جن میں میاں بیوی کو مخصوص حالات میں عزل کی اجازت دی گئی ہے۔ اس اجازت کے علاوہ مادہ منویہ کے اس طرح کے ضیاع کی یہودیت میں ممانعت ہے۔

۴۱ غیر فطری جنسی عمل کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ کبھی کبھار کیا جائے اور صرف اسی پر اکتفا نہ کیا جائے خصوصاً جبکہ دونوں فریق زیادہ لذت حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ جنسی فعل کے غیر فطری طریقے پر میاں بیوی دونوں کا راضی ہونا ضروری ہے کیونکہ یہودی مذہب، مرد و بیوی پر کسی قسم کے جبر کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کی مرضی کے خلاف اسے کسی جنسی فعل میں حصہ لینے پر مجبور کیا جائے۔ اس میں شراب پلانے پر مجبور نہ کرنا بھی شامل ہے۔

جنس کے متعلق درج بالا نہایت مختصر تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے جو یہودیوں میں جنسی اعمال کے بارے میں پائی جاتی ہیں، یہ واضح ہوتا ہے کہ یہودیت میں جنسی امور کے بارے میں زیادہ مستند اور تفصیلی ہدایات پائی جاتی ہیں بہ نسبت عیسائیت کے۔ یہودیت میں جنسی زندگی کے دو اہم مقاصد کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ جس میں بچوں کی پیدائش کو مباشرت کا مقصد قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ جنسی لذت کو بھی کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا گیا۔ مزید برآں یہودیت میں مرد کے مادہ منویہ کے ضیاع کو بھی جائز قرار نہیں دیا گیا جس سے جنسی انحرافات مثلاً مشیت زنی، عمل قوم لوط اور منہ کے ذریعے جنسی لذت کے حصول کی ممانعت کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اکثر و بیشتر یہ ہدایات اسلامی تعلیمات کے بڑی حد تک قریب ہیں۔

بانجھ پن اور سرد مہری (Frigidity and impotence):

عورتوں میں سرد مہری اور مردوں میں جنسی کمزوری (بانجھ پن، عارضی، مستقل) وہ حالتیں ہیں جب کہ جنسی مباشرت کا عمل نہ کیا جاسکے یا وہ تکلیف دہ ہو یا اس سے جنسی حظ حاصل نہ ہوتا ہو۔ اگرچہ شاذ حالات میں ایسا ہوتا ہے کہ اس کی وجوہات فزیالوجیکل (جسمانی افعال کی خرابی) یا عضویاتی خرابی ہو لیکن بیشتر حالات میں اس کی وجوہات نفسیاتی اور جذباتی ہوتی ہیں۔ اگرچہ

جنسی عمل کی کمزوری سے کسی حد تک انسان کی جسمانی صحت متاثر نہیں ہوتی لیکن نفسیاتی طور پر اس کے بہت سے خطرناک اثرات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ایک انسان اضطراب، مایوسی اور جنسی کمزوری کی بنا پر احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

جنسی عدم صلاحیت یا بانجھ پن کا وقوع عام ہوتا ہے اگر یہ صورت حال دیر تک برقرار رہے تو اس کی وجہ سے کسی قسم کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ ایک سروے کے مطابق ہر چار افراد میں سے ایک آدمی (۲۵ فی صد) نے مکمل یا درمیانے درجے کے بانجھ پن کا اعتراف کیا۔ ان میں سے نصف سے کچھ کم (۴۱ فی صد) نے بتایا کہ انھوں نے اس عارضے کا علاج کسی ماہر ڈاکٹر سے کرایا تھا۔ جبکہ ۲۵ فی صد لوگ جنھوں نے درمیانے درجے کی کمزوری کا اعتراف کیا تھا، بتایا کہ انھوں نے مختلف ادویات استعمال کی تھیں تاکہ ان کی جنسی قوت بہتر ہو سکے جب کہ ان میں ۱۵ فی صد ایسے بھی تھے جنھوں نے دیا گرا کا استعمال کیا تھا (Anon, ۱۹۹۹) بہر حال یہ ایک غلط مفروضہ ہے کہ بانجھ پن صرف عورتوں کا ہی ایک مسئلہ ہے۔

درحقیقت اس حالت میں مبتلا کسی فرد کا اپنے بارے میں فکر کرنا، ایک فطری امر ہے کیونکہ اس تکلیف کے نہ صرف جاری رہنے بلکہ اس کے زیادہ ہونے کے بھی امکانات ہوتے ہیں اور اگر ایسے فرد کا جیون ساتھی اسی کے ساتھ ہمدردانہ اور اعتماد کا سلوک نہیں کرتا تو اس کی کمزوری میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ جنسی سرد مہری اور بانجھ پن دراصل گہرے نفسیاتی خوف، جذباتی اور مجرمانہ عوامل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ شادی کے بعد جنسی معاملات میں خاوند کے ساتھ مناسب تعلقات کا استوار نہ ہونا، لڑکیوں کے لیے ایک مسئلہ ہوتا ہے خاص کر ایسی لڑکیوں کا جن کو گھروں سے جنسی معاملات پر کسی قسم کی راہ نمائی نہ ملی ہو۔ بلوغت کے وقت لڑکی کی ماں کو چاہیے کہ وہ اس کے سامنے ماہواری اور اس سے متعلق مسائل کا ذکر کرے لیکن ابھی تک انسانی معاشرے میں (بالخصوص مشرقی ممالک میں) جنسی بلوغت کے اس مرحلے کو گندگی اور شرمندگی کے احساس کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے حتیٰ کہ لڑکیوں کو آغازِ شباب میں ایامِ ماہواری کی وجہ سے جو تکالیف محسوس ہوتی ہیں، ان کی بھی مغرب میں عیسائی تصور کے مطابق یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ یہ عورت کے لیے ایک سزا ہے۔ لڑکی کو شادی کی صورت میں اگرچہ مبہم انداز میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں

مباشرت کریں گے اور یہ کہ اس کے خاوند کو بھی اپنی بیوی سے جنسی لطف اٹھانے کا حق ہے لیکن وہ اس قدر جلد اپنی عمر بھر کے خیالات اور سوچوں کو ذہن سے نہیں جھٹک سکتی۔ لڑکیوں کو اکثر یہ احساس ہوتا ہے کہ اگر کل تک جنسی طور پر یہ تعلقات اس قدر خراب، برے، گندے اور گناہ کا سبب تھے تو صرف شادی کی وجہ سے آج کیوں کر ان کی اجازت ہوگئی۔ فطری طور پر وہ جنسی معاملات میں شمولیت اور اس خیال سے کہ اب وہ اپنے خاوند کے رحم و کرم پر ہوگی، سخت خوفزدہ ہوتی ہے۔ (Eric W. Johnson 1970)

کچھ عورتوں میں جنسی سرد مہری عارضی ہوتی ہے کیونکہ انھیں کبھی جنسی حظ کا تجربہ ہی نہیں ہوا ہوتا اور وہ اس بات پر اعتبار بھی نہیں کر سکتیں کہ وہ کسی ایسے خوش گوار تجربے سے دو چار بھی ہو سکتی ہیں۔ اس قسم کے بہت سے خدشات کا تعلق ان کے بچپن کے خوف سے ہوتا ہے اور ان کی والدہ کے اس رویے سے جس کا مظاہرہ اس نے اپنی بیٹی کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ اسے بتایا جاتا ہے کہ ایک بیوی کا فرض ہے کہ وہ خاوند کو خوش کرے اور ان کے ذہن میں وکٹورین عہد کا یہ خیال ابھی تک جاگزیں ہے کہ ”شریف لڑکیاں، جنس سے کسی قسم کی کوئی لذت حاصل نہیں کرتیں۔“ مردوں اور عورتوں میں جنسی افعال میں خلل کی مختلف اشکال اور حالتیں ہوتی ہیں۔ جنسی فعل کی ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت اور ہمیشہ رہنے والا ہوتا ہے یا اس کی نوعیت عارضی ہوتی ہے۔ دونوں اصناف میں جنسی کمزوری / سرد مہری کے مسائل کی علامات میں جنسی خواہش کی کمی یا بالکل فقدان پایا جاتا ہے۔ مباشرت کے وقت اضطراب، پریشانی، درد کا احساس، مردوں میں جنسی عمل میں بالعموم درج ذیل صورتیں ہوتی ہیں:

(Barbra Boughton 2001)

« عضو تناسل کا کھڑا نہ ہونا جس کی وجہ سے ایک مرد اس حالت کو دیر تک برقرار نہیں رکھ سکتا کہ دخول کر سکے۔

« فوری طور پر انزال کا ہونا۔

« جنسی خواہش کے زیادہ ہونے اور عضو تناسل کے اکڑنے کے باوجود عورت کے ویجاہینے

میں دوران مباشرت انزال کا نہ ہونا۔

۴۴ انزال میں رکاوٹ کی حالت جس میں مٹانے (پیشاب جمع ہونے کا عضو) کا منہ انزال اور حظ جنسی کے مرحلے پر مکمل طور پر نہیں کھلتا۔ جس کی وجہ سے مادہ منویہ واپس مٹانے میں چلا جاتا ہے۔

ماضی قریب تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ جنسی طور پر عورتیں کسی قدر کم جذبات رکھتی ہیں تاہم حالیہ دور میں عورتوں کی جنسی خواہش کو بھی ایک جائز حق کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ عورتوں میں درج ذیل مسائل پیدا ہوتے ہیں:

۴۴ جنسی خواہش کی کمی کی وجہ سے ان کے اندر جنسی بیداری پیدا نہیں ہوتی۔ اسی قسم کی عورتوں کے جنسی اعضاء سے کسی قسم کی رطوبتوں کا اخراج نہیں ہوتا اور ان رطوبتوں کی کمی کی وجہ سے اس کا ویجاٹینہ مباشرت سے پہلے گیلا نہیں ہو پاتا جس کی وجہ سے خاوند کو عضو متاثر داخل کرنے میں دقت ہوتی ہے اور بیوی کو تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ایسی عورتوں میں شہوانی جذبات براہیختہ نہیں ہو پاتے۔

۴۴ حظ جنسی کا واقع نہ ہونا۔

۴۴ ویجاٹینہ کی ایک حالت (Vaginismus) ایسی ہوتی ہے جب ویجاٹینہ کا ایک تہائی حصہ غیر ارادی طور پر تشنج / اکڑا ہٹ کا شکار ہو جاتا ہے جس وقت اس میں دخول کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس حالت میں مباشرت کا عمل عورت کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان جنسی رویے اور اس عمل سے لذت حاصل کرنے میں بھی بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے جس کا جاننا دلچسپی کا باعث ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ مرد چیزوں کو دیکھ کر یا ان کا خیال کر کے (Objectively) جنسی طور پر بیدار ہو جاتے ہیں جبکہ عورتیں بالعموم انفعالی (Subjective) ہوتی ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ مرد، بیرونی طور پر دیکھنے سے جنسی اشتعال میں آ جاتے ہیں جبکہ اس کے برعکس عورتوں کی جنسی خواہش کو بیدار کیا جاتا ہے۔ وہ چاہتی ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی محبت اور گر مجوشی کا اظہار کرے۔ ایک عام عورت مباشرت کا عمل اندھیرے میں کرنا پسند کرتی ہے جہاں وہ قربت اور محبت کو محسوس کر سکے۔ جب کسی عورت کا بوسہ لیا جاتا ہے تو جبلی طور پر وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتی ہے تاکہ وہ اس کے رومانوی پہلو سے حظ حاصل

کر سکے بغیر اس کے کہ اس میں کوئی بیرونی مداخلت ہو۔ اسی طرح حظ جنسی کے موقع پر بھی وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتی ہے تاکہ اس لطف و تلذذ کا مزہ چکھ سکے بغیر اس بات کے کہ اس حالت میں کوئی بیرونی چیز مداخلت کرے۔ (Eric W. Johnson 1970)

اس اہم فرق کی بنا پر جو مرد و عورت کے جنسی رویوں میں پایا جاتا ہے ایک ایسی عورت Subjective جنسی حس کا ادراک نہیں کر سکتی اور اس سے لطف اندوز ہونے سے قاصر رہتی ہے۔ اس وقت تک جنسی سرد مہری کا شکار رہتی ہے جب تک کہ وہ جنسی عمل میں اپنے کردار کو ادا نہ کرے۔ ایک ایسا خاوند جو اپنی بیوی کے اندر محبت کے ان جذبات کی جوت جگانے میں اپنا وقت لگاتا ہے وہ ایک ایسی بہترین سیونگ (Saving) کر رہا ہے جس کی وجہ سے اس کی مستقبل کی عالمی، جنسی اور خاندانی زندگی بھر پور گزر سکتی ہے اور یوں اس کی جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے کی جانے والی کوششوں کو عورت خوش دلی سے قبول کرنے لگے گی۔

جنسی سرد مہری اور بانجھ پن کا بہترین حل یہ ہے کہ ان ممکنہ وجوہات کا جائزہ لیا جائے جن سے یہ تکالیف لاحق ہوتی ہیں۔ ان وجوہات میں بہت کم کا تعلق جسمانی کمزوری یا نقص سے ہوتا ہے اور جو انہی جذباتی اور نفسیاتی وجوہات کا احساس دونوں حیوں ساتھیوں کو ہو جاتا ہے تو پھر اس عارضے میں مبتلا پارٹنر اپنے دوسرے حیون ساتھی کی مدد اور تعاون سے جلد ہی صحت و تندرستی اور پُر لطف جنسی زندگی کے سفر پر رواں دواں ہو جاتا ہے۔ بچوں کی پیدائش نہ ہونے والے مسئلے کے بارے میں ایک ماہر کی رائے یہ ہے کہ ”میاں بیوی کے ایک دوسرے کے ساتھ باہمی جذباتی تعاون سے اور اضطراب و گھبراہٹ کو کم کرنے سے جنسی تعلقات کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔“

(Paul Pearsal 1988)

جنسی تعلقات میں کسی قسم کے مسئلے کے حل میں سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ کسی ماہر ڈاکٹر سے مشورہ کیا جائے۔ جو میاں بیوی سے معلومات حاصل کر کے اس امر کا تعین کرے گا کہ اس مسئلے سے سا کون فریق دو چار ہے اور اسے کون سا مسئلہ/ عارضہ درپیش ہے؟ اگر ڈاکٹر ضرورت محسوس کرے تو وہ جنسی اعضاء کو دیکھنا بھی چاہے گا اور مزید میڈیکل ٹیسٹ کرانے کا مشورہ بھی دے سکتا ہے، اس شخص کو کسی ماہر گردہ (Urologist) سے مشورہ کرنے اور اس کی رائے لینے کو

بھی کہہ سکتا ہے۔ عورت کو بھی کسی ماہر گائنا کولو جسٹ لیڈی ڈاکٹر سے مشورہ کرنے کا کہہ سکتا ہے اور ان سب کی رائے کی روشنی میں مختلف ادویات کے استعمال سے اس عارضے/ کمزوری کا علاج کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس ضمن میں میاں بیوی بعد از شادی مشاورت (Marital counselling) اور نفسیاتی علاج کے ماہر سے بھی بات کر سکتے ہیں۔

بانجھ پن کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر:

بانجھ پن اور جنسی سردمہری کے بارے میں سائنسی معلومات کے بعد یہ ضروری ہے کہ اس کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر سے بھی آگاہی حاصل کی جائے۔ بہت سے مسلم ممالک میں اس قسم کے موضوعات پر کھلے عام گفتگو بالعموم ایک قسم کا حجاب (Taboo) سمجھی جاتی ہے۔ اکثر معاشروں میں بچے کی ولادت نہ ہونے کی ذمہ داری عورت پر ڈالی جاتی ہے اور اسے بدنام کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے سورہ آل عمران (۳: ۳۷ تا ۴۱)، سورہ ابراہیم (۱۴: ۳۹)، سورہ الحجر (۱۵: ۵۱) میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ سورہ آل عمران میں قرآن نے بتایا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے بڑھاپے اور ان کی بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود، اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بیٹے کی خوشخبری دی۔ اسی طرح سورہ ابراہیم میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف ان الفاظ سے کی:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ﴾

”شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسمعیل اور اسحاق جیسے بیٹے دیے۔“

سورہ مریم (۱۹: ۸ تا ۱۸) میں اللہ تعالیٰ سے حضرت زکریا علیہ السلام کی درخواست کی یوں تفصیل دی:

﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَاؤِكَ رَبِّ شَقِيحًا وَ إِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرْثُنِي وَ يَرِثُنِي مِنْ آلٍ يَتَّقُونَ﴾

”اس نے عرض کیا ”اے پروردگار! میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور سر بڑھاپے

سے بھڑک اٹھا ہے۔ اے پروردگار میں کبھی تجھ سے دعا مانگ کر نامراد نہیں رہا۔
مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کی برائیوں کا خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے۔
تو مجھے اپنے فضل خاص سے ایک وارث عطا فرما جو میرا وارث بھی بنے اور آل
یعقوب کی میراث بھی پائے۔“

اس گفتگو میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہیں اس پر قادر ہیں اور وہ ایک بوڑھے
بانجھ مرد اور عورت کو ایک بیٹا دے سکتے ہیں۔ اس امر کی جانب اشارہ کرنا مناسب ہے کہ بیٹے کی
پیدائش کسی معجزے کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ میاں بیوی کے درمیان مباشرت کے نتیجے میں ہوئی تھی
جس میں بڑھاپے کی وجہ سے تعطل پیدا ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ سے دعا کے نتیجے میں اللہ نے اپنے
فضل و عنایت سے ان کی جنسی ملاپ کی صلاحیت کو بحال کر دیا۔ اس لیے ان شادی شدہ جوڑوں
کو یقین ہونا چاہیے کہ وہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں جو کہ اپنے بندوں کے لیے
بہت رحیم ہے۔“

اسی ضمن میں یہ امر کہ بچوں کی ولادت میں کسی کو لڑکا اور کسی کو لڑکی کا دینا، خالصتاً اللہ تعالیٰ
کے حکم کے تحت ہوتا ہے جیسا کہ سورہ الشوریٰ (۴۲: ۴۹) میں فرمایا:
﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَآثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذَّكَوٰرَ اَوْ
يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيْمًا﴾
”جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے
اور لڑکیاں ملا جلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔“

یہ بات بہت دفعہ دہرائی جا چکی ہے کہ اسلام میں جنسیت کو کوئی قابل نفرت چیز نہیں سمجھا
گیا جیسا کہ عیسائیت کے دور اول میں تھا۔ اسلام، اپنی بیوی سے جنسی مباشرت کے ذریعے
لذت کے حصول کو نہ صرف ایک نیکی قرار دیتا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ اس سے
یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کی نظر میں کسی قسم کی جنسی کمزوری کا مسلمانوں میں پایا جانا ایک
عش تشویش بات ہے اور اس کا مداوا کرنے کی کوشش سنجیدگی سے کرنی چاہیے۔ ایک مسلمان
نے لیے قطعاً یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنی کسی کمزوری کو چھپائے بلکہ اسے چاہیے کہ اس کا مناسب

علاج کرے۔ اس معاملے میں غیر ضروری شرم و حیا کسی صورت میں بھی مناسب نہیں۔ مسلمان اہل علم نے اسی قسم کے لوگوں کے علاج کے لیے غذا کو بہتر کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے اور اس کے لیے مختلف نسخہ جات بھی تجویز کیے ہیں۔ (مولانا اشرف علی تھانوی ۱۹۵۰ء)

اسلامی قانون اس قدر جامع ہے کہ اس نے زوجین کے حقوق کی حفاظت کے لیے مناسب اقدامات کیے ہیں۔ جس میں کسی خاوند کا کسی مستقل نقص میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مباشرت پر قادر نہ ہونا (خصی ہونا یا عضو تناسل کا کٹ جانا) وغیرہ، اسی طرح عورت کے بیضہ دان سے انڈے کا اخراج نہ ہونا، فیلوپین ٹیوب (رحم کی نالیوں) کے بند ہونے کی بنا پر ایک دوسرے سے علیحدگی (بذریعہ طلاق/خلع) اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس امر کی جانب بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی رائے میں وہ نقصان جو کسی عورت کو اس کے خاوند کی جانب سے مباشرت نہ ہونے کی بنا پر ہو سکتا ہے، ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے شادی/ نکاح کا ہر حال میں فسخ ہو جانا لازم آ جاتا ہے بغیر اس کے کہ خاوند مباشرت کر سکتا ہے یا نہیں؟



طلاق

”تمام حلال چیزوں میں اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔“
(ابوداؤد)

طلاق یعنی شادی کے بندھن کو توڑنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ زوجین کو ان مشکلات سے نجات مل سکے، جن میں شادیوں کے غلط رسم و رواج کی وجہ سے مرد اور عورت پھنس جاتے ہیں۔ یہ غلط رسم و رواج، سماجی سطح پر معاشرے میں پائے جانے والے عورت و مرد کے حقوق فرائض کے بارے میں افراط و تفریط کے اثرات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ قدیم زمانے میں یہ رسم رواج بہت مختلف اشکال میں ہوتے تھے۔ اگرچہ ان لوگوں میں، فریقین کی مرضی سے فوری طور پر شادی کے انقطاع کی اجازت تھی لیکن وہ اسے باعث ذلت سمجھتے تھے کہ شادی شدہ حالت میں ایک عرصہ گزارنے کے بعد زوجین میں علیحدگی ہو بالخصوص جبکہ ان کے ہاں کسی بچے کی ولادت بھی ہو گئی ہو۔ طلاق، شادی کے لیے ایک خطرہ:

ایک ماہر عمرانیات کے مطابق ”بہت سے لوگ طلاق کو ایک ناگزیر برائی سمجھتے ہیں۔ اُن کی نظر میں کچھ شادیوں کو برقرار نہیں رکھا جاسکتا۔ لیکن کوئی بھی اس لیے شادی نہیں کرتا کہ اسے طلاق کا سامنا کرنا پڑے، اور کوئی بھی اپنی دل کی گہرائیوں میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اس کی بیٹی ایک دن مطلقہ ہو کر تنہا اپنے بچوں کو پالنے والی ماں (Single parent) بن جائے۔“

(Maggie Gallagher 1999)

اس فقرے میں جس درد و کرب کا اظہار پنہاں ہے، اُس کا ادراک صرف اس شخص کو ہو سکتا ہے جس کی پیاری بیٹی اس لیے کے تلخ تجربے سے دوچار ہو چکی ہو! اس کی وجہ یہ ہے کہ روایتی

طور پر شادی کا مطلب ایک دائمی وفاداری کا عہد کرنا ہے۔ شادی، جیسا کہ انسانی معاشرے میں یہ تصور پایا جاتا ہے دو صنفوں کے جدا نہ ہونے والے اور غیر متبادل ملاپ کا نام ہے جس کے ساتھ اعمال و اقدار کا ایسا نظام وابستہ ہے جو ایک مرد اور عورت کو اخلاقی بنیاد فراہم کرتا ہے کہ وہ جنسی طور پر صرف ایک دوسرے کے لیے ہی وقف ہوں گے، وفاداری کا رشتہ استوار کریں گے اور اس معاہدے پر مستقل کاربند رہیں گے۔“ (Robert P. Gerge 2001)

بالخصوص شادی کا ادارہ، خاندانی نظام کے قیام اور بقا کے لیے جس طرح ایک بنیادی کردار ادا کرتا ہے تو اس امر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اسے کسی قسم کے بحران کا بھی سامنہ کرنا پڑ سکتا ہے۔ تاہم انسانی تاریخ میں شادی کے ساتھ ہی طلاق بھی ایک جزو لاینفک کی حیثیت سے موجود رہی ہے۔ اب ہم اس موضوع پر تاریخی حیثیت سے غور کریں گے۔

طلاق، تاریخ کے آئینے میں:

فریڈک ایچ ہنکنز (Franke H. Hankins 1962) کے مطابق یونان، اور روم میں عورت اپنے والد اور خاوند کی ماتحتی میں زندگی گزارتی تھی، پس وہ اسے اپنی مرضی سے جدا کر سکتے تھے۔ مزید برآں، روم میں اپنے باپ کی ملکیت میں رہنے والی کسی عورت کو اس کا والد شادی شدہ ہونے کی صورت میں میاں بیوی دونوں کی مرضی اور خواہش کے برخلاف علیحدہ کرنے کا حق رکھتا تھا۔

یونان میں چھٹی صدی کے جسطہین قوانین کا نفاذ ۱۸۲۲ میں ہوا، جو آج تک نافذ العمل ہیں۔ ان قوانین کی رو سے خاوند اپنی بیوی کو طلاق دینے کا مجاز تھا اگر اس کی بیوی زنا کی مرتکب ہوتی ہے۔ اسی طرح ان وجوہات سے بھی اسے طلاق ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے والدین کے گھر کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے گھر میں بغیر اجازت خاوند کے رات گزارتی ہے، وہ تھیٹر یا کسی سپورٹس میں جاتی ہے، خاوند کی مرضی کے بغیر، نیز خاوند کی خواہش اور اجازت کے بغیر رات کا کھانا اور تیراکی کرتی ہے، کسی غیر مرد کے ساتھ، اسقاط حمل کرا دیتی ہے، اپنے خاوند کو جان سے مارنے کی کوشش کرتی ہے یا اس کی زندگی کو درپیش کسی خطرے سے اسے آگاہ نہیں کرتی یا حکومت وقت کے خلاف کسی سازش سے بھی (جو اس کے علم میں ہو) اسے آگاہ نہیں کرتی، اسی طرح ایک بیوی بھی اپنے

خاوند سے طلاق لینے کا حق رکھتی تھی، اگر اس کا خاوند حکومت وقت کے خلاف سازش میں شریک ہوتا تھا، یا اُس کی زندگی کے درپے ہوتا تھا یا ایسے لوگوں کی مدد کرتا تھا جو بیوی کو مارنا چاہتے ہوں، یا اسے زنا کرنے پر مجبور کرتا تھا یا اُس پر زنا کی تہمت لگاتا تھا، شوہر خود گھر میں کسی غیر عورت کے ساتھ زنا کرتا تھا یا اسی شہر میں مسلسل اس میں ملوث رہتا تھا یا شادی کے بعد پتہ چلتا تھا کہ وہ بانجھ ہے اور شادی کے تین سال تک اس حالت میں مبتلا رہتا تھا۔

یہودی قوانین کے تحت، ایک شوہر اگر یہ محسوس کرتا تھا کہ اس کی بیوی بہت خوبصورت نہیں ہے اور چاہتا تھا کہ اس کی بجائے کسی زیادہ خوبصورت عورت سے شادی کر لے، تو اسے ایسا کرنے کی اجازت تھی۔ اسی طرح بیوی کے بہت معمولی نقائص کی بنا پر جیسے یہ امور کہ بیوی کی بغلوں سے بدبو آتی ہے، وہ نلکڑی ہے، یا کبڑی ہے، یا بانجھ ہے تو ان صورتوں میں بھی خاوند اُسے طلاق دے سکتا تھا۔

ہندوستان میں، طلاق کے مختلف طریقوں پر عمل ہوتا تھا۔ اگرچہ کٹر ہندوؤں میں طلاق کی اجازت نہیں تھی تاہم ایک زانیہ بیوی، خاوند کے گھر قید میں رکھی جاتی تھی۔ برہمن بدھ مت کے پیروکار شادی کو ایک سول معاہدہ خیال کرتے تھے اور مختلف وجوہات کی بنا پر طلاق دے سکتے تھے۔ کرچمین چرچ نے شادی اور طلاق دونوں کو بہت مشکل عمل بنادیا تھا۔ اس تصور کی وجہ سے کہ جنسی تعلقات بنیادی طور پر ایک گناہ کا فعل ہیں۔ تاہم شادی کو ایک تقدس کا درجہ حاصل تھا۔ البتہ سینٹ آگسٹائن نے اسے ایک ناقابلِ تنسیخ جہت دے دی تھی۔ چونکہ زوجین کو ایک دوسرے کے ساتھ مستقل زندگی گزارنے پر مجبور کرنا ممکن نہیں تھا، اس لیے چرچ کو مجبوراً زوجین کو بستر اور گھر سے علیحدگی اختیار کرنے کی اجازت دینی پڑی۔

کرچمین چرچ کے برعکس پروٹسٹنٹ مصلحین نے قدیم اور روایتی قوانین کی سختی کی بنا پر بڑے پیمانے پر فروغ پانے والی غیر اخلاقی سرگرمیوں (زنا وغیرہ) کی وجہ سے دولت مند اور معاشرے کے بااثر افراد کے لیے طلاق کو آسان بنایا اور انھوں نے شادی کو ایک سول معاہدے کی شکل دی۔ اُن تمام مصلحین نے طلاق کی ضرورت کو محسوس کیا اس بنا پر کہ عورت مرد زنا میں ملوث ہو، یا طویل مدت تک لاپتہ ہو جائیں۔ چند دیگر لوگوں نے ان وجوہات میں ظلم و ستم اور

کسی فرد کے پاگل ہونے یا کسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے بھی طلاق دینے کو جائز قرار دیا۔ کیتھولک طبقے کی تعلیمات کے برعکس انھوں نے ہر دو افراد کو دوبارہ شادی کرنے کی بھی اجازت دی۔ شادی بیاہ کے سیکولر قوانین کو انقلاب فرانس کے بعد بہت زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی۔

یورپ میں صنعتی انقلاب اور شہری آبادی کے بڑھتے ہوئے رجحان (Urbanization) بھی دو ایسے اہم عوامل ہیں جن کی وجہ سے طلاق کی شرح میں اضافے کو تقویت ملی اور اسے حقیقت پسندانہ عمل قرار دیا گیا۔ یورپ اور امریکہ میں کی گئی مطالعاتی رپورٹس سے پتہ چلا کہ طلاق شہری آبادی میں زیادہ ہوتی ہے، جس میں دولت کی فراوانی کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہے اور غربت کی وجہ سے اس میں کمی ہو جاتی ہے۔

آج ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ شادی کا ادارہ بین الاقوامی سطح پر تنزل اور انحطاط کا شکار ہے۔ یورپ اور امریکہ کے علاوہ بہت سے ترقی پذیر ممالک بشمول مسلم ممالک میں بھی شادی بطور ادارہ بہت کمزور ہو گئی ہے۔ گزشتہ دو دہائیوں میں اسے بہت حد تک ناکامیابی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ شادی کے بارے میں بھی گزشتہ ۲،۳ دہائیوں کے دوران لوگوں کے خیالات میں بہت تبدیلیاں آئی ہیں۔ مغرب میں بہت سی نو عمر لڑکیاں (۲۰ سال سے کم عمر) بالخصوص شادی کے بارے میں پرامید نہیں۔ اُن کے خیال میں شادیاں تادیر قائم نہیں رہتیں۔ نو عمر لڑکیوں اور لڑکوں کا شادی کے ذریعے ایک جیون ساتھی کی تلاش میں ناکامی کا مایوس کن رویہ شادی بیاہ کے ادارے کی کمزوری کا ایک بہت اہم سبب ہے۔ ”اگرچہ نوجوان لوگ کامیاب شادی کے حصول کے خواہاں ہیں، لیکن وہ اس بارے میں زیادہ متفکر اور ناامید ہیں کہ آیا وہ اس مقصد میں کامیاب بھی ہو سکیں گے؟“

(Barbar Dafoe Whitehead 1994)

برطانیہ میں پہلی مرتبہ طلاق دینے کی شرح میں ۱۸۸۹ء سے کمی ہوئی ہے، تاہم سنہ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۹۱ء کے دوران اس میں چھ گنا اضافہ ہوا، جو کہ اب یورپ میں سب سے زیادہ ہے، اب صورت حال یہ ہے کہ ۵ میں سے ۲ شادیاں ناکامی سے دوچار ہوتی ہیں، لیکن ان میں سے نصف سے زائد کی تعداد میں جوڑوں کو عدالت کی جانب سے جدا ہونے کی اجازت دی جاتی ہے، انھوں نے ابھی اپنی شادی کی دسویں سالگرہ منائی ہوئی ہے۔ (Halen Wilkinson 1997) شمار

امریکہ کے مسلمانوں میں طلاق کی شرح دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔ نیویارک میں مقیم ایک مسلمان ماہر عمرانیات (الیاس باپونس) کے مطابق امریکہ اور کینیڈا میں مسلمانوں کے ہاں طلاق کی شرح ۳۳ فی صد ہے۔ امریکی مسلمانوں میں بعد از شادی کے مسائل کا بڑھتا ہوا رجحان ایک بڑے ایسے سے کم نہیں۔ طلاق اور گھریلو سطح پر تشدد کے واقعات، امریکہ کے مسلمان خاندانوں میں بہت تیزی کے ساتھ ہو رہے ہیں۔ (ایسہ نادرہ ۱۹۹۹ء) اسلامی معاشروں میں طلاق اور شادی کے بعد ناچاقی اب ایک وبا کی صورت اختیار کر رہی ہے، اور مسلم معاشرے کی بنیادیں ہل رہی ہیں۔ اسلامک سوشل سروس ایسوسی ایشن کی شاہینہ صدیقی (۱۹۹۷ء) نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ ۱۰ فی صد سے زائد نئی ہونے والی شادیاں، شادی کے پہلے ہی سال میں طلاق پر منجم ہوتی ہیں۔ انھوں نے مزید بتایا کہ کسی ایک معاشرے میں ۱۹ نئی شادیوں میں سے ۱۰ شادیاں، شادی کے پہلے سال میں طلاق کی وجہ سے ٹوٹ گئیں، جب کہ ایک دوسری جگہ شادی کے پہلے ہی سال بعد ۹ میں سے ۵ شادیاں طلاق کی وجہ سے ناکام ہو گئیں۔

طلاق کے نتائج و عواقب:

شادی بیاہ کی ناکامی کی وجہ سے سماجی سطح پر بے شمار منفی رجحانات اور نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے بچے جن کی پرورش جب صرف ایک فرد (والدہ بالعموم) کے کندھوں پر آن پڑتی ہے تو وہ غربت اور عسرت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، بچے شراب اور منشیات کے عادی ہو جاتے ہیں، سکول چھوڑ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں، سکول میں فیل ہو جاتے ہیں، تشدد اور مارییٹ کا نشانہ بنتے ہیں اور وہ مختلف اقسام کی دیرینہ بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بلوغت کی عمر کو پہنچنے پر، مطلقہ عورتوں کے بچوں پر بھی طلاق کے نہایت گہرے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ وہ خود بھی بغیر شادی کے والدین بن جاتے ہیں (جبری زنا یا مرضی سے آزادانہ جنسی اختلاط کی بنا پر) اور زیادہ تعداد میں جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں، حتیٰ کہ قتل تک سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ایک حالیہ مطالعے سے پتہ چلا کہ نسل، مال و دولت اور ذہنی صلاحیتوں کا لحاظ کرتے ہوئے بھی ایسے لڑکے جن کی پرورش مستقل شادی کے ماحول سے باہر ہوئی تھی، اُن میں Incarcerated ہونے کا وقوع ۲ سے ۳ گنا زیادہ تھی۔ (Maggie Gallagher, 1991)

طلاق کی وجہ سے بچے اور بالغ دونوں کو بہت زیادہ مشکلات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک ہمہ گیر مطالعے سے جس میں ۹۲ مختلف تحقیقاتی نتائج کو اکٹھا کیا گیا تھا، پتہ چلا کہ والدین کی طلاق، بچوں کی تعلیمی استعداد اور کارکردگی پر بہت منفی اثرات ڈالتی ہے۔ نیز ان کا کریکٹر، نفسیاتی نشوونما، عزت نفس اور سماجی تعلقات بھی بری طرح سے متاثر ہوتے ہیں۔ ایک جامع مطالعے سے جس میں ۸۱۰۰۰ بالغ افراد شامل تھے اور جو ۳۷ تحقیقات کے نتائج پر مشتمل تھا، پتہ چلا کہ مطلقہ لوگوں کا جب ایک تقابلی جائزہ ایسے لوگوں سے کیا گیا جو کبھی بھی طلاق سے دوچار نہیں ہوئے تھے، تو مطلقہ لوگوں کو بہت زیادہ نفسیاتی مسائل کا سامنا کرنا پڑا یعنی یاس و نوامیدی، زندگی کے بارے میں عدم اطمینان وغیرہ، خاندانی نظام کی خوشحالی (طلاق اور بے جواز کی شادی)، معاشی اور سماجی سطح کے مسائل (تعلیم کا حصول، آمدنی، پیشے میں عزت و تکریم وغیرہ) اور جسمانی صحت و تندرستی کے گونا گوں مسائل۔ (AmatoKeith 1991a,h)

درج بالا امور کے علاوہ، چند دیگر حقائق بھی ہیں، جن سے اس مسئلے کی سنجیدگی اور گہرائی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ جیکو لین کربی (Jacqueline J.Kirby 1998) رقمطراز ہیں کہ ”امریکہ میں طلاق اور علیحدگی بہت سے خاندانوں میں زندگی کے ایک نارمل حصے کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۸۲ء کے دوران امریکہ میں طلاقوں کی شرح میں تین گنا اضافہ ہوا، جب کہ طلاقوں کی تعداد ۱۲ ملین (۱۲ لاکھ) تھی۔ ایک اندازے کے مطابق ہر سال ایک ملین (۱۰ لاکھ) بچے، والدین کی طلاقوں کی وجہ سے متاثر ہوتے ہیں۔ (Anon 1991) اور یہ بھی اندازہ لگایا گیا ہے کہ تقریباً ۴۰ فی صد حالیہ نسل کے بچوں کو ۱۸ سال کی عمر کو پہنچنے تک اپنے والدین کی طلاق کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ (Glick P.C. 1988)

امریکہ میں طلاق کی شرح:

ایک ماہر (Anon 1999) نے امریکن بیورو آف سنسز اور صحت کے قومی مرکز کے اعداد و شمار کے حوالے سے بتایا کہ امریکہ کی ایک ریاست نوویڈا (Noveda) میں طلاق کی شرح سب سے زیادہ تھی۔ یہ شرح ۱۹۸۸ء میں ۵.۸ طلاق فی ہزار افراد تھی۔ یہ ریاست بہت جلد طلاق دینے کی بنا پر ایک عرصہ سے بدنام چلی آرہی ہے۔ اور دلچسپی کی بات یہ ہے کہ طلاقوں کی

سب سے زیادہ شرح ریاست کے ان علاقوں میں تھی، جہاں کی آبادی بائبل پر عمل کرنے والے عیسائیوں پر مشتمل ہے۔ مختلف ریاستیں مثلاً ٹینیسی (Tennessee)، آرکنساس (Arkansas)، البامہ (Alabama) اور اوکلاہامہ (Oklahoma) ان پانچ ریاستوں میں سرفہرست ہیں، جہاں طلاق کی شرح سب سے زیادہ ہے۔ ان قدامت پسند ریاستوں میں طلاق کی شرح قریباً قومی سطح پر طلاق کی شرح کے نصف سے زائد ہے، یعنی ۴۲٪ طلاق فی ہزار افراد۔ بائبل پر ایمان رکھنے والی ان عیسائی ریاستوں میں طلاق کی شرح کی درج ذیل مختلف وجوہات ہیں:

« کم عمر کی شادیاں

« خاندانوں کی آمدنی میں کمی ہونا۔

« ان علاقوں میں رومن کیتھولک فرقے کے عیسائیوں کی آبادی بہت کم ہے جو طلاق دینے پر یقین نہیں رکھتے۔

امریکہ میں ایک عام نوجوان لڑکے لڑکی کی زندگی کا شامل یہ ہے کہ وہ کچھ عرصے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ شادی کر کے غیر رسمی طریق پر اکٹھے وقت گزارتے ہیں، (جسے عام طور پر ایک دوسرے کے ساتھ جان پہچان کرنا (Get to know each other) کہتے ہیں۔) اس قسم کے جنسی تعلقات زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتے۔ لڑکوں/لڑکیوں کے جوڑے باقاعدہ شادی کے بندھن میں (کافی عرصہ تک اس قسم کے غیر رسمی جنسی تعلقات سے بھرپور استفادہ کرنے کے بعد) عمر کا ایک حصہ گزارنے کے بعد شامل ہوتے ہیں بہ نسبت ماضی کے۔ اس کے علاوہ بہت سے نوجوان جوڑے ملکی قانون (رسمی شادی کے بغیر) کے تحت زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ (Robinson B.A 2000)

برنارڈ ریسرچ گروپ (Barna Research Group)، (۱۹۹۹ء Anon) نے ایک سروے کے نتائج شائع کیے، (جن میں ۵۳ ۳۸ بالغ افراد کا تعلق، ۳۸ ایک ہی طرف واقع ریاستوں سے تھا۔) طلاق کے یہ نتائج ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئے جن سے پتہ چلا کہ:

« گیارہ فی صد آبادی کو حال ہی میں طلاق ہوئی ہے۔

« پچیس فی صد بالغ افراد کو ان کی زندگی میں ایک مرتبہ طلاق ہو چکی ہے۔

﴿ کٹر عیسائی فرقے کے لوگوں میں طلاق کی شرح دیگر فرقوں کی نسبت بہت زیادہ تھی۔

جیسا کہ درج بالا سطور میں بتایا گیا کہ کٹر عقیدے کے عیسائیوں میں طلاق کی شرح زیادہ تھی بہ نسبت دوسرے عقیدے کے فرقوں کے۔ ”اس انکشاف نے بہت سی پیشانیوں پر تیوریاں ڈال دیں اور شکوک و شبہات کا اظہار کیا جانے لگا۔ حتیٰ کہ مذہبی طور پر بھی غم و غصے کا اظہار ہونے لگا۔ ان کبیدہ خاطر کرنے والے اعداد و شمار کی وجہ سے برٹا گروپ کے کارپردازوں کو کہنا پڑا کہ ”ہمیں عیسائی اور غیر عیسائی لوگوں کے اخلاقی رویوں میں بہت کم نمایاں فرق نظر آیا۔ اگرچہ طلاق کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے“۔ تاہم اس سروے کے نتائج میں کسی حکمت اور دانائی کی تردید کرتے ہوئے یہ دلیل دی گئی کہ ”چونکہ کرحمین لوگ خاندانی نظام کے بارے میں بائبل کی تعلیمات کی پیروی کرتے ہیں جو کہ سیکولر (خدا کو نہ ماننے والے) لوگوں کے ہاں نہیں پایا جاتا۔ اس لیے یہ کہنا زیادہ معقول ہے کہ مذہب، شادی کے ادارے کی زیادہ حفاظت کرنے والا ہے اور میں اس پر ایمان رکھتا ہوں۔“ (David Popene 1999)

عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں طلاق کی شرح کے بارے میں ذیل کی سطور میں درج اعداد و شمار روشنی ڈالتے ہیں:

گوشوارہ نمبر: ۱۵۶۱: امریکن عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں طلاق کی شرح کا جائزہ:

عیسائی فرقے	طلاق کی شرح (فی صد)
عام عیسائی (آزاد خیال)	۳۴ فی صد
پپٹسٹ (BAPTISTS)	۲۹ فی صد
پروٹسٹنٹس (Mainline Protestants)	۲۵ فی صد
مارمنز (Mormans)	۲۴ فی صد
کیٹھولکس	۲۱ فی صد
مارٹن لوتھر کے پیروکار	۲۱ فی صد

① اگر پاکستان یا کسی اسلامی ملک میں ایسا ہو تو اسے ”دہشت گردی“ اور ”مذہبی تنگ نظری“ پر محمول کیا جاتا ہے، لیکن اس ”امر کی مذہبی“ غم و غصے کو کیا کہئے؟ — ملاحظہ سرگرمیاں ہے اسے کیا کہئے!

برنا گروپ کے اعداد و شمار نے پہلے سے حاصل کردہ اعداد و شمار کی تائید کی کہ کٹر پروٹیسٹنٹس
 فرتے کے عیسائیوں میں طلاق کی شرح زیادہ ہے، جب کہ عام عیسائیوں میں اس کی شرح بہت
 کم۔ انھوں نے چند مزید حقائق کا بھی انکشاف کیا کہ ملحدین (Atheists) اور
 (Agnostics) کے ہاں طلاق کی شرح سب سے کم پائی گئی۔ جارج برنا نے اس صورت
 حال پر یہ تبصرہ کیا کہ ان نتائج سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ”چرچ کی تعلیم دینے والے لوگ اور
 چرچ خاندانی نظام کے سلسلے میں کس قدر مؤثر کردار ادا کر رہے ہیں؟“ — ”ان اعداد و شمار نے
 اس امر کو چیلنج کیا ہے کہ چرچ مناسب طور پر اور عملاً شادی کے ادارے کو مضبوط و مستحکم بنیادوں پر
 استوار کرنے میں کوئی کردار ادا کر رہا ہے یا نہیں؟“

گوشوارہ نمبر ۱۵۲ میں مختلف مذاہب کے لوگوں میں طلاق کی شرح کا جائزہ لیا گیا ہے۔

گوشوارہ نمبر ۱۵۲: مختلف مذاہب کے پیروکاروں میں طلاق کی شرح کا جائزہ:

مختلف مذاہب	طلاق کی شرح (فی صد)
یہودی	۳۰ فی صد
پیدائشی عیسائی	۲۷ فی صد
دیگر عیسائی	۲۴ فی صد
ملحدین	۲۱ فی صد

یہ امر باعث دلچسپی ہے کہ امریکی ملحدین کے ایک نمائندے نے ان اعداد و شمار پر اپنے
 رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے بارے میں کسی قدر توہین آمیز
 تبصرہ کیا۔ اُس نے کہا: ”ان اعداد و شمار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ ملحدین کی ذہنی سطح بہت
 بلند ہے بہ نسبت مذہبی لوگوں کے اس لیے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے اہل خاندان ایک
 دوسرے کے لیے زیادہ اخلاص و محبت کے جذبات رکھتے ہیں، بہ نسبت ایسے لوگوں کے جو کسی
 ”ان دیکھے آسمانی خدا“ پر یقین رکھتے ہیں، ملحدین کی اخلاقیات میں اس طرح کی ”فضول سجدہ
 ریزی“ کی کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ عیسائیوں یا یہودیوں کے مختلف فرقوں میں پایا جاتا ہے
 — ملحدین انکار کرتے ہیں اور بالکل ٹھیک کرتے ہیں قدیم طرز فکر و عمل کے ان مردانہ رویوں کا

جو بہت سے مذاہب کے پیروکاروں میں شادی کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔“ (2000ء، Anon)۔ یہ تبصرہ اگرچہ بہت تلخ اور ناقدانہ ہے، تاہم اس میں اُن لوگوں کے غور و فکر کے لیے ایک سبق ہے جو عیسائیت یا یہودیت کی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں۔“

یہ امر بہت ہی تکلیف دہ ہے کہ بہت سے مسلمان ممالک میں بھی طلاق کی صورت سال، اُس حالت سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے، جیسا کہ ہم نے امریکہ میں طلاق کے بارے میں دیکھا۔ یہ ایک عام مشاہدے کی بات ہے (اگرچہ اسے ثابت کرنے کے لیے اعداد و شمار موجود نہیں) کہ کچھ کٹر مذہبی مسلمانوں میں بھی طلاق ایک عام سی بات بن گئی ہے، جب کہ عام مسلمانوں میں شادی بیاہ زیادہ کامیاب اور دیر تک چلنے والا ادارہ ہوتا ہے۔ یہاں پھر مذہبی لوگوں کے لیے ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ وہ درج بالا پھبتی (آسمانوں میں رہنے والے ان دیکھے خدا) کے گسے جانے کے مضمرات پر سنجیدگی سے غور کریں۔

درج بالا سطور میں عیسائیوں اور یہودیوں کے مختلف فرقوں میں طلاق کی شرح کا جائزہ لینے کے بعد یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ان مذاہب کی تعلیمات کا مطالعہ کر کے دیکھا جائے کہ ان میں طلاق کے بارے میں کیا خیالات پائے جاتے ہیں۔

طلاق کے بارے میں عیسائیت کا نقطہ نظر:

یہ جاننے کے لیے کہ چرچ طلاق کو کس نظر سے دیکھتا ہے، ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ شادی کے بارے میں اُس کا نقطہ نظر کیا ہے؟ چرچ کے نزدیک شادی ایک مقدس، پاکیزہ اور ایک زوجگی تعلق کا نام ہے، جو ایک مرد اور عورت کے درمیان ملاپ کے نتیجے میں واقع ہوتا ہے۔ عیسائیت میں اسے عمر بھر کا ساتھ کہا جاتا ہے۔ جس کی بنیاد ایک بامقصد عہد اور متفقہ اکٹھے رہنے کے یقین پر استوار ہوتی ہے جبکہ شادی کا حلف مرد اور عورت اپنے خدا کے سامنے اٹھاتے ہیں۔

(Genesis_2:24 __ Malachi_2:14)

چوں کہ شادی کے ذریعے ایک صحت مند معاشرے کی بنیاد پڑتی ہے، اس لیے چرچ کی تعلیمات کے مطابق شادی کی شرح میں کمی افراد، خاندان اور کراہیٹ (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) کے مقصد کے منافی ہوتی ہے۔ (Anon 1997ء)۔ اس لحاظ سے چرچ کی تعلیمات میں بھی

طلاق کے خلاف بہت سخت خیالات بائبل کی اس تعلیم کے تحت پائے جاتے ہیں کہ اللہ، طلاق سے نفرت کرتا ہے۔ (Malachi 2:16) اور کسی شخص کو بھی اُن دو جیون ساتھیوں کو علیحدہ کرنے کا اختیار نہیں جو کہ مقدس عہد کے تحت شادی کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں۔ (Mathew 19:6)

عیسائیت میں طلاق دینے کے لیے صرف دو استثنائی حالتیں ہیں۔ کوئی عیسائی اپنے جیون ساتھی کو طلاق دے سکتا ہے اگر (خاوند یا بیوی) بار بار زنا میں ملوث ہو رہے ہوں۔ (Matthew 5:32_19:9) یا وہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیں اور روپوش ہو جائیں۔ (Corinthians 7:15)

عہد نامہ قدیم (تورات) کے قانون کے مطابق طلاق کی اجازت ہے۔ (Deuteronomy 24:1_4) لیکن خاوند دوبارہ اپنی اُن بیویوں سے شادی نہیں کر سکتا، جنہیں اس نے طلاق دی تھی۔ دوسری شادی کی صورت میں، بیوی کو شادی کے لیے معاہدہ کرنا پڑتا ہے اور دوسری شادی کا معاہدہ کرنے کے بعد وہ اپنے پہلے شوہر کے پاس واپس نہیں جاسکتی۔

اصل بات یہ ہے کہ بائبل کی تعلیمات کو موجودہ زمانے کے سماجی اور تہذیبی حالات میں سمجھنا اور ان پر عمل کرنا بہت آسان نہیں۔ بادی النظر میں طلاق کے بارے میں بائبل کی بنیادی تعلیمات میں ایک تناقض نظر آتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ طلاق صرف خاوند ہی کی طرف سے دی جاسکتی ہے اور کسی بھی وجہ کی بناء پر — جب کہ دوسرے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میاں بیوی دونوں طلاق دینے کا حق رکھتے ہیں، لیکن صرف مخصوص حالات کے تحت — اس کے علاوہ کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ طلاق کی کسی صورت میں بھی گنجائش نہیں۔

اسی طرح دوبارہ شادی کا مسئلہ بھی الجھا ہوا ہے۔ کٹر عیسائی لوگ، بائبل کی تعلیمات کے مطابق، یقین رکھتے ہیں کہ مختلف تعلیمات کے درمیان موافقت تلاش کی جاسکتی ہے۔ ان کے مطابق بائبل میں طلاق کے بارے میں مستقل طور پر ایک ہی بات کہی گئی ہے۔ بد قسمتی سے فی زمانہ کٹر عقیدے کے لوگوں اور عیسائیوں کے دیگر فرقوں کے لوگوں کے درمیان موافقت اور یکگاہی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ بائبل کی تعلیمات کیا ہیں؟

اس امر پر بھی اتفاق رائے نہیں پایا جاتا کہ عبرانی اور عیسائیوں کی کتابوں میں درج ہدایات کو آج کل کے حالات پر کس طرح لاگو کیا جائے۔ کچھ کا خیال ہے کہ طلاق کے بارے میں الہامی ہدایات انٹ صدائیں ہیں جب کہ دوسرے لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ ہدایات اُس دور کے حالات کے لحاظ سے ہیں جب کہ یہ کتب لکھی گئی تھیں — مستقبل قریب میں دوبارہ شادی کرنے اور طلاق کے بارے میں ہونے والے اس اختلاف کے بارے میں کسی اتفاقی رائے کا امکان نہیں۔

مغرب، شادی کے بندھن کے ٹوٹنے اور طلاق کی شرح میں تیزی سے بڑھتے ہوئے رجحان کی وجہ سے سخت خلجان میں مبتلا ہے۔ مغرب کو ان سخت ترین مسائل کا سامنا دراصل اُس رد عمل کے طور پر کرنا پڑ رہا ہے جو چرچ کے سخت رویے کے خلاف ہوا، جس نے صدیوں تک طلاق کو سونی صدمہ قرار دیئے رکھا، جب کہ سیکولر حکومتوں کے قانون نے طلاق کے حق کو تسلیم کر لیا۔

طلاق کی بنا پر بچے بالخصوص بری طرح سے متاثر ہوتے ہیں۔ دونوں والدین یا اُن میں سے کوئی ایک جو طلاق کے لیے کوشاں ہوتا ہے وہ اپنے جذبات میں بہت حد تک آگے چلا جاتا ہے قطع نظر اس کے کہ ان کے بچوں پر اس کے کیا برے اثرات مرتب ہوں گے؟ طلاق سے بچے ایک بہت بڑے جذباتی صدمے سے دوچار ہوتے ہیں۔ جس کے اثرات کئی سال تک محسوس ہوتے رہتے ہیں اور بعض حالات میں وہ عمر بھر اس سے نجات حاصل نہیں کر پاتے۔ اس لیے ایسے تمام افراد کے لیے جو طلاق کے بارے میں سوچ رہے ہوں، یہ ایک بہت ضروری امر ہے کہ وہ اپنے اقدام کے مضمرات کا واضح طور پر احساس کریں اور ان اثرات پر بھی غور کریں جو اُن کے بچوں، دیگر افراد خاندان اور دوستوں پر مرتب ہو سکتے ہیں۔ (Anon 1999ء)

مغرب میں طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح نے عیسائیت اور یہودیت کی تعلیمات کی بنا پر پیدا شدہ صورت حال کی وجہ سے اس ”الہامی ہدایت“ کے بارے میں ایک بہت ہی سنجیدہ سوال پیدا کر دیا ہے کہ آیا مغرب میں رہنے والے لاکھوں انسانوں کا یہی مستقبل ہے کہ وہ اس دورا ہے پر کھڑے ہونے پر مجبور ہیں؟ (Anon 2000ء) — ہم اخلاص نیت سے یہ کہتے ہیں اور

ہمارا اس پر ایمان بھی ہے کہ لاکھوں انسانوں کو اس طرح مجبوری کے عالم میں بے یار و مددگار چھوڑنا مناسب نہیں۔ لازماً اس صورتِ حال سے بہتر طور پر عہدہ برآ ہونے کا کوئی طریقہ ہونا چاہیے۔ اس لحاظ سے مغرب کے دانشوروں، فلاسفوں اور دیگر اہل علم کے لیے اُس روشنی میں اُمید کی ایک شعاع موجود ہے جو قرآنی تعلیمات سے آرہی ہے۔ اسلام اُن تمام سماجی، اور خاندانی نظاموں کو تباہ کرنے والے مغرب کو آج کے دور میں درپیش مسائل کا ایک بہت معتدل حل تجویز کرتا ہے۔ کیا کوئی اس پر کھلے دل اور کھلی آنکھوں کے ساتھ غور کرنے پر تیار ہے؟

ذیل کے صفحات میں ہم اُن تمام تعلیمات، احکامات کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ جائزہ لیں گے جو قرآن و حدیث میں طلاق اور نکاحِ ثانی کے بارے میں دیئے گئے ہیں۔ ان تعلیمات و ہدایات کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کرنے کے بعد ایک غیر جانب دار آدمی کے لیے یہ تسلیم کرنا کچھ مشکل نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے شادی کی اہمیت و ضرورت پر خصوصی زور دیا ہے اور خاندانی نظام کے استحکام کے لیے شادی کو دائمی طور پر قائم رکھنے کی ضرورت پر بھی زور دیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ زوجین کے درمیان تعلق منقطع ہونے کی صورت بھی جائز قرار دی ہے اگر وہ دونوں پیار و محبت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتے، مزید یہ کہ طلاق کے بعد، مرد اور عورت دونوں کو اس امر کی کھلی اجازت دی ہے (بلکہ ترجیحاً تاکید کی ہے) کہ وہ جہاں چاہیں اپنی مرضی سے نکاحِ ثانی کر لیں، یہ عیسائیت کی اس تعلیم کے برعکس ہے کہ دوبارہ شادی کرنے سے فریقین زنا میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ (Luke 16:18 - Mark 10:11-12)

انسانی فطرت اس بات سے اپراہٹ محسوس کرتی ہے کہ اس ہدایت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب کیا جائے جن کی تعلیمات پیار، محبت اور صلح و آشتی کے پیغام کے سوا کچھ نہیں جو وہ تمام انسانوں کے درمیان پیدا کرنا چاہتے تھے۔

مزید، جو شخص بھی قرآن و حدیث کی ان تعلیمات کا مطالعہ کر لے گا وہ لازماً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ ان تعلیمات میں دونوں صنفوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کا اس وقت نظر کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے کہ ان کا کوئی پہلو بھی اوجھل نہیں رہا اور اس پر مستزاد یہ کہ یہ تعلیمات اس قدر شفاف اور غیر جانبدارانہ ہیں کہ ان میں کسی صنف کے ساتھ بھی زیادتی یا حمایت کا کوئی شائبہ

تک بھی موجود نہیں!۔ ان تعلیمات کی رو سے مرد اور عورت دونوں کو طلاق دینے لینے کا حق دیا گیا ہے۔ مرد کو بطور قوام ہمیشہ اس امر کی تاکید کی گئی ہے کہ اگر اس نے طلاق کا ارادہ ہی کر لیا ہے تو وہ نرم دلی، تعاون و اشتراک اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرے۔ ان تمام قانونی اور اخلاقی ہدایات کا مقصد یہ ہے کہ دونوں کی زندگی کو توازن اور خوشحالی سے ہمکنار کیا جائے۔ توقع کی جاتی ہے کہ دونوں اصناف اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کے نتیجے میں، اس دنیا میں ایک متوازن اور خوشیوں سے بھری زندگی گزارنے میں کامیاب ہوں گے جس میں کسی قسم کے کوئی نفسیاتی اور جذباتی برے اثرات اُن کی نیز اُن کے بچوں کی زندگی پر نہ پڑ سکیں گے۔

طلاق کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر:

اسلام میں شادی کا مقصد میاں بیوی کے درمیان محبت اور وفاداری کے ذریعے تعاون کے نتیجے میں بچوں کی پیدائش ہے تاکہ ایک مضبوط خاندان کی بنیاد پڑ سکے۔ اس طریق پر مسلمانوں کی ایک نئی نسل معرض وجود میں آتی ہے جو اسلامی تعلیمات کے پروگرام کو مزید آگے بڑھانے کا کام سرانجام دیتی ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر، شادی کے ادارے کو ختم کرنا، زوجین کے درمیان تفریق کا ہو جانا، دراصل ان بنیادی مقاصد کی نفی ہے جن سے شادی اور خاندانی نظام کی تکمیل ہوتی ہے۔

مسلم اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ”ایک بیوی اور شوہر میں تفریق کی وجہ سے بچے ایک ایسی اذیت سے دوچار ہوتے ہیں جو اُن کی نفسیات کو نہ صرف بہت گہرے زخم لگاتا ہے بلکہ انھیں بہت سی اخلاقی برائیوں میں بھی دھکیل دیتا ہے، بہ نسبت اس خوشگوار ماحول کے جو ایک خاندان کی شکل میں اُن کے لیے فراہم کیا گیا تھا۔“

(Syed Mujtaba Musavi Lari 1999ء)

— شاید یہی وجہ ہے کہ طلاق کو حلال اور جائز چیزوں میں سب سے بڑی برائی سمجھا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ”تمام جائز امور میں، طلاق ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے بری ہے۔“ (ابوداؤد)۔ اس امر کی صراحت شاید ضروری ہو کہ اسلام میں شادی کا مقصد زوجین کو ایک دوسرے کے ساتھ زبردستی باندھ کر رکھنا نہیں، اگر وہ ذہنی اور جسمانی

اعتبار سے ان کے لیے اطمینان بخش نہ ہو۔ بائبل کے برعکس، قرآنی ہدایات اس بارے میں بالکل واضح ہیں کہ انسانی معاشرے میں مختلف حالات کی بنا پر طلاق کی اجازت ہونی چاہیے۔ جن مذاہب نے اس کی اجازت نہیں دی اور میاں بیوی پر ”موت تک اکٹھے رہنے“ کے عہد کی پابندی لازمی قرار دی تھی، اس کی وجہ سے انسانوں کو ایک ایسے گھمبیر مسئلے کا سامنا کرنا پڑا کہ اُس کی بنا پر وہ گناہ کی زندگی بسر کرنے پر بھی مجبور ہو گئے۔ یہ بات انسانی فطرت کے مطابق نہیں اور اسلام اس قسم کی سخت پابندیوں میں کسی فرد کے جکڑے رہنے کی حمایت نہیں کرتا۔ طلاق دینے کے عوامل:

اس سے قبل کہ ہم اسلام میں طلاق کے ان طریقوں کے بارے میں معلومات حاصل کریں جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں، یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ان عوامل کا جائزہ لیں جن کی وجہ سے طلاق کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

(۱) دینی تعلیمات سے لاعلمی:

طلاق کی سب سے اہم اور بنیادی وجوہات میں سے اہم وجہ مرد، عورت یا دونوں زوجین کا اسلام کے خاندانی نظام کے بارے میں دین کی تعلیمات سے لاعلمی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میاں اور بیوی دونوں ہی مسلمان ہیں لیکن اُن میں سے کوئی ایک زیادہ دین پر عمل کرتا ہے جب کہ دوسرا کسی قدر کم۔ اسلام میں ایک صحت مند شادی شدہ زندگی کا آغاز اسلامی عقیدے پر ایمان اور اُس کے مطابق تمام ہدایات پر عمل کرنے سے ہوتا ہے۔ بعض حالات میں مرد، اپنی بیوی کے پردہ کرنے کے خلاف ہوتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اُس کے ساتھ بے حجابانہ دوسرے لوگوں اور خاوند کے دوستوں سے ملے جلے۔ جب اس بارے میں ان دونوں کے درمیان اختلاف ہوتا ہے، تو ایک فریق یہ چاہتا ہے کہ اس بارے میں قرآنی تعلیمات پر مشتمل آگہی حاصل کی جائے اور اُسی کے مطابق عمل بھی کیا جائے جب کہ دوسرا فریق اس ہدایت سے اغماض برتنا چاہتا ہے اور اپنے معاشرے کے عام چلن کے مطابق زندگی بسر کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔

اس لیے یہ بہت ضروری ہے کہ میاں بیوی دونوں کو اپنے حقوق و فرائض اور ذمہ داریوں کا

علم ہو اور وہ اپنی زندگی میں ان پر عمل پیرا ہوں، جس کا قرآن اور حدیث اُن سے مطالبہ کرتا ہے۔ شادی کے نتیجے میں جب دو مختلف گھرانوں سے تعلق رکھنے والے افراد کا ملاپ ہوتا ہے تو وراثت دونوں گھروں کے طور طریق، رسم و رواج اور روایات ایک دوسرے میں مدغم ہونے لگتی ہیں۔ دونوں فریق اپنے اپنے طور پر زندگی گزارنے کے عادی ہوتے ہیں۔ تاہم جب اس قسم کے اختلافات کے مواقع پیدا ہونے لگیں تو یہ ضروری ہے کہ دونوں جیون ساتھی ان اختلافات کو باہمی گفتگو اور سمجھ بوجھ کے ذریعے حل کریں۔ ایک نیا گھر بسانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دونوں وسعت نظری اور وسیع القسی کا مظاہرہ کریں اور ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھ کر اُس پر مشترکہ لائحہ عمل اختیار کریں۔ کیونکہ ان معاملات میں محبت اور نرمی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ باہمی رواداری کے ذریعے ہی ایک نئے گھرانے کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے، ورنہ خدا نخواستہ اس رشتے میں رخنے پڑنے کا امکان ہوتا ہے۔

(۲) جنسی تعلیمات سے آگاہ نہ ہونا:

شادی شدہ زندگی میں عورت اور مرد کے جنسی تعلقات سے لاعلمی کی وجہ سے بھی بہت سے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں کیونکہ کسی نے شادی سے پہلے لڑکے لڑکی کو ان معاملات سے آگاہ نہیں کیا ہوتا۔ اکثر اوقات دونوں نوجوان جیون ساتھی، ایک دوسرے کی جسمانی ساخت سے ہی آگاہ نہیں ہوتے اور انھیں اُن ذمہ داریوں/جنسی اعمال کا بھی پتہ نہیں ہوتا جو شادی کے بعد میاں بیوی کے درمیان واقع ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ جسمانی طور پر ایک دوسرے سے جنسی لذت حاصل کر سکیں۔ ایک دوسرے سے ان امور کے بارے میں گفتگو نہ کرنا (شرم و حیا کی وجہ سے) یا کسی بڑے تجربہ کار شخص سے بھی معلومات حاصل نہ کرنے سے یہ مسئلہ گھمبیر صورت اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔

شادی سے قبل، لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے اُن جنسی معاملات سے آگاہی حاصل کرنا بہت ضروری ہے، جن کو جاننے سے وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کر کے اپنے جذبات کی تسکین کر سکیں۔ انھیں چاہیے کہ وہ دونوں اپنے طور پر اپنے ذاتی اور آپ دوسرے کے جسمانی اعضاء (بالخصوص جنسی اعضاء) اور اُن کے افعال کے بارے میں معلومات

حاصل کریں، نیز ان روایات سے بھی آگہی حاصل کریں جو حضور ﷺ کی تعلیمات سے شادی شدہ زندگی گزارنے کے لیے ہمیں ملتی ہیں۔ اس ضمن میں انھیں کسی دوسرے (بزرگ مرد عورت) کے ساتھ گفتگو کے ذریعے بھی ان امور کی معلومات شادی سے قبل ہی حاصل کرنی چاہئیں۔ (Aneesah Nadire 1999ء) اس ضمن میں ایک مرد ڈاکٹر لیڈی ڈاکٹر سے خاوند اور بیوی کو معلومات حاصل کرنی چاہئیں، جس کا ذکر ذیل کے صفحات میں کیا گیا ہے۔

(۳) مالی مشکلات:

طلاق کی دوسری اہم وجوہات میں مالی مشکلات بھی ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اگر خاوند کوئی کام نہ کرتا ہو یا اس کے مالی وسائل اس قدر نہ ہوں یا دونوں میاں بیوی اپنے گھر کے مالی معاملات کو بہتر طور پر چلانے کے قابل نہ ہوں تو نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ اس صورت حال سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہونے والے خاوند کے مالی معاملات کے بارے میں والدین اچھی طرح سے معلومات حاصل کریں کہ آیا شادی کے بعد وہ ایک نئے گھر کو چلانے کے قابل بھی ہے یا نہیں؟ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمُ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ﴾ (النور: ۲۴: ۳۲)

”تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کر دو، اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا۔“

یہاں اس امر کی جانب اشارہ کرنا ضروری ہے کہ ہمارے آج کل کے مسلمان معاشرے میں، شادی کے بعد ایک رسہ کشی شروع ہو جاتی ہے، جس میں ماں (ساس) و دیگر اہل خانہ اور نوبیا ہٹا لڑکی ایک دوسرے کے مقابل آ جاتے ہیں۔ خاوند کی والدہ یا بہنیں اسے اپنا ”حق“ سمجھتی ہیں کہ گھریلو امور کو وہ اس بچ پر چلائیں جس پر ان کا گھرانہ ایک عرصے سے کاربند ہے۔ جو معاشرتی اقدار و روایات سے بھی بہت حد تک لگا کھاتا ہے۔ جب کہ دوسری جانب نوبیا ہٹا لڑکی کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس گھر میں ”اصلاحات“ کرنا چاہتی ہے۔ ان ”قدیم روایات“ کے برعکس جو اس کے سسرال میں ایک عرصے سے جاری ہیں۔ اس کی وجہ سے بہت

کی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کی رائے سے اختلافات پیدا ہوتے ہوتے ہیں، نرم گرم الفاظ کا تبادلہ ہوتا ہے اور گام گلوج، لڑائی دنگے تک نوبت پہنچتی ہے اور ایک دوسرے کے احترام اور وقار کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا جو بالآخر طلاق پر منتج ہوتا ہے۔

معصوم اور نئے نئے ویلے دولہا دلہن کو امر کا تصور تک بھی نہیں ہوتا کہ شادی کے بعد انھیں اس قسم کے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ شادی کے نتیجے میں بہت سے مسائل اور آزمائشیں پیش آتی ہیں۔ اس لیے نوجوان جوڑوں کے رشتے داروں (بالخصوص والدین اور بہنائی بہنوں) دوست احباب کو چاہیے کہ وہ اس ضمن میں شادی سے پہلے لڑکے لڑکی کو ان امور سے آگاہ کریں اور اس عمل کو ”شادی سے پہلے مشاورت“ (Pre-marital Counselling) کہا جاتا ہے۔ (Aneesa Nadire 1999ء)

اس ضمن میں خاوند کو ایک اہم اور کلیدی کردار ادا کرنا ہوتا ہے جو کہ نکاح کے معاہدے میں ایک فریق کی حیثیت سے شامل ہوتا ہے۔ اُسے اپنے اس کردار کی اہمیت اور اُس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ذمہ داریوں سے عہدہ بردار ہونے کے لیے اللہ کریم نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: ۱)

”اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کرتا ہے۔“

ایسا بھی ہوتا ہے کہ خاوند کا اپنا ایک خاص ذہنی رجحان ہوتا ہے جس سے اس کی بیوی آسانی کے ساتھ نباہ کرنے میں دقت محسوس کرتی ہے۔ یہی اُس کے اور اس کے سرال واولوں کے مابین وجہ نزاع ہوتا ہے۔ ایسے عالم میں یہ بہت اہم ہے کہ ایک نوجوان بیوی صبر، حوصلہ اور عقلمندی کے ساتھ اپنے خاوند کے مسائل اور مشکلات کا ادراک کرے۔ اُسے ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ شادی سے پہلے اس گھر میں ساس اور اس کی نندوں کا مکمل رائج تھا۔ اس کا خاوند خود بھی ان کے طرز عمل سے سرتابی نہیں کرتا تھا۔ اس لیے اُس کے خاوند کے۔ یہ یہ

امر اگر ناممکن نہیں تو بہت مشکل ہے، کہ وہ اتنی جلدی احکامات صادر کرنے لگے۔ اس لیے اس معاملے میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور ان تمام معاملات سے عقلمندی کے ساتھ نبٹنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اُسے کبھی اور کسی صورت میں بھی خاوند کے اہل خانہ کی محبت، ہمدردی اور توجہ کو حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کرنا چاہیے، بالخصوص اپنے خاوند کا اعتماد حاصل کرنا اُس کی اولین ذمہ داری ہے۔

ایک ہی گھر میں رہنے والے بڑے خاندانوں میں اکثر اوقات غلطی کی بنا پر بغیر جانے بوجھے، نویا ہوتا جوڑے کے اوقات پر زیادہ حق جتانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ نویا ہوتا جوڑا، اپنے محدود مالی وسائل کے ساتھ مضبوط باہمی تعلقات کی بنیاد ڈال رہا ہے وہ اس امر کے لیے کوشاں ہو کہ وہ اپنے مالی وسائل کو مضبوط اور محفوظ کر لیں، اور اپنے بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کے طریقوں کو جان لیں۔ بہت زیادہ محبت کا اظہار کرنے والے والدین (دونوں جانب سے) اُن نویا ہوتا لوگوں کے لیے خواہ مخواہ بہت سے مسائل کھڑا کر دیتے ہیں۔ تاہم جب کبھی خاوند کے اہل خانہ عقلمندی اور حکمت سے اپنے بچوں پر ناروا بوجھ ڈالنے سے گریز کرتے ہیں، اُس کے باوجود بھی میاں بیوی کے خاندانوں کے درمیان کئی معاملات پر خفگی اور رنجش پیدا ہو جاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نویا ہوتا جوڑا اپنے اپنے خاندان کے لوگوں سے بہت گہرے تعلقات قائم رکھتا ہے۔ اُن کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے والدین کے گھر والوں کے ساتھ ہی میل ملاقات میں زیادہ تر وقت خرچ کریں بہ نسبت اپنے سرالی رشتے داروں کے۔ انھیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کی شادی کے لیے یہ ایک امتحان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے فریقین کے ماں باپ کو چاہیے کہ وہ باہمی محبت اور پیار کے ذریعے اپنے بچوں (لڑکے اور لڑکی) کی شادی کی کامیابی کے لیے کوشاں ہوں بجائے اپنے ذاتی حقوق کے جتانے اور ان کے مطابق ان دونوں کو اپنے اپنے گھروں میں دعوت دے کر بلانے پر مجبور کرنے کے۔ اس ضمن میں نویا ہوتا جوڑے کے لیے بہت ضروری ہے کہ وہ اس وقت بہت ہی متوازن طریق پر دونوں خاندانوں کو وقت دیں۔ میاں بیوی دونوں کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ اپنے خاندان پر دوسرے فریق کے خاندان کو ترجیح دیں اور اُس طریق پر ایک دوسرے کے لیے محبت و احترام کے جذبات

کو پروان چڑھائیں۔

(۴) سسرال میں تعلقات:

مسلمان معاشروں میں شادی بیاہ کے معاملات کو خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دینے میں ساس کا کردار بہت ہی اہم ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ایسے تمام معاملات میں اکثر و بیشتر مسائل، ساس کی جانب سے ہی پیدا ہوتے ہیں کیونکہ اُسے اپنے بیٹے اور خاندان کے بارے میں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ اُس کا کنٹرول اب کم ہوتا جا رہا ہے۔ تاہم ایک مسلمان عورت (چاہے وہ ساس ہو یا نندیں یا بیوی) جسے اسلامی تعلیمات کا فہم ہے، اُسے نوبیا ہٹ لڑکی کے ساتھ اپنی بیٹی یا بہن سمجھ کر پیار و محبت کا سلوک کرنا چاہیے۔ ساس/نندوں نے اپنے بیٹے/بھائی کے لیے اُس لڑکی کا انتخاب اپنی مرضی اور ارادے سے کیا ہوتا ہے اور اس گھر میں وہ ایک نووارد کی حیثیت سے داخل ہوتی ہے اور اُسے اس گھرانے کے رسم و رواج، روایات اور اہل خانہ کی پسند و ناپسند کا علم نہیں ہوتا۔ اس لیے اُن سب کو چاہیے کہ وہ اس کے ساتھ پیار و محبت کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے کوشاں ہوں۔ اور چاہیے کہ وہ اُسے اتنا موقع و وقت دیں کہ وہ نئے ماحول کے ساتھ سازگاری پیدا کر سکے۔

ایک مسلمان ساس کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اپنی بہو کو وہی عزت و احترام اور پیار و محبت دے جو وہ اپنی لڑکیوں کو دیتی ہے اور جن کے لیے اُس کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ بھی اپنے اپنے سسرال میں جا کر اطمینان اور سکون کے ساتھ زندگی گزاریں۔ اُسے اپنی بہو کی کامیابی اور پُرست زندگی کے علاوہ کسی اور چیز کی خواہش نہیں ہونی چاہیے۔ اس طرح نئی نویلی دلہن جس نے اپنے ماں باپ اور دیگر اہل خانہ اپنے خاندان کی محبت کے لیے چھوڑے ہیں کو بھی چاہیے کہ وہ نئے ماحول میں زندگی گزار سکے، اُسے چاہیے کہ وہ اپنی ساس/نندوں کے محبت اور اخلاص کے جذبات کا جواب محبت و اخلاص سے دے اور ساس کی عزت و احترام بھی اپنی ماں ہی کی طرح کرے۔

سسرال میں ساس اور دیگر اہل خانہ کو چاہیے کہ وہ اس امر کا بھی خیال رکھیں کہ نوبیا ہٹ جوڑے کو ذہنی سکون و اطمینان، محبت اور پیار کے ساتھ ساتھ اس مرحلے میں بہت سا وقت فراغت کے لیے دینا بہت ضروری ہے، تاکہ وہ دونوں اس مرحلے میں محبت اور پیار کے ساتھ

ایک دوسرے کو سمجھ سکیں، جس کی انھیں مستقبل کی زندگی کے لیے بہت ضرورت ہوتی ہے۔ نوبیا ہوتا ہوڑے کا یہ حق ہے کہ انھیں اس مرحلے میں بالکل آزادانہ طور پر وقت گزارنے کا موقع دیا جائے تاکہ وہ شادی کے ان ابتدائی ایام میں ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلقات کے ذریعے زیادہ سے زیادہ محبت اور باہمی اعتماد کی فضا قائم کر سکیں۔ کیونکہ ان ایام میں ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت اور پیار محبت کے نتیجے میں ان کی مستقبل کی زندگی کی کامیابی کا دار و مدار ہوتا ہے۔ اس بارے میں کسی کو یہ حق اور اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس مرحلے میں ان کی پرائیویٹ زندگی میں دخل در معقولات کا سبب بنے۔

اس طریق پر دولہا، دلہن اور سسرال میں ساس و دیگر اہل خانہ کے درمیان ایک توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ مستقبل میں ایک کامیاب اور پر لطف شادی شدہ زندگی کے لیے مثلث کے ان تینوں زاویوں کا باہمی صحیح انداز میں واقع ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ ایک فطری اور صحیح طریقہ ہے جس میں کسی قسم کی ذاتی خواہشات اور برے خیالات کو دخل حاصل نہیں ہونا چاہیے بلکہ اُس کے برعکس اسے دینی تعلیمات، عقل و دانش اور توازن کے ساتھ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

جب عمر رسیدہ والدین کی صحت خراب ہو تو نوجوان بچوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی مناسب دیکھ بھال کریں اور مدد کریں۔ اس دیکھ بھال اور نگہداشت کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں، جن میں مالی امداد، علاج معالجہ کی سہولت فراہم کرنا، اُن کی مدد کرنا اور ذاتی طور پر گھر کے اندر اُن کی خدمت جیسے امور شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اس عمر میں انھیں جذباتی اور روحانی طور پر بھی مدد فراہم کرنی چاہیے، اُن سے میل جول، ملاقات اور بات چیت کے ذریعے، محبت کے ساتھ اُن سے بات چیت کرنا نوجوانوں اور دیگر اہل خانہ کی ذمہ داری ہے۔ نوجوان جوڑوں کو قرآن کریم اور احادیث کی یہ ہدایت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ زوجین کے والدین کی عزت و احترام ضروری ہے۔ سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَ فِضْلُهُ فِي غَافٍ إِنَّ اِشْكُرْلِي وَلِوَالِدَيْكَ اِلَى الْبَصِيرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهَا فِي الدُّنْيَا

مَعْرِفًا ﴿ (لقمان ۳۱: ۱۴-۱۵)

”اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تائید کی ہے۔ اُس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اُسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اُس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (اس لیے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک کرے، جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں اُن کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔“

صحیح دینی تعلیمات کی کمی یا نہ ہونے کی بنا پر طلاق کے بارے میں ہمارے معاشرے میں بہت مغالطے پائے جاتے ہیں۔ ذیل میں ان کے بارے میں چند امور پر اختصار لیکن جامع انداز میں گفتگو کی گئی ہے تاکہ لوگوں کو یہ پتہ چل سکے کہ دراصل طلاق اور اُس کے مضمرات کیا ہیں؟ اسلام نے اس امر کے لیے تمام ممکن ذرائع اختیار کیے ہیں کہ شادی کو ایک مستقل اور دیرپا تعلق بنایا جائے۔ اسلام کی رو سے شادی ایک مرد اور عورت کے درمیان اکٹھے میاں بیوی کے طور پر زندگی گزارنے کا ایک معاہدہ (نکاح) ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ ہے کہ دونوں پر حقوق اور فرائض کی ذمہ داریاں پڑ جاتی ہیں جن کے بارے میں دونوں فریقوں کو آگاہ اور خبردار رہنا چاہیے۔ ایک مسلمان مرد، طلاق دے سکتا ہے بشرطیکہ اُس کے پاس اس سخت ترین اقدام کرنے کی معقول وجوہات ہوں۔ اسلام، معمولی سی تلخیوں اور شکر رنجیوں کی بنیاد پر بے محابا طلاق دینے کا روادار نہیں۔ معقول وجوہات کی عدم موجودگی میں ایک مسلمان طلاق دینے کو قانون اور دین کی نظروں میں جائز قرار نہیں دے سکتا۔ اسلام، مسلمانوں سے اُمید رکھتا ہے کہ وہ بہت احتیاط اور سوچ سمجھ کر طلاق کے حق کو استعمال کریں گے۔

طلاق کی وجوہات کے تعین کا انحصار فرد کی ذاتی سمجھ بوجھ اور عقل و فہم پر ہے۔ قرآن کریم میں طلاق کی عمومی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جس میں کوئی ایک یا دونوں فریق اپنی شادی کے فرائض ادا کرنے سے قاصر ہوں اور باہم پیار و محبت کے ساتھ اکٹھے نہ رہ سکتے ہوں۔

فقہاء کے تمام مکاتب فکر کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خاوند یک طرفہ طور پر طلاق دے سکتا

ہے۔ اس امر میں عورت کے حقوق کا تحفظ ہے اور اسے جذباتیت کا شکار ہونے سے بچانا ہے۔ اس سے بہتر حفاظتی اقدام اور کیا ہو سکتا ہے کہ طلاق کا حق بنیادی طور پر اُسے دیا جا رہا ہے جو جذبات پر زیادہ کنٹرول رکھ سکتا ہے اور عقل و فہم کے ساتھ فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہے۔ مزید برآں طلاق دینے کی وجہ سے اُس حق مہر کو واپس بھی نہیں لے سکتا جو اُس نے شادی کے وقت بیوی کو دیا تھا اور جسے اپنے بچوں کی پرورش و نگہداشت کے اخراجات بھی برداشت کرنے ہوتے ہیں۔ تاہم اس تمام تر گفتگو کا ماحصل یہ نہیں ہے کہ عورت کے اندر صلاحیت یا قوت فیصلہ کا فقدان ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جو عورتوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اُن کو طلاق لینے کا بالکل کوئی حق نہیں الا یہ کہ مرد از خود ایسا نہ کرے، وہ بالکل غلط ہیں اور اسلامی تعلیمات کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے۔ ایک حدیث میں ایک بیوی کا ذکر اس مسئلے پر بہت کھل کر روشنی ڈالتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ ”جلیلہ نامی عورت، ثابت بن قیس کی بیوی تھی، اُس نے حضور ﷺ سے اپنی شکایت کرنے کے لیے وقت مانگا اور یوں گویا ہوئی: ”اے پیغمبر خدا ﷺ! میں ثابت بن قیس کے ساتھ مزید ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتی اور نہ ہی میرا سر اُس کے ساتھ ایک تکیہ پر آرام کرنے کے لیے تیار ہوگا۔“ چند لمحے کے بعد مزید بولی: ”میں اُسے کسی عقیدے کی خرابی کا الزام نہیں دے رہی اور نہ کسی اخلاقی برائی اور میاں بیوی کے تعلقات کی ناخوشگوار کا ذکر کرتی ہوں، لیکن مجھے ڈر ہے کہ میں اُس کے ساتھ بے وفائی کا ارتکاب کر بیٹھوں گی اور یوں خدا تعالیٰ کی ناراضگی مول لوں گی اگر مجھے اُس کے ساتھ ایک منٹ بھی مزید گزارنا پڑا۔ میں نے اپنے خیمے کا پردہ اٹھایا اور میری نظر میرے خاوند پر پڑی جو دیگر بہت سے آدمیوں کے درمیان میں کھڑا تھا۔ وہ اس قدر بد صورت، سیاہ رنگ کا پستہ قد لگ رہا تھا کہ مجھے اُس سے نفرت ہو گئی اور میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔!“ وہ وہاں سے چلی گئی اور حضور ﷺ نے اُسے تسلی دی اور اس کو سمجھانے اور خوف خدا دلانے کی کوشش کی لیکن اُس نے کوئی بات بھی نہ سنی۔ تب حضور ﷺ نے ثابت بن قیس کو بلایا اور اُس کے سامنے تمام حالات رکھے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنی بیوی کے ساتھ بہت زیادہ محبت تھی لیکن اُس نے قربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور اپنی بیوی کی خاطر اپنے حق مہر کا حصہ واپس لے لیا جو کہ ایک بہت عمدہ

باغ تھا اور اُسے خلع رطلاق دے دی۔

اس واقعے سے نہ صرف طلاق لینے کی وجہ پر روشنی پڑتی ہے جو کسی بھی ظاہر بین شخص کے نزدیک طلاق مانگنے کی ایک معقول وجہ نہیں بن سکتی جو بطور ایک مصالحت کنندہ کے بھی کام کر رہا ہو لیکن یہ صرف ایک نبی ﷺ کی حکمت و دانائی ہی تھی، جس نے دورانِ نبی کے ساتھ اس عورت کے جذباتی اور نازک معاملے کو نہایت خوش اسلوبی سے سلجھا دیا۔ اس سے جہاں عورت کے اس حق کے بارے میں پتہ چلتا ہے جس نے بظاہر رسول خدا ﷺ کی نصیحت اور مشورے کو بھی نہ مانا لیکن اُس کے اس حق کو نہ صرف تسلیم کیا گیا بلکہ اس حق کو تسلیم کروانے والی شخصیت خود حضور ﷺ کی ذات گرامی تھی، جس سے مستقبل میں امت کے ”بڑوں“ کو یہ سبق بھی ملتا ہے کہ وہ عورتوں کے جائز اور صحیح حقوق کو تسلیم کریں۔

طلاق دینے کا صحیح طریقہ:

اسلام میں طلاق دینے کے بہت سے طریقے ہیں، جن کی وجہ سے ایک شادی کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے، خود بخود، یا خاوند کے ایما پر، عورت کی خواہش پر یا حج کے طلاق دلانے کا فیصلہ کرنے سے۔ اسلام میں طلاق دینے کا طریقہ ایک بہت اہم موضوع ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ مسلمان اس کے بارے میں بالکل معلومات نہیں رکھتے یا غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔ اس لامی کی وجہ سے بہت سے لوگ طلاق دینے کے بعد بہت ہی بری زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ انھیں ان دیگر طریقوں کا علم نہیں ہوتا جنہیں استعمال کر کے وہ اپنے اُن غلط رویوں کے مہلک اور خطرناک نتائج کو بہت حد تک کم کر سکتے ہوں، اگرچہ اُن کے حتمی نتائج سے وہ نہ بچ سکیں۔ یہ امر مسلمان مرد اور عورت دونوں کے لیے یکساں مفید ہو سکتا ہے۔ ذیل میں ہم نے اس طریق کار کا مختصر سا تذکرہ کیا ہے، جس کے ذریعے سے شادی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ (سید مودودی، حبیب الرحمن)

(الف) خاوند کا طلاق دینا:

خاوند کے طلاق دینے کے درج ذیل طریقے ہیں:

۱: طلاق۔

۲ ایلاء۔

۳: ظہار (اپنی بیوی کے ساتھ جنسی تعلقات نہ رکھنے کی قسم کھانا)۔

(ب) بیوی کی جانب سے طلاق:

۱: بلوغت کی عمر۔

۲: By Empowerment

(ج) زوجین کی باہمی رضا سے:

۱: خلع۔

۲: مصالحتی طریقے پر۔

(د) عدالت کے ذریعے:

(۱) خاوند کے اصرار پر:

۱۱ بیوی میں کوئی نقص پایا جاتا ہو۔

۱۱ بیوی کسی اخلاقی گناہ میں ملوث ہو، جس کی بنا پر وہ دونوں ”برابری“

کے ساتھ نہ رہ سکتے ہوں۔

۱۱ لعان کا طریقہ جب کہ خاوند چار مرتبہ قسم کھاتا ہے کہ بیوی نے زنا کیا ہے۔

(۲) بیوی کے اصرار پر:

۱۱ خاوند میں کوئی نقص ہو۔

۱۱ خاوند میں کوئی اخلاقی کمزوری ہو، جس سے وہ دونوں ایک دوسرے کے

ساتھ نہ رہ سکیں۔

۱۱ خاوند لاپتہ ہو، اور گمان ہو کہ وہ مر گیا ہوگا۔

۱۱ خاوند کا بیوی کو نان و نفقہ کی ادائیگی نہ کرنا۔

۱۱ خاوند اپنی بیوی کے ساتھ برا سلوک کرتا ہو۔

۱۱ خاوند، بیوی کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے کے قابل نہ ہو۔ (بائجھ پن،

خصی یا عضو تناسل کا کٹ جانا۔)

« خاوند کا اپنی بیویوں کے درمیان عدل و انصاف سے کام نہ لینا۔

« عدالت کا از خود اختیاری فیصلہ۔ (On his own initiative)

« نکاح کے معاہدے میں کسی بڑی غلطی کا رہ جانا۔

« خاوند کا عدالت کے فیصلے کو ماننے سے انکار کرنا۔

اب ہم ان تمام کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے اظہار خیال کریں گے۔

(الف) خاوند کا طلاق دینا:

(۱) طلاق:

فقہاء کی تصریحات کے مطابق ”طلاق، شادی و نکاح کا منقطع ہونا ہے۔“ صرف خاوند ہی طلاق دینے کا مجاز ہے۔ بعثت نبوی ﷺ سے پہلے عرب میں طلاق کا ایسا طریقہ رائج تھا۔ جس کے ذریعے فوری طور پر شادی کا انقطاع ہو جاتا تھا۔ تاہم قرآن کریم نے اس بارے میں بہت سے نئے قوانین اور اصلاحات نافذ کیں جو کہ اُس زمانے کے اور بعد کے لوگوں کو معلوم نہیں تھیں۔ اور بعد میں قرآنی تعلیمات کے نتیجے میں حضور ﷺ نے اس کے بارے میں تفصیلی ہدایات دیں، جنہیں مسلم فقہانے مزید تفصیلات کے ساتھ مرتب کیا۔

شادی کا انقطاع، دونوں فریقین میں سے کسی کی جانب سے کیا جاسکتا ہے، جس نے یہ فیصلہ کر لیا ہو کہ دوسرا فریق اُسے وہ ذہنی، جسمانی، روحانی اور نفسیاتی سکون و اطمینان نہیں دے سکتا یا نہیں دے گا جو کہ شادی / نکاح کا تقاضا ہے۔ یہ واضح رہے کہ اس امر کا فیصلہ کرنا کہ شادی و نکاح کے ذریعے اُسے وہ سکون اور اطمینان حاصل ہو رہا ہے یا نہیں، ایک معروضی (Subjective) فیصلہ ہے، جس کے کرنے کے صرف فریقین (خاوند و بیوی) ہی مجاز ہو سکتے ہیں۔ پس، شادی و نکاح کے رشتے کو ختم کرنے کے لیے، اسلامی نقطہ نظر سے یہ قطعاً ضروری نہیں کہ فریقین میں سے کوئی بھی فریق کسی انتہائی (عدالت) کو یہ یقین دلائے کہ یہ تعلق کامیابی کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ دوسرا فریق (عورت یا مرد) اس بارے میں عائد شدہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ غیر مطمئن فریق کے لیے یہ کہنا ہی کافی ہے کہ وہ (مرد و عورت) ایک دوسرے کے ساتھ پیار اور محبت کے ساتھ ایک بیوی اور خاوند کی حیثیت

سے نہیں رہ سکتے۔ شیعہ فقہ کے مطابق، طلاق کا اعلان دو گواہوں کی موجودگی میں کیا جانا ضروری ہے۔ اور اس کے لیے لازماً لفظ ”طلاق“ استعمال کرنا ضروری ہے۔ شافعی اور شیعہ فقہ کے مطابق، طلاق اُس وقت مؤثر ہوگی جب کہ اس کے ساتھ لازماً نیت بھی کی گئی ہو۔

(M.Hashem Kamali ۱۹۸۶ء)

قرآن کریم میں طلاق کے بارے میں ہدایات، بہت سی سورتوں (سورۃ البقرہ، سورۃ النساء، سورۃ الاحزاب، سورۃ نور، سورۃ الطلاق) میں دی گئی ہیں۔ ان ہدایات کو درج ذیل سطور میں بیان کیا جا رہا ہے۔

(۱) سورۃ البقرہ (۲۲۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَإِمْسَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيْعٍ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَجِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ط﴾
 ”طلاق دوبار ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو رد کیا جائے یا بھلے طریقے سے اُس کو رخصت کر دیا جائے۔“

سید مودودیؒ رقمطراز ہیں کہ:

”اس مختصری آیت میں ایک بہت بڑی معاشرتی خرابی کی، جو عرب جاہلیت میں رائج تھی، اصلاح کی گئی ہے۔ عرب میں قاعدہ یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو بے حد و حساب طلاق دینے کا مجاز تھا۔ جس عورت سے اس کا شوہر بگڑ جاتا اس کو وہ بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہتا تھا، تاکہ نہ تو وہ غریب اس کے ساتھ بس ہی سکے اور نہ اس سے آزاد ہو کر کسی اور سے نکاح ہی کر سکے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس ظلم کا دروازہ بند کرتی ہے۔ اس آیت کی رو سے ایک مرد ایک رشتہ نکاح میں اپنی بیوی پر حد سے حد دو ہی مرتبہ طلاقِ رجعی کا حق استعمال کر سکتا ہے۔ جو شخص اپنی منکوحہ کو دو مرتبہ طلاق دے کر اس سے رجوع کر چکا ہو وہ اپنی عمر میں جب کبھی اس کو تیسری بار طلاق دے گا عورت اس سے مستقل طور پر جدا ہو جائے گی۔“

سید مودودیؒ مزید رقمطراز ہیں:

”طلاق کا صحیح طریقہ جو قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ عورت کو حالت طہر میں ایک مرتبہ طلاق دی جائے۔ اگر جھگڑا ایسے زمانہ میں ہوا ہو جب کہ عورت ایام ماہواری میں ہو تو اسی وقت طلاق دے بیٹھنا درست نہیں ہے، بلکہ ایام سے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنا چاہیے۔ پھر ایک طلاق دینے کے بعد اگر چاہے تو دوسرے طہر میں دوبارہ ایک طلاق اور دے دے، ورنہ بہتر یہی ہے کہ پہلی ہی طلاق پر اکتفا کرے۔ اس مدت میں شوہر کو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ عدت گزرنے سے پہلے پہلے جب چاہے رجوع کر لے، اور اگر عدت گزر بھی جائے تو دونوں کے لیے موقع باقی رہتا ہے کہ پھر باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر لیں۔ لیکن تیسرے طہر میں تیسری بار طلاق دینے کے بعد نہ تو شوہر کو رجوع کا حق باقی رہتا ہے اور نہ اس کا ہی کوئی موقع رہتا ہے کہ دونوں کا پھر نکاح ہو سکے۔ رہی یہ صورت کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے ڈالی جائیں، جیسا کہ آج کل جہلا کا عام طریقہ ہے تو یہ شریعت کی رو سے سخت گناہ ہے۔ حضور ﷺ نے اس کی بڑی مذمت فرمائی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہاں تک ثابت ہے کہ جو شخص بیک وقت اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا، آپ اس کو درے لگاتے تھے۔“

سید مودودیؒ ان آیات کی تشریح میں مزید رقمطراز ہیں:

”کہ مہر اور وہ زیور اور کپڑے وغیرہ جو شوہر اپنی بیوی کو دے چکا ہو، ان میں سے کوئی چیز بھی واپس مانگنے کا اسے حق نہیں۔ اس ذلیل حرکت کو حدیث میں اس کتے کے فعل سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی ہی تانے کو خود چاٹ لے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ ایک شوہر کے لیے تو یہ بہت ہی شرمناک ہے کہ وہ طلاق دے کر رخصت کرتے وقت اپنی بیوی سے وہ سب کچھ رکھوا لینا چاہے جو اس نے کبھی اُسے خود دیا تھا۔ اس کے برعکس اسلام نے یہ اخلاق سکھائے ہیں کہ آدمی جس عورت کو طلاق دے، اسے رخصت کرتے وقت کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرے، جیسا کہ آگے آیت نمبر ۲۴۱ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔“

(۲) سورة البقرہ (۲۲۸) میں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا:

﴿وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا﴾

”جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، وہ تین مرتبہ ایام ماہواری آنے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ اُن کے شوہر تعلقات درست کر لینے پر آمادہ ہوں تو وہ اس مدت کے دوران میں انھیں پھر اپنی زوجیت میں واپس لینے کے حقدار ہیں۔“

اس آیت کی تشریح میں سید مودودیؒ رقمطراز ہیں:

”اس آیت کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ طلاق کب واقع ہوتی ہے اور شوہر کو کس مرحلے تک رجوع کا حق حاصل ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک جب تک عورت تیسرے حیض سے فارغ ہو کر نہا نہ لے، اُس وقت تک طلاق بائن نہ ہوگی اور شوہر کو رجوع کا حق باقی رہے گا، جب کہ دوسری جماعت کہتی ہے کہ عورت کو تیسری بار حیض آتے ہی شوہر کا حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔ مگر واضح رہے کہ یہ حکم صرف اس صورت سے متعلق ہے، جس میں شوہر نے عورت کو ایک یا دو طلاقیں دی ہوں۔ تین طلاقیں دینے کی صورت میں شوہر کا حق رجوع نہیں ہے۔“

(۳) سورة البقرہ (۲۳۰ تا ۲۳۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِيَتَّعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَوْمَئِذٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَمْ شَرٌّ لَكُمْ وَأَظْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝﴾

”پھر اگر (دو بار طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری بار) طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اُس کے لیے حلال نہ ہوگی، الا یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو اور وہ اسے طلاق دے دے۔ تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں کہ حدود الہی پر قائم رہیں گے، تو ان کے لیے ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، جنہیں وہ اُن لوگوں کی ہدایت کے لیے واضح کر رہا ہے، (جو اس کی حدود کو توڑنے کا انجام) جانتے ہیں۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آجائے، تو یا بھلے طریقے سے انہیں روک لو یا بھلے طریقے سے رخصت کر دو۔ محض ستانے کی خاطر انہیں نہ روکے رکھنا زیادتی ہوگی اور جو ایسا کرے گا، وہ درحقیقت آپ اپنے ہی اوپر ظلم کرے گا۔۔۔۔۔ جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو پھر اس میں مانع نہ ہو کہ وہ اپنے زیر تجویز شوہروں سے نکاح کر لیں جب کہ وہ معروف طریقے سے باہم مناکحت پر راضی ہوں۔ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ ایسی حرکت ہرگز نہ کرنا، اگر تم اللہ اور روزِ آخر پر ایمان لانے والے ہو۔ تمہارے لیے شائستہ اور پاکیزہ طریقہ یہی ہے کہ اس سے باز رہو۔ اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔“

سید مودودیؒ رقمطراز ہیں کہ ان آیات میں چند اہم مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ سب سے پہلے آیت نمبر ۲۳۰ جس میں کہا گیا ہے کہ:

الف: ”احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض اپنی مطلقہ بیوی کو اپنے لیے حلال کرنے کی خاطر کسی سے سازش کے طور پر اُس کا نکاح کرائے اور پہلے سے یہ طے کرے کہ وہ نکاح کے بعد اُسے طلاق دے دے گا تو یہ سراسر ایک ناجائز فعل ہے۔ ایسا نکاح، نکاح نہ ہوگا، بلکہ محض ایک بدکاری ہوگی اور ایسے سازشی نکاح و طلاق سے عورت ہرگز اپنے سابق شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی۔ حضرت علی اور ابن مسعود اور ابو ہریرہ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم کی متفقہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس طریقے سے حلال

ب: ”ایسا کرنا درست نہیں کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دے اور عدت گزرنے سے پہلے محض اس لیے رجوع کر لے کہ اسے پھر ستانے اور دق کرنے کا موقع ہاتھ آ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے کہ رجوع کرتے ہو تو اس نیت سے کہ وہ اب حسن سلوک سے رہنا ہے۔ ورنہ بہتر یہ ہے کہ شریفانہ طریقے سے رخصت کر دو۔“

(مزید تفصیلات سورۃ البقرۃ: ۲۹۹ کے ضمن میں آئندہ صفحات میں آرہی ہیں۔)

ج: آیت نمبر ۲۳۲ کی تشریح میں سید مودودی رقمطراز ہیں کہ ”اگر کسی عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی ہو اور زمانہ عدت کے اندر اس سے رجوع نہ کیا ہو، پھر عدت گزرنے کے بعد دونوں آپس میں دوبارہ نکاح کرنے پر راضی ہوں، تو عورت کے رشتہ داروں کو اس میں مانع نہ ہونا چاہیے۔ نیز اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہو اور عورت عدت کے بعد اس سے آزاد ہو کر کہیں دوسری جگہ اپنا نکاح کرنا چاہتی ہو تو اُس سابق شوہر کو ایسی ممکنہ حرکت نہ کرنی چاہیے کہ اس کے نکاح میں مانع ہو اور یہ کوشش کرتا پھرے کہ جس عورت کو اُس نے چھوڑا ہے، اُسے کوئی نکاح میں لانا قبول نہ کرے۔“

(۴) سورۃ البقرۃ (۲۳۲) میں اللہ کریم نے فرمایا:

﴿.....وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذُرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا.....﴾

”تم میں سے جو لوگ مرجائیں، اُن کے پیچھے اگر اُن کی بیویاں زندہ ہوں، تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں۔“

اس آیت کی تفسیر میں سید مودودی رقمطراز ہیں کہ:

”یہ عدت وفات اُن عورتوں کے لیے بھی ہے، جن سے شوہروں کی خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو۔ البتہ حاملہ عورت اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس کی عدت وضع حمل تک ہے، خواہ وضع حمل شوہر کی وفات کے بعد ہی ہو جائے یا اس میں کئی مہینے صرف ہوں۔“

”اپنے آپ کو روک رکھیں“ سے مراد صرف یہی نہیں کہ وہ اس مدت میں نکاح نہ کریں بلکہ اس سے مراد اپنے آپ کو زینت سے بھی روک رکھنا ہے۔ چنانچہ احادیث میں واضح طور پر یہ احکام ملتے ہیں کہ زمانہ عدت میں عورت کو رنگین کپڑے اور زیور پہننے، مہندی اور سرمہ اور خوشبو اور خضاب لگانے اور بالوں کی آرائش سے پرہیز کرنا چاہیے۔“

(۵) سورة الاحزاب (۳۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا فَمِيتَعُوهُنَّ وَسَرَّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مؤمن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری طرف سے اُن پر کوئی عدت لازم نہیں، جس کے پورے ہونے کا تم مطالبہ کر سکو۔ لہذا انھیں کچھ مال دو اور بھلے طریقے سے رخصت کرو۔“

سید مودودیؒ نے اس آیت سے اخذ کردہ فقہی قوانین کا ایک خلاصہ درج کیا ہے جو دلچسپی رکھنے والے حضرات اپنے طور پر مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ❶ تاہم اس آیت کا مقصد یہ دکھائی دیتا ہے کہ طلاق کے معاملے کو کوئی شخص آسان نہ سمجھے، بلکہ مرد پر اس کی وجہ سے کسی قدر مالی بوجھ ڈالا جائے تاکہ وہ اس حق کو سوچ سمجھ کر استعمال کرے اور میاں بیوی کے معاملات میں کسی دوسرے کی مداخلت کا کوئی امکان نہ ہو۔

سورة الطلاق میں بھی طلاق کے متعلق احکامات دیئے گئے ہیں۔ یہ دو مقاصد کے لیے

❶ یاد رہے کہ انسانی معاشرہ میں طلاق اور اس سے متعلق مسائل و اشکالات کی بے شمار صورتیں ہیں۔ اگرچہ فقہانے ان کے بارے میں تفصیلاً بحث کی ہے، اس کا ان صفحات میں ذکر نہیں کیا جاسکتا۔ ان صفحات میں ہم نے اہم ترین مسائل کی تشریح میں چیدہ چیدہ امور کا ذکر کیا ہے۔ تاہم کسی عملی معاملے میں رہنمائی کے لیے اہل علم سے رجوع کرنا چاہیے۔

نازل ہوئی ہے۔ ایک یہ کہ مرد کو طلاق کا جو اختیار دیا گیا ہے، اُسے استعمال کرنے کے لیے ایسے حکیمانہ طریقے بتائے جائیں، جن سے حتی الامکان علیحدگی کی نوبت نہ آنے پائے اور علیحدگی ہو تو بدرجہ آخر ایسی حالت میں ہو جب کہ باہمی موافقت کے سارے امکانات ختم ہو چکے ہوں۔ کیونکہ خدا کی شریعت میں طلاق کی گنجائش صرف ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر رکھی گئی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس بات کو سخت ناپسند فرماتا ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان جواز دوا جی تعلق قائم ہو چکا ہو، وہ پھر کبھی ٹوٹ جائے۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ سورۃ البقرہ کے احکام کے بعد جو مزید مسائل جواب طلب رہ گئے تھے، ان کا جواب دے کر اسلام کے عائلی قانون کے اس شعبہ کی تکمیل کر دی جائے۔

سورۃ الطلاق (آیت: ۱) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ط﴾

”اے نبی! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو انھیں اُن کی عدت کے لیے طلاق دیا کرو۔ اور عدت کے زمانے کا ٹھیک ٹھیک شمار کرو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے (زمانہ عدت میں) نہ تم اُن کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، الا یہ کہ وہ کسی صریح برائی کی مرتکب ہوں۔“

ذیل میں ان تمام احکامات کا ایک خلاصہ درج کیا جا رہا ہے جو سورۃ الطلاق میں دیئے گئے ہیں۔ (سید مودودی):

”یہ آیات مومن لوگوں کو ہدایت کرتی ہیں کہ طلاق دینے کے معاملہ میں جلد بازی نہ کیا کرو کہ جو نہی میاں بیوی میں کوئی جھگڑا ہو، فوراً ہی غصے میں آ کر طلاق دے ڈالی اور نکاح کا جھٹکا اس طرح کیا کہ رجوع کی گنجائش بھی نہ چھوڑی۔ بلکہ جب تمہیں بیویوں کو طلاق دینا ہو تو اُن کی عدت کے لیے دیا کرو۔ عدت کے لیے طلاق دینے کا دو مطلب ہیں اور دونوں ہی یہاں مراد بھی ہیں۔

پہلا مطلب یہ کہ ”اس وقت طلاق دو جس سے اُن کی عدت شروع ہوتی ہو۔“ یہ بات سورہ البقرہ (۲۲۸) میں بتائی جا چکی ہے کہ جس مدخولہ عورت کو حیض آتا ہو اس کی عدت، طلاق کے بعد تین مرتبہ حیض آتا ہے۔ اس حکم کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو عدت کا آغاز کرنے کے لیے طلاق دینے کی صورت لازماً یہی ہو سکتی ہے کہ عورت کو حالت حیض میں طلاق نہ دی جائے۔ کیونکہ اس کی عدت اُس حیض سے شروع نہیں ہو سکتی، جس میں اسے طلاق دی گئی ہو، اور اس حالت میں طلاق دینے کے یہ معنی ہو جاتے ہیں کہ اللہ کے حکم کے خلاف عورت کی عدت تین حیض کی بجائے چار حیض بن جائے۔ مزید برآں اس حکم کا تقاضا یہ بھی ہے کہ عورت کو اس طہر میں طلاق نہ دی جائے جس میں شوہر اُس سے مباشرت کر چکا ہو۔ کیونکہ اس صورت میں طلاق دیتے وقت شوہر اور بیوی دونوں میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ آیا مباشرت کے نتیجے میں کوئی حمل قرار پا گیا ہے یا نہیں۔ اس وجہ سے عدت کا آغاز نہ اس مفروضے پر کیا جاسکتا ہے کہ یہ عدت آئندہ حیضوں کے اعتبار سے ہوگی اور نہ اس مفروضے پر کیا جاسکتا ہے کہ یہ حاملہ عورت کی عدت ہوگی۔ پس یہ حکم بیک وقت دو باتوں کا متقاضی ہے۔ ایک یہ کہ حیض کی حالت میں طلاق نہ دی جائے دوسرے یہ کہ طلاق یا تو اس طہر میں دی جائے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو یا پھر اس حالت میں دی جائے جب کہ عورت کا حاملہ ہونا معلوم ہو۔“

حیض کی حالت میں طلاق نہ دینے کی مصلحت یہ ہے کہ یہ وہ حالت ہوتی ہے جس میں عورت اور مرد کے درمیان مباشرت ممنوع ہونے کی وجہ سے ایک طرح کا بُعد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور طبی حیثیت سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ اس حالت میں عورت کا مزاج معمول پر نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر اُس وقت دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہو جائے تو عورت اور مرد دونوں اُسے رفع کرنے کے معاملے میں ایک حد تک بے بس ہوتے ہیں، اور جھگڑے سے طلاق تک نوبت پہنچنے کے بجائے اگر عورت کے حیض سے فارغ ہونے تک انتظار کر لیا جائے تو اس امر کا کافی امکان

ہوتا ہے کہ عورت کا مزاج بھی معمول پر آ جائے اور دونوں کے درمیان فطرت نے جو طبعی کشش رکھی ہے، وہ بھی اپنا کام کر کے دونوں کو پھر سے جوڑ دے۔ اس طرح جس طہر میں مباشرت کی جا چکی ہو اس میں طلاق کے ممنوع ہونے کی مصلحت یہ ہے کہ اس زمانے میں اگر حمل قرار پا جائے تو مرد اور عورت، دونوں میں سے کسی کو بھی اُس کا علم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے وہ وقت طلاق دینے کے لیے موزوں نہیں۔ حمل کا علم ہو جانے کی صورت میں تو مرد بھی دس مرتبہ سوچے گا کہ جس عورت کے پیٹ میں اس کا بچہ پرورش پا رہا ہے، اُسے طلاق دے یا نہ دے اور عورت بھی اپنے اور اپنے بچے کے مستقبل کا خیال کر کے شوہر کی ناراضی کے اسباب دُور کرنے کی کوشش کرے گی، لیکن اندھیرے میں بے سوچے سمجھے تیر چلا بیٹھنے کے بعد اگر معلوم ہو کہ حمل قرار پا چکا تھا تو دونوں کو پچھتانا پڑے گا۔

اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ طلاق دینا ہو تو عدت تک کے لیے طلاق دو۔ یعنی بیک وقت تین طلاق دے کر ہمیشہ کی علیحدگی کے لیے طلاق نہ دے بیٹھو، بلکہ ایک، یا حد سے حد دو طلاقیں دے کر عدت تک انتظار کرو، تاکہ اس مدت میں ہر وقت تمہارے لیے رجوع کی گنجائش باقی رہے۔ اس مطلب کے لحاظ سے یہ حکم ان مدخولہ عورتوں کے معاملہ میں بھی مفید ہے، جن کو حیض آتا ہو اور ان کے معاملہ میں بھی مفید ہے، جن کو حیض آنا بند ہو گیا ہو یا جنہیں ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، یا جن کا طلاق کے وقت حاملہ ہونا معلوم ہو۔ اس فرمان الہی کی پیروی کی جائے تو کسی شخص کو بھی طلاق دے کر پچھتانا نہ پڑے، کیونکہ اس طرح طلاق دینے سے عدت کے اندر رجوع بھی ہو سکتا ہے، اور عدت گزر جانے کے بعد بھی یہ ممکن رہتا ہے کہ سابق میاں بیوی پھر باہم رشتہ جوڑنا چاہیں تو از سر نو نکاح کر لیں۔

اس آیت کے منشاء کو بہترین طریقہ سے خود حضور ﷺ نے اس موقع پر واضح فرمایا تھا، جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جا کر اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ سن کر سخت

ناراض ہوئے اور فرمایا: ”کہ اسے حکم دو کہ وہ پاک ہو جائے، اس کے بعد اگر وہ اسے طلاق دینا چاہے تو طہر کی حالت میں مباشرت کیے بغیر طلاق دے۔ یہی وہ عدت ہے جس کے لیے طلاق دینے کا اللہ عز و جل نے حکم دیا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”یا تو طہر کی حالت میں مباشرت کیے بغیر طلاق دے یا پھر ایسی حالت میں دے جب کہ اس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو۔ اس آیت کے منشاء پر مزید روشنی چند اور احادیث بھی ڈالتی ہیں جو حضور ﷺ اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں۔ نسائی میں روایت ہے کہ حضور ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ حضور ﷺ یہ سن کر غصے میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ”کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جا رہا ہے، حالاں کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟“

سورۃ الطلاق کی آیت نمبر ۱: ۱ جو اوپر بیان کی گئی ہے، کی تشریح کرتے ہوئے سید مودودیؒ مزید رقمطراز ہیں کہ:

”اس حکم کا خطاب مردوں سے بھی ہے اور عورتوں سے بھی اور ان کے خاندان والوں سے بھی۔ مطلب یہ ہے کہ طلاق کو کھیل نہ سمجھ بیٹھو کہ طلاق کا اہم معاملہ پیش آنے کے بعد یہ بھی یاد نہ رکھا جائے کہ کب طلاق دی گئی کب عدت شروع ہوئی اور کب اس کو ختم ہونا ہے۔ اس لیے جب طلاق دی جائے تو اس کے وقت اور تاریخ کو یاد رکھا جائے اور یہ بھی یاد رکھ جائے کہ کس حالت میں عورت کو طلاق دی گئی ہے۔ اور حساب لگا کر دیکھا جائے کہ عدت کا آغاز کب ہوا ہے، کب تک وہ باقی ہے اور کب ختم ہوگی۔ اسی حساب پر ان امور کا فیصلہ موقوف ہے کہ شوہر کو کب تک رجوع کا حق ہے، کب تک اسے عورت کو گھر میں رکھنا ہے؟ اور کب تک اس کا نفقہ دینا ہے، کب تک وہ عورت کا وارث ہوگا اور عورت اس کی وارث ہوگی۔ اور کب عورت اس سے جدا ہو جائے گی اور اسے دوسرا نکاح کر لینے کا حق حاصل ہو جائے گا۔ اور اگر یہ معاملہ کسی مقدمہ کی صورت اختیار کر جائے تو عدالت کو بھی صحت

لیے مسلم فقہانے اس کے بارے میں بہت تفصیلی بحث کی ہے۔ طلاق کی تعریف اور اس کی مختلف اقسام مثلاً احسن، حسن اور بدعی، سنی بدعی، سنی، بدعی مکروہ اور بدعی حرام وغیرہ کے بارے میں مختلف فقہانے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

احادیث کے مختلف مجموعوں میں ایک حدیث کی روایت کی گئی ہے کہ حضور ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ ”ایک مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، تب اس عورت نے کسی دوسرے مرد سے شادی کر لی۔ اور ان دونوں میں خلوت ہوئی جب کہ مباشرت نہیں ہوئی اور پھر اس نے اس عورت کو طلاق دے دی۔ اب کیا یہ عورت اپنے پہلے خاوند سے دوبارہ شادی کر سکتی ہے۔“ حضور ﷺ نے جواب دیا: ”نہیں!“ الا یہ کہ اس کے دوسرے شوہر نے بھی اس سے اسی طرح لطف حاصل کیا ہو، جیسا کہ اس کے پہلے خاوند نے حاصل کیا تھا۔“ (مسلم) — (فقہ کی اصطلاح میں اسے حلالہ کہتے ہیں۔)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ”اللہ تعالیٰ نے دونوں پر لعنت کی ہے، (محلل جس نے حلالہ کیا) دوسرا وہ جس کے لیے حلالہ کیا گیا (محلل لہ)۔ (ترمذی، نسائی)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: ”کیا میں تمہیں کرائے کے سانڈ کے بارے میں نہ بتاؤں؟“ صحابہ نے کہا کہ ضرور فرمائیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”یہ وہ ہوتا ہے جو حلالہ کرتا ہے۔ اللہ کی لعنت ان دونوں اشخاص پر ہوتی ہے جو حلالہ کرے یا کروائے۔“ (ابن ماجہ، دارقطنی)

سورہ الطلاق (۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَى عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ﴾
 ”پھر جب وہ اپنی (عدت کی) مدت کے خاتمہ پر پہنچیں تو یا انہیں بھلے طریقے سے (اپنے نکاح) میں روک رکھو یا بھلے طریقے پر ان سے جدا ہو جاؤ۔ اور دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنالو جو تم میں سے صاحب عدل ہوں اور (اے گواہ بننے والو!) گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے لیے دیا کرو۔“

فیصلہ کرنے کے لیے طلاق کی صحیح تاریخ اور وقت اور عورت کی حالت معلوم ہونے کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ مدخولہ اور غیر مدخولہ، حاملہ اور غیر حاملہ، بے حیض اور باحیض، رجبہ اور غیر رجبہ عورتوں کے معاملے میں طلاق سے پیدا شدہ مسائل کا صحیح فیصلہ نہیں کر سکتی۔“

مزید اس آیت کا مطلب یہ بھی ہے کہ ”نہ مرد غصے میں آ کر عورت کو گھر سے نکال دے اور نہ عورت خود ہی بگڑ کر چھوڑ دے، عدت تک گھر اُسی کا ہے۔ اسی گھر میں دونوں کو رہنا چاہیے تاکہ باہم موافقت کی کوئی صورت اگر نکل سکتی ہو تو اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ طلاق اگر رجعی ہو تو کسی وقت بھی شوہر کی طبیعت بیوی کی طرف مائل ہو سکتی ہے اور بیوی بھی اختلاف کے اسباب کو دور کر کے شوہر کو راضی کرنے کی کوشش کر سکتی ہے۔ دونوں ایک گھر میں موجود رہیں گے تو تین مہینے تک یا تین حیض آنے تک یا حمل کی صورت میں وضع حمل تک اس کے مواقع بارہا پیش آ سکتے ہیں۔ لیکن اگر مرد بلد بازی کر کے اسے نکال دے یا عورت نا سمجھی سے کام لے کر میکے جا بیٹھے، اس صورت میں رجوع کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں۔ اور بالعموم طلاق کا انجام آخر مستقل علیحدگی ہو کر رہتا ہے۔ اسی لیے فقہانے یہاں تک کہا ہے کہ طلاق رجعی کی صورت میں جو عورت عدت گزار رہی ہو، اسے بناؤ سنگھار کرنا چاہیے، تاکہ شوہر اس کی طرف مائل ہو۔“

فقہاء کے درمیان اس امر میں اتفاق ہے کہ مطلقہ رجبہ کو عدت کے زمانے میں سکونت اور نفقہ کا حق ہے اور عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے جائے اور مرد کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ اسے گھر سے نکالے۔ اگر مرد اسے نکالے گا تو گنہگار ہوگا اور عورت اگر خود نکلے گی گنہگار بھی ہوگی اور نفقہ اور سکونت کے حق سے بھی محروم ہو جائے گی۔

چوں کہ اسلامی نقطہ نظر سے طلاق کے بہت سے انفرادی، ذاتی، اخلاقی، معاشی، ذہنی یا جذباتی اور سماجی مضمرات ہیں اور اس کی وجہ سے خاندان کا ادارہ خطرے میں پڑ جاتا ہے، اس

اس آیت کی تشریح میں سید مودودی یوں رقمطراز ہیں کہ ایک یا دو طلاق دینے کی صورت میں عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے فیصلہ کر لو کہ آیا عورت کو اپنی زوجیت میں رکھنا ہے یا نہیں۔ رکھنا ہو تو نبھانے کی غرض سے رکھو، اس غرض سے نہ رکھو کہ اس کو ستانے کے لیے رجوع کر لو اور پھر طلاق دے کر اس کی عدت لمبی کرتے رہو۔ اور اگر رخصت کرنا ہو تو شریف آدمیوں کی طرح کسی لڑائی جھگڑے کے بغیر رخصت کرو یا مہر یا اس کا کوئی حصہ باقی ہو تو ادا کر دو اور حسب توفیق کچھ نہ کچھ مزید رقم دو، اپنی حیثیت کے مطابق۔ جیسا کہ سورہ بقرہ (۴۲۱) میں بیان ہوا۔

سورہ الطلاق کی آیات ۴-۵ میں اللہ کریم نے فرمایا:

﴿وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَاءِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحْضَنْ وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ﴾

”اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ان کے معاملے میں اگر کوئی شک لاحق ہے تو (تمہیں معلوم ہو کہ) ان کی عدت تین ماہ ہے۔ اور یہی حکم ان کا ہے، جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت کی حد یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔“

ان احکامات کی روشنی میں بہت مفید بحثیں فقہانے کی ہیں۔ جو دلچسپی رکھنے والے احباب سید مودودی کی تفسیر میں دیکھ سکتے ہیں۔

مزید برآں سورہ الطلاق کی آیت ۶ تا ۷ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تَضَارُّوهُنَّ لِيُتْصِفَقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمْلٌ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَاتَّبِعُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ وَإِنْ تَعَاَسَرْتُمْ فاستَرْضِعْ لَهُ أُخْرَى ۝ لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ﴾

”ان کو (زمانہ عدت میں) اسی جگہ رکھو، جہاں تم رہتے ہو، جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر ہو۔ اور انہیں تنگ کرنے کے لیے نہ ستاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ کرتے رہو، جب تک کہ ان کا وضع حمل نہ ہو جائے۔ پھر اگر وہ تمہارے لیے (بچے کو) دودھ پلائیں تو ان کی اجرت ان کو دو اور بھلے طریقے سے (اجرت کا معاملہ) باہمی گفت و شنید سے طے کر لو۔ لیکن اگر تم نے (اجرت طے کرنے میں) ایک دوسرے کو تنگ کیا تو بچے کو کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔ خوش حال آدمی اپنی خوش حالی کے مطابق نفقہ دے اور جس کو رزق کم دیا گیا ہو، وہ اسی مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔“

اس امر میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مطلقہ کو اگر رجعی طلاق دی گئی ہو تو شوہر پر اس کی سکونت اور نفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اور اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ اگر عورت حاملہ ہو تو خواہ اسے رجعی طلاق دی گئی ہو یا قطعی طور پر الگ کر دینے والی بہر حال اس کے وضع حمل تک اس کی سکونت اور نفقہ کا ذمہ دار شوہر ہوگا۔ اس کے بعد اختلاف اس امر میں ہوا ہے کہ آیا غیر حاملہ مطلقہ مجبورہ (یعنی جسے قطعی طور پر الگ کر دینے والی طلاق دی گئی ہو) سکونت اور نفقہ دونوں کی حقدار ہے؟ یا صرف سکونت کا حق رکھتی ہے؟ یا دونوں میں سے کسی کی بھی حقدار نہیں؟“

_____ اس موضوع پر فقہاء کے درمیان طویل بحثیں پائی جاتی ہیں جن کی تفصیل سید مودودیؒ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

سید مودودیؒ مزید رقمطراز ہیں کہ: ”یہ عمل متفق علیہ ہے کہ مطلقہ خواہ رجعیہ ہو یا مجبورہ، اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک اس کی سکونت اور اس کے نفقہ کا ذمہ دار شوہر ہے۔ البتہ اختلاف اس صورت میں ہے، جب کہ حاملہ کا شوہر مر گیا ہو قطع نظر اس کے کہ وہ طلاق دینے کے بعد مرا ہو یا اس نے کوئی طلاق نہ دی ہو اور عورت زمانہ حمل میں بیوہ ہو گئی ہو۔ اس معاملے میں بھی مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔

بچے کو دودھ پلانے کے بارے میں جیسا کہ درج بالا آیات میں حکم دیا گیا ہے۔ سید مودودیؒ میں رقمطراز ہیں کہ:

(۱) عورت اپنے دودھ کی مالک ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ وہ اس کی اجرت لینے کی مجاز نہیں ہو سکتی تھی۔
 (۲) جب وہ وضع حمل ہوتے ہی اپنے سابق شوہر کے نکاح سے باہر ہو گئی تو بچے کو دودھ پلانے پر وہ قانوناً مجبور نہیں ہے۔ بلکہ باپ اگر اس سے دودھ پلوانا چاہے اور وہ بھی راضی ہو تو وہ اسے دودھ پلائے گی اور اس پر اجرت لینے کی حقدار ہوگی۔

(۳) باپ بھی قانوناً مجبور نہیں ہے کہ بچے کی ماں ہی سے اسے دودھ پلوائے۔
 (۴) بچے کا نفقہ باپ پر عائد ہوتا ہے۔

(۵) بچے کو دودھ پلانے کی اولین حقدار ماں ہے۔ اور دوسری عورت سے رضاعت کا کام اسی صورت میں لیا جاسکتا ہے جب کہ ماں خود اس پر راضی نہ ہو یا اس کی ایسی اجرت مانگے جس کا ادا کرنا باپ کی قدرت میں نہ ہو۔

(۶) اسی سے چھٹا قاعدہ یہ نکلتا ہے کہ اگر دوسری عورت کو بھی وہی اجرت دینی پڑے جو بچے کی ماں مانگتی ہو تو ماں کا حق اولیٰ ہے۔

مزید برآں وہ رقم طراز ہیں کہ اگر شوہر اور بیوی میں بچے کو دودھ پلانے کی اجرت پر کوئی مصالحت نہ ہو تو ان آیات میں ماں اور باپ دونوں کے لیے عتاب کا ایک پہلو ہے۔ اندازِ بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی تلخیوں کی بنا پر جن کے باعث بالآخر طلاق تک نہ پہنچی تھی، دونوں بھلے طریقے سے آپس میں بچے کی رضاعت کا معاملہ طے نہ کریں تو یہ اللہ کو پسند نہیں ہے۔ عورت کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تو زیادہ اجرت مانگ کر مرد کو تنگ کرنے کی کوشش کرے گی تو بچے کی پرورش کچھ تیرے ہی اوپر موقوف نہیں ہے بلکہ کوئی دوسری عورت اسے دودھ پلا سکتی ہے۔ اور مرد کو بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تو ماں کی مامتا سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اُسے تنگ کرنا چاہے گا تو یہ جسے آدمیوں کا سا کام نہ ہوگا۔ قریب قریب یہی مضمون سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۲۳۳ میں زیادہ تفصیل کے ساتھ ارشاد ہوا ہے۔

(۲) ایلاء:

ایک گھرانے یا خاندان میں یہ ضروری نہیں کہ میاں بیوی کے درمیان ہر وقت خوشگوار تعلقات ہی رہیں، کبھی کبھی معمولی شکر رنجی بھی ہو جاتی ہے اور زوجین کے درمیان اختلاف رائے

بھی پیدا ہو جاتا ہے، جس سے تعلقات میں کشیدگی آ جاتی ہے۔ اللہ کریم کو یہ پسند نہیں کہ زوجین کے تعلقات ایک طویل عرصے تک کشیدہ رہیں۔ اس لیے میاں بیوی کو چار ماہ کی مدت دی گئی جس کے دوران وہ اپنے تعلق زن و شو کو بحال کر لیں، اس صورت میں کہ وہ علیحدہ رہ رہے ہوں۔ اسے قرآن حکیم کی زبان میں ایلاء کہتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ (۲۲۶) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لِّلَّذِينَ يُؤَلُّونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝﴾

”جو لوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں، ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اگر انھوں نے رجوع کر لیا تو اللہ معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ اور اگر انھوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو تو جانتے رہیں کہ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔“

اس آیت کی رو سے میاں بیوی کے لیے چار ماہ کی مدت مقرر کر دی ہے کہ یا تو اس دوران میں اپنے تعلقات درست کر لو ورنہ ازدواج کا رشتہ منقطع کر دو۔ تاکہ دونوں ایک دوسرے سے آزاد ہو کر جس سے نباہ کر سکیں اس کے ساتھ نکاح کر لیں۔ (سید مودودیؒ)

(۳) ظہار:

ظہار لغوی طور پر ”سواری کرنے یا کسی چیز پر چڑھنے“ کو کہتے ہیں۔ اس لیے سواری یا بار برداری کے جانور کو ”ظہیر“ کہتے ہیں، کیونکہ انسان اُس کی پیٹھ پر سواری کرتا ہے۔ چوں کہ اس لفظ کا استعمال بیوی کو اپنے لیے غیر قانونی طور پر ممنوع قرار دینے کے لیے ہوتا تھا، اس لیے اسے ظہار کہا جانے لگا۔ ماقبل اسلام، اسے طلاق کا ہم معنی یا مترادف سمجھا جاتا تھا بلکہ طلاق سے بھی بہت زیادہ برا۔ کیونکہ یہ کہا جاتا تھا کہ خاوند نہ صرف اپنی بیوی سے قطع تعلق کر رہا ہے بلکہ وہ اس بات کا اعلان بھی کر رہا ہے کہ وہ اس کے لیے ماں کی طرح حرام ہو گئی ہے۔ (سید مودودیؒ)

قرآن کریم میں لفظ ”ظہار“ سورۃ الجادلہ (آیت: ۱-۴) میں آیا ہے:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوَرَكُمَا إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝﴾

تَسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ
لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ غَفُورٌ ۝ وَالَّذِينَ
يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَاءِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ
أَنْ يَتِمَّ سَازِلُكُمْ تَوْعَدُوهُمْ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ
فَصِيَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّ سَازِلًا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ
سِتِّينَ مِسْكِينًا ۝

”اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تم سے تکرار کر رہی
ہے اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے۔ اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے، وہ سب کچھ
سننے اور دیکھنے والا ہے۔ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں ان کی
بیویاں ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔
یہ لوگ ایک سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا
معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے، جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں،
پھر اپنی اس بات سے رجوع کریں جو انہوں نے کہی تھی تو قبل اس کے کہ دونوں
ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اس سے تم کو نصیحت کی جاتی
ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے۔ اور جو شخص غلام نہ پائے وہ دو ماہ
کے پے در پے روزے رکھے۔ قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں
اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔“

اس آیت کا تاریخی پس منظر جیسا کہ امام احمد اور ابو داؤد کی روایت ہے: ایک صحابیہ
خولہ بنت النخعہ جن کا تعلق خزرج قبیلے سے تھا اور جن کے خاوند کا نام عاص بن النخعہ بن صامت
جو اپنے قبیلے اوس کے سردار تھے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس صحابیہ کی شکایت، اللہ تعالیٰ نے سنی
اور اس کے ازالے کے لیے فوراً وحی کا نزول ہوا۔ آئیے ہم اس واقعے کو حضرت خولہ بنت النخعہ کی
زبان سے سنیں۔

”میری شادی ان سے ہوئی اور وہ ایک بوڑھے آدمی تھے۔ تاہم بڑھاپے میں

چڑچڑے بھی ہو گئے تھے۔ ایک دن وہ آئے اور کسی معاملہ پر مجھ سے ناراض ہو گئے اور کہا ”تم میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کے برابر ہو۔ تب وہ باہر چلے گئے اور دوستوں کے ساتھ کچھ دیر بیٹھے رہے۔ تب وہ واپس آئے اور میرے ساتھ مباشرت کرنی چاہی۔ میں نے کہا: قطعاً نہیں۔ اس خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں خولہ کی جان ہے! تم وہ چیز کبھی نہیں پاسکو گے ان (ظہار کے) الفاظ کو کہنے کے بعد جب تک کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہم دونوں کے درمیان فیصلہ نہ فرمادیں۔ انھوں نے مجھ پر بزور طاقت قابو پانا چاہا، لیکن میں نے مزاحمت کی کیونکہ میں ایک جوان عورت تھی اور وہ ایک بوڑھے اور کمزور آدمی تھے۔ میں نے انھیں دور دھکیل دیا۔ اس کے بعد میں اپنی ایک ہمسائی عورت کے پاس گئی اور اس سے برقعہ مانگ کر اللہ کے رسول ﷺ کے ہاں گئی۔ میں آپ کے پاس بیٹھ گئی اور آپ ﷺ کو وہ بتایا جو میرے خاوند نے مجھ سے کہا تھا اور اپنی شکایات کا اظہار کیا، جو ان کے چڑچڑے پن کی وجہ سے مجھے برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے خولہ! تمھارا عم زاد ایک بوڑھا آدمی ہے، پس تم اس کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ لیکن میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس سے نہ اٹھی۔ حتیٰ کہ میرے بارے میں وحی کا نزول ہوا۔

نزول وحی کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے خولہ! اللہ نے تمھارے لیے اور تمھارے خاوند کے لیے قرآن میں حکم نازل کیا ہے۔ تب آپ ﷺ نے درج بالا آیات کی تلاوت فرمائی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اے ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ میں نے کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر ﷺ! اس کے پاس تو ایسا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اُسے مسلسل دو مہینے کے روزے رکھنے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا کہ خدا کی قسم! وہ ایک بوڑھا آدمی ہے اور اس کے قابل نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اسے ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق کھجور دینی ہوگی۔ میں نے کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر ﷺ! اس

کے پاس تو اتنا مال نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تب ہم اس کی مدد کریں گے۔ میں نے کہا کہ میں بھی اتنی مقدار میں دوں گی۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا: ”تم نے صحیح کہا۔ اور بہت اچھا کیا۔ جاؤ اور اس کی طرف سے یہ خیرات کرو اور اپنے عم زاد کا خیال کرو۔ اور میں نے اس پر عمل کیا۔“

اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی شخص بے شرمی کے ساتھ اپنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دیتا ہے تو اُس کا یہ کہنا بیوی کو ماں نہیں بنا سکتا اور نہ ہی اُسے وہ درجہ/ تقدس حاصل ہو سکتا ہے جو کہ ایک ماں کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ ایک بے ہودہ اور شرمناک قول ہے جس کا کسی شریف آدمی کو خیال تک بھی نہیں ہونا چاہیے کجا یہ کہ وہ اسے زبان سے ادا کرے۔ یہ ایک جھوٹی بات ہے جو کسی شخص کی زبان سے ادا ہوتی ہے۔

(ب) بیوی کی جانب سے طلاق

(۱) بلوغت کی وجہ سے طلاق کا حق:

فقہ حنفی کی رو سے ایک عورت چار مخصوص حالات کی بنا پر قاضی کی عدالت میں اپنی شادی کے منقطع ہونے (فسخ) کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اس میں ایک یہ ہے کہ اُس کی شادی ایسے وقت میں اُس کے والد/دادا کے علاوہ کسی ولی نے کی تھی، جب کہ وہ بالغ نہیں تھی۔ بلوغت کی عمر کو پہنچنے پر وہ قاضی (عدالت) سے درخواست کر سکتی ہے کہ وہ اس نکاح کو فسخ کر دے۔

(۲) تفویض طلاق:

ہاشم کمالی (۱۹۸۶ء) اپنے مقالے میں رقمطراز ہیں کہ ”کوئی خاوند اپنی بیوی یا کسی دوسرے فرد کو طلاق دینے کا حق تفویض کر سکتا ہے جو اُس کا اعلان اُن شرائط کے تحت کر سکتا ہے جو یہ حق تفویض کرتے وقت طے ہوئی تھیں۔ پس اس معاملے میں زوجین کے درمیان ایک معاہدہ طے ہو سکتا ہے۔ (آج کل یہ شق نکاح نامے میں درج ہوتی ہے اور نکاح خواں دوہلایا اُس کے والد سے استفسار کر کے نکاح نامہ میں وضاحت کرتا ہے۔) جس کے تحت بیوی کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ خاوند کے دوسری شادی کرنے پر وہ اس حق کو کسی بھی وقت استعمال کر سکتی ہے۔ شریعت میں اس امر کی اجازت ہے کہ خاوند، اپنی بیوی کو طلاق کا حق تفویض کر دے۔

اس میں خاوند کی بجائے، بیوی اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے۔ اسے تفویض طلاق کہتے ہیں۔ اس تفویض کی بنا پر عورت کو اسے اُس طرح استعمال کرنے کا حق ہے جس طرح کہ ایک خاوند کو ہوتا ہے۔ (مفتی عبدالجلیل قاسمی، ۲۰۰۲ء) وہ مزید رقمطراز ہیں کہ ”ایسے حالات میں جب کہ خاوند اپنی بیوی کے ساتھ بہت سختی کرتا ہے، جس کی وجہ سے اُس کی بیوی کی زندگی اجرن ہو جاتی ہے تب ان حالات میں شریعت اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ خاوند کی طرف سے تفویض طلاق کا حق، عورت کو دیا جائے تاکہ اگر اُسے کبھی اُس کی ضرورت محسوس ہو تو وہ اپنے آپ کو خاوند کی سختیوں کی اس بری حالت سے نکل سکے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ خاوند اس حق کو اپنی بیوی کو تفویض کرے، کیوں کہ بہر حال طلاق دینے کا حق اُسے ہی حاصل ہے۔ لیکن ایک دفعہ اس حق کو بیوی کو تفویض کر دینے کے بعد اب یہ بیوی کے ارادہ اور اختیار میں ہے کہ وہ اُسے کب اور کس طرح استعمال کرتی ہے۔ اس طریق پر اُس کے مسائل بہت حد تک حل ہو سکتے ہیں۔ خاوند کے اس حق کے تفویض کرنے کے بعد اُس کے ہاتھ سے طلاق دینے کا اختیار نکل جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ اس امر کی صراحت نکاح کے وقت تحریر کی صورت میں کر دی جائے (جیسا کہ اوپر بتایا گیا)۔ بالخصوص موجودہ دور میں جب کہ عورتوں کو بہت سے مسائل درپیش ہوتے ہیں، اپنے خاوندوں کی جانب سے، یہ ایک بہتر طریق کار ہے۔

(ج) باہمی اتفاق رائے سے
(۱) خلع:

اسلامی قانون کی رو سے خلع سے مراد عورت کا مرد سے طلاق حاصل کرنا ہے، جو وہ اپنے خاوند کو کچھ معاوضہ ادا کر کے حاصل کرتی ہے۔ معاوضے کی شرائط اور طریق کار کے بارے میں فریقین باہمی طور پر طے کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم (سورۃ البقرۃ: ۲۲۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۖ ﴾

”اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدودِ الہی پر قائم نہ رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ دے

کر علیحدگی حاصل کر لے۔“

تاہم اگر یہ معاملہ عدالت میں جاتا ہے تو عدالت اس حقیقت کا تعین کرنے کے لیے کہ واقعی حالات اس قدر خراب ہیں کہ عورت اپنے خاوند کو اس حد تک ناپسند کرتی ہے کہ وہ اُس کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتی تو پھر وہ اُس معاوضے کا تعین کرتی ہے جو عدالت کی رائے میں مناسب ہو۔ ایسے حالات میں ایک خاوند، قانونی طور پر پابند ہوتا ہے کہ اُس فیصلے کو قبول کرے اور عورت کو طلاق دے۔ بہر حال یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ معاوضے کی رقم، مہر کی رقم سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔

اس گفتگو کے آغاز میں ہی ہم نے وضاحت کی ہے کہ طلاق لینے کا مطالبہ کرنے کے لیے وجوہات کا تعین فرد کے اپنے ضمیر کے فیصلے پر ہے۔ اگر ایک بیوی اپنے خاوند سے کسی طرح بھی مطمئن نہیں اور محسوس کرتی ہے کہ وہ حقوق زن و شواہد انہیں کر سکتی اور اس کے ساتھ پیار و محبت اور سکون و اطمینان کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتی تو پھر اس کے لیے خلع حاصل کرنے کی معقول وجوہات ہیں۔ اس ضمن میں جلیلہ رضی اللہ عنہا جو کہ ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کی بیوی تھیں، کا واقعہ ہم درج کر آئے ہیں۔

اس طرح کا ایک واقعہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ قرظی کی بیوی کا ہے جو حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئی تھیں، جب کہ اُن کے خاوند نے انھیں تین مرتبہ طلاق دی تھی۔ تاہم انھوں نے حضور ﷺ سے اس امر کی شکایت کی کہ اُن کا نیا خاوند، اُن کے جنسی جذبات کی تسکین کرنے کے قابل نہیں۔ انھوں نے اپنا کیس اتنی صاف گوئی کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور اس امر کی بھی پروا نہ کی کہ متعدد کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اُس موقع پر تشریف رکھتے تھے اور وہ اس صاف گوئی کو برداشت نہ کر پائے۔ (تاہم اُن کے شوہر نے اُن کی شکایت کی تردید کی اور بہت ہی واضح الفاظ میں بتایا کہ اُن کے الزام میں بالکل کوئی صداقت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تابعدار نہیں اور اپنے پہلے خاوند سے محبت کرتی ہیں۔ انھوں نے مزید بتایا کہ وہ اپنے پہلے خاوند حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے دوبارہ شادی کی خواہش مند ہیں۔ اس واقعہ کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ حضور ﷺ نے نہ تو اس تمام گفتگو کو سن کر برا منایا (بلکہ آپ مسکراتے

رہے) اور نہ ہی اُس صحابیہ کو ٹوکا کہ وہ اپنا مسئلہ بیان نہ کرے۔ لیکن چوں کہ شریعت میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں تھی، کہ ایک ایسی عورت جسے تین طلاق ہو چکی ہو اور وہ اپنے خاوند سے علیحدہ بھی ہو چکی ہو، کی دوبارہ شادی اُسی خاوند سے ہو سکے، بغیر حلالہ کے، پس حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ اُسی صورت میں ممکن ہے جب کہ تمہارا موجودہ خاوند تم سے جنسی طور پر لذت یاب ہو۔“
(مسلم، بخاری، مؤطا، نسائی، ابوداؤد)

اسی قسم کے حالات کی بنا پر فقہ اسلامی کی کتب میں ایک باب ”خیار عیب“ کے نام سے موجود ہے۔ درج بالا دو احادیث سے فقہائے کرام نے یہ اخذ کیا ہے کہ فریقین (میاں بیوی) کے درمیان، اگر کسی کو دوسرے فریق کے کسی عیب کا پتہ چلے تو وہ طلاق لے سکتا ہے، (طلاق کے ذریعے یا خلع اور عدالت کے ذریعے)۔ ایک خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے نہ صرف اس بنا پر کہ وہ پاگل ہے، کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہے یا اُس میں جنسی اعضاء کا کوئی ایسا نقص پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے خاوند اُس کے ساتھ مباشرت نہیں کر سکتا۔ کچھ فقہانے یہ رائے بھی دی ہے کہ طلاق اس بنا پر بھی دی جاسکتی ہے کہ عورت کا رنگ کالا ہے، یا وہ گنچی ہے، یا اُس کے منہ اور رانوں کے درمیان سے بدبو آتی ہے۔ اس کے برعکس، ایک عورت طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے اگر اُس کا خاوند بانجھ ہو، خصی ہو یا اُس کا عضو تناسل کٹ گیا ہو۔ مزید برآں، اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی بظاہر جسمانی شکل و صورت اور حالت پسند نہ ہو کہ وہ اس کے ساتھ نباہ کر سکے تو پھر بھی وہ اُس سے طلاق رخلع کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

سید مودودیؒ رقمطراز ہیں کہ: ”ایسے حالات (خلع کی صورت میں) میں خاوند کو طلاق رخلع کے بعد، اُس عورت سے دوبارہ ملاپ کرنے کا حق نہیں رہتا، کیوں کہ یہ طلاق رخلع اُس عورت نے (مال کے عوض) خریدی ہے۔ تاہم اگر دونوں راضی ہوں تو دوبارہ رشتہ نکاح (شادی) استوار کر سکتے ہیں۔

سید مودودیؒ نے اپنی کتاب ”حقوق الزوجین“ میں اس موضوع پر تفصیلاً بحث کی ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے مسلم معاشرے میں پائے جانے والے ایک بنیادی نقص / خامی کی وضاحت کی ہے، جس کی رو سے مسلم معاشرے میں عورت کے خلع حاصل کرنے کے حق کی نفی کر دی گئی

ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ عورت کا خلع کا مطالبہ ”خاوند کی مرضی سے مشروط ہے“۔ یہ شریعت کے منافی اور خلاف حقیقت بات ہے۔ اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خلع کا حق، زوجین کے درمیان پایا جانا چاہیے اور عورت مسلم عدالت سے رجوع نہیں کر سکتی، وہ بالکل غلط ہیں۔ اسلامی قانون خاوند کے کسی ایسے حق کو تسلیم نہیں کرتا کہ عورت کو بالکل بے بس اور لاچار کر دیا جائے۔ پہلے قدم کے طور پر اسلام تلقین کرتا ہے کہ شادی کے رشتے کو جہاں تک ممکن ہو برقرار رکھا جائے، لیکن اگر زوجین کے درمیان پیار محبت اور ہمدردی کے ساتھ اکٹھے رہنے کا کوئی امکان نہیں کہ یہ رشتہ مستقل طور پر قائم رہے، تب اللہ تعالیٰ نے دونوں کو یہ حق دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو سکیں۔ خاوند کو یہ حق طلاق کی شکل میں حاصل ہے جب کہ بیوی کو حق حاصل ہے کہ وہ خلع حاصل کرے۔ عورت اگر اپنے خاوند کے ساتھ گزارا نہیں کرنا چاہتی تو پہلے اُس خاوند سے خلع کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ اور ایسی صورت میں کہ خاوند اُس کا مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کرے تو اُسے مکمل اختیار ہے کہ وہ عدالت سے رجوع کرے، تاکہ وہ اس معاملے کو طے کرا سکے۔ عورت کا یہ حق بہت سی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے بذاتِ خود اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس قسم کے معاملات کو سنا اور عورتوں کے حق میں فیصلہ دیا۔ ایک اسلامی عدالت کا فیصلہ آخری اور حتمی ہوتا ہے اور اس کے تحت خاوند کو مجبور کیا جاسکتا ہے کہ وہ عورت کو خلع دے۔ اور اس امر کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ اسلامی عدالت کے فیصلے کو نافذ نہ کیا جاسکے۔ کیوں کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ عورت کو ہمیشہ کے لیے اُس کے خاوند کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ اللہ کا قانون اس قسم کے ظلم اور نا انصافی کو برداشت نہیں کرتا!

جمہور مسلم فقہاء کے مطابق خلع کی صورت میں عورت کے لیے ”عدت“ کی اصطلاح کا اطلاق، اسی طرح ہوگا جس طرح کہ طلاق کی صورت میں ہوتا ہے۔ لیکن ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دیگر محدثین کرام سے احادیث مروی ہیں کہ حضور ﷺ نے عورت کے لیے صرف ایک ماہ کی مدت مقرر فرمائی، طلاق (خلع کی صورت میں) کے بعد۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں اس کے مطابق ایک کیس کا فیصلہ صادر فرمایا۔

(۲) مصالحت:

اسلام نے مغرب کے نظام سے صدیوں پہلے اس امر کا اہتمام کیا تھا کہ زوجین کے درمیان کسی قسم کے اختلاف کو مصالحت اور بات چیت کے ذریعے دور کیا جائے تاکہ خاندانی نظام صحیح طور پر کام کرتا رہے۔ یہ ایک اور طریقہ ہے اور اگر بطور ایک پالیسی کے عمل کیا جائے تو اس کے ذریعے زوجین کو ہدایت کی جاسکتی ہے اور اُن کے درمیان اختلافات کو ختم کر کے مصالحت کرائی جاسکتی ہے۔ اس مصالحتی کردار کا بالخصوص اطلاق خاندان کے اُن بزرگ افراد پر ہوتا ہے، جن کی بات خاندانی معاملات میں مانی جاتی ہے۔ رشتے دار ہونے کی وجہ سے وہ اُن ذاتی اور خفیہ معاملات کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں، کسی فریق کے دل میں اس کھٹکے کے پیدا ہونے بغیر کہ اُن کے ذاتی معاملات کے کھل جانے سے اُن کی بے عزتی ہوگی یا عام لوگوں تک اندرونی باتوں کے پہنچنے سے اُن کی شہرت خراب ہوگی۔ اس طرح اختلافات کی وجوہات کا علم ہونے پر، خاندان کے بزرگ لوگ دل و جان سے اخلاص کے ساتھ اس امر کی کوشش کر سکتے ہیں کہ وہ زوجین میں مصالحت کرائیں اور ایک دوسرے کی شکایت کا ازالہ کرائیں۔ چونکہ دونوں فریق، اپنے اپنے خاندان کے بزرگ لوگوں کی عزت کرتے ہیں اور انھیں اُن پر مکمل اعتماد ہوتا ہے، تو عام طور پر وہ اُن کا فیصلہ تسلیم کر لیتے ہیں اور اپنے طرز عمل میں اصلاح کر کے ایک دوسرے کے ساتھ دوبارہ خوشگوار تعلقات قائم کر لیتے ہیں۔ سورۃ النساء (آیت: ۳۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِمَا وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا

إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴾

”اور اگر تم لوگوں کو کہیں میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم

(ثالث) مرد کے رشتے داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتے داروں میں

سے مقرر کرو، وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ اُن کے درمیان موافقت کی

صورت نکال دے گا، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔“

سید مودودیؒ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگرچہ یہ سوال کہ مصالحت کنندہ کو

کون مقرر کرے گا؟ اس امر کے بارے میں قرآن میں کوئی صراحت نہیں کی گئی تاہم یہ معتدل

لگتا ہے کہ دونوں خاندانوں کے بزرگ لوگ بذاتِ خود آگے بڑھ کر فیصلہ کریں اور دونوں اطراف سے دو مصالحت کرانے والے لوگوں کو نامزد کریں یا اگر معاملہ کسی عدالت میں جاتا ہے تو پھر عدالت کسی قسم کا فیصلہ کرنے سے پہلے مصالحت کنندہ نامزد کر سکتی ہے۔

مصالحت کنندگان اس امر کے مجاز نہیں کہ وہ کوئی آخری فیصلہ صادر کر سکیں لیکن وہ مصالحت کے لیے مختلف سفارشات پیش کر سکتے ہیں جو کہ زوجین کے لیے قابل قبول ہو سکتی ہوں یا وہ انھیں رد بھی کر سکتے ہیں۔ تاہم، اگر زوجین نے ان مصالحت کنندہ حضرات کو یہ اختیار بھی دیا ہو کہ وہ طلاق / خلع کرادیں یا کوئی دوسری صورت تجویز کریں، تو دونوں فریق اس فیصلے پر عمل کرنے کے پابند ہوں گے۔

(د) عدالت کے ذریعے

عدالتی کارروائی کے ذریعے شادی / نکاح کا تعلق ختم کرنے کی صورت میں، حنفی فقہ دیگر تمام مکاتب فکر کی نسبت بڑی حد تک وسعت کا پہلو رکھتی ہے۔ اس کی رو سے ایک عورت چار مختلف حالتوں کی بنا پر عدالت کے ذریعے فسخ نکاح / شادی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ ان حالتوں میں پہلی حالت یہ ہے کہ مدعیہ کی شادی بلوغت سے پہلے اُس کے والد / دادا کے علاوہ کسی ولی / گارڈین نے کر دی تھی تو پھر بلوغت کے بعد وہ عدالت سے رجوع کر کے شادی کا رشتہ منقطع کر سکتی ہے۔ یا اگر وہ عورت پاگل تھی تو پاگل پن سے شفا یاب ہونے کے بعد، یا اُس کا خاوند جنسی طور پر بانجھ ہو، یا وہ لاپتہ ہو۔ اس کے علاوہ دیگر مکاتب فقہ بشمول شیعہ حضرات عدالت کو اختیار دیتے ہیں کہ اگر خاوند کسی جسمانی یا ذہنی / دماغی مرض میں مبتلا ہو تو وہ عدالتی طور پر طلاق وادے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ مرض لا علاج ہے تو عدالت فوری طور پر شادی کا رشتہ ختم کر سکتی ہے۔ لیکن ایسی صورت میں کہ بیماری دور کرنے میں علاج کے لیے کچھ وقت درکار ہو تو پھر عدالت ایک سال کے لیے تعلقات منقطع نہ کرنے کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ (1986ء

(M.Hashim Kamali

عدالت سے کسی امر کا فیصلہ کرانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

(الف) خاوند کے مطالبہ پر

(ب) بیوی کے مطالبہ پر

ان دونوں صورتوں کے بارے میں سطور ذیل میں کسی قدر تفصیل سے گفتگو کی جا رہی ہے۔

(الف) خاوند کے مطالبے پر:

اس کے تحت درج ذیل تین صورتیں واقع ہو سکتی ہیں۔

۱: بیوی میں کسی عیب کی موجودگی۔

۲: بیوی میں کسی ایسی اخلاقی برائی کی موجودگی کا انکشاف جس کی وجہ سے زوجین کی سطح پر نباہ ممکن نہ ہو۔

۳: لعان: انسانی معاشروں میں اس امر کے امکانات ہیں کہ ایک شخص اپنی بیوی کو کسی کے ساتھ زنا میں ملوث دیکھے۔ اس صورت میں اگر وہ اُسے قتل کرتا ہے تو وہ قتل کرنے کے سبب سزا کا مستوجب ہوگا، لیکن اگر وہ کسی شخص کو گواہ کے طور پر بلانے کی کوشش کرتا ہے تو زنا کرنے والا شخص بھاگ سکتا ہے اور اگر وہ اس مسئلے سے صرف نظر کرنا چاہے تو اُس کے لیے طویل مدت تک یہ بات قابل برداشت نہیں ہوتی۔ اگرچہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے لیکن اس صورت میں عورت اور اُس کے ساتھ زنا کرنے والا مرد دونوں کسی اخلاقی یا جسمانی سزا سے بچ جاتے ہیں۔ مزید برآں، اس طرح قرار حمل کی صورت میں خاوند پر کسی دوسرے شخص کے بچے کو پالنے کی ذمہ داری بھی آپڑتی ہے۔

سید مودودیؒ نے لعان کے تاریخی پس منظر اور ایک کیس کے بارے میں جو حضور ﷺ کے سامنے فیصلے کے لیے پیش ہوا، تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مزید قرآنی تعلیمات اور مختلف احادیث سے فقہائے کرام نے بہت سے فقہی قوانین اخذ کیے ہیں، تاکہ مستقبل میں لعان کے واقعات میں اُن کی مدد سے فیصلہ کیا جاسکے۔ ذیل کی سطور میں اُن کا ذکر نہایت اختصار کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

یہ سوال حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک فرضی سوال کی حیثیت میں پیش کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ میں اگر خدا نخواستہ اپنے گھر میں یہ معاملہ دیکھوں تو گواہوں کی تلاش میں نہیں جاؤں گا، بلکہ تلوار سے اُسی وقت معاملہ طے کر دوں گا۔ (بخاری و مسلم) لیکن تھوڑی ہی مدت

گزری تھی کہ بعض ایسے مقدمات عملاً پیش آ گئے، جن میں شوہروں نے اپنی آنکھوں سے یہ معاملہ دیکھا اور حضور ﷺ کے پاس اس کی شکایت لے گئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ہلال بن امیہ نے آ کر اپنی بیوی کا معاملہ پیش کیا، جسے انہوں نے پچشم خود ملوث دیکھا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”ثبوت لاؤ، ورنہ تم پر حد تلافی جاری ہوگی۔“ صحابہ میں اس پر عام پریشانی پھیل گئی اور ہلال رضی اللہ عنہ نے کہا: اُس خدا کی قسم! جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے، میں بالکل صحیح واقعہ عرض کر رہا ہوں، جسے میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے معاملے میں ایسا حکم نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ بچا دے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری، احمد، ابوداؤد)۔ سورۃ النور (آیت نمبر: ۲۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَيَذَرُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝﴾

”اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور اُن کے پاس خود ان کے اپنے سوا دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں تو اُن میں سے ایک شخص کی شہادت (یہ ہے کہ وہ) چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ (اپنے الزام میں) سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اُس پر خدا کی لعنت ہو، اگر وہ (اپنے الزام میں) جھوٹا ہے۔ اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر شہادت دے کہ یہ شخص (اپنے الزام میں) جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اُس بندی پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر وہ (اپنے الزام میں) سچا ہو۔“

یہ قانونی طریق کار جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، اُسے ”قانون لعان“ کہا جاتا ہے۔ ہلال رضی اللہ عنہ بنی امیہ کے کیس کی جو تفصیلات صحاح ستہ، مسند احمد اور تفسیر ابن جریر میں ابن عباس اور

انس بن مالک رضی اللہ عنہما کے حوالے سے منقول ہوئی ہیں، ان میں بیان کیا گیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ہلال بن ابی امیہ اور اُن کی بیوی، دونوں عدالتِ نبویؐ میں حاضر کیے گئے۔ حضور ﷺ نے پہلے حکم خداوندی سنایا۔ پھر فرمایا: ”خوب سمجھ لو کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے زیادہ سخت ہے۔“ ہلالؓ نے کہا: میں نے اس پر بالکل صحیح الزام لگایا ہے۔ عورت نے کہا: یہ بالکل جھوٹ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اچھا تو ان دونوں میں ملامعت کرائی جائے۔“ چنانچہ پہلے ہلالؓ اُٹھے اور حکم قرآنی کے مطابق قسمیں کھانی شروع کیں۔ حضور ﷺ اس دوران میں بار بار فرماتے رہے: ”اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے، پھر کہا: تم میں سے کوئی توبہ کرے گا؟“ پانچویں قسم سے پہلے حاضرین نے ہلالؓ سے کہا: ”خدا سے ڈرو، دنیا کا عذاب، آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے۔ یہ پانچویں قسم تم پر عذاب واجب کر دے گی۔“ مگر ہلالؓ نے کہا: جس خدا نے یہاں میری بیٹھ بچائی ہے، وہ آخرت میں بھی مجھے عذاب نہیں دے گا۔ یہ کہہ کر انھوں نے پانچویں قسم بھی کھالی۔ پھر عورت اُٹھی اور اس نے بھی قسمیں کھانی شروع کیں۔ پانچویں قسم سے پہلے اُسے بھی روک کر کہا گیا: ”خدا سے ڈرو، آخرت کے عذاب سے دنیا کا عذاب برواشت کر لینا آسان ہے۔ یہ آخری قسم تم پر عذابِ الہی واجب کر دے گے۔“ یہ سن کر وہ کچھ دیر رکی اور جھکتی رہی۔ لوگوں نے سمجھا: اعتراف کرنا چاہتی ہے، مگر پھر کہنے لگے: ”میں ہمیشہ کے لیے اپنے قبیلے کو رسوا نہیں کروں گی۔“ اور پانچویں قسم بھی کھا گئی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے دونوں کے درمیان تفریق کرا دی اور فیصلہ فرمایا کہ اس کا بچہ (جو اُس وقت پیٹ میں تھا) ماں کی طرف منسوب ہوگا، باپ کا نہیں پکارا جائے گا۔ کسی کو اُس پر یا اس کے بچے پر الزام لگانے کا حق نہیں ہوگا، جو اُس پر یا بچے پر الزام لگائے گا وہ حدِ قذف کا مستحق ہوگا اور اس کو زمانہٴ عدت کے نفقے اور سکونت کا کوئی حق ہلالؓ پر حاصل نہیں ہے، کیوں کہ یہ طلاق یا وفات کے بغیر شوہر سے جدا کی جارہی ہے۔ پھر آپؐ نے لوگوں سے کہا کہ اس کے ہاں جب بچہ ہو تو دیکھو وہ کس پر گیا ہے۔ اگر اس شکل کا ہو تو ہلالؓ کا ہے، اور اگر اس صورت کا ہو تو اُس شخص کا ہے، جس کے بارے میں اس پر الزام لگایا گیا ہے۔ وضع حمل کے بعد دیکھا گیا کہ وہ مؤخر الذکر صورت کا تھا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ”اگر قسمیں نہ ہوتیں (یا خدا کی کتاب

پہلے ہی فیصلہ نہ کر چکی ہوتی) تو میں اس سے بری طرح پیش آتا۔“
(ب) بیوی کے مطالبے پر:

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ایک خاوند، عدالت کے ذریعے اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے، اسی طرح ایک عورت بھی عدالت کے ذریعے اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے بشرطیکہ شادی کے بعد یہ ثابت ہو جائے کہ خاوند میں کوئی جسمانی (جنسی اعضا/نظام کا) نقص ہے یا اُس میں کوئی بڑی اخلاقی کمزوری پائی جاتی ہے۔ تنسیخ نکاح کے مسلم آرڈیننس ۱۹۳۹ء کے تحت عدالتوں نے کچھ مناسب وجوہات مثلاً عورت سے برا سلوک کرنا (گالم گلوچ، مارنا پیٹنا اور اپنی بیوی کو مجبور کر کے اس کے والدین سے رقم ہارنا وغیرہ)، لاپتہ ہونا، کسی سخت بیماری میں مبتلا ہونا (کوڑھ پن، برص، مچھلہری کا آغاز ہونا، یا جسمانی اعضا/افعال کے نقائص جن کی وجہ سے مباشرت نہ ہو سکتی ہو، جیسے بانجھ پن، یا خاوند کا خسی ہونا وغیرہ) تو ایسے تمام حالات میں شریعت اسلامی، عورت کو ”فسخ کا حق“ دیتی ہے کہ وہ شادی کے رشتے کو منقطع کرے۔ ”فسخ“ کا یہ طریقہ طلاق، یا خلع کی طرح نہیں ہے اور اس کی وجہ سے عورت پر کسی قسم کا مالی بوجھ نہیں پڑتا، جب کہ خلع کی صورت میں ایسا ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ خاوند کے مباشرت نہ کرنے کی بنا پر جو تکلیف پریشانی عورت کو لاحق ہوتی ہے، اس قدر سنجیدہ معاملہ ہے کہ ہر صورت میں شادی کے رشتے کو ختم کر دیا جائے، بلا تخصیص اس امر کے کہ مباشرت نہ کرنے کے عمل کا شوہر کی جانب سے جان بوجھ کر یا غیر ارادی طور پر اس کا مظاہرہ کیا جاتا ہے یا وہ مباشرت کرنے کے قابل بھی ہے یا نہیں۔“

اگر خاوند، اپنی بیوی کو نان نفقہ دینے کے قابل نہیں یا زندگی کی ضروریات فراہم کرنے میں غفلت کا مرتکب ہوتا ہے یا عورت کے کو ان تمام مراعات ملنے کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بنتا ہے یا دونوں میں سے کوئی بھی فریق، دوسرے فریق کو جنسی مباشرت کے عمل سے محروم کرتا ہے یا تعلقاتِ زن و شو کو ادا نہیں کر سکتا تو بیوی کی جانب سے مسلمان عدالت کو مطمئن کرنے کی صورت میں عدالت خاوند کو مجبور کر سکتی ہے کہ وہ اُس کے ساتھ صحیح اور مناسب سلوک کرے، اُس کے ساتھ مصالحت کرے، اُسے مناسب معاوضہ ادا کرے اور اُس کے حقوق کی ادائیگی کرے۔ ایسی صورت

میں کہ خاندان احکامات کی بجآوری میں کسی قسم کی لیت وعل یا ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرے یا عدالت کا حکم ماننے سے انکار کرے تو عدالت اُسے عورت کو طلاق دینے پر مجبور کر سکتی ہے۔

خاندان اپنی بیوی کو مختلف طریقوں سے تکلیف رازا اپہنچا سکتا ہے، مثلاً یہ کہ اُس کو یا اُس کے خاندان والوں کو لعنت ملامت کرے، اُسے بدنام کرے، معمولی سی باتوں پر زبانی گالم گلوچ کرے، اُس کے خاندان کی وجہ سے اُس کی بے عزتی کرے، اگر اُسے اپنے خاندان کے اعلیٰ اور ارفع ہونے کا زعم ہو یا وہ اُس عورت کو طلاق کے ذریعے ذہنی پریشانی میں مبتلا کرے اور عدت کی مدت ختم ہونے سے پہلے اُسے بطور بیوی قبول کر لے اور پھر بعد میں طلاق دے دے — یہ اور اس قسم کے دیگر تمام طریقوں پر عمل کرنے سے اُس کا مقصد شادی شدہ زندگی کو آرام سے گزارنا نہ ہو بلکہ اس کے ذریعے وہ اپنی بیوی کو ذہنی طور پر اذیت دیتا ہے اور اُس کے حقوق تلف کرنا چاہتا ہے۔ یا وہ بغیر کسی معقول قانونی یا شرعی وجہ کے بیوی سے مباشرت سے گریز کرتا ہے تو ایسی تمام حالتوں میں ایک عورت عدالت کے ذریعے اپنے خاندان سے علیحدگی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

اگرچہ اس بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ شادی کے رشتے کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے، لیکن بعض اوقات حالات ایسے ہو جاتے ہیں کہ طلاق کے ذریعے شادی کے رشتے کو منقطع کرنا پڑ جاتا ہے۔ پاکستان اور دیگر ایشیائی ممالک میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ چاہے حالات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں، زوجین کو طلاق نہیں دینی چاہیے۔ بعض اوقات طلاق سے اس لیے بھی گریز کیا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے خاندان کو بدنامی کا سامنا کرنا پڑے گا، یا اس خوف کی وجہ سے کہ بچوں پر اس کا برا اثر پڑے گا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام اس قسم کے تمام خیالات اور خوف و خدشات کے برعکس حکم دیتا ہے جیسا کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات سے ثابت ہوتا ہے۔

شادی بیاہ میں ناچاقی (نشوز):

شادی شدہ جوڑوں کے درمیان باہمی ناچاقی (نشوز) ایک بہت اہم موضوع ہے جس کی وجہ سے زوجین میں اختلافات کی بنا پر لڑائی جھگڑے اور طلاق رعلیحدگی تک نوبت جا پہنچتی ہے۔

اگرچہ ماضی میں بھی زوجین کے درمیان اختلافات ہوتے رہے ہیں، لیکن موجودہ دور میں اس معاملے نے مسلمان معاشروں میں ایک بہت ہی خطرناک اور گھمبیر صورت اختیار کر لی ہے۔ اس کے نتیجے میں مسلم خاندانی نظام کی چولیس ہل رہی ہیں اور نو بیات لڑکوں/لڑکیوں کی ازدواجی زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم اس کی وجوہات اور اختلافات کو دور کرنے کی تدابیر کے بارے میں، قرآنی ہدایات اور احادیث کی تعلیمات کا ذکر کر رہے ہیں۔

(Salih Ibn Ghaneim- al Sadlaan 1999; Jamal ud Din Zarabozo 1999ء)

نشوز کے معنی اور اس کا دائرہ کار:

نشوز کے معنی ”کھڑے ہونے“، ”بغاوت کرنے“ کے ہیں۔ اس کا ارتکاب میاں اور بیوی دونوں کی جانب سے ہو سکتا ہے، جس کی وجہ حکم عدولی، نفرت، سختی، جارحانہ پن اور ایک دوسرے کے ساتھ پیار و محبت کے جذبات کا نہ ہونا ہے۔

نشوز کا ارتکاب بیوی، مرد یا ایک دوسرے کے خلاف دونوں جانب سے ہو سکتا ہے۔ ایک خاوند جو اپنی بیوی سے مشاورت کا قائل/عادی نہیں یا اپنے فیصلے اور آراء کو بیوی پر مسلط کرتا ہے، وہ میاں بیوی کے درمیان نزاع کی بنیاد بن جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ آئے دن کی لڑائی کی شکل میں نکلتا ہے۔ کچھ لوگ دوسرے رشتے داروں اور غیر لوگوں کے ساتھ بہت نرم مزاج، محبت کرنے والے، ہنس مکھ اور دوستانہ انداز رکھتے ہیں، لیکن گھر میں اپنے اہل خانہ (بیوی/بچوں) کے ساتھ بہت زیادہ تنگ مزاج، سخت گیر اور ناقہ اندہ رویہ رکھتے ہیں۔ ایسے حالات میں ممکن ہے کہ بیوی (رذعمل کے طور پر) خاوند کے حکم کی تعمیل نہ کرے اور اُس پر اپنی بات ٹھونسنے کی کوشش کرے۔ اکثر حالات میں بیویوں کی حکم عدولی اور بغاوت کا سبب، خاوند ہوتے ہیں۔

خاوند کی جانب سے نشوز کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو کسی ممنوعہ یا غیر قانونی کام کرنے کا حکم دے۔ مثلاً بازاروں میں بغیر پردے کے نکلنے اور جسمانی حسن کی نمائش کرنے پر مجبور کرنا، ایسے مردوں کے درمیان چلنا پھرنا جن سے اُس کا کوئی رشتہ نامٹھ نہیں، شراب پینے پر مجبور کرنا، منشیات کا استعمال کرنا، کلبوں اور ہوٹلوں میں جانا، جہاں غلط قسم کے کام ہوتے ہیں۔ (Azizah Hiberi 2000ء)۔ اس کے علاوہ ایک خاوند اپنی بیوی کی زندگی کو اُسے مناسب

خوراک نہ دینے سے اور لباس فراہم نہ کرنے سے اجبرن کر دیتا ہے یا وہ اُسے ایسی جگہ پر رہنے پر مجبور کرتا ہے جو اُس کے لیے کسی صورت بھی مناسب نہیں ہوتی۔ مزید برآں، عورت کو نشوز پر آمادہ کرنے میں خاوند کا یہ ناگوار طرزِ عمل بھی بہت اہم ہے، جب وہ اپنے وقت کو ادھر ادھر جانے میں ضائع کرتا ہے یا ایک سے زائد بیویوں کی موجودگی میں بغیر کسی ضرورت کے ایک ہی بیوی کے پاس زائد وقت لگاتا ہے۔ یا وہ اپنی بیوی اور بچوں کی روزمرہ ضروریات کو پورا نہیں کرتا، جس سے ان کی صحت و تندرستی اور خوشحالی سے زندگی بسر کرنے کا خواب نامکمل رہ جاتا ہے۔ یا وہ ایسے کام کرتا ہے جس سے بیوی کو تکلیف ہوتی ہے یا اُس کی بے عزتی ہوتی ہے اور اُس کی عزت نفس کا خیال نہیں کرتا۔ یعنی اُس کی چغلیاں کھاتا اور اس پر الزامات لگاتا ہے یا اُس کی غیر حاضری میں اُس کا مذاق اڑاتا ہے۔ یا وہ اُس کی دولت حاصل کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے اور اُسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی دولت اُس پر خرچ کرے۔

ان امور کے علاوہ یہ امور بھی عورت کو نشوز کرنے پر ابھارتے ہیں مثلاً اُس کے ساتھ عمل قومِ لوط کی کوشش کرنا، جس کی سخت ممانعت ہے یا غیر ضروری طور پر سیر و تفریح کے لیے جانا، دیگر ایسے کاموں میں شرکت کرنا بغیر بیوی کو ساتھ لیے، جس کا مقصد ذاتی طور پر اپنے لیے تفریح کا حصول ہو۔ اور اس طرح دولت کا ضیاع کرنا جب کہ ان امور پر خرچ کردہ رقم گھریلو امور کے لیے درکار ہوتی ہے۔

کچھ مرد، قرآنی اصطلاح ”قوام“ (بمعنی مینجر) کی غلط توجیہ کے ذریعے اپنے لیے مردانہ حقوق چاہتے ہیں اور اکثر گالمِ گلوچ پر بھی اُتر آتے ہیں۔ وہ تمام تر فیصلے ذاتی طور پر کرنے کے بارے میں اس قرآنی حکم کو ایک لائسنس سمجھتے ہیں، اور اسی طرح گھر کے مالی معاملات کو بھی یکطرفہ طور پر بغیر بیوی سے مشورہ کیے، چلانا چاہتے ہیں اور بیوی کو ان امور میں یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ ایک غلط طرزِ عمل ہے۔ یہاں اس امر کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ قرآنی حکم کے مطابق مرد کے ”قوام“ ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اسے ایک کلاس سسٹم کے طور پر اپنایا جائے، جہاں ایک فرد دوسرے افراد پر حکم چلاتا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خاوند کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ گھریلو امور کو بہتر طریق پر چلائے، لیکن اس طرح کہ خاندان میں بیوی کے

کردار کی اہمیت کسی طرح بھی کم نہیں ہوتی ہو۔

الف: بیوی کی جانب سے نشوز کا ارتکاب:

ذیل میں نشوز کی چند تعریفیں درج کی جارہی ہیں جن کا ارتکاب بیوی کی جانب سے ہوتا ہے۔

۴۱ بیوی کا خاوند کی اجازت کے بغیر گھر چھوڑ کر چلے جانا اور اپنے خاوند سے علیحدہ رہنا۔

۴۲ بیوی کا اُن امور میں خاوند کی تابعداری سے انکار جو اُس پر فرض کیے گئے ہیں، اُس کے

ساتھ ہم بستری کرنے سے انکار، اللہ کے عائد کردہ فرائض کی تعمیل نہ کرنا جیسے غسل جنابت

کا نہ کرنا، رمضان کے روزے نہ رکھنا، گھر کو تالہ لگا کر رکھنا کہ خاوند گھر میں داخل نہ ہو سکے۔

درج بالا وضاحت سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ عورت کی جانب سے نشوز کا ارتکاب ذیل کی

چار تصریحات کے ضمن میں آتا ہے:

۴۱ اپنے خاوند کے لیے بناؤ سنگھار کا نہ کرنا جب کہ وہ اُس کا خواہش مند ہو۔

۴۲ مباشرت کے لیے بلانے پر بیوی کا خاوند کو انکار کرنا۔

۴۳ بغیر خاوند کی اجازت اور کسی قانونی جواز کے بیوی کا گھر کو چھوڑ کر نکل جانا۔

۴۴ مذہبی فرائض کی تکمیل نہ کرنا، مثلاً عبادات (نماز، روزہ) پردہ نہ کرنا وغیرہ۔

قرآن کریم نے اس موضوع پر سورہ النساء (آیت نمبر ۳۴) میں راہنمائی دی ہے، جب

کہ عورت اپنے خاوند کا کہنا نہیں مانتی اور نشوز کا ارتکاب کرتی ہے:

﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ

وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۝﴾

”جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو، انہیں سمجھاؤ، خواب گاہوں میں اُن سے

علیحدہ رہو اور مارو اور پھر اگر وہ مان جائیں تو خواجوا ان پر دست درازی کے لیے

بہانے تلاش نہ کرو۔“

ب: خاوند کی جانب سے نشوز کا ارتکاب:

فقہانے خاوند کی جانب سے نشوز کے ارتکاب کی درج ذیل دو تعریفیں کی ہیں:

۱: خاوند اپنی بیوی کے ساتھ زیادتی کرتا ہے، اُس کے ساتھ بات چیت نہیں کرتا، اُسے اس

طریق پر مارتا پھینتا ہے، جس کی قانون نے اُسے اجازت نہیں دی، اُس کو اشتعال اور غصہ دلاتا ہے، گالم گلوچ کرتا ہے، اُس کو لعنت و ملامت کرتا ہے اور بے عزتی کرتا ہے۔

۲: بیوی کو نقصان پہنچانا، مارنا پھیننا، بیوی کی زندگی کو دشوار بنانا اس طریق پر کہ وہ اپنے جائز حقوق سے محروم رہ جائے۔ مثال کے طور پر ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں، کسی ایک کو نظر انداز کرنا، کم وقت دینا اور نان و نفقہ میں مساوات کا نہ برتنا۔

مذکورہ بالا وضاحت سے خاوند کے نشوز کی چار شکلیں متعین ہوتی ہیں:

۱: خاوند کا غلطی سے اپنی بڑائی اور بیوی کے مقابلے میں ذاتی قدر بڑھانے کی کوشش کرنا۔ اور بیوی کے ساتھ تحقیر آمیز رویہ اختیار کرنا اور ان ذمہ داریوں کو پورا نہ کرنا جو اللہ تعالیٰ نے بیوی کے ضمن میں اُس پر عائد کی ہے۔

۲: اس پر تشدد کرنا، مارنا پھیننا، نقصان پہنچانا، گالم گلوچ کرنا اور غیر مناسب انداز میں بیوی کے ساتھ سلوک کرنا۔

۳: بیوی کی نان و نفقہ اور دیگر ضروریات کو پورا نہ کرنا۔

۴: گھریلو زندگی میں بیوی کے ساتھ بے رخی برتنا، گفتگو اور مباشرت سے انکار کرنا۔

جب عورت کو خاوند کی جانب ان امور کے ارتکاب کا خدشہ ہو تو اس ضمن میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم (سورۃ النساء، آیت نمبر: ۱۲۹، ۱۲۸) میں فرمایا:

﴿وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُخْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝﴾

”جب کسی عورت کو اپنے شوہر سے بدسلوکی یا بے رخی کا خطرہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر میاں اور بیوی (کچھ حقوق کی کمی بیشی پر) آپس میں صلح کر لیں۔ صلح بہر حال بہتر ہے۔ نفس تنگ دلی کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں، لیکن اگر تم لوگ احسان سے پیش آؤ اور خدا ترسی سے کام لو تو یقین رکھو کہ اللہ تمہارے اس طرزِ عمل سے بے خبر نہ ہوگا۔“

ج: نشوز کی ایک تیسری قسم وہ ہے جس میں ناپسندیدگی اور زوجین کا ایک دوسرے سے گریز شامل ہے۔ (Syed Qutub; 1990 Jamal ud Din Zarabozo، 1999)

اور اس کا ارتکاب دونوں کی جانب سے ہو سکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَأَبْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا
إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ٥٠﴾

(النساء ٤: ٣٥)

”اگر تم لوگوں کو کہیں میاں اور بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم

مرد کے رشتے داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتے داروں میں سے مقرر

کرو۔ وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت

نکال دے گا، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔“

میاں بیوی کے درمیان اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کو دور کرنے کے لیے مصالحت کرانے

کے بارے میں گذشتہ صفحات میں گفتگو کی جا چکی ہے۔

نشوز کے ازالے کی تدبیر:

اوپر کی سطور میں ہم نے قرآن کریم کے اُن احکامات کا مطالعہ کیا ہے جو تین مختلف اقسام

کے نشوز کے ارتکاب کے بارے میں دیئے گئے ہیں، جن میں سے ہر ایک کے ازالے کی تدبیر کا

ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

خاوند اور بیوی، دونوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ تنگ نظری کا رویہ

اختیار نہ کریں۔ بیوی کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے خاوند سے اس طرح کی محبت اور پیار کے

سلوک کی توقع نہ رکھے جیسا کہ ایسی بیوی کو دیا جاتا ہے جس کے ساتھ خاوند کو نہایت درجہ کی محبت

ہے۔ اسی طرح خاوند کو بھی یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ بھی اُس بیوی کو بہت زیادہ دینے سے گریز

کرے، جس کی چاہت اُس کے دل میں نہیں رہی، لیکن وہ اُس کے ساتھ بطور بیوی رہنا چاہتی

ہے۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ خاوند، اپنی بیوی کے ساتھ فراخ دلی، نرمی اور محبت کا سلوک کرے،

یہی کہ وہ عورت برسوں اُس کے دکھ درد میں شریک رہی۔ ہے جس کا لازمی تقاضہ اُس کے ساتھ

اب ہم ذیل میں زوجین کے ایک دوسرے کے مقابل نشوز اختیار کرنے کی مختلف حالتوں کے حل پر مشتمل ان تدابیر کا ذکر کریں گے، جو اسلام نے ہماری راہنمائی کے لیے بیان کی ہیں۔

(۱) بیوی کی جانب سے نشوز کا ارتکاب اور احتیاطی تدابیر:

جب کوئی بیوی اپنے خاوند کے مقابلے میں نشوز اختیار کرتی ہے تو پھر خاوند کو چاہیے کہ وہ درج ذیل تدابیر اختیار کرے۔

۱۔ زبانی تنبیہ اور نصیحت کرنا:

بیوی کے نشوز کی صورت میں سب سے پہلی چیز جو خاوند کو کرنی چاہیے وہ زبانی طور پر نصیحت کرنا ہے۔ اُسے چاہیے کہ قرآن وحدیث میں درج اُن ذمہ داریوں اور حقوق کے حوالے سے اُس کے ساتھ گفتگو کرے جو اُس پر بطور بیوی عاید ہوتی ہیں۔ یہ نصیحت خیر خواہی اور محبت کے جذبے کے ساتھ کرنی چاہیے اور اُس کا مقصد بیوی کے باغیانہ رویے کو پیار محبت اور باہمی حسن سلوک کے ساتھ رہنے کے لیے حالات میں تبدیلی کرنے کی مخلصانہ کوشش پر مبنی ہونا چاہیے۔

۲۔ بیوی کا بائیکاٹ کرنا اور علیحدگی:

بعض اوقات زبانی نصیحت عورتوں پر اثر انداز نہیں ہوتی، بلکہ اس طرح اُس کے رویے میں مزید سختی پیدا ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں خاوند کو چاہیے کہ وہ گھر میں اُس کے ساتھ بول چال بند کر دے، اور اُس کے ساتھ اکٹھے سونے (بمبستری کرنے) سے گریز کرے، اکٹھے سونے سے گریز کی ایک شکل تو یہ ہو سکتی ہے کہ ایک ہی کمرے میں نہ سویا جائے اور کسی دوسرے کمرے میں سونا شروع کر دے یا اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک ہی بستر پر لیٹا جائے لیکن اُس کے ساتھ بول چال یا دوسرا جسمانی تعلق قائم نہ کیا جائے۔ جہاں تک ہم بستر نہ ہونے (مباشرت سے پرہیز) کا تعلق ہے تو اُس کی مدت اُس وقت تک بڑھائی جاسکتی ہے جب تک بیوی کے رویے میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں آتی تاہم اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چار (۴) ماہ ہے۔

۳۔ بیوی کو مارنا:

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک عورت، زبانی طور پر نصیحت کرنے، بول چال بند کرنے اور ہم بستری سے پرہیز کے باوجود کسی صورت بھی اپنے رویے میں تبدیلی نہیں لاتی تو ایسی حالت میں خاوند کو مارنے کی بھی اجازت ہے۔ اگرچہ عام حالات میں خاوند کو اس امر کی اجازت نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو مارے پیٹے کیوں کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں یہی فرمایا کہ ”وہ تم میں سے بہترین لوگ نہیں ہیں“ تاہم بعض اوقات سختی سے پیش آنے اور سرزنش کے لیے مارنے سے حالات ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ ایک تلخ تجربہ ہے، تاہم اس سے بعض اوقات، زوجین کے درمیان تفریق (طلاق) ہونے سے بچا جاسکتا ہے۔ اور یوں خاندان کو اُس کے برے اثرات سے بچایا جاسکتا ہے۔

بہت سے اہل علم نے صراحت کی ہے کہ درج بالا تینوں اقدامات یکے بعد دیگرے بتدریج کرنے چاہئیں۔ زبانی نصیحت، اسٹھٹھ سونے سے گریز اور مارنا۔ اس صورت میں مارنا ایک انتہائی اور آخری حربے کے طور پر استعمال کیا جانا چاہیے۔

جمال بدادی (۱۹۹۹ء) اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: ”اس ضمن میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ کیا جاسکتا ہے، اُسے ایک استثنائی حالت (مارنے سے جو بار بار کے پیار محبت اور باہمی حسن سلوک کے ساتھ نصیحت کرنے، تنبیہ کرنے) تک محدود ہونا چاہیے۔

تاہم کچھ ایسے حالات بھی ہوتے ہیں، جن میں بیوی اپنے خاوند کی بات کو مان کر نہیں دیتی اور اُس کی بے عزتی کرنے سے بھی باز نہیں آتی اور اُسے اُن ذمہ داریوں کا بھی احساس نہیں ہوتا جو شادی کی وجہ سے اُس کو ادا کرنا چاہئیں تو پھر خاوند کو چاہیے کہ طلاق دینے سے پہلے ایک اور تدبیر اختیار کرے تاکہ خاندان کو ٹوٹنے سے بچالیا جائے، اگرچہ ایسا بہت ہی کم واقع ہوتا ہے۔ یہ تدبیر (بہت ہی محتاط الفاظ میں کہا جاسکتا ہے) کہ عورت کے جسم پر نرمی کے ساتھ ضرب لگانا مارنا / چپت رسید کرنا ہے، لیکن کسی حالت میں بھی اُس کے منہ پر مارنا جائز نہیں۔ اس کا مقصد اشارے کنائے کے طور پر تنبیہ کرنے سے ہے نہ کہ سزا دینے سے۔ اکثر حالات میں یہ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے مرد خاوند، معمولی معمولی باتوں پر زیادہ غصے میں آ کر مارنے پٹنے لگتے ہیں، یہ

قطعاً حرام اور ممنوع ہے اور اس کی اسلام میں بالکل منجائش نہیں۔

(۲) خاوند کی جانب سے نشوز اور اُس کو روکنے کی تدابیر:

ایسے حالات میں جب کہ خاوند کی جانب سے زیادتی کا ارتکاب ہو رہا ہو تو بیوی کو چاہیے کہ درج ذیل اقدامات پر عمل کرے۔

۱: خاوند کے برے سلوک کی وجوہات کا پتہ چلانے کی کوشش کرنا۔

۲: اپنے خاوند کو نصیحت کرنا اور اُسے ان فرائض کی یاد دہانی کرانا جو اُس پر بطور خاوند، اللہ اور رسول ﷺ نے عائد کیے ہیں کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک اور پیار محبت سے پیش آئے۔

۳: نرمی، محبت اور حسن سلوک کے ساتھ خاوند کو خوش کرنے کی کوشش کرنا، حتیٰ کہ بعض اوقات (وقتی طور پر یا ہمیشہ کے لیے) ایسے جائز حقوق سے بھی کسی حد تک دستبردار ہونا تاکہ دونوں کے درمیان یگانگت پیدا ہو سکے۔

ایسی حالت میں کہ جب کوئی بیوی یہ محسوس کرے کہ اُس کے خاوند کے نشوز میں کوئی کمی نہیں آ رہی ہے بلکہ وہ اُس سے زیادہ دُور ہوتا جا رہا ہے تو پھر اُسے چاہیے کہ وہ خاوند سے اپنے جائز حقوق کا مطالبہ بھی نہ کرے تاکہ شادی کا رشتہ برقرار رہے۔ سید مودودیؒ سورۃ النساء (آیت نمبر: ۲۹-۱۲۸) کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”زمانہ جاہلیت میں ایک شخص غیر محدود تعداد تک بیویاں کرنے کے لیے آزاد تھا اور ان کثیر تعداد بیویوں کے لیے کچھ بھی حقوق مقرر نہ تھے۔ سورۃ النساء کی ابتدائی آیات (۵ تا ۳) جب نازل ہوئیں تو اس آزادی پر دو قسم کی پابندیاں عاید ہو گئیں۔ ایک یہ کہ بیویوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ چار تک محدود کر دی گئی۔ دوسرے یہ کہ ایک سے زائد بیویاں رکھنے کے لیے عدل (یعنی مساویانہ برتاؤ) کو شرط قرار دیا گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر کسی شخص کی بیوی بانجھ ہے، یا دائم المرض ہے یا تعلق زن و شوہر کے قابل نہیں رہی ہے، اور شوہر دوسری بیوی بیاہ لاتا ہے تو کیا وہ مجبور ہے کہ دونوں کے ساتھ یکساں رغبت رکھے؟ یکساں محبت

رکھے؟ جسمانی تعلق میں بھی یکسانی برتے؟ اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو کیا عدل کی شرط کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دوسری شادی کرنے کے لیے پہلی بیوی کو چھوڑ دے؟ نیز یہ کہ اگر پہلی بیوی خود جدا نہ ہونا چاہے تو کیا زوجین میں اس قسم کا معاملہ ہو سکتا ہے کہ جو بیوی غیر مرغوب ہو چکی ہے وہ اپنے بعض حقوق سے خود دست بردار ہو کر شوہر کو طلاق سے باز رہنے پر راضی کر لے؟ کیا ایسا کرنا عدل کی شرط کے خلاف تو نہ ہوگا؟“ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ”حضرت سودہؓ (المؤمنین) کو خیال گزرا کہ شاید حضورؐ انھیں طلاق دے دیں۔ پس انھوں نے حضورؐ کو کہا کہ ”اے اللہ کے رسول! مجھے طلاق مت دیں بلکہ مجھے اپنے ساتھ رہنے دیں تاہم میری باری حضرت عائشہؓ کو دے دیں۔“ حضورؐ نے ایسا ہی کیا۔ (بخاری) حضرت عمرؓ نے کہا کہ ”فریقین جو بھی معاملہ باہمی طور پر طے کریں، وہ اس پر عمل کر سکتے ہیں کہ اس کی اجازت ہے۔“ (البیہقی)

بیوی کو مارنا پیٹنا، مسلم اہل علم کا نقطہ نظر:

جیسا کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں پڑھا کہ ایک بیوی اپنے شوہر کے ساتھ برا سلوک کرنے میں کسی قسم کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی اور اس کی بے عزتی کرنے سے بھی نہیں چوکتی، نیز وہ ان حقوق کا بھی کوئی خیال نہیں کرتی جو شادی کے نتیجے میں اُس پر عائد ہوتے ہیں۔ اس صورت حال میں شوہر کو اس امر کی اجازت ہے کہ وہ کسی دوسرے طریقے سے شادی کے رشتے کو برقرار رکھنے کے لیے کوشش کرے۔ اس قسم کے دوسرے طریقوں میں صحیح راہ عمل یہ ہے کہ اُس کے جسم پر ہلکی ضرب سے مارا جائے لیکن کسی صورت میں بھی چہرے پر نہیں۔ اس طرح اس طریقہ عمل کو علامتی طور پر (Symbolically) اختیار کیا جائے نہ کہ اس کا مقصد سزا دینا ہو۔ اس طریقہ عمل کو صرف استثنائی طریقہ عمل کے طور پر اختیار کرنا چاہیے۔ جب کہ مناسب طریقہ عمل پیار محبت، نرمی، باہمی اعتماد اور حسن سلوک کرنے کا ہی ہے، جیسا کہ قرآن کی تعلیمات سے واضح ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں، مارنے کا عمل صرف اُس صورت میں ہی اختیار کرنا چاہیے، جب کہ عورت کی نافرمان برداری اپنی انتہا کو پہنچ جائے اور وہ کسی صورت بھی ٹھیک نہ ہونے

پر نہ آرہی ہو۔ اور خاوند کی مسلسل کوششوں اور معقول طور پر سمجھانے، درخواست کرنے کے

باوجود کسی طور پر بھی رام نہ ہونے پائے۔ (Jamal Badawi 1999)

اس امر کی مزید تاکید ضروری ہے کہ مارنے کا عمل جیسا کہ حدیث میں مروی ہے کہ عورت کے چہرے پر نہ مارا جائے اور اس سختی کے ساتھ نہ مارا جائے کہ اُس کے جسم پر کوئی نشان پڑ جائے۔ حدیث میں ”ضر بن غیر مبارح“ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جس کا مفہوم ”ہلکے طور پر مارنے“ کے ہیں۔ جس کے بارے میں قدیم فقہانے توضیح کے طور پر لکھا ہے کہ اس سے مراد ”مساوک“ سے ضرب لگانا ہے۔ (مساوک کسی درخت کی پتلی سی شاخ سے بنائی جانے والی قریباً ۸/۶ انچ کی نرم و نازک ٹہنی ہوتی ہے جو دانت صاف کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔) ”مارنے“ کے لفظ کی مزید تشریح کرتے ہوئے انھوں نے وضاحت کی ہے، اس سے مقصود اس طرح مارنا ہے کہ جسم پر کوئی نشان نہ پڑ سکے۔

اس قسم کی ہلکی مار کے ملاحتی طریقے کی اجازت سے لازماً یہ مراد نہیں کہ اس کے جاری رکھنے کی اجازت ہے۔ (Jamal Badawi ۱۹۹۹ء)۔ متعدد احادیث میں، حضورؐ نے سختی کے ساتھ مارنے کی مخالفت فرمائی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ”اللہ کی بندیوں کو مت مارو، چند عورتیں میرے اہل خانہ کے پاس آتی ہیں اور وہ اپنے خاوندوں کے مارنے پینے کی شکایت کرتی ہیں۔ اس قسم کے شوہر، تم میں سے بہترین لوگوں میں سے نہیں۔ اور (کیا یہ باعث شرم نہیں) کہ تم میں سے کوئی شخص ایک ظالم شخص کی طرح اپنی بیوی کو اس طرح مارے جس طرح نادبوں و مارتے پیٹتے ہیں۔ اور (پھر دن کے خاتمے پر رات کے وقت) اُس کے ساتھ سو جائے (مباشرت کے لیے)۔ (ریاض الصالحین)۔ ایک دوسری حدیث کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا: ”یہ کیا طرزِ عمل ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو اس طرح مارتا پیٹتا ہے جس طرح کہ ایک نراونٹ و مارا جاتا ہے اور پھر اُس کے ساتھ بغلگیر ہوتا ہے، (یعنی اُس کے سوجاتا، یعنی مباشرت) کرتا ہے۔“ (بخاری)۔ سید مودودی رقمطراز ہیں کہ ”اگر بیوی نافرمانی کا ارتکاب کرے اور خاوند کے حکم کی تعمیل نہ کرے تو اُس کی اصلاح کے لیے تین اصلاحی اقدامات بتائے گئے ہیں۔ لیکن یہ مطلب نہیں کہ تینوں کام بیک وقت کر ڈالے جائیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ نشوز کی حالت میں

ان تینوں تدبیروں کی اجازت ہے۔ اب رہا ان پر عمل درآمد، تو بہر حال اس میں قصور و سزا کے درمیان تناسب ہونا چاہیے اور جہاں ہلکی تدبیر سے اصلاح ہو سکتی ہو، وہاں سخت تدبیر سے کام نہ لینا چاہیے۔ حضور ﷺ نے بیویوں کو مارنے کی جب کبھی اجازت دی ہے بادل ناخواستہ دی ہے، اور پھر بھی اسے ناپسند ہی فرمایا ہے۔ تاہم بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو پٹے بغیر درست ہی نہیں ہوتیں۔ ایسی حالت میں حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ منہ پر نہ مارا جائے، بے رحمی سے نہ مارا جائے اور ایسی چیز سے نہ مارا جائے جو جسم پر نشان چھوڑ جائے۔

محمد عبدالرؤف (۱۹۹۵ء) نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ایک بہت خوبصورت توجیہ کی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں کہ: ”یہ امر ناقابل فہم ہے کہ بہت سے مترجمین نے (سورۃ النساء، آیت نمبر: ۳۴) کے ان الفاظ (وَأَضْرِبُوهُنَّ) کا ترجمہ ”انھیں مارو“ کیا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ ”انھیں ہلکا سا مارو“ ترجمہ کیا ہے جب کہ یہ ترجمہ غلط ہے۔ یہ ایک ایسا مغالطہ ہے جس کی وجہ سے بہت غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں اور اسلام دشمن عناصر کو بہت سے اعتراضات کرنے کا موقع ملا ہے۔ اس لفظ کا عربی میں معنی ”مارنا“ یا ”پیٹنا“ (ضرب لگانا) ہے۔ اس ”مارنے“ یا ضرب لگانے کے عمل میں وہ تمام اشیاء مثلاً مسواک سے مارنے سے لے کر وہ حالت جسے ہم انگریزی میں مارنے (Beating) سے تعبیر کرتے ہیں، شامل ہیں۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ”فلاں شخص نے فلاں کو مارا“ (بغیر مزید کسی تصریح کے) تو اس کا یہ مطلب سمجھا جاتا ہے کہ ایک دفعہ مارا یا ضرب لگائی جو کسی بھی شدت کی ہو سکتی ہے۔“

وہ مزید رقمطراز ہیں کہ: ”جب حضور ﷺ نے ایک چھوٹی سی چھڑی لی اور ایک مسلمان کے پیٹ پر اس سے ہلکی سی ضرب لگائی جب کہ آپؐ (جہاد میں فوج) کی صفوں کو سیدھا کر رہے تھے تو اس معنی کے لحاظ سے آپ ﷺ نے اس صحابی رضی اللہ عنہ کو مارا۔ اس کے برعکس انگریزی کی مثل کے مطابق ”انھیں مارا پیٹا“ کا مطلب بالکل مختلف ہے۔ اگر آپ اپنے ہاتھ میں جوتے کا ترم لے کر کسی کے ہاتھ پر ماریں تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ عربی کے لحاظ سے ”ضربہن“ لیکن انگریزی زبان کے لحاظ سے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ”آپ نے اس شخص کو مارا پیٹا۔“

اس لحاظ سے ایک مسلمان خاوند کو کبھی بھی اس امر کی اجازت نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو سختی سے

مارے پیٹے جس کی وجہ سے وہ زخمی ہو جائے یا اُس کے جسم پر نشان پڑ جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اپنی بیوی کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انھیں اللہ کی ضمانت پر لیا ہے اور تم نے ان کے جسم (بالخصوص جنسی اعضا) کو اللہ کے نام سے اپنے لیے حلال کیا ہے۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو تمہارے بستر پر نہ بیٹھنے دیں جنہیں تم پسند نہیں کرتے۔ اگر وہ ایسا کریں تو پھر انھیں اس طرف سے مارو کہ اُن کا جسم زخمی نہ ہونے پائے۔ اور تمہارے پر اُن کا یہ حق ہے کہ تم دستورِ زمانہ کے مطابق انھیں نان نفقہ اور کپڑے مہیا کرو۔ (بخاری و مسلم)

کسی قسم کی زیادتی، ظلم، غاندان میں تشدد، یا گالم گلوچ کرنے کی کوئی مثال ہمیں کسی مسلمان کے عمل سے نہیں ملتی، کہ اس نے شوہر کے حق کے طور پر قرآن و حدیث کی روشنی میں ایسا اقدام اٹھایا ہو۔ اس قسم کے واقعات کا تعلق کسی فرد کے ذاتی فعل سے تو ہو سکتا ہے، کیوں کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات پر زبان کی حد تک ہی عمل کر رہا ہے، لیکن حضور ﷺ کی

سیرت مطہرہ کو اپنی زندگی میں نشان راہ نہیں بنا رہا۔ (Jamal Badawi 1999)

مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں میں میاں بیوی کے درمیان نشو و نما لڑائی جھگڑے:

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ زوجین کے درمیان جھگڑوں نے حالیہ دور میں بہت ہی خطرناک صورت اختیار کر لی ہے، جس کی وجہ سے ایسے لوگ جو مغربی ممالک میں کام کر رہے ہیں، لیکن اُن کی شادیاں اپنے وطن کی لڑکیوں سے ہوئی ہوتی ہیں، ایسے لوگ جب اپنی بیویوں کو اپنے ساتھ لے کر وہاں جاتے ہیں تو ایسی لڑکیاں وہاں کے ماحول اور حالات سے نہ صرف آگاہ نہیں ہوتیں بلکہ اکثر وہاں کے حالات سے ذہنی اور جذباتی طور پر سازگاری نہیں کر سکتیں اور کچرل ناہمواری (Cultural shock) کی وجہ سے بہت پریشان ہو جاتی ہیں۔ ایسے حالات میں مسئلہ بہت خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے اور میاں بیوی کے درمیان اختلافات شروع ہو جاتے ہیں۔ بہت سے خاوند، اپنی بیویوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اُس معاشرے میں وہاں کے ماحول کے مطابق رہنا شروع کریں، لیکن وہ لڑکیاں ان حالات سے موافقت اور ذہنی ہم آہنگی نہیں کر سکتیں۔ بعض اوقات نوجوان لڑکے، گرین کارڈ کے حصول کے لالچ میں یا مستقل طور پر

مغربی ممالک میں رہنے کے نقطہ نظر سے شہریت، کے حصول کے لیے، ایسی لڑکیوں سے شادی کر لیتے ہیں جن کی پرورش مغربی ممالک کے ماحول میں ہوئی ہوتی ہے۔ ایسی لڑکیاں، اسلامی طور طریقوں سے آگاہ نہیں ہوتیں اور نہ ہی اُن کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں جس کی وجہ سے لڑائی جھگڑے اور اختلافات شروع ہو جاتے ہیں۔

چوں کہ بہت سے مسلمان، امریکہ اور دوسرے یورپین ممالک میں بس رہے ہیں، وہاں انھیں بہت سے خاندانی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ امریکہ یا یورپ میں، کسی عورت سے جب اُس کا خاوند برا سلوک کرتا ہے تو وہ بہت بری صورت حال سے دوچار ہوتی ہے کیوں کہ وہاں اُس کا کوئی رشتہ دار یا عزیز نہیں ہوتا جو اُس کی دلجوئی یا مدد کر سکے۔ ایسی حالت میں بہت سی عورتیں طلاق لینے کی کوشش کرتی ہیں لیکن اُن کے خاوند طلاق نہیں دیتے۔ ایسی صورت میں جب یہ عورتیں، امریکی عدالتوں سے رجوع کرتی ہیں تو انھیں طلاق مل جاتی ہے، لیکن اُن کے شوہر انھیں بطور سزا یہ کہتے ہیں کہ اس طریق پر طلاق کا حصول اسلامی طریقے کے مطابق نہیں۔

اگرچہ اسلامی قانون کی رو سے ایک شوہر ہی اپنی بیوی کو طلاق دینے کا مجاز ہے تاہم ایسی حالت میں کہ کوئی عورت اپنے خاوند کے ساتھ رہنے پر تیار نہ ہو تو اس کے پاس خلع حاصل کرنے کا حق بھی موجود ہے اگر کوئی عورت عدالت سے درخواست کرتی ہے تو ایک مسلمان جج قاضی کسی شادی کو ختم کرنے کا مجاز ہے۔ مزل صدیقی (۱۹۹۹ء) نے امریکہ اور یورپ کے دیگر ممالک میں اس قسم کے مسائل سے اسلامی قانون کے مطابق عہدہ برآ ہونے کے لیے بہت ہی تفصیل کے ساتھ تجاویز دی ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں کہ: ”امریکہ میں مسلمانوں کو جو سب سے بڑا مسئلہ درپیش ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہاں مسلم عدالتیں موجود نہیں۔ اور اگرچہ مسلم علماء اور مساجد کے امام صاحبان، اسلامی قانون کے مطابق شادی کا انقطاع کرا دیتے ہیں لیکن اس قسم کی طلاق کو امریکی عدالتیں تسلیم نہیں کرتیں۔ اور جب تک امریکی عدالتیں شادی کو منقطع نہ کریں تو فریقین قانونی طور پر ایک دوسرے کے زوجین ہی سمجھے جاتے ہیں۔ امریکہ میں طلاق کا حصول صرف سول کورٹ کے ذریعے ہی کیا جاسکتا ہے۔ وہاں کسی خاوند کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق حاصل نہیں۔ اور نہ ہی کوئی مذہبی اتھارٹی (پادری/مسلمان امام) اس امر کی مجاز ہے کہ کسی قانونی شادی

کو ختم کر سکے۔ ان حالات میں ایک مسلمان کے لیے صرف تین طریقے ہی میسر ہیں جن کے ذریعے وہ طلاق حاصل کر سکتا کر سکتی ہے۔

(۱) گھریلو زندگی میں ناچاقی کی صورت میں، خاوند، بیوی یا دونوں کو کسی مسلمان عالم امام کے پاس جانا چاہیے اور دونوں کو ایک دستاویزی بیان پر دستخط کرنے چاہئیں کہ وہ دونوں اُس کے فیصلے کو تسلیم کریں گے۔ اُس عالم امام سے فیصلہ کرانے کے بعد انھیں ایک مقدمہ فیملی کورٹ میں کرنا چاہیے۔ چوں کہ یہ فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہوگا، تو اس قسم کے فیصلوں کو امریکن فیملی کورٹس تسلیم کرتی ہیں اور یوں ایک دفعہ عدالت میں درخواست دینے کے بعد فیصلہ دونوں فریقوں کے لیے لازم قرار پاتا ہے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ شادی سے قبل، دونوں فریق (مرد اور عورت) ایک تحریری معاہدہ پر دستخط کریں کہ شادی کے بعد کسی قسم کے اختلاف کی صورت میں وہ اپنے معاملات کا اسلامی قانون کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے۔ اس طرح کا ایک مناسب معاہدہ، جو شادی سے قبل کیا جائے، امریکہ کی بیشتر ریاستوں میں جائز اور قانونی سمجھا جاتا ہے اور اس کی پابندی بھی دونوں فریقوں پر لازمی ہوتی ہے۔

(۳) ایسی صورت میں کہ فریقین کے پاس قبل از شادی کیا گیا کوئی معاہدہ نہ ہو یا خاوند، بیوی میں سے کوئی بھی اسلامی قانون کے مطابق اپنے اختلاف کو حل کرنے کے لیے کسی مسلم سکالر امام کے پاس نہ جانا چاہے تو ان کے پاس اور کوئی طریق کار نہیں، سوائے اس کے کہ وہ اپنے حقوق کے تحفظ کے پیش نظر غیر مسلم امریکی عدالت میں جائیں تو اس صورت میں امریکی عدالت کا فیصلہ انھیں بہر حال قبول کرنا پڑے گا اور وہ بھی اُس صورت میں کہ وہ فیصلہ، اسلامی قانون کے صریحاً خلاف نہ ہو۔ ایسے حالات میں، اگر ایک عورت کو تنبیخ نکاح کی ڈگری مل جاتی ہے، تو اسلامی سنٹر کو اُسے تسلیم کر لینا چاہیے اور اس عورت کو امریکی عدالتی فیصلے کا تصدیقی سرٹیفکیٹ جاری کر دینا چاہیے۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ حالات میں ہمیں امریکی عدالت سے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں اور یوں فریقین اسلامی قانون کی رو سے بھی ایک دوسرے کے ساتھ خاوند بیوی کے طور پر نہیں رہ سکتے۔

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات کو قانون کے خشک ضابطوں کی نذر کرنا کسی صورت بھی درست نہیں۔ ان تعلقات کا تمام تر انحصار باہمی محبت پر، اعتماد پر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں۔ خاوند کی حیثیت قوام کی ہے جب کہ عورت گھر کی ملکہ ہے۔ دونوں کا یہ اولین فرض ہونا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کی خدمت اور خاطر داری محبت کے جذبے کے ساتھ کریں، جن کے ذریعے وہ ایک دوسرے سے سکون اور اطمینان حاصل کر سکیں۔ اور دونوں کا یہ مقصد ہونا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ لطف و اطمینان اور آسودگی حاصل کریں اور بچوں کی پیدائش کے ذریعے انسانی نسل کے فروغ کے لیے عموماً اور امت مسلمہ کے لیے خصوصاً کوشاں ہوں۔

چونکہ اسلام نے لوگوں کے لیے شادی کا عمل بہت آسان بنایا ہے، تاکہ وہ خاندانی نظام کی بنیاد ڈال سکیں، اسی بنا پر اسلام اس امر کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اسے خواہ مخواہ جلدی میں توڑ دیا جائے۔ اس لیے اس امر کی انتہائی کوشش کی جانی چاہیے کہ خاندان کو خوشحالی سے ہمکنار کیا جائے۔ اس طرح نہ صرف افراد خاندان پر سکون زندگی گزارنے کے قابل ہوتے ہیں، بلکہ وہ معاشرہ بھی خوشحال اور مطمئن رہتا ہے، جس سے اُن کا تعلق ہوتا ہے۔ اسی لیے سورہ النساء (آیت: ۱۹) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝۵﴾

”ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا

ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔“

شادی کے لیے مشاورت اور تعلیم:

آج کل، شادی کے بارے میں مرد لوگ اپنی ذمہ داریوں کو صرف اس حد تک ہی سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی اور دیگر اہل خاندان کے لیے نان و نفقہ کا بندوبست کریں، انہیں رہائش اور کپڑے مہیا کریں۔ جب کہ بہت سے مرد اپنے اہل خانہ کو بالعموم مناسب اور کافی وقت نہیں

دیتے۔۔۔۔۔ وہ اپنے بچوں اور بیوی کے ساتھ باہمی دلچسپی کے امور پر گفتگو نہیں کرتے۔ اُن کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ سے علیحدہ اپنے مشاغل میں وقت گزاریں۔ ان مشاغل میں ٹی وی پر کھیل کود کے پروگرام دیکھنا، بہت سا وقت کلب میں گزارنا اور چھٹی کے دنوں میں کھیلنے یا مچھلی کے شکار پر جانا شامل ہیں۔ اس کے برعکس، اسلام میں خاوند کا کردار بالکل ہی مختلف نوعیت کا ہے۔ اسلام کی رو سے خاوند اپنے اہل خانہ کی دینی تعلیم و تربیت، بچوں اور بیوی کی نفسیاتی، ذہنی اور اخلاقی اصلاح و ترقی کا ذمہ دار ہے، اگر کوئی بیوی خاوند کے وقت ضائع کرنے پر صدائے احتجاج بلند کرتی ہے، تو وہ اس کا جواب غصے اور تلخی سے دیتا ہے۔ اس طرح عورتیں تنہائی اور نظر انداز کیے جانے کی تکلیف کو برداشت کرتی ہیں اور ان کی زندگی تلخیوں، پریشانیوں کے ساتھ بسر ہوتی رہتی ہے اور وہ اس صورت حال کو اس لیے برداشت کرنے پر مجبور ہوتی ہیں کہ اُن کے لیے کوئی اور دوسرا راستہ نہیں ہوتا۔

مسلمان معاشروں میں مردوں کا اس قسم کا رویہ اس قدر عام ہے کہ اس کی وجہ سے مسلمان عورت کی گھریلو اور معاشرتی زندگی تلخیوں اور مڑ میوں کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ اگرچہ گھروں میں عورتوں پر جو تشدد کیا جاتا ہے اس کے بارے میں مستند اعداد و شمار موجود نہیں، تاہم جو کچھ ہمارے گرد و پیش ہو رہا ہے اس سے صرف نظر کرنا بھی کسی حساس شخص کے لیے ممکن نہیں۔ معاشرے میں اس قسم کے واقعات کی وجہ سے اس قدر بڑے پیمانے پر خاندان متاثر ہو رہے ہیں کہ یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ہر دوسرا گھرانہ اس آگ میں جل رہا ہے۔ اخبارات و رسائل میں روزانہ تشدد، مار پیٹ، گالم گلوچ، آگ، رمنی کے تیل کے چولہوں کے ذریعے جل جانے اور قتل کے واقعات اس قدر شائع ہوتے رہتے ہیں کہ انسان ان کو پڑھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس قسم کے آگ میں جلنے کے حادثات میں صرف عورت و بیوی ہی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے، جب کہ خاندان کے دیگر افراد بالکل محفوظ رہتے ہیں، (گویا کہ چولہا صرف باہر سے لائی ہوئی بیٹیوں کو جلانے ہی کے لیے بنا تھا۔)

بعض اوقات اس قسم کے واقعات میں عدالت تک جانے کی نوبت آ جاتی ہے، جس کی وجہ سے گھریلو عورتوں کے اس قسم کے مسائل کا علم ہوتا ہے، جہاں عورت کو اپنے خاوند اور دوسرے

اہل خانہ بالخصوص ساس، نندوں کے ہاتھوں ظلم و ستم کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ وہ مسلمان جو امریکہ یا یورپ میں رہتے ہیں، اُن کے ہاں بھی صورتِ حال ان بیان کردہ حالات سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ بلکہ حالات بہت زیادہ گھمبیر اور خراب ہیں کیونکہ وہاں اس ظلم و ستم کا نشانہ بننے والی عورتوں کا کوئی پرسانِ حال بھی نہیں ہوتا۔

مسلمان معاشرے کے نوجوان شادی شدہ جوڑوں میں اختلافات اور لڑائی فساد کے واقعات بہت پریشان کن اور خطرناک صورتِ حال کی غمازی کرتے ہیں۔ اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں، تاہم اس کی سب سے بڑی وجہ فریقین یا کسی ایک کا دینی تعلیمات سے بے بہرہ ہونا ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ مسلمان معاشرے سے اس قسم کے افسوسناک حالات کو ختم کرنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ نوجوان لڑکوں/لڑکیوں کو ایک خوشحال، مطمئن اور پرسکون شادی شدہ زندگی بسر کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے۔ ہوتا یہ ہے کہ اکثر نوجوانوں (لڑکوں/لڑکیوں) کو دینی تعلیمات سے آگاہ نہیں کیا جاتا۔ حتیٰ کہ گھروں میں ناظرہ قرآن پڑھانے کی طرف بھی توجہ نہیں دی جاتی۔ جو کسی زمانے میں بچوں کی تعلیم و تربیت کا ایک مستقل اور لازمی حصہ ہوتا تھا۔ اور سکولوں میں بھی بطور ایک لازمی مضمون کے دینی تعلیمات کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ ذمہ داری علماء، پیر صاحبان اور مولوی حضرات پر عائد ہوتی ہے، جنہوں نے غفلت اور تساہل کی بنا پر عوام الناس بالخصوص نوجوان طبقے کو دینی معلومات فراہم نہیں کیں۔ وہ اپنے وعظوں اور تقریروں میں ہر قسم کے موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں، لیکن خاندانی نظام، شادی بیاہ کی اہمیت اور ایک خوشحال گھرانے کی ضروریات و مسائل کے بارے میں خاموش رہتے ہیں۔ نوجوان طبقے (شادی شدہ اور غیر شادی شدہ) کو یہ نہیں بتایا جاتا کہ شادی کے نتیجے میں دونوں فریقوں پر کیا ذمہ داریاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں۔ ماں باپ کے حقوق پر زور دیتے ہوئے وہ لاشعوری طور پر بیوی، عورت، بہن اور بیٹی کے حقوق کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ ہمارے موجودہ معاشرے میں لڑکیوں کی حالت، عرب کے جاہلی معاشرے کی نسبت کسی قدر بھی کم بری نہیں، عرب اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے، لیکن وہ ایسا ایک مرتبہ ہی کرتے تھے لیکن موجودہ زمانے کے مسلمان تو

عورتوں (لڑکی، بہن اور بیوی) کو مختلف طریقوں سے جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی اذیتوں کے ذریعے انھیں دن میں کئی بار قتل کرتے ہیں۔ برصغیر ہندو پاکستان کے مسلمان بالخصوص، عورتوں کے بارے میں اکثر و بیشتر ہندوانہ رسم و رواج کے غلام ہو گئے ہیں۔ جہیز کے حصول کے لیے دیر سے شادی کرنا، وراثت کے حق کی نفی (خاص کر زمین وغیرہ کی)، نوجوان اور معصوم لڑکیوں کی قرآن کے ساتھ شادی تاکہ جائیداد کو برقرار رکھا جاسکے، مختلف حیلوں اور بہانوں سے طلاق سے انکار تاکہ عورت کو تنگ کیا جاسکے، کاروباری جیسی مکروہ رسم پر عمل، بیوہ اور مطلقہ عورتوں کے نکاح ثانی کی ناپسندیدگی اور سختی کے ساتھ یک زوجگی پر اصرار چند ایسے اہم ترین رسم و رواج ہیں جو مسلمانوں نے ہندو کلچر اور تہذیب سے اخذ کیے ہیں اور اُن پر بہت ”ایمانداری اور اخلاص“ کے ساتھ عمل پیرا ہیں، جب کہ اسلام نے اس طرح کی تمام جاہلانہ رسوم و رواج سے انسان کو آزاد کرایا تھا اور عورتوں کو بہت سے حقوق عطا کیے تھے۔ گھریلو سطح پر، لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر حیثیت نہیں دی جاتی۔ لڑکوں کو بہتر کھانا فراہم کیا جاتا ہے، اس طرح لباس، تعلیم اور دیگر امور میں بھی اُن کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جاتا ہے جبکہ شادی کے بعد لڑکیوں کے ساتھ شوہر اور اُس کے دیگر اہل خانہ برا سلوک روا رکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ امت مسلمہ نے وہ تمام جاہلانہ رسوم و رواج، عادات اور طریقے اختیار کر لیے ہیں اور عورتوں کے بارے میں اس جذبہ حقارت کو اپنالیا ہے جو کہ ہندو کلچر، تہذیب اور مذہب کا حصہ ہیں اور جن کی یورپ کے رسم و رواج سے بہت زیادہ مشابہت ہے جو وکٹورین عہد میں عورت کے ساتھ روا رکھے جاتے تھے۔ (اسماء آفتاب، ۲۰۰۰ء)

امریکہ اور دیگر یورپین ممالک میں بھی مسلمان بہت سے ایسے سماجی مسائل کا شکار ہیں جو انھیں اُس معاشرے کے سوادِ اعظم کو رسم و رواج اور تہذیب و مذہب کی وجہ سے درپیش آتے ہیں۔ اس کے علاوہ میڈیا کی یلغار، شراب اور منشیات کا عام استعمال، زنا اور جنسی آوارگی کا بے محابہ طوفان اور الہامی ہدایت سے بے نیازی اور اس آزاد معاشرے میں پائے جانے والے دیگر حالات، ایسے عوامل ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو مغربی معاشرے میں رہتے ہوئے ہر وقت کسی نہ کسی چیلنج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان بیرونی عوامل نے ساوگی کے ساتھ خاندانی نظام کی

بنیاد ڈالنے، بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کرنے اور اپنے دوست احباب و دیگر ہمسایوں کے ساتھ بہتر روابط رکھنے کے عمل کو ناممکن بنا دیا ہے۔ (Iman Magid 2001ء)

شادی شدہ زندگی کے لیے راہ نمائی اور تربیت:

شادی کے ادارے کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے اور گھریلو ناچاقیوں اور دیگر مسائل کو حل کرنے کے نقطہ نظر سے یہ بہت ضروری ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو شادی میں درپیش مسائل، معاملات کے بارے میں راہ نمائی دی جائے اور تعلیم کے ذریعے انہیں اُن حقوق و فرائض سے آگاہ کیا جائے جو شادی کے نتیجے میں اُن پر لاگو ہوتے ہیں۔ اس تعلیم و تربیت اور راہ نمائی میں اہم ترین بات یہ ہے کہ ان معاملات کو روحانی انداز میں سرانجام دیا جائے جن کا منشا اور مقصد یہ ہو کہ افراد میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر پیدا کیا جائے تاکہ میاں بیوی اپنی زندگی کو اُس طریق پر گزارنے کے قابل ہو جائیں کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے نائب (خلیفہ) ہیں۔ اس راہ نمائی اور تربیت کے ایک بہت اہم حصے کا تعلق شادی سے قبل اور بعد راہ نمائی فراہم کرنے سے ہے۔ اس راہ نمائی اور تعلیم و تربیت کے تین پہلو ہیں، جن میں ماقبل شادی، بعد از شادی اور خاندانی نظام کے بارے میں معلومات فراہم کرنا ضروری ہے۔ ذیل میں ہم ماقبل اور بعد از شادی راہ نمائی کے بارے میں چند اہم ترین معلومات پیش کریں گے۔

(Iman Magid 2001ء)

قرآن کریم کی ہمارے لیے راہ نمائی یہ ہے کہ کسی قسم کی مشاورت یا نصیحت کرنے میں اہم ترین بات رازداری کا برتنا ہے۔ اسلام فرد کے ذہن میں اس بات کو ہمیشہ تازہ رکھنے پر زور دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت، ہر حال اور ہر جگہ ہمیں دیکھتا، سنتا اور جانتا ہے۔ سورۃ المجادلہ (آیت نمبر: ۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”کیا تم کو خبر نہیں ہے کہ زمین اور آسمان کی ہر چیز کا اللہ کو علم ہے؟ کبھی ایسا نہیں

ہوتا کہ تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہو اور اُن کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو، یا پانچ

آدمیوں میں سرگوشی ہو اور اُن کے اندر چھٹا اللہ نہ ہو۔“

— قرآن کریم ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ مشاورت یا راہ نمائی کے نقطہ نظر سے جو امور زیر

مفتگو آتے ہیں، اُس کا مقصد کسی کی مدد کرنا ہے تاکہ وہ اللہ کے احکامات کی پابندی کر کے زندگی میں صحیح رویہ اختیار کر سکے۔ سورۃ المجادلہ (آیت نمبر ۹) میں واضح کیا گیا ہے کہ ایک انسان کی ایسی کوشش جس کے ذریعے دو افراد گروہوں کو ایک جگہ متحد کیا جاسکے، ایک صدقہ (نیکی) ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیں گے۔

شادی سے قبل مشورہ اور راہ نمائی:

شادی سے ما قبل راہ نمائی اور مشورے کی حیثیت ایک حفظ ماقدم عمل کی ہے، تاکہ نوجوان طبقے (لڑکوں/لڑکیاں) کو زوجین کے تعلقات (جنسی و دیگر) کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں، نیز انھیں اُن پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا جائے اور دونوں فریق ایک دوسرے سے کیا توقعات رکھتے ہیں، اُن سے بھی انھیں آگاہ کیا جائے۔ اس ضمن میں خطبہ نکاح کے اُن الفاظ پر غور کریں جو حضور ﷺ نے ہمیں سکھائے ہیں اور جن کی تلاوت بالعموم نکاح کے موقع پر کی جاتی ہے۔ سورۃ آل عمران (آیت نمبر ۱۰۲) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے، تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“

یہ آیت دولہا اور دلہن دونوں (بلکہ تمام حاضرین مجلس کو بھی) یاد دلاتی ہے کہ وہ سب مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں گے۔ اس سے اگلی آیت جو نکاح کے موقع پر پڑھی جاتی ہے، وہ سورۃ النساء کی پہلی آیت ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رَجُلًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُس جان سے اُس کا جوڑا بنایا اور اُن دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔ اُس خدا سے

یہ لوگ وہی ہوں جن کی مستقبل میں شادی ہونی ہو (تاہم لڑکے لڑکیوں کی کلاسز علیحدہ علیحدہ ہوں گی۔) اور ان اسباق کی تعلیم شادی بیاہ اور اُس سے متعلقہ امور پر مشتمل ہوگی۔ دوسری قسم میں وہ جوڑے ہوں گے جن کی مستقبل میں شادی طے پاگئی ہو اور وہ اس مقصد کے لیے اپنے استاد (کونسلر) سے ملاقات کریں گے۔ یہ نسبتاً زیادہ پرائیویٹ نوعیت کی ہوتی ہے اور یہ ان موضوعات تک ہی محدود ہوتی ہے، جن کے بارے میں شادی کے خواہش مند دونوں فریق کسی تشویش یا پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں۔

اکثر لوگ، شادی سے قبل مشاورت کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہ نہیں ہوتے، جب تک کہ شادی کے بعد ان کی زندگی میں مسائل پیدا نہیں ہوتے۔ اس لیے والدین، امام صاحبان، کونسلرز اور عیسائی ملکوں کی یونیورسٹیوں میں چپلن حضرات اور اسلامی ہائی سکولوں میں اساتذہ و شادی بیاہ کے موضوع پر اپنے لیکچرز میں گفتگو کرنی چاہیے، نوجوانوں کو ان موضوعات سے متعلقہ کورسز پڑھانے چاہئیں اور انھیں مشورہ دینا چاہیے کہ شادی سے قبل وہ ضرور مشاورت کریں۔ شادی سے قبل زیر بحث آنے والے موضوعات:

شادی سے قبل مشاورت میں زیر بحث آنے والے موضوعات کا تعین بہت ضروری ہے۔ اس ضمن میں چند نکات درج ذیل ہیں:

(۱) اس ضمن میں اہم ترین موضوع شادی، بیاہ اور دین کا ایک تفصیلی تعارف، بحیثیت نظم زندگی کے ہونا چاہیے جس کا تعلق مرد و عورت کے اس رول سے ہے جو انھیں بطور میاں بیوی کے ادا کرنا ہوگا۔ نوجوان لڑکوں کو حیون ساتھی کے انتخاب کے لیے، خصوصیات، صفات اور معیار پر بالتفصیل گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ (دیکھیے چودھواں باب)

اس ضمن میں نوجوان لوگوں کو شادی شدہ زندگی میں جنسی تعلقات اور ایک دوسرے سے حقوق و فرائض کے بارے میں آگاہ کرنا ضروری ہے۔

(۲) اس مشاورت کا ایک دوسرا موضوع، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ خیالات اور اپنے مافی الضمیر کی ترجمانی کی صلاحیت پیدا کرنا ہے، جسے آج کی زبان میں Communication کہتے ہیں۔ ہر شخص کو ایک دوسرے کی بات سننے، دوسرے کو اپنے

خیالات سے آگاہ کرنے اور پھر کسی نتیجے پر پہنچنے کی صلاحیت حاصل ہونی چاہیے۔ اس امر کی وضاحت شاید ضروری ہو کہ مسلمان لڑکیوں کی پرورش چوں کہ ایسے ماحول میں کی جاتی ہے کہ وہ ان موضوعات پر گفتگو کرتے وقت شرم و حیا اور جھجک محسوس کرتی ہیں، بالخصوص شادی کے فوراً بعد۔ ان کی خاموشی سے دوسرے فرد (خاوند یا اہل خانہ) یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ لڑکی کسی قسم کے غرور یا احساس برتری کا شکار ہے۔ اس لیے لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے کہ وہ گھریلو زندگی میں گفتگو میں حصہ لیا کریں نہ صرف اپنے خاوند کے ساتھ بلکہ دیگر اہل خانہ کے ساتھ بھی۔

(۳) اس مشاورت کا تیسرا پہلو تشدد کا ہے۔ ضرورت ہے کہ تشدد کی تعریف، اُس کی اقسام یعنی زبانی، جسمانی، جذباتی، مالی اور جنسی تشدد کے بارے میں انھیں آگاہ کیا جائے۔ مزید اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ اس بارے میں انھیں اسلام کا صحیح نقطہ نظر بتائے اور بالخصوص سیرت طیبہ اور حضور ﷺ کے اپنی ازواج رضی اللہ عنہما کے ساتھ رویے اور حسن سلوک کے بارے میں گفتگو کرنا ضروری ہے۔ اس ضمن میں خصوصی طور پر صحابیات رضی اللہ عنہما کے رہن سہن کے بارے میں معلومات دینی بہت ضروری ہیں۔ اور خاص کر امہات المؤمنین رضی اللہ عنہما کے طرز زندگی سے آشنا کرنا ضروری ہے۔

(۴) اس مشاورت کا چوتھا پہلو بچوں کی پرورش، نگہداشت، تعلیم اور تربیت سے متعلق ہے۔ اگر اُن کے بچے نہیں ہیں تو کونسلر کو چاہیے کہ وہ اُن سے اس امر پر بات کرے کہ والدین بننے کے تقاضے کیا ہیں اور وہ کون سی تبدیلیاں ہیں، جو انھیں زندگی میں لانی ہوگی، جب اُن کے بچے ہو جائیں، اگر کسی کے بچے، پہلی ماں باپ ہیں۔ ہوں تو انھیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ یتیم بچوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری ہے۔ اس ضمن میں متعلقہ قرآنی آیات اور احادیث کی مدد سے اس اہم موضوع پر معلومات فراہم کرنا ضروری ہے۔ (مثلاً سورہ النساء)

(۵) اس مشاورت کا پانچواں موضوع اُن انتظامی امور سے متعلق ہے جو مالیات یا گھریلو آمدنی/خرچ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس موضوع کی اہمیت اس لیے بہت زیادہ ہے کہ

نوجوان لوگ اکثر اوقات شادی کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں، بغیر ان حالات کا شعور حاصل کیے کہ مالی معاملات اُن کے لیے کس قدر پیچیدہ اور الجھنوں کا باعث بن سکتے ہیں۔ انھیں گھریلو بجٹ بنانے، اُس کی مدد کا تعین کرنے اور اُن مدد کی ترجیحات کے تعین کرنے، بچت کرنے اور شادی کے آغاز ہی سے ریٹائرمنٹ کی عمر کو پہنچنے تک کے عرصے کی منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم نے عباد الرحمن (اللہ کے بندوں) کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ الفرقان (آیت نمبر: ۶۷) میں جو کچھ فرمایا ہے، اُسے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: ”کہ کسی شخص کی دانائی و حکمت کا یہ تقاضہ ہے کہ وہ اپنے اخراجات میں اعتدال کے سنہرے اصول کی پیروی کرے۔“ (احمد، طبرانی)

(۶) اس مشاورت کا چھٹا پہلو شادی کے بعد، خاوند کے والدین سمیت اکٹھے رہنے سے متعلق ہے۔ بہتر ہے کہ یہ گفتگو فریقین، اور اُن کے ماں باپ کے درمیان کی جائے، ذہن میں یہ بات رکھتے ہوئے کہ ساس سر کی بے جا مداخلت کی وجہ سے بہت سے مسلمان گھرانوں میں اکثر شادیاں ناکام ہوتی ہیں جو وہ نوبیاہتا جوڑے کی شادی کے ابتدائی ایام میں کرتے ہیں۔ اس لیے ماں باپ پر یہ واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی زندگی کے اس دور میں مداخلت سے باز رہیں اور زوجین کو موقع دیں کہ وہ مستقبل میں سکون اور اطمینان سے زندگی بسر کرنے کے لیے ان ابتدائی ایام میں زیادہ سے زیادہ قریب رہ کر ایک دوسرے کا اعتماد حاصل کر سکیں۔

(۷) شادی سے قبل مشاورت میں ساتواں اہم پہلو قوت فیصلہ کی صلاحیت پیدا کرنا ہے۔ کونسلر کو چاہیے کہ وہ دونوں میاں بیوی کو یہ سمجھائے کہ شادی شدہ زندگی میں کس طرح فیصلے کیے جانے چاہئیں۔ اس ضمن میں دونوں کو یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ وہ کسی قسم کا بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک دوسرے کے ساتھ باہمی مشورہ کی عادت ڈالیں۔ قرآن کریم کی راہ نمائی ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے جو مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر مشاورت کا حکم دیتا ہے۔ (سورۃ الشوریٰ)

میاں بیوی کے درمیان جسمانی (جنسی) تعلقات کے بارے میں معلومات، شادی سے قبل کی مشاورت میں زیر بحث آنی ضروری ہیں۔ لڑکی کو کسی عورت کونسلر سے ملاقات کرنی چاہیے اور مرد کو کسی مرد کونسلر سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مشاورت میں شادی کے بعد زوجین کے درمیان جس قسم کے جنسی تعلقات (قائم ہوتے ہیں، اُس کو زیر گفتگو لانا چاہیے۔ لڑکی کو ذہن نشین کرانا چاہیے کہ خاوند، عادتاً اپنی بیوی سے مباشرت کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں اور یہ کہ انھیں اس بارے میں انکار یا گریز نہیں کرنا چاہیے، الا یہ کہ کوئی شرعی عذر مانع ہو۔ اس ضمن میں عورت کو مناسب انداز میں بناءً سنگھار کرنے اور میک اپ کے ذریعے اپنے آپ کو خاوند کے لیے زیادہ سے زیادہ حسین، دل فریب اور جاذب نظر بنانے کی ضرورت پر بھی زور دینا چاہیے۔ اس ضمن میں مناسب خوشبو (عطر سینٹ) کے استعمال کے ذریعے اپنی ازدواجی زندگی کو زیادہ سے زیادہ پر لطف بنانے اور جنسی حظ اٹھانے کی جانب بھی توجہ دلائی چاہیے۔ اس کتاب کے تیرھویں اور چودھویں باب میں، ہم نے کوشش کی ہے کہ اس بارے میں نوجوان لوگوں کے لیے معلومات فراہم کریں۔ تاہم پہلے سے شادی شدہ لوگ بھی ان ہدایات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

یہ بھی بہت ضروری ہے کہ لڑائی جھگڑے کو ختم کرنے کے طریقوں پر بھی گفتگو کی جائے۔ فریقین کو باور کرانے کی ضرورت ہے کہ ہر انسان کو شادی شدہ زندگی میں مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک نارمل بات ہے۔ البتہ جو بات غلط ہے، وہ یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی (بالخصوص خاوند) کسی غلط بات یا اختلاف کی صورت میں بہت زیادہ رد عمل کا مظاہرہ کرے۔ کونسلر کو چاہیے کہ وہ میاں بیوی کے اختلاف ختم کرنے کے طریقوں پر عمل کرنے کے بارے میں بھی بتائے۔ اس ضمن میں لڑائی جھگڑوں کو ختم کرنے کے بارے میں قرآن و حدیث میں جو ہدایات آئی ہیں، ان کا بتایا جانا بہت ضروری ہے۔

(ب) بعد از شادی مشاورت:

شادی کے بعد کی مشاورت، قبل از شادی سے کسی قدر مختلف واقع ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ زوجین پہلے سے شادی شدہ ہوتے ہیں اور بچوں کی وجہ سے بھی فریقین کو بہت حد تک سنجیدہ ہونا

پڑتا ہے۔ اس ضمن میں بہت ضروری ہے کہ کونسلر کو غور و خوض اور صبر و تحمل سے بات سننے کی عادت ہو اور وہ فریقین کے نقطہ نظر سے آگاہ ہونے کے لیے اُن دونوں کی باتوں کو سنے۔ اُسے چاہیے کہ موضوع کے تمام پہلوؤں پر بات کرے اور دونوں کو ہدایت کرے کہ وہ تحمل اور وقار کے ساتھ اپنے خیالات کا کھل کر اظہار کریں۔ کونسلر اور دونوں فریقوں کے درمیان راز داری اور اخفا ایک بہت اہم پہلو ہے جس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی ضروری ہے کہ کونسلر دیگر ماہرین یا ماہر نفسیات سے معلومات حاصل کرنے کے لیے ان کی رائے بھی حاصل کرے۔

اس ضمن میں دلچسپی رکھنے والے قارئین کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ دو کتابوں ”اپنی بیوی و کیسے خوش رکھا جائے“ اور ”اپنے خاوند کو کیسے خوش رکھا جائے“ کا مطالعہ کرے جو کہ شیخ محمد عبدالحلیم حامد (۱۹۹۹ء) نے لکھی ہیں جبکہ ”ایک آئیڈیل مسلمہ“ از محمد علی الہاشمی (۲۰۰۰ء) نے لکھی ہیں۔

طلاق کی صورت میں مغرب میں امام صاحبان اور کونسلرز کو شادی بیاہ کے اسلامی قوانین کا علم ہونا ضروری ہے۔ نیز اُس ملک کا قانون جاننا بھی بہت ضروری ہے، جہاں زوجین رہتے ہوں۔ اگر امام یا کونسلر اس بارے میں کوئی ماہرانہ قابلیت کے حامل نہ ہوں تو انھیں چاہیے کہ وہ زوجین کو کسی ماہر یا صاحب علم کے پاس بھیج دیا کریں۔ اس قسم کے حالات میں بہت زیادہ مشاورت، دونوں فریقوں سے گفتگو اور مصالحتی اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے۔ طلاق کے بعد مشاورت کی صورت میں ان امور پر گفتگو کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ بچوں اور اُن کے سابق ماں و باپ کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی؟

چوں کہ مسلم معاشروں میں اس امر کی ضرورت بڑھتی جا رہی ہے کہ شادی سے پہلے اور بعد میں مشاورت کی جائے تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان موضوعات کے بارے میں جسد کے خطبے میں گفتگو کی جائے۔ ان موضوعات کو سکولوں کے نصاب میں شامل کیا جائے اور اُن کے لیے خصوصی سٹڈی گروپ قائم کیے جائیں۔



References

- » A. S. Khan, 199. Marriage between Muslims and Non-Muslims. Online: <http://Zawaj.com/articles/between.html>.
- » Abdullah Yousaf Ali (Attama), 1979. The Holy Quran. Text, Translation & Commentary. SH. Muhammad Ashraf, Booksellers, Distributors and Exporters Lahore (Pakistan).
- » Afzal-ur-Rehman, 1981. Quranic Sciences. Seerah Foundation London.
- » Albert Ellis 1962 The American Sexual Tragedy, 69-74. A Black Cat Book. Grove Press Inc. New York.
- » Ali Al-Tamimi (1998). Marriage is a critical decision in not only our life, but for our kids. <http://zawaj.com/articles/adviceli.html>
- » Ali ibn Abi Talib (Imam) 1949 Nahj al-Balaghih (collected speeches and sayings), ed Haji Sayyid Ali Naqi Fayz al-Islam 6 volumes in 2. Sipihr Press: Tehran (vide Shahla Haeri, 1989).
- » Amato, P. R., and B. Keith 1991a. Parental Divorce and the well-being of Children; a meta-analysis. Psychological Bulletin 110: 26-46.
- » Amato, P. R., and B. Keith 1991b. Parental Divorce and adult well-being of Children; a meta-analysis. J. of Marriage and the Family 53: 43-58.
- » Amnesty International Report. 1986 (vide Shahla Haeri, 1989).
- » Aneesah Nadire, 1999. Preparing Muslims for Marriage. Reprinted from Sound Division.com
- » Anis Ahmed 1996. Women and Social Justice: An Islamic Paradigm. Institute of Policy studies Islamabad and the Islamic Foundation UK.
- » Anon 1986 Marriage: The Encyclopedia Americana International Edition. Vol 18: 344-354 Grolier Incorporated Danbury Connecticut, USA.
- » Anon, 1991. Ropper Pole of 3000 Women. Online: <http://www.new-life.net/faq613.htm>
- » Anon, 1991a. Monthly Vital Statistic Report 39 (12). Advance report of final divorce statistics 1986 US National Center for Health Statistics. US Government Printing Office, Washington, D.C.
- » Anon, 1996. Sexual relations between husband and wife. Newsgroups: Soc. Religion. Islam May 18, 1996.
- » Anon, 1997 Temporary Marriage in Islam. Broadcasted on BIC News.

November 24, 1997 Online: Islam-info@juno.com

- » Anon, 1999. Study Finds Why Marriage is on the Decline Jet, July 26, 1999.
- » Anon, 1999. Study finds why Marriage is on the Decline. The Assemblies of God.
- » Anon, 1999a. Christians are more likely to experience divorce than our non-Christian. Barna Research Group, December 21, 1999.
- » Anon, 1999b. Bible Belt has nation's worst divorce rate. CNN.com November 12.
- » Anon, 1999d. ____ Al-Jamiat Publication. Jamiat-ul-Ulama web site, jamiat.org.za
- » Anon, 1999e. Online:
- » <http://www.al-islam.org/laws/fasting/.html>
- » Anon, 1999f. The AARP/Modern Maturity/Sexually Survey. NFO research USA
- » Anon, 2000. AA News. Posting # 699, issued by American Atheists on January 2, 2000.
- » Anon, 2001. Who benefits more from marriage - man or woman. Jet, March 5, 2001.
- » Anon, 2004. The case for gay marriage. The Economist, February 28, 2004.
- » Ardihali, Muhammad H. Yik Sililih Danistaniha-yi Zanashu'i'az Nazar-i-Islam (a series of marital issues from the viewpoint of Islam). Iqbal Press, Tehran Iran Sililih Danistaniha-yi Zanashu'i'az Nazar-i-Islam (a series of marital issues from the viewpoint of Islam). Iqbal Press, Tehran.
- » Ashraf Ali Thanvi, 1955. Bahishti Zaver (Urdu) Taj Company Ltd Lahore (Pakistan).
- » Asma Aftab, 2002. Feminism: A Literary Perspective. The daily Dawn Islamabad, November 2, 2002.
- » Azizah Y. Hibri 2000. Muslim Marriage Contracts in American Courts. Lecture at Minaret of Freedom Banquet, May 20, 2000.
- » Bahunar, Hujjat al-Islam Muhammad Jaffar et al. 1981 Ta'limat-i-dini (Religious Education) Devanrpanah Press for Ministry of Education. Tehran (vide Shahla Haeri, 1989).
- » Barbara Baughton, 2001. Gale Encyclopedia of alternative medicine. Gale group
- » online: <http://www.findarticle.com>
- » Barbara Dafoe Whitehead, 1991. Study finds why marriage is on the decline. National Marriage Project Rutgers University, New Jersey.

Jet. July 26, 1991.

- » Barbara Dafoe, Whitehead, 1994. The Failure of Sex Education. The Atlantic Monthly, October, 33:80.
- » Cheryl Wetzstein, 1999. Further erosion of marriage is expected after Millennium (including related article on changes dating practices). Insight On The News, February 1, 1999.
- » Cheryl Wetzstein, 2000. For better - or best (the benefits of marriage), Insight of the News, November 27, 2000.
- » Curtis Bergstrand and Jennifer Blevins Williams, 2000: Today's alternative marriage styles: the case of swingers. Electronic Jour. of human sexuality, Vol. 3 October 10.
- » Dan Cere, 1999, The Experts Story of Courtship. Courtship and Marriage Suffer From Disconnect. New Man Institute at McGill University, Montreal. Publishers; Institute for American Values in New York City.
- » David Popenoe and Barbara Dafoe Whitehead, 1999. A study finds why marriage is on the decline, Jet July 26, 1999.
- » David Popenoe, 1999. National Marriage Project at Rutgers University, USA.
- » Eric W. Johnson 1970. Love and Sex in Plain Language. Bantan
- » Eve Furchgott, 1993. Polyfidelity. Communities Journal No. 80/81-Spring/1993.
- » Eve Furchgott, 1993a. What happened to Kerista Communities Journal No. 80/81, spring, summer 1993.
- » Farida Jaffer, 1992. Interview on October 22, 1992 vide Richa Nagar (2000).
- » Frank H. Hankins 1962. Divorce in Encyclopedia of the Social Sciences. (Edwin R.A. Seligman, Editor-in-Chief) Vol-5:177-184. The Macmillan Publishing Company, New York.
- » George F. Gilder 1975. Sexual Suicide. Banton Books, Inc. New York. USA.
- » Glick, P. C. 1998. The role of divorce in changing family structure trends and variations. In S. A. Wolchick and Karoly (Eds.), Children of Divorce; Empirical perspective on adjustment. Gardner, New York.
- » Havelock Ellis, 1937. Studies in the Psychology of sex. Vol-I and II. Random house, New York
- » Helen Wilkinson, 1997. Marriage deserves another try. (Changing the traditional marital ceremony to stem the rising rate of divorce. New Statement, February 7, 1997.
- » Hugh Carter and Paul G. Glick, 1970. Marriage and Divorce: A Social

and Economic Study. Cambridge, Mass. Harvard University Press, 410.

- » Hussain Khalid Al-Hussain 1999. Family Life:
- » online: <http://www.asimplepathtoislam.com/marital.htm>
- » Imam Magid, 2001. Islamic perspective of counseling. Friday Talk - 11-9-2001 ISNA
[http://www.isna.net/Library/papers/community/Islamic Perspective of Counseling.shtml](http://www.isna.net/Library/papers/community/Islamic%20Perspective%20of%20Counseling.shtml)
- » Jacqueline J. Kirby, (1998). Court-related parenting education divorce interventions. A review of research and practice. Human Development and
- » Jamaal al-Din M. Zarabozo, 1999. Marital Discord [al-Nushooz], its definition, cases, causes, means of protection from it, and its remedy from the Quran and Sunnah (Translated by © S. Al-Sadlaan and J. Zarabozo).
- » Jamal Badawi, 1999. Wife beating? Online.
www.islamzine.com/marriage/beating.htm
- » Jerome and Joulia Rainer 1969 Sexual Pleasure in Marriage. A Panther Book
- » Kashif al-Ghita, Muhammad Husayn 1968 A. in-i-Ma (Our custom), Trans. By Nasir Makarim Shirazi. Hadaf Press, Qom Iran (vide Shahla Haeri, 1989).
- » Khomeini Ruhallah (Ayatollah) 1977 Tauzih al -Masa'ii (Book of Exegesis) Mashhad (vide Shahla Haeri, 1989).
- » Kukkolla . Secrets of love or Koka Shastra.
- » Linda J. Waite, 1999. The importance of marriage is being overlooked (decreasing popularity of marriage) USA Today (Magazine January 1999).
- » Lois Gold, 1992. Between love and hate; a guide to civilized divorce.
- » M. Hasham Kamali 1986. Marriage in Islamic Law Shariah. The Encyclopedia of Religion Vol:7: 446:453. (Mircea Eliade, Editor-in-Chief) Macmillan Publishing Company, New York.
- » Maggie Gallagher, 1999, Marriage - saving; a movement for matrimony. (Ways to reduce the divorce rate and keep more marriages together. National Review, No. 8, 1999.
- » Maududi, S.A.A., 1976. Haqooq-uz-Zojain (Urdu) Islamic Publications (Pvt) Lahore.
- » McGinley, Robert 1995. History of swinging on-line.
- » Michael Gold, 2000. "Does G-D Belong In The Bedroom", Orthodox View written by a Conservative Jew. Online:

<http://www.chayas.com/ksex.htm>

- » Mircea Eliade 1986 Marriage: The Encyclopedia of Religion Vol 9: 218-222. Macmillan Publishing House, New York.
- » Muhammad Abdul Hameed, 1999. How to make your husband happy. Muslim Students Association, University of Alberta, Canada.
- » Muhammad Abdul Hameed, 1999. How to make your wife happy. Muslim Students Association, University of Alberta, Canada.
- » Muhammad Abdul Rauf, 1995, Marriage in Islam. A Manual 6th Printing Al-Saadawi Publication, P. O. Box 4059, Alexandria, VA, USA.)
- » Muhammad Ali Al-Hashmi, 2000. The Ideal Muslimah. International Islamic Publishing House (IIPH) Riyadh, Saudi Arabia
- » Musavi-Isfahani, M 1985. Inqilab-i Mihnatbar (Wretched Revaluation) Encino, Calif: Ketab Corporation (vide Shahla Haeri, 1989).
- » Mutahhari Murtada (Ayatollah), 1974 Nizam-i-Huquq-i-Zan dar Islam (Rights of Women in Islam) 8th Ed Sadra Press, Qom Iran (vide Shahla Haeri, 1989)
- » Mutahhari Murtada (Ayatollah), 1981 Rights of Women in Islam. Fixed - Term Marriage. Part-III Mahjubih, October / November (vide Shahla Haeri, 1989).
- » Muzzammil Siddiqui, 1999. Some husband and wife issue. A column published by the Pakistan Link Web site one line <http://zawaj.com/articles/siddiqi/husbandwife96.html>
- » Nargis Adam, 1993 (an alias) interview on July 31, (vide Richa Nagar 2000)
- » O'Neill, Nena and O'Neill George, 1972. Open marriage, a new life style for couples. M. Evans & Co. Inc., New York.
- » Online: <http://www.asimplepathtoislam.com/marital.htm>
- » Paul Pearsall 1988. Super Marital Sex. Loving for Life. Ballantine Books, Random House Inc. New York.
- » Philip W. Goetz, 1985. Freud: The New Encyclopedia Britannica 15th ed Vol-15: Encyclopedia Britannica, Inc. London
- » Rafsanjani, Ali Akbar (Ayatollah), 1985 "Pish Guftar" (Introduction). In Izdivaj Muvaqqat Dar Islam (Temporary Marriage in Islam). Salih Press, Qom Iran (vide Shahla Haeri, 1989).
- » Richa Nagar (2000 - fall). Religion, Race And The Debate Over Mut'ah In Dar-E-Salaam (Temporary Marriage). Feminist studies funded by the Grants, The National Science Foundation (SES 9205409), The MacArthur Program, The Geography Department and the Graduate School at the University of Minnesota, USA.

- » Robert Chartham, 1969. Sex for Advanced Lovers. A Signet Book from New American Library, New York USA.
- » Robert P., George 2001. The 28th Amendment: it is time to protect marriage and democracy in America (Defense of Marriage Act may be in Jeopardy). National Review July 23, 2001.
- » Robinson, B. A. 2000. US Divorce Rate: For Various Faith Groups, Age Groups And Geographic Areas. Ontario Consultant on Religious Tolerance, July 7, 2000.
- » Rukhsana Banu, 1992 (an alias) Interview on November 29, 1992 (vide Richa Nagar 2000).
- » Ruqaiyyah Waris Maqsood, 1999. Turning Sex in Sadaqa ----- Excerpt from "The Muslim Marriage Guide". Amana Publications Reprinted in Beliefnet.com
- » S.M. Rizvi 1994 Marriage and Morals in Islam. Toronto, Canada
- » Saalih ibn Ghaanim al-Sadlaan, 1999. Causes [of Nushooz] that can be traced back to the husband himself or his friends.
- » Sayed Qutb, 1990. Tafseer 'Fi-Zilal Quran', Volume-III; Urdu Translation by Syed Hamid Ali. Al-Badr Publication, Lahore.
- » Shaheena Siddiqui (1997). Preparing Muslim for marriage. Islamic Social Service Association USA.
- » Shahla Haeri, 1989. Law of Desire: Temporary Marriage in Shi'i Iran. Syracuse University Press, Syracuse New York.
- » Shahnaz Dewji, 1993 (an alias). Interview on February 7, 1993 (vide Richa Nagar 2000).
- » Sheikh Muhammad Nasir-ud-Din al-Albaani 1999. The etiquettes of marriage and wedding (in the pure Traditions of the Prophet). Jamiyyah Ihyaa Minhaj - us- Sunnah.
- » Sheikh Umar bin Sidi-en-Nafzawi . The Perfumed Garden. (downloaded from internet)
- » Sheila Davis 1998. The ending of marriage. A senior divorce court welfare officer. Birmingham as quoted by Phil Reeves - Un-wedding. Independent.
- » Tabassum Sultana, 1993 (an alias). Interview on July 19, 1993 (vide Richa Nagar 2000).
- » Tabataba'i, Allamih Sayyid Muhammad Hussayn et al. 1985 Izdivaj-i-muvaqqat dar Islam (Temporary Marriage in Islam). Imam Sadiq Press, Qom (vide Shahla Haeri, 1989).
- » Tusi, Sheikh Abu Jaffar Muhammad, 1964 An-Nahayih, Translation from Arabic to Persian by Muhammad Taqi. Danish Pazhaz. Tehran University Press Tehran (vide Shahla Haeri. 1989).

- » Vatsyayana. Kama Sutra or Aphorism. (downloaded from internet)
- » Vesp Jennifer, 1992. Polyamory: frequently asked questions. Society for human sexuality, May 1992.
- » Waite, L.J., and Maggie Gallagher 2000 The Case for Marriage Among the perks.
- » William H. Masters. and Virginia E. Johnson, 1986. Human Sexual Response. Bantam Books, New York USA.
- » Woman's Commission of the Iranian Students Association in the US 1982. Women's Struggle in Iran. Woman's Commission September 1982 (vide Shahla Haeri, 1989).
- » Yaftabdi, Yaha 1974. Bargha-i-az-Zaman (Leaves from history). Shams Press Tehran, Iran (vide Shahla Haeri, 1989).
- » Yousaf al Qaradawi, 1999. The Lawful and Prohibited in Islam (Urdu). Islamic Publications (Pvt) Ltd Lahore.



ڈاکٹر آفتاب خان

جنس اور جنسیت

اسلامی تناظر میں

شریعت

فصل دوم

اور اسلام کے مطابق پاکستان کی شریعت

فون: 021-22212981 03003987

کتاب خانہ

کتاب خانہ اسلامیہ، کراچی

کتاب خانہ اسلامیہ، کراچی

042-37298884 042-37298884

